یہ تیرے پُراسرار بندے

(جدید ایڈیشن)

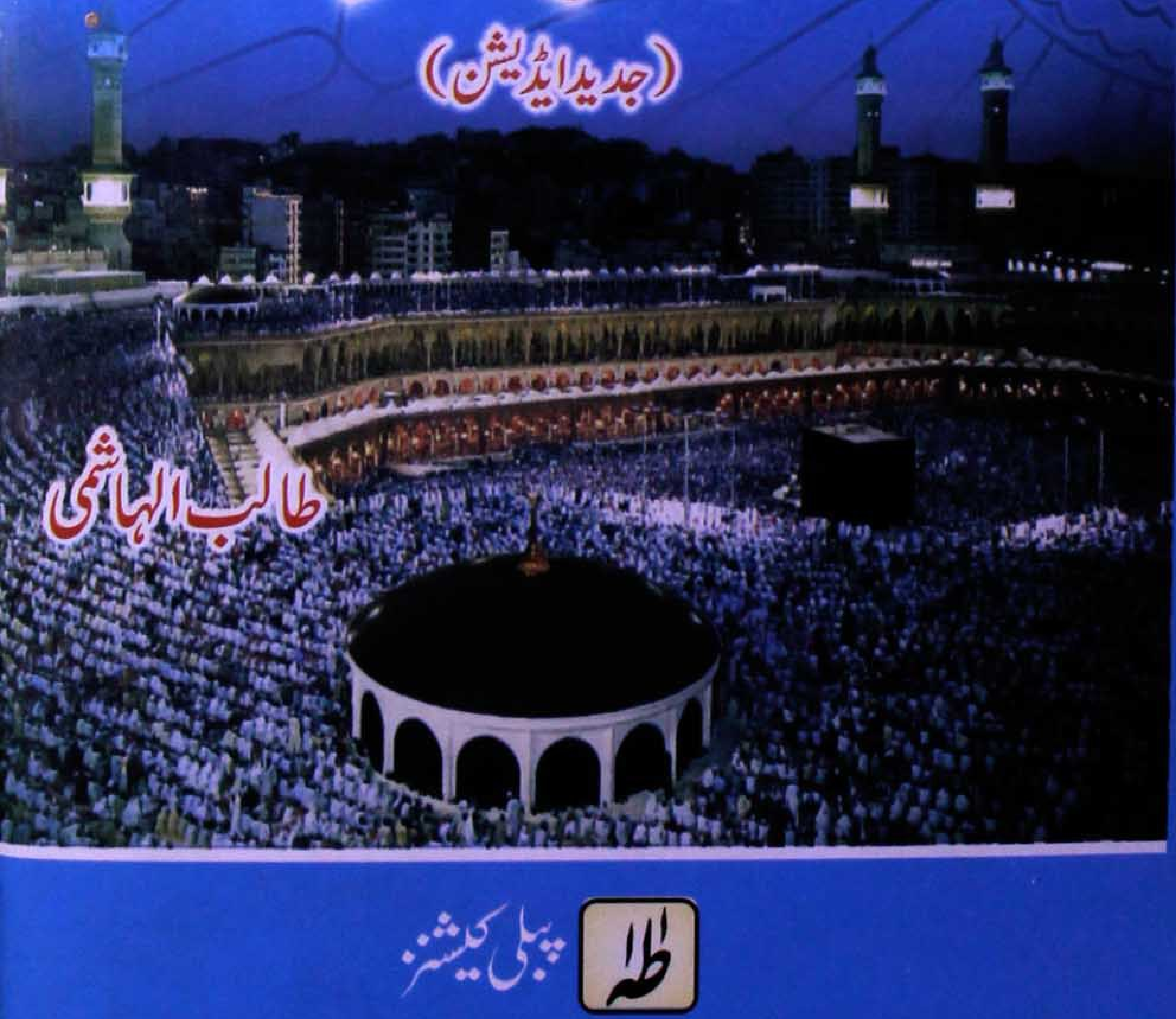

طالب الہاشمی

طٰہٰ پبلی کیشنز

یہ تیرے پُراَسرار بندے

(جدید ایڈیشن)

طالب الہاشمی

طٰہٰ پبلی کیشنز

۱۹۔ ملک جلال دین (وقف) بلڈنگ، چوک اُردو بازار لاہور

Ph:042-36120422, 0333-4470509

Marfat.com

اِس کتاب کا کوئی بھی حصہ طٰہٰ پبلی کیشنز/مؤلف سے باقاعدہ تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جاسکتا، اگر اس قسم کی کوئی بھی صورتِ حال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے۔ (قانونی مشیر: فیاض احمد مہر ایڈووکیٹ ہائیکورٹ لاہور)

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ

ناشر : محمد عفیف طٰہٰ
طبع جدید (دوم) : جنوری ۲۰۰۷ء
اشاعت سوم : نومبر ۲۰۰۹ء
اشاعت چہارم : جنوری ۲۰۱۴ء
کمپوزنگ : محمد لبیب جمیل
قیمت : ۸۵۰ روپے
مطبع : علی اعجاز پرنٹرز، لاہور
ISBN 969-8810-03-X

Marfat.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
ا	انتساب	7
ب	فرمودۂ اقبالؒ	8
ج	تمہید	9
	اصحابِؓ رسول اللہ ﷺ	
1-	حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب عمِّ رسولؐ	13
2-	حضرت یاسرؓ بن عامر	38
3-	حضرت نعیم النحامؓ	42
4-	حضرت سلیطؓ بن عمرو	48
5-	حضرت ابوسبرہؓ بن ابی رہم	53
6-	حضرت طلیبؓ بن عمیر	56
7-	حضرت سائبؓ بن عثمان جمحیؓ	61
8-	حضرت ذوالشمالینؓ	67
9-	حضرت فضلؓ بن عباسؓ	68
10-	حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ	72
11-	حضرت مرثدؓ بن ابی مرثد غنویؓ	102
12-	حضرت یزیدؓ بن زمعہ	108
13-	حضرت عیاضؓ بن زہیر	110
14-	حضرت محمیہؓ بن الجزء	112
15-	حضرت عقبہؓ بن عامر جہنی	114
16-	حضرت عمرانؓ بن حصین کعبیؓ	123
17-	حضرت علاءؓ بن عبداللہ حضرمی	134
18-	حضرت وہبؓ بن سعد عامریؓ	143
19-	حضرت ربیعہؓ بن اکثم اسدی	145
20-	حضرت سعدؓ بن خولہ	146
21-	حضرت القعقاعؓ	148
22-	حضرت قباثؓ بن اشیم کیانی	185
23-	حضرت نعمانؓ بن مقرن مزنی	188
24-	حضرت کرزؓ بن جابر فہری	206
25-	حضرت عثمانؓ بن طلحہ عبدری	211
26-	حضرت عداسؓ	218
27-	حضرت عبداللہ بن جعفرؓ	230
28-	حضرت عبداللہ بن شہاب زہری	244
29-	حضرت سعیدؓ بن یربوع	245
30-	حضرت ہاشمؓ بن عتبہ	248
31-	حضرت ابن ابی اوفیٰؓ	261
32-	حضرت مالکؓ بن التیہان انصاری	268
33-	حضرت عمروؓ بن معاذ انصاری	276

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
34-	حضرت کلثومؓ بن الہدم انصاری	277
35-	حضرت ثابتؓ بن جذع انصاری	279
36-	حضرت عبداللہ بن عبداللہ انصاری	280
37-	حضرت ابوضیاح انصاریؓ	292
38-	حضرت محمدؓ بن مسلمہ انصاری	293
39-	حضرت رفاعہؓ بن عمرو انصاری	311
40-	حضرت طفیلؓ بن مالک انصاری	312
41-	حضرت عقربتہ الجہنیؓ	312
42-	حضرت سلیمؓ بن عمرو انصاری	313
43-	حضرت عنترہؓ	313
44-	حضرت رافعؓ بن خدیج انصاری	314
45-	حضرت انیسؓ بن قتادہ انصاری	321
46-	حضرت رفاعہؓ بن وقش انصاری	322
47-	حضرت مسعودؓ بن ربیع القاری	323
48-	حضرت سمرہؓ بن جندب انصاری	324
49-	حضرت سعدؓ بن مالک خدری	331
50-	حضرت عقبہؓ بن عامر انصاری	343
51-	حضرت فضالہؓ بن عبید انصاری	344
52-	حضرت مخریقؓ	349
53-	حضرت زیدؓ بن سعنہ	351
54-	حضرت مالک بن نمط ہمدانی	355
55-	حضرت جبر رومیؓ	358
56-	حضرت کرزؓ بن علقمہ	361
57-	حضرت محرز بن عامر انصاری	363
58-	حضرت فروہؓ بن نعمان انصاری	364
59-	حضرت عبیدؓ بن خالد سلمی	366
60-	حضرت نعمان بن بازیہ	368
61-	حضرت دیلم حمیریؓ	370
62-	حضرت عبداللہؓ بن لبید	372
63-	حضرت عبدالرحمن بن مربع	374
64-	حضرت مسعودؓ بن زرارہ انصاری	376
65-	حضرت عبدالرحمنؓ بن وائل	377
66-	حضرت مدلجؓ بن عمرو	378
67-	حضرت مالکؓ بن عمیر السلمی	379
68-	حضرت عمروؓ بن ثعلب عنبری	380
69-	حضرت عمارؓ بن معاذ انصاری	382
70-	حضرت عبداللہؓ بن کعب انصاری	384
71-	حضرت عبداللہ بن صعصعہ انصاری	385
72-	حضرت سلمانؓ بن ربیعہ	386
73-	حضرت سعدؓ بن عبید	388
74-	حضرت جاریہ بن ظفر	390
75-	حضرت حارثؓ بن قیس زرقی	392
76-	ابو ہندؓ حجام بیاضی	393
77-	حضرت ابوموہبہؓ	394
78-	حضرت ابوعیاشؓ زرقی	396
79-	حضرت ابوخزیمہؓ بن اوس	397
80-	حضرت جبر بن قیس فزاری	398
81-	اصحاب صفہؓ	401

Marfat.com

مشاہیرِ اُمت

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
1-	حضرت اویس قرنیؒ	409
2-	حضرت ابوعبید ثقفیؒ	423
3-	حضرت عقبہ بن نافع فہریؒ	434
4-	حضرت سعیدؒ بن مسیبؒ (رئیس التابعین)	446
5-	حضرت خواجہ حسن بصریؒ	470
6-	حضرت قتادہ بصریؒ	476
7-	حضرت قاسمؒ بن محمد بن ابی بکرؓ	482
8-	حضرت عطاءؒ بن ابی رباح	488
9-	حضرت سعید بن جبیرؒ	492
10-	حضرت صفوان بن سلیم زہریؒ	504
11-	حضرت امام ربیعۃ الرائیؒ	508
12-	حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ	515
13-	حضرت یحییٰ بن یعمر لیثیؒ	575
14-	قتیبہ بن مسلم باہلی	579
15-	حضرت عبداللہ بن مبارک مروزیؒ	598
16-	قاضی اسد بن فراتؒ	629
17-	شمس الائمہ سرخسیؒ	654
18-	ابونصر فارابیؒ	660
19-	ابوالقاسم زہراوی	665
20-	ابوریحان البیرونی	669
21-	بوعلی سینا	684
22-	عمر خیام	693
23-	ابن رومیہ	705
24-	شیخ عبداللہ بن یاسینؒ	713
25-	علامہ ابواسحاق شیرازیؒ	729
26-	امام الحرمین جوینیؒ	735
27-	امام عزؒ الدین دمشقیؒ	738
28-	حضرت شمس تبریزیؒ	749
29-	مولانا جلال الدین رومیؒ	761
30-	سلطان الپ ارسلان	780
31-	خواجہ نظام الملک طوسی	809
32-	شہید ملت حسین سفاقسیؒ	820
33-	امام ربانی مجددؒ الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ	828
34-	علامہ عبدالحکیم سیالکوٹیؒ	833
35-	شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ	842
36-	شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ	848
37-	سید غوث علی شاہ قلندر پانی پتیؒ	864
38-	شیخ محمد بن عبداللہ الحسنؒ	895
39-	حکیم حبیب الرحمٰن اخونزادہ	912
40-	علامہ شبیر احمد عثمانیؒ	943
41-	کتابیات	958

Marfat.com

فہرست اہم حواشی

نمبر شمار	مضمون/عنوان	صفحہ
-1	بیع سلم	267
-2	عبداللہ بن اُبَیّ کی بکواس	287
-3	حضرت زیاد بن لبید	373
-4	حضرت اسد بن زرارہ	376
-5	نظامی عروضی	509
-6	ابنِ بیطار	7.6
-7	ابن ابی اصیبعہ	707
-8	شیخ صلاح الدین زرکوبؒ	756
-9	محمد خوارزم شاہ	762
-10	بساسیری	786
-11	یوسف خوارزمی	805
-12	یحییٰ بن خالد برمکی	809
-13	طوس	810
-14	علی طوسی	810
-15	عمید الملک کِندری	812
-16	علامہ کمال الدین کشمیریؒ	835
-17	مولانا فضلِ امام خیر آبادیؒ	875
-18	مولانا فضلِ حق خیر آبادیؒ	876
-19	سید گل حسن شاہؒ	892
-20	مولانا عبدالحی فرنگی محلی	913
-21	حاجی خلیفہ	917

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

انتساب

فضیلت مآب حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

جن کی بے پایاں شفقت اور حوصلہ افزائی نے میرے جذبۂ عمل کو مہمیز لگائی اور جن کی پُرخلوص دعاؤں کی بدولت مجھ ناچیز کو یہ کتاب تالیف کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن آج سے تقریباً پچیس سال پہلے شائع ہوا تھا۔ بفضلِ الٰہی اس نے اتنی مقبولیّت حاصل کی کہ اب تک اس کے گیارہ بارہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ افسوس کہ آج جب اس کتاب کا اضافہ شدہ ایڈیشن منصّہ شہود پر آ رہا ہے، پیر صاحب موصوف ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں۔ آپ ۹ ذالحجہ ۱۴۱۸ ہجری کو رہگرائے عالمِ جاوداں ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔ اب اس جدید ایڈیشن کا انتساب بھی انہی کے اسمِ گرامی سے اس دعا کے ساتھ کر رہا ہوں کہ اللہ جلّ شانہٗ آسمانِ علم و معرفت کے اس آفتابِ جہانتاب اور خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عاشقِ صادق کو اعلیٰ علیّین میں جگہ عطا فرمائے۔

ناچیز طالب الہاشمی

۲ رمضان المبارک ۱۴۲۵ ہجری

(۱۷ اکتوبر ۲۰۰۴ء)

Marfat.com

فرمودۂ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

یہ غازی یہ تیرے پُراَسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

دوعالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذّتِ آشنائی

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

Marfat.com

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

تمہید

بادہ در جوش است و یاراں منتظر
ساقیا! خُذ ماصفا دعْ ماکدر

اُس ذاتِ بے ہمتا کا کما حقہ شکر ادا کرنے سے زبان قاصر ہے جس نے مجھ جیسے ہیچمدان کو یہ کتاب تالیف کرنے کی توفیق نصیب فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے پہلے سیرت و سوانح کے موضوع پر میری جو کتابیں شائع ہوئیں' میری توقع سے کہیں بڑھ کر ان کی قدر ہوئی اور اس بات نے مجھے ولولۂ تازہ عطا کیا---- یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے کہ اس نے میری تحریر میں تاثیر پیدا کی' اس کو مقبولیت عامہ سے نوازا اور میرے رہوارِ قلم کو مسلسل پچاس سال سے سیرت نگاری کی راہ پر گامزن رکھا۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن تقریباً پچیس سال پہلے شائع ہوا تھا۔ اس کی ضخامت ۶۳۸ صفحات تھی۔ گزشتہ ۲۵ سالوں میں یہ ایڈیشن دس گیارہ مرتبہ ایک ایک ہزار کی تعداد میں چھپ چکا ہے۔ اب اس جدید ایڈیشن کی ضخامت ۹۶۰ صفحات کر دی گئی ہے اور جن صحابۂ کرامؓ اور مشاہیرِ اُمّت کے تذکرے اس میں شامل ہیں' ان کی تعداد ۷۶ (۵۳ صحابۂ کرامؓ اور ۲۳ مشاہیرِ اُمّت) سے بڑھا کر ۱۲۰ (۸۰ صحابۂ کرامؓ اور ۴۰ مشاہیر امت) کر دی گئی ہے۔ اصحابِ صُفّہ کے عمومی حالات ان کے علاوہ ہیں جو اصحاب اس کتاب کا سابقہ ایڈیشن خرید چکے ہیں۔ وہ یہ جدید ایڈیشن ناشر سے نصف قیمت پر حاصل کر سکتے ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کے بعض مندرجات کسی قاری کے تحقیقی معیار کے مطابق نہ ہوں یا انہیں ان کے کسی پہلو سے اختلاف ہو' ان سے میری استدعا ہے کہ وہ

Marfat.com

کسی مضمون کا کسی خاص مسلک کے نقطہ نگاہ سے تجزیہ نہ کریں بلکہ خذ ما صفا دع ما کدر پر عمل کریں' جو بات ان کے نزدیک درست ہے اسے قبول کرلیں اور جس سے ان کو اختلاف ہے اسے نظر انداز کردیں۔ ویسے میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں نے حتی الوسع داستان طرازی سے بچنے کی کوشش کی ہے اور کتاب کو مرتب کرتے وقت نہ صرف مستند مآخذ بلکہ امام عبداللہ الذہبیؒ کے اس ارشاد کو بھی پیش نظر رکھا ہے کہ:

"جو قوم اپنے اسلاف (اکابر) کے صحیح اور سچے حالات سے بے خبر ہے اور اس کو علم نہیں کہ اس کے رہبروں اور بزرگوں نے دین وملت کی کیا خدمت کی ہے' ان کے اعمال کیسے تھے' وہ کیا کرتے تھے اور کیا کہتے تھے' تو وہ قوم تاریکی میں بھٹک رہی ہے اور یہ تاریکی اس کو گمراہی میں بھی مبتلا کرسکتی ہے اس لیے کہ بزرگان سلف کے صحیح حالات سے ناواقفیت اس کو غیر مصدقہ اور فرضی حالات گھڑنے اور جھوٹے افسانے تراشنے پر مجبور کردیتی ہے۔ لہٰذا قوم کا یہ فرض ہے کہ وہ اکابر ملت کے ان تذکار کو تلاش کرکے پڑھے جو حقائق پر مبنی ہوں اور جھوٹ کی آمیزش سے پاک ہوں۔"

اس کتاب کی تالیف سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ میرے مسلمان بھائی ان کے نشانات پر اپنا جادۂ حیات طے کرنے کے لیے ہمت اور رہنمائی حاصل کریں اور ان کے حسن عمل سے میرے نامۂ اعمال کی سیاہی بھی دھل جائے۔

آخر میں قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ اس کتاب کے اسقام سے ناشر یا مؤلف کو آگاہ کرکے عنداللہ ماجور ہوں۔

خاکسار

طالب الہاشمی

۲ رمضان المبارک ۱۴۲۵ ہجری

Marfat.com

تذکارِ صحابہ رضی اللہ عنہم

Marfat.com

اللہ اُن سے راضی ہوا

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (التوبۃ آیۃ:۱۰۰)

وہ مہاجر اور انصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوتِ ایمان قبول کرنے میں سبقت کی، نیز وہ جو راست بازی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی عظیم الشان کامیابی ہے۔

Marfat.com

حضرت عبّاس بن عبدالمطّلب رضی اللہ عنہ......(عمِّ رسولؐ)

(۱)

سیدنا حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت (۱۸ ہجری) میں ایک مرتبہ طویل خشک سالی نے اہل عرب پر قیامت ڈھا دی اور وہ شدید قحط کی لپیٹ میں آ گئے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے مصائب و آلام کم کرنے کے لیے جو بھی انسانی تدبیر ممکن تھی، اختیار کی لیکن بارانِ رحمت کے بغیر لوگوں کے مصائب ختم ہوتے نظر نہیں آتے تھے۔ چنانچہ ایک دن حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ دوسرے لوگوں کو ساتھ لے کر نمازِ استسقا کے لیے مدینہ منوّرہ سے باہر تشریف لے گئے۔ مجمع میں ایک گورے چٹے، حسین و جمیل، بلند و بالا سفید ریش بزرگ بھی تھے۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسّل سے بارش کی دعا کیا کرتے تھے۔ اب آپ کے وسیلہ سے بارگاہِ الٰہی میں بارش کی استدعا کرتے ہیں۔"

یہ سن کر وہ بزرگ منبر پر تشریف فرما ہوئے، دستِ دعا اٹھائے اور نہایت عجز و الحاح اور خشوع و خضوع کے ساتھ بارگاہِ ربّ العزّت میں بارش کے لیے التجا

Marfat.com

کی۔ تمام حاضرین نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ ابھی وہ دعا مانگ کر فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ یکا یک صاف شفّاف آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے اور اس قدر بارش ہوئی کہ جل تھل ایک ہو گئے۔ یہ بارش صحیح معنوں میں بارانِ رحمت تھی اس لیے لوگ فرطِ مَسَرّت سے بے خود ہو گئے۔ بار بار اللہ تعالیٰ کا شُکر ادا کرتے تھے اور ان بزرگ کے ہاتھ پاؤں چُوم چُوم کر کہتے تھے "ساقی حرمین مبارک ہو، ساقیِ حَرَمین مبارک ہو۔"

نورانی صورت کے یہ مستجاب الدّعوات بزرگ جن کو اہلِ مدینہ نے ساقیِ حرمین کا خطاب دیا، سیدنا حضرت عبّاس بن عبدالمُطّلب رضی اللہ عنہ تھے۔

(۲)

حضرت ابوالفضل عبّاس بن عبدالمُطَّلب رضی اللہ عنہ کے حسب ونسب کے بارے میں اتنا ہی لکھ دینا کافی ہے کہ وہ سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدِ ماجد جناب عبداللہ بن عبدالمُطّلب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے عَلّاتی بھائی تھے اور ان سے عمر میں تقریباً بائیس برس بڑے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت سے کچھ مدت پہلے انہوں نے وفات پائی تو اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی عمر اڑھائی تین برس کی تھی۔ گویا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً تین برس پہلے پیدا ہوئے تھے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام نُتَیلہ بنتِ جناب تھا۔ وہ قبیلہ النمر سے تعلق رکھتی تھیں۔ علّامہ ابنِ اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ عہدِ طفلی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ گم ہو گئے تھے۔ نُتَیلہ نے نذر مانی کہ اگر میرا گم گشتہ فرزند مل گیا تو خانۂ کعبہ پر دیبا وحریر کا غلاف چڑھاؤں گی۔ خوش قسمتی سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ بالکل صحیح وسالم مل گئے۔ چنانچہ ان کی والدہ نے بڑی دھوم دھام سے اپنی مَنّت پوری کی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ پہلی عرب خاتون ہیں جنہوں نے زمانۂ جاہلیّت میں خانۂ کعبہ پر دیبا وحریر کا غلاف چڑھایا۔

Marfat.com

زمانۂ جاہلیت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا شمار قریش کے سربرآوردہ روٗسا میں ہوتا تھا۔ وہ ایک کامیاب تاجر تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ یمن اور بعض دوسرے علاقوں میں کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور لوگوں کو سُود پر روپیہ بھی قرض دیا کرتے تھے۔ طائف میں ان کا ایک باغ بھی تھا۔ وہ اپنے سوتیلے بھائی جناب ابوطالب بن عبدالمُطّلِب سے زیادہ خوشحال تھے۔ ابنِ اثیر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو خانہ کعبہ کا انتظام و انصرام اور سقایہ کا عہدہ اپنے والد جناب عبدالمُطّلِب سے ورثہ میں ملا تھا لیکن بعض دوسرے موٗرّخین نے لکھا ہے کہ حاجیوں کو پانی پلانے (سقایۃ) اور کھانا کھلانے (رفادہ) کا منصب انہیں جناب ابوطالب نے ایک قرض کی ادائی کے سلسلے میں تفویض کیا تھا۔ (دائرہ معارف اسلامیہ)

بہر صورت حضرت عباس رضی اللہ عنہ زمانۂ جاہلیت کی نہایت ممتاز شخصیت تھے۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ قریشِ مکہ نے انہیں "ذوالرّائی" کا خطاب دے رکھا تھا اور تمام اہم معاملات میں اِن سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ طبعًا بڑے فیّاض اور کنبہ پرور تھے۔ انہوں نے بنو ہاشم کے تمام مسکینوں محتاجوں اور بے کسوں کے لیے روٹی، کپڑا اور دوسری ضروریات کی فراہمی اپنے ذِمّہ لے رکھی تھی اور ان کے دسترخوانِ پر بیسیوں نادار اور محتاج پرورش پاتے تھے۔

(۳)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو جن سعید روحوں نے اس پر لبیک کہنے میں سبقت کی ان میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت اُمّ الفضل بنتِ حارث رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ بعض روایات کے مطابق اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد وہ دوسری خاتون تھیں جو سعادت اندوزِ ایمان ہوئیں۔ خود حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کُھلّم کُھلّا قبولِ اسلام کا اظہار تو نہ کیا لیکن مشرکینِ قریش کے

Marfat.com

مقابلے میں انہوں نے حضور ﷺ کی حفاظت اور معاونت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ معتبر روایات کی رو سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فتح مکّہ سے کچھ عرصہ پہلے اپنے اسلام کا اعلان کیا اور اسی موقع پر ہجرت الی المدینہ کا شرف بھی حاصل کیا۔ لیکن بعض اربابِ سیر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بعثتِ نبوی کے اوائل ہی میں ایمان لا چکے تھے لیکن کچھ مصلحتوں کے پیشِ نظر انہوں نے اپنے اسلام کو مخفی رکھا اور ظاہری طور پر مشرکین سے ہمیشہ کے معمول کے مطابق ملتے جلتے رہے۔ "مدارج النبوۃ" میں ہے کہ حضور ﷺ کی ہجرت کے بعد وہ مشرکوں کی خبریں آپ ﷺ کو لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں لیکن حضور ﷺ نے ان کو پیغام بھیجا کہ آپ کا مکّہ ہی میں اقامت گزین رہنا زیادہ منفعت بخش ہے۔

دعوتِ توحید کے آغاز کے بعد مشرکینِ مکّہ نے حق کے داعیِ اعظم صَلَّی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے نام لیواؤں کو جس طرح ستایا اور حق کے راستے میں جس طرح روڑے اٹکائے وہ تاریخ کا ایک المناک باب ہے۔ اس پُر آشوب دَور میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ حضور ﷺ کا ساتھ دیا اور آپ کو کفّار کے دست تظلّم سے محفوظ رکھنے کے لیے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ ایّامِ حج میں یا دوسرے موقعوں پر قبائلِ عرب کو دعوتِ توحید دینے تشریف لے جاتے تو کبھی کبھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے۔ حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ بنی کندہ، بنی بکر بن وائل اور بنی عامر بن صعصعہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو حق کی طرف بلایا۔ ایک اور موقع پر آپ ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ بنو ثقیف اور بعض دوسرے قبائل کے پاس

Marfat.com

بھی تشریف لے گئے۔ ابن سعد رحمۃ اللہ کا بیان ہے کہ ۱۳ بعدِ بعثت میں مدینہ سے حاجیوں کے قافلے میں پچھتّر اہلِ ایمان بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور بیعت سے مشرّف ہونے کے لیے مکہ آئے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ معن بن عدی رضی اللہ عنہ اور سعد بن خثیمہ رضی اللہ عنہما سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف رکھتے تھے۔ دورانِ گفتگو میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ تمہارے ساتھ تمہاری قوم کے وہ لوگ بھی ہیں جو تمہارے مخالف ہیں اس لیے اپنا معاملہ مخفی رکھو یہاں تک کہ حاجی منتشر ہو جائیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے اہلِ ایمان سے ملاقات کے لیے وہ رات تجویز فرمائی جس کی صبح کو "یوم النفر الآخر" کہا جاتا ہے (یعنی وہ آخری دن جب حاجی منیٰ سے روانہ ہو جاتے ہیں) اور مقامِ ملاقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ کی گھاٹی کا نشیبی حصہ مقرر فرمایا۔ مقررہ تاریخ اور وقت پر اوس وخزرج کے اہلِ ایمان عقبہ کی گھاٹی میں جمع ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ اہلِ مدینہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاں تشریف لانے کی دعوت دی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے مخاطب ہو کر کہا:

"اے گروہِ خزرج (اُس زمانے میں اَوس اور خَزرَج کے مجموعے کو خزرَج کہا جاتا تھا)، تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی ہے اور حال یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے خاندان اور رشتہ داروں میں بے حد قدر و منزلت رکھتے ہیں۔ ہم میں سے جنہوں نے ان کا دین قبول کر لیا ہے اور جنہوں نے نہیں کیا، سب حسب اور شرف کی بنا پر ان کی حفاظت کر رہے ہیں مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سب کو چھوڑ کر تمہارے پاس ہی جانا چاہتے ہیں۔ اب تم دیکھ لو تم اتنی طاقت، ہمت اور

Marfat.com

جنگی بصیرت رکھتے ہو یا نہیں کہ تمام عرب کی عداوت کے مقابلے میں استقامت دکھا سکو کیونکہ عرب متحد ہو کر تم پر یلغار کر دیں گے لہٰذا باہمی مشورہ سے خوب سوچ سمجھ کر کوئی ایسا فیصلہ کرو جس پر سب کا اتفاق ہو کیونکہ سب سے اچھی سچی بات ہے۔''

پھر انہوں نے پوچھا:

''ذرا مجھے یہ تو بتاؤ کہ تم اپنے دشمن سے کس طرح نبرد آزما ہوتے ہو؟''

حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن حرام نے اٹھ کر کہا:

''اے عباس! خدا کی قسم ہم جنگ آزما لوگ ہیں' رزم آرائی ہم نے باپ دادا سے ورثے میں پائی ہے' پہلے ہم دشمن پر تیر برساتے ہیں۔ جب تیر ختم ہو جائیں تو نیزوں سے دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں یہاں تک کہ نیزے بھی بیکار ہو جائیں' پھر ہم تلواریں سونت کر دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں یہاں تک کہ ہم مر جاتے ہیں یا دشمن فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بے شک تم جنگ آزما لوگ ہو۔''

پھر حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے کہا:

''واللہ ہمارے دلوں میں کچھ اور ہوتا تو ہم صاف صاف کہہ دیتے مگر ہم تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سچی وفاداری کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنی جانیں لڑا دینا چاہتے ہیں۔ ہم نے تلواروں کی گود میں پرورش پائی ہے اور ہم ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سینہ سپر رہیں گے۔''

اس کے بعد اہلِ مدینہ میں سے کچھ اور اصحاب نے اپنی جاں نثاری اور وفاشعاری کا یقین دلایا۔ پھر جب سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے مشرف ہو چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے کاشانۂ اقدس کو مراجعت فرمائی۔

Marfat.com

(۴)

بیعت لیلۃ العقبہ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد سرورِ عالم ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ رمضان ۲ ہجری میں غزوہ بدر پیش آیا تو مسلمانوں کے مقابلے پر اہلِ مکہ کے لشکر میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل تھے جو مشرکین کے مجبور کرنے پر سخت ناگواری کے ساتھ شریکِ جنگ ہوئے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ' ابوالبختری بن ہشام اور کچھ دوسرے اشخاص ایسے ہی لوگوں میں سے تھے۔ حضور ﷺ کو حقیقتِ حال کا علم تھا اس لیے لڑائی سے پہلے آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ:۔

"بعض لوگ زبردستی ہمارے مقابلہ پر کھینچ لائے گئے ہیں وہ ہم سے قطعاً لڑنا نہیں چاہتے لہٰذا اثنائے جنگ میں میرے چچا عباس بن عبدالمطلب یا بنو ہاشم کا کوئی دوسرا آدمی اور ابوالبختری بن ہشام تمہارے سامنے آجائیں تو ان کو قتل نہ کرنا۔"

جلیل القدر صحابی حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ' حضور ﷺ کے ارشاد کی حکمت کو نہ سمجھ سکے اور بول اٹھے:

"یہ حق و باطل کا مقابلہ ہے۔ یہ کیا تفریق ہے کہ ہم اپنے باپ بیٹے بھائی اور خاندان والوں کو تو قتل کریں اور عباس اور دوسرے بنو ہاشم کو چھوڑ دیں' واللہ اگر میں نے عباس کو پالیا تو انہیں اپنی تلوار کی لگام دوں گا۔"

حضور ﷺ کو حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی بات ناگوار گزری' آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: "ابوحفص' تم نے سنا' کیا عمِ رسول کا چہرہ تلوار کے قابل ہے؟" حضرت عمر فرطِ غضب سے بے تاب ہو گئے اور عرض کیا "یارسول اللہ اگر اجازت ہو تو میں ابوحذیفہ کا سر قلم کر دوں۔"

Marfat.com

حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نہایت مخلص اور جاں نثار صحابی تھے اور یہ جذباتی بات ان کے منہ سے اتفاقیہ نکل گئی تھی اس لیے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے درگزر سے کام لیا۔

غزوۂ بدر میں مشرکین کو عبرتناک شکست ہوئی۔ ان کے تقریباً ستر آدمی میدانِ جنگ میں کام آئے اور اسی قدر مسلمانوں کے ہاتھ اسیر ہو گئے۔ قیدیوں میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ اتفاق سے ان کی مُشکیں اس قدر کس کر باندھی گئیں کہ وہ رات کو تکلیف سے بار بار کراہتے تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کراہیں سن کر بے تاب اور مضطرب ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام نہ فرما سکے اور حالتِ بے خوابی میں کروٹیں بدلنے لگے۔ آخر صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا' یارسول اللہ! آپ مضطرب اور بے چین کیوں ہیں؟ فرمایا' میرے چچا عباس کی کراہوں نے مجھے بے چین کر رکھا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر کراہنے کی وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ ان کا بند بہت سخت ہے۔ انہوں نے بند ڈھیلا کر دیا اور وہ سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو پھر بلایا اور پوچھا کہ کیا وجہ ہے اب عباس خاموش ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا' یارسول اللہ' ان کا بند بہت سخت تھا' انہیں اسی کی تکلیف تھی' ہم نے اس کو ڈھیلا کر دیا ہے اور وہ سو گئے ہیں۔ فرمایا' تو دوسرے قیدیوں کے بند بھی ڈھیلے کر دو۔

(طبقات ابنِ سعد)

صحیح بخاری میں ہے کہ بدر کے قیدیوں کے کپڑے لڑائی میں پھٹ گئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سب کے لیے کپڑے مہیا کیے جائیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرداً فرداً سب کو کپڑے دلوائے۔ ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قد اتنا بلند و بالا تھا کہ ان کے بدن پر کسی کا پیرہن ٹھیک نہیں اترتا تھا۔ اس موقع پر

Marfat.com

رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرح بلند قامت تھا' گھر سے اپنا کُرتا منگوا کر انہیں پہنایا۔ چند سال بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابنِ اُبی کے مرنے پر اپنا پیرہن مبارک اس کی لاش کو پہنانے کے لیے دیا' وہ درحقیقت اس کے اسی احسان کا معاوضہ تھا۔

چند دن بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کے بعد یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ غزوۂ بدر کے جو قیدی فدیہ دینے کی مقدرت رکھتے ہیں ان سے بقدرِ استطاعت فدیہ لیا جائے اور جو فدیہ نہیں دے سکتے اور لکھنا جانتے ہیں وہ انصار کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں۔ جب وہ اچھی طرح لکھنا سیکھ جائیں تو قیدیوں کو رہا کر دیا جائے اور جو نہ فدیہ دے سکتے ہیں اور نہ کتابت جانتے ہیں ان کو بطورِ احسان چھوڑ دیا جائے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی والدہ کا تعلق انصار کے قبیلہ خزرج سے تھا اس لیے انصار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ عباس ہمارے بھانجے ہیں' ہم ان کا فدیہ چھوڑتے ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصولِ مساوات کے پیشِ نظر (حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبِ حیثیت ہونے کی بنا پر) انصار کی درخواست کو قبول نہ فرمایا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ایک بڑی رقم بطورِ فدیہ طلب فرمائی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "مدارج النبوۃ" میں یہ روایت درج کی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ مکہ سے اپنے ساتھ بیس اوقیہ سونا اس غرض سے لائے تھے کہ واپسی کے وقت قریش کے لشکر کو کھانا کھلائیں گے لیکن جب وہ گرفتار ہو گئے تو ان سے سونا لے کر مالِ غنیمت میں داخل کر دیا گیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ وہ بیس اوقیہ سونا میرا فدیہ سمجھا جائے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے ان کی استدعا کو قبول نہ کیا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ابنِ جریر طبریؒ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے زرِ فدیہ کے مطالبہ کے جواب میں عرض کیا کہ میں تو در پردہ مسلمان تھا' قریش نے مجھ کو زبردستی اس لڑائی میں شریک کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' دل کے حال سے اللہ تعالیٰ زیادہ واقف ہے اگر آپ کا بیان صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر دے گا لیکن بظاہر تو آپ مشرکین کے لشکر میں شریک ہو کر اہلِ حق سے لڑنے آئے تھے اس لیے آپ کو فدیہ دینا ہوگا۔

اب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی بے مائگی کا عذر کیا اور کہنے لگے' اے بھتیجے یہ سخت شرم کی بات ہو گی کہ آپ کا چچا زرِ فدیہ کے لیے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔

ادھر وحیِ الٰہی کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھریلو حالات کا علم ہو چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت کچھ دے رکھا ہے' مکّہ سے چلتے وقت آپ سونے کی ایک بڑی مقدار اُمّ الفضل کے پاس رکھ آئے تھے اور ان سے کہا تھا کہ معلوم نہیں لڑائی کا کیا انجام ہو۔ اگر میں بخیریت واپس آ گیا تو بہتر ورنہ چار بیٹوں میں سے فضل کو اس قدر' عبداللہ کو اس قدر' قثم کو اس قدر اور عبیداللہ کو اس قدر دینا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا' آپ کو کیسے معلوم ہوا؟

ارشاد ہوا' مجھے وحِیِ الٰہی کے ذریعہ سے معلوم ہوا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بے ساختہ کہا' خدا کی قسم اس رقم کا حال میرے اور اُمّ الفضل کے سوا کوئی نہ جانتا تھا' بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں...... اس کے بعد حضرت عباس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا اور اپنے بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کا فدیہ ادا کر کے آزادی حاصل کی۔

Marfat.com

(۵)

ایک طرف مدینہ مُنوَّرہ میں یہ معاملات طے ہو رہے تھے دوسری طرف مکّہ میں مشرکین کی ہزیمت کی خبر سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اہلِ خانہ خوشیاں منا رہے تھے۔

ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں حضرت عباس کا غلام تھا اور اسلام ہمارے گھر میں داخل ہو چکا تھا' حضرت عباس' ان کی زوجہ اُمُّ الفضل اور میں سب اسلام لا چکے تھے مگر حضرت عباس اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھے۔ غزوۂ بدر کے بعد جب کفار کے ہر گھر میں ماتم برپا تھا' ہمارے ہاں خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔

ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ اور ابنِ جریر طبریؒ نے اس سلسلہ میں حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی زبانی ایک دلچسپ واقعہ بھی نقل کیا ہے۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں مشرکین کی شکست کی خبر مکّہ پہنچی تو ہمیں بے حد مُسرّت ہوئی۔ میں اس وقت چاہِ زمزم کے قریب ایک حجرے میں تیر سازی میں مشغول تھا اور میری مالکہ اُمُّ الفضل بھی وہیں تشریف فرما تھیں۔ اتنے میں ابولہب گھسٹتا ہوا ہماری طرف آیا اور حجرہ کی طناب کے پاس میری پیٹھ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ابوسفیان بن حارث بن عبدالمُطَّلِب (حضور کے عم زاد بھائی جو ہنوز مشرّف بہ ایمان نہیں ہوئے تھے) ادھر سے گزرے۔ ابولہب نے انہیں آواز دی کہ بھتیجے ذرا ادھر آنا۔ وہ آئے تو ابولہب نے اُن سے پوچھا' برادرزادے! کہو بدر میں کیا حالات پیش آئے۔ ابوسفیان بن حارث کہنے لگے' واللہ مسلمانوں نے ہماری قوّت تباہ کر دی' قریش کی حالت مسلمانوں کے سامنے ایسی تھی جیسے مُردہ غسّال کے ہاتھوں میں بے بس ہوتا ہے۔ مسلمانوں نے جس کو چاہا قتل کر دیا اور جس کو چاہا اسیر کر لیا۔ ایک عجیب منظر ہم نے یہ دیکھا کہ سفید رنگ کے بہت سے آدمی (یا سفید پوش) ابلق گھوڑوں پر سوار مسلمانوں کی مدد کر

Marfat.com

رہے تھے۔

میں نے ابوسفیان کی بات سن کر فوراً کہا "وہ فرشتے تھے۔" اس پر ابولہب بھڑک اٹھا۔ اس نے میرے منہ پر بڑے زور سے تھپڑ مارا' میں بھی اس سے لپٹ گیا لیکن وہ طاقتور تھا' مجھے گرا کر میرے سینے پر سوار ہو گیا اور بے تحاشا مارنے لگا۔ اُمّ الفضل پہلے تو خاموش بیٹھی دیکھتی رہیں پھر وہ اٹھیں اور ایک موٹا سا لٹھ لے کر اس زور سے ابولہب کے سر پر مارا کہ اس کا سر کھل گیا پھر اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگیں:

"بے حیا اس کا آقا یہاں نہیں ہے اس لیے کمزور سمجھ کر مارتا ہے۔"

ابولہب کو بھاوج کے سامنے بولنے کی جرأت نہ ہوئی اور وہ کان دبا کر وہاں سے چلا گیا۔

ابنِ اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کئی بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت طلب کی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باز رکھا اور فرمایا کہ فی الحال آپ کا مکّہ میں قیام زیادہ مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مجھ پر نبوّت ختم کی اسی طرح آپ پر ہجرت ختم کرے گا۔

اوائل ۷ ہجری میں خیبر فتح ہوا تو ایک صاحبِ رسول حضرت حجاج رضی اللہ عنہ بن علاط سُلمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر مکہ آئے۔ ان کا کل اثاثہ مکّہ میں تھا اور وہ اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ بہت سے لوگوں سے ان کو اپنا قرض بھی وصول کرنا تھا۔ چونکہ حضرت حجاج رضی اللہ عنہ غزوۂ خیبر سے چند ہی دن پہلے مشرّف بہ اسلام ہوئے تھے اس لیے اہلِ مکّہ کو نہ ان کے قبولِ اسلام کا علم تھا اور نہ غزوۂ خیبر کے نتیجے کا۔ حضرت حجاج رضی اللہ عنہ نے اپنی گفتگو سے انہیں یہ تاثر دیا کہ خیبر کی لڑائی میں مسلمانوں کو شکست ہوئی ہے اور ان کا تمام مال و اسباب یہودِ خیبر کے ہاتھ آیا ہے

Marfat.com

جسے وہ عنقریب فروخت کر دیں گے۔ اگر ان (حجاج) کا قرض وصول ہو جائے تو وہ اسے اپنے اثاثے میں ملا کر دوسرے تاجروں کو خبر ہونے سے پہلے یہود سے تمام مالِ غنیمت خرید لیں گے۔ مشرکینِ قریش کو اس خبر سے بے پناہ مسرّت ہوئی اور سارے مکّہ میں جشن کا سماں پیدا ہو گیا۔ مشرکین نے کوشش کر کے حضرت حجاج رضی اللہ عنہ کا سارا قرض وصول کرا دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کانوں تک یہ خبر پہنچی تو انہیں سخت صدمہ ہوا۔ ان کے اہلِ خانہ بھی اس غم میں ان کے برابر کے شریک تھے۔ واقعہ کی تفصیل جاننے کے لیے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت حجاج رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ وہ آ کر تخلیہ میں ان سے ملے اور بتایا کہ خیبر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح مند کیا ہے، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بالکل محفوظ ہیں، رئیسِ خیبر حُیَیّ بن اخطب کی بیٹی آپ کے حرم میں داخل ہوئی ہے۔ میں خود شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو چکا ہوں اور اپنا اندوختہ اپنے ساتھ لے جانے کے لیے یہاں آیا ہوں۔ کفّار کو میں نے مسلمانوں کی شکست کا تاثّر اس لیے دیا کہ وہ میرے مزاحم نہ ہوں۔ آپ میرے جانے کے بعد تین دن تک اس خبر کو پوشیدہ رکھیں تا کہ میں محفوظ مقام پر پہنچ جاؤں۔

حقیقتِ حال سے آگاہ ہو کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی مسرّت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ چوتھے روز جب انہیں اطمینان ہو گیا کہ حجاج بن علاط مشرکینِ مکّہ کی دسترس سے باہر ہو گئے ہیں تو نہا دھو کر اور عمدہ لباس پہن کر ہاتھ میں عصا لیے خراماں خراماں خانہ کعبہ آئے اور طواف کرنے لگے۔ مشرکین نے طنزیہ انداز میں کہا ”مصیبت میں صبر کے اظہار کا یہ اچھا طریقہ ہے۔“ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے مخاطب ہو کر کہا ”مصیبت کیسی؟ خدا کی قسم خیبر کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فتح کر لیا اور اب اس کے ایک ایک چپّے پر ان کا قبضہ ہے۔“

مشرکین نے حیران ہو کر پوچھا: ”آپ کو یہ خبر کہاں سے ملی؟“

Marfat.com

انہوں نے کہا، ''حجاجؓ بن علاط سے، وہ اسلام قبول کر چکے ہیں اور محض اپنا مال لینے آئے تھے۔'' یہ سن کر کفار سر پیٹ کر رہ گئے۔

(اسد الغابہ لابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ)

(۶)

۸ ہجری میں فتحِ مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام کا کھلم کھلا اظہار کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہجرت کی اجازت بھی دے دی۔ چنانچہ وہ اپنے اہل و اعیال سمیت مکہ سے مدینہ آ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی مسرّت سے ان کی پذیرائی فرمائی اور مدینہ منوّرہ میں ان کی مستقل سکونت کا انتظام کر دیا۔

فتحِ مکہ کے موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان دس ہزار جاں بازوں میں شامل تھے جن کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے قریب پہنچ کر مَرُّ الظّہر ان میں قیام فرمایا۔ لشکرِ اسلام میں شامل بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اعزّہ و اقربا مکہ میں موجود تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہو گئے اور قریش نے پہلے سے جان و مال کی امان نہ لے لی تو سب برباد ہو جائیں گے۔ چنانچہ وہ اس تلاش میں لشکر سے باہر نکلے کہ مکہ کا کوئی آدمی مل جائے تو اس کے ہاتھ قریش کو پیغام بھیجیں کہ مَرُّ الظّہران آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے امان کی استدعا کریں۔ اتفاق سے انہیں قریش کے سربرآوردہ رئیس ابوسفیان بن حرب مل گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر دی تو وہ سراسیمہ ہو گئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ انہیں اپنی پناہ میں لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے چلیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ انہیں اپنے ساتھ سوار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمۂ اقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کی نظر ان پر پڑی تو وہ جوشِ غضب میں پکار اٹھے ''او دشمنِ خدا! اللہ کا شکر

Marfat.com

ہے کہ اس نے کسی عہد و پیمان اور ذمہ داری کے بغیر ہمیں تجھ پر قابو دے دیا۔" لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ ساتھ تھے اس لیے وہ سیدھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان سے پہلے پہنچ چکے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! یہ ابوسفیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بغیر کسی عہد و پیمان کے اس پر قابو دے دیا ہے، اجازت ہو تو اس دشمنِ خدا کی گردن اڑا دوں۔"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، "یا رسول اللہ! میں نے اس کو پناہ دی ہے......"

لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ برابر ابوسفیان کے قتل کی اجازت طلب کر رہے تھے۔ اُن کا اصرار دیکھ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"عمر! اگر تمہارے قبیلہ کا کوئی آدمی ہوتا تو تم کبھی اس کی جان لینے پر اتنا اصرار نہ کرتے لیکن تمہیں بنی عبدِ مناف کی کیا پروا؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا "عباس! خدا کی قسم مجھ کو آپ کے اسلام کی اس قدر خوشی ہوئی کہ اگر میرا باپ خطّاب بھی اسلام لاتا تو میں اتنا خوش نہ ہوتا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اس وقت انہیں اپنے ساتھ لے جایئے اور کل صبح پھر ساتھ لے کر آیئے اسی وقت کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ انہیں لے گئے اور دوسرے دن پھر بارگاہِ نبوی میں لا کر پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"ابوسفیان! افسوس کا مقام ہے کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم خدا کی وحدانیت کا اقرار کرو۔"

ابوسفیان نے خدا کی وحدانیت کا اقرار کیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ابوسفیان کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم مجھے اللہ کا رسول مانو۔"

Marfat.com

جواب میں ابوسفیان نے حضور ﷺ کی شرافت، حلم وتحمّل اور صلۂ رحمی کا اعتراف کیا لیکن رسالت پر ایمان لانے میں تذبذب کا اظہار کیا۔ اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو ایسے موثر انداز میں سمجھایا کہ وہ فوراً کلمۂ توحید پڑھ کر مشرّف بہ ایمان ہو گئے۔ جب وہ لوٹنے لگے تو حضور ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دیں تاکہ وہ لشکرِ اسلام کے جلال اور اللہ کے سپاہیوں کے جوشِ ایمان کا منظر دیکھ سکیں..... حضرت عباس رضی اللہ عنہ انہیں ساتھ لے کر پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہو گئے اور جب تک سارا لشکران کے سامنے سے نہ گزر گیا، وہیں کھڑے رہے۔

فتحِ مکّہ کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ غزوۂ حُنین میں شریک ہوئے۔ جب بنوہوازن کی بے پناہ تیر باری سے مسلمانوں کی صفیں ابتر ہو گئیں تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان چند سرفروشوں میں تھے جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میدانِ جنگ میں کوہِ استقامت بن کر کھڑے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی سواری کی باگ تھام رکھی تھی اور حضور ﷺ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ　　　اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

(میں نبی ہوں اس میں مطلق کوئی جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں)

مُسندِ احمد میں خود حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لڑائی میں جب مشرکوں کا غلبہ ہوا اور مسلمانوں میں انتشار پیدا ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ نیزہ برداروں کو آواز دوں۔ قدرت نے مجھے بلند آواز دی تھی۔ میں نے پوری قوت سے نعرہ مارا ”این اصحاب السمرہ؟“ (اے ببول کے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو کہاں ہو؟) میرا نعرہ سنتے ہی تمام مسلمان پلٹ پڑے اور انہوں نے کفّار کو اپنی تلواروں اور نیزوں پر رکھ لیا۔

Marfat.com

غزوۂ حنین کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے غزوۂ طائف اور جیشِ عُسرۃ (غزوۂ تبوک) میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ ''دائرہ معارفِ اسلامیہ'' میں ہے کہ انہوں نے غزوۂ تبوک کے لیے مالی امداد بھی دی۔

۱۰ ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ خطبۂ حجۃ الوداع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سُودی کاروبار کے باطل ہونے کا اعلان فرمایا تو اس سلسلے میں خاص طور پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا نام لیا کیونکہ وہ قبولِ اسلام سے پہلے سُود کا کاروبار کرتے تھے اور بہت سے لوگوں کے ذِمّہ ان کا سُود باقی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جاہلیّت کے تمام سود باطل کر دیے گئے ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا سُود عباس بن عبدالمطّلب کا سُود باطل کرتا ہوں۔''

(صحیح مسلم و ابوداؤد)

حجۃ الوداع سے واپس آ کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہو گئے۔ (صفر ۱۱ ہجری) ازواجِ مطہّراتؓ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے بنوہاشم نے تیمارداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت بڑھتی ہی گئی۔ وفات کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ حجرۂ اقدس سے باہر نکلے تو لوگوں نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ چونکہ اس دن بظاہر افاقہ ہو گیا تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا' اللہ کے فضل سے رُوبصحت ہیں...... حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر لیا اور انہیں الگ لے جا کر کہا'

''علی! تم کس خیال میں ہو؟ میں خاندانِ عبدالمطّلب کے چہروں سے موت کا اندازہ کر لیتا ہوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس بتا رہا ہے کہ آپ بہت جلد ہمیں داغِ مفارقت دے جائیں گے' آؤ

Marfat.com

حضور ﷺ سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد منصبِ خلافت کون سنبھالے گا۔ اگر ہم اس کے مستحق ہیں تو معلوم ہو جائے گا' ورنہ آپ ﷺ سے استدعا کریں گے کہ ہمارے حق میں وصیّت فرما جائیں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "چچا جان! خدا کی قسم میں یہ بات رسول اللہ ﷺ سے ہرگز نہ پوچھوں گا۔ اگر آپ ﷺ نے انکار فرما دیا تو اس کا مطلب خلافت سے ہمیشہ کے لیے محرومی ہوگا۔"

(صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۲۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جواب سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ آفتابِ رسالت اللہ تعالیٰ کی شفقِ رحمت میں غروب ہوا تو دوسرے دن تجہیز و تکفین کی خدمت حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہما' حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما اور حضرت اوس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ نے انجام دی۔ مُسندِ ابی داؤد اور طبقات ابنِ سعد میں ہے کہ غسل دیتے وقت حضرت اوس رضی اللہ عنہ پانی کا گھڑا بھر بھر کر لاتے تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جسدِ اطہر کو سینہ سے لگا رکھا تھا' حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے فضل رضی اللہ عنہ اور قثم رض جسم مبارک کی کروٹیں بدلتے تھے اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما اوپر سے پانی ڈالتے تھے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل دیتے تھے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پردہ کر رکھا تھا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ چونکہ حضور ﷺ کے چچا اور عمر کے لحاظ سے بنو ہاشم کی بزرگ ترین شخصیّت تھے' حضور ﷺ کے وِصال کے بعد لوگ تعزیت کے لیے ان ہی کے پاس آئے۔

(الاستیعاب۔ حافظ ابنِ عبدالبرؒ)

(۷)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ قبولِ اسلام سے پہلے بھی حضور ﷺ کا بہت خیال رکھتے

Marfat.com

تھے لیکن اسلام کے بعد تو انہوں نے حضور ﷺ کو اپنا مرجعِ عقیدت و محبت بنالیا۔ رشتہ اور عمر میں بزرگ ہونے کے باوجود وہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حد سے زیادہ احترام کرتے تھے اور آپ ﷺ کو اپنا آقا و مولا جانتے تھے۔ حضور ﷺ کی ہر بات کو اپنے لیے حکم جانتے اور آپ ﷺ کا ذکر نہایت احترام اور ادب کے ساتھ کرتے تھے۔

''مسندِ احمد بن حنبل'' میں ہے کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا' آپ بڑے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا' گو میں کچھ سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پیدا ہوا لیکن ہیں آپ ہی بڑے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بہت محبت تھی اور آپ ﷺ اپنے اعزّہ واقارب میں ان سے زیادہ کسی کا احترام نہیں کرتے تھے۔

ایک مرتبہ شام سے کچھ خشک پھل حضور ﷺ کے پاس آئے۔ اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ آ گئے۔ حضور ﷺ نے انہیں دیکھا تو روئے انور پر بشاشت پھیل گئی اور فرمایا:

''چچا جان اس وقت میری خواہش تھی کہ میرا کوئی بہت پیارا عزیز ان پھلوں کو کھائے' میری یہ آرزو پوری ہوئی اور آپ آ گئے۔''

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن حضور ﷺ اپنے اصحاب کے درمیان تشریف فرما تھے اور آپ ﷺ کے پہلو میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ آ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے جگہ خالی کر دی۔ اس پر حضور ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اہلِ فضل کی فضیلت اہلِ فضل ہی جانتا ہے۔'' (ابنِ عساکر)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

Marfat.com

حضور ﷺ کی مجلسِ مبارک میں دائیں جانب مخصوص جگہ پر بیٹھا کرتے تھے لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ آ جاتے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے لیے اپنی جگہ خالی کر دیا کرتے تھے ان کی یہ بات حضور ﷺ کو بہت خوش کیا کرتی تھی۔ (طبرانی)

ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں شکایت کی کہ یا رسول اللہ! قریش جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو بہت بشاشت سے ملتے ہیں لیکن جب ہم سے ملتے ہیں تو ان کے چہروں پر کراہت کے آثار ہوتے ہیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ کو غصہ آ گیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کی پیشانی پر دونوں آنکھوں کے درمیان کی رگ ابھر آئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا' قسم اُس ذات کی جس کے قبضہ' قدرت میں محمد کی جان ہے' کسی آدمی کے دل میں ایمان نہیں داخل ہو گا جب تک وہ تم لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کے لیے دوست نہ رکھے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا' لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ مجھے عباس کے بارے میں تکلیف دیتے ہیں؟ آدمی کا چچا اس کے باپ جیسا ہے یعنی ایک درخت کی دو شاخیں ہیں۔

(مستدرکِ حاکم' جامع ترمذی و مُسندِ احمد)

ایک اور موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا' عباس مجھ سے ہیں اور میں عباس سے ہوں۔

(مستدرکِ حاکم)

ایک دفعہ حضور ﷺ نے حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کو اہلِ مدینہ سے زکوٰۃ اور صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا۔ انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مال کی زکوٰۃ کا مطالبہ کیا تو انہوں نے کچھ دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر دونوں بزرگوں کے درمیان کچھ تلخ کلامی ہو گئی۔ حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور واقعہ عرض کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا' میں نے عباس سے دو سال کی زکوٰۃ پہلے ہی وصول کر رکھی ہے' اب تم ان سے کچھ نہ کہنا' کیا

Marfat.com

تمہیں علم نہیں کہ (عباس رسولِ خدا کا چچا ہے) چچا اور والد ایک ہی درخت کی دو شاخوں جیسے ہیں۔ (ابن عساکر)

بعض روایات میں ہے کہ حضور ﷺ مالِ غنیمت کے خمس سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اعانت فرمایا کرتے تھے اور خیبر کی پیداوار سے بھی انہیں سالانہ حصہ دیا کرتے تھے۔

(دائرہ معارف اسلامیہ وسیر الصحابہ)

حضور ﷺ کے وصال کے بعد بھی تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہایت عزت واحترام سے پیش آتے اور ہر اہم کام میں ان سے مشورہ لیتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان ذُوالنُّورَین رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا بہت زیادہ خیال رکھا۔ اگر وہ سواری پر کہیں جارہے ہوتے اور راستے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ مل جاتے تو فوراً سواری سے اتر پڑتے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سواری پر بٹھا کر اس کی لگام پکڑ کر پیدل ساتھ چلتے۔ یہاں تک کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے مکان پر یا جہاں ان کو جانا ہوتا پہنچ جاتے۔

حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مقام اور مرتبہ یہ تھا کہ انہوں نے اپنے دورِ خلافت میں وظائف پر نظرِ ثانی کی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وظیفہ اصحابِ بدر کے وظیفہ کے برابر کر دیا۔ (دائرہ معارفِ اسلامیہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مکان کا پرنالہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے راستہ پر تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اہلِ خانہ نے ان کے لیے دو چُوزے ذبح کیے اور ان کا خون پرنالہ میں بہا دیا۔ یہ جمعہ کا دن تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کپڑے بدل کر مسجد کی طرف جا رہے تھے۔ چوزوں کا خون ان کے کپڑوں پر پڑا تو انہوں نے اس پرنالہ کو اکھیڑنے کا حکم دیا۔ پھر گھر جا کر خون آلود

Marfat.com

کپڑے تبدیل کیے اور مسجد میں آ کر لوگوں کو نماز پڑھائی۔ اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور کہا' خدا کی قسم یہ وہی جگہ ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پرنالے کو رکھا تھا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا' میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ میری کمر پر سوار ہو جائیں اور پرنالے کو دوبارہ اسی جگہ رکھیں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا۔ (ابنِ سعد و مسندِ احمد)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے کندھوں پر اٹھایا اور انہوں نے پرنالہ کو اپنی اصل جگہ پر لگا دیا۔ (بیہقی)

بعض اہلِ سیر نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مکان مسجدِ نبوی سے مُتّصِل تھا' اس کا پرنالہ مسجد نبوی میں گرتا تھا جس کی وجہ سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں اس پرنالے کو اکھڑوا دیا۔ اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے مکان پر موجود نہ تھے' وہ باہر سے واپس آئے تو پرنالے کے اکھڑوائے جانے پر بہت ناراض ہوئے اور حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کی عدالت میں حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ پر دعویٰ دائر کر دیا۔

حضرت اُبَیّ رضی اللہ عنہ نے حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کو جواب دہی کے لیے بلا بھیجا۔ خلیفۂ وقت نے عدالت میں حاضر ہو کر بیان کیا کہ میں نے پرنالہ اس لیے اکھڑوایا کہ اس کے پانی سے بعض اوقات نمازیوں کو تکلیف پہنچتی تھی' میری کوئی ذاتی غرض اس میں پنہاں نہ تھی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چھڑی سے جو نشانات لگائے تھے میں نے ان کے مطابق مکان بنایا' مکان بن گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے کندھوں پر کھڑے ہو جاؤ اور پرنالہ یہاں لگا دو۔''
پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے بیان کی تائید میں بعض گواہ بھی پیش کر دیے۔

Marfat.com

ابھی عدالت نے کوئی فیصلہ صادر نہیں کیا تھا کہ امیر المومنین معاً آگے بڑھے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا:

"اے ابوالفضل! خدا کے لیے میرا قصور معاف کر دیجیے' مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرنالہ اس جگہ لگوایا تھا۔ اب آپ میرے کندھوں پر کھڑے ہو کر پرنالہ کو وہیں لگا دیں۔"

چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر دونوں پاؤں رکھ کر پرنالہ وہیں نصب کر دیا۔ یہ کام ہو چکا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"امیر المومنین آپ کی انصاف پسندی کی بدولت مجھے اپنا حق مل گیا۔ اب میں برضا و رغبت اپنے سارے مکان کو خدا کی راہ میں وقف کرتا ہوں آپ اسے گرا کر مسجدِ نبوی میں شامل کر لیں۔ تنگی کی وجہ سے نمازیوں کو جو تکلیف ہوتی ہے وہ دور ہو جائے گی۔"

صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو اس بات پر سب اربابِ سیر کا اتفاق ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا مکان مسجدِ نبوی کی توسیع کے لیے خلیفۃ المسلمین کی نذر کر دیا۔

حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ اہم معاملات میں اکثر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا کرتے تھے اور قحط و مصیبت کے موقعوں پر ان سے دعا کراتے تھے۔ قحط الرمادہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعا کے معاً بعد موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ لوگ اس غیر متوقع بارش سے اس قدر خوش ہوئے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو "ساقیِ حرمین" کا خطاب دیا۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی نہایت تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ ان کے عہدِ خلافت میں ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی

Marfat.com

توہین کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو دُرّے لگوائے بعض لوگوں نے اس سزا پر اعتراض کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے چچا کی تعظیم کریں اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی توہین کیے جانے پر رخصت دے دوں' یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ جو شخص اس بات کو روا رکھتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتا ہے۔"

اس پر معترضین کا منہ بند ہو گیا۔

(۸)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان ذُوالنُّورَین رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت (۳۲ ہجری) میں پیکِ اجل کو لبیک کہا۔ اس وقت ان کی عمر باختلافِ روایت ۸۶ یا ۸۸ سال کی تھی۔ امیر المؤمنین حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور فرزندِ گرامی حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے لحد میں اتارا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے پیچھے چار بیٹیاں اور آٹھ بیٹے چھوڑے۔ ان میں سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما علم و فضل کے اعتبار سے اساطینِ اُمّت میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما اور قثم بن عباس رضی اللہ عنہما کا شمار بھی مشہور صحابہؓ میں ہوتا ہے۔

سیّدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے صحیفۂ اخلاق میں جُود و سخا' مہمان نوازی' ہمدردیِ خلائق اور محبّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ابواب سب سے نمایاں ہیں۔ وہ مکّہ میں ہر وقت غریبوں اور مظلوموں کی حمایت پر کمربستہ رہتے تھے۔ ہجرت کر کے مدینہ میں مستقل اقامت اختیار کی تو ان کی سخاوت اور فیّاضی کا یہ عالم تھا کہ کسی حاجت مند اور سوالی کو ناکام واپس نہ لوٹاتے' ہر ایک کی مدد کرتے' بے شمار غلام خرید کر آزاد کیے' بہت سی بیواؤں

Marfat.com

کے اخراجات کی کفالت کی، بہت سے یتیم بچوں کی پرورش اپنے ذِمہ لی اور راہِ حق میں کبھی کسی قربانی سے دریغ نہ کیا۔

علامہ ابنِ اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ''اُسدُ الغابہ'' میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں تشریف فرما تھے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''یہ عباس ہیں، قریش میں سب سے بڑھ کر فراخ دست ہیں اور اپنے اقرباء کا خیال رکھتے ہیں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں فتنۂ رِدّہ کا آغاز ہوا اور بعض سرکش قبائل نے ''ذی القصّہ'' میں جمع ہو کر مدینہ مُنوّرہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مدینہ مُنوّرہ کی حفاظت کرنے پر بڑی سرگرمی سے خلیفۃ الرسول کی اعانت کی۔

''دائرۂ معارفِ اسلامیہ'' میں ہے کہ بعض روایات کی رُو سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے محارباتِ شام میں بھی حصہ لیا۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں انہوں نے اپنا وسیع مکان محض رضائے الٰہی کی خاطر مسجدِ نبوی کی توسیع کے لیے دے دیا۔

عبادتِ الٰہی سے بھی خاص شغف تھا۔ رقیق القلبی کی یہ کیفیت تھی کہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تو آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے حُسنِ سیرت کے ساتھ حُسنِ صورت سے بھی نوازا تھا۔ قد طویل، رنگ میدہ وشہاب، جلد نازک اور چہرے کے نقوش دلآویز تھے۔

خلفائے عباسیہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد ہی سے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی عظمت کی اس سے بڑی دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ صدیوں سے لاکھوں منبروں پر جمعہ کے خطبوں میں اُن کا نام برابر لیا جا رہا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

حضرت یاسر بن عامر رضی اللہ عنہ

(۱)

قدرت کے بھید نرالے ہیں۔ بعثتِ نبوی ﷺ سے تقریباً نصف صدی پہلے یمن کا ایک گمنام باشندہ اپنے ایک مفقود الخبر بھائی کی تلاش میں اپنے دو بھائیوں کے ساتھ مکّہ پہنچتا ہے' گم شدہ بھائی وہاں نہیں ملتا تو اس کے دونوں بھائی مایوس ہو کر اپنے وطن کو لوٹ جاتے ہیں۔ لیکن اس شخص کے پاؤں سرزمینِ مکّہ پکڑ لیتی ہے اور وہ وہیں مستقل اقامت اختیار کر لیتا ہے۔ اسی جگہ اللہ تعالیٰ اس کو وہ بلند مرتبہ عطا کرتا ہے کہ اس کا نام صفحۂ تاریخ پر نقشِ جاوداں بن کر ثبت ہو جاتا ہے۔ یہ گمنام اور غریب الدّیار شخص جنہوں نے راہِ حق میں اپنی جان سپاری کی بدولت شہرتِ عام اور بقائے دوام کا تاج پہنا' حضرت یاسر بن عامر رضی اللہ عنہ تھے۔

(۲)

سیّدنا حضرت ابو عامر یاسر بن عامر رضی اللہ عنہ قحطانی النسل اور یمن کے باشندے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔

"یاسرؓ بن عامر بن مالک بن کنانہ بن قیس بن حصین بن ودیم بن ثعلبہ بن عوف بن حارثہ بن عامر الاکبر بن یام بن عنس بن مالک بن اود بن

Marfat.com

یشجب بن عریب بن زید بن کہلان بن سبا بن یشجب بن یعرب قحطان۔"

حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کا ایک بھائی جس سے وہ بے پناہ محبت کرتے تھے، کہیں غائب ہوگیا۔ اپنے علاقے کا چپہ چپہ اس کی تلاش میں چھان مارا لیکن وہ نہ ملا۔ آخر اپنے دو بھائیوں مالک اور حارث کو ساتھ لے کر برادرِ گم گشتہ کی تلاش میں مکّہ پہنچے۔ یہ بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پینتالیس برس پہلے کا واقعہ ہے۔ بھائی یہاں بھی نہ ملا تو مالک اور حارث تو مایوس ہو کر اپنے وطن واپس چلے گئے لیکن یاسر نے بنو مخزوم کے ایک رئیس ابو حذیفہ بن مغیرہ سے حلیفانہ تعلق قائم کر کے مکّہ ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ابو حذیفہ نے اپنی ایک نیک بخت لونڈی سُمیّہ بنتِ خباط سے یاسر کی شادی کر دی۔ اس کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے انہیں دو فرزند عطا کیے۔ عمار اور عبداللہ۔ یہ سارا کنبہ ابو حذیفہ بن مغیرہ کے ساتھ رہتا تھا۔ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ جب تک ابو حذیفہ حیات رہا، وہ یاسر اور ان کے اہلِ خاندان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتا رہا۔ اس کی وفات کے بعد مکّہ میں خورشیدِ رسالت کا طلوع ہوا تو یاسر، سُمیّہ، عمار اور عبداللہ، سب سعادت اندوزِ ایمان ہو گئے۔ اس وقت تک صرف تیس پینتیس نفوس نے قبولِ اسلام کا شرف حاصل کیا تھا۔ جُوں جُوں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا تھا، مشرکینِ قریش کے قہر و غضب کی آگ بھی تیز ہوتی جاتی تھی۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کے اہلِ خاندان کا قبولِ اسلام مشرکین بالخصوص بنو مخزوم پر سخت شاق گزرا۔ اللہ کے یہ چاروں پاکباز بندے غریب الدّیار اور بے سہارا تھے۔ بنو مخزوم نے ان سب کو اپنی مشقِ ستم کا نشانہ بنا لیا اور ان پر ظلم و ستم کے ایسے پہاڑ توڑے کہ انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی۔

Marfat.com

(۳)

جبارۂ بنی مخزوم ان چاروں مظلوموں پر نت نئے ستم ڈھاتے تھے۔ وہ انہیں لاتوں گھونسوں اور لکڑیوں سے اتنا پیٹتے کہ وہ بے ہوش جاتے' جب ہوش میں آتے تو ان سے پوچھتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کو ترک کرو گے یا نہیں؟ چاروں جواب دیتے ''محمد رسول اللہ ﷺ پر ہماری ہزار جانیں قربان..... ظالم کبھی انہیں جھلتی ہوئی ریت پر لٹاتے' کبھی لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں ڈال دیتے لیکن وہ چاروں نُفُوسِ قُدسی نشۂ توحید میں کچھ ایسے مخمور ہوئے تھے کہ جادۂ حق سے ہٹنے کا نام بھی نہ لیتے تھے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دن جب وہ چاروں کُفّار کے ہاتھوں لرزہ خیز اذیّتیں جھیل رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا۔ ان مظلوموں کو مبتلائے اذّیت دیکھ کر آپ ﷺ کا دل بھر آیا اور آپ ﷺ نے فرمایا ''صبر کرو اے آلِ یاسر! تمہارے لیے جنّت کا وعدہ ہے۔''

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مُسند میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس مقام سے گزرا' جہاں اس خاندان کو عذاب دیا جارہا تھا۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا ''صبر کرو' الٰہی آلِ یاسر کی مغفرت فرمادے اور تو نے ان کی مغفرت کر ہی دی۔''

حضرت سُمیّہ رضی اللہ عنہا کو ابھی بنو مخزوم نے آزاد نہیں کیا تھا اور وہ ابو جہل' عمرو بن ہشام مخزومی کی چاکری کرتی تھیں۔ ابو جہل اسلام لانے کے جرم میں انہیں سخت اذیتیں دیتا رہتا تھا۔ ایک دن اس قدر غضبناک ہوا کہ اپنا برچھا حضرت سُمیّہؓ کو کھینچ مارا۔ وہ اسی وقت زمین پر گر گئیں اور جامِ شہادت پی کر فردوسِ بریں کو سدھاریں۔ پھر ایک دن اس بدبخت نے تیر مار کر حضرت عبداللہ بن یاسر رضی اللہ عنہما کو شہید کر ڈالا۔

Marfat.com

بوڑھے اور ناتواں یاسر رضی اللہ عنہ کب تک یہ لرزہ خیز اذیّتیں سہتے' جلد ہی وہ بھی خالقِ حقیقی کے حضور پہنچ گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ کُفّار نے انہیں بھی برچھی مار کر شہید کیا۔ (اُسدُ الغابہ)

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت سُمیّہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کی وفات (شہادت) کے بعد شہید کیا گیا۔ صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو' ان تینوں مظلوموں نے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دیں۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن

خدا رحمت کُنَد ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت عمار رضی اللہ عنہ پر بھی مشرکین نے بے پناہ مظالم ڈھائے۔ کبھی انہیں گرم لوہے سے داغا' کبھی انگاروں پر لٹایا' کبھی پانی میں غوطے دیئے' لیکن وہ سخت جان تھے کسی نہ کسی طرح بچ گئے اور اکانوے برس کی عمر پا کر جنگِ صفّین (۳۶ ہجری) میں شہید ہوئے۔ ان کی پشت پر سیاہ لکیریں اور انگاروں سے جلنے کے داغ ساری عمر موجود رہے۔ یہ راہِ حق میں مصیبتیں جھیلنے کی یادگار ہی نہیں بلکہ ان کے لیے پروانۂ مغفرت بھی تھے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہم

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے روزہ کی حالت میں بھول کر کچھ کھا پی لیا تو اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹا (اس لیے) وہ قاعدہ کے مطابق اپنا روزہ پورا کرے کیونکہ اس کو اللہ نے کھلایا پلایا ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت نُعَیمُ النَّحَّام عدوی رضی اللہ عنہ

(۱)

رحمتِ عالم صَلَّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم نے دعوتِ توحید کا آغاز فرمایا تو وہی اہلِ مکّہ جو حضور ﷺ کو صادق اور امین کہتے نہ تھکتے تھے' انہوں نے آپ ﷺ کو جھٹلانے اور ستانے پر کمر باندھ لی۔ جو اللہ کا بندہ دعوتِ حق قبول کرتا یہ لوگ اس کی جان کے دشمن بن جاتے اور اس کو طرح طرح سے ستانے لگتے۔ ۱۳ بعدِ بعثت میں حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو مشرکینِ مکّہ کے دستِ تعدّی سے بچنے کے لیے ہجرت اِلی المدینہ کا اذن دیا تو بنو عدی کے ایک مردِ حق بھی ہجرت کی تیاری کرنے لگے۔ مشرکینِ بنو عدی کو ان کے ارادے کا علم ہوا تو ان میں حشر برپا ہو گیا۔ یہ وہ صاحب تھے جنہوں نے بنو عدی کے یتیموں' بیواؤں اور مسکینوں کی خبر گیری اپنے ذِمّہ لے رکھی تھی اور بیسیوں حاجت مند ان کے دسترخوان پر پلتے تھے۔ ان کے جانے کے بعد کون ان سب کا سہارا بنے گا؟

اسی خیال نے بنو عدی کے لوگوں کو بے چین کر دیا۔ وہ سب جمع ہو کر اپنے اس محسن کے پاس گئے اور ان سے استدعا کی کہ ہم پر رحم کیجیے اور ہمیں چھوڑ کر نہ جائیے' آپ بے شک اپنے نئے دین (اسلام) پر قائم رہیے' اگر کسی نے آپ پر ہاتھ اٹھایا تو

Marfat.com

ہم اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔

ان لوگوں نے رو رو کر اس قدر منتیں کیں کہ ان صاحب کا دل پسیج گیا اور وہ مکّہ ہی میں رُک گئے ...... یہ صاحبِ رسول جن کی بے مثل فیّاضی اور رحم دلی نے اعدائے اسلام کے دلوں کو بھی مسخّر کر لیا تھا یہاں تک کہ وہ نہ صرف ان کے اسلام کو گوارا کرنے پر تیار ہو گئے تھے' بلکہ ان کی حفاظت کی خاطر اپنی جانیں بھی قربان کرنے پر تُل گئے تھے حضرت نُعَیمُ بن عبداللہ عدوی تھے۔

(۲)

سیدنا حضرت نُعَیمُ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا تعلّق قریش کے خاندان بنو عدی سے تھا۔ قریش چونکہ خانہ کعبہ کے متولّی بھی تھے اس لیے دنیاوی جاہ و جال کے ساتھ مذہبی عظمت کا تاج بھی ان کے سر پر تھا۔ اپنے وسیع کام کو چلانے کے لیے انہوں نے مختلف شعبے قائم کیے تھے۔ ہر شعبے کا اہتمام جُدا تھا۔ بنو عدی کے ذِمّہ سفارت کا شعبہ تھا' اگر قریش کو کسی دوسرے قبیلے کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آتا تو بنو عدی کے لوگ ہی سفیر بن کر جایا کرتے' اس کے علاوہ وہ مفاخرت کے مقابلوں میں ثالثی کے فرائض بھی انجام دیا کرتے تھے۔ اس فرض کی بطریقِ احسن انجام دہی کے لیے انہیں فصاحت اور زورِ تقریر میں خاص مہارت حاصل کرنی پڑتی تھی۔ یہ دونوں منصب بنو عدی میں نسلاً بعد نسلِ چلے آ رہے تھے اور وہ صرف قریش ہی میں نہیں بلکہ سارے عرب میں بڑی قدر و منزلت کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ' حضرت سعید رضی اللہ عنہ بن زید اور متعدّد دوسری عظیم المرتبت شخصیتیں اسی خاندان میں پیدا ہوئیں۔ حضرت نُعَیمُ رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ بن اسید بنو عدی کے ایک آسودہ حال رئیس تھے۔ انہوں نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا' البتہ اپنے بیٹے کے لیے کافی اثاثہ چھوڑ گئے۔

Marfat.com

حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب یہ ہے:

نعیمؓ بن عبداللہ بن اسید بن عوف بن عبید بن عوتج بن عدی بن کعب۔

حضرت نعیم رضی اللہ عنہ تاریخ میں عام طور پر ''نعیم النحام'' کے نام سے مشہور ہیں۔ نحام ان کا لقب تھا۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''مستدرک'' میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جنت میں نعیم کی نحمہ یعنی آواز سنی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کے لیے بہت بڑی بشارت اور بہت بڑا اعزاز تھا۔ لوگوں نے اسی وقت سے ان کو نعیم النحام کہہ کر پکارنا شروع کر دیا۔

حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے ہوش کی آنکھیں کھولیں تو دولت و ثروت کو اپنے گھر کی لونڈی پایا۔ اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سلیم عطا کی تھی' اس دولت کو اللوں تللوں میں اڑانے کی بجائے اپنے خاندان کی بیوہ خواتین' یتیموں اور حاجت مندوں کے لیے وقف کر دیا۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ بنوعدی کی بیواؤں اور یتیموں کے مستقل کفیل تھے اور دوسرے مساکین کو مہینا مہینا کر کے کھانا کھلایا کرتے تھے۔ اس طرح وہ اپنے قبیلے کی نہایت ہردلعزیز شخصیت بن گئے تھے۔ سرورِ عَالَم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو انہوں نے اس پر بلا تامل لبیک کہا۔ حافظ ابنِ عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاستیعاب'' میں لکھا ہے کہ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے وقت صرف نو یا دس اصحاب مشرف بہ ایمان ہوئے تھے۔ گویا حضرت نعیم رضی اللہ عنہ ''سَابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'' کی مقدس جماعت کی پہلی صف میں تھے۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ''مستدرک'' میں بیان کیا ہے کہ سرورِ عَالَم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہجرت الی الحبشہ کا مشورہ دیا تو حضرت نعیم رضی اللہ عنہ بھی ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے' لیکن دوسرے اربابِ سیر نے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت قبول نہیں کی۔ ان سب کا بیان ہے کہ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ مہاجرین حبشہ میں شامل نہیں ہیں بلکہ وہ ۶ ہجری تک مسلسل مکہ ہی میں مقیم رہے۔

Marfat.com

حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے اپنے قبولِ اسلام کا زیادہ چرچا نہ کیا۔ اس لیے سوائے چند اہلِ حق کے دوسرے لوگ ان کے اسلام سے آگاہ نہ ہو سکے' اس طرح وہ مشرکین کے دستِ تعدّی سے بچے رہے۔

(۳)

سیّدنا حضرت عُمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے سلسلے کی مشہور روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ ۶ بعدِ بعثت میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے ارادہ سے روانہ ہوئے تو راستے میں انہیں حضرت نُعَیمُ النَّحَّام ملے۔ انہوں نے حضرت عمر کے تیور دیکھے تو پوچھا ''عمر آج کدھر کا ارادہ ہے؟'' حضرت عمر خشمناک لہجے میں بولے ''آج اپنے دین سے منحرف ہو جانے والے اُس شخص کو قتل کرنے جاتا ہوں جس نے قریش میں پھوٹ ڈال دی ہے' ہم سب کو احمق قرار دیا ہے' ہمارے معبودوں کی مذمّت کی ہے اور ہمارے دین میں کیڑے ڈالے ہیں۔''

حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا ''واللہ! اے عمر تمہارے نفس نے تمہیں دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو کیا بنی عبدِ مناف تمہیں زمین پر چلنے پھرنے کے لیے جیتا چھوڑ دیں گے؟

حضرت عمر: مجھے کسی کا خوف نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے بھی اپنا آبائی مذہب ترک کر دیا ہے' کیوں نہ پہلے تمہیں ہی اس کا مزہ چکھا دوں۔

حضرت نعیمؓ: مجھ کو تم کیا مزہ چکھاؤ گے۔ تمہیں تو اپنے گھر والوں کی خبر بھی نہیں ہے۔

حضرت عمر: میرے کون سے گھر والے؟

حضرت نعیم: تمہاری بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید بن زید' دونوں حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے ہیں اور میری نسبت تم پر ان کا زیادہ حق ہے۔

حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کی باتیں سن کر حضرت عمر جوشِ غضب سے بے قرار ہو گئے اور

Marfat.com

سیدھے اپنی بہن کے گھر پہنچے' وہاں جو کچھ پیش آیا وہ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے۔ حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا اور سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی استقامت نے حضرت عمر کے دل کی دنیا بدل ڈالی اور وہ سعادتِ اندوزِ ایمان ہو کر ایک دن عمر بن خطّاب سے عُمَر فاروقِ اعظم بن گئے۔

(۴)

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہجرت الی المدینہ کا اِذن دیا تو حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کی تیاری کی لیکن بنو عدی کے لوگ ان کے راستے میں حائل ہو گئے اور انہوں نے بصد منّت حضرت نُعَیم رضی اللہ عنہ کو مکّہ ہی میں روک لیا۔ اس وقت تو انہوں نے اپنے اہلِ قبیلہ کی بات مان لی' لیکن ان کے دل میں ہمیشہ ہجرت کا شرف حاصل کرنے کی آرزو مچلتی رہتی تھی۔ آخر ۶ ہجری میں انہوں نے ہجرت کا پختہ ارادہ کر لیا اور اپنے خاندان کے چالیس افراد کو ساتھ لے کر مدینہ مُنوَّرہ پہنچ گئے۔ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور پُرنُور صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور پر بشاشت پھیل گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نعیم رضی اللہ عنہ سے معانقہ فرمایا اور ان کا منہ سر چوما۔ پھر فرمایا "نعیم تمہارا قبیلہ تمہارے حق میں میرے قبیلہ سے بہتر تھا۔" انہوں نے عرض کیا "یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان' آپ کا قبیلہ بہتر تھا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ کیسے؟ میرے قبیلے نے تو مجھ کو وطن سے نکال دیا لیکن تمہارے قبیلے نے تم کو وطن سے نہ نکلنے دیا۔"

حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یارسول اللہ! آپ کی قوم آپ کے شرفِ ہجرت کا باعث ہوئی اور میری قوم اس سعادت کے حصول میں مانع ہوئی۔"

مدینہ آنے کے بعد حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے تمام غزوات میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

Marfat.com

سریر آرائے خلافت ہوئے اور شام سے معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا تو حضرت نعیم رضی اللہ عنہ بھی شام جانے والے مجاہدین میں شامل ہو گئے اور کئی معرکوں میں رومیوں کے خلاف دادِ شجاعت دی۔ بعض اہلِ سِیَر نے لکھا ہے کہ انہوں نے اجنادین کی لڑائی میں شہادت پائی اور بعض کا بیان ہے کہ وہ جنگِ یرموک (۱۵ہجری) میں رتبہٴ شہادت پر فائز ہوئے۔ انہوں نے اپنے پیچھے ایک لڑکا ابراہیم اور ایک لڑکی امہ اپنی یادگار چھوڑیں۔

حضرت نعیم النَّحَّام رضی اللہ عنہ کے گلشنِ اَخلاق میں سبقت اِلَی الاسلام، اِخلاص فِی الدِّین، جود و سخا اور شوقِ جہاد سب سے خوش رنگ پھول ہیں۔ جس شخص کو خود سیّد الانبیاء وَالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے جنّت کی بشارت دی ہو اس کی خوش بختی اور جلالتِ قدر کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:......

جس آدمی نے حج کیا اور اس میں نہ تو کسی شہوانی اور فحش بات کا ارتکاب کیا اور نہ اللہ کی کوئی نافرمانی کی تو وہ گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو کر واپس ہوگا جیسا اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت سَلیطؓ بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ

رحمتِ عَالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو وہی قریشِ مکہ جو حضور ﷺ کی صداقت و امانت کے دل و جان سے معترف تھے' آپ ﷺ کو جھٹلانے پر تُل گئے۔ ان میں بنو عامر بن لُوَیّ کے رئیس سہیل بن عمرو پیش پیش تھے۔ یہ صاحب بڑے زبان آور اور شعلہ بیان تھے۔ ان کے زورِ خطابت اور طلاقتِ لسانی کا یہ عَالم تھا کہ آناً فاناً بڑے بڑے مجمعوں کو متحرّک کر دیتے تھے۔ اسی بنا پر اہلِ مکہ نے انہیں خطیبِ قریش کا لقب دے رکھا تھا۔ ذہانت و فطانت اور اثر و رسوخ میں بھی ان کا ایک خاص مقام تھا لیکن افسوس کہ دعوتِ توحید کے جواب میں انہوں نے اپنی تمام صلاحیّتیں اور توانائیاں حق کی مخالفت کے لیے وقف کر دیں اور فتحِ مکہ (۸ ہجری) تک اسی ڈگر پر چلتے رہے' قدرت کی کرشمہ سازی دیکھیے کہ جس سعادتِ عظمیٰ سے سہیل آٹھ سال تک محروم رہے' ان کے بھائی دعوتِ اسلام کے آغاز ہی میں اس سے بہرہ ور ہو گئے اور اس مقدّس جماعت کے رکن بن گئے جس کو اللہ تعالیٰ نے "اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ" کہہ کر واضح الفاظ میں جنّت کا حق دار ٹھہرایا ہے۔ خطیبِ قریش سہیل بن عمرو کے یہ خوش بخت بھائی حضرت سَلیطؓ بن عمرو رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

سَلیطؓ بن عمرو بن عبدِ شمس بن عبدِ وُد بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لُوَیّ۔

Marfat.com

والدہ کا نام خولہ تھا جو عمرو بن حارث کی بیٹی تھیں۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد حضرت سلیط رضی اللہ عنہ بھی دوسرے اہلِ حق کی طرح مشرکین کی ستم رانیوں کا ہدف بن گئے اور کئی سال تک راہِ حق میں طرح طرح کے مصائب و آلام جھیلتے رہے۔

حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاِصابہ'' میں حضرت سَلیط رضی اللہ عنہ کو سہیل بن عمرو کا بھتیجا لکھا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اس معاملہ میں کسی وجہ سے تسامُح ہوا ہے کیونکہ دوسرے تمام اربابِ سِیَر اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت سلیط رضی اللہ عنہ سہیل بن عمرو کے بھائی تھے۔

حضرت سَلیط رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کا نام باختلافِ روایت یقظہ بنتِ علقمہ تھا۔ (''الاصابہ'' میں ان کا نام ام یقظہ لکھا ہے) وہ بھی اُن خوش بخت خواتین میں سے تھیں جنہیں دعوتِ توحید کے ابتدائی تین سالوں کے اندر ہی قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوگیا۔ گویا دونوں میاں بیوی صحیح الفکر اور سلیم الفطرت انسان تھے۔

(۲)

جب اہلِ حق پر مشرکینِ قریش کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ مکّہ سے ہجرت کرکے حبشہ چلے جائیں۔ چنانچہ ۵ اور ۶ بعد بعثت میں بہت سے مظلوم مسلمان راہِ حق میں اپنے گھر بار کو خیر باد کہہ کر حبشہ کے دار الغربت کو ہجرت کر گئے۔ ان مہاجرین میں حضرت سَلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت سَلیط رضی اللہ عنہ نے دوسری ہجرتِ حبشہ (۶ بعدِ بعثت) میں اپنی اہلیہ سمیت ہجرت کی اور دونوں میاں بیوی کئی سال تک حبشہ میں غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے یہاں تک کہ سَرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مکّہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ کی خبر حبشہ

Marfat.com

پہنچی تو وہاں کے مہاجرین کے دلوں میں بھی مدینہ منورہ پہنچنے کی تڑپ پیدا ہوئی لیکن ناداری اور تہی دستی طویل بحری سفر کی راہ میں حائل تھی۔ تاہم حضرت سَلیط رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ سمیت ۳۳ مردوں اور آٹھ خواتین نے مکہ معظّمہ کے راستے مدینہ منورہ جانے کے لیے رختِ سفر باندھ لیا۔ یہ تمام حضرات بخیریت مکّہ پہنچ گئے۔ لیکن جب انہوں نے مدینہ منورہ جانے کا عزم کیا تو ان میں سے سات اصحاب مکّہ میں روک لیے گئے اور باقی مدینہ منورہ پہنچ گئے ان میں حضرت سَلیط رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ بھی شامل تھے۔ ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جو ۳۴ نفوسِ قُدسی حبشہ سے مدینہ منورہ پہنچے ان میں سے چوّدہ کو غزوۂ بدر میں شریک ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاصابہ'' میں وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی اصحابِ بدر میں شامل تھے۔

بدر کے بعد حضرت سلیط رضی اللہ عنہ نے اُحُد، احزاب اور دوسرے تمام معرکوں میں بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا اور ہر معرکے میں اپنی شجاعت و بسالت کی دھاک بٹھا دی۔ ان کے جذبۂ اخلاص و فدویت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور انہیں نہایت عزیز جانتے تھے۔

(۳)

۶ ہجری میں رحمتِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے آس پاس کے مقتدر رئیسوں اور حکمرانوں کو دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے تو ایک خط عمان کے رئیس ہوذہ بن علی حنفی کے نام بھی لکھوایا۔ عمان اس زمانے میں ایران کا زیرِ اثر علاقہ تھا۔ ہوذہ بن علی کو کسرائے ایران نے ایک جواہر نگار ٹوپی عطا کی تھی۔ اس لیے وہ ذُوالتاج یا صاحبُ التّاج کے لقب سے مشہور ہو گیا تھا۔ وہ اپنے علاقے میں بڑے اثر و اقتدار کا مالک تھا اور ایرانی کاروانوں کی حفاظت کا ذِمّہ دار تھا۔ ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ ہوذہ بن علی کو خط پہنچانے

Marfat.com

کی خدمت حضور ﷺ نے حضرت سَلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی۔ حضرت سَلیط رضی اللہ عنہ نے مکتوبِ نبوی ہوزہ بن علی کو پہنچایا تو اس نے ان کی بڑی تعظیم و تکریم اور خاطر مدارات کی۔ ایک روایت کے مطابق اس نے حضرت سَلیط رضی اللہ عنہ کو انعام و اکرام اور خلعت سے بھی نوازا۔ تاہم اس نے مکتوبِ نبوی کا جو جواب بھیجا اس میں لکھا کہ آپ بہت اچھی چیز کی دعوت دیتے ہیں لیکن میں بھی بنو حنیفہ کا سردار اور عرب کا معزز اور مقتدر آدمی ہوں اگر آپ مجھے اپنا شریکِ اقتدار بنالیں تو مجھے اسلام قبول کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔

زرقانی رحمۃ اللہ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نے ہوزہ بن علی کا جواب سنا تو فرمایا کہ اگر وہ (اسلام قبول کرنے کے عوض) زمین کا ایک چھوٹا سا قطعہ بھی مانگے تو میں نہیں دوں گا۔

سیرۃ ابنِ ہشام میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت سَلیط رضی اللہ عنہ کو ثمامہ بن اُثال رئیسِ نجد کے پاس بھی سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ ثمامہ اس وقت تو مسلمان نہ ہوئے لیکن بعد میں شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو گئے اور اپنے حُسنِ کردار سے سابقہ زندگی کی تلافی کر دی۔

۱۱ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ مسند نشینِ خلافت ہوئے تو یکا یک فتنۂ ارتداد نے سارے عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے بے مثال عزم و ہمت سے اس فتنے کا مقابلہ کیا اور مرتدین کا قلع قمع کرنے کے لیے ہر طرف لشکر بھیجے۔ حضرت سَلیط رضی اللہ عنہ بھی اُس لشکر میں شامل ہو گئے جس کی قیادت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ کئی خونریز معرکوں کے بعد فتنۂ ارتداد کا استیصال ہو گیا۔ اس سلسلے کی سب سے خوفناک جنگ مُسیلمہ کذّاب کے خلاف یمامہ کے میدان میں لڑی گئی۔ اس لڑائی میں سینکڑوں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور

Marfat.com

حفّاظِ قرآن نے جامِ شہادت پیا۔ ان میں حضرت سَلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ انہوں نے اپنے سینکڑوں ساتھیوں سمیت سر کٹانا منظور کیا' لیکن یہ گوارا نہ کیا کہ اسلام پر کوئی آنچ آئے۔ انہی سرفروشوں کی قربانی کا نتیجہ تھا کہ سفینۂ اسلام گردابِ بلا سے نکل گیا اور چند سالوں کے اندر اندر فرزندانِ توحید دنیا کی سب سے بڑی قوّت بن گئے۔

حضرت سَلیط رضی اللہ عنہ نے اپنے پیچھے صرف ایک فرزند چھوڑا' ان کا نام بھی سَلیط تھا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سات مہلک اور تباہ کر دینے والے گناہوں سے بچو۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا' یا رسول اللہ! وہ کون سے سات گناہ ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:......

اللہ کے ساتھ (اس کی عبادت یا صفات یا افعال میں) کسی کو شریک کرنا۔ اور جادو کرنا

اور کسی آدمی کو ناحق قتل کرنا۔

اور سود کھانا

اور یتیم کا مال کھانا۔

اور جہاد میں لشکرِ اسلام کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جانا۔

اور پاک دامن بھولی بھالی خواتین پر بدکاری کی تہمت لگانا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت ابوسبرہ بن ابی رُہم رضی اللہ عنہ

(۱)

سیّدنا حضرت ابوسبرہ رضی اللہ عنہ شمعِ رسالت کے ان پروانوں میں سے ہیں جو آسمان فضیلت پر ماہِ کامل بن کر چمکے لیکن اربابِ سِیَر جن کا اصل نام معلوم کرنے سے قاصر رہے..... ابی رہم بن عبدالعزیٰ کے فرزندِ سعید کی کنیت ابوسبرہ تھی۔ اس کنیت نے اتنی شہرت پائی کہ ان کا اصل نام ہی لوگوں کو بھول گیا..... سلسلۂ نسب یہ ہے:۔

ابوسبرہ بن ابی رہم بن عبدالعزیٰ بن ابی قیس بن عبدِود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی۔

حضرت ابوسبرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام "بَـرّہ" تھا۔ جو حضرت عبدالمطلب کی بیٹی اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ بَرّہ کا پہلا نکاح عبدالاسد بن ہلال سے ہوا۔ اس سے جلیل القدر صحابی حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ متولد ہوئے۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ سَلَمہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر تھے۔ غزوۂ احد کے کچھ عرصہ بعد جب انہوں نے جرعۂ شہادت نوش فرمایا تو حضرت اُمّ سَلَمہ رضی اللہ عنہا کو ازواجِ مطہّرات کے مقدّس زُمرہ میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ عبدالاسد بن ہلال کے بعد بَرّہ کا عقد ابورُہم بن عبدالعزیٰ سے ہوا جس سے حضرت ابوسبرہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ اس لحاظ سے حضرت ابوسبرہ رضی اللہ عنہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد اور حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے اخیافی بھائی تھے۔

Marfat.com

(۲)

حضرت ابوسبرہ رضی اللہ عنہ جوان ہوئے تو ان کی شادی اپنے ہی خاندان (بنو عامر بن لوئیؒ) کے رئیس سہیل بن عمرو خطیبِ قریش کی صاحبزادی اُمِّ کلثوم سے ہو گئی۔ دونوں میاں بیوی کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ توحید کا آغاز فرمایا تو دونوں نے اس پر بلا تامل لبیک کہا۔ اس وقت اسلام قبول کرنا آگ سے کھیلنے کے مترادف تھا جو بندۂ خدا شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہوتا' کفّار کے قہر و غضب کا نشانہ بن جاتا۔ حضرت ابوسبرہ رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ بھی قبولِ حق کے جرم میں مشرکینِ مکّہ کے جور و تعدّی سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ۵ بعدِ بعثت میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کشانِ اسلام کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا اِذن دیا تو حضرت ابوسبرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت اُمِّ کلثُوم بھی مہاجرین حبش کے پہلے قافلے میں شامل ہو کر حبش چلے گئے۔ بعض اہلِ سِیَر نے لکھا ہے کہ حضرت اُمِّ کلثوم پہلی ہجرتِ حبشہ میں نہیں بلکہ دوسری ہجرتِ حبشہ میں شوہر کے ساتھ گئیں۔ لیکن جمہور اربابِ سیر نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے۔ حضرت ابوسبرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت اُمِّ کلثومؓ تین ماہ بعد حبش سے مکہ واپس آ گئے۔ اور اَخنس بن شُریق کی پناہ حاصل کر لی۔ ان کی واپسی کی محرّک یہ غلط اطلاع تھی کہ مشرکینِ قریش اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین صلح ہو گئی ہے' لیکن جب انہوں نے مکّہ آ کر دیکھا کہ مشرکین کے رویّہ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی' اور وہ اہلِ حق کو بدستور ستا رہے ہیں تو دونوں میاں بیوی دوبارہ ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔

تقریباً چھ سات سال تک حبش میں غریب الوطنی کی مصیبتیں جھیلنے کے بعد دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت اِلی المدینہ سے پہلے مکّہ واپس آ گئے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اِذن پا کر ہجرتِ مدینہ کی سعادت حاصل کی۔ مدینہ میں حضرت منذر بن محمد انصاری رضی اللہ عنہ نے

Marfat.com

انہیں اپنا مہمان بنایا ہجرتِ نبوی ﷺ کے چند ماہ مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخاۃ قائم ہوئی تو حضور ﷺ نے حضرت ابو سبرہ رضی اللہ عنہ کو حضرت سلمہ بن سلامہ انصاری رضی اللہ عنہ کا دینی بھائی بنایا۔

(۳)

رمضان المبارک ۲ ہجری میں حق و باطل کا معرکہ اوّل بدر کے میدان میں پیش آیا تو حضرت ابو سبرہ رضی اللہ عنہ کو "اصحابِ بدر" میں شریک ہونے کا عظیم الشان شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد وہ اُحد، احزاب اور دوسرے تمام غزوات میں ہم رکابِ نبویؐ رہے۔ عہدِ رسالت کی شاید ہی کوئی سعادت ہو جو انہیں نصیب نہ ہوئی ہو۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو کچھ عرصہ بعد حضرت ابو سبرہ رضی اللہ عنہ مدینہ منوّرہ کی سکونت ترک کر کے مکّہ آ گئے۔ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ اصحابِ بدر میں وہ واحد صحابی ہیں جو مدینہ منوّرہ کی سکونت ترک کر کے مکّہ میں بالاستقلال مقیم ہوئے۔ اس کے پس منظر یا وجوہ پر اربابِ سیر نے روشنی نہیں ڈالی۔

ابنِ اثیر رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق حضرت ابو سبرہ رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ثالث حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔ اس وقت وہ مکّہ معظمہ ہی میں مقیم تھے اور وہیں ان کی آخری آرام گاہ بنی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

حضرت طُلَیب بن عُمیر رضی اللہ عنہ

(۱)

سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد تبلیغِ حق کا آغاز فرمایا تو پہلے تین سالوں میں جن پاک طینت نفوس کو قبولِ حق کی سعادت نصیب ہوئی ان میں ایک ایسے مستقیم الفطرت نوجوان بھی تھے جن کی ابھی مَسیں بھی نہیں بھیگی تھیں۔ رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبت اور عقیدت کا یہ عالَم تھا کہ آپ ﷺ کے خلاف کسی سے ایک لفظ سننا بھی گوارا نہ تھا۔ ایک دن بنو سہم کے ایک مشرک عوف بن صبرہ نے ان کے سامنے حضور ﷺ کی شان میں کچھ نامناسب الفاظ استعمال کیے تو یہ نوجوان جوشِ غضب سے بے قرار ہو گئے۔ پاس ہی اونٹ کے کلّے کی ہڈی پڑی تھی، اُسے اٹھا کر عوف بن صبرہ پر پل پڑے یہاں تک کہ وہ لہولہان ہو گیا۔ وہ تو اس کو جان سے مار ڈالنا چاہتے تھے لیکن کچھ لوگوں نے بیچ بچاؤ کر کے اس کی جان بچا دی۔ رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کے والہ و شیفتہ یہ نوجوان جن کے جوشِ ایمان نے انہیں ہر خطرے سے بے خوف کر دیا تھا اور جو حُرمتِ نبوی ﷺ پر ہر وقت مر مٹنے کے لیے تیار رہتے تھے، حضور پُرنور ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی حضرت طُلَیب بن عُمیر رضی اللہ عنہ تھے۔

Marfat.com

(۲)

سیدنا حضرت ابوعدی طُلَیب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا تعلق بنی عبد بن قُصیّ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے۔ "طُلَیب بن عمیر بن وہب بن عبد بن قُصیّ بن کلاب بن مُرّہ۔ ان کی والدہ حضرت اروٰی بنتِ عبدُالمطّلِب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔" حافظ ابنِ عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے "الاستیعاب" میں بیان کیا ہے کہ بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوائل میں حضرت طلیب رضی اللہ عنہ کے کانوں میں توحید کی آواز پڑی تو انہوں نے اس پر بلا تامّل لبیک کہا لیکن حضرت اروٰی کچھ متامّل رہیں۔ حضرت طلیب رضی اللہ عنہ ایک دن ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا' اماں جان! میں نے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اختیار کر لی ہے اور آپ کے بھائی حمزہ نے بھی' اب آپ کو اسلام قبول کرنے میں کیا عذر ہے؟ حضرت اروٰی نے جواب دیا' میں یہ انتظار کر رہی ہوں کہ میری بہنیں کیا کرتی ہیں۔ حضرت طلیب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' امّاں جان! میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کریں اور گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حضرت اروٰی رضی اللہ عنہا نے فوراً کہا' میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتی ہوں۔ اس کے بعد وہ اپنے بڑھاپے کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام میں زبانی امداد سے کام لیتیں یعنی کہتی سنتی تھیں اور اپنے بیٹے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور مدد پر آمادہ کرتی رہتی تھیں۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اروٰی رضی اللہ عنہا نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام (۶ بعدِ بعثت) کے بعد مشرّف بہ ایمان ہوئیں لیکن دوسرے اربابِ سیر کی روایات کے مطابق حضرت طلیب رضی اللہ عنہ اور حضرت اروٰی رضی اللہ عنہا دونوں نے بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

کے تیسویں اور چھتیسویں مہینوں کے درمیان کسی وقت اسلام قبول کیا۔ اُس وقت حضور ﷺ دارِارقم میں تشریف لے جا چکے تھے۔(حضور ﷺ نے بعثت کے تیس ماہ بعد دارِارقم کو اپنا مرکز بنایا)

طبقات ابنِ سعد میں حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طلیبؓ بن عمیر دارِارقم میں اسلام لائے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی والدہ اروٰی بنتِ عبدالمُطّلب کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میں نے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اختیار کر لی اور اللہ پر ایمان لے آیا جو تمام عالَم کا پروردگار ہے اور اس کا ذکر سب سے بڑا ذکر ہے۔ حضرت اروٰی نے کہا' تمہارے لیے اپنے ماموں زاد بھائی کی امداد و اعانت کرنا بڑی اچھی بات ہے اور حق کی ادائیگی ہے' اگر ہم عورتوں میں مردوں جیسی طاقت ہوتی تو ہم بھی آپ ﷺ کی متابعت اور مدافعت کرتے۔ طلیب رضی اللہ عنہ نے کہا' امّاں جان! پھر آپ کو اسلام لانے سے کیا چیز روکتی ہے؟ حضرت اروٰی نے اپنے فرزند کے سوال کے جواب میں فوراً کلمۂ توحید پڑھ لیا اور دولت ایمان سے بہرہ ور ہو گئیں۔

(۳)

حضرت طلیب رضی اللہ عنہ کو سرورِ عالَم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم سے بے پناہ محبت اور عقیدت تھی۔ انہوں نے عوف بن صبرہ کو حضور ﷺ کے بارے میں ناروا الفاظ بکنے کی بنا پر زخمی کیا تو لوگوں نے حضرت اروٰی رضی اللہ عنہا کے پاس ان کی شکایت کی۔ سرورِ عالَم ﷺ حضرت اروٰی کے بھتیجے ہی نہیں تھے بلکہ آقا و مولا بھی تھے۔ وہ طلیبؓ کا کارنامہ سن کر بہت خوش ہوئیں اور شکایت کرنے والوں کو جواب دیا۔

ان طليبا نصر ابن خاله واساه فی دمه وماله

طلیب رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں کے بیٹے کی مدد کی' اور اس کے خون اور اس کے مال کی غم خواری کی۔

Marfat.com

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ بعض اشقیاءِ قریش نے ابوعزیز بن دارمی کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ موقع پا کر سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو زدوکوب کرے۔ حضرت طلیب رضی اللہ عنہ کے کان میں کسی ذریعے سے مشرکین کے اس ناپاک منصوبے کی بھنک پڑ گئی۔ وہ غیرتِ دینی سے شعلہ جوّالہ بن گئے۔ فوراً ابوعزیز کی تلاش کے لیے نکل کھڑے ہوئے جب وہ مل گیا تو انہوں نے اس کی ہڈی پسلی ایک کر دی۔

عَلاّمہ بلاذُری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جس زمانے میں مشرکینِ قریش نے بنو ہاشم اور بنو مُطّلِبْ کو شِعبِ ابی طالب میں محصور کر رکھا تھا' ابولہب نے چند مسلمانوں کو محبوس کر دیا۔ حضرت طلیب رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو وہ ماموں (ابولہب) کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ ان بے کس مظلوموں کو رہا کر دو۔ اس نے صاف انکار کر دیا۔ صحابہ کرامؓ نے اپنے خون کے رشتوں کو اپنے رشتہ ایمانی پر قربان کر دیا تھا' جب حضرت طُلَیْب رضی اللہ عنہ کی مِنّت سماجت کے باوجود ابولہب مظلوم مسلمانوں کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا تو انہوں نے اس کی بُری طرح پٹائی کر دی۔ اس پر مشرکین نے ان کو پکڑ کر باندھ دیا۔ آخر ابولہب ہی نے جا کر ان کو چھڑایا اور اپنی بہن حضرت اروی رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر ان کی شکایت کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ طلیب کی زندگی کا بہترین اور سعید ترین دن وہی ہے جس میں وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کرے۔

جب مکّہ میں کفّار کا ظلم و ستم حد سے گزر گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبش چلے جانے کا مشورہ دیا چنانچہ حضرت طلیب رضی اللہ عنہ بھی دوسری ہجرت حبشہ (۶ بعد بعثت) میں ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ کئی سال وہاں غریب الوطنی کی زندگی گزارنے کے بعد مدینہ مُنوّرہ آئے اور حضرت عبداللہ بن سلمہ عجلانی رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے۔

کچھ عرصہ بعد کفر و حق کا معرکہ اوّل بدر کے میدان میں پیش آیا تو حضرت طلیب رضی اللہ عنہ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب ہو کر بدری صحابی ہونے کا عظیم شرف حاصل

Marfat.com

کیا۔ ابنِ اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ‘ موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابو معشر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا نام بدری صحابہ ؓ کی فہرست میں درج نہیں کیا لیکن واقدی‘ ابنِ مندہ اور حافظ ابنِ عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بدری ہونے کا ذکر کیا ہے۔ بدر کے بعد حضرت طلیب رضی اللہ عنہ کے مشاغل اور سرگرمیوں کے بارے میں تمام اربابِ سیر خاموش ہیں البتہ ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ وہ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جہادِ شام پر جانے والے مجاہدین میں شامل تھے اور جنگِ اجنادین (جمادی الاولیٰ ۱۳ ہجری) میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے رتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۳۵ سال سے کچھ اوپر تھی۔ اولاد کوئی نہیں چھوڑی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اپنے قرض کا سختی سے تقاضا کرنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو پکڑنا چاہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانے دو‘ اسے چھوڑ دو کیونکہ جس کو حق لینا ہو اس کو کہنے سننے کا حق ہے۔ پھر فرمایا‘ اس کو اس کے اونٹ کے بدلے میں ویسا ہی اونٹ دے دو۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ایک اونٹ لیا تھا) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ویسا اونٹ تو اس وقت ملتا نہیں ہاں اس سے بہتر اونٹ موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا‘ وہی دے دو کیونکہ اچھا آدمی وہ ہے جو قرض کی ادائیگی میں بھی احسان کرتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت سائب بن عثمان جُمَحی رضی اللہ عنہما

(۱)

ہجرتِ مدینہ کے بعد سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہم پر مدینہ مُنوّرَہ سے باہر تشریف لے جاتے تو اپنے کسی جاں نثار کو شہر میں اپنا قائم مقام مقرر فرما کر چھوڑ جاتے۔ عام طور پر اس شرف سے کوئی ایسے صاحب ہی بہرہ مند ہوتے جن کو بارگاہِ نُبوّت میں درجۂ اختصاص حاصل ہوتا۔ علامہ ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ ربیع الاول ۲ ہجری میں سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بواط کے لیے تشریف لے گئے تو مدینہ مُنوّرَہ میں اپنی نیابت کے لیے جن صاحب کو منتخب فرمایا وہ بیس اکیس برس کے ایک مہاجر نوجوان تھے۔ اگرچہ ان کا جوشِ ایمان اور ولولۂ شباب میدانِ جہاد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا تقاضا کرتا تھا۔ لیکن اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں انہوں نے مدینہ مُنوّرَہ ہی میں رہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا فرض انجام دیا۔........ یہ جوانِ رعنا جن کو عنفوانِ شباب ہی میں اتنا عظیم شرف حاصل ہو گیا' حضرت سائب بن عثمان رضی اللہ عنہما تھے۔

(۲)

سیّدنا حضرت سائب رضی اللہ عنہ قریش کے خاندان بنو جُمَح کے چشم و چراغ تھے اور

Marfat.com

جلیل القدر صحابی حضرت عثمانؓ بن مظعون کے فرزندِ سعادت مند تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔

''سائبؓ بن عثمانؓ بن مظعون بن خبیب بن وہب بن خدافہ بن جمح بن عمرو بن منہیص بن کعب بن لُوئی بن غالب۔

والدہ کا نام خولہ بنتِ حکیم تھا۔ وہ بنو سُلیم سے تھیں۔ نسب نامہ یہ ہے۔ خولہ بنت حکیم بن اُمیّہ بن اوقص بن مرہ بن ہلال بن فالج بن ذکران بن ثعلبہ بن بہثہ بن سُلیم۔

حضرت سائب رضی اللہ عنہ ابھی کم سن ہی تھے کہ اُفقِ مکّہ سے خورشیدِ رسالت کا طلوع ہوا۔ ان کے والد حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور والدہ خولہ بنتِ حکیم رضی اللہ عنہا دونوں کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سلیم سے نوازا تھا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو ان دونوں نے بلا تأمل اس پر لبّیک کہا اور السّابِقُونَ الاَوَّلُونَ کی مقدّس جماعت میں داخل ہو گئے۔ کمسن سائب رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے سعید الفطرت والدین کی پیروی کی۔ اس زمانے میں اسلام قبول کرنا کوئی آسان کام نہ تھا بلکہ شہادت گاہِ عشق میں قدم رکھنے کے مترادف تھا۔ جو شخص سعادت اندوزِ ایمان ہوتا کفار کے قہر وغضب کا نشانہ بن جاتا۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال ہوا۔ جب مکّہ میں اہلِ حق کے لیے حالات سخت نا مساعد ہو گئے تو ۵ سنہ بعدِ بعثت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ستم زدہ مسلمانوں سے فرمایا:

لَوْ خَرَجْتُمْ اِلٰی اَرْضِ الْحَبَشَةِ فَاِنَّ بِهَا مَلِكاً لَا يُظْلَمُ عِنْدَهُ اَحَدٌ وَهِيَ اَرْضُ صِدْقٍ حَتّٰى يَجْعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ فَرَجاً مِمَّا اَنْتُمْ فِيْهِ.

(''بہتر ہو کہ تم لوگ نکل کر حبش چلے جاؤ' وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ بھلائی کی سرزمین ہے جب تک اللہ تمہاری اس مصیبت کو دور کرنے کی کوئی صورت پیدا نہ کرے تم لوگ

Marfat.com

وہیں قیام کرو")

حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق سب سے پہلے گیارہ مردوں اور چار خواتین نے حبش کی راہ لی۔ ان اوّلین مہاجرینِ حبشہ میں حضرت عثمانؓ بن مظعون بھی شامل تھے۔ انہوں نے اپنی بیٹی اور بیٹے کو مکّہ میں خدا کے سپرد کیا اور حبش کے دارالغربت میں پہنچ گئے۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد ان مہاجرین کو خبر ملی کہ رسولِ اکرم ﷺ اور کفّار کے درمیان صلح ہو گئی ہے کیونکہ کفار نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ خبر سن کر سب کے سب یا ان میں سے بیشتر مہاجرین عازم مکّہ ہو گئے۔ شہر کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی۔ باہم مشورے کے بعد انہوں نے طے کیا کہ اب واپس جانا مناسب نہیں چنانچہ ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی کی پناہ لے کر شہر میں داخل ہو گیا۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے ولید بن مغیرہ کی پناہ لی لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ دوسرے مسلمان بدستور مشرکین کا ہدفِ ستم بنے ہوئے ہیں تو انہوں نے ولید کی پناہ واپس کر دی اور پہلے کی طرح بلاکشانِ اسلام میں شامل ہو گئے۔ جب مشرکین کا ظلم شدید سے شدید تر ہو گیا تو ۶ بعد بعثت میں حضور ﷺ نے پھر ہدایت فرمائی کہ یہ مظلوم لوگ حبش ہی کی طرف ہجرت کر جائیں چنانچہ تقریباً ایک سو ذکور و اناث پر مشتمل ایک قافلہ عازمِ حبش ہو گیا۔ اس قافلے میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزندِ سعید حضرت سائب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ اللہ کے یہ پاکباز بندے کئی سال تک حبش میں غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔ ان میں سے باختلاف روایت ۲۳ یا ۳۸ صحابہؓ و صحابیاتؓ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت الی المدینہ سے کچھ عرصہ پہلے یا کچھ عرصہ بعد حبش سے واپس مکّہ معظّمہ آ گئے اور پھر سوائے ان حضرات کے جنہیں اہلِ مکّہ نے زبردستی وہاں روک لیا باقی سب وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ پہنچ گئے۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بھی اپنے

Marfat.com

فرزند اور بھائیوں کے ساتھ ارضِ مکّہ کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ کر مدینہ مُنوّرہ آ گئے۔ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ مکّہ سے اس طرح رخصت ہوئے کہ ان کے خاندان کا ایک فرد بھی وہاں نہ رہا اور ان کے مکانوں میں تالے پڑ گئے۔

(۳)

ہجرت الیٰ المدینہ کے وقت حضرت سائب رضی اللہ عنہ کی عمر اُنیس برس کے لگ بھگ تھی۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزندِ سعادت مند کی تربیت ایسے عمدہ انداز سے کی تھی کہ وہ اعلیٰ درجہ کے قدر انداز اور شمشیر زن بن گئے تھے۔ مدینہ مُنوّرہ میں اس خاندان کو حضرت عبداللہ بن سلمہ عجلانی رضی اللہ عنہ نے اپنا مہمان بنایا۔ کچھ عرصہ بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائیوں کو مکانات کی تعمیر کے لیے وسیع قطعاتِ زمین مرحمت فرمائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے چھٹے یا ساتویں مہینے مہاجرین و انصار کے مابین مُواخاۃ قائم کرائی تو حضرت سائب رضی اللہ عنہ کو حضرت حارثہ بن سراقہ انصاری رضی اللہ عنہ کا دینی بھائی بنایا۔ ربیع الاول ۲ ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بواط کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت سائب رضی اللہ عنہ کو مدینہ مُنوّرہ میں اپنا قائم مقام بنایا۔ یہ روایت ابنِ ہشام کی ہے بعض دوسری روایات میں حضرت سعدؓ بن معاذ کا نام بھی آیا ہے۔

رمضان المبارک ۲ ہجری میں حق و باطل کا معرکۂ اوّل بدر کے میدان میں پیش آیا تو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور حضرت سائب رضی اللہ عنہ دونوں نے بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ اربابِ سِیَر کا بیان ہے کہ دونوں باپ بیٹے سر سے کفن باندھ کر لڑے اور شجاعت و بسالت کا حق ادا کر دیا۔

غزوۂ بدر کے چند دن بعد حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سخت علیل ہو گئے۔ ان

Marfat.com

کے انصاری بھائی اور اہلِ خاندان نے بڑی دلسوزی کے ساتھ تیمارداری کی لیکن ان کا مرض روز بروز شدت اختیار کرتا گیا۔ یہاں تک کہ اخیر ۲ہجری میں انہوں نے پیکِ اجل کو لبیک کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات کی خبر سن کر سخت صدمہ ہوا۔ آپ ﷺ بادیدۂ گریاں حضرت اُمّ العلا انصاریہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے جہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ جھک کر میّت کی پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا

''ابوالسائب میں تم سے جدا ہوتا ہوں، تم دنیا سے اس طرح رخصت ہوئے کہ تمہارا دامن ذرّہ برابر اس سے آلودہ نہ ہونے پایا۔''

شفیق باپ کی جدائی سے حضرت سائب رضی اللہ عنہ پر کوہِ غم ٹوٹ پڑا لیکن انہوں نے بڑی ہمت اور حوصلے سے کام لیا اور پہلے سے دو چند جوش کے ساتھ اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ حافظ ابنِ عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاستیعاب'' میں لکھا ہے کہ حضرت سائب رضی اللہ عنہ نے اُحُد، احزاب اور دوسرے تمام معرکوں میں بڑے جوش اور ولولے کے ساتھ دادِ شجاعت دی اور اپنی قدر اندازی کی دھاک بٹھا دی۔

۱۱ہجری میں آفتابِ رسالت اللہ تعالیٰ کی شفیقِ رحمت میں غروب ہوا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند نشینِ خلافت ہوئے تو دفعتہً سارے عرب میں فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ اس موقع پر صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے بے مثال عزم و ہمت اور قوّتِ ایمانی کا مظاہرہ کیا اور مرتدین کے مقابلے پر ڈٹ گئے۔ فتنۂ ردّہ کے استیصال کے سلسلہ میں بہت سے معرکے پیش آئے۔ ان میں سب سے زیادہ خونریز یمامہ کی لڑائی تھی جو مسیلمہ کذّاب کے خلاف لڑی گئی۔ طَبَریؒ نے جنگِ یمامہ کی بابت لکھا ہے:

لم یلق المسلمون حرباً مثلها قط.

(مسلمانوں کو اس سے زیادہ سخت معرکہ کبھی پیش نہیں آیا)

Marfat.com

اس معرکے میں مسلمانوں کی قیادت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کر رہے تھے اور حضرت سائب رضی اللہ عنہ بھی ان کے لشکر میں شامل تھے۔ وہ اس شان سے لڑے کہ شجاعت بھی آفرین پکار اٹھی۔ عین معرکۂ کارزار میں شدید زخمی ہو کر گر پڑے۔ مسلمان انہیں اٹھا کر خیمے میں لے گئے اور علاج معالجہ میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن زخم بگڑتا ہی چلا گیا اور چند دن بعد وہ خالقِ حقیقی کے حضور پہنچ گئے۔ اُس وقت تیس سال سے کچھ اوپر عمر تھی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شوہر دیدہ عورت (یعنی بیوہ یا مطلقہ) کا اس وقت تک نکاح نہ کیا جائے جب تک اس سے دریافت نہ کر لیا جائے۔

اور باکرہ (کنواری) لڑکی کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اس کی اجازت کا طریقہ کیا ہو گا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (دریافت کرنے پر) اس کا خاموش ہو جانا (اس کی اجازت سمجھا جائے گا)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت ذُوالشمالَین رضی اللہ عنہ

اصل نام عُمَیر تھا اور کنیت ابو محمد تھی، لیکن انہوں نے تاریخ میں ذُوالشمالَین کے لقب سے شہرت پائی۔ نسبی تعلق بنو خُزاعہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

عُمَیرؓ بن عبدِ عمرو بن نضلہ بن عمرو بن غبشان بن سلیم بن مالک بن افصٰی بن حارثہ بن عمرو بن عامر خزاعی۔

ان کے والد عبدِ عمرو نے اپنا قبیلہ چھوڑ کر مکّہ میں سکونت اختیار کر لی تھی اور عبدالحارث بن زُہرہ سے حلیفانہ تعلّقات قائم کر لیے تھے۔ عبدالحارث نے اپنی بیٹی نعمی کا نکاح عبدِ عمرو سے کر دیا تھا اسی کے بطن سے عمیر ذوالشمالین پیدا ہوئے۔ ہجرت سے پہلے اسلام قبول کیا اور جب ہجرت کا اِذن ہوا تو ارضِ مکّہ کو الوداع کہہ کر مدینہ جا پہنچے۔ ان کا شمار مہاجرین حلفائے بنی زُہرہ میں ہوتا ہے۔

مدینہ میں حضرت ذوالشمالین رضی اللہ عنہ کو حضرت سعد بن خیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنا مہمان بنایا۔ چند ماہ بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار میں مؤاخاۃ قائم کرائی تو حضرت ذوالشمالین رضی اللہ عنہ کو یزید بن حارث خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ (معروف بہ ابنِ فسحم) کا اسلامی بھائی بنایا۔ یہ دونوں بھائی بڑے ذوق و شوق سے غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور دونوں مردانہ وار لڑتے ہوئے رتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔ حضرت ذوالشمالین رضی اللہ عنہ نے ابو اسامہ جُشمی کے ہاتھ سے شہادت پائی اور یزید بن حارث رضی اللہ عنہ نے طعیمہ بن عدی (یا نوفل بن معاویہ) کے ہاتھ سے جامِ شہادت پیا۔

Marfat.com

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما ہمرکابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱)

۱۰ ہجری میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو لوگوں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرکبِ ہمایوں پر ایک حسین وجمیل نوجوان کو بٹھا رکھا ہے جن کے رخِ تاباں سے نور کی شعاعیں اسطرح پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں کہ کوئی ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ حج پر آنے والے مجمع میں بنو خثعم کی ایک نہایت خوش جمال خاتون بھی تھیں۔ اُن کی نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف نوجوان کے چہرے پر پڑی تو وہیں ٹک کر رہ گئی۔ خاتون کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مسئلہ پوچھنا تھا اس لیے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے بہت قریب کھڑی تھیں اور حج پر ہونے کی وجہ سے ان کا چہرہ بے نقاب تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف نوجوان کی نظر خاتون پر پڑی تو وہ بھی ان کی طرف بغور دیکھنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوان کی ٹھوڑی پکڑ کر ان کا چہرہ دوسری طرف کر دیا لیکن تھوڑی دیر بعد نوجوان کی نظر پھر اُن خاتون کی طرف اٹھ گئی۔ ایسا دو تین مرتبہ ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوان سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

''برادرِ عزیز! آج کے دن جو شخص اپنی آنکھ زبان اور کان پر قابو رکھے گا' اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف کر دے گا۔''

Marfat.com

حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی سن کر نوجوان نے فوراً اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا اور پھر بھول کر بھی اس طرف نہ دیکھا۔ یہ نوجوان رعنا جن کو حُجّۃُ الوداع کے تاریخی موقع پر فخرِ موجودات سیّد المرسلین ﷺ کا ردیف بننے کا شرف حاصل ہوا اور جنہوں نے حضور ﷺ کے ارشادِ گرامی کے سامنے فوراً سرِ تسلیم خم کر دیا۔ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما تھے۔

(۲)

سیّدنا ابو محمد فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کے حسب و نسب کے بارے میں یہی کہہ دینا کافی ہے کہ دودمانِ ہاشمی کے چشم و چراغ تھے اور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ بن عبد المطلب کے فرزند تھے۔ والدہ کا نام اُمّ الفضل لبابہ رضی اللہ عنہا تھا۔ ان کی جلالتِ قدر کا اندازہ حافظ ابنِ عبد البر رحمۃ اللہ علیہ اور علاّمہ ابنِ اثیر رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ پہلی خاتون تھیں جو حضرت خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ عنہا کے بعد سعادت اندوزِ ایمان ہوئیں۔ اُمّ المومنین حضرت میمونہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا حضرت فضل رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں۔ ان کے والدِ گرامی حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی اسلام قبول کر چکے تھے لیکن انہوں نے بوجوہ کئی سال تک اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا۔ علاّمہ ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ کاتب الواقدی نے حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا غلام تھا اور اسلام ہمارے گھر میں داخل ہو چکا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ، ان کی اہلیہ اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا اور میں سب مسلمان ہو چکے تھے۔ مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھے۔ حضرت فضل رضی اللہ عنہ بھی بعثتِ نبوی ﷺ کے اوائل ہی میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ لیکن اپنے والدِ گرامی کی طرح انہوں نے بھی اسلام کا چرچا کرنا مناسب نہ سمجھا۔ فتحِ مکّہ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ارضِ مکّہ کو الوداع کہا اور ہجرت کر کے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ اہل و عیال بھی ہمراہ تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے فرزندوں کو

Marfat.com

ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ بے حد مسرور ہوئے اور سب کو دعائے خیر و برکت سے نوازا۔

حضرت فضل رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے فتح مکّہ کے موقع پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد وہ بڑے جوش اور جذبہ کے ساتھ غزوۂ حنین میں شریک ہوئے اور تحیّر خیز سرفروشی کا مظاہرہ کیا۔ ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جب دشمن کی بے پناہ تیراندازی سے مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا تو حضرت فضل رضی اللہ عنہ اس وقت بھی چند دوسرے جانبازوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں کوہِ استقلال بن کر کھڑے تھے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تیروں کی زد سے بچانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا رکھی تھی۔ ان سرفروشوں کی ہمتِ مردانہ ہی کا نتیجہ تھا کہ مسلمان بہت جلد واپس پلٹ پڑے اور مشرکینِ بنوہوازن کو عبرتناک شکست دی۔

(۳)

حجۃ الوداع میں حضرت فضل رضی اللہ عنہ کو یہ عظیم سعادت نصیب ہوئی کہ سیّد الانام رحمتِ دوعالم ﷺ نے انہیں اپنی سواری پر اپنے ساتھ بٹھایا' اس طرح وہ ردیفِ رسول اللہ ﷺ (ہمرکاب رسول اللہ ﷺ) کے قابلِ فخر لقب سے مشہور ہوگئے۔ اسی موقع پر وہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر اوپر آیا ہے۔ مُسندِ ابی داؤد میں ہے کہ حجۃ الوداع میں رمی جمار کے وقت حضرت فضل رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پشتِ مبارک کے پیچھے کھڑے تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر چادر تان رکھی تھی تاکہ آپ ﷺ دھوپ سے بچے رہیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ اقدس کے آخری دنوں میں جن اصحاب رضی اللہ عنہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی سعادت نصیب ہوئی حضرت فضل رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل تھے حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ جس دن آخری خطبہ دینے کے لیے حجرۂ مبارک سے باہر

Marfat.com

تشریف لائے تو حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے صاحب کے ساتھ مل کر آپ ﷺ کو سہارا دے رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حضرت فضل رضی اللہ عنہ ہی نے عامۃ المسلمین کے سامنے اعلان کیا تھا کہ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے جن اعزّہ کو جسدِ اطہر کو غسل دینے کی سعادت نصیب ہوئی ان میں سے ایک حضرت فضل رضی اللہ عنہ تھے۔ حافظ ابنِ عبد البر رحمۃ اللہ نے ''الاستیعاب'' میں بیان کیا ہے کہ حضرت فضل رضی اللہ عنہ پانی ڈالتے تھے اور حضرت علی کَرَّمَ اللہ وَجہَہٗ غسل دیتے تھے۔

رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عہدِ صدّیقی میں قیصرِ روم سے معرکہ آرائیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت فضل رضی اللہ عنہ شام جانے والے مجاہدینِ اسلام کے لشکر میں شامل ہو گئے اور رومیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ بعض اہلِ سِیَر نے لکھا ہے کہ حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے طاعونِ عمواس (۱۷-۱۸ ہجری) میں وفات پائی اور بعض کا قول ہے کہ انہوں نے جنگِ اَجنادَین (۱۳ ہجری) میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ نے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے اپنے پیچھے صرف ایک لڑکی اُمِّ کلثوم چھوڑی۔ ان کا پہلا نکاح سیدنا حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے ہوا۔ انہوں نے طلاق دے دی تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے عقدِ نکاح میں آئیں۔

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کا شمار راویانِ حدیث صحابہ رضی اللہ عنہم کے طبقۂ پنجم میں ہوتا ہے ان سے چوبیس احادیث مروی ہیں۔ ان کے رُواۃ میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اور سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ، شعبی رحمۃ اللہ اور عطاء بن ابی رباح جیسے اکابر تابعین شامل ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

(۱)

غزوۂ حنین (۸ ہجری) میں اہلِ حق کو فتحِ مبین نصیب ہوئی تو ہزیمت خوردہ مشرکین کے تین گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ قلعۂ طائف میں پناہ گزین ہوا' دوسرا بطنِ نخلہ کی طرف چلا گیا اور تیسرا وادیِ اوطاس میں بنو ہوازن کے آزمودہ کار سردار دُرید بن الصمّہ کی قیادت میں پھر مجتمع ہونے لگا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اوطاس میں جمع ہونے والے مشرکین کے جارحانہ عزائم کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک جاں نثار ابو عامر عبید بن سلیم رضی اللہ عنہ کو ایک جمعیّت دے کر مشرکینِ اوطاس کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔ حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ طوفان کی طرح وادی اوطاس کی طرف بڑھے اور دُرَید بن صمّہ کو قتل کر کے اس کے لشکر کو عبرتناک شکست دی تاہم اثنائے جنگ میں بنو جُشم کے ایک شخص کے تیر سے وہ خود سخت زخمی ہو گئے۔ مجاہدینِ اسلام میں ابو عامر رضی اللہ عنہ کے بھتیجے بھی موجود تھے۔ چھوٹے سے قد کے یہ دُبلے پتلے صاحب بڑے دَم خَم کے آدمی تھے انہوں نے ابو عامر کو مجروح ہو کر گرتے دیکھا تو دوڑ کر ان کے پاس گئے اور پوچھا' چچا جان آپ کو کس نے زخمی کیا؟ ابو عامر رضی اللہ عنہ نے اشارے سے بتایا تو وہ تیر چلانے والے جشمی پر باز کی طرح جھپٹے۔ وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ ان صاحب نے اس کا

Marfat.com

تعاقب کیا اور غیرت دلائی کہ اس طرح بھاگنا بزدلوں کا کام ہے۔ وہ تاؤ کھا کر رک گیا اور تلوار نکال کر مقابلہ کرنے لگا۔ حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کے شجاع بھتیجے نے اس کو چند لمحوں میں خاک و خون میں لوٹا دیا اور واپس آ کر حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کو خوشخبری سنائی کہ چچا جان اللہ نے آپ کے دشمن کو ہلاک کر ڈالا۔ حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا' میرے زانو سے تیر نکالو' انہوں نے تیر باہر کھینچا تو خون کا فوارہ چھوٹ پڑا اور حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کی حالت سخت نازک ہو گئی۔ دم نزع انہوں نے سعادتمند بھتیجے کو اپنا جانشین بنایا اور انہیں وصیّت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میرا اسلام عرض کرنا اور میرے لیے دعائے مغفرت کی درخواست کرنا۔

اس کے بعد انہوں نے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

شہیدِ راہِ حق حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے بھتیجے نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر لڑائی کے تمام واقعات عرض کیے اور ساتھ ہی حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کی وصیّت بیان کی۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت وضو فرمایا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی:

"اے اللہ عبید بن سلیم (ابو عامرؓ) کو بخش دے اور اس کو جنّت میں بہت سی مخلوق پر برتری عطا کر۔"

حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کے بھتیجے نے عرض کیا' یا رسول اللہ! میرے لیے بھی دعا کریں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دعا کی:

"الٰہی عبداللہ بن قیس کی خطائیں بخش دے اور قیامت کے دن (جنّت میں) اس کو باعزّت داخلہ سے شرف یاب کر۔"

حضرت ابو عامر شہید رضی اللہ عنہ کے یہ خوش بخت برادر زادے جن کے لیے فخرِ موجودات خیر الخلائق سیّد الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے جنّت میں باعزّت داخلہ کی

Marfat.com

دعا مانگی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے...... انہی کا نام عبداللہؓ بن قیس تھا۔

(۲)

سیّدنا حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ جنہوں نے تاریخ میں اپنی کنیت ابوموسیٰ سے شہرت پائی' قبیلہ اشعر سے تعلق رکھتے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

ابوموسیٰ عبداللہؓ بن قیس بن سلیم بن حضار بن حرب بن عامر بن عنز بن بکر بن مذر بن وائل بن ناجیہ بن جماہر بن الاشعر بن اود بن زید بن یشجب

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ یمن کے رہنے والے تھے اور اپنے قبیلے کے ذی اثر رؤسا میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرتِ سلیم سے نوازا تھا۔

خورشیدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا تو چند سال کے اندر اندر اس کی کرنیں سرزمینِ عرب کے دُور دراز گوشوں پر بھی پڑنے لگیں جن میں یمن بھی شامل تھا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ تجارت کے سلسلے میں مختلف ملکوں میں خوب گھومے پھرے تھے اور نئے لوگوں سے میل جول اور مختلف مذاہب کے مشاہدہ سے ان کا ذہنی افق وسیع ہو گیا تھا۔ مکّہ سے اٹھنے والی صدائے توحید ان کے کانوں تک پہنچی تو انہوں نے بلا تامّل اس پر لبیک کہا اور پھر بسُرعتِ تمام عازمِ مکّہ ہو گئے۔ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر بیعت کا شرف حاصل کیا اور بنو عبدِ شمس سے حلیفانہ تعلق قائم کر کے وطن کو مراجعت کی۔ وطن پہنچ کر انہوں نے بڑے جوش و خروش سے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی اور تھوڑے ہی عرصے میں بنو اشعر کی ایک معقول تعداد کو دائرۂ اسلام میں لے آئے۔ ان میں ان کی والدہ حضرت طیّبہ بنتِ وہب رضی اللہ عنہا بھی تھیں جو قبیلہ عک سے تعلق رکھتی تھیں۔ حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے

Marfat.com

ہیں تو وہ اپنے پچاس سے زائد نو مسلم رُفقا کے ساتھ ایک کشتی میں سوار ہو کر عازمِ مدینہ ہوئے۔ اتفاق سے ان کی کشتی شاہی کشتیوں کے ساتھ حبشہ پہنچ گئی (یا بروایتِ دیگر طوفان اور بادِ مخالف نے اسے حجاز کے بجائے حبشہ پہنچا دیا) وہاں ان کی ملاقات مکّہ کے مہاجرینِ کرام رضی اللہ عنہم سے ہوئی تو حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ آپ لوگ بھی ہمارے ساتھ یہیں ٹھہر جائیں، جب مدینہ میں حالات سازگار ہو جائیں گے تو سب ایک ساتھ مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم چلیں گے۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سمیت حبشہ ہی میں ٹھہر گئے۔ اواخر ۶ ہجری میں مکّہ کے مہاجرینِ کرام رضی اللہ عنہم حبشہ سے عازمِ مدینہ ہوئے تو حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی بھی اس قافلے میں شریک ہو گئے۔ یہ تمام حضرات اس وقت بارگاہِ رسالت میں پہنچے جب خیبر فتح ہو چکا تھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان بلاکشانِ اسلام کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے، ہر ایک سے معانقہ فرمایا، سب کی پیشانی چومی اور ہر ایک کو خیبر کے مالِ غنیمت سے حصہ عطا فرمایا۔

(۳)

مدینہ مُنوّرہ آنے کے بعد حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ فیضانِ نَبوی سے بہرہ یاب ہونے میں گزارتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ سفر ہو یا حضر، ہر وقت بارگاہِ نَبوی میں حاضر رہیں۔ ایک مرتبہ پانچ رُفقا کے ساتھ ایک غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے ان چھ کے پاس صرف ایک اونٹ تھا۔ باری باری اس پر سوار ہوتے تھے۔ پیادہ پا چلتے چلتے سب کے پاؤں پھٹ گئے اور ناخن گر گئے تو سب نے پاؤں پر چیتھڑے لپیٹ لیے۔ ایک اور غزوہ میں فوج نے رات کو ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ یہ دشمن کا علاقہ تھا، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے خیال سے نیند نہ آتی تھی۔ اٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمۂ مبارک میں گئے وہاں

Marfat.com

حضور ﷺ کو نہ پایا تو بے چین ہو گئے اور آپ ﷺ کی تلاش میں نکلے۔ راستے میں ایک صحابی کو اسی فکر میں سرگرداں پایا۔ دونوں آگے بڑھے، اتنے میں حضور ﷺ واپس تشریف لاتے نظر پڑے۔ دونوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان، یہ دشمن کا علاقہ ہے، ہمیں ہر وقت آپ کی سلامتی کی فکر رہتی ہے اس لیے آپ کو جس وقت کوئی ضرورت پیش آئے تو کسی کو حکم دے دیا کریں وہ ساتھ ہو جایا کرے گا۔"

رمضان ۸ ہجری میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو اُن دس ہزار سرفروشوں میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا جو فتحِ مکہ کے موقع پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ اس کے بعد انہوں نے غزوہ حنین میں دادِ شجاعت دی۔ پھر اپنے چچا حضرت ابوعامر اشعری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اوطاس میں جمع ہونے والے مشرکین کی سرکوبی کے لیے گئے۔ اس واقعہ کی تفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے۔

۹ ہجری میں غزوہ تبوک کی تیاری شروع ہوئی تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے رُفقا نے ان کو بارگاہِ نبوت میں اس غرض سے بھیجا کہ کچھ سواریاں حاصل کریں۔ اتفاق سے اس وقت حضور ﷺ حالتِ جلال میں تھے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے سواریوں کے لیے عرض کیا، تو آپ ﷺ نے غصہ سے فرمایا، "میں تمہیں کوئی سواری نہیں دوں گا۔" حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ دل شکستگی کے عالم میں واپس آئے اور اپنے ساتھیوں کو حضور ﷺ کے جواب سے آگاہ کیا۔ ان کو زیادہ غم اس بات کا تھا کہ معلوم نہیں حضور ﷺ ان سے کیوں ناراض ہیں، لیکن ابھی وہ بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پکارتے ہوئے آئے "عبداللہ بن قیس! چلو تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد فرمایا ہے۔" حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فوراً حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گئے۔ حضور ﷺ نے انہیں دو اونٹ مرحمت فرمائے۔ وہ انہیں لے کر اپنے

Marfat.com

اہلِ قبیلہ کے پاس آئے اور ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا ''شاید تم سوچو کہ پہلے میں نے تم سے جو کچھ کہا تھا وہ بہانہ سازی تھی۔ خدا کی قسم ایسا نہیں، تم میرے ساتھ چند آدمی کسی ایسے شخص کے پاس بھیجو جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا تھا۔''

اہلِ قبیلہ نے کہا ''خدا کی قسم ہم آپ کو سچا سمجھتے ہیں، تاہم آپ اپنی بات کی تصدیق ضرور کرانا چاہتے ہیں تو آپ کی مرضی۔'' چنانچہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے کے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سننے والے اصحاب سے واقعہ کی تصدیق کرائی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ایک دن بنو اشعر کے دو صحابی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ انہیں کسی عہدے پر فائز کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسواک کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست سنی تو مسواک چھوڑ دی اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''ابوموسیٰ ابوموسیٰ؟'' انہوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ میرے ساتھی کسی عہدے کے خواہشمند ہیں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کسی عہدہ کی خواہش کرے گا میں اس کو اس عہدے پر ہرگز مامور نہ کروں گا لیکن ابوموسیٰ تم یمن جاؤ میں تم کو وہاں کا عامل مقرر کرتا ہوں۔''

بعض روایتوں میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو یمن کے ضلع مارب کا حاکم مقرر فرمایا اور بعض اہلِ سیر کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو زبید اور ساحل کے علاقے کا عامل بنایا۔ تعلیم قرآن اور تحصیلِ زکوٰۃ ان کے خاص فرائض

Marfat.com

تھے۔ یمن کے دوسرے حصوں پر حضور ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل انصاری رضی اللہ عنہ کو حاکم بنایا اور دونوں کو رخصت کرتے وقت نصیحت فرمائی کہ اپنے علاقے کے لوگوں پر سختی نہ کرنا۔ اپنا رَوِیّہ ان کے ساتھ نرم رکھنا تاکہ وہ خوش رہیں اور تم سے نفرت نہ کرنے لگیں اور باہم میل جول سے رہنا۔ اس موقع پر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے پوچھا:

''یارسول اللہ! ہمارے ملک میں دو قسم کی شراب بنائی جاتی ہے' ایک جَو سے جسے مزر کہتے ہیں اور دوسری شہد سے جس کو تبع کہتے ہیں۔ ان کے بارے میں کیا حکم ہے۔''

حضور ﷺ نے فرمایا: ''ہر وہ شے جو نشہ لائے حرام ہے۔'' (بخاری کتاب المغازی)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن پہنچ کر اپنے فرائض نہایت حسن و خوبی سے انجام دینے لگے۔ چند ماہ بعد سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے مکّہ معظّمہ تشریف لائے تو حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بھی یمن سے مکّہ آئے۔ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضورِ ﷺ نے پوچھا: ''عبداللہ بن قیس کیا تم حج کے ارادے سے آئے ہو؟''

انہوں نے عرض کیا: ''ہاں یارسول اللہ''

حضور ﷺ نے فرمایا: ''نیّت کیا تھی؟''

عرض کیا: ''میں نے دل میں کہا تھا کہ جو رسول اللہ ﷺ کی نیّت ہے وہی میری نیّت ہے۔''

حضور ﷺ نے پوچھا: ''کیا قربانی کے جانور اپنے ساتھ لائے ہو؟''

عرض کیا: ''نہیں۔''

ارشاد ہوا کہ تم طواف اور سعی کرکے احرام کھول دو۔

Marfat.com

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے تعمیلِ ارشاد کی اور پھر اپنے عہدے پر واپس یمن آ گئے۔ تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ نبوّت کے ایک جھوٹے مُدّعی اسود عنسی نے سارے ملک میں شورش برپا کر دی۔ اس شورش نے اس قدر زور باندھا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ مجبوراً اپنے مرکزِ حکومت جند سے نکل کر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس مارب آ گئے۔ جب مارب بھی باغیوں کے حملوں کی زد میں آ گیا تو دونوں حضرموت کی طرف چلے گئے۔ اسود عنسی جلد ہی حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ اور ان کے رُفقا کے ہاتھوں کیفرِ کردار کو پہنچ گیا۔ اس کے قتل کی خبر مدینہ منورہ پہنچی تو سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی مَسرّت کا اظہار فرمایا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے آخری دن تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو فتنۂ ارتداد کی آگ سارے عرب میں بڑی شدت سے بھڑک اٹھی۔ صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اس فتنہ کا مقابلہ کمال درجے کے عزم اور حوصلے سے کیا اور چند ماہ کے اندر اندر اس کا استیصال کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی یمن اور دوسرے تمام علاقے از سرِ نو خلافتِ اسلامیہ کے زیرِ تسلّط آ گئے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بھی حضرموت سے اپنے عہدے پر واپس آ گئے اور خلافتِ فاروقی کی ابتدا تک اپنے فرائض نہایت احسن طریقے سے انجام دیتے رہے۔

(۴)

خلیفۂ ثانی حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ کو عراقِ عرب کی تسخیر پر مامور فرمایا تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی شوقِ جہاد نے بے چین کر دیا۔ انہوں نے اپنے عہدے سے استعفا دے دیا اور ایک مجاہد کی حیثیت سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لشکر میں جا شامل ہوئے۔ طبری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ عراقِ عرب کے اکثر حصوں کی تسخیر کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ۱۷ھ میں الجزیرہ (دریائے دجلہ

Marfat.com

اور فرات کے درمیانی علاقے) پر لشکر کشی کی تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو الجزیرہ کے شہر نصیبین کی تسخیر پر مامور کیا۔ وہ اس شہر پر پرچم اسلام بلند کر کے مظفر و منصور واپس آئے۔

اسی سال امیر المومنین حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو ان کی جگہ بصرہ کا والی (گورنر) مقرر کیا۔ بصرہ میں اپنے فرائض سنبھالنے کے ساتھ ہی ان کی زندگی کا وہ دَور شروع ہوا جس میں وہ ایک اعلیٰ درجے کے منتظم اور ایک عظیم فاتح کی حیثیت میں نظر آتے ہیں۔ واقدی، مدائنی، اعثم کوفی اور بعض دوسرے مؤرخین کا بیان ہے کہ ولایتِ بصرہ پر فائز ہونے کے تھوڑے عرصہ بعد حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو دربارِ خلافت سے حکم موصول ہوا کہ وہ خوزستان پر لشکر کشی کریں جہاں فارسیوں نے اہواز، مناذر، تُستر اور کئی دوسرے مقامات پر مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے فوج جمع کی ہے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ یہ حکم موصول ہوتے ہی ایک فوج لے کر سب سے پہلے خوزستان کے سب سے بڑے شہر اہواز کی طرف بڑھے۔ طبریؒ نے لکھا ہے کہ اہواز کے حاکم نے ۱۶ ہجری میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت قبول کر لی تھی اور ایک مختصر سی رقم ہر سال بطورِ خراج ادا کرنا منظور کر لیا تھا۔ بصرہ میں انقلابِ حکومت کے بعد اس نے خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا اور علانیہ سرکشی پر تُل گیا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اہواز کی طرف پیش قدمی کی تو اہواز کے جاٹوں اور اساورہ (گھوڑا فوج کے منصب داروں) نے ان کی شدید مزاحمت کی، لیکن بالآخر شکست کھائی اور شہر فتح ہو گیا۔ اسلامی فوج نے ہزاروں جاٹوں اور اساورہ کو غلام بنا لیا، چونکہ مفتوحہ علاقہ کی کھیتی باڑی جاٹوں کے ہاتھ میں تھی اور اساورہ بڑے زمیندار (چودھری یا وڈیرے) تھے اس لیے کاشتکاری کا کام یکسر رُک گیا۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کو اس صورتِ حال کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت

Marfat.com

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ کاشتکاری تمہارے بس سے باہر ہے اس لیے غلاموں کو رہا کردو اوران سے زمین کا لگان وصول کرو۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی تعمیل میں تمام غلام چھوڑ دیے جو حسب سابق کھیتی باڑی میں مشغول ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے مناذر کا رُخ کیا جو اہواز کا نہایت اہم شہر تھا۔ ملک کی تمام سڑکیں یہاں آ کر ملتی تھیں اور یہ کئی طرف سے دریاؤں اور نہروں سے گھرا ہوا تھا۔ اس کی فصیل اور دوسرے دفاعی انتظامات بھی نہایت مستحکم تھے۔ اہلِ شہر نے بڑی پامردی سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور کئی ماہ تک محصور رہ کر مزاحمت کرتے رہے' لیکن بالآخر مغلوب ہو گئے اور شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اثنائے محاصرہ میں اسلامی فوج کے ایک معزّز افسر مہاجر بن زیاد رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ قلعہ والوں نے ان کا سر کاٹ کر برج کے کنگرہ پر لٹکا دیا۔ چونکہ محاصرہ کافی طول پکڑ گیا تھا اس لیے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے مہاجر بن زیاد رضی اللہ عنہ کے بھائی ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ کو یہاں چھوڑا اور خود سُوس کی طرف بڑھے۔ اہلِ سوس نے بھی مقابلہ کی زبردست تیاری کر رکھی تھی' تاہم انہوں نے کھلے میدان میں نکلنے کے بجائے قلعہ بند ہو جانا مناسب سمجھا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے شہر کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد بند کر دی۔ اس اثنا میں حضرت ربیع رضی اللہ عنہ نے مناذر فتح کر لیا اور اپنی کچھ فوج حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے بھیج دی۔ سوس میں جلد ہی کھانے پینے کی اشیاء کا قحط پڑ گیا' مجبوراً حاکم شہر نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اس کے خاندان کے سَو آدمیوں کو جان کی امان دی جائے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ شرط منظور کر لی۔ حاکمِ شہر نے جن سَو آدمیوں کو جان بخشی کے لیے نامزد کیا بدقسمتی سے اپنے آپ کو ان میں شامل کرنا بھول گیا۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کے نامزد کیے ہوئے آدمیوں کو تو چھوڑ دیا' لیکن خود اسے قتل کرا دیا۔

Marfat.com

علامہ بلاذری رحمۃ اللہ علیہ نے "فتوح البلدان" میں بیان کیا ہے کہ سُوس کی فتح کے بعد مسلمان شہر میں داخل ہوئے تو وہاں شاہی محل کے ایک کمرے میں ایک لاش پڑی پائی جو زربفت میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس لاش کے پاس بہت سا زرومال رکھا تھا اور ساتھ ہی اس مضمون کی ایک تحریر تھی کہ "اگر کسی کو روپیہ کی ضرورت ہو تو وہ ایک مقررہ مُدّت کے لیے اس مال میں سے قرض لے سکتا ہے، اگر مقررہ مُدّت کے بعد قرض واپس نہیں کرے گا تو جذام (کوڑھ) میں مبتلا ہو جائے گا۔"

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے لاش کے بارے میں تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ حضرت دانیال علیہ السّلام کی ہے۔ حضرت دانیالؑ سُوس میں کیسے پہنچے؟ اس کے متعلق حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ حضرت دانیالؑ کے زمانے میں ایک مرتبہ امساکِ باراں کی وجہ سے سُوس میں سخت قحط پڑ گیا اور لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ حضرت دانیالؑ اس وقت بابل میں تھے اور مشہور تھا کہ ان کی دعا سے بارش ہوتی ہے، چنانچہ اہلِ سُوس کا ایک وفد بابل جا کر حضرت دانیالؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے درخواست کی کہ وہ سوس تشریف لائیں لیکن وہاں کے حُکّام نے یہ شرط رکھی کہ اہلِ سُوس اپنے پچاس آدمی بطور یرغمال بابل میں چھوڑ جائیں، تبھی وہ حضرت دانیالؑ کو اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں۔ اہلِ سُوس نے یہ شرط مان لی اور اپنے پچاس آدمی وہاں چھوڑ کر حضرت دانیالؑ کو اپنے ساتھ سُوس لے آئے۔ ان کی دعا سے خوب بارش ہوئی اور قحط دُور ہو گیا۔ ابھی وہ سُوس ہی میں تھے کہ پیغامِ اجل آ پہنچا۔ ان کی وفات پر اہلِ سُوس کو بہت صدمہ ہوا۔ انہوں نے ان کی لاش کو بڑے احترام سے مومیائی لگا کر محفوظ کر دیا اور پھر اسے زربفت میں لپیٹ کر شاہی محل میں رکھ دیا۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس لاش اور روپیہ کے بارے میں ساری تفصیل حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجی۔ انہوں نے فرمان بھیجا کہ لاش کو کفناؤ اور خوشبو

Marfat.com

لگا کر نمازِ جنازہ پڑھو' پھر دفن کر دو جس طرح دوسرے انبیاء دفن کیے گئے ہیں اور روپیہ کو بیت المال میں جمع کر دو۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اسی کے مطابق عمل کیا۔ اس کے بعد انہوں نے رامہرمز کے پہاڑی شہر کی طرف ایک فوج بھیجی جس نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ شہر محاصرہ کی تاب نہ لا سکے اور آٹھ لاکھ درہم سالانہ خراج دینا منظور کر کے مطیع ہو گئے۔

(۵)

جس زمانے میں اہواز' مناذر' سوس اور رامہرمز فتح ہوئے' یزدجرد شہنشاہِ ایران اصطخر یا قم میں مقیم تھا۔ اس کو مسلمانوں کی فتوحات کی خبریں پہنچیں تو اس نے اپنے ایک نامور سردار ہرمزان کو ایک زبردست لشکر دے کر مسلمانوں کو خوزستان سے نکالنے کے لیے بھیجا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ہرمزان خود یزدجرد کی خدمت میں حاضر ہوا اور اہواز و فارس کی حکومت کے عوض یہ ذمہ لیا کہ وہ مسلمانوں کے سیلاب کو روک دے گا۔ یزدجرد نے اس کی بات منظور کر لی اور وہ ایک لشکرِ گراں اور بے شمار زر و مال اپنے ساتھ لے کر خوزستان کے صدر مقام تستر پہنچ گیا۔ یہاں اس نے بہت سے کُرد اور فارسی بھی اپنی فوج میں شامل کر لیے۔ یہاں تک کہ اس کے لشکر کی مجموعی تعداد ساٹھ ہزار سے متجاوز ہو گئی۔ فوج کی فراہمی کے ساتھ ہرمزان نے شہر اور قلعہ کے دفاعی استحکامات کو بھی ناقابلِ تسخیر بنانے کے لیے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ابوحنیفہ دِینوری نے "الاخبار الطّوال" میں لکھا ہے کہ تُستر کی شہر پناہ بہت بلند اور محفوظ تھی۔ دریائے دجیل اور دوسری قدرتی رکاوٹوں نے اس کو بہت محفوظ بنا دیا تھا۔ ہرمزان نے اس کی مرمّت کرائی اور کھانے پینے کے سامان اور گھوڑوں کے چارے کا کافی ذخیرہ کر لیا۔ دوسری طرف حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس اُس وقت صرف دس ہزار مجاہدین تھے۔ انہیں ہرمزان کی جنگی تیاریوں اور تُستر کے دِفاع کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے

Marfat.com

فوراً دربارِ خلافت کو خط بھیج کر مدد طلب کی۔ ان کا خط ملتے ہی حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے گورنر حضرت عمّار بن یاسر رضی اللہ عنہما اور حلوان کے عامل حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو فرمان بھیجے کہ فوراً ابوموسیٰ کی مدد کو پہنچو۔ امدادی فوجیں پہنچنے سے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس بیس ہزار کی جمعیت ہوگئی۔ اب انہوں نے تستر کا رُخ کیا اور شہر کے قریب پہنچ کر خیمہ زن ہوئے۔ ہرمزان کو اپنی فوج اور ساز وسامان پر بڑا ناز تھا اس لیے وہ شہر سے باہر نکل کر اسلامی لشکر پر حملہ آور ہوا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے بڑے عمدہ انداز سے اپنی فوج کی صف بندی کی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو رسالے کا افسر بنایا' میمنہ کی قیادت حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ اور میسرہ کی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے سپرد کی۔ دونوں فوجوں میں گھمسان کا رَن پڑا۔ حضرت براءؓ بن مالک لڑتے بھڑتے شہر کے دروازے تک پہنچ گئے۔ یہاں ان کا سامنا ہرمزان سے ہوا۔ براء رضی اللہ عنہ اور ان کے ایک ساتھی مجزاۃ بن ثور رضی اللہ عنہ نے ہرمزان کے ہاتھوں جام شہادت پیا' تاہم لڑائی میں مسلمانوں کا پلّہ بھاری رہا۔ ایک ہزار ایرانی مارے گئے اور چھ سو مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوگئے۔ اب ہرمزان نے شہر کے اندر جا کر دروازے بند کرلینے ہی میں اپنی خیریت سمجھی۔ چنانچہ وہ قلعہ بند ہوگیا اور مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کرلیا۔ جن دنوں سوس کا محاصرہ جاری تھا یزدجرد نے ایک فوج اہلِ سوس کی مدد کے لیے اصطخر سے روانہ کی تھی۔ اس فوج میں شاہی خاندان کے بیسیوں افسر تھے۔ یہ فوج ابھی راستہ ہی میں تھی کہ سوس اور پھر رامہرمز کو مسلمانوں نے فتح کرلیا۔ طبری اور بلاذری کا بیان ہے کہ شاہی امدادی فوج نے سُوس اور رامہرمز کے سقوط کی خبر سنی تو اس کے حوصلے پست ہوگئے اور اس کے اعلیٰ فوجی افسروں نے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ انہوں نے دس آدمیوں کا ایک وفد حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا جو اس وقت تستر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ وفد کے قائد شیرویہ اسواری نے

Marfat.com

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر آپ ہماری یہ چھ شرطیں قبول کر لیں تو ہم اسلام لانے کو تیار ہیں:

۱- ہم مسلمانوں کی باہمی لڑائیوں میں غیر جانب دار رہیں گے۔

۲- ہم مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایرانیوں سے لڑیں گے اور ہم پر کسی عرب نے حملہ کیا تو آپ ہماری مدد کریں گے۔

۳- ہم کو کسی بھی جگہ آباد ہونے کی آزادی ہوگی۔

۴- ہم جس قبیلہ سے چاہیں گے حلیفانہ تعلق قائم کر سکیں گے۔

۵- ہم کو "شرفِ عطاء" (ممتاز درجہ کا وظیفہ) دیا جائے گا۔

۶- مسلمانوں کا خلیفہ اس عہد نامے پر خود دستخط کرے گا۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا' یہ شرطیں غیر معمولی ہیں۔ تم کسی شرط کے بغیر اسلام قبول کر لو تو تمہارے حقوق و فرائض دوسرے مسلمانوں کے برابر ہوں گے۔ وفد اس پر رضامند نہ ہوا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے سارا واقعہ حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا۔ ان کا جواب آیا کہ ایرانیوں کی تمام شرطیں بلا تاخیر منظور کر لو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور تمام ایرانی شہسوار (شاہی فوجی افسر) مشرف بہ اسلام ہو گئے اور تستر کے محاصرے میں مسلمانوں کے دوش بدوش لڑنے لگے تاہم ان کے اندازِ جنگ میں کوئی جوش اور ولولہ نظر نہیں آتا تھا۔ ایک دن حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کے سردار "سیاہ" سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے تم لوگوں نے صدقِ دل سے اسلام قبول نہیں کیا اس لیے تم بیدلی سے لڑتے ہو۔

سیاہ نے کہا: "اے امیر ہم ابھی تازہ تازہ مسلمان ہوئے ہیں اس لیے ہمارے دلوں میں وہ دینی جوش اور جذبہ نہیں ہے جو قدیم مسلمانوں کے سینوں میں ہے۔ پھر یہ سبب بھی کہ آپ نے ہمیں ابھی تک ممتاز درجہ کا

Marfat.com

وظیفہ نہیں دیا۔"

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں مرکز کی طرف رجوع کیا تو وہاں سے فرمان آیا:

"اگر یہ ایرانی فوجی افسر اپنی شجاعت اور جنگی کارکردگی کی بناء پر سب سے اونچے وظیفے کے مستحق ہیں تو ان کو ضرور اونچے سے اونچا وظیفہ دو جو کسی عرب کو دیا گیا ہو۔"

اس فرمان کے مطابق حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے چھ اعلیٰ افسروں کو شرفِ عطا (سب سے اونچا وظیفہ) دیا جس کی مقدار دو ہزار پانچ سَو درہم سالانہ تھی اور سُو افسروں کو درجہ اوّل کا وظیفہ دیا جس کی مقدار دو ہزار درہم سالانہ تھی۔ چند دن بعد ان افسروں کے سردار سیاہ (اور ایک دوسری روایت کے مطابق تُستر کے ایک شہری) نے جان پر کھیل کر تُستر کا وہ خفیہ راستہ مسلمانوں کو بتا دیا جو دریا کی طرف کُھلتا تھا۔ مسلمانوں کے سَو منتخب سرفروش اس راستے سے شہر میں داخل ہو گئے اور پہریداروں کو تہ تیغ کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھول دیے۔ ادھر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فوج کے ساتھ موجود تھے۔ دروازے کھلتے ہی سارا لشکر شہر میں داخل ہو گیا اور ہر طرف ہلچل پڑ گئی۔ ہرمزان نے بھاگ کر قلعہ میں پناہ لی اور اس شرط پر اپنے آپ کو مسلمانوں کے سپرد کر دینے پر آمادگی ظاہر کی کہ اس کو بحفاظت مدینہ پہنچا دیا جائے اور جو کچھ فیصلہ ہو خلیفۃ المسلمین کے ہاتھ سے ہو۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ شرط منظور کر لی اور ہرمزان کو ایک فوجی دستے کی حفاظت میں مدینہ بھیج دیا۔ ہرمزان نے جنگِ قادسیہ کے بعد حضرت سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ کئی دفعہ معاہدۂ صلح کیا تھا اور ہمیشہ اس کو توڑ دیا تھا۔ معرکہ تُستر میں اس نے حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ اور مجزاۃ بن ثور رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ کو ان باتوں کا اس قدر رنج تھا کہ انہوں نے

Marfat.com

ہرمزان کے لیے موت کی سزا تجویز کی تھی لیکن ہرمزان بہت چالاک نکلا اور ایک عجیب حیلے سے اپنی جان بچائی۔ ابنِ عبدربہ نے ''عقدالفرید'' میں لکھا ہے کہ ہرمزان نے پینے کے لیے پانی مانگا اور پیالہ ہاتھ میں لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے وعدہ لیا کہ جب تک وہ یہ پانی پی نہیں لے گا قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور ساتھ ہی اس نے پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور کہا کہ میں پانی نہیں پیوں گا اور اپنے عہد کے مطابق آپ مجھے قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کو اس کی حیلہ سازی پر بڑی حیرت ہوئی لیکن ہرمزان نے یکایک کلمۂ توحید پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور کہا کہ میں پہلے ہی حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکا تھا لیکن یہ حیلہ اس لیے کیا کہ لوگ یہ نہ کہیں ہرمزان نے تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد ہرمزان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت سے مدینہ منوّرہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ امیر المومنین نے اس کے مصارف کے لیے دو ہزار سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔

تُستر کی تسخیر کے بعد حضرت ابو موسیٰؓ جندی سابور کی طرف بڑھے جو تُستر سے ۲۴ میل کے فاصلے پر ہے۔ اہلِ شہر نے فصیل کے دروازے بند کر لیے اور محصور ہو کر بیٹھ گئے۔ چند دن بعد انہوں نے یکایک تمام دروازے کھول دیے اور اطمینان سے اپنے کاروبار میں مشغول ہو گئے۔ مسلمانوں کو ان کے اطمینان پر بڑی حیرت ہوئی۔ سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ تم ہم کو جزیہ کی شرط پر امان دے چکے ہو اس لیے اب ہم تمہاری طرف سے بے خوف ہو گئے ہیں۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ایک غلام نے درپردہ جندی سابور کے لوگوں کو امان کا رقعہ لکھ دیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک غلام کا امان نامہ ہمارے لیے حجت نہیں بن سکتا۔ اہلِ شہر نے کہا کہ ہم نے تو ایک مسلمان کی تحریر پر بھروسا کیا ہمیں آزاد اور غلام کی کیا خبر؟ بالآخر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں دربارِ خلافت سے استصواب کیا تو وہاں سے فرمان آیا

Marfat.com

کہ مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے اور جس کو اس نے امان دے دی، سب مسلمانوں کی طرف سے اس کو امان مل گئی۔

جندی سابور کی فتح سے سارے خوزستان کی تسخیر مکمل ہو گئی اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے مظفر و منصور اپنے مرکزِ حکومت بصرہ کو مراجعت کی۔

(۶)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے بصرہ کا نظم حکومت جس حسن و خوبی سے چلایا اس سے ثابت ہو گیا کہ وہ ایک مجاہد اور فاتح ہی نہیں بلکہ بہترین منتظم بھی ہیں۔ چند سال پہلے عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے بصرہ کی بنیاد ڈالی تھی تو لوگوں نے نرکل کے مکانات بنا لیے تھے جن کے گھنے جنگل بصرہ کے نواح میں موجود تھے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بصرہ کے والی مقرر ہو کر آئے تو انہوں نے محسوس کیا کہ نرکل کے مکانات بہت غیر محفوظ ہیں کیونکہ ان میں بار بار آگ لگ جاتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ لوگوں کو اینٹ گارے اور چونے کے مکانات بنانے کی اجازت دی جائے۔ امیر المؤمنین نے اس شرط پر مکان بنانے کی اجازت دے دی کہ ان کی چھتیں نیچی رکھی جائیں اور دیواریں چوڑی ہوں۔

انتظامی امور میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو جب کوئی مشکل پیش آتی تو وہ حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرتے اور پھر وہ جو ہدایات بھیجتے ان کے مطابق عمل کرتے۔ ایک مرتبہ انہوں نے بنو تمیم کے ایک شخص کو شراب نوشی کے جرم میں کوڑے لگوائے، پھر اس کا سر منڈوا کر اور منہ کالا کر کے سر کوں پر گشت کرایا اور منادی کرا دی کہ کوئی اس کے ساتھ نہ کھائے پیے اور نہ بیٹھے۔ اس شخص نے دربارِ خلافت میں اپنی رسوائی کی شکایت کی۔ حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو کپڑے اور دو سو درہم عطا کیے اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ایسے جرم میں کسی کو بیس کوڑوں سے زیادہ نہ

Marfat.com

مار کر سر منڈوانے اور منہ کالا کرنے کی سزا کسی کو ہرگز نہ دو اور میرا خط پا کر لوگوں سے کہو کہ اس شخص کے ساتھ اٹھیں بیٹھیں اس سے ملیں جلیں اور وہ توبہ کر لے تو اس کی شہادت قبول کر لیں۔

ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ اور بلاذری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو اس بات کا پابند کر دیا تھا کہ وہ سال میں ایک دن ایسا مقرر کریں جب خزانہ میں ایک درہم تک نہ رہے اور وہاں جھاڑو پھیر دی جائے تاکہ ہر حق دار کا حق ادا ہو جائے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اسی کے مطابق عمل کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اور دوسرے گورنروں کو اس مضمون کا خط بھیجا۔

"مجھے ان سب لوگوں کی فہرست بھیجو جن کو قرآن حفظ (یاد) ہے تاکہ میں ان کا امتیازی وظیفہ (۲۵۰۰ درہم سالانہ) مقرر کروں اور ان کو اسلامی قلمرو میں تعلیم دینے بھیجوں۔"

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے بصرہ کے تین سو سے زائد حُفّاظِ قرآن کی فہرست حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کو بھیجی۔ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے "صفوۃ الصفوۃ" میں لکھا ہے کہ اسی زمانے میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے حُفّاظِ قرآن کو ایک جگہ جمع کیا، ان اجتماع میں لگ بھگ تین سو حفاظ شریک تھے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"بلاشبہ قرآنِ حکیم آپ کے حق میں باعثِ اجر اور آپ کے خلاف باعثِ سزا ہونے والا ہے۔ پس قرآن کا اتباع کریں اور قرآن کو اپنی خواہشات کا آلہ کار نہ بنائیں کیونکہ جو قرآن کو اپنا راہ نما بنائے گا قرآن اس کو جنت کے باغوں میں لا اتارے گا اور جو قرآن کو خواہشاتِ نفس کا آلہ بنائے گا قرآن اس کے دھپ مار کر جہنم میں دھکیل دے گا۔"

Marfat.com

۲۱ ہجری میں ایرانیوں نے مسلمانوں کے خلاف پھر بڑے زور شور سے لڑائی کی تیاری کی۔ یزدجرد نے ایک نامی جرنیل مردان شاہ کو ڈیڑھ لاکھ فوج دے کر نہاوند کی طرف روانہ کیا اور اسے حکم دیا کہ ایک مسلمان بھی ایران کی سرزمین پر باقی نہ رہنے دے۔ حضرت عُمرِؓ فاروق رضی اللہ عنہ کو ان حالات کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت نعمان بن مقرّن کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ ایرانیوں کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا اور ساتھ ہی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ وہ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کی مدد کو پہنچیں۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بصرہ سے ایک مضبوط فوج لے کر نہاوند پہنچ گئے۔ اور پہلے حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اور ان کی شہادت کے بعد حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایرانیوں کے خلاف سر بکف ہو کر لڑے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ نہاوند کی اس فتح الفتوح کے بعد حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اپنی فوج کے ساتھ بصرہ واپس آ گئے۔

خوزستان کی فتح کے بعد اہلِ بصرہ کی خواہش تھی کہ رامہرمز، ماسپندان اور کچھ دوسرے مفتوحہ علاقے صوبہ بصرہ سے ملحق کر دیے جائیں کیونکہ اس صوبہ کی آبادی بہت بڑھ گئی تھی لیکن اہلِ کوفہ ان علاقوں کے بصرہ سے الحاق کے خلاف تھے، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان علاقوں کے بصرہ سے الحاق کے لیے دربارِ خلافت میں تحریک کی تو اہلِ کوفہ نے اپنے گورنر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما پر زور دیا کہ وہ ان علاقوں کو کوفہ سے ملحق کرانے کی کوشش کریں لیکن حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں بالکل غیر جانبداری اختیار کی نتیجہ یہ ہوا کہ یہ مفتوحہ علاقے صوبہ بصرہ میں شامل کر دیے گئے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے غیر جانبدارانہ رَوَیّہ سے اہلِ کوفہ ان سے ناراض ہو گئے اور انہوں نے ان کے خلاف شکایتوں کا طومار باندھ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عُمرِؓ فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول کر دیا اور اہلِ کوفہ کی خواہش پر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو

Marfat.com

بصرہ سے تبدیل کر کے کوفہ کا گورنر بنا دیا۔ یہ ۲۲ھ کا واقعہ ہے۔ اہل کوفہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر بنانے کی درخواست محض اس بناء پر کی تھی کہ انہوں نے اپنے صوبے (بصرہ) کے لوگوں کی پرزور حمایت کی تھی اور مفتوحہ علاقوں کو بصرہ میں شامل کرنے کے مطالبہ کو دربارِ خلافت سے منظور کرانے کا باعث ہوئے تھے لیکن حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں زیادہ عرصہ قیام کرنے کا موقع نہ ملا اور اگلے سال ۲۳ ہجری میں حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں کوفہ سے پھر بصرہ تبدیل کر دیا۔ بصرہ کے زمانۂ امارت میں ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف کچھ شکایتیں دربارِ خلافت میں پہنچیں۔ حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ طلب کر کے تمام شکایتوں کی تحقیق کی تو ان میں سے بیشتر بے بنیاد ثابت ہوئیں البتہ ایک آدھ میں وہ بے احتیاطی کے مرتکب پائے گئے جس کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں معمولی فہمائش کی اور پھر باعزّت بصرہ واپس بھیج دیا۔

طبریؒ کا بیان ہے کہ ۲۲ھ میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اصفہان پر یلغار کی اور اس کو فتح کر کے واپس آئے۔ (اس کے بعد وہ بصرہ سے کوفہ تبدیل کر دیے گئے) اسی طرح اعثم کوفی نے اپنی ''فتوح'' میں فارس اور کرمان کی فتح کا سہرا بھی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے سر باندھا ہے لیکن دوسرے قدیم مؤرخین طبری اور اعثم کوفی کی تائید نہیں کرتے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اصفہان، فارس اور کرمان کی تسخیر پر دوسرے اصحاب (عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ اور سہیل بن عدی رضی اللہ عنہ) مامور ہوئے تھے اور انہوں نے ہی ان پر پرچم اسلام بلند کیا۔ البتہ بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرکز کے زیرِ ہدایت حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کئی بار بصرہ سے کمک لے کر فارس کی لڑائیوں میں شریک ہوئے تھے۔

امارتِ بصرہ کے زمانے میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک بڑا کارنامہ

Marfat.com

دریائے دجلہ سے اہلِ بصرہ کو پانی کی بہم رسانی کا ہے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے ایماء پر دریائے دجلہ کی ایک شاخ سے بصرہ شہر تک ایک چھ میل لمبی نہر کھدوائی۔ اس طرح بصرہ میں قلتِ آب کی دیرینہ شکایت ہمیشہ کے لیے دور ہوگئی۔ یہ نہر اب تک "نہرِ ابی موسیٰ" کے نام سے مشہور ہے۔

(۷)

محرّم ۲۴ھ کے آغاز میں سیدنا حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ جامِ شہادت پی کر عازمِ خُلدِ بریں ہوئے اور سیدنا حضرت عثمان ذُوالنّورین رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ انہوں نے بھی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو بصرہ کے منصبِ امارت پر برقرار رکھا لیکن ۲۹ھ میں ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا جو ان کی معزولی پر منتج ہوا۔ واقعہ یہ تھا کہ اس سال کُردوں نے حکومت کے خلاف بغاوت کر دی۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے مسجد میں ان کے خلاف خطبہ دیا جس میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کیے ان کا مقصد یہ نہیں تھا کہ جن لوگوں کے پاس گھوڑے موجود ہوں وہ بھی ضرور پیادہ پا چلیں لیکن ان کے بعض مخالفین نے ان کے وعظ کو غلط رنگ دے دیا اور کہا کہ ہم دیکھیں گے امیر بھی پیادہ پا چلتے ہیں یا نہیں۔ دوسرے دن حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہو کر دارالامارت سے برآمد ہوئے تو ان لوگوں نے ان کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور کہا کہ آپ لوگوں کو تو پیادہ پا چلنے کی تلقین کرتے ہیں اور خود گھوڑے پر سوار ہو کر جہاد کے لیے چلتے ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو بہت سمجھایا لیکن وہ نہ مانے اور مدینہ پہنچ کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ حضرت عثمان ذُوالنّورین رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر کے ایک نوجوان صحابی حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا گورنر مقرر کر دیا۔

۳۴ھ میں اہلِ کوفہ نے حضرت عثمان ذُوالنّورین رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ

Marfat.com

حضرت سعید بن العاص کی جگہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کو کوفہ کا گورنر بنایا جائے۔
امیر المومنین رضی اللہ عنہا نے ان کی بات مان لی اور حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو امارت سے سبکدوش
کر کے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا امیر بنا دیا۔ ۳۵ھ میں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی
المناک شہادت کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ مسند نشینِ خلافت ہوئے تو اُمّ المومنین
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے قصاص اور اصلاح کا علم بلند
کر کے بصرہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے مقابلہ کے لیے مقام ذی قار
میں آئے اور وہاں سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے ساتھ کوفہ بھیجا
کہ وہاں کے لوگوں کو اپنی حمایت پر آمادہ کریں۔ ادھر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو
قیمت پر خانہ جنگی سے بچانا چاہتے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کوفہ پہنچے تو حضرت ابوموسیٰ
رضی اللہ عنہ جامع مسجد میں ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے تقریر کر رہے تھے کہ

”اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس فتنہ کی خبر دی تھی وہ نمودار ہو گیا ہے۔ اس لیے اپنی تلواریں نیام میں کر لو نیزوں کی سنانیں نکال دو، کمانوں کی تانتیں توڑ دو اور گھروں کے تنگ تر گوشوں میں لگ کر بیٹھ رہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فتنہ وفساد کے زمانے میں سونے والا بیٹھنے والے سے اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے۔“

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی تقریر کو پسند نہ کیا اور ان سے کہا کہ
آپ ہماری مسجد چھوڑ دیں اور جہاں چاہے آپ تشریف لے جائیں۔ وہ نہایت خاموشی
کے ساتھ منبر سے اتر آئے اور شام کے کسی غیر معروف گاؤں میں جا کر عزلت گزین
ہو گئے۔ جنگ جمل میں انہوں نے مطلق کوئی حصہ نہ لیا۔ اس کے بعد حضرت علی
کرم اللہ وجہہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان صفین کی معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا تو
بھی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے گوشۂ خلوت کو نہ چھوڑا تا آنکہ انہیں ایک قاصد بھیج

Marfat.com

کر حَکَم کا فرض انجام دینے کے لیے دومۃ الجندل بلایا گیا۔ اس کی تقریب یہ ہوئی کہ ۱۰ صفر ۳۷ھ (کو صفین) کے معرکے میں شامی فوج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کا پلہ بھاری دیکھا تو انہوں نے یہ نعرہ لگاتے ہوئے نیزوں پر قرآن اٹھالیا...... هٰذَا حَكَمٌ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ (یہ ہمارے اور تمہارے درمیان حَکَم ہے۔)

قرآنِ حکیم کو سامنے دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بہت سے لشکریوں نے اپنے ہاتھ روک لیے اور امیر المؤمنین کو مجبور کیا کہ جنگ بند کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے تحکیم کا معاہدہ کر لیں۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ حکم مقرر ہوئے۔ یہ دونوں حَکَم ایک مقررہ تاریخ پر دومۃ الجندل میں اکٹھے ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان طے شدہ معاہدے کی اس شق کے مطابق گفتگو کا آغاز کیا۔

"دونوں حَکَم جو کچھ کتاب اللہ میں پائیں اس پر عمل کریں اور جو کچھ کتاب اللہ میں نہ پائیں اس کے بارے میں سُنّتِ عادلہ جامعہ غیر مُفرِّقہ پر عمل کریں۔"

ان دونوں بزرگوں کے درمیان گوشۂ خلوت میں کیا گفتگو ہوئی اس کو خدائے علیم وخبیر ہی جانتا ہے لیکن ہمارے بعض مؤرخین نے اس گفتگو کو طویل مکالمہ کی صورت میں اس طرح نقل کیا ہے گویا یہ سب باتیں ان کے سامنے ہوئی ہیں۔ بہر صورت دونوں بزرگ دوسرے دن مجمعِ عام میں آئے تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر اعلان کیا کہ "میں اور میرے یہ دوست (یعنی عمرو بن العاص) اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ ہم علی اور معاویہ دونوں کو الگ کر دیں اور لوگ باہمی صلاح و مشورہ سے اپنی پسند کا امیر منتخب کر لیں۔ لہٰذا میں علی اور معاویہ کو معزول کرتا ہوں۔ اب لوگ اس معاملے کو خود اپنے ہاتھ میں لیں اور جسے اہل سمجھیں خلیفہ منتخب کر لیں۔"

Marfat.com

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا:

"صاحبو! ابو موسیٰ نے جو کچھ کہا ہے وہ آپ لوگوں نے سن لیا' علی کو ان کی طرح میں بھی معزول کرتا ہوں لیکن معاویہ کو برقرار رکھتا ہوں کیونکہ وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ولی اور ان کے خون کے دعوے دار اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔"

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی تقریر سے سخت اختلاف کیا اور فرمایا "جو باتیں تم نے کہی ہیں ان پر ہمارا اتفاق نہیں ہوا تھا بلکہ جو کچھ میں نے کہا ہم دونوں اسی پر متفق ہوئے تھے۔" بعض مؤرخین نے ان سے یہ الفاظ منسوب کیے ہیں:

"یہ تم نے کیا کیا؟ تم نے دھوکا دیا اور عہد کی خلاف ورزی کی۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض حامی صحابہؓ نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے مؤقف کو کمزوری سے تعبیر کیا تو انہوں نے آزردہ ہو کر کہا: "اب میں کیا کروں اس شخص نے مجھ سے ایک بات پر اتفاق کیا اور پھر اس سے دامن چھڑا لیا۔"

اس واقعہ سے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی طبیعت سخت مکدّر ہو گئی اور وہ دل شکستگی کے عالم میں مکّہ معظمہ چلے گئے۔ اہلِ سِیَر کا بیان ہے کہ اس کے بعد وہ جب تک حیات رہے ملکی معاملات سے یکسر کنارہ کش رہے۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "تذکرۃ الحفّاظ" میں لکھا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ذی الحجہ ۴۴ ہجری میں کچھ عرصہ علیل رہ کر وفات پائی۔ اس وقت اُن کی عمر ۶۱ برس کی تھی۔ بعض دوسرے اہلِ سِیَر نے سالِ وفات ۴۲ھ اور ۵۲ھ بھی بیان کیا ہے۔ مُسندِ احمد بن حنبل میں ہے کہ انہوں نے وفات سے پہلے وصیّت کی کہ میرا جنازہ جلد جلد

Marfat.com

لے چلنا' جنازہ کے ساتھ انگیٹھی نہ لے جانا' میری میت اور لحد کے درمیان مٹی روکنے والی کوئی چیز نہ رکھنا' قبر پر کوئی عمارت نہ بنانا اور میں نوحہ دبکا کرنے والی' کپڑے پھاڑنے والی اور سر کے بال نوچنے والی عورتوں سے بری ہوں۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے۔ پیچھے چار لڑکے چھوڑے' موسیٰ' ابوبُردہ' ابراہیم اور ابوبکر' حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نحیف الجثہ اور پست قد تھے لیکن شجاعت اور بے خوفی میں اپنی مثال آپ تھے۔

(۸)

علم و فضل کے اعتبار سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا شمار اساطینِ اُمّت میں ہوتا ہے۔ وہ اُن چھ اکابر صحابہؓ میں سے ایک ہیں جن کو عہدِ رسالت میں فتویٰ دینے کی اجازت تھی اور جن سے لوگوں نے دین کی واقفیت حاصل کی یعنی حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ' حضرت علی کَرَّمُ اللہُ وَجْہَہٗ' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور وہ خود۔ حضرت علی کَرَّمُ اللہُ وَجْہَہٗ فرمایا کرتے تھے:

''ابوموسیٰ مجسّمہ علم ہیں۔''

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو بارگاہِ رسالت میں درجۂ تقرّب حاصل تھا اور وہ سالہا سال تک نبوّت کے چشمۂ فیض سے براہِ راست سیراب ہوتے رہے تھے۔ اس لیے ان کا پایۂ علم و فضل اتنا بلند ہوگیا تھا کہ مرجعِ خلائق بن گئے تھے۔ انہیں خود بھی علم کی اشاعت میں بڑا انہماک تھا۔ فرماتے تھے کہ جس شخص کو خدا علم دے اُس کا فرض ہے کہ اپنے دوسرے بھائیوں میں بھی اس کی اشاعت کرے اور جس چیز کا اسے علم نہ ہو اس کے بارے میں سکوت اختیار کرے۔

ان کا اندازِ تعلیم بڑا نرم اور پُرحکمت تھا۔ اگر کبھی کوئی شخص لاعلمی کی بناء پر ان کی کسی بات پر معترض ہوتا تو وہ برہم ہونے کے بجائے اسے بڑے تحمل اور شفقت سے

Marfat.com

سمجھا دیتے۔ قرآنِ کریم سے غیر معمولی شغف تھا۔ فرصت کا سارا وقت قرآنِ پاک کی تلاوت اور اس کی تعلیم میں صَرف کرتے تھے۔ یمن کی گورنری کے زمانے میں ایک درسگاہ قائم کی تھی جس میں نَومسلموں کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نور کا گلا عطا کیا تھا۔ قرآنِ کریم کی قِرأت ایسی خوش الحانی سے کرتے کہ خود سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمعِ مبارک میں اس کی آواز پڑتی تو آپ سننے کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی قِرأت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ ''ابوموسیٰ کو لحنِ داوٗدی سے حصہ ملا ہے۔''
''مستدرکِ حاکم'' میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ قرآنِ حکیم پڑھ رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہیں کھڑے ہو گئے اور سن کر آگے بڑھے۔ صبح کو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابوموسیٰ گزشتہ شب تم قرآن پڑھ رہے تھے، میں نے تمہاری قِرأت سنی تھی۔''

انہوں نے کہا: ''یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اگر مجھے یہ علم ہو جاتا کہ آپ میری قِرأت سن رہے ہیں تو میں اور زیادہ خوش الحانی سے قِرأت کرتا۔''

ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ''طبقات'' میں یہ رِوایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ مسجدِ نبویؐ میں بلند آواز سے عشاء کی نماز پڑھا رہے تھے۔ ان کی آواز سن کر ازواجِ مُطہّرات اپنے اپنے حجروں کے پردوں کے پاس کھڑی ہو کر سننے لگیں۔ صبح کو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو کسی نے بتایا کہ اُمّہاتُ المؤمنین آپ کی قِرأت سن رہی تھیں تو بے ساختہ کہا: اگر مجھ کو اس وقت علم ہو جاتا تو میں ان کو قرآنِ حکیم کی قِرأت

Marfat.com

سننے کا اس سے بھی زیادہ شائق بنا دیتا۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی آواز میں جو سوز اور اثر تھا' سیدنا حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ اس کے بے حد معترف اور مدّاح تھے' وہ وقتاً فوقتاً ان سے فرمائش کرتے رہتے تھے کہ ابوموسیٰ خدا کی یاد دلاؤ۔ جب وہ قرأت کرتے تو حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کی آنکھیں شدتِ تاثر سے نم ہو جاتیں۔

روایتِ حدیث کے اعتبار سے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا شمار راویانِ حدیث صحابہؓ کے طبقہ سوم میں ہوتا ہے۔ ان سے تین سو ساٹھ احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے پچاس متفق علیہ ہیں۔ ان کے علاوہ ۴ میں بخاری اور ۲۵ میں مسلم منفرد ہیں۔ اکثر احادیث انہوں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست روایت کی ہیں اور باقی حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرّم اللہ وجہہ' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ' حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما، حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بالواسطہ روایت کی ہیں۔ ان کے ارشد تلامذہ میں حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ' حضرت زر بن حُبیش رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سعید بن مُسیّب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابوعثمان نہدی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ربعی بن خراش رحمۃ اللہ علیہ، حضرت قیس بن ابی حازم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابووائل رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابرِ اُمّت شامل ہیں۔

(۹)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے صحیفہ اخلاق میں سبقت اِلی الاسلام' حُبِّ رسول' شوقِ جہاد' شجاعت' بے خوفی' تدبیر وفراست' تقویٰ' زہد' استغنا اور سادگی کے ابواب نہایت روشن تھے۔ اِتّباعِ نبوی کی یہ کیفیت تھی کہ سُنّت سے لے کر مستحبات تک کی پابندی کرتے اور اہلِ خانہ سے بھی پابندی کراتے۔ فرض نمازوں کے علاوہ نوافل بھی کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔ سادگی اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ باوجود گورنر اور

Marfat.com

سپہ سالار ہونے کے جاہ و حشم سے کبھی سروکار نہ رکھا اور نہ کبھی مال و دولت جمع کرنے کا دل میں خیال لائے۔ ان کے لباس' چال ڈھال اور رہن سہن میں ہمیشہ سادگی کارفرما رہی۔ ہر ایک کے ساتھ خندہ پیشانی اور انکسار کے ساتھ ملتے۔ فُقرا اور مساکین کے لیے ان کا دروازہ ہر وقت کھُلا رہتا تھا۔ غریبوں کے دکھ درد میں شریک ہونا اور پریشان حال لوگوں کی دلجوئی اور خبر گیری کرنا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے اور اس کو بجالانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے۔ ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ منصبِ امارت پر تقرر کے بعد ایک دن حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی ملاقات حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ہوئی' وہ بھائی بھائی کہتے ہوئے دوڑ کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے لپٹ گئے لیکن حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ انہیں بار بار یہ کہہ کر پرے ہٹاتے تھے کہ اب تم میرے بھائی نہیں ہو' اس سرکاری عہدے پر فائز ہونے سے پہلے بھائی تھے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ چند سال بعد پھر ملاقات ہوئی تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ' حسبِ عادت ان سے معانقہ کے لیے لپکے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا' پہلے میرے سوالوں کا جواب دو پھر دیکھوں گا کہ تم سے گلے ملوں یا نہیں۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا' فرمائیے۔ اس کے بعد دونوں بزرگوں کے درمیان یہ مکالمہ ہوا:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ: تم نے لوگوں پر حکومت کی ہے؟

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ: ہاں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ: عمارتیں تو نہیں بنوائیں؟

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ: نہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ: کھیتی باڑی اور زمینداری تو نہیں کی؟

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ: نہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ: جانور تو نہیں پالے؟

Marfat.com

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ: نہیں۔

یہ سوال و جواب ہو چکے تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے چہرے پر بشاشت پھیل گئی اور وہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے بھینچ بھینچ کر ملے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نہایت پاکباز اور شرم و حیا کا پیکر تھے۔ ایک مرتبہ کچھ آدمیوں کو برہنہ غسل کرتے دیکھا تو فرمایا' مجھ کو بار بار مر کر زندہ ہونا پسند ہے مگر ننگا ہو کر نہانا پسند نہیں۔ رات کو سونے سے پہلے ایک خاص قسم کا کپڑا پہن لیتے تھے تاکہ سونے کی حالت میں بے ستر نہ ہو جائیں۔ طہارت میں شدت کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ شیشی میں پیشاب کرتے تھے تاکہ کوئی چھینٹ جسم یا کپڑوں پر نہ پڑ جائے۔

طبیعت میں استغناء کا مادّہ حد سے زیادہ تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں اختلافات کا آغاز ہوا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے قلم سے انہیں خط لکھا کہ اگر آپ میری بیعت کر لیں تو میں حلفیہ وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے ایک لڑکے کو بصرہ کا گورنر بنا دوں گا اور دوسرے کو کوفہ کا۔ اس کے ساتھ ہی آپ کی تمام ضروریات کو پورا کرنا میری ذمہ داری ہوگی۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس پیشکش کے جواب میں لکھا:

''آپ نے اُمتِ مُسلمہ کے ایک بہت اہم اور نازک معاملہ کی بابت لکھا ہے اور جو پیشکش آپ نے کی ہے اس کی مجھ کو ضرورت نہیں۔''

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی عقیدت اور محبت کی کوئی حد و نہایت نہیں تھی۔ ایک مرتبہ ایک اعرابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کچھ دلوایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' بشارت ہو۔ اس نے کہا' بشارت ہو چکی کچھ دلوایئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور پر تکدّر کے آثار نمودار ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرتِ بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا' اس نے بشارت سے انکار کیا تم دونوں

Marfat.com

قبول کرو۔ پھر پانی منگا کر ہاتھ منہ دھویا اور کُلّی کر کے ان دونوں سے فرمایا اس پانی کو پیو اور اپنے سینے اور چہرے پر ملو۔ دونوں نے یہ کام اس ذوق وشوق سے کیا گویا دین اور دنیا کی تمام نعمتیں ان کو مل گئی ہیں۔

ایک اور موقع پر حضور ﷺ نے اُن کے لیے بطورِ خاص مغفرت کی دعا کی۔ ان واقعات سے ان کی جلالتِ قدر کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (لہٰذا) نہ خود اس پر ظلم کرے اور نہ دوسروں کا مظلوم بننے کے لیے اس کو بے یارو مددگار چھوڑے نہ اس کی تحقیر کرے...... اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینۂ مبارک کی طرف تین مرتبہ اشارہ کر کے فرمایا، "تقویٰ یہاں ہوتا ہے" کسی آدمی کے لیے یہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے اور اس کی تحقیر کرے۔ ایک مسلمان کے لیے حرام ہے دوسرے مسلمان کا خون، مال اور آبرو۔ (صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت مرثد بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہما

(۱)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۲، ۱۳ بعدِ بعثت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہجرت اِلیٰ المدینہ کی اجازت مرحمت فرمائی تو اللہ کے ان پاکباز بندوں میں سے بیشتر نے ......محض رضائے الٰہی کی خاطر اپنے گھربار اور مال و جائداد کو چھوڑ کر وطنِ عزیز کو الوداع کہا اور تین سو میل دُور مدینہ منوّرہ میں توطن اختیار کر لیا۔ جو پرستارانِ حق مکہ میں رہ گئے ان کو یا تو مشرکین نے زبردستی روک لیا تھا یا انہیں قید و بند میں ڈال دیا تھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ منوّرہ کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے مشرّف فرمایا تو چند سال تک اہلِ حق کو یہاں بھی حقیقی امن اور اطمینانِ قلب میسّر نہ ہوا۔ صلح حدیبیہ تک مشرکینِ مکّہ اور یہود نے انہیں زک پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس پُرآشوب دَور میں بھی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اُن جاں نثاروں کو کسی وقت بھی فراموش نہ کیا جو مشرکینِ مکہ کے پنجۂ ستم میں گرفتار تھے اور قید و بند کی سختیاں جھیل رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وقتاً فوقتاً بعض مہاجر جانبازوں کو مکّہ معظّمہ روانہ فرماتے رہتے تھے تاکہ وہ چھپ چھپا کر مسلمان قیدیوں کو کفّار کی قیدِ محن سے نکال کر مدینہ لے آئیں۔ ان مہاجر جانبازوں میں ایک وجیہ اور خوبرو نوجوان اس کٹھن کام

Marfat.com

میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ اربابِ سِیَر کا بیان ہے کہ یہ قوی اور بہادر نوجوان کئی مرتبہ مکّہ گئے اور اپنی جان پر کھیل کر کسی نہ کسی مسلمان اسیر کو ضرور چھڑا لائے۔ ہر مرتبہ جب وہ اپنی مہم سے کامیاب واپس آتے تو حضور پُرنور ﷺ اظہارِ مسرّت فرماتے اور انہیں دعائے خیر سے نوازتے۔ یہ بہادر نوجوان جنہوں نے مظلوم مسلمانوں کو مشرکین کے پنجۂ ستم سے چھڑانے کے لیے اپنی جان وقف کر رکھی تھی اور یوں سرورِ کونین فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے موردِ لطف و کرم بن گئے تھے مرثد بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہما تھے۔

(۲)

حضرت مَرثَد بن ابی مَرثَد رضی اللہ عنہما کا تعلّق بنو مضر یا قیس عیلان سے تھا اور ان کا خاندان مکّہ میں باختلافِ روایت بنو ہاشم یا بنو مُطّلِب کا حلیف تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

مرثد بن ابی مرثد کنازؓ بن حصین بن یربوع بن جہنہ بن سعد بن طریف بن خرشہ بن عبید بن سعد بن عوف بن کعب بن جلان بن غنم بن یحییٰ بن یعصر بن سعد بن قیس عیلان بن مضر"

حضرت مرثدؓ کے والد کنازؓ بن حصین جو تاریخ میں اپنی کنیت ابی مرثد سے مشہور ہیں بڑے نیک فطرت آدمی تھے۔ ایک روایت کے مطابق وہ عمِّ رسول ﷺ سیّدنا حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے حلیف تھے۔ اس طرح ان کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے نسبت حاصل ہو گئی تھی۔ وہ دعوتِ حق کے ابتدائی زمانے میں نعمت ایمان سے بہرہ ور ہو گئے اور ساتھ ہی ان کے نوجوان فرزند سعید مرثد رضی اللہ عنہ بھی سعادت اندوزِ اسلام ہو گئے۔ یوں دونوں باپ بیٹے سَابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْن کی مقدس جماعت کی صف میں آ گئے۔ مرثد رضی اللہ عنہما اپنے قبیلے کے نہایت شہ زور، بہادر اور بانکے سجیلے نوجوان تھے۔ کشتی، تیغ زنی، شہسواری اور قدر اندازی میں کمال درجے کی مہارت رکھتے تھے۔

Marfat.com

قبولِ اسلام سے پہلے بڑے رنگین مزاج تھے اور مکہؔ کی ایک نہایت حسین اور خوش جمال طوائف عناق سے راہ ورسم رکھتے تھے۔ لیکن قبولِ اسلام کے ساتھ ہی انہوں نے عناق سے تمام تعلقات منقطع کر لیے اور دوسرے جاہلی مشاغل سے بھی یکسر دستکش ہو گئے۔ اب وہ راہِ حق کے ایک جانباز سپاہی تھے اور ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے گزرتا تھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ہجرت اِلی المدینہ کا اِذن ملا تو حضرت مرثد رضی اللہ عنہ اور حضرت ابومرثد رضی اللہ عنہ دونوں ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے۔

حافظ ابنِ عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاستیعاب'' میں لکھا ہے کہ ہجرت مدینہ کے چند ماہ بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے مابین عقدِ مؤاخاۃ قائم کرایا تو حضرت ابومرثد رضی اللہ عنہ کو حضرت عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ کا دینی بھائی بنایا اور حضرت مرثد رضی اللہ عنہ کی مواخاۃ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت اوس بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ سے کرادی۔

ہجرت کے ابتدائی دو تین سالوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء پر حضرت مرثد رضی اللہ عنہ نے اپنے اسیر مسلمان بھائیوں کو چھڑانے کے لیے بڑی تگ ودو کی اور اس مقصد کے لیے کئی بار مکہؔ گئے۔ ایک مرتبہ اسی غرض سے مکہ مکرّمہ پہنچے' چاندنی رات میں ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ عناق نے ان کو جاتے دیکھ لیا اور آواز دی' یہ رک گئے۔ عناق نے بڑی گرمجوشی سے انہیں خوش آمدید کہا اور استدعا کی کہ میرے ساتھ چلو' وہیں رات کو آرام کرنا۔ حضرت مرثد رضی اللہ عنہ نے فرمایا' عناق تو کس خیال میں ہے' بحمد اللہ اب میں مسلمان ہوں اور مسلمانوں کے لیے غیر عورتوں سے ملنا جلنا حرام ہے۔

عناق نے عشوہ اور ناز و کرشمہ کے بہتیرے وار کیے لیکن مرثدِ پاکباز نے سب وار خالی دیے اور بے رُخی اختیار کی۔ اس پر عناق آتش زیر پا ہو گئی اور چلّانے لگی کہ لوگو! آؤ تمہارا مجرم یہاں موجود ہے جو قیدیوں کو نکال لے جایا کرتا ہے۔ اس کی دہائی

Marfat.com

سن کر قریش کے آٹھ آدمیوں نے حضرت مرثد رضی اللہ عنہ کا تعاقب کیا لیکن وہ ایک غار میں جا چھپے' جب دشمن واپس چلے گئے تو یہ کچھ عرصہ ستا کر پھر مکہ گئے اور ایک لحیم و شحیم مسلمان قیدی کو زندان سے اپنے کندھے پر اٹھا کر نکال لائے اور بخیریت تمام مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو پہلے اپنی مہم کے تمام واقعات بیان کیے اور پھر التماس کی' یارسول اللہ! اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں عناق سے نکاح کرلوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مرثد رضی اللہ عنہ کی درخواست کا کوئی جواب نہ دیا اور وحی کا انتظار فرمانے لگے یہاں تک کہ یہ آیت اتریں۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِکَةً ز وَّالزَّانِیَةُ لَا یَنْکِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ج وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ (۲۴:۳)

(ترجمہ۔ زانی شخص کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ زانیہ یا مشرکہ سے نکاح کرلے اسی طرح زانیہ کے ساتھ زانی یا مشرک ہی کو نکاح کرنا موزوں ہے لیکن مسلمانوں پر ایسا نکاح حرام قرار دیا گیا ہے۔)

اس آیت کے نزول کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مرثد رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ آیت سنا کر ارشاد فرمایا کہ تم عناق سے نکاح نہ کرنا۔ حضرت مرثد رضی اللہ عنہ نے ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیا۔

(۳)

غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت مرثد رضی اللہ عنہ سب سے پہلے غزوۂ بدر (رمضان ۲ ہجری) میں والہانہ ذوق و شوق سے شریک ہوئے اور خوب خوب دادِ شجاعت دی۔ "مستدرکِ حاکم" کی ایک روایت کے مطابق وہ اس غزوے میں "سبل" نامی گھوڑے پر سوار تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو بہ پہلو اپنی تلوار کے جوہر دکھا رہے تھے۔

Marfat.com

اگلے سال شوال ۳ ہجری میں غزوۂ اُحد پیش آیا تو حضرت مرثد رضی اللہ عنہ اس میں بھی بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔

صفر ۴ ہجری میں بنو عضل و بنو قارہ کے چند آدمیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ ہمارے ساتھ چند اہلِ علم صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیمِ دین کے لیے روانہ فرمایئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کام کے لیے منتخب فرمایا اور انہیں بنو عضل و قارہ کے آدمیوں کے ساتھ روانہ فرما دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس مقدّس جماعت میں حضرت مرثد رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ اس جماعت کے اراکین کی تعداد کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں بعض نے یہ تعداد دس لکھی ہے بعض نے آٹھ اور بعض نے چھ۔ اسی طرح اس جماعت کے امیر کا نام بعض نے حضرت مرثد رضی اللہ عنہ لکھا ہے اور بعض نے حضرت عاصمؓ بن ثابت بن ابی افلح انصاری۔ بہر صورت جب یہ جماعت رجیع کے مقام پر پہنچی (جو مکّہ اور عسفان کے درمیان حجاز کی جانب عسفان سے آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے) تو عضل اور قارہ کے لوگوں نے غداری کی اور بنو ہُذَیل کے دو سو تیر اندازوں کو اس مختصر جماعت پر چڑھا لائے۔ حضرت مرثد رضی اللہ عنہ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت خالدؓ بن بکیر رضی اللہ عنہ مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ بعض روایتوں کے مطابق ان کے ساتھ چار دوسرے صحابہ بھی اسی جگہ شہید ہوئے۔ تین صحابہ حضرت خُبیب بن عدی رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ کو مشرکین نے گرفتار کر لیا۔ مَرُّ الظّہران کے مقام پر حضرت عبداللہؓ بن طارق نے آگے چلنے سے انکار کر دیا۔ اس پر کفّار نے انہیں پتھر مار مار کر شہید کر دیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ان ظالموں نے مشرکینِ مکّہ کے پاس فروخت کر دیا۔ انہوں نے اشہرِ حُرُم گزرنے کے بعد بدر اور اُحد کے مقتولوں کا بدلہ لینے کے لیے ان دونوں مردانِ حق کو سولی دے دی۔

Marfat.com

حضرت مرثد رضی اللہ عنہ ہجرت کے تین ہی سال بعد رتبۂ شہادت پر فائز ہو گئے اس لیے ان کے فضل و کمال کے جوہر کھلنے نہ پائے۔ پھر بھی ان سے مروی کچھ احادیث کتُبِ حدیث میں موجود ہیں۔

حضرت مرثد رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابو مرثد رضی اللہ عنہ نے نوجوان فرزندِ سعید کی شہادت پر کمال درجے کے صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ وہ بدر اور اُحُد کے معرکوں میں پہلے ہی دادِ شجاعت دے چکے تھے۔ بعد میں جتنے غزوات پیش آئے ان میں پہلے سے دو چند جوش کے ساتھ سرفروشی دکھائی۔ انہوں نے چھیاسٹھ برس کی عمر میں ۱۲ ہجری میں بعہدِ خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وفات پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لیے کھانا تیار کرے پھر وہ اس کے پاس لے آئے اور اس نے اس کے پکانے اور بنانے میں گرمی اور دھوئیں کی تکلیف اٹھائی ہے تو آقا کو چاہیے کہ کھانا تیار کرنے والے اس خادم کو بھی اپنے ساتھ بٹھائے اور وہ بھی کھائے۔ پس اگر (کبھی) وہ کھانا تھوڑا ہو (جو دونوں کے لیے کافی نہ ہو سکے) تو آقا کو چاہیے کہ اس کھانے میں سے ایک دو لقمے ہی اس خادم کو دے دے۔ (صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت یزیدؓ بن زمعہ بن الاسود

ان کا تعلق بنی عبد العزیٰ بن قصی سے تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔
یزید بن زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی۔ ماں کا نام قریبہ تھا' جو اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ حضرت یزید رضی اللہ عنہ قریش کے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے اور اہلِ مکہ مہماتِ قومی میں ان کا مشورہ ضروری سمجھتے تھے۔ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاِصابہ'' میں بیان کیا ہے کہ قریش نے دوسرے عہدوں کے علاوہ ایک عہدہ ''مشاورت'' کا بھی قائم کر رکھا تھا اور یہ عہدہ بنی عبد العزیٰ بن قصیؒ کے پاس تھا۔ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت یزید بن زمعہ رئیس قبیلہ ہونے کی حیثیت سے اس عہدے پر فائز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو انہوں نے بلا تامّل اس پر لبیک کہا اور بلا کشانِ اسلام کی صف میں شامل ہو گئے۔ ۶ بعد بعثت میں مکہ کے مظلوم مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نے حبش کی طرف ہجرت کی تو وہ بھی ہجرت کر کے حبش چلے گئے اور وہاں سالہا سال تک غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔ پھر حبش سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے اور بعض غزوات میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ غزوہ حنین میں بھی

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور طبری رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق اسی غزوہ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے لیکن ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ وہ غزوۂ طائف میں شہید ہوئے۔ شہادت کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ ان کا گھوڑا بھڑک کر قلعۂ طائف کی طرف بھاگا اور دشمنوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ انہوں نے حضرت یزید رضی اللہ عنہ کو شہید کر ڈالا۔ شہادت کے وقت کوئی اولاد نہ تھی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی لوگوں سے (قرض ادھار) مال لے اور اس کی نیت اور ارادہ ادا کرنے کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے ادا کرا دے گا۔ (یعنی ادائیگی میں اس کی مدد فرمائے گا) اور جو کوئی کسی سے قرض ادھار لے اور اس کا ارادہ ہی اس کو مار لینے کا ہو (یعنی واپس کرنے کی نیت نہ ہو) تو اللہ تعالیٰ اس کو تلف کرا دے گا (یعنی دنیا میں بھی وہ نقصان اٹھائے گا اور آخرت میں بھی)۔ (صحیح بخاری)

Marfat.com

حضرت عیاض بن زُہیر فہری رضی اللہ عنہ

سیّدنا حضرت ابو سعید عیاض بن زہیر رضی اللہ عنہ اُن نُفُوسِ قُدسی میں سے ایک ہیں جو اس وقت سعادت اندوزِ ایمان ہوئے جب مشرکینِ مکّہ کے قہر و غضب کی بجلیاں اہلِ حق کے خرمنِ عافیت پر تڑپ تڑپ کر گر رہی تھیں۔ حضرت عیاض رضی اللہ عنہ کا تعلّق قریش کے خاندان بنو فہر سے تھا۔

سلسلۂ نسب یہ ہے:۔

"عیاضؓ بن زہیر بن ابی شداد بن ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث بن فہر۔"

ان کی والدہ سلمٰی بنتِ عامر بھی بنو فہر سے تھیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ کے مظلوم مسلمانوں کو کُفّار کے جور و تعدّی سے بچنے کے لیے حبش کی طرف ہجرت کرنے کا مشورہ دیا تو دوسری ہجرتِ حبشہ (٦ بعدِ بعثت) میں حضرت عیاض بھی ہجرت کر کے حبش چلے گئے اور راہِ حق میں کئی سال تک پردیس میں مقیم رہے۔ غزوۂ بدر سے کچھ عرصہ پہلے حبش سے مدینہ منورہ آئے۔ جہاں حضرت کلثوم بن الہدم انصاری رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنا مہمان بنایا۔ حضرت عیاض رضی اللہ عنہ نہایت مخلص مسلمان تھے اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل و جان

Marfat.com

سے شیدائی تھے۔ غزوات کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے حضرت عیاض بن زہیر رضی اللہ عنہ کی تلوار بدر کے میدان جہاد میں بے نیام ہوئی اور دشمنانِ حق کے سروں پر برق خاطف بن کر گری۔ حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اصحابِ بدر کی فہرست میں عیاض بن زہیر رضی اللہ عنہ کے بجائے عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ لکھا ہے لیکن دوسرے اربابِ سِیَر کی روایات کی روشنی میں یہ صحیح نہیں۔ حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ فاتح جزیرہ' ابوسعید عیاض بن زہیر رضی اللہ عنہ کے بھتیجے تھے اور بدری نہیں تھے۔

(تجرید اسماء الصحابہ جلد ا صفحہ ۴۶۲)

بدر کے بعد حضرت عیاض بن زہیر رضی اللہ عنہ نے اُحُد' احزاب اور دوسرے تمام غزوات میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا اور ہر غزوے میں سربکف ہو کر لڑے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد وہ تقریباً انیس (۱۹) برس تک حیات رہے۔ اس طویل عرصے میں ان کی کسی سرگرمی کا کُتُبِ سِیَر میں سراغ نہیں ملتا۔ علامہ ابنِ اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے "اُسدُ الغابہ" میں ان کا سالِ وفات ۳۰ ہجری بیان کیا ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

حضرت محمیہ بن الجزء رضی اللہ عنہ

حضرت محمیہ بن جزء رضی اللہ عنہ اُس مقدّس جماعت کے ایک معزز رکن تھے جس کے بارے میں سورۂ توبہ میں ارشاد ہوا ہے۔ ''وہ مہاجر و انصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوتِ ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی اللہ ان سے راضی ہوا۔

حضرت محمیہ رضی اللہ عنہ کا تعلق بنی زبید سے تھا اور وہ باختلافِ روایت قریش کے خاندان بنو سہم یا بنو جُمَح کے حلیف تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔

''محمیہ بن جزء بن عبد یغوث بن عویج بن عمرو بن زبید الاصغر''

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بعثت کے پہلے تین سالوں میں نہایت راز داری کے ساتھ تبلیغِ حق کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اس دوران میں جو سلیم الفطرت اصحاب سعادت اندوزِ ایمان ہوئے' حضرت محمیہ رضی اللہ عنہ ان میں سے ایک تھے۔ بعثت کے چوتھے سال جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کُھلے عام دعوتِ توحید کا آغاز فرمایا تو مشرکینِ مکّہ اہلِ ایمان کی جان کے لاگو ہو گئے اور ان پر جور و ستم کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ حق کو حبش کی طرف ہجرت کرنے کا مشورہ دیا تو دوسری ہجرتِ حبشہ (۶ بعدِ بعثت) میں حضرت محمیہ رضی اللہ عنہ بھی دوسرے مظلوم مسلمانوں کے ساتھ ہجرت کر کے حبش چلے گئے اور وہاں کئی سال تک غریب الوطنی

Marfat.com

کی زندگی گزارتے رہے۔ حافظ ابنِ عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاستیعاب'' میں بیان کیا ہے کہ حضرت محمیہ رضی اللہ عنہ غزوہ بنو مُصطلق (۵ ہجری) سے کچھ پہلے حبش سے مدینہ منورہ آئے اور سب سے پہلے اسی غزوہ میں شریک ہوئے۔ ان کے اِخلاص فی الدّین اور جذبہ فدویت کی وجہ سے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نہایت عزیز جانتے تھے ویسے بھی ان کو خاندان نبوّت سے یوں نسبت حاصل تھی کہ وہ جلیل القدر صحابیہ حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا (حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی) کے ماں جائے بھائی تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کی بیٹی بیاہی گئی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خُمس کا عامل بنا دیا تھا۔ بقول ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ غزوہ بنو مُصطلق میں بھی انہوں نے یہ خدمت انجام دی تھی۔ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت محمیہ رضی اللہ عنہ کو اکثر انعام واکرام سے نوازتے رہتے تھے۔ حضرت محمیہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے مزید حالات کُتُبِ سِیَر میں نہیں ملتے یہاں تک کہ ان کا سالِ وفات بھی معلوم نہیں ہے۔ تاہم ان کی جلالتِ قدر پر سب اہلِ سِیَر کا اتفاق ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھی اور میٹھی بات بھی ایک صدقہ ہے۔ (یعنی نیکی کا کام ہے جس پر بندہ اجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے) (صحیح بخاری)

Marfat.com

حضرت عُقبہ بن عامر جُہنی رضی اللہ عنہ

(۱)

ہجرتِ نبوی ﷺ کے بعد کا ذکر ہے کہ ایک مرتبہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے اور نورانی چہرے والے مضبوط ہاتھ پاؤں کے ایک صاحب آپ ﷺ کی سواری کھینچ رہے تھے۔ ایک مقام پر حضور ﷺ نے دفعتہً سواری بٹھا دی اور ان صاحب سے فرمایا:

''اب تم سواری پر بیٹھو میں اس کی مہار پکڑوں گا۔''

حضور ﷺ کا ارشاد سن کر وہ صاحب سناٹے میں آ گئے۔ عرض کیا:

''یا رسول اللہ' میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں' میں مسکین آپؐ کی سواری پر بیٹھوں؟''

حضور ﷺ نے فرمایا: ''ہاں بھائی تم بہت تھک گئے ہو اب تمہارا حق ہے کہ تم سواری پر بیٹھو۔''

انہوں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ مجھ غلام کی یہ جرأت کیسے ہو سکتی ہے کہ میں سواری پر بیٹھوں اور میرے آقا اس کو کھینچیں۔''

جب حضور ﷺ نے باصرار فرمایا کہ یہ میرا حکم ہے' تمہیں سواری پر ضرور بیٹھنا ہو گا'......

Marfat.com

تو ''اَلْاَمْرُ فَوْقُ الْاَدَب'' کے مصداق وہ صاحب تعمیلِ ارشاد پر مجبور ہو گئے ......

اور پھر چشمِ فلک نے یہ تحیّر خیز منظر دیکھا کہ ایک اعرابی سواری پر بیٹھے ہیں اور فخرِ موجودات سیّد الانام امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سواری کی مہار تھامے آگے آگے چل رہے ہیں۔

یہ صاحبِ رسولؐ جن کو یہ عظیم الشّان شرف حاصل ہوا کہ سارے جہان سے افضل و برتر اور سارے جہان کی رونق و برکت جناب محمد مصطفٰےصلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی سواری پر بٹھایا اور پھر اس کو دُور تک کھینچتے رہے' حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ تھے۔

(۲)

سیّدنا حضرت ابو عمرو عُقبہؓ بن عامر رضی اللہ عنہ کا شمار اُن بزرگ صحابہ میں ہوتا ہے جنہوں نے سرکارِ دو عَالَم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا شرف پا کر دنیا میں نام پیدا کیا۔ ان کا تعلق بنو جُہینہ سے تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

عقبہؓ بن عامر بن عبس بن عمرو بن عدی بن عمرو بن رفاعہ بن مودوعہ بن عدی بن غنم بن ربیعہ بن رشدان بن قیس بن جہنیہ۔

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کا مسکن مدینہ کے نواح میں تھا۔ وہ اپنے قبیلے کے ذہین وفریس اور لکھے پڑھے آدمیوں میں سے تھے۔ فنِ خطابت اور شعروشاعری میں بھی درک رکھتے تھے۔ طبیعت نہایت سادہ پائی تھی اس لیے ان کا خاص مشغلہ بکریاں چرانا تھا۔ چند سال پہلے مکّہ میں جو صدائے توحید بلند ہوئی تھی اس کی بھنک حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے کانوں میں بھی پڑی تھی۔ چونکہ اللہ تعالٰی نے فطرتِ سعید سے نوازا تھا اس لیے دعوتِ توحید کا حال سن کر بہت متاثر ہوئے لیکن کسی وجہ سے مکّہ جا کر شرفِ اسلام سے بہرہ ور نہ ہو سکے۔ سرورِ عَالَم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ میں نُزولِ اجلال فرمایا تو یہ خبر مدینہ کے نواحی علاقوں میں بڑی تیزی سے پھیل گئی۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کو جس وقت یہ خبر ملی

Marfat.com

وہ بکریاں چرا رہے تھے۔ مدینہ میں حضور ﷺ کی تشریف آوری سے ان کی دلی مراد بر آئی اور وہ بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہونے کے لیے بے تاب ہو گئے۔ بکریوں کے ریوڑ کو خدا کے حوالے کیا اور بسرعت تمام عازم مدینہ ہو گئے۔ مدینہ پہنچ کر سیدھے بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر کلمہ توحید پڑھا اور حضور ﷺ سے درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول مجھ سے بیعت لیجیے۔ حضور ﷺ نے پوچھا' بیعتِ عربیہ کرنا چاہتے ہو یا بیعتِ ہجرت۔ عرض کیا' بیعتِ ہجرت۔ چنانچہ بیعت کر کے مدینہ منورہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور ہر وقت خدمتِ نبوی میں حاضر رہنے لگے۔ اہلِ سیَر کا بیان ہے کہ عقبہ رضی اللہ عنہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں سے ایسے وابستہ ہوئے کہ سفر و حضر میں ہمیشہ ساتھ رہے اور حضور ﷺ سے جدائی انہیں کبھی گوارا نہ ہوئی۔ حضور ﷺ سفر پر روانہ ہوتے تو عقبہ رضی اللہ عنہ سواری کھینچنے کی خدمت انجام دیتے اور حضور ﷺ کو راستے میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دیتے۔ عقبہؓ اپنی اس خوش بختی پر بڑے نازاں تھے۔ وہ سواری مبارک کی مہار یا لگام تھامے ہوتے تو انہیں ایسا معلوم ہوتا کہ کائنات کی تمام نعمتیں ان کے قدموں تلے جمع ہیں۔

بارگاہِ رسالت میں ہر وقت کی حاضر باشی سے ان کو فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہونے کا خوب موقع مل گیا تھا۔ قرآن کریم کی متعدد سورتیں خود مہبطِ وحی و رسالت ﷺ سے سیکھیں۔ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ وہ فرطِ ذوق و شوق میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں سے چمٹ گئے اور عرض کیا' یارسول اللہ مجھے سورۂ ہود و یوسف پڑھائیے۔ حضور ﷺ نے بڑے لطف و انبساط کے ساتھ انہیں ان سورتوں کی تعلیم دی۔ مُسندِ احمد بن حنبل میں خود حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ سفر میں معمول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کھینچ رہا تھا..... معاً حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا' عقبہ کیوں نہ تمہیں قرآن کی دو بہترین

Marfat.com

سورتیں پڑھنے کے لیے بتاؤں' میں نے عرض کیا' یارسول اللہ ضرور بتایئے۔ فرمایا: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی خدمتگزاری سے بہت خوش تھے اور ان پر بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اثنائے سفر میں انہیں سواری پر بٹھا کر خود اس کو کھینچا تھا۔ ایک اور موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دریائے کرم ان کے حق میں اس قدر جوش میں آیا کہ انہیں بطورِ خاص ایک شرعی حکم سے مستثنیٰ کر دیا۔ صحیحین میں حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ بکریاں میرے سپرد کیں تاکہ قربانی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں تقسیم کردوں۔ میں نے بکریاں تقسیم کر دیں۔ آخر میں صرف ایک بکری بچ رہی جو پورے سال کی نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چلو تم تو بس اس کی قربانی کر لو۔

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضورؐ کے ارشاد میں یہ اضافہ ہے کہ خیر تم تو اس کو ذبح کر دو مگر تمہارے بعد اس عمر کی بکری آئندہ کسی شخص کے لیے بھی کافی نہ ہو گی۔ گویا یہ استثنا صرف حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے لیے تھا۔ تحصیلِ علم کے شوق نے حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کو نہ صرف قرآنِ حکیم کا قاری اور عالم بنا دیا تھا بلکہ حدیث فقہ اور فرائض میں بھی امتیازی درجہ پر فائز کر دیا تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اہلِ علم طبقے میں ان کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی سعادت حاصل کرتے رہے وہاں فیضانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی برابر بہرہ یاب ہوتے رہے۔

(۳)

اربابِ سیر نے عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی شرکت کا ذکر نہیں کیا لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف ضرور حاصل ہوا ہو گا کیونکہ

Marfat.com

بارگاہِ رسالت ﷺ میں ان کی مسلسل حاضر باشی پر تمام اہلِ سِیَر کا اتفاق ہے۔ یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ وہ سفر و حضر میں ہمیشہ حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر رہیں اور غزوات سے غیر حاضر رہیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے اور فتنۂ رِدّہ کے استیصال کے بعد شام سے معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا تو حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ شام جانے والے مجاہدین میں شامل ہو گئے اور عہدِ صدّیقی اور عہدِ فاروقی میں رومیوں کے خلاف متعدّد لڑائیوں میں دادِ شجاعت دی۔ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''اِصابہ'' میں بیان کیا ہے کہ دمشق کو تسخیر کرنے والی فوج میں حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔ فتح کے بعد حضرت ابوعبیدہ بن الجرّاح رضی اللہ عنہ نے انہیں بارگاہِ خلافت میں مسلمانوں کی کامیابی کی اطلاع دینے کے لیے مدینہ بھیجا۔ انہوں نے امیر المومنین حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچائی تو وہ بے اختیار سجدۂ شکر بجالائے اور حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کو گلے لگالیا۔ حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں رومیوں کے خلاف کئی معرکوں میں اپنی تلوار کے جوہر دکھائے۔ حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلافات کا آغاز ہوا تو حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرفداروں میں شامل ہو گئے' اور جنگِ صفّین میں ان کی طرف سے حصہ لیا۔ اسی بنا پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی بہت تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ جب انہوں نے مصر پر قبضہ کیا تو حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کو وہاں کا امیر الخراج اور امامِ نماز مقرر کیا۔ وہ اپنے فرائض کو کئی سال تک نہایت خوش اسلوبی سے نباہتے رہے۔ ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کچھ عرصہ مصر کے گورنر بھی رہے۔

۴۷ ہجری میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کو جزیرہ روڈس پر فوج کشی کی ہدایت کی۔ انہوں نے ایک بحری بیڑے کے ساتھ روڈس پر چڑھائی کی۔ ابھی

Marfat.com

روڈس فتح نہیں ہوا تھا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی بناء پر انہیں معزول کر دیا اور ان کی جگہ حضرت مَسلَمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے اپنی معزولی کو بہت محسوس کیا اور یہ کہہ کر اس مہم سے دست کش ہو گئے کہ میں معزولی کی حالت میں لڑائی میں شریک نہیں ہو سکتا۔ اس واقعہ کے بعد انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور ملکی سیاست میں کسی قسم کا حصہ نہ لیا۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے سالِ وفات کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں لیکن جمہور اہلِ سِیَر اس طرف گئے ہیں کہ انہوں نے ۵۸ ہجری میں پیکِ اجل کو لبیک کہا۔ ازواج و اولاد کے بارے میں کسی کتاب میں کوئی تفصیل نہیں ملتی۔

(۴)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا شمار فُضَلاءِ صحابہ میں ہوتا ہے۔ انہوں نے حاملِ وحی و رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلسل دس برس تک براہِ راست کسبِ فیض کیا تھا اس لیے معدنِ فضل و کمال بن گئے تھے۔ تاہم وہ روایتِ حدیث میں بہت محتاط تھے۔ ان سے صرف ۱۵۵ احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے ۷ متفق علیہ ایک میں بخاری اور سات میں مسلم منفرد ہیں۔ ایک مرتبہ میزبانِ رسول حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ صرف ایک حدیث سننے کی خاطر ان کے پاس مصر گئے کیونکہ ان کے بقول اس حدیث کا جاننے والا اور کوئی شخص اس وقت عالَمِ اسلام میں موجود نہ تھا۔ اسی طرح حبرُ الاُمّتہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ جیسے اکابرِ اُمّت بھی ان کے خوانِ علم سے بہرہ یاب ہوئے۔ ان کے علاوہ تابعینِ کرام کی ایک بڑی تعداد نے ان سے استفاضہ کیا۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "تذکرۃ الحفاظ" میں حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ قرآنِ پاک کے قاری، اونچے درجے کے فقیہ، فرائض کے ماہر، خوش گو شاعر

Marfat.com

اور بلند مرتبہ آدمی تھے۔ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''تہذیب التہذیب'' میں بیان کیا ہے کہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے ایک قرآن خود مرتب کر کے لکھا تھا۔ قرآنِ کریم کا یہ نسخہ نویں صدی ہجری تک مصر میں موجود تھا اور اس کے آخر میں حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ تحریر موجود تھی۔ ''یہ قرآن عقبہ بن عامر نے اپنے ہاتھ سے لکھا۔''

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ گوناگوں محاسنِ اخلاق کا پیکرِ جمیل تھے۔ اِتباعِ رسول، تحمل، اِنفاق فی سبیل اللہ، عیب پوشی اور سادگی ان کے خاص اوصاف تھے۔ دس برس تک بڑے ذوق وشوق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی وہ ہر کام میں اسوۂ نبویؐ کو پیشِ نظر رکھتے۔ جس زمانے میں مصر میں امیر الخراج اور امامِ نماز تھے، ایک مرتبہ مغرب کی نماز میں کسی سبب سے دیر کر دی، اتفاق سے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے بھرے مجمع میں حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا:

''مَاھٰذَا الصَّلوٰۃ یَا عُقْبَہ'' عقبہ یہ کیسی نماز ہے؟

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے نہایت تحمل سے جواب دیا: ''ایک کام کی وجہ سے اتفاقاً دیر ہوگئی۔''

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ مت بھولو کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہو اور تمہارا قول وفعل لوگوں کے لیے حُجّت بن سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ مغرب میں عجلت کی تاکید فرمائی ہے، اگر تم نمازِ میں تاخیر کرو گے تو لوگ خیال کریں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح نماز ادا کرتے ہوں گے۔ یاد رکھو کہ کسی صحابی کا کوئی فعل نبی صلی اللہ علیہ کی سُنّت کے خلاف نہیں ہونا چاہیے۔''

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے سارے مجمع کے سامنے ندامت کا اظہار کیا اور آیندہ محتاط

Marfat.com

رہنے کا وعدہ کیا۔ مشہور مؤرخ ابو عمر بن یوسف الکندی کی کتاب الولایۃ میں ہے کہ امامِ نماز کے عہدے سے سبکدوش ہونے کے بعد بالعموم لوگوں کو نماز پڑھانے میں بہت محتاط تھے اور مقتدی بننے کو پسند کرتے تھے۔ ایک مرتبہ لوگوں کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ راستے میں نماز کا وقت آ گیا' لوگوں نے ان سے درخواست کی' اے صاحبِ رسول آپ ہمارے امام بنیے۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے اس میں عذر کیا' جب لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ امام نے اگر صحیح وقت پر پورے شرائط کے ساتھ نماز پڑھائی تو امام اور مقتدیوں سب کے لیے باعثِ ثواب ہے اور اگر اس میں کوئی کوتاہی یا غفلت ہوگئی تو امام سے بازپرس ہوگی اور مقتدی بری الذّمہ ہوں گے۔

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کو اللہ نے بہت کچھ دے رکھا تھا۔ ایک غلام بھی پاس تھا لیکن وہ اس قدر سادہ مزاج تھے کہ اپنا تمام کام خود کرتے تھے اور غلام سے شاذ ہی کام لیتے تھے۔ عفو و درگزر اور دوسروں کے عیبوں سے چشم پوشی ان کا خاص وصف تھا۔ ایک مرتبہ غلام نے شکایت کی کہ ہمارا ہمسایہ شراب پیتا ہے' فرمایا جانے دو کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ اس نے کہا کہ میں محتسب کو ضرور بتاؤں گا۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے ناراض ہو کر فرمایا' بڑا افسوس ہے کہ تم اس معاملے کو طول دینا چاہتے ہو' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس نے کسی کے عیب کو چھپایا اس نے گویا مردہ کو زندہ کیا۔

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کو تیز اندازی کے فن سے بڑا شغف تھا۔ اس کا سیکھنا اور سکھلانا ہر مسلمان کے لیے لازم قرار دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ حدیث سنائی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر کے بدلے میں تین اشخاص کو جنّت میں داخل کرے گا' اس کے بنانے والے کو خدا کی راہ میں اس کے لے جانے والے کو اور چلانے والے کو...... اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے تین کھیلوں کو جائز قرار دیا ہے' تیراندازی' گھوڑے کی تادیب اور اپنی بیوی سے ہنسی مذاق کرنا۔ جس نے تیراندازی سیکھی اور پھر اسے بھلا دیا اس نے بڑی نعمت کھودی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مُسند میں بیان کیا ہے کہ وفات کے وقت حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے پاس ۷۰ کمانیں اور ان کے لوازم تھے۔ ان سب کو انہوں نے راہِ خدا میں وقف کر دیا تھا۔ طبیعت بڑی فیّاض پائی تھی۔ اللہ کی راہ میں بے دریغ خرچ کرتے رہتے تھے۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے مرتبۂ علمی کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ وہ اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے۔ عاصم بن سفیان ثقفی نے آ کر حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے کوئی مسئلہ پوچھا۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے بتا تو دیا لیکن ساتھ ہی حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے تصدیق چاہی کہ میرا جواب درست ہے یا نہیں۔ انہوں نے تصدیق کی تو وہ مطمئن ہوئے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' غبار آلود ہو ناک اس کی' غبار آلود ہو ناک اس کی' غبار آلود ہو ناک اس کی (یعنی وہ آدمی ذلیل ہو' خوار ہو رسوا ہو) عرض کیا گیا' یا رسول اللہ کون؟ آپ نے فرمایا' وہ بدنصیب جو ماں باپ یا دونوں میں سے کسی ایک ہی کو بڑھاپے کی حالت میں پائے پھر (ان کی خدمت اور ان کا دل خوش کر کے) جنت حاصل نہ کر لے۔ (صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت عمران بن حُصین کعبی رضی اللہ عنہما

(۱)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت میں عراق کے والی (وائسرائے) زیاد بن ابیہ کو بڑے وسیع اختیارات حاصل تھے، وہ نہ صرف عراق کے داخلی نظم ونسق اور امن وامان کا ذِمّہ دار تھا بلکہ اس بات کا بھی مجاز تھا کہ بعض صوبوں کے گورنر اپنی صوابدید کے مطابق مقرر کر سکے۔ ایک مرتبہ خراسان کے گورنر کی جگہ خالی ہوئی تو اس نے بصرہ میں مقیم ایک معمر صاحبِ رسول کو بلا بھیجا۔ جب وہ تشریف لائے تو زیاد نے ان کی حد سے زیادہ تعظیم وتکریم کی اور ان سے درخواست کی کہ وہ خراسان کی گورنری قبول فرمائیں۔ ان صاحبِ رسول نے زیاد کی پیشکش کا شکریہ ادا کیا لیکن اسے قبول کرنے سے معذرت کر دی۔ زیاد نے بہت اصرار کیا لیکن وہ اپنے انکار پر قائم رہے۔ یہ خبر عامۃ النّاس میں پھیلی تو انہیں بڑی حیرت ہوئی۔ کچھ لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا: ''اے رسول اللہ کے صحابی! آپ نے خراسان کا گورنر بننے سے کیوں انکار کیا، آپ کے اس منصب پر فائز ہونے سے یہ صوبہ خیر و برکت سے معمور ہو جاتا۔'' انہوں نے جواب دیا: ''تم حیران ہو کہ میں نے اتنا بڑا عہدہ قبول نہیں کیا لیکن مجھے یہ ہرگز پسند نہیں کہ میں تو اس کی تپش میں نماز پڑھوں اور تم

Marfat.com

لوگ اس کی ٹھنڈک میں سجدہ ریز ہو۔ مجھے یہ خوف دامنگیر ہوا کہ میں نے تو دشمنوں کے خلاف جان کی بازی لگائی ہو اور عین اس وقت میرے نام زیاد کا کوئی ناجائز حکم پہنچے۔ اگر اس صورت میں اس کی تعمیل کروں تو میری آخرت برباد ہو جائے اور اگر تعمیل نہ کروں اور واپس آ جاؤں تو میری گردن ماردی جائے۔‘‘ ...... یہ صاحبِ رسول جنہوں نے محض خوفِ آخرت سے اتنا بڑا عہدہ مسترد کر دیا' حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما تھے۔

(۲)

سیدنا حضرت ابو نجید عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کا شمار بڑے عظیم المرتبت صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق بنو کعب سے تھا جو مَرُّ الظَّہران اور اس کے قرب و جوار میں آباد تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

عمرانؓ بن حصینؓ بن عبید بن خلف بن عبد نہم بن حذیفہ بن جہمہ بن غاضرہ بن حبشہ بن کعب

ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت عمران رضی اللہ عنہ اپنے والد اور ہمشیرہ کے ساتھ سنہ ہجری کی ابتداء میں سعادت اندوزِ اسلام ہوئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے جا چکے تھے' لیکن مُحَدِّث ابنِ خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں جو روایت نقل کی ہے' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اصحاب ہجرتِ نبوی سے پہلے کسی وقت مکّہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے' اس میں بھی حضرت عمران رضی اللہ عنہ کو تقدّم حاصل ہے۔ اس روایت کے مطابق حضرت عمران رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے بعد مشرکینِ قریش کی ایک جماعت ان کے والد حصین بن عبید کے پاس گئی۔ حصین اپنے قبیلے کے سربر آوردہ لوگوں میں سے تھے اور قریش کے نزدیک ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ انہوں نے حصین سے کہا کہ آپ

Marfat.com

ہماری طرف سے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جایئے اور ان سے کہیے کہ وہ ہمارے معبودوں کی توہین کرنا ترک کردیں۔ حصین' مشرکینِ قریش کے ساتھ حضور ﷺ کی قیام گاہ پر گئے اور دروازے کے قریب بیٹھ گئے۔ ان سے پہلے حضرت عمران رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی حضورؐ کی خدمت میں پہنچ چکے تھے اور اس وقت بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے۔ حضور ﷺ نے حصین کو دیکھا تو فرمایا' شیخ کے لیے جگہ چھوڑ دو۔ حصین حضور ﷺ کے قریب چلے گئے اور آپ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا' اے ابنِ عبدالمطلب! یہ کیا باتیں ہیں جو ہم سن رہے ہیں' آپ ہمارے معبودوں کی مذمت کرتے ہیں' حالانکہ آپ کے والد بڑے احتیاط پسند اور بھلے آدمی تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا "تم بتاؤ کہ کتنے معبودوں کی پرستش کرتے ہو۔" حصین نے جواب دیا "آٹھ کی' سات معبود زمین پر ہیں اور ایک آسمان پر ہے۔"

حضور ﷺ نے پوچھا "اچھا تو جب تم پر مصیبت آتی ہے تب کس کو پکارتے ہو۔"

حصین نے کہا "آسمان والے معبود کو۔"

حضور ﷺ نے پھر دریافت فرمایا: "اور جب تمہارے مال پر تباہی آ جائے تب کس کو پکارتے ہو۔"

حصین نے کہا "آسمان والے خدا کو۔"

حضور ﷺ نے فرمایا' وہ اللہ تو تنہا تمہاری فریاد سنتا ہے اور تم اس کے ساتھ شرک کرتے ہو۔ جب تم لوگ اس کو مصیبت کے وقت پکارتے ہو تو امن کی حالت میں غیروں کو معبود بنا کر کیوں پکارتے ہو اور پوجتے ہو۔ شاید تم سمجھتے ہو کہ اللہ تم سے راضی ہے اس لیے امن کی حالت میں اس کو پکارنے کی ضرورت نہیں یا تم ڈرتے ہو کہ اللہ کا قہر و غضب تم پر نہ نازل ہو جائے اس لیے مصیبت میں اس کو یاد کر لیتے ہو۔

حصین نے کہا' دونوں میں سے ایک بات بھی نہیں۔

Marfat.com

اس طرح کچھ اور سوال و جواب ہوئے' یہاں تک کہ حصین لاجواب ہو گئے۔

حضور ﷺ نے ان کے چہرے پر تغیّر کے آثار دیکھے تو فرمایا' اے حصین! اسلام قبول کر' محفوظ رہے گا۔ حصین نے عرض کیا' میری برادری بڑی وسیع ہے میں اس کا سامنا کیسے کروں گا۔

حضور ﷺ نے فرمایا' یہ دعا مانگ:

''اے اللہ میں تجھی سے ہدایت چاہتا ہوں تو میرے امر کی اصلاح فرما اور مجھ کو ایسا علم فراوانی سے عطا فرما جو میرے لیے نفع مند ہو۔''

حصین رضی اللہ عنہ نے یہ دعا مانگی تو ان کے آئینہ دل سے کفر کا زنگ آناً فاناً کافور ہو گیا اور وہ اسی وقت سعادت اندوزِ ایمان ہو گئے۔ یہ دیکھتے ہی حضرت عمران رضی اللہ عنہ فرطِ مسرّت سے بیخود ہو کر اپنے باپ کی طرف لپکے اور ان کے سر' ہاتھوں اور پاؤں کو چومنے لگے۔

یہ منظر دیکھ کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم چشم پُرآب ہو گئے اور فرمایا:

''حصین جب اس مجلس میں وارد ہوئے تو کافر تھے اس لیے عمران نے ان کی طرف التفات کیا نہ ان کی تعظیم بجا لائے' اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شرفِ ایمان سے بہرہ ور کیا ہے تو عمران اپنے والد کے حق کی ادائیگی میں مشغول ہو گئے ہیں۔''

جب حضرت حصین رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت ﷺ سے اٹھنے کا رادہ کیا تو حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ اٹھو اور حصین کی قیام گاہ تک ان کی مشایعت کرو۔

وہ باہر نکلے تو قریش نے ان کو بالکل بدلا ہوا پایا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے ہیں۔ اب انہوں نے حصین رضی اللہ عنہ سے بات کرنا بھی گوارا نہ کیا

Marfat.com

اور انہیں چھوڑ کر مارِ دم بریدہ کی طرح پیچ و تاب کھاتے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمران رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ روایت اس طرح نقل کی ہے:

''عمران روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد حصین سے پوچھا' تم موجودہ حالت میں کتنے خداؤں کی پوجا کرتے ہو۔ میرے والد نے جواب دیا' سات خداؤں کی جن میں سے چھ تو زمین میں ہیں اور ایک آسمان میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا' اچھا تو ان میں سے اپنی محبت اور خوف کے لیے تم نے کس کو بنا رکھا ہے۔ انہوں نے جواب دیا' آسمان والے کو۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' حصین اگر تم اسلام قبول کر لیتے تو میں تم کو دو کلمے ایسے تعلیم کرتا جو تمہارے لیے بڑے سود مند ہوتے۔ جب حصین حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بات یاد دلائی اور عرض کیا' یارسول اللہ! جن دو کلموں کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا اب وہ مجھے بتا دیجیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا یہ پڑھ لیا کر۔

اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ

(اے اللہ میرے مقدّر کی ہدایت میرے دل میں ڈال دے اور میرے نفس کے فریب سے مجھے بچالے۔)

(۳)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما بعض وجوہ کی بناء پر ہجرت نہ کر سکے اور انہوں نے مستقل سکونت اپنے وطن ہی میں رکھی لیکن وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور فیضان سے سعادت اندوز ہونے کے لیے اکثر مدینہ منوّرہ آتے جاتے رہتے تھے۔ انہیں بعض غزوات میں بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔

Marfat.com

حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ نے "اِصابہ" میں لکھا ہے کہ فتح مکہ میں وہ اس شان سے شریک ہوئے کہ بنوکعب کا عَلَم ان کے ہاتھ میں تھا۔ فتح مکہ کے بعد انہوں نے حنین اور طائف کے معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ مُسندِ احمد بن حنبلؒ میں ہے کہ (۶ یا ۷ ہجری میں) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک مہم پر گئے تو حضرت عمران رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ انہیں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا عقیدت اور محبت تھی۔ جب تک سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس عالَم میں رونق افروز رہے، حضرت عمران رضی اللہ عنہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد مدینہ آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا سے اپنی آنکھیں روشن کرتے رہے۔ ۱۱ ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت عمران رضی اللہ عنہ کے لیے دنیا اندھیر ہوگئی اور وہ دل شکستگی کے عالَم میں گوشہ نشین ہوگئے۔ دن رات عبادتِ الٰہی کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔ چند سال بعد حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بصرہ آباد ہوا تو انہوں نے ترکِ وطن کر کے بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

ابنِ سعد رحمۃ اللہ کا بیان ہے کہ حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں فقہ کی تعلیم کے لیے سرکاری طور پر مامور فرمایا۔ فقہ کی تعلیم کے علاوہ حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے حدیث کی اشاعت کے لیے بھی مستقل حلقۂ درس قائم کیا۔ یہ حلقۂ درس بصرہ کی جامع مسجد میں تھا جہاں وہ لوگوں کو باقاعدگی سے حدیثیں سنایا کرتے تھے۔ عمران رضی اللہ عنہ کے ایک ہمعصر ہلال بن سیاف رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے کسی کام سے بصرہ جانا پڑا، مسجد میں دیکھا کہ لوگ ایک سفید ریش بزرگ کے گرد حلقہ باندھے بیٹھے ہیں اور وہ بزرگ ٹیک لگائے بڑے لطف وانبساط کے ساتھ حدیثیں بیان کر رہے ہیں۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں تو جواب ملا کہ حضرت عمران بن حصین صحابی ہیں۔

حضرت عثمان ذُوالنُّورَین رضی اللہ عنہ اور حضرت عَلی کَرَّمَ اللہُ وَجہَہٗ کے دورِ خلافت میں بڑے بڑے ہنگامے اٹھے لیکن حضرت عمران رضی اللہ عنہ یکسر غیر جانبدار رہے اور کسی

Marfat.com

ہنگامے یا خانہ جنگی میں مطلق کوئی حصہ نہ لیا۔

بنوامیہ کے دور میں انہیں زیاد بن ابیہ کی طرف سے خراسان کی گورنری کا عہدہ پیش کیا گیا لیکن انہوں نے اسے قبول نہ کیا' البتہ زیاد کے بعد اس کے بیٹے عبیداللہ نے مُحصِّلِ خراج کا عہدہ پیش کیا تو اسے مخلوقِ خدا کی خیرخواہی کے خیال سے قبول کرلیا۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''مستدرک'' میں لکھا ہے کہ جب وہ تحصیلِ خراج کی خدمت انجام دے کر واپس آئے تو بالکل خالی ہاتھ تھے۔ عبیداللہ نے پوچھا' خراج کی رقم کیا کی؟ انہوں نے جواب دیا کہ جس طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وصول ہوتا تھا میں نے بھی اُسی طریقے سے وصول کیا اور جن مدّوں پر عہدِ رسالت میں صَرف ہوتا تھا' انہی پر صَرف کردیا۔ ان کا جواب سن کر عبیداللہ خاموش ہو گیا۔

مُسندِ احمد رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ خراسان کی گورنری کو ٹھکرانے کے بعد حضرت عمران رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ حکمؓ بن عمرو غفاری نے یہ عہدہ قبول کرلیا ہے۔ انہوں نے حکمؓ بن عمرو کو بلا کر فرمایا' تم نے یہ عہدہ قبول کر کے بہت بڑی ذِمّہ داری اپنے سر لی ہے۔ اپنے فرائض بڑی احتیاط سے انجام دینا اور ہر حالت میں اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے احکام کو پیش نظر رکھنا' کسی ناجائز حکم پر عمل نہ کرنا' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں کسی بندہ کی اطاعت جائز نہیں ...... ان نصائح سے حضرت عمران رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ حکمؓ بن عمرو کہیں زیاد کی اطاعت کے جوش میں احکامِ الٰہی سے غافل نہ ہو جائیں۔

(۴)

علم و فضل کے اعتبار سے حضرت عمران رضی اللہ عنہ نہایت بلند مرتبے پر فائز تھے۔ حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ جیسے عبقری کی نگاہِ مردم شناس نے انہیں لوگوں کو فقہ کی تعلیم

Marfat.com

دینے کے لیے منتخب کیا۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے ان سے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیں کیا اس صورت میں عورت کو مطلقہ سمجھا جائے گا یا نہیں۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے فرمایا' اس طرح طلاق دینے والا گناہ کا مرتکب ہوا لیکن عورت مطلقہ ہوگئی۔ وہ شخص اب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے حضرت عمران رضی اللہ عنہ کے جواب کی تصدیق چاہی۔ انہوں نے نہ صرف حضرت عمران رضی اللہ عنہ کے جواب سے اتفاق کیا بلکہ ساتھ ہی دعا کی کہ الٰہی ہماری جماعت میں ابونجید جیسے بہت سے آدمی پیدا فرما دے۔ (مستدرکِ حاکم) حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بصری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں علم وفضل کے اعتبار سے عمران رضی اللہ عنہ کا درجہ سب سے بلند تھا۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے بہتر اور فاضل شخص کوئی ہمارے یہاں نہیں آیا۔

علم حدیث میں حضرت عمران رضی اللہ عنہ کو درجہ تبحّر حاصل تھا لیکن روایت میں بہت محتاط تھے۔ اس لیے مرویات کی تعداد صرف ایک سو تیس ۱۳۰ ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بہت سے ایسے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے نزدیک صحیح احادیث بیان کرتے ہیں' ان کی نیّت بھی نیک ہوتی ہے پھر بھی الفاظ کا ردوبدل ہو جاتا ہے۔ میں بھی ڈرتا ہوں کہ حدیث بیان کرتے ہوئے کہیں الفاظ میں کمی و بیشی یا ردّوبدل نہ ہو جائے۔ اسی لیے میں حدیث بیان کرنے میں احتیاط کرتا ہوں' حالانکہ چاہوں تو دو دن تک مسلسل احادیث بیان کرتا رہوں اور ان میں سے کسی ایک کا بھی اعادہ نہ ہو۔

حضرت عمران رضی اللہ عنہ کو جس درجہ میں کوئی حدیث یاد ہوتی' حدیث بیان کرنے سے پہلے یا بعد اس کا ذکر بھی کر دیتے۔ اگر حدیث کے الفاظ کے بارے میں یقین کامل

Marfat.com

ہوتا تو کہتے' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے۔ اگر شک ہوتا تو کہتے جہاں تک میرا خیال (یا حافظہ) ہے' میں نے صحیح بیان کی۔

حضرت عمران رضی اللہ عنہ کو تفقّہ فِي الدِّين میں جو کمال حاصل تھا اُس کی بنا پر نہ صرف بصرہ بلکہ باہر کے لوگ بھی ان سے مسائل پوچھنے آتے تھے اور مطمئن ہو کر لوٹتے تھے۔ حافظ ابنِ عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاِستیعاب'' میں لکھا ہے کہ عمران رضی اللہ عنہ فضلاء اور فقہاءِ صحابہ رض میں شمار ہوتے تھے۔

(۵)

حضرت عمران رضی اللہ عنہ اپنے ہر قول و فعل میں اُسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔ اہلِ سیَر نے ان کی کثرتِ عبادت کا خصوصیّت سے ذکر کیا ہے۔ نہایت استغراق اور محویت کے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے۔ اکثر ساری ساری رات عبادتِ الٰہی میں گزر جاتی تھی۔ روزے بھی کثرت سے رکھتے تھے۔ معاشی حیثیت سے آسودہ حال تھے لیکن زندگی سادہ بسر کرتے تھے' ایسی کہ جس پر نہ فقر و عُسرت کا گمان ہو اور نہ امارت و دولت مندی کا...... دنیوی زیب و زینت سے طبعاً نفرت کرتے تھے لیکن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیثِ مبارک کے پیشِ نظر کہ اللہ کسی بندہ پر احسان و اکرام کرتا ہے تو اس کا ظاہری اثر بھی اس پر ہونا چاہیے' کبھی کبھار قیمتی لباس بھی پہن لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ خلافِ عادت خز کی چادر اوڑھ کر باہر نکلے۔ یہ بہت قیمتی ہوتی ہے۔ خیال ہوا کہ اتنی بیش قیمت چادر دیکھ کر لوگ کچھ اور نہ سوچیں' خود ہی فرمانے لگے' لوگو تم مجھے اتنی قیمتی چادر اوڑھے ہوئے دیکھ کر تعجب کرو گے اور کہو گے کہ یہ کیا نئی بات ہے' لیکن میں نے جو کچھ کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق کیا ہے۔ پھر مذکورہ حدیث پڑھی اور وضاحت کر دی کہ آسودہ حالی میں اگر انسان کبھی کبھی قیمتی کپڑا بھی پہن لے تو یہ اِتّباعِ سُنّت ہے۔

Marfat.com

احترامِ نبویؐ کی انتہا یہ تھی کہ جس ہاتھ سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی ساری عمر اس کو کبھی اعضائے اسفل سے مَس نہ ہونے دیا۔

کثرتِ عبادت، عشقِ رسول ﷺ اور پاکبازانہ زندگی نے حضرت عمران رضی اللہ عنہ کو خاصانِ خدا میں شامل کر دیا تھا۔ صحیح مسلم میں خود ان سے روایت ہے کہ فرشتے ہر روز مجھے سلام کرتے تھے۔ مجھے تیس برس سے بواسیر کا عارضہ تھا۔ میں نے اس سے تنگ آ کر مسّوں کو داغنا شروع کر دیا تو فرشتوں نے سلام کرنا چھوڑ دیا اور جب میں نے یہ فعل ترک کر دیا تو وہ مجھے پھر سلام کرنے لگے۔

طبقات ابنِ سعد میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرشتے حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے مصافحہ کیا کرتے تھے۔ جب انہوں نے داغ لگوایا تو وہ مصافحہ سے رک گئے۔

ترمذی شریف میں روایت ہے کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کے اہلِ خانہ کسی سلام کرنے والے کو تو نہیں دیکھتے تھے مگر "السّلام علیکم یا عمران السّلام علیکم یا عمران" کی آوازیں برابر گھر میں سنائی دیتی تھیں۔

ان سے ملتی جلتی ایک روایت "مستدرکِ حاکم" میں بھی موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ جس شخص سے فرشتے مصافحہ کریں یا جس کو سلام کریں وہ یقیناً مُقرّبینِ بارگاہِ الٰہی ہی میں سے ہو سکتا ہے۔

(٦)

حضرت عمران رضی اللہ عنہ کی صحت اکثر خراب رہتی تھی۔ پہلے بواسیر تھی پھر استسقا کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ لوگوں نے بارہا داغے جانے کا مشورہ دیا لیکن وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی ممانعت سن چکے تھے اور پھر ذاتی تجربہ بھی تھا کہ بواسیر کے مسّوں کو داغنے پر فرشتوں نے سلام اور مصافحہ ترک کر دیا تھا، اس لیے پیٹ کو داغنے

Marfat.com

پر رضامند نہ ہوتے تھے۔ جب تکلیف حد سے زیادہ ہوگئی یہاں تک کہ پیٹ میں شگاف ہوگیا تو ابنِ زیاد اور دوسرے لوگوں کے بے حد اصرار سے طوعاً و کرہاً راضی ہوگئے۔ مرض میں پھر بھی تخفیف نہ ہوئی اور زندگی سے مایوسی ہوگئی تو اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق بہت سی وصیتیں کیں کہ جنازہ کے پیچھے آگ نہ جلانا' قبر زمین سے چار بالشت اونچی مربّع رکھنا' جنازہ یہود کی طرح آہستہ آہستہ نہیں بلکہ جلدی جلدی لے چلنا' تدفین سے فارغ ہوکر کھانا کھانا' مالِ متروکہ کے بارے میں اپنی وصیّت میں یہ شرط بھی رکھی کہ جو عورت میری موت پر نالہ وشیون کرے' اس کو متروکہ املاک سے کچھ بھی نہ دیا جائے۔ دوسرے اعزّہ کو بھی رونے پیٹنے کی سختی سے ممانعت کی۔ ان وصیتوں کے بعد اس آفتابِ رُشد و ہدایت نے ۵۲ھ ہجری میں پیکِ اُجل کو لبّیک کہا اور خاکِ بصرہ نے اُس کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ متعدّد فرزند اپنی یادگار چھوڑے' ان میں سے محمد رحمۃ اللہ علیہ اور نجید رحمۃ اللہ علیہ نے علم و فضل کے اعتبار سے بڑی شہرت پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن) ارشاد فرمایا کہ:

اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں۔ اللہ کی قسم اس شخص میں ایمان نہیں۔ عرض کیا گیا' یا رسول اللہ! کون شخص؟ آپ نے ارشاد فرمایا' وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور مفسدہ پردازیوں سے مامون اور بے خوف نہ ہوں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت علاء بن عبداللہ حضرمی رضی اللہ عنہ

(۱)

حضرت علاء بن عبداللہ حضرمی رضی اللہ عنہ (العلاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ) کا شمار مشہور صحابۂ کرام میں ہوتا ہے، لیکن تعجب ہے کہ جس قدر وہ مشہور ہیں اسی نسبت سے ان کی زندگی کے ابتدائی حالات پردۂ خفا میں ہیں۔ کُتُبِ سِیَر سے صرف اسی قدر پتہ چلتا ہے کہ وہ نسلاً حضرمی تھے اور ان کے اسلاف نے یمن میں توطّن اختیار کر لیا تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

"علاء بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بن ضماد بن سلمیٰ بن اکبر۔"

علاء رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ بن ضماد یمن کی سکونت ترک کر کے مکّہ آ بسے تھے اور حرب بن اُمیّہ سے حلیفانہ تعلّقات قائم کر لیے تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عبداللہ بن ضماد حیات تھا یا نہیں؟ اس کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں البتہ علاء رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات یقین کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ وہ بعثتِ نبوی رضی اللہ عنہ کے ابتدائی زمانے میں دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہو گئے تھے اور یوں "اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ" کی مقدّس جماعت کا ایک رُکن بن گئے تھے۔ اس کے بعد سولہ سترہ برس تک ان کی سرگرمیوں اور مشاغل کے بارے میں کچھ پتا نہیں

Marfat.com

چلتا۔ قبولِ اسلام کے بعد ان کا نام پہلی بار اس وقت منظرِ عام پر آتا ہے جب ۶ ہجری میں (صلح حدیبیہ کے بعد) سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بحرین کے گورنر المنذر بن ساوی العبدی کے پاس دعوتِ اسلام کا خط لے جانے کے لیے منتخب فرمایا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علاء رضی اللہ عنہ کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا اعتماد حاصل تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفارت اور نامہ بری جیسی اہم خدمات قابلِ اعتماد اصحاب ہی کے سپرد فرمایا کرتے تھے۔ اس سے یہ قیاس بھی کیا جا سکتا ہے کہ حضرت علاء رضی اللہ عنہ کو عہدِ رسالت کے بعض غزوات میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا ہوگا اور رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر انہوں نے اور بھی کئی خدمات انجام دی ہوں گی۔ اس سلسلہ میں اس پروانۂ نبوی کا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتحِ مکہ (۸ ہجری) سے پہلے خزاعہ کی ایک شاخ بنو اسلم کو عطا فرمایا۔ ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق یہ پروانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق حضرت علاء رضی اللہ عنہ نے لکھا اس کا مضمون یہ تھا:

۱- اسلم کے لیے جو خزاعہ کی شاخ ہے ان لوگوں کے لیے جو ان میں سے ایمان لاتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے دین کے بارے میں بہی خواہی دکھاتے ہیں۔

۲- انہیں ان لوگوں کے خلاف مدد دی جائے گی جو ظلم سے ان پر اچانک دھاوا بول دیں۔

۳- اور ان پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد واجب ہوگی جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بلائیں۔

۴- اور ان کے خانہ بدوش (بدویوں) کے لیے بھی وہی (حقوق، واجبات) ہیں جو ان کی بستی میں رہنے والوں کے لیے ہیں۔

۵- اور جو مہاجر ہیں جہاں بھی رہیں۔

Marfat.com

۶۔ اسے العلاء بن الحضرمی نے لکھا اور گواہی ثبت کی۔

اس پروانۂ نبوی ﷺ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علاء رضی اللہ عنہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

حضرت علاء رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کا مکتوبِ مبارک لے کر منذر بن ساوی کے پاس گئے تو یہودیوں اور مجوسیوں کے سوا بحرین کے تمام لوگ اس مکتوبِ مبارک کا مضمون سن کر سعادت اندوزِ اسلام ہو گئے۔ ان میں خود منذر بن ساوی بھی شامل تھے۔ وہ ایرانی حکومت کی طرف سے بحرین کے گورنر تھے۔ انہوں نے اپنے اور دوسرے اہلِ بحرین کے قبولِ اسلام کے بارے میں حضور ﷺ کو اطلاع دی تو آپ ﷺ نے جواب میں انہیں یہ فرمان بھیجا "تم جب تک ٹھیک ٹھاک رہو گے ہم تمہیں بحرین کی امارت سے معزول نہیں کریں گے اور جو یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہتا ہے اس پر جزیہ عائد ہوگا۔"

علّامہ بلاذری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں کو بھی خط لکھا جس میں ان کو دعوتِ اسلام دی۔ یہ خط بھی حضرت علاء رضی اللہ عنہ لے کر گئے۔ حضور ﷺ نے ان کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور یہ ہدایات دیں۔

۱۔ ابو ہریرہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

۲۔ اگر اہلِ ہجر اسلام کی دعوت قبول نہ کریں تو ان سے جزیہ لینا۔ ان کی عورتوں سے نکاح نہ کرنا اور نہ ان کا ذبیحہ کھانا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء رضی اللہ عنہ کو اونٹوں، گایوں، بکریوں، پھلوں اور دوسرے اموال کے بارے میں (زکوٰۃ کی شرح کے) احکام تحریری فرمان کی صورت میں دیے۔ حضرت علاء رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا یہ فرمان لوگوں کو پڑھ کر سنایا اور اسی کے مطابق ان سے زکوٰۃ اور صدقات وصول کیے۔

Marfat.com

(۲)

فتحِ مکّہ کے کچھ عرصہ بعد حضور ﷺ نے حضرت علاء رضی اللہ عنہ کو بحرین کا عامل مقرر فرمایا۔ پھر کچھ مدت کے بعد انہیں اس خدمت سے سبکدوش کر کے حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ کو بحرین کا عامل بنایا۔ ۱۱ ہجری میں حضور ﷺ نے وصال فرمایا تو حضرت ابان رضی اللہ عنہ اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔ خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ حضرت علاء رضی اللہ عنہ کو دوبارہ بحرین کا عامل مقرر فرمایا کیونکہ وہ اس علاقے کے باشندوں اور دوسرے حالات سے بخوبی واقف تھے۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد ارتداد کا فتنہ بڑی تیزی سے عرب میں پھیلنے لگا تھا۔ اسی زمانے میں منذر بن ساویٰ نے وفات پائی اور بحرین بھی فتنہ ارتداد کی لپیٹ میں آ گیا۔ غالباً ان ایّام میں حضرت علاء رضی اللہ عنہ مدینہ منوّرہ آئے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین پر عام لشکر کشی کے لیے گیارہ لشکر مرتّب کیے تو ان میں سے ایک لشکر کی قیادت آپ نے حضرت علاء رضی اللہ عنہ کے سپرد کی اور انہیں مرتدینِ بحرین کی سرکوبی پر مامور فرمایا۔

بحرین میں مرتدین کی قیادت نعمان بن منذر مغرور کا بیٹا منذر اور بنو قیس بن ثعلبہ کا سردار حطیم بن ضبیعہ کر رہے تھے۔ انہوں نے بنو ربیعہ، بنو عبد القیس اور کئی دوسرے قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا کر ہر طرف شورش اور بدامنی پیدا کر دی تھی۔ حضرت علاء رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ یمامہ کے قریب پہنچے تو حضرت ثمامہ بن اُثال حنفی رضی اللہ عنہ، حضرت قیس بن عاصم منقری رضی اللہ عنہ اور بہت سے دوسرے مخلص مسلمان بھی ان کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ حضرت علاء رضی اللہ عنہ داہنا کے ریگستان میں پہنچے تو آدھی رات ہو گئی انہوں نے وہیں ایک مناسب جگہ پر پڑاؤ ڈال دیا۔ بدقسمتی سے جن اونٹوں پر خیمے اور رسد کا سامان لدا ہوا تھا، وہ بھڑک کر ادھر اُدھر بھاگ گئے۔ اس ناگہانی افتاد

Marfat.com

نے مسلمانوں کو سخت تشویش میں مبتلا کر دیا کیونکہ پانی خوراک اور سائے کے بغیر اس بے آب و گیاہ صحرا میں زندہ رہنا محال تھا۔ حضرت علاء رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو متفکر دیکھا تو ان سے کہا' ابھی تو سورج نکلنے میں کافی وقت ہے تم مایوس کیوں ہو گئے ہو؟ تمہیں اللہ تعالیٰ ﷻ نے راہِ حق میں جہاد کے لیے نکلنے کی توفیق عطا کی ہے' میں تم کو بشارت دیتا ہوں کہ وہ تمہیں ضائع نہیں کرے گا۔ اللہ کی قدرت دیکھیے کہ حضرت علاء رضی اللہ عنہ فجر کی نماز کے بعد مسلمانوں کے ساتھ مل کر دعا مانگ رہے تھے کہ تھوڑے فاصلہ پر پانی نظر آیا۔ پانی دیکھ کر مسلمانوں نے خوشی کا نعرہ بلند کیا اور وہاں جا کر پانی پیا اور غسل کیا۔ آفتاب اونچا ہونے سے پہلے مسلمانوں کے لدے لدائے اونٹ بھی آنے شروع ہو گئے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے حضرت علاء رضی اللہ عنہ کے لشکر کو بہت بڑی مصیبت سے بچالیا۔

یہاں سے حضرت علاء رضی اللہ عنہ ہجر کی طرف بڑھے۔ مرتدین نے اسلامی لشکر کی آمد کی خبر سنی تو وہ سب قلعۂ جواث میں قلعہ بند ہو گئے۔ حضرت علاء رضی اللہ عنہ نے قلعۂ جواث کا محاصرہ کر لیا۔ مرتدین نے قلعہ میں خوراک کا کافی ذخیرہ کر رکھا تھا اور انہیں اپنے دفاعی استحکامات پر بڑا ناز تھا اس لیے مسلمانوں کے مقابلے پر ڈٹے رہے یہاں تک کہ ایک مہینہ گزر گیا۔ ایک دن رات کے وقتِ قلعہ کے اندر سے شور وغل اور لڑنے جھگڑنے کی آواز سنائی دی۔ حضرت علاء رضی اللہ عنہ کو مسلمان جاسوسوں نے اطلاع دی کہ مرتدین شراب پی پی کر بدمست ہو رہے ہیں اور غل مچا مچا کر آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہیں۔ حضرت علاء رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اپنے لشکر کے ساتھ قلعہ پر حملہ کر دیا۔ پہرے دار بھی شراب کے نشے میں مدہوش تھے' مسلمانوں کی مزاحمت نہ کر سکے۔ چند بہادروں نے فصیل پھاند کر قلعہ کے دروازے کھول دیے اور اسلامی لشکر آناً فاناً قلعہ میں داخل ہو گیا۔ شراب میں بدمست مرتدین کی ایک کثیر تعداد ماری گئی۔ کچھ دارین کی طرف بھاگ گئے اور کچھ مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ ایک

Marfat.com

مجاہد عفیف بن منذر تمیمی نے مرتدین کے سردار حطیم بن ضبیعہ کا پاؤں کاٹ ڈالا۔ حضرت قیس بن عاصم منقری رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن اڑادی۔ ایک روایت کے مطابق مرتدین کا دوسرا بڑا سردار منذر بن نعمان مغرور بھی مارا گیا لیکن ایک دوسری روایت کے مطابق وہ گرفتار ہوگیا اور اسلام قبول کر کے رہائی پائی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ کسی طرح بچ کر نکل گیا۔ جواث کی فتح کے بعد حضرت علاء رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ ایک ایرانی جرنیل فیروز ایک لشکرِ جرّار کے ساتھ بنو تمیم کی گوشمالی کے لیے آیا ہے (کیونکہ ان لوگوں نے ایک ایرانی قافلے کو لوٹ لیا تھا) فیروز نے زرارہ کے مقام پر پڑاؤ ڈال رکھا ہے اور جواث سے فرار ہونیوالے مرتدین اور مجوسی باغی اس کے ساتھ مل گئے ہیں۔

حضرت علاء رضی اللہ عنہ یہ اطلاع پا کر فیروز سے دو دو ہاتھ کرنے زرارہ کی طرف بڑھے اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محصورین کئی دن تک مسلمانوں کے مقابلے پر ڈٹے رہے تاہم حضرت علاء رضی اللہ عنہ فیروز اور اس کے ساتھیوں پر برابر دباؤ ڈالتے رہے یہاں تک کہ ان کی قوّتِ مقاومت جواب دے گئی۔ جلد ہی حضرت علاء رضی اللہ عنہ نے فیروز اور اس کے ساتھ مل جانے والے غداروں کو عبرتناک شکست دی۔ اس کے بعد وہ دارین کی طرف روانہ ہوئے جہاں مرتدین بڑی تعداد میں جمع تھے اور زور شور سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی تیاری کر رہے تھے۔ دارین کے مرتدین اور مسلمانوں کے درمیان سمندر کی ایک شاخ حائل تھی۔ حضرت علاء رضی اللہ عنہ لشکر کے ساتھ سمندر کے کنارے پہنچے تو مسلمانوں کو سمندر عبور کرنے میں کچھ تردّد ہوا کیونکہ وہ اونٹوں پر بھی سوار تھے گھوڑوں اور خچروں پر بھی اور پیدل بھی۔ حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے "البدایہ والنہایہ" میں لکھا ہے کہ اس موقع پر حضرت علاء رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا، سب لوگ یہ دعا پڑھتے ہوئے میرے پیچھے پیچھے سمندر میں داخل ہو جاؤ۔

Marfat.com

يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، يَا حَكِيمُ يَا كَرِيمُ يَا اَحَدُ يَا صَمَدُ يَاحَيُّ
يَامُحيُ يَا قَيُّومُ يَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ يَا رَبَّنَا۔

خدا کی قدرت تمام مسلمان سمندر سے اس طرح گزر گئے جس طرح ریت پر سے گزرتے ہیں۔ دارین میں مسلمانوں اور مرتدین کے درمیان گھمسان کا رن پڑا جو چوبیس گھنٹے تک جاری رہا۔ مرتدین جان توڑ کر لڑے لیکن جوشِ ایمان سے سرشار مسلمانوں کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ چلی اور وہ خاکِ نامرادی چاٹنے پر مجبور ہو گئے۔ اس لڑائی میں مرتدین کے چھ ہزار سوار اور دو ہزار پیادے مارے گئے اور باقی مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔

(۳)

دارین کے مرتدین سے نبٹنے کے بعد حضرت علاء رضی اللہ عنہ بحرین واپس آ گئے۔ اس اثناء میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وفات پائی اور حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ اسی زمانے میں حضرت علاء رضی اللہ عنہ نے ''دلتا النہرین'' کو تسخیر کرنے کا ارادہ کیا اور ایک لشکر کے ساتھ بحری کشتیوں میں سوار ہوئے لیکن کچھ ایسے مواقع پیش آئے کہ وہ خلیج فارس کے ساحل پر نہ اتر سکے اور اصطخر جا پہنچے۔ خلیج فارس میں ایرانیوں کا ایک زبردست جنگی بیڑا موجود تھا۔ اس نے اصطخر کا محاصرہ کر لیا اور مسلمانوں کو رسد پہنچنے کے تمام راستے مسدود کر دیے۔ اس طرح حضرت علاء رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی سخت مصیبت میں پھنس گئے لیکن انہوں نے ہمت نہ ہاری اور تہیّہ کر لیا کہ آخری دم تک ایرانیوں کا مقابلہ کریں گے۔ امیر المؤمنین حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کو کسی ذریعے سے حضرت علاء رضی اللہ عنہ کے محصور ہونے کی خبر پہنچ گئی۔ انہوں نے حضرت علاء رضی اللہ عنہ کو اس مہم پر جانے کا حکم نہیں دیا تھا کیونکہ وہ بحری لڑائیوں میں نہیں الجھنا چاہتے تھے لیکن اب ہزاروں مسلمانوں کی جانیں بچانے کا

Marfat.com

سوال تھا چنانچہ حضرت علاء رضی اللہ عنہ کی اس مہم جوئی کو ناپسند کرنے کے باوجود انہوں نے بصرہ کے امیر حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ ایک مضبوط لشکر لے کر علاء رضی اللہ عنہ کی مدد کو پہنچیں۔ حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ بارہ ہزار سرفروشوں کے ساتھ اصطخر کی طرف روانہ ہوئے اور محاصرہ کرنے والے ایرانیوں کو شکست دے کر پیچھے ہٹا دیا۔ یوں حضرت علاء رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو ایک بلائے عظیم سے نجات مل گئی۔ اس کے بعد ان سب نے مل کر ''اُبُلّہ'' اور ''اہواز'' کا رخ کیا اور ان دونوں شہروں کو فتح کر کے واپس آئے۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ اسی زمانے میں ایک موقع پر حضرت عُمرؓ فاروقؓ نے حضرت علاء رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ وہ عرفجہؓ بن ہرثمہ کو حضرت عتبہ بن غزوان کی مدد کے لیے بھیجیں، جنہیں عراقِ عرب کے جنوبی حصے کو دوبارہ مفتوح بنانے کے لیے نامزد کیا گیا تھا۔ حضرت علاء رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل کی۔ عرفجہ بن ہرثمہ رضی اللہ عنہ ایک صاحب تدبیر اور جانباز آدمی تھے۔ انہوں نے حضرت علاء رضی اللہ عنہ اور حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کی معیت میں کئی شاندار کارنامے انجام دیے۔

(۴)

بصرہ آباد ہونے کے بعد حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عتبہؓ بن غزوان کو وہاں کا امیر (گورنر) مقرر فرمایا وہ چھ ماہ تک اس عہدے پر نہایت خوش اسلوبی سے کام کرتے رہے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعض وجوہ کی بناء پر انہیں اس عہدے سے سبکدوش کر دیا (بروایتِ دیگر وہ خود اس عہدے سے دستکش ہو گئے) ان کی جگہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے حضرت علاء رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا امیر نامزد فرمایا اور انہیں حکم بھیجا کہ بحرین کی امارت چھوڑ کر بصرہ کا انتظام سنبھال لو۔ یہ حکم ملتے ہی حضرت علاء رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ اور کچھ دوسرے آدمیوں کو ساتھ لیا اور بصرہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے ''دلائل'' میں حضرت

Marfat.com

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم ایک بے آب وگیاہ مقام سے گزرے' ہمارے پاس پانی ختم ہو گیا تھا۔ ہم نے حضرت علاء رضی اللہ عنہ سے اس بات کا ذکر کیا تو انہوں نے دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کی' اچانک ابر نمودار ہوا اور بارش ہونے لگی' ہم نے خوب پانی پیا اور اونٹوں کو بھی پلایا'' خدا کی قدرت اسی مقام پر حضرت علاء رضی اللہ عنہ دفعتہً علیل ہو گئے اور وفات پا گئے۔ علّامہ ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام کا نام ''لباس'' لکھا ہے۔ حضرت علاء رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے انہیں بارش کے پانی سے غسل دیا اور تلوار سے قبر کھود کر اسلام کے اس مردِ جانباز کو اس بے آب وگیاہ میدان میں سپردِ خاک کر دیا۔

حضرت علاء رضی اللہ عنہ کی ازواج واولاد کے بارے میں کتُبِ سیر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:
......اللہ کا جو بندہ بے شوہر والی اور بے سہارا کسی عورت اور کسی مسکین حاجت مند آدمی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتا ہو وہ اجر وثواب میں اس مجاہد بندے کی طرح ہے جو اللہ کی راہ میں دوڑ دھوپ کرتا ہو...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اس قائم اللیل بندہ کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو۔
(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت وہب بن سعد عامری رضی اللہ عنہ

قریش کی شاخ بنی عامر بن لُوئیؔ میں سے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:
وہبؓ بن سعد بن ابی سرح بن حارث بن حبیب بن جذیمہ بن مالک بن حسل بن عامر بن لُوئیؔ۔

حضرت وہب رضی اللہ عنہ نے کون سے سال نُبوّت میں اسلام قبول کیا' اہلِ سِیَر نے اس کی تصریح نہیں کی البتہ اس بات پر سب کا اتّفاق ہے کہ وہ ہجرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے تھے۔ جب ہجرت اِلیٰ المدینہ کا اِذن ہوا تو انہوں نے راہ حق میں گھر بار چھوڑ کر مدینہ کی راہ لی اور حضرت کلثوم بن ہِدم انصاری رضی اللہ عنہ صاحبِ رحلِ رسول اللہ کے مہمان بنے۔

ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے چند ماہ بعد مہاجرین اور انصار میں برادری قائم کی تو حضرت وہب رضی اللہ عنہ کو حضرت سوید بن عمرو رضی اللہ عنہ کا دینی بھائی بنایا۔ ابنِ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کفر و حق کے معرکۂ اوّل کے شُرکا میں حضرت وہب بن سعد رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا لیکن موسیٰ بن عقبہ' ابو معشر اور محمد بن عمر کی روایت کے مطابق وہ غزوۂ بدر میں شریک تھے۔

بدر کے بعد انہوں نے اُحد' احزاب اور خیبر کے غزوات میں دادِ شجاعت دی۔

Marfat.com

ذیقعدہ ۶ ہجری میں ''بیعتِ رضوان'' کا عظیم الشان واقعہ پیش آیا۔ اس میں چودہ سو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر جاں نثاری کی بیعت کی اور بارگاہِ خداوندی سے کھلے لفظوں میں خوشنودی کی بشارت پائی۔ حضرت وہب بن سعد رضی اللہ عنہ بھی ان خوش بخت صحابہ رضی اللہ عنہم میں شامل تھے۔

جُمادی الاولیٰ ۸ سنہ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفیر حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے ایک مہم مُوتہ بھیجی۔ لشکر اسلام میں حضرت وہب بن سعد رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ مُوتہ کی خونیں لڑائی میں متعدّد صحابہؓ نے رومیوں کے ٹڈی دل سے مردانہ وار لڑتے ہوئے جامِ شہادت پیا۔ بالآخر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے رومیوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ حضرت وہب بن سعد رضی اللہ عنہ اسی لڑائی میں خلعتِ شہادت پہن کر خُلدِ بریں کو سدھارے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم لوگ ہرگز جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک تم ایمان نہ لاؤ اور تم ہرگز ایمان نہیں لا سکتے جب تک تم آپس میں محبت نہ کرو اور لوگو! کیا میں تم کو آگاہ نہ کردوں ایک ایسی بات سے کہ اگر تم وہ کرو تو آپس میں محبت پیدا ہو گی۔ سنو وہ یہ ہے کہ آپس میں بہت سلام کیا کرو۔ (صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت ربیعہ بن اکثم اسدی رضی اللہ عنہ

ربیعہ نام۔ ابوزید کنیت۔ بنو اسد بن خزیمہ سے تھے اور بنو عبدِ شمس کے حلیف تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

ربیعہؓ بن اکثم بن سنجرہ (یا شجزہ) بن عمرو بن بکیر بن عامر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔

غزوۂ بدر سے پہلے شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہوئے اور پھر ہجرتِ مدینہ کی سعادت حاصل کی۔ اس وقت ان کی عمر تیس برس کے لگ بھگ تھی۔ بہت پست قامت تھے لیکن ہمت نہایت بلند تھی اور جوشِ ایمان کا تو کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ سب سے پہلے ۲ ہجری میں غزوۂ بدر میں شریک ہونے کا عظیم شرف حاصل کیا اس کے بعد اُحُد اور خندق کے معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ بیعتِ رضوان میں بھی شریک تھے۔ اوائل ۷ ہجری میں غزوۂ خیبر میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ اسی غزوہ میں قلعہ نطاۃ پر حارث یہودی کے ہاتھ سے جامِ شہادت پی کر خلدِ بریں میں پہنچ گئے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ

بعض نے انہیں عجمی نژاد لکھا ہے اور بعض نے یمنی قرار دیا ہے معلوم نہیں وہ یا ان کے والدین مکّہ میں کب اور کیسے آئے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت توحید کا آغاز فرمایا تو حضرت سعدؓ بن خولہ رضی اللہ عنہ مکہ ہی میں مقیم تھے اور بنو عامر بن لوٌیّ کے حلیف تھے۔ ان کے کان جونہی توحید کی آواز سے آشنا ہوئے انھوں نے بلا تامل اس پر لبّیک کہا۔ اس وقت ان کی عمر صرف سولہ یا سترہ برس کی تھی۔ قبولِ اسلام کے بعد وہ بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح مشرکینِ مکّہ کے جور وستم کا نشانہ بن گئے۔ ۶ بعدِ بعثت میں دوسری ہجرتِ حبشہ ہوئی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ (بن ابی طالب) اور دوسرے بلاکشانِ اسلام کے ساتھ ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ وہاں کئی سال غریب الوطنی کی زندگی گزارنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ الی المدینہ سے کچھ عرصہ پہلے مکّہ واپس آئے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہجرتِ مدینہ کا اِذن دیا تو وہ ہجرت کر کے مدینہ جا پہنچے۔ ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ انہوں نے پہلے چند دن قُبا میں حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام کیا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بدر، اُحد، خندق اور دوسرے تمام غزوات میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا

Marfat.com

شرف حاصل کیا۔ ۶ ہجری میں انہیں ''بیعتِ رضوان'' میں شریک ہونے کی عظیم سعادت بھی نصیب ہوئی۔

۱۰ ہجری میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حَجَّۃُ الوداع کے لیے مکہ معظمہ تشریف لائے تو حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے مکہ پہنچ کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ سخت بیمار ہو گئے اور مکہ ہی میں وفات پا گئے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا کیونکہ آپ مہاجرین کے لیے مکہ میں مرنا پسند نہ فرماتے تھے لیکن قضائے الٰہی یہی تھی کہ ارضِ مکہ ہی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا مدفن بنے بوقتِ وفات حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی عمر ۳۳ برس کی تھی۔ ان کی اہلیہ سبیعہ بنتِ حارث اسلمیہ رضی اللہ عنہا کو بھی شرفِ صحابیت حاصل تھا۔ شوہر کی وفات کے دو دن بعد ان کے ایک بچہ پیدا ہوا جو چند دن بعد فوت ہو گیا۔ اس طرح حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کی نسل آگے نہیں چلی۔

حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کا شمار رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت مخلص جاں نثاروں میں ہوتا ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

القعقاع رضی اللہ عنہ

بَنُو تمیم کا جیالا شہسوار

(۱)

سلام ہو اُس ماں پر جس نے القعقاع رضی اللہ عنہ جیسا جوانمرد جنا۔

القعقاع رضی اللہ عنہ جو اسلام کی عظمت کا عَلَمبَردار تھا۔

القعقاع رضی اللہ عنہ جو عرب کی شجاعت اور غیرت کا نشان تھا۔

القعقاع رضی اللہ عنہ جو ایسا شہسوار تھا کہ طویل پُرصُعُوبت راستے اس کے سامنے سمٹ کر رہ جاتے تھے۔

القعقاع رضی اللہ عنہ جس کی شمشیرِ خارا شگاف کا وار کبھی خالی نہ جاتا تھا۔

القعقاع رضی اللہ عنہ جس کے نیزے کی اَنی دشمن کے سینے کی ہڈیوں کو توڑتی ہوئی آر پار ہو جاتی تھی۔

القعقاع رضی اللہ عنہ جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر صفِ جنگاہ میں گھُس جاتا تھا۔

القعقاع رضی اللہ عنہ جو ایسا مردِ میدان تھا کہ اگر جنگ اسے دانتوں سے کاٹتی تھی تو وہ جنگ کو کاٹ لیتا تھا۔ اگر جنگ پائنچے چڑھا لیتی تھی تو وہ بھی پائنچے چڑھا لیتا تھا۔

القعقاع رضی اللہ عنہ جو اکیلا ہزار شجاعانِ عرب کے برابر تھا۔

Marfat.com

القعقاع رضی اللہ عنہ جس کی جانبازی کے سامنے رومیوں کی شجاعت اور ایرانیوں کی پامردی منہ چھپاتی پھرتی تھی۔

القعقاع رضی اللہ عنہ جس کی سرفروشی کے سامنے ہیبت ناک جنگی ہاتھی بے بس ہو جاتے تھے اور منہ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔

یہ ہے وہ خراجِ عقیدت جو عرب کی رزمیہ داستانوں اور نظموں میں حضرت قعقاع بن عمرو بن مالک التمیمی رضی اللہ عنہ کو پیش کیا گیا ہے۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ عرب کے مشہور قبیلے ''بنو تمیم'' کے چشم و چراغ تھے اور اپنے قبیلے کے نامور بہادروں اور شاعروں میں شمار ہوتے تھے۔ اہلِ سِیَر نے ان کے قبولِ اسلام اور شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہونے کے زمانہ کی تصریح نہیں کی البتہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اواخر عہدِ رسالت میں سعادت اندوزِ اسلام ہوئے کیونکہ بنو تمیم کا وفد ۹ ہجری میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور اس کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے بعد ہی بنو تمیم میں اسلام پھیلا۔ ایمان اور صحابیت کا شرف حاصل کرنے کے بعد حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ اسلام کے نہایت قوی دست و بازو ثابت ہوئے اور اپنی شجاعت و شہامت، سخت کوشی اور بے خوفی کے ایسے محیّر العقول نقوش صفحۂ تاریخ پر ثبت کیے کہ ان کا حال پڑھ کر قلبِ مردہ میں ولولۂ تازہ پیدا ہوتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ قعقاع کی آواز لشکر میں ہزار آدمیوں سے افضل ہے اور جس فوج میں وہ موجود ہوں اس کو کبھی شکست نہیں ہو سکتی۔

عہدِ رسالت میں حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کو کوئی کارنامہ دکھانے کا موقع نہ مل سکا۔ ان کے ولولہ انگیز کارناموں کا آغاز عہدِ صدّیقی سے ہوتا ہے، جب حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ نے ۱۱ ہجری میں انہیں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ طلیحہ بن خویلد اسدی کی سرکوبی کے لیے بزاخہ بھیجا۔ طلیحہ بنو اسد کے کاہنوں اور نامور بہادروں میں شمار ہوتا

Marfat.com

تھا، اس کو قبولِ اسلام کی سعادت حاصل ہو چکی تھی لیکن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایامِ علالت میں اس کے دماغ میں معلوم نہیں کیا فتور پیدا ہوا کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور قبائلِ اسد و طے وغیرہ کے بہت سے لوگوں کو اپنا معتقد بنا لیا۔ حضور ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ طلیحہ کے فتنہ کو دفع کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت ضرار رضی اللہ عنہ نے ''واردات'' کے مقام پر طلیحہ اور اس کے حواریوں پر کاری ضرب لگا کر ان کو منتشر کر دیا۔ اسی اثناء میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور حضرت ضرار رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ ان کی واپسی کے بعد طلیحہ نے پھر ایک بڑی جمعیت اکٹھی کر لی اور بزاخہ کو اپنا مستقر بنا لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سریر آرائے خلافت ہونے کے بعد مرتدین کے استیصال کے لیے مختلف اطراف کی طرف جیوش بھیجے تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو طلیحہ اور مالک بن نویرہ بطاحی کی سرکوبی پر مامور فرمایا اور حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کو بھی ان کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بزاخہ پہنچ کر طلیحہ کو عبرتناک شکست دی۔ اس نے اپنی بیوی ساتھ لے کر راہِ فرار اختیار کی اور بنو کلب میں جا کر پناہ لی۔ بعد میں طلیحہ نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا اور ایرانیوں کے خلاف مختلف لڑائیوں میں سرفروشانہ حصہ لے کر اپنی لغزش کی تلافی کر دی۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ جنگِ بزاخہ میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پہلو بہ پہلو اس بے جگری سے لڑے کہ طلیحہ اور عیینہ بن حصن فزاری جیسے آزمودہ کار جنگجو بھی جی ہار بیٹھے اور پیٹھ دکھا کر اپنی جان بچائی۔

اربابِ سِیَر نے فتنۂ ارتداد کے سلسلہ میں پیش آنے والی لڑائیوں میں صرف جنگِ بزاخہ میں حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کی شرکت کا ذکر صراحت سے کیا ہے۔ قیاس یہ ہے کہ وہ مرتدوں کے خلاف بعض دوسری لڑائیوں میں بھی ضرور شریک ہوئے ہوں گے کیونکہ

Marfat.com

جنگِ بزاخہ کے بعد ان کے میدانِ جنگ سے پلٹ آنے کی کوئی وجہ نہیں تھی البتہ مرتدین کا پوری طرح قلع قمع ہو جانے کے بعد وہ مدینہ منوّرہ واپس آ گئے۔

(۲)

جب فتنۂ ارتداد کا استیصال ہو گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے عراقِ عرب کی طرف توجہ کی جہاں حضرت مُثنّیٰ بن حارثہ شیبانی ایرانیوں سے برسرِ پیکار تھے اور مرکز سے کمک کے خواہاں تھے۔ اس وقت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مسیلمہ کذّاب کی سرکوبی سے فارغ ہو کر وادیِ الوبر میں خیمہ زن تھے اور دربارِ خلافت سے مزید احکام کے منتظر تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں حکم بھیجا کہ وہ اپنے لشکر کو لے کر زیریں عراق پہنچیں اور اُبلّہ کی سرحد سے یلغار شروع کریں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے خلیفۃ الرسول رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل میں فوراً عراقِ عرب کا رُخ کیا لیکن ان کے لشکر کی تعداد بہت کم تھی کیونکہ ایک تو اس کا بہت سا حصہ جنگِ یمامہ میں کام آ چکا تھا دوسرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں ہدایت کی تھی کہ وہ کسی ایسے شخص کو ان کی اجازت کے بغیر ساتھ نہ لیں جس نے فتنۂ ارتداد میں حصہ لیا ہو نیز کسی شخص پر جہاد کے سلسلے میں سختی نہ کی جائے اور صرف اُن لوگوں کو فوج میں شامل کیا جائے جو بخوشی عراق جانے پر آمادہ ہوں۔ اس ہدایت کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگوں نے پیچھے رہنے کو ترجیح دی کیونکہ وہ کئی ماہ تک مرتدین سے لڑ لڑ کر تھک چکے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ عازمِ عراق ہوتے وقت حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی فوج صرف دو ہزار مجاہدین پر مشتمل تھی اس لیے انہوں نے بنظرِ احتیاط حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مزید کمک بھیجنے کے لیے لکھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا خط ملا تو انہوں نے صرف حضرت قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو ان کی اعانت کے لیے روانہ فرمایا۔

Marfat.com

لوگوں کو بڑا تعجب ہوا اور انہوں نے خلیفۃُ الرّسُول رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا:

''آپ خالد کی مدد کے لیے صرف ایک شخص کو روانہ کر رہے ہیں حالانکہ لشکر کا بیشتر حصہ اب ان سے الگ ہو چکا ہے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''جس فوج میں قعقاع جیسا شخص شامل ہو وہ کبھی شکست نہیں کھا سکتی۔''

پھر بھی حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کے ہاتھ انہوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ایک خط بھیجا جس میں لکھا کہ وہ ان لوگوں کو اپنے لشکر میں شامل ہونے پر آمادہ کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد ثابت قدمی سے اسلام پر قائم رہے اور فتنۂ ارتداد کے استیصال میں حصہ لیا۔ یہ خط موصول ہونے پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے راستے میں قبائلِ مضر و ربیعہ کے آٹھ ہزار مجاہدین اپنے لشکر میں شامل کر لیے اور یوں دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ عراق کی سرحد پر پہنچ گئے جہاں حضرت مُثنّیٰ بن حارثہ آٹھ ہزار مجاہدین کے ساتھ کمک کا انتظار کر رہے تھے۔ اس طرح اسلامی لشکر کی کل تعداد مل ملا کر اٹھارہ ہزار ہو گئی اور اس سارے لشکر کی قیادت حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے سنبھال لی۔ زیریں عراق پر یلغار کرنے سے پہلے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے وہاں کے ایرانی گورنر ہرمز کو خط لکھا کہ یا تو اسلام قبول کر لو اور ہمارے بھائی بن جاؤ یا جزیہ دو اور ہماری پناہ میں آ جاؤ' اگر ان میں سے کوئی بات بھی منظور نہیں تو پھر تم خود ذمہ دار ہو۔ میں ایک ایسی قوم اپنے ساتھ لایا ہوں جس کو موت اتنی ہی پیاری ہے جتنی تم کو زندگی۔

ہرمز حسب و نسب اور شاہی دربار میں اثر و رسوخ کے اعتبار سے بہت سے امرائے ایران سے بڑھ کر تھا۔ صرف اس کی ٹوپی کی قیمت ایک لاکھ درہم تھی جو اس سے کم درجے کا کوئی امیر ہرگز نہ پہن سکتا تھا۔ وہ اپنے علاقے کے عربوں پر طرح

Marfat.com

طرح کے ظلم ڈھاتا رہتا تھا اس لیے عرب اس سے سخت نفرت کرتے تھے یہاں تک کہ جب انہیں کسی شخص کی خباثت کا ذکر کرنا ہوتا تو اس طرح کہا کرتے تھے۔

''فلاں شخص تو ہرمز سے بھی زیادہ خبیث اور بدطینت ہے۔''

ہرمز کو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا خط ملا تو اس نے اس کا جواب خندۂ استہزا سے دیا اور تمام حالات کسریٰ کو لکھ کر بھیجے وہاں سے حکم موصول ہوا کہ حملہ آوروں کو کسی صورت میں آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔ یہ حکم ملتے ہی وہ ایک جرّار لشکر لے کر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے روانہ ہوا۔ شہر کاظمہ کے قریب حفیر کے مقام پر دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہرمز نے آگے بڑھ کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو دعوتِ مبارزت دی۔ ہرمز فی الواقع ایک مکار اور بدفطرت شخص تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو دعوتِ مبارزت دینے سے اس کی غرض یہ تھی کہ جب وہ اپنی صفوں سے باہر نکلیں تو انہیں نرغے میں لے کر شہید کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے اس نے چند سواروں کو اس کام پر مامور کر دیا تھا کہ جونہی وہ خالد کو تنہا دیکھیں' اس پر جھپٹ پڑیں اور اس کا کام تمام کر دیں۔ چنانچہ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ ہرمز کے مقابلے کے لیے آگے بڑھے تو یہ ایرانی سوار بھی ان پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ بڑے غور سے دشمن کی حرکات و سکنات کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے ایرانی سواروں کو کمین گاہ سے نکلتے دیکھا تو ہرمز کی چال کو سمجھ گئے۔ فوراً اپنے دستے کے ساتھ اُدھر کا رُخ کیا اور انہیں تلواروں کی باڑ پر رکھ لیا۔ ادھر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ہرمز کا کمر بند پکڑ کر اسے زمین پر گرا دیا اور پھر اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ ہرمز کے قتل سے ایرانیوں میں سخت اشتعال پیدا ہوا اور انہوں نے بڑے زور شور سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ ان کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ بہت سے دستوں نے اپنے آپ کو ایک دوسرے کے ساتھ آہنی زنجیروں سے جکڑ رکھا تھا

Marfat.com

تا کہ کوئی شخص میدانِ جنگ سے بھاگ نہ سکے۔

ایرانیوں کا حملہ اتنا تند و تیز تھا کہ اگر حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور قعقاع رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کو سنبھال نہ لیتے تو شاید ان کی صفیں ٹوٹ جاتیں۔ اب مسلمانوں نے سنبھل کر ایک شدید جوابی حملہ کیا کہ دشمن کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے اور دو بدو دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ زنجیر بستہ ایرانی دستوں نے بڑی پامردی دکھائی اور مسلمانوں کے آگے آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کا جوشِ ایمان ان کو کب خاطر میں لاتا وہ ان پر قہرِ خدا بن کر ٹوٹ پڑے اور آناً فاناً ان کے پرخچے اڑا کر رکھ دیے۔ اس کے ساتھ ہی ایرانیوں پر ہزیمت کے آثار نمودار ہونے لگے یہاں تک کہ ان کا میمنہ اور میسرہ (دایاں اور بایاں بازو) بالکل برباد ہو گیا۔ باقی لشکر بدحواسی کے عالم میں بھاگ کھڑا ہوا۔

اس لڑائی میں بے شمار مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ ایرانیوں نے جن زنجیروں سے اپنے آپ کو جکڑ رکھا تھا وہ میدانِ جنگ سے جمع کی گئیں تو ان کا وزن تقریباً ساڑھے سات من نکلا۔ ان زنجیروں کی نسبت سے اس لڑائی کو "ذات السلاسل" بھی کہا جاتا ہے۔

(۳)

جنگِ حفیر (ذات السلاسل) کے بعد مذار، ولجہ (کسکر)، اُلیس اور امغیشیا کے معرکے پیش آئے۔ ان معرکوں میں ایرانیوں نے جان توڑ کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ، حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ، حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے جانبازوں کی مدد سے ہر معرکے میں دشمن کو عبرتناک شکست دی اور آگے بڑھ کر حیرہ کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ حیرہ زیادہ عرصے تک محصوری کی سختیاں نہ سہہ سکے اور ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ خراج پر مسلمانوں

Marfat.com

سے صلح کر لی۔ اس صلح کے بعد حیرہ کے نواحی علاقوں کے باشندوں نے بھی مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ حیرہ اور اس کے ملحقات کی تسخیر کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حیرہ کو مسلمانوں کا فوجی مستقر اور مفتوحہ علاقے کا دارالحکومت بنایا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ، ضرار بن الازور رضی اللہ عنہ، مثنٰی بن حارثہ رضی اللہ عنہ، بسرؓ بن ابی رہم، ضرارؓ بن خطاب اور عیتبہؓ بن نہاس کو سرحدوں کی حفاظت پر مقرر کیا اور انہیں حکم دیا کہ دشمن پر برابر یورش کرتے رہو اور اسے چین نہ لینے دو۔ چنانچہ ان اصحاب نے اپنی سرحد سے آگے دجلہ کے کنارے تک سارا علاقہ دشمن سے چھین لیا۔ چند دن بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ ایرانی انبار اور عین التمر میں جمع ہو کر لڑائی کی تیاری کر رہے ہیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کو حیرہ کی حفاظت کے لیے چھوڑا اور خود آگے بڑھ کر پہلے انبار کو مسخّر کیا اور پھر عین التمر میں جمع ایرانیوں کو جا گھیرا۔ انہوں نے بھی جلد ہی ہتھیار پھینک دیے اور اطاعت قبول کر لی۔ عین التمر کی فتح کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے روانہ ہوئے جنہوں نے اس وقت شام کے شہر دومتہ الجندل کا محاصرہ کر رکھا تھا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے مدد مانگ بھیجی تھی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بسُرعتِ تمام دومتہ الجندل پہنچے اور چند دن کے اندر شہر کو مسخّر کر لیا۔ ادھر ایرانیوں کو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے عراق چھوڑنے کا علم ہوا تو ان کی باسی کڑھی میں پھر ابال آیا اور دو ایرانی سرداروں زرمہر اور روزبہ نے فوجیں جمع کر کے حصید اور خنافس پر چڑھائی کر دی۔ حضرت زِبرقان بن بدر رضی اللہ عنہ حاکم انبار کو ان کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ سے (جو حیرہ میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی نیابت کر رہے تھے) امداد کی درخواست کی۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے اعبد بن فدکی السّعدی کو حصید کی طرف اور عروہ بن جعد البارقی کو خنافس کی طرف روانہ کیا کہ ایرانیوں کو آگے بڑھنے

Marfat.com

سے روک دیں۔ یہ دونوں سردار ریف کے مقام پر ٹھہرے جہاں زرمہر اور روزبہ بنو ربیعہ کا انتظار کر رہے تھے جو ان سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کا عہد و پیمان کر چکے تھے' اسی اثناء میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ' حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر واپس حیرہ پہنچ گئے یہاں انہیں امرؤ القیس کلبی کا خط ملا کہ ہذیل بن عمران نے مصیخ میں اور ربیعہ بن بشر نے ثنی اور البشر میں زرمہر اور روزبہ کی مدد کے لیے فوجیں جمع کی ہیں اور وہ جلد ہی امدادی فوجوں کے ساتھ ان کے پاس پہنچ رہے ہیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے یہ خط ملتے ہی حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ اور ابو لیلیٰ رضی اللہ عنہ کو روزبہ اور زرمہر کے مقابلے کے لیے روانہ کیا اور پھر حیرہ میں حضرت عیاض رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر خود بھی ان کے پیچھے روانہ ہوئے۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ اور ابو لیلیٰ رضی اللہ عنہ عین التمر پہنچے تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ بھی ان سے آملے۔ وہاں سے انہوں نے حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر حصید کی جانب اور ابو لیلیٰ رضی اللہ عنہ کو خنافس کی طرف روانہ کیا۔ اس وقت روزبہ حصید میں تھا اور زرمہر خنافس میں۔ روزبہ کو حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو اس نے زرمہر سے امداد طلب کی۔ زرمہر نے خنافس میں مہبوذان کو اپنا نائب مقرر کیا اور خود اپنے لشکر کے ساتھ روزبہ کی مدد کے لیے حصید پہنچ گیا۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ حصید پہنچے تو روزبہ اور زرمہر کے متحدہ لشکر نے ان کا زبردست مقابلہ کیا لیکن حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمانوں نے ایرانیوں پر تابڑ توڑ ایسی ضربیں لگائیں کہ ان کی ہمت جواب دے گئی۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ دشمن کی صفیں الٹتے زرمہر تک پہنچ گئے اور اپنی تلوار کے ایک وار سے اسے ڈھیر کر دیا۔ دوسری طرف ایک مجاہد عصمہ بن عبداللہ الضبی رضی اللہ عنہ نے روزبہ کو قتل کر دیا۔ ان دونوں سرداروں کے قتل کے ساتھ ہی ایرانی بھاگ نکلے اور خنافس میں جا کر پناہ لی۔ حضرت ابو لیلیٰ رضی اللہ عنہ خنافس پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ مہبوذان اپنے لشکر سمیت مصیخ چلا

Marfat.com

گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے کسی مزاحمت کے بغیر خنافس پر قبضہ کر لیا۔ اب حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ، ابو لیلیٰ رضی اللہ عنہ، اعبد رضی اللہ عنہ اور عروہ رضی اللہ عنہ کو مُصَیَّخ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا اور خود بھی ادھر کا رُخ کیا۔ یہ پہلے ہی سے طے کر لیا گیا تھا کہ تمام فوج اور قائدین کو کس رات اور کس وقت مُصَیَّخ کے قریب ایک خاص مقام پر جمع ہونا ہے۔ چنانچہ سب مجاہدین معیّنہ وقت پر مقررہ جگہ پر پہنچ گئے اور سارے متحدہ لشکر نے مُصَیَّخ میں مقیم ایرانی جنگ آزماؤں اور ان کے عرب حلیفوں پر شب خون مار کر سب کو تہس نہس کر دیا۔ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بنو تغلب کی طرف توجہ کی جو عرب ہونے کے باوجود کئی بار ایرانیوں سے مل کر مسلمانوں کی پشت میں خنجر گھونپنے کی کوشش کر چکے تھے۔ انہوں نے حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ اور ابو لیلیٰ رضی اللہ عنہ کو بنو تغلب کی بستیوں ثنی و بشر پر یلغار کرنے کا حکم دیا جہاں ربیعہ بن بجیر تغلبی اپنی فوج کے ساتھ موجود تھا۔ قعقاع رضی اللہ عنہ اور ابو لیلیٰ رضی اللہ عنہ کے پیچھے حضرت خالد رضی اللہ عنہ بھی روانہ ہو گئے۔ اس حملے میں بھی وہی طریق کار اختیار کیا گیا جو مُصَیَّخ پر حملے کے وقت اختیار کیا گیا تھا۔ اس طرح ثنی کا کوئی مرد بھی بچ کر نہ نکل سکا اور عورتیں گرفتار کر لی گئیں۔ اس کے بعد البشر کی باری آئی وہاں بھی تغلبیوں کا ایک جتھا موجود تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اسے صاف کرتے ہوئے رضاب کی طرف بڑھے، وہاں کے حاکم ہلال بن عقہ کو مقابلے کی ہمت نہ پڑی اور وہ شہر سے بھاگ گیا۔ اس طرح مسلمانوں نے کسی مزاحمت کے بغیر رضاب پر بھی قبضہ کر لیا۔

رضاب کی تسخیر کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ، قعقاع رضی اللہ عنہ، مُثنّیٰ رضی اللہ عنہما، ابو لیلیٰ رضی اللہ عنہ اور دوسرے جانبازوں کے ساتھ فراض کی طرف بڑھے۔ یہ جنگی نقطۂ نگاہ سے بڑا اہم مقام تھا کیونکہ یہاں شام، عراق اور الجزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں۔ اسلامی فوجیں فراض میں اکٹھی ہوئیں تو ان کے مقابلے میں ایرانی، رومی اور تغلب، ایاد و نمر کے

Marfat.com

عربی النسل قبائل سب مُتّحِد ہو گئے اور دریائے فرات کو عبور کر کے بڑے زور شور سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ مسلمانوں نے نہایت پامردی سے مقابلہ کیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ، حضرت قعقاع رضی اللہ عنہما، اور دوسرے سرداروں نے اپنے اپنے دستوں کے ساتھ دشمنوں کے متحدہ لشکر کو لوہے کے چنے چبوا دیے اور وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے للکار کر کہا' مسلمانو: ان کو گھیر لو اور کسی کو بچ کر نہ جانے دو۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی للکار سے مسلمانوں کے حوصلے دوچند ہو گئے اور انہوں نے آناً فاناً دشمن کے لشکر کو گھیر کر فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ فتح کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فراض میں دس روز قیام کیا اور پھر اپنی فوج کے ساتھ حیرہ واپس آ گئے۔

(۴)

جس زمانے میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ عراقِ عرب میں ایرانیوں سے برسرِ پیکار تھے، شام کی رومی سلطنت سے بھی معرکہ آرائیوں کا آغاز ہو چکا تھا اور تین چار اسلامی لشکر شام کے مختلف مقامات کی طرف پیشقدمی کر رہے تھے۔ رومی قدم قدم پر مزاحم ہو رہے تھے اور مسلمانوں کو آگے بڑھنے میں مشکلات پیش آ رہی تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس صورتِ حال کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ وہ فوراً عراق سے شام جا کر اسلامی فوجوں سے مل جائیں۔ یہ حکم ملتے ہی حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت مُثنّٰی بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو عراقِ عرب کا انتظام سپرد کیا اور خود ایک مضبوط دستہ' فوج کے ساتھ شام روانہ ہو گئے۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ حدودِ شام میں داخل ہو کر انہیں سوٰی' تدمر' قصم اور مرج راہط وغیرہ کئی مقامات پر رومی جمگھٹوں کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے ہر معرکے میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے دوش بدوش دادِ شجاعت دی اور رومیوں کو شکستوں پر شکستیں دیتے بُصرٰی پہنچ گئے۔ بُصرٰی کا بطریق ایک ہی جھڑپ میں ہمت ہار بیٹھا

Marfat.com

اور جزیہ دینا منظور کر کے مسلمانوں سے صلح کر لی۔ بُصریٰ سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ قعقاع رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے اجنادین پہنچے جہاں ایک بہت بڑا رومی لشکر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے مقابل خیمہ زن تھا۔ دونوں فوجوں میں گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں رومیوں کو شکست فاش ہوئی۔ ان کے تین ہزار آدمی مارے گئے اور باقی نے بھاگ کر ایلیا' قیساریہ' حمص اور دمشق وغیرہ میں پناہ لی۔ اس کے بعد مسلمانوں نے آگے بڑھ کر دمشق کا محاصرہ کر لیا......

یہ محاصرہ دو مہینے دس روز اور ایک دوسری روایت کے مطابق چھ مہینے تک جاری رہا اس دوران میں اہل دمشق نے نہ اطاعت قبول کی اور نہ ان کو باہر نکل کر مقابلہ کی جرأت ہوئی البتہ وہ فصیل کے اوپر سے مسلمانوں پر تیر اور پتھر برساتے رہتے تھے۔ ایک روز شب کے وقت حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ دمشق کے بطریق کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے اور آج اس نے اہل شہر کو دعوت دی ہے۔ انہوں نے خوب شراب پی ہے اور شام ہی سے مدہوش پڑے ہیں۔ یہ اطلاع ملتے ہی حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنی خاص فوج کے ساتھ شہر پناہ کی طرف بڑھے۔ شہر پناہ سے نیچے پانی سے بھری ہوئی خندق تھی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور ان کے چند جانباز ساتھیوں نے اسے مشک کے ذریعے پار کیا۔ ان میں حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک اور مجاہد مذعور بن عدی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کمند کے ذریعے شہر پناہ پر چڑھا دیا۔ انہوں نے کمند کو کنگرے سے خوب مضبوط باندھ کر رسی کی سیڑھی نیچے لٹکا دی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ چند مجاہدین کے ساتھ فصیل پر چڑھ گئے اور پھر شہر کے اندر اتر کر پہرے داروں کو قتل کر کے دروازہ کھول دیا۔ ساتھ ہی انہوں نے تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ نعرۂ تکبیر سنتے ہی حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی فوج جو باہر منتظر کھڑی تھی شہر میں داخل ہو گئی۔ رومیوں نے کچھ دیر مقابلہ کیا لیکن پھر ہتھیار پھینک دیے۔ بابِ جابیہ پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ

Marfat.com

اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی۔ چونکہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ صلح منظور فرما چکے تھے اس لیے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بھی تلوار نیام میں کر لی۔

فتح دمشق کے بعد بعلبک' فحل' مرج الروم' حمص اور لاذقیہ کے معرکے پیش آئے۔ ان سب میں رومیوں نے بری طرح شکست کھائی۔ قیصرِ روم نے ان شکستوں کی خبر سنی تو اس کو سخت غیرت آئی اور اس نے تہیّہ کر لیا کہ سلطنت کا پورا زور صَرف کر کے عربوں کو شام سے نکال دے گا۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے اس نے انطاکیہ میں بہت بڑی فوج جمع کی جس میں بڑے بڑے آزمودہ کار سپاہی اور جرنیل شامل تھے۔ یہ فوجِ گراں انطاکیہ سے چلی تو مسلمانوں کو مناسب معلوم ہوا کہ شام کے جن جن شہروں پر ان کا قبضہ ہو چکا ہے وہاں سے فوجیں ہٹالی جائیں اور یہ ساری فوجیں ایک جگہ جمع ہو کر رومیوں کا مقابلہ کریں۔ عرب مؤرّخین نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے دمشق حمص وغیرہ شہروں سے نکلتے وقت وہاں کے باشندوں کو جزیہ کی رقمیں یہ کہہ کر لوٹا دیں کہ اب ہم تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے۔ مسلمان شام کے شہروں سے نکل کر یَرمُوک پہنچے اور وہاں پاؤں جما کر کھڑے ہو گئے۔ اسلامی لشکر کی تعداد تیس اور چالیس ہزار کے درمیان تھی اور رومی فوج اس سے کئی گُنا زیادہ یعنی دو لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ پہلے دونوں طرف سے قاصد آتے جاتے رہے۔ رومیوں نے چاہا کہ مسلمان روپیہ لے لیں اور واپس چلے جائیں لیکن مسلمان اس پر آمادہ نہ ہوئے اور جنگ ناگزیر ہو گئی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اسلامی فوج کو اس طرح مرتّب کیا کہ اس کے اڑتیس دستے بنا دیے اور مجاہدین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اسے اپنی کثرتِ تعداد پر بڑا گھمنڈ ہے' اس کے مقابلے میں یہی تدبیر مناسب ہے کہ ہم اپنی فوج کے بہت سے دستے بنا دیں تاکہ دشمن کو ہماری تعداد اصل سے بہت زیادہ نظر آئے۔ قلب میں اٹھارہ دستے تھے جن کی قیادت

Marfat.com

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ حضرت قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ انہی دستوں میں شامل تھے۔ میمنہ اور میسرہ کے دس دس دستوں کی قیادت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کر رہے تھے۔ ہر دستے کا علیحدہ سردار بھی تھا جو قلب' میمنہ اور میسرہ کے سرداروں سے احکام حاصل کرتا تھا۔ ان دستوں کے سردار وہ لوگ تھے جو شجاعت' جوانمردی اور بے خوفی میں اپنی نظیر آپ تھے مثلاً حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ' عکرمہؓ بن ابی جہل' ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ' ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ' عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ' شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن خالد رضی اللہ عنہما۔

ان انتظامات سے فارغ ہونے کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھنے اور دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ دونوں اپنے اپنے دستوں کے ساتھ رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے آگے بڑھے اور رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ اس کے ساتھ ہی گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی جو کئی دن تک پوری شدت سے جاری رہی۔ رومی اس جنگ میں شروع سے اخیر تک بڑی بے جگری سے لڑے۔ مسلمانوں نے کئی بار جی توڑ کر حملے کیے لیکن رومیوں نے انہیں پیچھے ہٹا دیا۔ ایک بار تو رومیوں نے مسلمانوں کے میمنہ کو اس قدر دبایا کہ وہ فوج سے الگ ہو کر نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا' یہاں تک کہ عورتوں تک پہنچ گیا۔ عورتوں کو یہ حالت دیکھ کر سخت غصہ آیا۔ انہوں نے خیموں کی چوبیں اکھاڑ لیں اور پکاریں کہ مردو! ادھر آئے تو ہم چوبوں سے تمہارا سر توڑ دیں گے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ کچھ خواتین نے جنگ میں باقاعدہ حصہ لیا اور بہت سے رومیوں کو جہنم واصل کیا۔ عورتوں کا جوشِ ایمان دیکھ کر پیچھے ہٹنے والے مجاہدین نے ایک پُرزور حملہ کر کے رومیوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ جنگ کے آخری دن رومیوں نے بار بار خوفناک حملے کیے لیکن مسلمان بڑے ثابت قدم نکلے انہوں نے تلواروں کے نیام توڑ کر پھینک دیے'

Marfat.com

تلواریں سونت لیں' نیزے سیدھے کر لیے اور کفن بردوش دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ دشمن کے قدم لڑکھڑا گئے۔ رہی سہی کسر اسلامی فوج کے اُس دستے نے پوری کر دی جو بجلی کی سی تیزی کے ساتھ رومیوں پر پیچھے سے آ کر گرا۔ اِس جنگی چال نے دشمن کو حواس باختہ کر دیا۔ رومی فوج میں سے نصف تو میدان میں کام آئی اور جو لوگ زندہ بچ گئے وہ بھاگ نکلے۔

جنگِ یرموک کا شمار شام کی فیصلہ کُن لڑائیوں میں ہوتا ہے۔ اس کے بعد قیصرِ روم کبھی اتنا بڑا لشکر جمع نہ کر سکا۔ وہ انطاکیہ میں تھا کہ شکست کی خبر پہنچی۔ اس وقت اس کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آ گئے:

''الوداع اے شام''

اور پھر اس نے فی الواقع سرزمینِ شام کو الوداع کہہ کر قسطنطنیہ کی راہ لی۔

فتحِ یرموک کے موقع پر کئی عرب شعراء نے طبع آزمائی کی۔ اس سلسلے میں یاقوت حموی نے ''معجم البلدان'' میں حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:۔

الم ترنا علی الیرموك فزنا   کما فزنا بایّام العراق

قتلنا الروم حتیٰ ماتساوی   علی الیرموك مفروق الوراق

فضضنا جمعهم لما استحالو   علی الواقوصة البترا لرقاق

غداة تهافتوا فیها فصاروا   الی امر تعضل بالذواق

(کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم جنگِ یرموک میں بھی اس طرح فتحیاب ہوئے جس طرح ہم عراق میں کامیاب ہوئے تھے۔ ہم نے رومیوں کو بے دریغ قتل کیا اور ان کی جمعیّت کو واقوصہ میں پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ ان کی تلواریں ان کے کسی کام نہ آ سکیں۔ وہ واقوصہ کی گھاٹی سے گر

Marfat.com

کر ختم ہو گئے ان کا انجام بہت عبرتناک ہوا۔ شکست اور نامرادی کے جو تلخ گھونٹ انہوں نے پیے' ان کا پینا ہر کس و ناکس کے بس میں نہیں)

جنگِ یرموک کے بعد مسلمان شام کے باقیماندہ مقامات کی تسخیر کے لیے مختلف اطراف میں پھیل گئے۔

(۵)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے عراق سے آنے کے بعد ایران میں انقلاب برپا ہو گیا۔ ایرانیوں نے اپنے اندرونی جھگڑے فراموش کر دیے اور مسلمانوں کو عراقِ عرب سے نکالنے کے لیے متحد ہو کر زبردست جنگی تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔ حضرت مثنّیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے نہایت پامردی سے ایرانی یلغار کا مقابلہ کیا لیکن ایرانیوں کی عسکری قوت مسلمانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی اس لیے خدشہ تھا کہ کہیں مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ حضرت مُثنّیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک خط لکھ کر حضرت ابوبکر صِدّیق رضی اللہ عنہ کو اس صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ جب جواب آنے میں تاخیر ہوئی تو وہ خود بارگاہِ خلافت میں مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکر صِدّیق رضی اللہ عنہ اس وقت شدید بیمار تھے اور زندگی کی آخری منزل طے کر رہے تھے۔ انہوں نے اسی حالت میں مثنّیٰ رضی اللہ عنہ سے عراق کے حالات سنے اور پھر حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ کو جنھیں وہ اپنا جانشین نامزد کر چکے تھے' بلا کر تاکیدی وصیّت کی کہ مثنّیٰ کے لیے جس قدر جلد جمع ہو سکے امدادی فوج جمع کرو' اگر میں آج مر جاؤں تو فوج جمع کرنے میں شام تک تاخیر نہ ہونے پائے اور اگر میں رات تک زندہ رہوں تو صبح کا انتظار نہ کیجیو' میری موت کا غم تمہیں اس کام سے ہرگز غافل نہ کرنے پائے۔

اس وصیّت کے بعد حضرت ابوبکر صِدّیق رضی اللہ عنہ نے پیکِ اجل کو لبّیک کہا (۱۳ھ) اور حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ انہوں نے سب سے پہلے یہ

Marfat.com

کام کیا کہ چند دن میں ایک ہزار مجاہدین فراہم کر کے انہیں ابوعبید ثقفی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں حضرت مُثنّیٰ رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے عراق روانہ کر دیا۔ راستے میں مختلف عرب قبائل کے اور کئی ہزار جوان اُن کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ اس طرح جب وہ خفان میں حضرت مُثنّیٰ رضی اللہ عنہ سے ملے تو اُن کا لشکر جوشِ ایمان سے سرشار ہزارہا مجاہدین پر مشتمل تھا۔ حضرت ابوعبیدؒ نے نمارق، کسکر اور باقیشیا کے مقامات پر ایرانیوں کو شکستیں دے کر فرات کے پار بھگا دیا۔ ایرانی سپہ سالار رستم ان شکستوں کی خبر سن کر سخت برہم ہوا اور اس نے ایک جرّار لشکر بہمن جادویہ کی سرکردگی میں مسلمانوں کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ یہ لشکر قسِ ناطف کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ اسلامی لشکر فرات کی پرلی جانب مروحہ میں مقیم تھا۔ بہمن جادویہ نے ابوعبیدؒ کو پیغام بھیجا کہ تم دریا کے پار اتر کر آؤ گے یا ہم آئیں۔ حضرت ابوعبیدؒ جوشِ شجاعت میں اپنی فوج کے ہمراہ دریا کے پار اتر گئے۔ بدقسمتی سے دریا اور ایرانی لشکر کے درمیان میدان بہت تنگ تھا اس لیے مسلمان اپنی صف بندی مناسب طریقے سے نہ کر سکے پھر بھی وہ جان توڑ کر لڑے لیکن ایرانیوں کے جنگی ہاتھیوں نے قیامت ڈھا دی۔ حضرت ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بھائی حکم بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے ان کے علاوہ چھ ہزار دوسرے مجاہدین نے بھی جامِ شہادت نوش کیا باقی فوج کو حضرت مُثنّیٰ رضی اللہ عنہ بڑی مشکل سے بچا کر دریا کی دوسری طرف لے گئے۔ یہ لڑائی "معرکۂ جسر" کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ کو سانحۂ جسر کی اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ کو ایک مضبوط فوج دے کر حضرت مُثنّیٰ رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ وہ بویب کے مقام پر حضرت مُثنّیٰ رضی اللہ عنہ سے جا ملے۔ دربارِ ایران نے اب مہران بن مہرویہ ہمدانی کو ایک زبردست لشکر دے کر مسلمانوں سے نبرد آزما

Marfat.com

ہونے کے لیے بھیجا۔ بویب کے قریب دونوں فوجوں میں خونریز جنگ ہوئی۔ دونوں طرف کے سپاہی جان توڑ کر لڑے لیکن بالآخر مسلمانوں نے ایرانیوں کو عبرتناک شکست دی۔ ایک لاکھ ایرانی میدانِ جنگ میں کھیت رہے جن میں ان کا سپہ سالار مہران بھی تھا۔ بویب کا معرکہ فی الحقیقت معرکہٗ جسر کا بھرپور جواب تھا۔ اس شکست سے سارے ایران میں کہرام مچ گیا۔ ایرانی امراء نے ملکہ پوران دخت کو تخت سے اتار کر ایک نوجوان شہزادے یزدجرد (یزدگرد) کو شہنشاہ بنایا اور تمام ایرانی عوام مُتّحِد ہو کر مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ جن علاقوں پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا وہاں بھی بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے اور مسلمان ہر طرف سے خطرات میں گھر گئے۔ حضرت مُثَنّٰی رضی اللہ عنہ نے تمام حالات دربارِ خلافت کو لکھ بھیجے وہاں سے حکم موصول ہوا کہ اپنی فوجوں کو سمیٹ کر سرحد عرب کی طرف ہٹ آؤ اور کمک کا انتظار کرو۔ حضرت مُثَنّٰی رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور اپنی فوجوں کو سمیٹ کر مقام ذوقار میں مقیم ہو گئے۔ ادھر حضرت عُمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ نے تمام عرب میں جہاد کی منادی کرادی۔ سارے عرب نے دعوتِ جہاد پر لبیک کہا اور چاروں طرف سے مدینہ مُنَوَّرہ میں مجاہدین کا تانتا بندھ گیا۔ امیر المؤمنین نے حضرت سَعد بن اَبی وقاص رضی اللہ عنہ کو عراقِ عرب کی مہم کا قائد بنایا اور مناسب ہدایات دے کر ایک مضبوط فوج کے ساتھ انہیں مدینہ مُنَوَّرہ سے رخصت کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ سے چل کر پہلے ثعلبہ اور پھر شراف میں پڑاؤ ڈالا۔ اس اثناء میں حضرت مُثَنّٰی رضی اللہ عنہ نے جسر کی لڑائی میں جو زخم کھائے تھے ان کے ٹانکے کھل گئے اور انہوں نے ذوقار ہی میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔ ان کے بھائی مُعَنّٰی آٹھ ہزار مجاہدین کو ساتھ لے کر شراف آ گئے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گئے اب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ کے سرسبز میدان میں پڑاؤ ڈال دیا۔ وہاں سے انہوں نے حضرت عُمرؓ

Marfat.com

فاروق رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق یزدجرد کے پاس سفیر بھیجے کہ جزیہ دو یا اسلام قبول کرو۔ یزدجرد یہ پیغام سن کر سخت غضبناک ہوا۔ اس نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے سفیروں کو بڑی حقارت کے ساتھ دربار سے نکلوا دیا اور اپنے ایک نامی جرنیل رُستم کو ایک لاکھ اسّی ہزار سپاہیوں اور تین سَو جنگی ہاتھیوں کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے پر روانہ کر دیا۔

(۶)

رُستم بڑی سست رفتاری سے چلتا ہوا قادسیہ کے سامنے پہنچا اور دریائے فرات کی دُوسری جانب عتیق کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ پہلے چند دن سفیروں کے ذریعے رستم اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے درمیان گفتگوئے مصالحت ہوتی رہی لیکن یہ گفتگو ناکام ہو گئی اور رستم بڑے جوش وخروش اور جاہ وجلال کے ساتھ مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے دریائے فرات کے پار اترا۔ اس کے لیے قلبِ لشکر میں ایک جواہر نگار طلائی تخت بچھایا گیا تھا جس پر سنہری چتر سایہ کیے ہوئے تھا۔ ساری کی ساری فوج لوہے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کے آگے آگے سدھائے ہوئے خوفناک جنگی ہاتھی تھے جن کے قدموں کی دھمک سے زمین کانپ رہی تھی۔ رستم نے نہایت ترتیب سے اپنی صفیں آراستہ کیں اور مناسب جگہوں پر ہاتھیوں کے پرّے جمائے' ساتھ ہی اس نے مدائن تک ڈاک کے ہرکارے بٹھا دیے تاکہ وہاں سے تازہ دم فوجوں کی کمک آتی رہے۔ اس پُرجوش لشکر کے مقابلے میں اسلامی فوج کی تعداد تیس ہزار سے کچھ اوپر تھی لیکن دینِ حق کے جانباز سپاہی دشمن کی کثرتِ تعداد اور ساز وسامان کو کب خاطر میں لاتے تھے۔ وہ سروں سے کفن باندھ کر اپنے سے کئی گُنا لشکر کے مقابلے پر صف آرا ہو گئے اور قادِسیہّ کی خوفناک جنگ کا آغاز ہو گیا۔ لڑائی شروع ہونے سے چند دن پہلے حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا تھا کہ سعد کی مدد کے

Marfat.com

لیے فی الفور شام سے کمک بھیجو۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہ حکم ملتے ہی حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کو چھ ہزار سوار دے کر عراق عرب کی جانب روانہ کر دیا۔ حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ نے حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کو مقدمتہ الجیش کا افسر بنایا اور ایک ہزار سوار ان کی ماتحتی میں دے کر آگے روانہ کیا۔ ان کے پیچھے وہ خود بھی بسرعت تمام عراق عرب کے میدان جہاد کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ ابھی راستے ہی میں تھے کہ قادسیہ میں مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان لڑائی کا آغاز ہو گیا۔ جب وہ میدان جنگ کے قریب پہنچے تو لڑائی کا ایک دن گزر چکا تھا اور دوسرے دن علی الصباح دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہو رہی تھیں۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک ہزار سپاہیوں کے دس دستے بنائے اور انہیں حکم دیا کہ جب تک ایک دستہ نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے دوسرا دستہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔ وہ خود پہلے دستے کے ساتھ روانہ ہوئے۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے وہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے اور انہیں کمک پہنچ جانے کی خوشخبری سنائی۔ پھر ان سے اجازت لے کر میدانِ جنگ میں پہنچے اور صفیں آراستہ کر کے لوگوں سے کہا' جو میں کروں وہی تم کرنا۔ اس کے بعد میدان میں نکل کر للکارے' کون مقابلے پر آتا ہے؟ ادھر سے ایرانیوں کا نامی امیر ذوالحاجب بہمن جادویہ (جس کے ہاتھوں مسلمانوں کو معرکہ جسر میں ہزیمت اٹھانی پڑی تھی) باہر نکلا اور پکار کر کہا: ''میں ہوں بہمن جادویہ'' حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے بھی بآوازِ بلند کہا' آؤ میں تم سے ابو عبید اور دوسرے شہدائے جسر کا بدلہ لوں گا۔ پھر دونوں تلواریں سونت کر ایک دوسرے پر پل پڑے۔ تھوڑی ہی دیر میں حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے اپنے حریف کو خاک و خون میں لوٹا دیا۔ اس کے بعد ایک اور ایرانی سردار بزرجمہر ہمدانی ان کے مقابل ہوا۔ حضرت قعقاعؓ نے اسے بھی اپنی تلوار کے ایک ہی وار سے ڈھیر کر دیا۔ کچھ اور ایرانی سردار بھی

Marfat.com

مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اور پھر عام جنگ شروع ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کے دستے میدانِ رزم میں ایک ایک کر کے پہنچنے شروع ہو گئے اس طرح تمام دن فوجوں کا تانتا بندھا رہا اور ایرانیوں پر رعب چھاتا گیا۔ ہر دستہ اللہ اکبر کے نعرے لگاتا ہوا آتا تھا اور حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ اس کے ساتھ ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوتے تھے۔ جنگ کے پہلے دن ایرانیوں کے جنگی ہاتھی بڑی تباہی مچا چکے تھے۔ آج ہاتھیوں کی تعداد اگرچہ کم تھی تاہم وہ مسلمانوں کے لیے مصیبت کا باعث بنے ہوئے تھے۔ اس مصیبت کے تدارک کے لیے حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے اونٹوں پر بڑی بڑی جھولیں اور برقعے ڈال کر انہیں بھی ہاتھیوں کی طرح مہیب بنا دیا۔ ایرانیوں کے گھوڑے انہیں دیکھ کر بدکتے اور مسلمان ان کے سواروں کو اپنے نیزوں پر رکھ لیتے تھے۔

جس وقت لڑائی پورے شباب پر تھی' امیر المؤمنین حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے بھیجے ہوئے چند قاصد حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ ان اصحاب کے ساتھ نہایت گراں قیمت تلواریں اور عربی گھوڑے تھے انہوں نے مجاہدین کے سامنے پکار کر کہا کہ امیر المومنین نے یہ تحفے ان لوگوں کے لیے بھیجے ہیں جو ان کا حق ادا کر سکیں۔ چنانچہ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے طلیحہ بن خویلد' عاصم بن عمرو' عمرو بن معدی کرب' ربیل اور جمال بن مالک کو یہ تلواریں دیں اور قبیلہ یربوع کے چار بہادروں کو گھوڑے عنایت کیے۔ ان مجاہدوں نے جنگِ قادسیہ میں جو غیر معمولی شجاعانہ کارنامے انجام دیے ان کی بنا پر وہ بجا طور پر اس انعام کے مستحق تھے۔

شام تک میدانِ رزم گرم رہا۔ جب رات کا اندھیرا گہرا ہو گیا تو دونوں فوجیں اپنی اپنی قیام گاہوں کو لوٹیں۔ اس دن دس ہزار ایرانی مارے گئے اور دو ہزار مسلمان

Marfat.com

شہید ہوئے۔ مؤرخین نے جنگ قادسیہ کے اس دوسرے دن کو ''یوم الاغواث'' کا نام دیا ہے۔

(۷)

اگلے دن لڑائی شروع ہونے سے پہلے حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے یہ تدبیر کی کہ اپنے ساتھ شام سے آنے والے سپاہیوں کو جنگل میں اس مقام پر بھیج دیا جہاں وہ ''یوم الاغواث'' کی صبح کو آ کر ٹھہرے تھے۔ ان لوگوں کو قعقاع رضی اللہ عنہ کا حکم تھا کہ جب دونوں فوجیں ایک دوسرے سے گتھ جائیں تو وہ کل کی طرح ایک ایک سَو کے دستوں میں بٹ کر تکبیر کے نعرے مارتے دوبارہ آئیں اور اگر اس دوران میں ہاشم بن عتبہ بھی پہنچ جائیں تو ان کی فوج کو بھی اسی تدبیر پر عمل کرنے کا مشورہ دیں۔

لڑائی شروع ہوئی تو حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کے دستے وقفے وقفے کے ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کرتے میدان میں داخل ہونے شروع ہوئے۔ پہلا دستہ پہنچا تو تمام فوج نے اس کے ساتھ مل کر اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور غل پڑ گیا کہ امدادی فوجیں آ پہنچیں حسنِ اتفاق سے حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ بھی امدادی فوج کے ساتھ پہنچ گئے۔ انہوں نے بھی حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کے مشورے کے مطابق اپنی فوج کے کئی دستے بنا دیے جو یکے بعد دیگرے میدان میں داخل ہوتے رہے۔ آخری دستے میں سات سو جانباز تھے جن کی قیادت خود ہاشم رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ وہ تیر برساتے ہوئے دشمن کے عقب میں گھستے چلے گئے یہاں تک کہ دریا تک پہنچے وہاں سے پلٹے اور پھر جھپٹے لیکن کسی کو انہیں روکنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس امدادی فوج کے آنے سے ایرانیوں پر کوئی خاص اثر نہ پڑا کیونکہ انہیں مدائن سے برابر تازہ دم کمک پہنچ رہی تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ آج لڑائی کا فیصلہ ہو کر رہے گا۔ لیکن پہلے دن کی طرح آج بھی ایرانیوں کے جنگی ہاتھی بڑی تباہی مچا رہے تھے۔ جس طرف

Marfat.com

رُخ کرتے، صفیں ابتر ہو جاتی تھیں۔ اس طرح مسلمانوں کو فیصلہ کُن ضرب لگانے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کچھ نَو مسلم ایرانیوں کو بلا کر پوچھا کہ ان ہاتھیوں سے کیسے نبٹا جائے؟ انہوں نے کہا کہ ان کی آنکھیں اور سونڈ بے کار ہو جائیں تو بھاگ کھڑے ہوں گے۔ تمام غول میں دو ہاتھی نہایت مہیب اور کوہ پیکر تھے ایک سفید اور ایک چِتکبَرا۔ یہ دونوں سب سے بڑھ کر آفت ڈھا رہے تھے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ اور حضرت عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ تم سفید ہاتھی کی آنکھیں اور سونڈ بے کار کر دو۔ ایسا ہی پیغام انہوں نے چتکبرے ہاتھی کے بارے میں بنو اسد کے جانبازوں حمال اور ربیل کو بھیجا۔ قعقاع رضی اللہ عنہ نے پہلے کچھ سوار اور پیادے بھیجے کہ ان ہاتھیوں کے گرد گھیرا ڈال دیں۔ پھر خود برچھا ہاتھ میں لے کر سفید ہاتھی کی طرف بڑھے۔ عاصم رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے دونوں نے ایک ساتھ اپنے نیزے سفید ہاتھی کی آنکھوں میں گھونپ دیئے۔ ہاتھی نے درد کے مارے چنگھاڑ ماری اور فیل بان کو نیچے گرا کر سونڈ پھرانے لگا۔ قعقاع رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر سونڈ پر تلوار کا ایسا بھرپور وار کیا کہ مستک سے الگ ہو گئی۔ دوسری طرف چتکبرے ہاتھی کا بھی حمال اور ربیل کے ہاتھوں یہی حشر ہوا۔ دونوں ہاتھی درد کی شدت سے چنگھاڑیں مارتے پیچھے کی طرف بھاگے تو دوسرے ہاتھی بھی ان کے پیچھے ہو لیے۔ اس طرح مسلمانوں کو ہاتھیوں کی مصیبت سے نجات مل گئی۔ اب دونوں طرف کے بہادروں کو زور آزمائی کا موقع ملا۔ اس زور کا رَن پڑا کہ نعروں کے شور سے زمین دہل دہل جاتی تھی۔ شام ہوئی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو از سرِ نَو مرتّب کیا اور حکم دیا کہ جب میں تیسری بار تکبیر کہوں اسی وقت حملہ کرنا پہلی دو تکبیروں پر ہرگز جنبش نہ کرنا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ حکم دیا ہی تھا کہ ایرانیوں نے مسلمانوں پر بے تحاشا تیر

Marfat.com

برسانے شروع کر دیے۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا اور اپنی رکاب کی فوج لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ فوجی نقطۂ نگاہ سے حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کا اس طرح حملہ کرنا ضابطہ کے خلاف تھا لیکن لڑائی کا انداز اور حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کا جوشِ ایمان دیکھ کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے منہ سے بے اختیار نکلا:

"یا اللہ قعقاع کو معاف کر دے اور اس کی مدد فرما! ہر چند اس نے مجھ سے اجازت نہیں لی مگر اب اسے میری طرف سے اجازت ہے۔"

اس کے بعد وہ پہلی تکبیر ہی کہنے پائے تھے کہ قعقاع رضی اللہ عنہ کے دیکھا دیکھی بنو اسد' بنو نخع' بنو بجیلہ اور بنو کندہ بھی ایرانیوں پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ہر قبیلے کے حملے پر کہتے جاتے تھے "خدایا اس کو معاف کرنا اور اس کا مددگار رہنا۔" حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تیسری تکبیر پر باقی فوج بھی لڑائی کی آگ میں کود پڑی۔ آدھی رات تک خونریز جنگ ہوتی رہی اور میدان فریقین کے نعروں سے گونجتا رہا لیکن لڑائی نے کوئی فیصلہ کن صورت اختیار نہ کی۔ آخر حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے اپنے قبیلے کو للکارا کہ ایرانیوں کے قلبِ لشکر پر ایک جان توڑ حملہ کرو اور ان کے سپہ سالار کو گرفتار کر لو۔ بنو تمیم نے قعقاع رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر ان کے ساتھ ایرانیوں کے قلبِ لشکر کا رخ کیا اور مارتے کاٹتے آگے بڑھنے لگے۔ ان کو دیکھ کر عمرو بن معدی کرب اور قیس بن اشعث رضی اللہ عنہ نے جو اپنے اپنے قبیلہ کے سردار تھے' ساتھیوں کو للکارا کہ دیکھنا' قعقاع اور اس کے ساتھی خدا کی راہ میں تم سے آگے نہ نکلنے پائیں۔ دوسرے سرداروں نے بھی جو نامی دلاور بھی تھے اور سحر البیان خطیب بھی' اپنے اپنے قبیلوں کے سامنے کھڑے ہو کر ایسی پرتاثیر تقریریں کیں کہ تمام مجاہدین کے دلوں میں شوقِ شہادت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ ان کے گھوڑوں کے سامنے لوہے میں غرق ایرانی فوجیں دیوار کی طرح جمی کھڑی تھیں۔ اور کسی مسلمان سوار کو قلبِ لشکر کی طرف ایک قدم بھی نہ بڑھنے دیتی

Marfat.com

تھیں۔ مسلمان شہسوار اب گھوڑوں سے کود پڑے۔ تیروکمان پھینک کر تلواریں گھسیٹ لیں اور تمام فوج نہایت جوش وخروش کے ساتھ ایرانی صفوں کو الٹتی قلب لشکر کی طرف بڑھنے لگی یہاں تک کہ اس جگہ کے قریب پہنچ گئی جہاں رستم سنہری شامیانے کے نیچے تخت پر بیٹھا فوج کو لڑا رہا تھا اب وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے حفاظتی دستے کو ساتھ لے کر مردانہ وار لڑنے لگا لیکن مسلمان سرفروشوں کے سامنے اس کی کچھ پیش نہ چلی۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ' عاصم رضی اللہ عنہ' عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ' قیس بن اشعث رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی جانبازوں نے رستم کے آہن پوش حفاظتی دستے کے پرخچے اڑا دیے اس وقت حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کی زبان پر یہ رجز جاری تھا۔

نحن قتلنا معشرا و زائدا اربعة و خمسة و واحدا

ہم نے گروہ کے گروہ بلکہ اس سے بھی زیادہ تلوار کے گھاٹ اتار دیے چار چار بھی' پانچ پانچ بھی ایک ایک بھی۔

نحسب فوق اللبد الاساورا حتّٰی اذا ماتوا دعوت جاھدا

ہم بڑی سے بڑی جمعیت پر بھاری سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ میرے حریف جب تک موت کی نیند نہ سو گئے میں انہیں برابر تیغ آزمائی کے لیے للکارتا رہا۔

اللہ ربی واحترزت عامدا

اللہ میرا رب ہے اور میں نے اسی کی قوی اور یاور آڑ پکڑی ہے۔

رستم نے اپنے حفاظتی دستے کو تباہ ہوتے دیکھا تو دوڑ کر ان خچروں کی طرف گیا جن پر خزانہ لاد کر لایا گیا تھا اور ایک خچر پر لدے ہوئے سامان کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کی فوج کے سپاہی دریا کی طرف نکل گئے۔ انہیں پتا ہی نہ

Marfat.com

چلا کہ خچروں پر دولت لدی ہوئی ہے اور رستم سامان کے پیچھے چھپا کھڑا ہے۔ ہلال بن علقمہ ایک مجاہد نے ایک خچر پر تلوار کا ہاتھ مارا جس سے اس سامان کا رسہ کٹ گیا جس کے پیچھے رستم کھڑا تھا۔ سارا بوجھ رستم پر گرا اور وہ شدید زخمی ہو گیا لیکن ہلال کو اس کا علم نہ تھا۔ رستم دوڑ کر دریا میں کود گیا۔ ہلال نے اسے دیکھا اور پہچان گئے۔ اس کے پیچھے وہ بھی پانی میں کود پڑے اور رستم کی ٹانگیں پکڑ کر باہر گھسیٹ لائے۔ پھر تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا اور اس کے تخت پر چڑھ کر زور سے پکارے:

''میں نے رستم کو قتل کر دیا ہے''

اس آوازِ کے سنتے ہی ایرانیوں میں بھاگڑ مچ گئی۔ مسلمانوں نے دُور تک ان کا تعاقب کیا اور ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں۔ تعاقب کرنے والے جانبازوں میں حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ جس رات کو قادسیہ کی خونیں جنگ اختتام کو پہنچی اسے لیلۃ الھریر کہا جاتا ہے۔ قادسیہ کی شکست سے تختِ کسریٰ کی بنیادیں ہل گئیں۔ ایرانیوں کا قومی پرچم ''درفشِ کاویانی'' بھی اس جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور مالِ غنیمت کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے اس لڑائی میں جو کارنامے انجام دیے ان کی بناء پر مؤرخین نے انہیں ''جنگِ قادسیہ کا بطلِ خاص'' قرار دیا ہے۔

(۸)

قادسیہ کی فتح کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بابل اور کوثی تک ایرانیوں کا پیچھا کر کے آس پاس کے سارے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ ایران کا دارالحکومت مدائن وہاں سے قریب ہی تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق حضرت سعد رضی اللہ عنہ مدائن کی طرف بڑھے اور شہر کے مغربی حصے بہرشیر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ دو یا تین ماہ تک جاری رہا۔ بالآخر ایرانی قلعہ سے باہر نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے لیکن

Marfat.com

بری طرح شکست کھائی اور دریائے دجلہ عبور کر کے مدائن خاص میں پناہ لی۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے دریا کا پُل توڑ دیا۔ اور تمام کشتیاں بھی اپنے ساتھ دریا کے مشرقی کنارے کی طرف لے گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بہر شیر سے آگے بڑھے تو راستے میں دریائے دجلہ کو حائل پایا۔ اس سال بارشیں نہایت کثرت سے ہوئی تھیں جن کی وجہ سے دریا طغیانی پر تھا اور پانی کے پھیلاؤ اور زور شور کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ادھر دوسرے کنارے پر ایرانی تیر انداز پرّے باندھے منتظر تھے کہ مسلمان مدائن کا رخ کریں تو انہیں اپنے تیروں پر رکھ لیں۔ ایسی خوفناک طغیانی میں گھوڑوں کا تیرنا بھی بہت مشکل تھا۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فوج کو جمع کیا اور اس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"مسلمانو! میں نے تو پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ اللہ کے بھروسے پر گھوڑے کو دریا میں ڈال دوں' بولو کون مجاہد اس کام میں میرا ساتھ دے گا؟"

تمام مسلمانوں نے بیک آواز کہا "اے امیر ہم سب آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔"

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کچھ جانباز بڑے لشکر سے پہلے آگے بڑھیں اور دوسرے کنارے پر جا کر قابض ہو جائیں۔ حضرت عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ اور حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ فوراً آگے بڑھے اور چھ چھ سو جانبازوں کے ساتھ یہ آیت پڑھتے ہوئے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا.

(آل عمران۔۱۴۵)

(اور کوئی شخص مر نہیں سکتا جب تک کہ اللہ کا حکم نہ ہو۔ اُس نے وقتِ مقرّرہ لکھ رکھا ہے)

Marfat.com

دوسرے کنارے سے ایرانیوں نے مجاہدین پر بے پناہ تیر اندازی شروع کر دی۔ ادھر سے مجاہدین نے بھی مردانہ وار جواب دیا اور تھوڑی دیر میں ایرانیوں کو کنارے سے دور ہٹا دیا۔ اب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ تمام لشکر دریا میں داخل ہو جائے۔ مسلمانوں نے اپنے گھوڑوں کی باگیں اٹھائیں اور نستعین باللّٰہ ونتوکّل علیہ حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل واللّٰہ لینصرن اللّٰہ ولیہ ولیظھرن دینہ ولیھزمن عدوہ ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔

(ہم اللہ سے مدد چاہتے ہیں اور اسی پر بھروسا کرتے ہیں۔ وہ اچھا وکیل ہے۔ خدا کی قسم! اللہ اپنے دوست کو فتح دے گا اور اپنے دین کو غالب کرے گا اور سوائے ربّ بزرگ و برتر کے کسی میں طاقت نہیں۔)

پڑھتے ہوئے دجلہ کے دریائے زخّار میں داخل ہو گئے۔ ہزار ہا اسلامی شہسوار دجلہ کے پھنکارتے ہوئے پانی پر پوری ترتیب کے ساتھ اس طرح جا رہے تھے گویا صحنِ چمن میں گلگشت کر رہے ہوں۔ دو دو سوار ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو چل رہے تھے۔ دوسرے کنارے پر ایرانیوں نے مسلمانوں کو اس شان سے آتے دیکھا تو ان پر دہشت طاری ہو گئی اور وہ ''دیواں آمدند دیواں آمدند'' (دیو آ گئے دیو آ گئے) کہتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں کی قوّتِ ایمانی کی بدولت اللہ تعالیٰ نے تمام لشکر کو صحیح سلامت دوسرے کنارے پر پہنچا دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مجاہد غرقد رضی اللہ عنہ دریا میں گر پڑے۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ ان کے پہلو میں تھے انہوں نے فوراً غرقد رضی اللہ عنہ کو پانی سے نکال لیا۔ ایک دوسرے مجاہد کا پیالہ دریا میں گر پڑا' دریا کی ایک لہر نے اس کو اچھال کر دوسرے کنارے پر ڈال دیا۔ مسلمانوں کی فاتحانہ یلغار نے یزدجرد کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ وہ اپنا خزانہ اور حرم تو پہلے ہی حلوان بھیج چکا تھا اب مدائن کے درو دیوار پر حسرت سے نظر ڈالتا خود بھی شہر سے بھاگ نکلا۔

Marfat.com

لشکرِ اسلام مدائن میں داخل ہوا تو ہر طرف عبرت ناک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے شاہی محل میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نمازِ شکرانہ ادا کی اور پھر عمرو بن مقرن رضی اللہ عنہ کو مالِ غنیمت جمع کرنے پر مامور فرمایا۔ چند دن کے اندر اندر کروڑوں روپے کا مالِ غنیمت جمع ہو گیا جس میں کسرٰی کا لباس' زیور' جواہرات اور دوسری بے شمار نادر و نایاب چیزیں بھی شامل تھیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ مدینہ منورہ روانہ کر دیا اور باقی سب مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ اس موقع پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کو بطورِ خاص بلا بھیجا کیونکہ انہوں نے جنگِ قادسیہ اور دوسرے معرکوں میں سب سے بڑھ کر جانبازی دکھائی تھی۔ جب وہ آئے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے کسرٰی اور دوسرے بادشاہوں کی تلواریں رکھ دیں اور فرمایا کہ ان میں سے جو تلوار تمہیں پسند ہو' لے لو۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے ہرقل قیصرِ روم کی تلوار اٹھا لی۔ پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے انھیں بہرام چوبیں کی زرہ اپنی طرف سے عنایت کی۔ مدائن کی تسخیر کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ دوسرے مجاہدین کے ساتھ وہیں مقیم تھے کہ انھیں یزدجرد کی جنگی تیاریوں کی اطلاع ملی۔ یزدجرد اس وقت حلوان میں تھا اور اس کے حکم سے رستم کا بھائی خرزاہ بن فرخ زاد اور مہران جلولاء میں لشکر جمع کر کے ایک بار پھر مسلمانوں سے پنجہ آزمائی کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے سارے حالات حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجے۔ وہاں سے حکم آیا کہ ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ جلولاء بھیج دو اور ان کے ساتھ قعقاع بن عمرو تمیمی کو مقدمۃ الجیش کا افسر بنا کر بھیجو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین کی ہدایت کے مطابق حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ کو بارہ ہزار چیدہ جانبازوں کے ساتھ جلولاء روانہ کر دیا۔ یہ

Marfat.com

۱۶ہجری/۶۳۷ عیسوی کا واقعہ ہے۔

(۹)

ایرانیوں کو جلولاء کی طرف مسلمانوں کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو انہوں نے بڑے زور شور سے جنگ کی تیاری کی۔ شہر کے گرد خندق تیار کرائی اور اس کے اردگرد گوکھرو بچھا دیے۔ حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ مدائن سے چل کر چوتھے دن جلولاء پہنچے تو ایرانیوں کو قلعہ بند ہو کر شہر کی حفاظت کے لیے جان کی بازی لگائے دیکھا۔ حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ نے شہر کا محاصرہ کر لیا جو کئی مہینے جاری رہا۔ اس دوران میں ایرانی کئی مرتبہ قلعہ سے باہر نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے لیکن ہر بار منہ کی کھائی۔ محصورین کے پاس خوراک اور سامانِ حرب کا کافی ذخیرہ موجود تھا اور انہیں برابر کمک پہنچ رہی تھی، اس لیے وہ بددل نہ ہوتے تھے۔ ایک دن ایرانی سپہ سالار مہران اپنی فوج کے ساتھ یکا یک قلعہ سے نکلا اور بڑے جوش و خروش سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ مسلمانوں نے جم کر مقابلہ کیا اور بقول حافظ ابن کثیر "اتنی شدید جنگ ہوئی جس کی مثال نہیں ملتی یہاں تک کہ طرفین کے تیر ختم ہو گئے، نیزے ٹوٹ گئے اور نوبت تلواروں اور کلہاڑوں تک پہنچ گئی۔ ظہر کے وقت ایرانیوں کو تازہ دم کمک پہنچ گئی۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں سے کہا، مسلمانو! یہ دیکھ کر تم ڈر تو نہیں گئے؟ مسلمانوں نے جواب دیا، نہیں لیکن ہم تھکے ہوئے ہیں اور وہ تازہ دم ہیں ...... حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے للکار کر کہا کچھ پروا نہیں، ہم ان پر حملہ کریں گے اور اس وقت تک ان کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے جب تک اللہ اُن کے اور ہمارے درمیان کوئی فیصلہ نہ کر دے۔ یکجان ہو کر ان پر ٹوٹ پڑو اور ان کی صفوں میں گھس جاؤ۔" یہ کہہ کر تلوار چلاتے دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور اس مقام تک جا پہنچے جہاں خندق کے درمیان گزرنے کے لیے راستہ بنایا گیا تھا۔ اس وقت جھٹ پٹا ہو چکا تھا یا بروایتِ دیگر اتفاق سے اس زور کی آندھی

Marfat.com

چلی کہ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ قعقاع رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اندھیرے کی وجہ سے لوگ پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ ان کے ایک جانباز ساتھی نے نعرہ لگایا:

"ادھر ادھر مسلمانو! یہ تمہارے امیر دشمن کی خندق کے راستے پر قابض ہوا چاہتے ہیں۔ پیچھے نہیں آگے بڑھو۔"

یہ للکار سن کر تمام مسلمان پلٹ پڑے اور اس زور کا حملہ کیا کہ ایرانی بدحواس ہو کر پیچھے ہٹے۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نہایت دلیری سے لڑتے ہوئے قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ سپہ سالار ہاشم رضی اللہ عنہ پیچھے رہ گئے تھے اور فوج کا بڑا حصہ ان کی رکاب میں تھا۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے اپنے چند ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ "سپہ سالار آ پہنچے سپہ سالار آ پہنچے" کا غُل مچائیں۔ اس غُل سے مسلمانوں کی ہمت دوچند ہو گئی اور ایرانی سراسیمہ ہو کر ادھر ادھر بھاگے لیکن جدھر کا رخ کرتے راستے میں گوکھر و حائل ہو جاتے تھے یا خندق۔ پھاٹک اور خندق کی گزرگاہ پر حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کا قبضہ تھا اس لیے شہر میں بھی داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ مسلمانوں نے گھیر کر بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔

ابنِ جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک لاکھ ایرانی مارے گئے اور تین کروڑ کا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ جو ایرانی بچ گئے انہوں نے حلوان کو راہِ فرار اختیار کی۔ ان میں نامور ایرانی سردار مہران اور فیروزان بھی تھے۔ حضرت قعقاعؓ نے ان بھگوڑوں کا تعاقب کر کے خانقین کے مقام پر انہیں جا لیا۔ مہران تو حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا لیکن فیروزان بچ نکلا اور حلوان پہنچ کر یزدجرد کو جلولاء کی شکست سے آگاہ کیا۔ اس نے خسرو شنوم ایک معزز ایرانی سردار کو ایک مضبوط فوج کے ساتھ حلوان کی حفاظت کے لیے چھوڑا اور خود بھاگ کر رَے چلا گیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ حلوان کی طرف بڑھے۔

Marfat.com

ابھی وہ حلوان سے تین میل ادھر قصرِ شیریں کے مقام پر پہنچے تھے کہ خسرو شنوم حلوان سے نکل کر ان کے مقابل ہوا۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے شدید جنگ کے بعد اسے شکست دی اور آگے بڑھ کر حلوان پر کسی مزاحمت کے بغیر قبضہ کر لیا۔ یہ فتح عراقِ عرب کی فتوحات کا خاتمہ تھی کیونکہ حلوان سے پرے عراقِ عجم یا فارس کی سرحد شروع ہو جاتی تھی اور حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ لکھ کر آگے بڑھنے سے روک دیا تھا کہ ہم نے ایرانیوں کو عرب کی حدود سے پیچھے دھکیل دیا ہے' اب ہم ان کے ملک (فارس) پر بلاوجہ حملہ نہیں کریں گے۔

(۱۰)

عراقِ عرب کی تسخیر کے بعد حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ مدائن کی آب و ہوا مسلمانوں کو راس نہیں آئی تو انہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ عرب کی سرحد کے اندر کوئی مناسب جگہ تلاش کر کے ایک نیا شہر آباد کریں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے متعدد اربابِ دانش سے مشورہ کر کے دریائے فرات سے ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر حیرہ کے قریب ایک سرسبز اور شاداب جگہ منتخب کی اور وہاں شہر کوفہ کی بنیاد رکھی۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ جن اصحاب کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مناسب جگہ کی تلاش پر مامور کیا تھا' حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل تھے۔ اس مقصد کے لیے انہیں جلولاء سے روانہ کیا گیا تھا۔ کوفہ کا شہر آباد ہو گیا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس کے امیر مقرر ہوئے تو حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ کوفہ چلے گئے۔

۱۷ ہجری میں قیصرِ روم نے حمص پر دوبارہ قبضہ کرنے کی پُرزور کوشش کی اور اہلِ جزیرہ کی تحریک پر ایک بڑی فوج حمص کی طرف روانہ کی۔ اہلِ جزیرہ بھی تین ہزار جنگجوؤں کے ساتھ حمص کی طرف بڑھے۔ امیرِ شام حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اِدھر اُدھر سے فوجیں جمع کر کے حمص کی حفاظت کی تیاری کی اور ساتھ ہی حضرت عمرِ

Marfat.com

فاروق رضی اللہ عنہ کو رومیوں اور اہلِ جزیرہ کی ملی بھگت اور ان کے عزائم کی اطلاع دی۔ امیر المؤمنین نے یہ اطلاع ملتے ہی حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ فوراً کوفہ سے چار ہزار سوار لے کر حمص پہنچ جائیں۔ ساتھ ہی حضرت سہیل بن عدی رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان رضی اللہ عنہ اور ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو اہلِ جزیرہ سے نبٹنے کے لیے مناسب ہدایات بھیجیں۔ ان تدابیر کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہلِ جزیرہ کو اپنے گھر کی فکر پڑ گئی اور وہ رومیوں کا ساتھ چھوڑ کر واپس آ گئے۔ اب حمص کے محاصرہ پر صرف رومی اور ان کے مددگار چند عرب قبائل رہ گئے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ایک دن شہر سے باہر نکل کر ان کے مقابل ہوئے۔ اس وقت حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ منزلوں پر منزلیں مارتے حمص کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ابھی شہر سے چند میل دُور تھے کہ انہوں نے مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان لڑائی چھڑ جانے کی خبر سنی۔ ان کے ساتھ اس وقت صرف سَو سوار تھے اور فوج کا بڑا حصہ ابھی پیچھے تھے لیکن اس خبر نے حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کو ایسا بیتاب کر دیا کہ وہ باقی فوج کا انتظار کیے بغیر سَو سواروں کے ساتھ ہی برق رفتاری سے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے۔ ان کی آمد سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور سب نے مل کر دشمن پر ایسا تُند و تیز حملہ کیا کہ اس کے قدم لڑکھڑا گئے۔ پہلے عرب قبائل بھاگے اور پھر رومی بدحواسی کے عالم میں میلوں بھاگتے چلے گئے۔ اس شرمناک شکست کے بعد رومیوں کو پھر کبھی مسلمانوں کے خلاف پیش قدمی کی جرأت نہ ہوئی۔ اس مہم سے فارغ ہو کر حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ واپس کوفہ چلے گئے۔

(۱۱)

۲۱ سنہ ہجری میں یزدجرد نے مرو (عراقِ عجم) میں ایک مرتبہ پھر زبردست فوجی تیاریاں کیں اور مسلمانوں کو عراقِ عرب سے نکالنے کے لیے تمام ایرانیوں کو ایک

Marfat.com

جھنڈے تلے جمع کر دیا۔ مورّخین کا بیان ہے کہ مختلف اطراف و جوانب سے ڈیڑھ لاکھ ایرانی جنگجوؤں کا ٹڈی دل قُم میں اس عزم کے ساتھ جمع ہوا کہ مسلمانوں کو تہس نہس کر دے گا۔ یزدجرد نے اپنے نامور ایرانی جرنیل فیروزان کو اس لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا اور مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے نہاوند کی طرف روانہ کیا۔ یہ لشکر قُم سے چلا تو ہر طرف تہلکہ پڑ گیا۔ حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کو ان حالات کی اطلاع ملی تو انہوں نے تمام فوجی مراکز کے امیروں کو حکم بھیجا کہ ایک ایک ثُلث فوج ایرانیوں کے مقابلے کے لیے بلا تاخیر نہاوند روانہ کرو۔ کوفہ سے تیس ہزار فوج روانہ ہوئی جس میں نعمان بن مقرّن رضی اللہ عنہ، قعقاع رضی اللہ عنہ، حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما، جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ اور طلیحہؓ بن خویلد جیسے آزمودہ کار اور صاحبِ تدبیر شجاعانِ عرب شامل تھے۔ امیر المومنین نے اس مہم کا قائد حضرت نعمان رضی اللہ عنہ بن مقرّن کو مقرر کیا اور ساتھ ہی ہدایت کی کہ اگر انہیں کوئی حادثہ پیش آ جائے تو حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما ان کی جگہ سپہ سالار ہوں گے۔

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نہاوند پہنچے تو دوسرے فوجی مراکز سے بھی امدادی فوجیں ان سے آملیں۔ فیروزان کی خواہش پر حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر اس کے پاس بھیجا لیکن یہ سفارت بے نتیجہ ثابت ہوئی اور فریقین میں جنگ ناگزیر ہو گئی۔ ایرانیوں کی تعداد اگرچہ مسلمانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی لیکن گزشتہ لڑائیوں کے تجربہ کی روشنی میں انہوں نے مناسب یہی سمجھا کہ قلعہ بند ہو کر جنگ کی جائے۔ چنانچہ وہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے اور مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ایرانیوں نے فصیلِ شہر کے چاروں طرف لوہے کے گوکھرو بچھا دیے تھے اور صرف اتنی جگہ خالی رکھی تھی کہ جس وقت حملے کے لیے نکلنا چاہیں، نکل سکیں۔ مسلمانوں کے گھوڑے ان گوکھروؤں کو پار نہ کر سکتے تھے اور ایرانی جب چاہتے شہر

Marfat.com

سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے۔ اس صورتِ حال سے نبٹنے کے لیے حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے اہل الرائے اصحاب سے مشورہ کیا تو بالاتفاق یہ طے پایا کہ ایک دستے کے سوا ساری فوج شہر سے چھ سات میل دُور چلی جائے۔ یہ دستہ شہر پر حملہ کرے اور ایرانیوں کو مشتعل کر کے شہر سے باہر لائے پھر ان کے سامنے پسپا ہونے لگے' یہاں تک کہ ایرانی فوج بڑے اسلامی لشکر کی زد میں آ جائے۔ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے اس تدبیر کو عملی جامہ پہنانے کا کام حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور انہیں ایک دستے کے ساتھ شہر کے باہر چھوڑا۔ پھر راتوں رات ساری فوج کو اپنے ساتھ لے کر شہر سے بہت دور نکل گئے۔ دوسرے دن حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے عَلَی الصَّباح اپنے دستے کے ساتھ شہر پر ہلّہ بولا۔ ایرانیوں نے سمجھا کہ مسلمان لشکر کا غالب حصہ بددل ہو کر بھاگ گیا ہے اور یہ تھوڑی سی فوج پیچھے رہ گئی ہے۔ چنانچہ وہ بڑے جوش سے باہر نکلے۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ ان سے تھوڑی دیر لڑے اور پھر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ایرانی لشکر مسلمانوں کی بڑی فوج کی زد میں آ گیا۔ ایرانی ایک دفعہ تو اسلامی فوج کو دیکھ کر بوکھلا گئے لیکن پھر ان کی غیرت نے جوش مارا اور انہوں نے مسلمانوں پر تیر برسانے شروع کر دیے۔ ان کے تیروں سے بہت سے مسلمان شہید اور زخمی ہو گئے۔ لیکن حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے دوپہر ڈھلنے کا انتظار کیا کیونکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ دوپہر ڈھلنے کے بعد دشمن پر حملہ کیا کرتے تھے۔ جب سورج ڈھلنے کو ہوا تو حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے دستور کے مطابق تین تکبیریں بلند کیں اور حملے کا حکم دیا۔ مسلمان جو بے تابی سے سپہ سالار کے حکم کا انتظار کر رہے تھے' برقِ بے اماں کی طرح ٹوٹ کر دشمن پر گرے اور کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ ایرانیوں نے بھی جم کر مقابلہ کیا اور مسلمانوں کے سامنے آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔ لڑائی نے اتنی شدت پکڑی کہ اس سے پہلے کسی معرکے

Marfat.com

میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ میدان میں ہر طرف خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں اور گھوڑوں کے پاؤں پھسل پھسل جاتے تھے۔ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ دشمن کے قلب کی طرف بڑھ رہے تھے کہ ان کا گھوڑا پھسل کر گرا' ساتھ ہی وہ بھی گرے اور جام شہادت پی کر روضۂ رضوان کو سدھارے۔ ان کے بھائی نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر علم تھام لیا اور ان کی ٹوپی اور قبا پہن کر ان کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اس تدبیر سے نعمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حال کسی کو معلوم نہ ہوا تا آنکہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما نے فوج کی قیادت سنبھال لی۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ دنیا و مافیہا سے بے خبر اس شان سے لڑ رہے تھے کہ شجاعت بھی آفرین پکار رہی تھی' ان کے ساتھ عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ' طلیحہ بن خویلد رضی اللہ عنہ' جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور بہت سے دوسرے جانبازوں نے بھی سر دھڑ کی بازی لگا رکھی تھی۔ راہِ حق کے ان دلاوروں کی سرفروشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ شام ڈھلتے ہی ایرانیوں کی ہمت جواب دے گئی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ ایرانی سپہ سالار فیروزان بھی ایک گھوڑے پر سوار ہمدان کی طرف بھاگا۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے سواروں کا ایک دستہ لے کر اس کا تعاقب کیا اور ہمدان کی سرحد کے قریب اُسے جا لیا۔ اس وقت شہد سے لدے ہوئے گدھوں اور خچروں کا ایک قافلہ پہاڑ کی گھاٹی سے گزر رہا تھا جس سے راستہ رک گیا تھا۔ فیروزان گھوڑے سے اتر کر پیدل چل پڑا' اتنے میں حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ اس کے سر پر آ پہنچے اور تلوار کے ایک وار سے اسے ڈھیر کر دیا۔ اس پر یہ ضرب المثل مشہور ہو گئی کہ شہد کی مکھی خدائی فوج کا جزو ہے۔

حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سمیت واپس ہوئے تو حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما نے نہاوند میں داخل ہو کر اس پر مکمل تسلّط جما لیا تھا۔ اہلِ عرب نے اس لڑائی کا نام فتح الفتوح رکھا کیونکہ اس معرکے کے بعد ایرانی پھر کبھی اتنا بڑا لشکر مسلمانوں کے مقابلے پر نہ لا سکے۔

Marfat.com

جنگِ نہاوند میں سرفروشانہ حصہ لینے کے بعد حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ واپس کوفہ چلے گئے اور وہیں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ اپنے وقت کے اس عظیم دلاورِ صف شکن کو خالقِ حقیقی کا بلاوا کب آیا؟ اس ... بارے میں تمام کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں۔ البتہ ایک روایت سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ کے دورِ خلافت میں حیات تھے اور جنگِ جمل (۳۶ھ/ ۶۵۶ء) سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما سے گفتگو کرنے کے لیے بصرے بھیجا تھا۔

ازواج و اولاد کی تفصیل بھی کسی کتاب میں نہیں ملتی۔ صرف ایک بیٹی خَولہ کا پتہ چلتا ہے جو جلیل القدر صحابی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ صاحبِ اُحُد (یکے از اصحابِ عشرہ مُبَشَّرہ) کے عقدِ نکاح میں تھیں۔

حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے اپنی شجاعت و شہامت اور راہِ حق میں سرفروشی اور جاں سپاری کے جو نُقُوش صفحۂ تاریخ پر مرتسم کیے وہ مِلّتِ اسلامیہ کے لیے تا ابد نشانِ راہ بنے رہیں گے اور فرزندانِ توحید کے خون کو گرماتے رہیں گے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

حضرت قباث بن اشیم کنانی رضی اللہ عنہ

(۱)

ایک مرتبہ اُموی خلیفہ عبدالملک کی ملاقات ایک کبیر السن صاحبِ رسول ﷺ سے ہوئی تو اس نے ان سے پوچھا:

"اے صاحبِ رسول ﷺ آپ نے خاصی بڑی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا سے اپنی آنکھیں روشن کیں، ذرا یہ تو بتائیے کہ آپ بڑے تھے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟"

عبدالملک کا سوال سن کر ان صاحبِ رسول ﷺ کے دل میں ہُوک سی اٹھی، اپنے آقا و مولا ﷺ کی یاد نے انہیں بے چین کر دیا اور وہ رُندھی ہوئی آواز میں بولے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے بڑے تھے، بہت بڑے البتہ میری عمر حضور ﷺ سے زیادہ تھی۔"

یہ صاحبِ رسول ﷺ جن کو سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا اس قدر پاسِ ادب تھا کہ حضور ﷺ کے مقابلے میں اپنے سن کی زیادتی کو بھی بڑائی کہنا گوارا نہ تھا، حضرت قباث بن اشیم رضی اللہ عنہ تھے۔

Marfat.com

(۲)

حضرت قباث بن اشیم رضی اللہ عنہ کا شمار ان مجاہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے جن کا بڑھاپا بھی انہیں وطن سے سینکڑوں میل دُور جا کر میدانِ جہاد میں حق کی خاطر جان کی بازی لگانے سے نہ روک سکا۔ ان کا تعلّق بنو کنانہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:۔

قباث رضی اللہ عنہ بن اشیم بن عامر بن ملوح بن یعمر بن عوف بن کعب بن عامر بن لیث بن بکر بن عبدِ مناۃ بن کنانہ۔

حضرت قباث رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر (۲ ہجری) تک اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے چنانچہ وہ قریشِ مکّہ کے لشکر میں شریک ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑنے آئے تھے۔ چونکہ وہ اپنے قبیلے کے نہایت بہادر اور جنگ آزما لوگوں میں سے تھے اس لیے قریش کے لشکر میں انہیں خاص اہمیّت حاصل تھی۔ ابنِ اثیر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد ان کے دل میں یکا یک شمعِ ایمان روشن ہوگئی اور وہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر سعادت اندوزِ اسلام ہو گئے۔ اُس وقت ان کی عمر پچپن اور ساٹھ سال کے درمیان تھی لیکن بڑے قوی اور توانا تھے۔ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "اِصابہ" میں لکھا ہے کہ انہوں نے عہدِ رسالت کے کئی غزوات میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا اور ہر معرکے میں اپنی شجاعت و بسالت کا سکہ بٹھا دیا۔

(۳)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں شام پر فوج کشی ہوئی تو حضرت قباث رضی اللہ عنہ اپنے بڑھاپے کے باوجود بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ لشکرِ اسلام میں شامل ہو گئے اور رومیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ اہلِ سِیَر نے یرمُوک کی خونریز جنگ میں ان کی شجاعت اور سرفروشی کا خصوصیّت سے تذکرہ کیا ہے۔ اس لڑائی میں وہ اسلامی لشکر کے میسرہ کے افسر تھے۔ ہنگامِ کارزار میں ایک موقع پر ایک رومی جرنیل ابنِ قناطیر

Marfat.com

نے اسلامی فوج کے میسرے پر اس زور کا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اس نازک گھڑی میں حضرت قباث بن اشیم رضی اللہ عنہ کچھ دوسرے افسروں (حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ' حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ' حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ بن حسنہ رضی اللہ عنہ اور حضرت یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما) کے ساتھ میدانِ جنگ میں ڈٹ کر کھڑے ہو گئے اور رومیوں کے تند و تیز سیلاب کو روکنے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دی۔ اس وقت حضرت قباث رضی اللہ عنہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

"اگر مسلمان مجھے کھوئیں گے تو ایک بہترین سپہ سالار اور پشت پناہ کو کھو دیں گے جو جنگ کی ہولناکیوں کا مقابلہ کرتا ہے' جس کے دل میں کبھی خوف راہ نہیں پاتا' جو ایسا شمشیر زن اور ہیبت ناک حملہ آور ہے جس کی کوئی مدافعت نہیں کر سکتا۔"

ان کے ہاتھ سے تلواریں اور نیزے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے جاتے تھے مگر خوف و ہراس ان کے نزدیک بھی نہ پھٹکتا تھا اور وہ یہ کہہ کر لوگوں سے دوسری تلواریں اور نیزے لیتے جا رہے تھے کہ "کوئی ہے جو اس شخص کو ہتھیار دے جس نے اللہ سے اقرار کیا ہے کہ میدانِ جنگ سے ہٹے گا تو مر کر ہٹے گا۔" لوگ ان کے ہاتھ میں تلوار یا نیزہ لا کر دیتے تو وہ پھر شیر کی طرح جھپٹ کر رومیوں پر جا پڑتے۔ حضرت قباث رضی اللہ عنہ اور ان کے دوسرے ساتھیوں کی پامردی اور سرفروشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے قدم پھر جم گئے اور انہوں نے رومیوں کو عبرتناک شکست دی۔

ابنِ اثیر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جب شام پر مسلمانوں کا مکمل استیلا ہو گیا تو حضرت قباث رضی اللہ عنہ نے مستقل طور پر دمشق میں اقامت اختیار کر لی اور طویل عمر پا کر اسی شہر میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔ ان کا سالِ وفات کسی کتاب میں درج نہیں ہے۔ البتہ عبدالملک سے ان کی ملاقات کے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کے دورِ حکومت (۶۵ھ تا ۸۶ھ) میں حیات تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

حضرت نُعمان بِن مقرّن المزنی رضی اللہ عنہ

(۱)

یوں تو عرب کے بیشتر قبائل نے فتح مکہ (رمضان ۸ ھ) کے بعد ہی آستانۂ اسلام کے سامنے سر جھکایا اور اپنے اپنے وفد مدینہ منورہ بھیج کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا اظہار کیا لیکن بعض سعادت مند قبائل ایسے بھی تھے جن کو فتح مکہ سے بہت پہلے دعوتِ توحید پر لبیک کہنے کا شرف حاصل ہو گیا اور انہوں نے برضا و رغبت اپنے وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور بیعت سے مشرف ہونے کے لیے مدینہ منورہ بھیجے۔ ایسا ہی ایک وفد بنو مزینہ کا تھا۔ ان کا سلسلۂ نسب مُضر پر قریش کے نسب نامہ سے مل جاتا ہے۔ اس قبیلہ کے سردار بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ چار سو آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر رجب ۵ ھ میں مدینہ منورہ آئے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ نعمتِ اسلام سے بہرہ یاب ہونے کے بعد اراکینِ وفد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت اِلی المدینہ کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم لوگ فی الحال اپنے وطن واپس جاؤ اور وہیں قیام کرو تمہیں بہر صورت مہاجرین ہی میں داخل سمجھا جائے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ لوگ جب مدینہ منورہ سے چلنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ انہیں زادِ راہ دو۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' یارسول اللہ! اس وقت میرے پاس کھجوروں کی ایک قلیل مقدار کے سوا اور کچھ نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' یہی دے دو۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل میں حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ تمام مزنیوں کو اپنے گھر لے گئے۔ سب نے حسبِ ضرورت کھجوریں لے لیں لیکن پھر بھی کچھ کھجوریں بچ رہیں۔ یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اعجاز تھا۔

اہلِ سیَر کا بیان ہے کہ عرب کا یہ سب سے پہلا وفد تھا جو اپنی خوشی سے دور دراز کی مسافت طے کر کے بارگاہِ رسالت میں قبولِ اسلام کے لیے حاضر ہوا۔ اس سلسلہ میں علّامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' میں عراقی کی ''سیرتِ منظوم'' کا یہ شعر نقل کیا ہے:

اول وفد الوفد المدینہ　　　　سنۃ خمس وفد وا مزینہ

(سب سے پہلا وفد مدینہ میں آیا　　　　وہ مزینہ کا قبیلہ تھا جو ۵ ہجری میں آیا)

بنو مزینہ ''حاجب'' نامی ایک بت کی پرستش کیا کرتے تھے۔ وطن واپس آ کر انہوں نے اس بت کو توڑ ڈالا اور سختی سے احکامِ اسلام کی پابندی کرنے لگے۔ بنو مزینہ کے وفد میں مضبوط ہاتھ پاؤں کے ایک وجیہ جوان بھی تھے۔ قبولِ اسلام سے پہلے وہ اپنے قبیلے کے بہادر شہسواروں میں شمار ہوتے تھے لیکن سعادت اندوزِ ایمان ہونے کے بعد تو ان کی یہ حالت ہوگئی کہ دل میں ہر وقت حق کی خاطر مر مٹنے کی آرزو مچلتی رہتی تھی...... ان کا یہی جوشِ ایمان اور جذبۂ فدویت انہیں فتح مکہ کے موقع پر بنو مزینہ کے دوسرے سرفروشوں کے ساتھ بارگاہِ نبوی میں لے گیا اور یوں وہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کرنے والے ان دس ہزار قدوسیوں میں شامل ہو گئے جن کے بارے میں سینکڑوں سال پہلے کتابِ استثناء

Marfat.com

میں اس طرح پیشگوئی کی گئی تھی:

''خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے ہاتھ میں ایک آتشیں (آسمانی یا نورانی) شریعت ان کے لیے تھی۔''

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مزینہ کے اس شہسوار کا جوشِ ایمان دیکھا تو آپ ﷺ نے ان کے قبیلے کا جھنڈا انہیں مرحمت فرمایا اور وہ بڑی شان سے یہ جھنڈا لہراتے ہوئے حضور ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ سید المرسلین ﷺ کے یہ مزنی جاں نثار حضرت نعمانؓ بن عمرو بن مقرن بن عائذ تھے جو تاریخ میں نعمان بن مقرن کے نام سے مشہور ہیں۔ ایک اور روایت کے مطابق فتح مکہ کے موقع پر بنو مزینہ کے علمبردار حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ تھے' تاہم اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ غزوہ فتح میں شریک تھے۔

(۲)

فتح مکہ کے بعد عہدِ رسالت میں جو غزوات پیش آئے' ان میں حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کی شمولیت کے بارے میں اہل سیر نے صراحت نہیں کی لیکن قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے غزوہ حنین اور غزوہ تبوک میں ضرور شرکت کی ہوگی کیونکہ ان جیسے سرفروش کا ان غزوات سے پیچھے رہنے کا کوئی سبب نہ تھا۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو دفعتہً سارے عرب میں فتنہ ارتداد کی آگ بھڑک اٹھی۔ مستند روایات سے ثابت ہے کہ اس نازک موقع پر حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں پہلے سے موجود تھے یا اپنے وطن سے مدینہ منورہ آگئے تھے۔ فتنہ ارتداد کے مقابلے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جس محیّر العقول استقامت' عزم و ہمت اور غیرتِ ایمانی کا مظاہرہ کیا' تاریخ اس

Marfat.com

کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ سارے عرب میں پھیلے ہوئے مرتدین کی ہولناک طاغوتی قوت کو وہ مطلق خاطر میں نہ لائے اور انہیں کسی قسم کی رعایت دینے سے صاف انکار کر دیا۔ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور طائف کے باشندوں کے سوا عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہیں تھا جو کسی نہ کسی حد تک فتنۂ ردّہ سے متاثر نہ ہوا ہو لیکن سب سے زیادہ خطرہ نواحِ مدینہ کے قبائل سے تھا جو زکوٰۃ سے انکاری تھے اور مرکز خلافت، مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا چکے تھے۔ ان میں سے بنو اسد، سمیراء میں، بنو فزارہ اور بنو غطفان مدینہ کے جنوب میں اور بنو ثعلبہ اور بنو عبس وغیرہ کا ایک بڑا حصہ ابرق میں اور دوسرا ذُوالقَصّہ میں خیمہ زن ہوا۔ وہاں سے انہوں نے صِدّیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم سے نماز پڑھوالیں لیکن زکوٰۃ معاف کر دیں۔ حضرت ابوبکر صِدّیق رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو خطرات کے سیاہ بادل سر پر منڈلاتے دیکھ کر سب نے نرمی کا مشورہ دیا لیکن صِدّیق اکبر رضی اللہ عنہ خطرات کے اس بحرِ متلاطم میں کوہِ استقامت بن کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

''وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، دین کمال کو پہنچ گیا، کیا میری زندگی میں اس کی قطع و برید کی جائے گی؟ خدا کی قسم منکرینِ زکوٰۃ مجھے رتی کا ایک ٹکڑا دینے سے بھی انکار کریں گے جسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیا کرتے تھے تو میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔''

مرتدین کے ایلچی یہ جواب سن کر واپس چلے گئے اور صِدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ہمہ تن مدینہ منورہ کے حفاظتی انتظامات میں مشغول ہو گئے۔ مدینہ منورہ میں مقیم تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کا دل و جان سے ساتھ دیا، ان میں حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ قاصدوں کی واپسی کے تیسرے دن مرتدین نے مدینہ منورہ پر

Marfat.com

حملہ کیا۔ جب وہ شہر کے ناکوں پر پہنچے تو محافظ ہوشیار تھے۔ انہوں نے حملہ روک کر خلیفۃ الرسولؐ کو اس حملے کی اطلاع دی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہلا بھیجا کہ تم دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہو میں ابھی تمہارے پاس پہنچتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اہلِ مدینہ کی جمعیت ساتھ لی اور اس کے میمنے اور میسرے پر آزمودہ کار افسر مقرر کیے۔ اہلِ سیر کا بیان ہے کہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو میمنہ کا افسر بنایا۔ حق کے یہ جانباز سپاہی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دشمن پر برقِ خاطف بن کر گرے اور ان کو ''ذی حسیٰ'' کے مقام تک بھگا کر واپس آئے۔ ان بھگوڑوں نے ذوالقصہ میں مقیم اپنے ساتھیوں سے مدد طلب کی۔ وہ فوراً ان کی مدد کے لیے پہنچ گئے اور ذی حسیٰ میں ان کا ایک بڑا لشکر جمع ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی روز دوسرے حملے کی تیاری کی اور راتوں رات کوچ کر کے علی الصباح مرتدوں کے لشکر پر جا پڑے۔ مرتدین تابِ مقاومت نہ لا سکے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ذوالقصہ تک ان کا تعاقب کیا اور پھر وہاں حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو کچھ فوج کے ساتھ متعین کر کے مدینہ واپس آ گئے۔ اسی اثنا میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سرحد شام کی مہم سے فارغ ہو کر اپنے جیش کے ساتھ مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں مدینہ منورہ کی حفاظت پر مامور فرمایا اور خود ایک اور لشکر مرتب کر کے منکرینِ زکوٰۃ کے ٹھکانوں کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ بھی اپنے دستۂ فوج کے ساتھ ان کے ہمرکاب ہو گئے۔ ربذہ کے قریب ابرق نامی مقام پر دشمن کا سامنا ہوا تو اہلِ ایمان نے آناً فاناً اس کے پرخچے اڑا کر رکھ دیے۔ اب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دوسرے مرتد باغیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک سال کے اندر اندر انہیں کچل کر تمام عرب میں امن و امان قائم کر دیا۔

Marfat.com

(۴)

فتنۂ ردّہ کے فرو ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو عراقِ عرب کی مہم پر روانہ کیا تو حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ بھی ان کے لشکر میں شریک ہو گئے۔ محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب ''عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ'' میں لکھا ہے کہ ''حضرت نعمان بن مقرّن رضی اللہ عنہ عراق کی تمام معرکہ آرائیوں میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پہلو بہ پہلو دادِ شجاعت دیتے رہے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی طرح فتح و نصرت ان کی رکاب میں بھی چلتی رہی۔ اس کے بعد جب حضرت سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ عراقی فوج کے سپہ سالار مقرر کیے گئے تو نعمان رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ بھی اسلامی لشکر کے ہراول میں رہے۔''

علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الفاروق'' میں بیان کیا ہے کہ ''حضرت سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ نے قادسیہ میں پڑاؤ ڈالا تو وہاں سے حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کو اطلاع بھیجی کہ یزدجرد شاہِ ایران نے رستم بن فرخ زاد کو ایرانی لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا ہے اور وہ مدائن سے چل کر ساباط میں ٹھہرا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ لڑائی سے پہلے کچھ لوگ سفیر بن کر جائیں اور ایرانیوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے سردارانِ قبائل میں سے چودہ نامور اشخاص منتخب کیے جو مختلف صفتوں کے لحاظ سے تمام عرب میں انتخاب تھے۔ ان میں حضرت نعمان بن مقرّن رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے جو عقل و تدبیر اور حزم و سیاست میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے انہیں ہی اس سفارت کا قائد بنایا۔ یہ سفارت رستم کے پاس گئی یا یزدجرد کے پاس، اس کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں لیکن اکثر مؤرّخین کے نزدیک یہ سفارت یزدجرد کے پاس مدائن گئی تھی۔ قادسیہ سے مدائن تک تیس چالیس میل کی مسافت تھی۔ اسلام کے یہ سفیر گھوڑے اڑاتے ہوئے

Marfat.com

مدائن پہنچے تو ان کی وضع قطع دیکھ کر اہلِ مدائن پر حیرت طاری ہوگئی۔ سُتے ہوئے چہرے، کندھوں پر یمنی چادریں، پاؤں میں موزے، ہاتھوں میں کوڑے اور رانوں کے نیچے دبلے پتلے عربی گھوڑے جو بار بار زمین پر ٹاپیں مارتے تھے۔ یزدجرد نے اس وفد سے ملاقات کے لیے بڑے سروسامان سے دربار سجایا۔ اہلِ وفد اپنی سادہ وضع میں بے باکانہ شاہی دربار میں داخل ہوئے۔ یزدجرد نے بڑے متکبّرانہ لہجے میں ان سے پوچھا۔ تم اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ کیا یہ جرأت تمہیں اس لیے ہوئی ہے کہ ہم آپس کے جھگڑوں میں مصروف ہیں؟

قائدِ وفد حضرت نعمان بن مقرّن رضی اللہ عنہ جواب دینے کے لیے آگے بڑھے اور نہایت بلیغ انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ذکر کر کے کسریٰ کو اسلام کی دعوت دی۔ اس کے بعد فرمایا ''اگر تم یہ دعوت قبول کرلو تو ہمارے بھائی ہو اور ہمارا تمہارے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں، اگر اس دعوت سے انکار ہے تو جزیہ دینا قبول کرو اور اگر اس سے بھی انکار ہے تو پھر ہمارے تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔''

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کی تقریر سن کر یزدجرد بھڑک اٹھا اور اس نے کہا:

''تم بھول گئے ہو کہ دنیا میں تم سے زیادہ بدبخت، ذلیل اور خستہ حال کوئی قوم نہ تھی۔ جب کبھی تم سرکشی کرتے تھے تو ہم سرحدی بستیوں کے رئیسوں کو حکم بھیج دیتے تھے اور وہ تمہارے کس بل نکال دیتے تھے۔ اگر تم قحط سالی اور افلاس کی وجہ سے یہاں آنے پر مجبور ہوئے ہو تو ہم خشک سالی دور ہونے تک تمہارے کھانے پینے کا انتظام کیے دیتے ہیں۔ ہم تمہارے سرداروں کی عزت کریں گے، تمہیں کپڑے پہنائیں گے اور تم پر ایسا شخص حاکم مقرر کریں گے جو تمہارے ساتھ شفقت اور

Marfat.com

مہربانی سے پیش آئے۔"

سفارت میں حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ یزدجرد کی باتیں سن کر ان سے ضبط نہ ہو سکا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور کہا:

"اے بادشاہ! یہ لوگ (اہلِ وفد) عرب کے شرفاء ہیں اور اپنے حلم و وقار کی وجہ سے بسیار گوئی سے اجتناب کرتے ہیں۔ انہوں نے کچھ باتیں نہیں کہی ہیں' میں ان کو بیان کرتا ہوں' جو کچھ تم نے ہماری بابت کہا وہ سچ ہے ہم ایسے ہی تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک پیغمبر بھیجا جو حسب و نسب میں ہم سے ممتاز تھا اس نے ہمیں حکم دیا کہ دین اسلام کو تمام دنیا کے سامنے پیش کرو جو لوگ اسے قبول کر لیں ان کے حقوق وہی ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں۔ جو اسلام قبول نہ کریں لیکن جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں وہ اسلام کی حفاظت میں ہوں گے اور جو دونوں باتیں قبول نہ کریں ان کے لیے تلوار ہے۔"

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی تقریر سن کر یزدجرد غصہ سے بے تاب ہو گیا اور کہا "اگر قاصدوں کا قتل خلافِ اصول نہ ہوتا تو میں تمہارے سر قلم کرا دیتا' جاؤ تمہارے لیے میرے پاس مٹی اور ڈھول کے سوا کچھ نہیں......" پھر اس نے مٹی کا ایک ٹوکرا منگوایا اور اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ ان میں جو سب سے زیادہ معزز ہو' یہ ٹوکرا اس کے سر پر رکھ دو اور ان سب کو یہاں سے چلتا کرو۔ ساتھ ہی اس نے ارکانِ وفد سے کہا:

"جاؤ اور اپنے سردار سے کہہ دو کہ میں تمہاری سرکوبی کے لیے رستم کو بھیج رہا ہوں وہ تم سب کو قادسیہ کی خندق میں دفن کر دے گا۔"

ارکینِ وفد یزدجرد کی دھمکی سے بالکل مرعوب نہ ہوئے البتہ حضرت عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر مٹی کا ٹوکرا خوشی خوشی اپنے سر پر رکھ لیا' پھر سب ارکینِ وفد گھوڑے

Marfat.com

اڑاتے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے پاس قادسیہ پہنچ گئے اور انہیں مبارک دی کہ دشمن نے خود اپنی مٹی ہم کو دے دی۔

ادھر رستم کی فوجیں ساباط سے بڑھ کر قادسیہ میں اسلامی لشکر کے سامنے خیمہ زن ہوئیں۔ رستم کی خواہش پر حضرت سعدؓ نے اس سے گفت وشنید کے لیے دو تین سفارتیں بھیجیں، لیکن صلح وآشتی کی بیل منڈھے نہ چڑھ سکی اور جنگ کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ آخری سفارت کی واپسی کے تیسرے دن دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوئیں اور پھر تین دن اور ایک رات وہ گھمسان کا رن پڑا کہ الامان والحفیظ۔ حضرت نعمان بن مقرنؓ اس ہولناک لڑائی میں شروع سے اخیر تک سربکف ہو کر لڑے اور اپنی بے خوفی اور شجاعت کی دھاک بٹھا دی۔ بالآخر مسلمانوں کی قوتِ ایمانی نے ایرانیوں کی مہیب طاغوتی قوت کو کمر شکن شکست دی۔ رستم سمیت ان کے ہزارہا جنگجو میدانِ جنگ میں کھیت رہے اور تخت کسریٰ کی بنیادیں ہل گئیں۔ قادسیہ کی فتح کے بعد حضرت سعدؓ نے آگے بڑھ کر ایران کے پایۂ تخت مدائن پر قبضہ کر لیا اور پھر جلولاء اور حلوان کی تسخیر کے ساتھ عراقِ عرب کی فتوحات اپنے اختتام تک پہنچ گئیں۔ حضرت عمرؓ فاروقؓ کے حکم سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ۱۶ھ میں کوفہ آباد کیا تو حضرت نعمان بن مقرنؓ بھی ان کے ساتھ کوفہ چلے گئے۔

(۴)

۱۷ہجری میں بصرہ کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے خوزستان[1] پر لشکر کشی کی اور اہواز، مناذر، سوس اور رامہرمز کو مسخر کرتے ہوئے شوستر (تستر) کی طرف

---

[1] خوزستان کا علاقہ عراق اور فارس کے درمیان واقع ہے۔ اس میں اہواز، مناذر، سوس، رامہرمز، ایزج اور شوستر بڑے بڑے شہر تھے۔ خوزستان پر فوج کشی کی محرک اہواز کے ایرانی حاکم کی بغاوت تھی۔ اس نے اپنا عہد توڑ کر مسلمانوں کو مقررہ سالانہ خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

Marfat.com

بڑھے جو خوزستان کا صدر مقام تھا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ ایرانیوں کے ایک بہت بڑے لشکر نے شوستر میں زبردست جنگی تیاریاں کر رکھی ہیں اور ان کی قیادت ایران کا ایک نامور سردار ہرمزان کر رہا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ زیادہ جمعیت نہیں تھی اس لیے انہوں نے حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں خط بھیج کر مدد کی درخواست کی۔ حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ خط ملتے ہی والیِ کوفہ کے نام حکم بھیجا کہ نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو ایک ہزار مجاہدین کے ساتھ ابوموسیٰ کی مدد کے لیے بھیجیں۔ چنانچہ اس حکم کے مطابق حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ ایک ہزار سواروں کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے اور شوستر کی تسخیر میں ان کے پہلو بہ پہلو حصہ لیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ خوزستان کے شہر رامہرمز اور ایزج حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر فتح ہوئے۔

خوزستان پر مسلمانوں کے استیلا نے ایرانیوں کو سخت مشتعل کر دیا۔ یزدجرد نے مصمّم ارادہ کر لیا کہ وہ اپنے تمام وسائل بروئے کار لا کر عربوں کو اپنے ملک سے نکال دے گا۔ چنانچہ اس نے تمام صوبوں میں قاصد دوڑا دیے اور وہاں کے گورنروں کو حکم دیا کہ اپنی اپنی فوجیں اہلِ عرب کے مقابلہ کے لیے روانہ کریں۔ اس طرح طبرستان، جرجان، نہاوند، رے، اصفہان، ہمدان اور خراسان وغیرہ تمام صوبوں میں تلاطم برپا ہو گیا اور ڈیڑھ لاکھ ایرانی جنگجو قم میں آ کر جمع ہوئے۔ یزدجرد نے ایک آزمودہ کار ایرانی جرنیل فیروزان (بروایت دیگر مردان شاہ پسر ہرمز) کو اس لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا۔ وہ بڑے کروفر اور ساز و سامان کے ساتھ نہاوند پہنچا جو عراقِ عجم کا ایک بہت بڑا شہر تھا اور حلوان سے نوّے میل جانبِ شرق اور ہمدان سے تیس میل جانبِ غرب کوہ الوند کے دامن میں واقع تھا۔ دفاعی لحاظ سے یہ شہر اپنی مثال آپ تھا۔ شہر کے اردگرد ایک مضبوط فصیل تھی اور وسطِ شہر میں ایک مستحکم قلعہ تھا جس کی بلند

Marfat.com

اور مضبوط فصیلیں شہر کی حفاظت کی ضامن تھیں۔ حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ کو ایرانیوں کے ٹڈی دل کے اجتماع کی خبر ملی تو انہوں نے مدینہ منورہ میں موجود تمام اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور تمام صورتِ حال ان کے سامنے بیان کر کے مشورہ طلب کیا۔ تمام اصحاب نے اپنی اپنی رائے دی۔ ان میں ایک تجویز یہ بھی تھی کہ کوفہ' بصرہ' شام اور یمن وغیرہ کے گورنر اپنی اپنی فوجیں لے کر نہاوند پہنچ جائیں اور خود امیر المومنین مدینہ سے فوج لے کر روانہ ہوں لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ' نے سب کے برعکس یہ رائے دی کہ نہ امیر المومنین مدینہ سے ہلیں اور نہ گورنر اپنی تمام فوجیں روانہ کریں بلکہ ان کا صرف ایک ایک ثلث روانہ کر دیں۔ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ اب سوال پیدا ہوا کہ اسلامی لشکر کا سپہ سالار کون ہو۔ لوگ ہر طرف خیال دوڑاتے تھے لیکن یہ فیصلہ نہ کر پاتے تھے کہ ایسی بڑی مہم کی قیادت کون کر سکتا ہے' جو اصحاب اس کے اہل تھے وہ دوسری اہم مہمات پر مامور تھے۔ بالآخر حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"بخدا میں کل ایک ایسے شخص کو اس مہم کا سپہ سالار مقرر کروں گا جو دشمنوں کے نیزوں کو کاٹ کر رکھ دے گا۔"

(الاخبار الطوال' ابو حنیفہ دینوری)

دوسرے دن حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ میں نے نعمان بن مقرن کو اس مہم کا قائد منتخب کیا ہے۔ سب لوگوں نے ان کی تائید کی اور کہا کہ یہ بالکل صحیح انتخاب ہے۔ بقول محمد حسین ہیکل عامۃ المسلمین کی یہ تائید اس بنا پر تھی کہ وہ نعمان رضی اللہ عنہ کو ایک ایسے بے جگر شہسوار کی حیثیت سے جانتے تھے جو پس و پیش اور فرار کے نام سے ناآشنائے محض تھا۔ وہ جنگ میں بڑے استقلال و تحمل سے کام لیتے تھے اور جب تک اچھی طرح موقع و محل نہ دیکھ لیتے تھے' جلد بازی کو

Marfat.com

مصلحتِ جنگ کے خلاف سمجھتے تھے۔

جس وقت مدینہ منورہ میں یہ کارروائی ہو رہی تھی، حضرت نعمان بن مقرّن رضی اللہ عنہ کہاں تھے۔ اس کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ خوزستان میں کئی اہم فتوحات حاصل کر کے دَم لے رہے تھے اور حلوان میں مقیم تھے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ نے انہیں کسکر کا عامل خراج مقرر کیا تھا اور وہ اس وقت اسی حیثیت میں کام کر رہے تھے لیکن یہ کام ان کی افتادِ طبع کے خلاف تھا۔ طبریؒ کا بیان ہے کہ انہوں نے حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کو ایک شکایتی خط لکھا کہ ''میری اور اس منصب کی مثال ایسی ہے جیسی ایک نوجوان کے پہلو میں کوئی فاحشہ عورت ہو' میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے اس کام سے سبکدوش کر کے مسلمانوں کے کسی لشکر میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے بھیج دیں......''

اس پر حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ ''نعمان نے مجھے لکھا ہے کہ تم نے اسے تحصیلِ خراج کا کام سونپا ہے جو اسے ناپسند ہے' اس کے دل میں جہاد کی تڑپ ہے' لہٰذا تم اسے وقت کی سب سے اہم مہم نہاوند کا سپہ سالار بنا کر بھیجو۔''

لیکن خورشید احمد فارق نے اپنی کتاب ''حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے سرکاری خطوط'' میں سیف بن عمر کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ خوزستان کی مہم پر جانے سے پہلے کسکر کے محصّل لگان تھے۔ وہاں سے وہ خوزستان کے جہاد پر گئے اور ابھی وہیں مقیم تھے کہ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں نہاوند کی مہم کا سپہ سالار مقرر کیا۔

تیسری روایت یہ ہے کہ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ اس وقت کوفہ میں مقیم تھے۔

بہرصورت حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک طرف تو کوفہ اور بصرہ کے گورنروں کو خط

Marfat.com

لکھے کہ اتنی اتنی فوج نعمان کی قیادت میں دے دو اور دوسری طرف حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کو یہ مراسلہ بھیجا:

''اہلِ کوفہ نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اہل فارس کا ایک بہت بڑا لشکر اسلام کا نورِ ہدایت بجھانے کے لیے نہاوند میں جمع ہوا ہے۔ مجھے اللہ کے فضل سے یقین ہے کہ وہ مسلمانوں کو فتح یاب کرے گا۔ میں نے اہلِ کفر وضلالت کے لیے ایک لشکر بھیجنے کا ارادہ کیا ہے اور تمہیں اس لشکر کا سالار مقرر کرتا ہوں۔ یہ خط ملتے ہی جہاد پر جانے کے خواہشمند مسلمانوں کو ساتھ لے کر مدائن کا رُخ کرو اور وہاں قصر ابیض کے قریب پڑاؤ ڈالو تا کہ بصرہ اور کوفہ کی فوجیں تمہارے پاس پہنچ جائیں۔ جب سارا لشکر یکجا ہو جائے تو تم اللہ کی مدد اور نصرت پر بھروسا کر کے نہاوند کی طرف چل پڑنا اور وہاں پہنچ کر جنگی کارروائی کا آغاز کر دینا۔ مجھے پوری امید ہے کہ اللہ تمہاری مدد کرے گا اور دشمن کو ہزیمت ہو گی...... جب دشمن سے تمہارا مقابلہ ہو تو تم پامردی سے ڈٹے رہنا اور صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہنا۔

(ابنِ اعثم کوفی وناسخ التواریخ)

علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الفاروق'' میں لکھا ہے کہ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ تیس ہزار کی جمعیت لے کر کوفہ سے روانہ ہوئے لیکن ابن جریر طبریؒ کے بیان کے مطابق حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے اہواز (خوزستان) سے نہاوند کی جانب پیش قدمی کی تھی اور کوفہ کی فوج ان سے ماہ یا طرز کے مقام پر آ کر ملی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کو یہ بھی لکھا تھا کہ اگر ان کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آ جائے تو سالارِ اعلیٰ حذیفہ بن الیمان ہوں گے اور اگر حذیفہ قتل ہوں تو نعیم بن مقرن ان کی

Marfat.com

جگہ لیں گے۔ (بلاذری رحمۃ اللہ علیہ نے نعیم بن مقرّن کے بجائے حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ عنہ کا نام لکھا ہے۔)

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کی فوج میں عرب کے تین نامور بہادر عمرو بن معدیکرب، طلیحہ بن خویلد اسدی اور عمرو بن سلمی بھی شامل تھے۔ چونکہ ایک دفعہ یہ لوگ فتنۂ رِدّہ سے متاثر ہو گئے تھے اس لیے ان کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بدیں الفاظ خاص ہدایات بھیجیں:

"تمہارے لشکر میں ایسے لوگ ہیں جو عہدِ جاہلیت میں بڑے دلاور اور مقتدر تھے۔ انہیں ایسے لوگوں پر ترجیح دو جو ان جیسی عسکری سوجھ بوجھ نہیں رکھتے۔ ان سے مشورہ کرو اور ان کے مشورے پر عمل کرو۔ طلیحہ، عمرو بن معدیکرب اور عمرو بن سلمی سے جنگی امور میں ضرور صلاح لو لیکن انہیں کوئی عہدہ نہ دو۔" (طبری)

(۵)

حضرت نعمان بن مقرّن رضی اللہ عنہ اپنے مستقر سے منزل بہ منزل چلتے ہوئے کسی مزاحمت کے بغیر اسپدہان کے مقام پر پہنچ گئے جو نہاوند سے نو میل کے فاصلے پر واقع تھا۔[1] حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ اس وقت ان کی کل فوج مل ملا کر تیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ اس میں متعدد جلیل القدر صحابہ بھی شامل تھے، مثلاً حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما، حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، حضرت قعقاع بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

فیروزان کو بھی مسلمانوں کی پیش قدمی کی اطلاع مل چکی تھی۔ وہ قادسیہ کی لڑائی

---

[1] ابو حنیفہ دینوری نے "اخبار الطوال" میں اس مقام کا نام "اسپید بان" لکھا ہے جو ان کے بقول قدیسجان نام کے ایک گاؤں کے قریب اور شہر نہاوند سے تین فرسخ کے فاصلے پر تھا۔

Marfat.com

میں موجود تھا اور مسلمانوں کی جرأت و شجاعت کا عینی شاہد تھا۔ لڑائی شروع کرنے سے پہلے اس نے بہتر یہی سمجھا کہ مسلمانوں سے بات چیت کر لی جائے۔ چنانچہ اس نے اسلامی لشکر کو پیغام بھیجا کہ اپنا کوئی آدمی سفیر بنا کر بھیجو۔ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے یہ خدمت حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فیروزان کے پاس پہنچے تو وہ طلائی تخت پر بڑے جاہ و جلال سے بیٹھا تھا اور اس کے دائیں بائیں بڑے بڑے امراء و روساء زرق برق لباس پہنے بیٹھے تھے۔ ہزاروں زرہ پوش پہرے دار ہاتھوں میں برچھیاں، تیر کمان اور ننگی تلواریں پکڑے دور تک پرے جمائے کھڑے تھے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بے باکانہ فیروزان کے سامنے بیٹھ گئے۔ ان دونوں میں مترجم کے ذریعے جو گفتگو ہوئی وہ مدائن میں یزدجرد اور اسلامی وفد کی بات چیت سے ملتی جلتی تھی۔ آخر میں فیروزان نے کہا:

"یہ قدر انداز جو تم اپنے سامنے دیکھ رہے ہو ابھی تمہارا فیصلہ کر دیتے، لیکن میں نہیں چاہتا کہ ان کے تیر تمہارے ناپاک خون میں آلودہ ہوں، اب بھی تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ تو میں تم سے درگزر کر سکتا ہوں۔"

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے فیروزان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا:

"بلاشبہ زمانۂ جاہلیت میں ہم سے زیادہ بدبخت اور کوئی قوم نہ تھی، لیکن جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں مبعوث ہوئے، اللہ تعالیٰ برابر ہمیں فتح و نصرت سے نواز رہا ہے۔ واللہ ہم اپنی پچھلی بدبختی کی طرف کبھی واپس نہ ہوں گے۔ اب تو ہم تمہارے ملک پر قبضہ کر کے رہیں گے یا اس کو اپنی لاشوں سے پاٹ دیں گے۔"

غرض سفارت بے حاصل رہی اور فریقین لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ ایرانیوں نے کھلے میدان میں مقابلہ کرنے کے بجائے قلعہ بند ہو کر لڑنا مناسب سمجھا۔ انہوں نے فصیلِ شہر کے چاروں طرف لوہے کے گوکھرو بچھا دیے اور ان میں صرف

Marfat.com

دو تین راستے خالی رکھے تا کہ جس وقت حملے کے لیے نکلنا چاہیں، نکل سکیں۔ مسلمانوں کے گھوڑے ان گوکھروؤں کو پار نہ کر سکتے تھے اور ایرانی جب بھی موقع پاتے، شہر سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے۔ اس طرح لڑائی طول کھینچنے لگی تو حضرت نعمان رضی اللہ عنہ بہت فکر مند ہوئے۔ انہوں نے اہل الرّائے اصحاب کو جمع کیا اور ان سے الگ الگ رائے لی۔ طلیحہ بن خویلد اسدی کی رائے یہ تھی کہ ایک دستۂ فوج کے سوا باقی سب لشکر شہر سے چھ سات میل دور چلا جائے۔ جو دستۂ فوج پیچھے رہے وہ شہر پر حملہ آور ہو اور اس قدر تیر برسائے کہ ایرانی مشتعل ہو کر شہر سے باہر نکل آئیں پھر یہ دستہ پیچھے ہٹنا شروع کر دے، ایرانی بڑے اسلامی لشکر کو اپنے سامنے والے مختصر سے دستۂ فوج کا ضرور تعاقب کریں گے، جب وہ ہماری زد میں آ جائیں گے تو پھر وہ ہم سے اور ہم ان سے نبٹ لیں گے، اللہ تعالیٰ اپنی مشیّت کے مطابق ان کے اور ہمارے درمیان فیصلہ کر دے گا۔

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کو یہ تجویز بہت پسند آئی اور دوسرے اصحاب نے بھی اس سے اتفاق کیا۔ دوسرے دن حضرت نعمان رضی اللہ عنہ ایک دستۂ فوج حضرت قعقاع بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پیچھے چھوڑ کر سارے لشکر کو چھ سات میل پیچھے لے گئے۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے حسبِ تجویز شہر پر حملہ کیا اور ایرانیوں کو اس قدر اشتعال دلایا کہ وہ غضبناک ہو کر شہر سے باہر نکلے اور مسلمانوں سے لڑائی چھیڑ دی۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے اپنے دستے کے ساتھ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ پُر جوش ایرانیوں نے ان کو تباہ کرنے کا تہیّہ کر لیا اور ان کے تعاقب میں آگے بڑھنے لگے یہاں تک کہ بڑے اسلامی لشکر کے قریب پہنچ گئے۔ مسلمانوں نے ایرانیوں پر حملہ کرنا چاہا لیکن حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے انہیں روک دیا اور فرمایا کہ ہم دن ڈھلنے سے پہلے ان پر حملہ نہیں کریں گے۔ ادھر ایرانی تیروں کی بارش کر رہے تھے جس سے مسلمان زخمی

Marfat.com

ہو رہے تھے اور حملہ کے لیے بے تاب ہو رہے تھے۔ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ لڑائی چھیڑنے میں محض اس وجہ سے دیر کر رہے تھے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دشمن پر ہمیشہ سورج ڈھلنے کے وقت حملہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب سورج ڈھلنے کو ہوا نعمان رضی اللہ عنہ اپنے ترکی گھوڑے پر سوار ہوئے سر پر سفید ٹوپی رکھی اور تمام صفوں میں گھوم پھر کر مجاہدین کی حوصلہ افزائی کی اور جوش دلایا۔ پھر دستور کے مطابق تین تکبیریں کہیں۔ پہلی تکبیر پر مسلمانوں نے اپنی صفیں درست کرلیں۔ دوسری پر تلواریں سونت لیں اور نیزے تان لیے۔ تیسری پر دشمن پر اس بے جگری سے حملہ کیا کہ کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ میدان میں اس قدر خون بہا کہ گھوڑوں کے پاؤں پھسل پھسل جاتے تھے۔ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ زخم پر زخم کھاتے دشمن کے قلبِ لشکر کی طرف بڑھ رہے تھے کہ ان کا گھوڑا پھسل کر گرا اور وہ بھی زمین پر آ رہے۔ ان کے بھائی نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ قریب ہی تھے۔ انہوں نے جھپٹ کر نعمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے عَلَم تھام لیا اور ان کی سفید ٹوپی اپنے سر پر رکھ کر لڑائی جاری رکھی۔ ایک روایت میں ہے کہ نعیم رضی اللہ عنہ نے عَلَم حضرت حذیفہؓ بن الیمانؓ کے ہاتھ میں دے دیا اور خود دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے گرتے وقت اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا تھا کہ میں مر بھی جاؤں تو کوئی میری طرف متوجہ نہ ہو۔ مجاہدین نے ان کی وصیت پر عمل کیا اور پوری شدت سے لڑائی جاری رکھی یہاں تک کہ ایرانیوں کی کمر ٹوٹ گئی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس وقت ایک مجاہد حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کے سرہانے گیا۔ انہوں نے نزع کے عالم میں پوچھا' لڑائی کا کیا انجام ہوا؟ اس نے کہا' اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ فرمایا اللہ کا شکر ہے امیر المومنین کو فوراً اپنی فتح کی اطلاع دو۔ یہ کہہ کر اسلام کے ان بطلِ جلیل نے آخری ہچکی لی اور تاجِ شہادت پہن کر خلدِ بریں میں پہنچ گئے۔ اس طرح ان کی وہ دعا قبول ہوگئی جو انہوں نے لڑائی

Marfat.com

شروع ہونے سے پہلے مانگی تھی کہ الٰہی مجھے رتبۂ شہادت پر سرفراز فرمائیو۔

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما نے مژدۂ فتح کے ساتھ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ کو بھیجی تو وہ بے اختیار رو پڑے اور دیر تک روتے رہے۔ ''معرکۂ نہاوند'' کو ایران کی اہم ترین لڑائیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس لڑائی نے ایرانیوں کی قسمت پر مُہر لگادی اور پھر کبھی وہ اتنا کثیر لشکر مسلمانوں کے مقابلے میں نہ لا سکے۔ اسی لیے عربوں نے اس لڑائی کا نام فتح الفتوح رکھا...... نہاوند کی تسخیر کے بعد ایرانیوں کے باقی تمام صوبے بھی دو سال کے اندر اندر مسخّر ہو گئے اور سارے ایران پر مسلمانوں کا پرچمِ اقبال لہرانے لگا۔

حضرت نعمان بن مقرّن رضی اللہ عنہ نے اپنی شجاعت و بسالت اور راہِ حق میں سرفروشی کے جو نقوش صفحۂ تاریخ پر مرتسم کیے وہ ابدالآباد تک ان کا نام قائم و دائم رکھیں گے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:......

بندہ کہتا ہے میرا مال، میرا مال، حالانکہ اس کے مال میں سے جو واقعی اس کا ہے وہ بس تین چیزیں ہیں، ایک وہ جو اس نے کھا کے ختم کر دیا، دوسرے وہ جو پہن کر پرانا کر ڈالا اور تیسرے وہ جو اس نے اللہ کی راہ میں دے دیا اور اپنی آخرت کے لیے ذخیرہ کر لیا اور ان کے سوا جو کچھ ہے وہ بندہ دوسروں کے لیے چھوڑ جانے والا ہے اور خود یہاں سے ایک دن رخصت ہو جانے والا ہے۔ (صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت کُرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ

(۱)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے محبوب وطن کو چھوڑ کر تین سو میل دُور مدینہ مُنوّرہ تشریف لے گئے لیکن قریشِ مکّہ کا دل اس سے بھی ٹھنڈا نہ ہوا۔ اہلِ حق کو مدینہ مُنوّرہ میں عافیت سے زندگی گزارتے دیکھ کر ان کی چھاتی پر سانپ لوٹ جاتا تھا اور وہ ان کو ستانے کا کوئی نہ کوئی موقع تلاش کرتے رہتے تھے۔ ربیع الاوّل ۲ ہجری میں مشرکینِ مکّہ کے ایک جتھے نے اہلِ مدینہ کے مویشیوں پر چھاپا مارا جو شہر سے تین میل دور کوہِ جماء کے قریب چر رہے تھے۔ ان لوگوں نے بہت سے اونٹ گلہ بانوں سے چھین لیے اور انہیں ہانک کر مکّہ کا رُخ کیا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا حاکم بنایا اور خود ستّر جاں نثاروں کے ہمراہ ان لٹیروں کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وادیِ سفوان تک تشریف لے گئے لیکن مکّی لٹیروں کو سامنے آنے کا حوصلہ نہ پڑا اور وہ نہایت تیز رفتاری سے بھاگتے ہوئے مکہ کی حدود میں پہنچ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وادیِ سفوان سے آگے جانا مناسب نہ سمجھا اور وہیں سے مدینہ منورہ کو مراجعت فرمائی۔

اہلِ سِیَر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مہم کو غزوۂ بدر اولیٰ یا غزوۂ سفوان کا نام دیا

Marfat.com

ہے۔ قریشی لٹیرے اہلِ مدینہ کے مویشی تو لوٹ کر لے جانے میں کامیاب ہو گئے لیکن خدا کی قدرت مکّہ پہنچ کر ان لٹیروں کے سردار کی عجیب کیفیت ہوگئی۔ اس کے دل میں دفعتہً شمعِ ایمان روشن ہوگئی اور اس کا ضمیر اس ڈاکا زنی پر اس کو بار بار ملامت کرنے لگا۔ ابنِ اثیر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد ایک دن وہ یکایک مکہ سے عازمِ مدینہ ہوگیا اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر سعادت اندوزِ اسلام ہوگیا۔ یہ قریشی سردار جن کو ایک قبیح حرکت کے بعد توبہ اور شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہونے کی توفیق نصیب ہوئی' حضرت کُرز بن جابر الفہری رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

کُرز رضی اللہ عنہ بن جابر بن حسیل بن لاحب بن حبیب بن عمرو بن شیبان بن محارب بن فہر بن مالک بن نضر (قریش) بن کنانہ۔

(۲)

۶ ہجری (باختلافِ روایت شوّال' جمادی الاولیٰ' جمادی الاُخریٰ یا ذی الحجہ) میں بنو قضاعہ کی ایک شاخ بنو عکل اور بنو بجیلہ کی ایک شاخ بنو عُرینہ کے آٹھ آدمی مدینہ منورہ آئے اور اسلام قبول کر کے مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے۔ یہاں کی آب و ہوا ان کو موافق نہ آئی اور وہ بیمار ہو گئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ اپنے وطن ہی سے بیمار آئے تھے۔ ان کو کون سی بیماری لاحق ہوئی؟ اس کے بارے میں بھی مؤرخین میں اختلاف ہے۔ کسی نے لکھا ہے کہ ان کو طحال (تلی بڑھنے) کا عارضہ ہوا اور ان کے پیٹ پھول گئے۔ بعض کا بیان ہے کہ وہ استسقاء کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی بیماری کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قباء کے قریب ایک مقام ذی الجدر (ذی الجدر) جانے کی ہدایت فرمائی۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ چرا کرتے تھے اور ان لوگوں کو وہاں بھیجنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ ایک تو ان کی آب و ہوا

Marfat.com

تبدیل ہو جائے گی اور دوسرے وہ اونٹنیوں کا دودھ پی کر توانا ہو جائیں گے۔ یہ لوگ وہاں پہنچے تو اونٹوں کے نگران حضرت یسار نوبی رضی اللہ عنہ نے ان کا پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ یسار رضی اللہ عنہ نوبہ کے رہنے والے تھے اور قبولِ اسلام کے بعد انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کر لی تھی۔ وہ نماز کے تمام ارکان کو نہایت حسن وخوبی سے ادا کیا کرتے تھے۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز پڑھتے دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور انہیں غلامی سے آزاد فرما کر اپنے مویشیوں کا نگران بنا دیا۔ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت نے حضرت یسار رضی اللہ عنہ کو ایک مثالی مردِ مومن بنا دیا تھا۔ انہوں نے نومسلم بدویوں کی بڑی خاطر مدارات کی اور انہیں خوب خوب دودھ پلایا یہاں تک کہ چند دنوں کے اندر اندر وہ خوب تندرست وتوانا ہو گئے۔ یہ لوگ نہایت بدفطرت اور کمینے تھے۔ تندرست ہونے کے بعد وہ اللہ کا شکر ادا کرنے کے بجائے اسلام ہی سے برگشتہ ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پندرہ اونٹ لے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت یسار رضی اللہ عنہ نے انہیں روکا تو بدبختوں نے احسان کا بدلہ یوں چکایا کہ ان کو پکڑ کر بڑی بے رحمی سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے' پھر ان کی آنکھوں اور زبان میں کانٹے چبھو دیے۔ اس صدمہ سے حضرت یسار رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی شقاوت کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کرز بن جابر رضی اللہ عنہ کو بیس سوار دے کر ان کے تعاقب میں روانہ کیا۔ اس اثناء میں وہ لوگ بہت دور نکل گئے تھے' تاہم حضرت کرز رضی اللہ عنہ نے بھی ان کا کھوج لگانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ وہ اپنے اندازہ سے گھوڑے دوڑاتے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک عورت ملی' اس نے اونٹ کا شانہ اٹھا رکھا تھا۔ حضرت کرز رضی اللہ عنہ نے اسے روک کر پوچھا' تو نے یہ شانہ کہاں سے لیا؟ اس نے کہا میں ادھر آ رہی تھی کہ راستے میں مجھے چند آدمی ملے جو ایک اونٹ ذبح کر کے بیٹھے تھے۔ یہ شانہ انہوں نے ہی

Marfat.com

مجھے دیا ہے۔شاید یہاں سے اگلی منزل پر یہ لوگ اب بھی موجود ہوں۔

حضرت کرز رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی برق رفتاری سے عورت کی بتلائی ہوئی جگہ پر پہنچ گئے۔وہ آٹھوں غدار وہاں موجود تھے۔حضرت کرز رضی اللہ عنہ نے ان کی مشکیں باندھ لیں اوران کو باقی چودہ اونٹوں سمیت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غابہ میں تشریف رکھتے تھے۔چونکہ ان بدبختوں نے نہایت گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا تھا' اس لیے کسی رحم کے مستحق نہ تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جس طرح ان ظالموں نے بے گناہ یسار کے ہاتھ پاؤں کاٹے اور ان کی آنکھوں میں کانٹے چبھوئے' اسی طرح ان کے بھی ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں اور ان کی آنکھوں میں سلائی پھیری جائے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی گئی اور ان کی لاشوں کو حرّہ میں ڈال دیا گیا۔

بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت ایسے ہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی۔

> (ترجمہ)''جولوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کیے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے جائیں یا وہ جلاوطن کر دیے جائیں۔'' (المائدہ:۳۳)

رمضان المبارک ۸ ہجری میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ پر پرچم اسلام بلند کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت کرز بن جابر رضی اللہ عنہ کو بھی اُن دس ہزار قدوسیوں'' میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا جو اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔فوج کے جس دستے میں حضرت کرز رضی اللہ عنہ تھے اس کی قیادت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کررہے تھے۔دوسرے تمام دستے تو کسی مزاحمت کے بغیر مکہ معظمہ میں داخل ہوگئے لیکن بنوبکر' بنی حارث اور ہذیل وغیرہ کے کچھ جنگجوؤں

Marfat.com

نے خندمہ کے مقام پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو روکا۔ مجبوراً انہیں بھی تلوار اٹھانی پڑی۔ اس جھڑپ میں مشرکین کے ۲۴ یا ۲۸ آدمی مارے گئے اور مسلمانوں کی طرف سے حضرت کرز بن جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت حبیش الاشعر رضی اللہ عنہ نے جامِ شہادت پیا۔ عام مؤرخین نے یہ واقعہ اسی طریقہ سے بیان کیا ہے لیکن حافظ ابنِ عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاستیعاب'' میں مختلف انداز سے لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت کرز بن جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت حبیش الاشعر[1] اتفاق سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے دستے سے بچھڑ گئے اور کسی دوسرے راستے پر جا پڑے۔ وہاں کچھ مسلّح مشرک مل گئے انہوں نے حضرت حبیش رضی اللہ عنہ کو شہید کر ڈالا۔ کرز رضی اللہ عنہ چاہتے تو بھاگ کر اپنی جان بچا سکتے تھے لیکن انہوں نے اسے جوانمردی سے بعید جانا اور حبیش رضی اللہ عنہ کی لاش سامنے کر کے یہ رجز پڑھتے ہوئے مشرکین پر حملہ آور ہوئے۔

قد علمت صغراء من بنی فهر

نقية الوجوه نقية الصدر

لاضر بن اليوم عن ابی صخر

(بنی فہر کی زرد رنگ اور صاف چہرے اور سینے والی عورتیں جانتی ہیں کہ آج میں ابی صخر (حبیش) کی طرف سے لڑوں گا۔)

کرز رضی اللہ عنہ اکیلے تھے اور مشرکین بہت سے تھے۔ انہوں نے نرغہ کر کے اسلام کے اس غیور فرزند کو شہید کر ڈالا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] نام حبیش لقب اشعر اور کنیت ابوصخر تھی۔ مشہور صحابیہ حضرت اُمِّ معبد خزاعیہؓ کے بھائی تھے۔ یہ وہی اُمِّ معبد ہیں جن کے خیمے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفرِ ہجرت کے دوران میں کچھ دیر کے لیے قیام فرمایا تھا اور بعد میں انہوں نے اپنے شوہر کے سامنے نہایت بلیغ انداز میں حضورؐ کا حلیۂ مبارک بیان کیا تھا۔

Marfat.com

حضرت عثمان بن طلحہ عبدری رضی اللہ عنہ

(۱)

فتح مکہ (۲۰ رمضان المبارک ۸ ہجری) کے دن چشمِ فلک نے ایک تحیّر خیز منظر دیکھا۔ وہی مکہ معظمہ جس سے تقریباً آٹھ سال پیشتر سرورِ کائنات فخرِ موجودات سیّدالانام صلی اللہ علیہ وسلم صرف دو رفیقوں (حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہ) کی معیّت میں رات کی تاریکی میں رخصت ہوئے تھے۔ آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی شہرِ جلال میں اس شان سے داخل ہو رہے تھے کہ دس ہزار مسلّح جاں نثار اللہُ اکبر، اللہُ اکبر، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا وِرد کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جِلو میں تھے اور تمام جبابرۂ قریش لرزہ براندام اپنے گھروں میں دبکے ہوئے تھے۔ لیکن یہ کسی دنیاوی فاتح کی یلغار نہیں تھی۔ یہ تو سرزمینِ حرم میں رحمتِ حق کا نزول تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ عمامہ باندھے اپنی اونٹنی قصوا پر جلوہ افروز تھے۔ سرِ اقدس جھکا ہوا تھا۔ چشم ہائے مبارک سے آنسو رواں تھے اور زبانِ پاک پر سورۂ فتح کی آیات تھیں۔ جب تمام مجاہدین مکہ معظّمہ میں داخل ہو چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرِ اقدس کو بلند فرمایا اور شکرِ خداوندی بجا لائے۔ کعبۃ اللہ کے دروازے پر پہنچ کر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانۂ کعبہ کے اندر داخل ہو کر اس کی تطہیر کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ لیکن خانۂ کعبہ کے دروازے پر ایک بڑا قفل پڑا تھا۔

Marfat.com

حضور ﷺ نے اپنے ہم رِکاب ایک صاحب کو اشارہ فرمایا کہ اس کی کُنجی لے آؤ۔ وہ صاحب دوڑے دوڑے گئے۔ اور تھوڑی دیر بعد کنجی لاکر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی۔ آپ ﷺ نے خانۂ کعبہ کا دروازہ کھولا اور کنجی لانے والے صاحب اور چند دوسرے جاں نثاروں کے ہمراہ اس کے اندر جا کر دروازہ بند کر دیا۔ تطہیرِ کعبہ کے بعد آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو کنجی لانے والے صاحب بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ حضور ﷺ نے ان پر شفقت بھری نظر ڈالی' اور کنجی ان کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا۔ "جو شخص یہ کنجی تم سے چھینے گا وہ ظالم ہوگا۔"

یہ خوش بخت صاحبِ رسول جن کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خانۂ کعبہ کی کلید برداری کا اہل اور حق دار ٹھہرایا' حضرت عثمان بن طلحہ عبدری رضی اللہ عنہ تھے۔

(۲)

حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کا تعلّق قریش کی ایک معزّز شاخ بنی عبدالدّار سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے۔

عثمانؓ بن طلحہ بن ابی طلحہ عبداللہ بن عبدالعزّٰی بن عثمان بن عبدالدّار بن قُصیّ بن کِلاب بن مُرّہ۔ قُصیّ پر ان کا نسب نامہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ سے مل جاتا ہے۔

والدہ کا نام باختلافِ روایت سلامہ یا سلافہ تھا۔ وہ مدینہ کی رہنے والی تھیں اور اَوس کے خاندان بنی عمرو عوف سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کی شادی مکّہ کے رئیس طلحہ بن ابی طلحہؓ سے ہوئی۔ اسی کی صُلب سے حضرت عثمانؓ پیدا ہوئے۔

زمانۂ جاہلیّت میں طلحہ بن طلحہ بن ابی طلحہؓ خانۂ کعبہ کا کلید بردار تھا۔ اس لحاظ سے وہ اہلِ مکّہ میں بڑی عزت و احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ افسوس کہ اس شخص کو قبولِ اسلام کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ جب تک جیا اپنے مشرکانہ عقائد پر سختی سے قائم

Marfat.com

رہا اور اپنی اولاد کو بھی اسلام کی طرف راغب نہ ہونے دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ طبعاً بڑے شریف النّفس تھے۔ وہ زمانہ جاہلیّت میں بھی اہلِ حق کے خلاف کسی کمینہ اور چھچھوری حرکت کے مرتکب نہیں ہوئے۔ ۱۳ بعدِ بعثت میں اُمُّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہجرت اِلیٰ المدینہ کے موقع پر انہوں نے ایسی شرافت کا ثبوت دیا کہ تاریخ میں شاید ہی ایسی مثالیں ملتی ہیں۔ ابنِ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے پہلے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ دعوتِ حق کے آغاز ہی میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے تھے۔ کُفّار کے مظالم سے تنگ آ کر پہلے انہوں نے حبش کی طرف ہجرت کی۔ کچھ عرصہ وہاں گزارنے کے بعد مکّہ واپس آئے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایما پا کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا قصد کیا اس وقت حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس صرف ایک ہی اونٹ تھا۔ اس پر انہوں نے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اور اپنے ننھے بچے سلمہ کو سوار کرایا اور خود اونٹ کی نکیل پکڑ کر پیادہ پا چل پڑے۔ تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے خاندان بنومغیرہ کو پتا چل گیا۔ انہوں نے اونٹ کو گھیر لیا اور حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ہماری لڑکی تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی۔ یہ کہہ کر وہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو زبردستی اپنے ساتھ لے گئے۔ اتنے میں حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہا کے خاندان کے لوگ بنوعبدالاسد آ پہنچے۔ انہوں نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہا کے بچے سلمہ پر قبضہ کر لیا اور بنومغیرہ سے کہا کہ اگر تم اپنی لڑکی کو ابوسلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نہیں جانے دیتے تو ہم اپنے قبیلے کے بچے کو تمہارے پاس نہیں چھوڑیں گے۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہا سے کہا' تو اکیلا جہاں جی چاہے جا سکتا ہے۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہا دل پر پتھر رکھ کر اکیلے ہی عازمِ مدینہ ہو گئے۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا پر شوہر اور بچے کی جدائی نے قیامت ڈھا دی۔ وہ روزانہ علی الصّباح گھر سے باہر نکلتیں اور ایک ٹیلے پر بیٹھ کر گریہ وزاری کرتی رہتیں۔ پورا ایک سال اسی طرح گزر گیا۔ ایک دن بنومغیرہ

Marfat.com

کے ایک صاحبِ اثر اور رحم دل آدمی نے انہیں اس حال میں دیکھا تو اس کا دل پسیج گیا۔ اس نے اپنے قبیلے کو جمع کیا۔ اور کہا ''یہ لڑکی ہمارا ہی خون ہے۔ ہم کب تک اس غریب کو اپنے شوہر اور بچے سے جدا رکھیں گے۔ اے بنومغیرہ! خدا کی قسم ہمارا قبیلہ بڑا شریف اور بہادر ہے جو ظلم کو دوست نہیں رکھتا'' اس شخص کی تقریر سن کر دوسرے لوگوں کو بھی رحم آ گیا اور انہوں نے بھی ننھے سلمہ کو اپنی ماں کے پاس بھیج دیا۔ اب حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے بچے کو گود میں لیا اور اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ خود ان سے روایت ہے کہ ''جب میں اپنے بچے کے ساتھ مکہ سے چلی تو میرے ساتھ اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی ساتھ نہ تھا' جب میں تنعیم کے مقام پر پہنچی تو میں نے وہاں عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ عبدری کو دیکھا' انہوں نے کہا' اے ابو امیہ کی بیٹی! تو کہاں جا رہی ہے؟ میں نے کہا' مدینہ اپنے شوہر کے پاس۔ انہوں نے کہا تیرے ساتھ کوئی نہیں ہے؟ میں نے کہا' سوائے اللہ کے اور میرے اس بیٹے کے اور کوئی نہیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا' خدا کی قسم میں تمہیں یوں تنہا نہ جانے دوں گا۔ یہ کہہ کر انہوں نے میرے اونٹ کی نکیل پکڑی اور تیز تیز چلنے لگے' خدا کی قسم میں نے عرب میں عثمان سے بڑھ کر ساتھ دینے والا کوئی شریف آدمی نہیں دیکھا' جب ہم کسی منزل پر پہنچتے تو عثمان میرے لیے اونٹنی کو بٹھا دیتے اور خود پیچھے ہٹ جاتے' جب میں اتر جاتی اور اونٹ سے پرے ہٹ جاتی تو وہ اونٹ سے کجاوہ کھولتے' اسے درخت سے باندھ دیتے' پھر علیحدہ ہٹ کر کسی درخت کے نیچے آرام کرتے۔ جب چلنے کا وقت آتا تو وہ اونٹ کو میرے سامنے لاتے۔ کجاوہ کستے' پھر مجھ سے پیچھے ہٹ جاتے اور کہتے' سوار ہو جاؤ' جب میں ٹھیک سے اونٹ پر بیٹھ جاتی تو آتے اور اونٹ کی نکیل پکڑ کر چل پڑتے۔ اسی طرح قباء تک میرے ساتھ آئے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے مجھ سے کہا کہ تیرا شوہر اسی بستی میں ہے تو اب بستی کے اندر چلی جا۔ یہ کہہ

Marfat.com

کر اسی جگہ سے مکہ معظمہ واپس چلے گئے۔ خدا کی قسم میں نے عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ شریف کسی کو نہیں دیکھا۔“

(۳)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے والد اور بھائی اسلام کے سخت دشمن تھے۔ چنانچہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ۳ ہجری میں غزوۂ اُحد پیش آیا تو اس میں طلحہ بن ابی طلحہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ وہ قریش کا عَلَمبردار تھا۔ عام لڑائی کے آغاز سے پہلے اس نے مبارزت طلب کی تو حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ اس کے مقابل ہوئے اور چند لمحوں کے اندر اندر اس کو خاک وخون میں لوٹا دیا۔ طلحہ کے قتل ...... پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بآوازِ تکبیر اظہارِ مسرّت فرمایا اور تمام مسلمانوں نے بھی اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ میدانِ جنگ گونج اٹھا۔

طلحہ کے قتل کے بعد اس کا بھائی ابوشیبہ عثمان اور تین بیٹے مسافع، جلاس، کلاب بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو باپ، چچا اور بھائیوں کے قتل کا جو صدمہ ہوا وہ تو ہوا لیکن غزوۂ اُحد کے بعد ان کا دل آہستہ آہستہ اسلام کی طرف مائل ہونے لگا۔ حتیٰ کہ صلح حدیبیہ (ذیقعد ۶ ہجری) کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے وہ کسی وقت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر سعادت اندوزِ اسلام ہو گئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے فتح مکہ سے سات ماہ قبل حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسلام قبول کیا اور پھر ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ چند ماہ بعد غزوۂ فتح پیش آیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی اُن دس ہزار قدُوسیوں میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا جو اس موقع پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں داخل ہو کر خانۂ کعبہ کو بتوں کی آلائش سے پاک کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھر جا کر خانۂ کعبہ

Marfat.com

کی کنجی لے آئیں۔ یہ حکم اس بنا پر تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا باپ طلحہ کلید بردارِ کعبہ ہوا کرتا تھا۔ اس کے قتل کے بعد کنجی اس کی اہلیہ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ) کی تحویل میں رہتی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے گھر جا کر ماں سے کنجی طلب کی تو انہوں نے دینے سے انکار کر دیا (اس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہوئی تھیں) مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زبردستی ان سے کنجی لے لی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ماں کو دھمکی دی کہ ابھی کنجی میرے حوالے کر دو ورنہ میں اپنی تلوار تمہاری پیٹھ میں اتار دوں گا۔ صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کنجی لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دی۔ تطہیرِ کعبہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنجی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو واپس کر دی اور انہیں کلید بردارِ کعبہ مقرر فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ ایک روایت کے مطابق چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ نے فوراً اسلام قبول کر لیا' اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال آیا کہ کنجی عثمان رضی اللہ عنہ کو واپس نہ کی جائے (مبادا ان کی والدہ پھر ضد کر بیٹھیں) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا.

(النساء:۵۸)

(بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے مستحقین کو واپس کر دو۔)

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنجی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو واپس دے دی جس کا یہ اثر ہوا کہ ان کی والدہ سعادت اندوزِ اسلام ہو گئیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین اور طائف کے معرکوں کے بعد مدینہ منورہ کو مراجعت فرمائی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ واپس چلے گئے اور جب تک آفتابِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی شفقِ رحمت میں غروب نہ ہوا

Marfat.com

وہیں مقیم رہے' اس دوران میں ان کی طرف سے کعبہ کی کلید برداری کے فرائض کوئی اور صاحب انجام دیتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد وہ مکہ آ گئے اور تاحیات کلید برداری کی خدمت انجام دیتے رہے۔ حافظ ابنِ عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاستیعاب'' میں ان کا سالِ وفات ۴۲ ہجری لکھا ہے۔ غالباً اولادِ نرینہ کوئی نہیں تھی۔ اس لیے وفات سے پہلے انہوں نے خانۂ کعبہ کی کنجی اپنے چچا زاد بھائی حضرت شیبہ رضی اللہ عنہ بن عثمان کے سپرد کر دی۔ چنانچہ وہ اب تک حضرت شیبہ رضی اللہ عنہ کی اولاد کی تحویل میں ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن صحابہ رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہو کر) فرمایا' تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم میں تو مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس نہ تو درہم (مال) ہو اور نہ سامان اسباب۔ آپ نے فرمایا' میری امت میں قیامت کے دن مفلس وہ شخص ہو گا جو دنیا سے نماز' روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ ہر قسم کی عبادتیں لے کر آئے گا اور ساتھ ہی کسی کو گالی دینے' کسی پر تہمت لگانے' کسی کا مال کھا جانے' کسی کو ناحق قتل کرنے اور کسی کو ناحق مارنے پیٹنے کے گناہ بھی لائے گا۔ پھر ایک مظلوم کو اس کی نیکیوں میں سے دیا جائے گا اور دوسرے مظلوم کو اس کی نیکیوں میں سے دیا جائے گا۔ جب اس کی یہ نیکیاں ختم ہو جائیں گی اور لوگوں کے حق باقی رہ جائیں گے تو ان حقداروں کی برائیاں اور گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے۔ پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت عداس رضی اللہ عنہ

(۱)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سن مبارک پورے چالیس سال کا ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہاں خانۂ باطن میں وحیِ الٰہی کا سرچشمہ موجیں مارنے لگا جو اکثر سچے خوابوں یا الہاموں کی صورت میں نمودار ہوتا...... اور پھر ماہِ رمضان ۴۰ عام الفیل میں ایک دن یکایک جبریلِ امینؑ کے ذریعے رُو در رُو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلی وحی نازل ہوئی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں مصروف عبادت تھے۔ اس وحی کے نزول کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانۂ اقدس کی طرف لوٹے تو یہ کیفیت تھی کہ جسدِ اطہر میں شدید ارتعاش تھا۔ آتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجۂ مطہرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ...... مجھے اڑھاؤ مجھے اڑھاؤ۔" انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک کمبل ڈال دیا اور روئے انور پر سرد پانی کے چھینٹے دیے۔ یہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پُرسکون ہوگئی۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نزولِ وحی کا سارا واقعہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو سنایا اور آخر میں فرمایا:

لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِىْ

(مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے)

اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا نے یہ ماجرا سن کر عرض کیا: ...... "ہرگز نہیں، خدا کی قسم اللہ آپ

Marfat.com

کو کبھی رنج میں مبتلا نہیں کرے گا' آپ تو صلۂ رحمی کرتے ہیں۔ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ یتیموں اور مسکینوں کی مدد کرتے ہیں' درماندوں کی دستگیری کرتے ہیں' مہمانوں کی تکریم و تواضع کرتے ہیں' تمام نیک کاموں میں مدد کرتے ہیں اور آپ کے اخلاق کریمانہ ہیں۔''

اس کے بارے میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے جبریلِ امین کے بارے میں تحقیق کا ارادہ کیا اور سب سے پہلے بنو عبد شمس کے رئیس عتبہ بن ربیعہ کے ایک غریب الدیار غلام عداس کے پاس تشریف لے گئیں۔ عداس دینِ مسیحی کے پیرو تھے اور نہایت نیک خصلت آدمی تھے۔ وہ عراق کے شہر موصل کے ایک نواحی گاؤں کے رہنے والے تھے اور کچھ عرصہ سے مکّہ میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بعض لوگوں نے بتایا تھا کہ انہیں آسمانی صحائف توریت و انجیل پر عبور حاصل ہے اور یہی بات انہیں عداس کے پاس لے گئی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے عداس سے پوچھا:

''اے عداس میں تم کو اللہ کی قسم دیتی ہوں کہ اگر تم جبریل کے بارے میں کچھ جانتے ہو تو مجھے بتاؤ۔''

عداس نے کہا: ''اے خاتون قریش' بت پرستوں کی اس سرزمین سے جبریل کا کیا واسطہ؟''

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''تم یہ تو بتاؤ' جبریل کون ہے اور اس کا کام کیا ہے؟''

اب عداس سنبھل کر بیٹھ گئے اور بڑے نپے تلے لہجے میں یوں گویا ہوئے:

''اے سیدۂ نساءِ قریش آپ واقعی جبریل کے بارے میں کچھ جاننا چاہتی ہیں تو جان لیجیے کہ وہ نبیوں اور رسولوں کے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغام

Marfat.com

پہچانے والے امانت دار فرشتہ ہیں۔ موسیٰ، عیسیٰ اور دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام کو وہی اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچایا کرتے تھے۔"

اس کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا مزید تحقیق کے لیے اپنے کبیر السن چچازاد بھائی وَرقہ بن نَوفل کے پاس گئیں جنہوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور توریت و انجیل کے عالم تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کے سامنے نزولِ وحی کا سارا واقعہ بیان کیا اور پھر اس کی حقیقت کے بارے میں ورقہ سے استفسار کیا تو انہوں نے جہاں عداس کے بیان کی تصدیق کی وہاں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ مژدہ بھی سنایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس اُمّت کے رسول ہیں اور وہی احمد نبی ہیں جن کے مبعوث ہونے کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی۔

یہ سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مطمئن ہو گئیں اور نہایت مَسَرّت و ابتہاج کے عَالَم میں گھر کو مراجعت کی۔

یہ واقعہ جسے سلیمان تیمی رحمۃ اللہ علیہ، موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ اور زرقانیؒ نے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے، اس میں عداس کا نام صفحۂ تاریخ پر پہلی بار نمودار ہوتا ہے اور پھر گردشِ زمانہ اسے سالہا سال تک نظروں سے اوجھل کر دیتی ہے۔

(۲)

بعثت کے بعد تین سال تک رحمتِ عَالَم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت راز داری کے ساتھ تبلیغِ حق کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ جب چوتھے سال کے آغاز میں یہ حکمِ خداوندی نازل ہوا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ

(احکامِ الٰہی برملا سنایئے اور مشرکین کی پروا نہ کیجیے)۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کو آشکارا کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی مشرکین کے

Marfat.com

قہر و غضب کا آتش فشاں پوری قوت سے پھٹ پڑا اور انہوں نے اہلِ حق کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ یہاں تک کہ ۷ بعدِ بعثت میں انہوں نے بنو ہاشم اور بنو مُطّلِب کو "شِعبِ ابی طالب" میں محصور کر دیا اور ان سے ہر قسم کے تعلّقات منقطع کر لیے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سمیت بنو ہاشم و بنو مطلب کے تمام اہل حق اور ان کے بعض حامی مسلسل تین برس تک "شِعب ابی طالب" میں لرزہ خیز مصائب و آلام جھیلتے رہے۔ ۱۰ بعد بعثت میں یہ روح فرسا مقاطعہ ختم ہوا تو حضور ﷺ کے جاں نثار چچا ابو طالب اور انتہائی غمگسار و وفادار رفیقۂ حیات اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تھوڑے ہی دنوں کے فصل سے وفات پا گئے۔ ان دونوں مونس و غمخوار ہستیوں کی جدائی سے حضور ﷺ کو شدید صدمہ پہنچا۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ اس سال (۱۰ بعدِ بعثت) کو "عَامُ الحُزن" (سالِ غم) سے تعبیر فرمایا کرتے تھے۔

جناب ابو طالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں مشرکین کو حضور ﷺ پر کھلم کھلا کبھی ہاتھ اٹھانے کی ہمت نہ پڑی تھی لیکن اب وہ آپ ﷺ کو اذیتیں پہنچانے پر بہت جری ہو گئے اور آپ ﷺ کو ستانے کے لیے کسی اوچھی سے اوچھی اور ذلیل سے ذلیل حرکت سے بھی دریغ نہ کیا۔ آپ ﷺ کے فرقِ اقدس پر مٹی پھینکنے، سجدے کی حالت میں آپ ﷺ کے دوشِ مبارک (یا پشتِ مبارک) پر اونٹنی کا اوجھ رکھنے، آپ ﷺ کو غلیظ گالیاں دینے اور اسی قبیل کی اور بیہودگیوں کے واقعات اسی زمانے کے ہیں۔ کفارِ قریش کی شدید معاندانہ روش کے باوجود ہادیِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغِ حق کا کام بدستور جاری رکھا لیکن جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ ان لوگوں کی ضد اور شقاوت انتہا کو پہنچ چکی ہے اور وہ کفر و عصیان اور تمرّد کے راستے سے ہٹنے پر کسی طور آمادہ ہی نہیں ہوتے تو آپ ﷺ نے یہی مناسب سمجھا کہ کچھ عرصہ کے لیے ان لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اور طائف جا کر

Marfat.com

وہاں کے صاحبِ اثر اشراف و رؤسا کو حق کی دعوت دی جائے۔

طائف مکہ سے جنوب مشرق کی طرف تقریباً پچاس میل کے فاصلہ پر کوہِ سراۃ کی سطح مرتفع میں واقع ہے۔ یہ شہر اپنی سرسبزی، شادابی، پانی کی فراوانی اور خوشگوار آب و ہوا کی بدولت حجاز کی جنّت کہلاتا ہے۔ یہاں سرسبز پہاڑوں کے دامن میں انگور، انجیر بہی اور انار وغیرہ کے حدِ نظر تک پھیلے ہوئے باغات عجیب روح پرور منظر پیش کرتے ہیں۔ عہدِ رسالت میں بھی اس کی سرسبزی اور شادابی کی یہی کیفیت تھی۔ اسلامی تاریخ میں طائف کی اہمیّت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ یہ صدیوں تک مکّہ کا توام شہر رہا ہے۔ خود قرآنِ حکیم میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔ سورۃ الزخرف میں ارشاد ہوا ہے:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (آیۃ: ۳۱)

(اور کفّار کہتے ہیں کہ یہ قرآن ان دو بستیوں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اترا)

مفسّرین کے نزدیک ''قریتین'' سے مراد مکّہ معظّمہ اور طائف ہی کے شہر ہیں جس زمانے میں آفتابِ رسالت فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا طائف پر بنو ثقیف کا تسلّط تھا یہ لوگ بڑے آسودہ حال، ذی رسوخ اور جنگجو تھے اور ساتھ ہی اہلِ مکّہ کی طرح گمراہی اور اخلاقی پستی کی دلدل میں گلے گلے تک دھنسے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کی اہلِ مکّہ کے ساتھ رشتہ داریاں بھی تھیں اور تجارتی روابط بھی۔ قریشِ مکّہ کے بعد سارے عرب میں سب سے بڑھ کر اگر کسی کی ساکھ تھی تو وہ اہلِ طائف کی تھی۔ ان کی اسی اہمیّت کے پیشِ نظر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو براہِ راست دعوتِ توحید دینے کا قصد فرمایا۔

(۳)

شوّال ۱۰ بعدِ بعثت کے آخر میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ سے طائف کی

Marfat.com

طرف روانہ ہوئے۔ امام ابنِ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا تشریف لے گئے تھے لیکن ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ' ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ' بلاذری رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے اہلِ سِیَر نے لکھا ہے کہ سفرِ طائف میں محبوبِ رسول حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ مکہ سے طائف تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام سفر پیادہ پا کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وُرودِ طائف کے وقت بنو ثقیف کی زِمامِ قیادت عمرو بن عمیر بن عوف ثقفی کے تین بیٹوں عبدِ یالیل' مسعود اور حبیب کے ہاتھوں میں تھی۔ سرسبز باغات اور زرخیز زمینوں کی کثیر آمدنی نے ان تینوں بھائیوں کا دماغ آسمان پر چڑھا رکھا تھا اور وہ کسی دوسرے کو خاطر ہی میں نہ لاتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان تینوں سے ملے' توحید کی دعوت دی اور اپنی آمد کی غرض بیان کی لیکن یہ تینوں دعوتِ حق پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بجائے برہم ہو گئے اور سخت بد اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

عبدِ یالیل نے تنک کر کہا: ''اگر خدا نے تمہیں رسول بنایا ہے تو گویا اس نے کعبہ کا غلاف پُرزے پُرزے کر ڈالا ہے۔'' (یا بروایتِ دیگر ''تو میں کعبے کے پردے نوچ ڈالوں گا'')

دوسرے بھائی مسعود نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا: ''کیا خدا کو تمہارے سوا کوئی نہ ملتا تھا کہ اسے رسول بناتا' تمہارے پاس تو چڑھنے کے لیے سواری تک نہیں۔''

تیسرا بھائی حبیب منطقیانہ انداز میں یوں گویا ہوا: ''میں تم سے مطلق کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ اگر تم واقعی خدا کے سچے رسول ہو تو تمہاری بات کو جھٹلانا سخت خطرناک اور خلافِ ادب ہے اور اگر تم جھوٹے ہو تو ایک دروغ گو سے بات کرنا میری شان کے خلاف ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مایوس کن جوابات سن کر فرمایا کہ خیر میرے ساتھ جو سلوک تم نے کیا سو کیا اب کم از کم اتنا تو کرو کہ جو باتیں ہمارے درمیان ہوئیں ان کو

Marfat.com

اپنے تک ہی رکھو۔

حضور ﷺ کی یہ خواہش اس خیال کے پیشِ نظر تھی کہ اگر قریشِ مکہ کو ان باتوں کا علم ہو گیا تو وہ اہلِ حق پر ظلم ڈھانے میں اور دلیر ہو جائیں گے۔ لیکن بنو ثقیف کے ان تینوں سرداروں نے حضور ﷺ کی اس خواہش کا جواب خندۂ استہزا سے دیا اور عربوں کی روایتی مہمان نوازی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے غلاموں، شہر کے لفنگوں، شہدوں اور شریر لونڈوں کو اشارہ کر دیا کہ وہ انسانیت کے محسنِ اعظم ﷺ کو خوب ستائیں یہاں تک کہ وہ طائف سے سے نکلنے پر مجبور ہو جائیں۔ ان بدبختوں کو ضیافتِ طبع کا ایک سامان ہاتھ آ گیا۔ حضور ﷺ ان کو نیکی اور بھلائی کی طرف بلاتے اور وہ اس کے جواب میں آپ ﷺ کو گندی گالیاں دیتے، مذاق اڑاتے، تالیاں بجاتے اور پتھر مارتے تھے۔ آپ ﷺ جدھر کا رخ کرتے یہ شیطان آپ ﷺ کا تعاقب کرتے۔ انہوں نے شقاوت، خباثت اور غنڈہ پن کی انتہا کر دی اور مسلسل دس دن تک وہ طوفانِ بدتمیزی برپا کیے رکھا کہ زمین و آسمان تھرا اُٹھے۔ حِبُّ النَّبِیّ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے دائیں بائیں آگے پیچھے دوڑتے پھرتے تھے اور بدمعاشوں کے پتھروں کو اپنے ہاتھوں اور جسم پر روکتے تھے لیکن جب ہر طرف سے پتھروں کی بوچھاڑ ہو رہی ہو تو حضور ﷺ کا جسدِ اقدس ضرر سے کیسے محفوظ رہ سکتا تھا۔ آپ ﷺ لہولہان ہو جاتے تھے اور ٹخنوں، پنڈلیوں اور گھٹنوں سے خون کے دھارے بہہ نکلے تھے۔ ایک دن (یعنی سردارانِ بنو ثقیف سے ملاقات کے دسویں دن) شریروں نے اتنے پتھر برسائے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بھی زخموں پر چُور چُور ہو گئے (بقول ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ ان کا سر پھٹ گیا) اور آقائے دوجہاں ﷺ بھی مجروح و نزار ہو کر زمین پر گر پڑے۔ اس وقت جسمِ پاک کے ہر حصے سے خون رِس رہا تھا۔ کمینہ صفت طائفیوں نے اس پر بھی بس نہیں کی بلکہ بغلوں

Marfat.com

میں ہاتھ دے کر حضور ﷺ کو کھڑا کر دیا اور پھر پتھر برسانے شروع کر دیے۔ آخر رحمتِ عالم ﷺ اپنے جاں نثار ساتھی کے ہمراہ زخموں سے چُور اور خون میں غلطیدہ، طائف سے نکلے اور کچھ دور جا کر ایک باغ کے اندر انگور کی ٹٹیوں میں پناہ لی۔ طائفی شیاطین بھی اب تھک ہار کر واپس چلے گئے۔ باغ میں ذرا اطمینان کی سانس لینی نصیب ہوئی تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر سے حضور ﷺ کے جسمِ اطہر سے خون صاف کیا۔ جوتوں میں خون اس طرح جم گیا تھا کہ حضور ﷺ بمشکل اپنے پاؤں باہر نکال سکے۔ قریب ہی پانی موجود تھا۔ حضور ﷺ لڑکھڑاتے ہوئے اٹھے، وضو کیا اور بارگاہِ رَبُّ العزّت میں وہ پُرسوز دعا کی جو تاریخ میں ''دعائے طائف'' کے نام سے مشہور ہے۔ طبری رحمۃ اللہ علیہ، ابنِ ہشام رحمۃ اللہ علیہ، ابنِ قیمؒ رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابنِ کثیرؒ نے معمولی لفظی تغیّر کے ساتھ غربت اور مظلومیت کی فضا میں مانگی گئی اس دعا کے جو الفاظ نقل کیے ہیں، ان کا ترجمہ یہ ہے:

''الٰہی میں اپنے ضعف، بے سروسامانی اور لوگوں کے ہاتھوں اپنی تحقیر کی فریاد تجھ ہی سے کرتا ہوں، تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، درماندہ ناتوانوں کا مالک تو ہی ہے اور میرا رب بھی تو ہی ہے، مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے کیا بیگانہ ترش رُو کے یا اس دشمن کے جو میرے نیک و بد کا مالک ہوگا۔ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی پروا نہیں لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسیع ہے، میں تیری ذات کے نور سے پناہ چاہتا ہوں جس سے سب تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دین و دنیا کے کام اس سے درست ہو جاتے ہیں، تجھ سے اس بات کی پناہ چاہتا ہوں کہ تیرا غضب مجھ پر وارد ہو یا تیری نارضامندی مجھ پر اترے، مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی مطلوب ہے اور نیکی کرنے

Marfat.com

یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔''

جس باغ میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے پناہ لی تھی اس کے مالک مکہ کے رئیس عتبہ و شیبہ فرزندانِ ربیعہ تھے۔ وہ اتفاق سے اپنے غلام عداس کے ہمراہ طائف آئے ہوئے تھے اور اس وقت باغ میں موجود تھے۔ انہوں نے دور سے ان زخمی اور خستہ حال مسافروں کو دیکھا تو مشرک ہونے کے باوجود ان کی رگِ حمیت پھڑک اٹھی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہم وطن بھی تھے او قرشی و یک جدّی بھی۔ پھر ان میں عربی شرافت اور مہمان نوازی ابھی موجود تھی۔ انہوں نے اپنے غلام عداس کو حکم دیا کہ جاؤ' انگوروں کا ایک خوشہ طباق میں رکھ کر مسافروں کو دے آؤ ...... یہ عداس وہی صاحب تھے جنہوں نے دس سال پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو روح الامین ؑ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ کیا تھا ...... انہوں نے جلدی جلدی کچھ پکے ہوئے انگور چنے اور ایک طباق میں رکھ کر آپ کی خدمت میں پیش کیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ (بروایتِ دیگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) کہہ کر انگوروں کی طرف دستِ مبارک بڑھایا تو عداس حیران رہ گئے اور انہوں نے کہا:

''خدا کی قسم اس سرزمین کے باشندوں سے تو میں نے کبھی ایسا کلمہ نہیں سنا۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''بھائی تمہارا آبائی وطن کونسا ہے اور تم کس دین کے پیرو ہو؟''

عداس نے جواب دیا: ''میں ارضِ نینوا کا رہنے والا ہوں اور دینِ مسیحی کا پیرو ہوں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اچھا تو تم مردِ صالح یونس ؑ بن متّٰی کے ہم وطن ہو۔''

فرطِ تحیر سے عداس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ بے اختیار ہو کر پوچھا:

''یونس ؑ بن متّٰی کو آپ کیسے جانتے ہیں؟''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یونس میرے بھائی ہیں وہ بھی خدا کے نبی تھے اور میں

Marfat.com

بھی خدا کا نبی ہوں۔"

عداس کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سلیم عطا کی تھی اور پھر وہ توریت وانجیل پر بھی عبور رکھتے تھے۔ لسانِ رسالت سے اعلانِ نبوت سن کر ان کو یقین ہو گیا کہ مقدس مسافر فی الحقیقت نویدِ مسیحا اور یوحنا کا "وہ نبی" ہے۔ اسی وقت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر گر پڑے۔ اشک ہائے عقیدت سے انہیں تر کیا اور پھر والہانہ آپ ﷺ کے سرِ اقدس اور ہاتھوں کو چومتے ہوئے عرض پیرا ہوئے۔

اَشْهَدُ اَنَّكَ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ

(میں شہادت دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔)

عتبہ اور شیبہ دور سے عداس رضی اللہ عنہ کی یہ کیفیت دیکھ رہے تھے۔ جب وہ ان کے پاس لوٹ کر گئے تو انہوں نے کہا: "تجھے کیا ہو گیا تھا کہ تو اس مسافر کے ہاتھ پاؤں اور سر چومنے لگا تھا؟"

عداس نے جواب دیا: "صاحبو یہ مسافر ایک عالی مرتبہ ہستی ہے' آج روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی انسان نہیں ہے' اس نے مجھے ایک ایسی بات بتائی جو ایک نبی کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی۔"

دونوں بھائیوں نے عداس کو ڈانٹ پلائی کہ خبردار اپنا دین ترک نہ کرنا' تیرا دین اس مسافر کے دین سے بہتر ہے۔ لیکن عتبہ و شیبہ کی یہ ڈانٹ بیکار تھی۔ عداس رضی اللہ عنہ شرفِ ایمان سے سرفراز ہو چکے تھے' اب ان کا جسم تو عتبہ و شیبہ کا غلام تھا لیکن روح بادۂ توحید سے سرشار ہو کر مکہ کے دُرِّ یتیم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی قبول کر چکی تھی۔

(۴)

صعوبت گاہِ طائف میں دس دن (بروایتِ دیگر ایک ماہ) قیام کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ کو مراجعت فرمائی۔ حضور ﷺ مطعم بن عدی

Marfat.com

کی حمایت حاصل کر کے شہر میں داخل ہوئے اور پہلے سے دو چند جوش کے ساتھ فریضۂ تبلیغ ادا کرنے لگے۔ حضور ﷺ کی تبلیغی مساعی کے جواب میں مشرکینِ قریش کا طوفانِ معاندت پھر پوری شدت سے امڈ آیا اور انہوں نے اہلِ حق پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ اسی دوران میں یثرب کے قبائل اوس وخزرج کو اللہ تعالیٰ نے قبولِ حق کی سعادت بخشی اور انہوں نے حضور ﷺ کو اس عہد کے ساتھ یثرب تشریف لانے کی دعوت دی کہ وہ اپنی جانوں، مالوں اور اولادوں کے ساتھ آپ ﷺ کی حمایت اور حفاظت کریں گے۔ دوسری طرف اشقیاءِ قریش کی حق دشمنی اس انتہا کو پہنچ گئی کہ انہوں نے حضور ﷺ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنالیا۔ یہی حالات تھے کہ آپ ربیع الاول ۱۴ بعدِ بعثت میں مکّہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ کے بعد بھی قریشِ مکّہ نے اپنی معاندانہ روش ترک نہ کی اور شمعِ توحید کو بجھانے کی کوششوں میں برابر مصروف رہے۔ غزوۂ بدر الکبریٰ (رمضان ۲ ھ) سے پہلے مشرکینِ مکّہ نے بڑے زور وشور سے جنگ کی تیاری کی۔ ان میں عتبہ اور شیبہ بھی شامل تھے۔ حضرت عداس کو ان کے ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے دونوں کی منّت کی کہ اللہ کے رسول ﷺ سے لڑنے کا ارادہ ترک کردیں ورنہ تباہی اور بربادی کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ عتبہ اور شیبہ نے پہلے تو حضرت عداس رضی اللہ عنہ کی بات سُنی اَن سُنی کردی لیکن جب انہوں نے بالحاحِ تمام ان کو لڑائی پر جانے سے روکا تو انہوں نے جاہلی طریقے کے مطابق تیروں پر پانسہ ڈال کر معلوم کرنا چاہا کہ وہاں جانا چاہیے یا نہیں۔ اتفاق سے اس کا جواب بھی نفی میں ملا۔ اس پر انہوں نے اپنا ارادہ فسخ کردیا۔ ابوجہل کو معلوم ہوا تو وہ سٹپٹا کر رہ گیا۔ بھاگا بھاگا دونوں بھائیوں کے پاس پہنچا اور ان کو ایسے سبز باغ دکھائے کہ وہ پھر

Marfat.com

آمادۂ سفر ہو گئے۔ حضرت عداس رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ ابوجہل نے عتبہ وشیبہ کو پھر اپنے اڈے لگالیا ہے تو وہ لشکر کی روانگی کے وقت ثنیۃ البیضاء میں جا کر بیٹھ گئے جب عتبہ وشیبہ ان کے سامنے سے گزرے تو انہوں نے آگے بڑھ کر ان کے پاؤں پکڑ لیے اور بولے' خدا کی قسم جس شخص سے آپ لڑنے جارہے ہیں' وہ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں' آپ ان سے مقابلہ کر کے برباد ہو جائیں گے اس لیے میں ازراہِ خیر خواہی آپ سے پھر درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس سفر سے باز رہیں۔ عتبہ وشیبہ کے سر پر موت منڈلا رہی تھی اس لیے انہوں نے عداس رضی اللہ عنہ کی بات نہ مانی اور بدر کی جانب روانہ ہو گئے۔ حضرت عداس رضی اللہ عنہ ان کے انجام کا خیال کر کے بے اختیار رونے لگے۔ کچھ دیر بعد عاص بن شیبہ ادھر سے گزرا تو اس نے عداس سے پوچھا:

''عداس تم رو کیوں رہے ہو؟''

انہوں نے جواب دیا: ''میرے دونوں آقا جو اس وادی کے سردار ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نبرد آزما ہونے گئے ہیں اور میرے منع کرنے کے باوجود مکہ میں نہیں رکے''......عاص نے پوچھا: ''کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) واقعی خدا کے پیغمبر ہیں؟''

حضرت عداس رضی اللہ عنہ نے بڑے جوش سے کہا:

''خدا کی قسم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور تمام مخلوقِ خدا کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے ہیں جو کوئی ان کی مخالفت کرے گا وہ غائب و خاسر ہوگا...... (الاصابہ۔ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ)

اس واقعہ کے بعد حضرت عداس رضی اللہ عنہ ہمیشہ کے لیے تاریخ کے دھندلکوں میں مستور ہو گئے۔ ان کی زندگی کے مزید حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے البتہ اہل سیر نے انہیں بالاتفاق اہلِ کتاب صحابہ میں شمار کیا ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما...... بحر الجود

(۱)

۸۰ ہجری کا ذکر ہے کہ ایک دن مدینہ منورہ میں کسی پکارنے والے نے پکار کر کہا: ''لوگو آج بحر الجود اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔''

اہلِ مدینہ کے کانوں میں اس آواز کا پڑنا تھا کہ ان میں حشر برپا ہو گیا' زن و مرد بچے بوڑھے' غریب امیر غلام اور آقا سبھی دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ جنازہ اٹھا تو لوگ ہر طرف سے کندھا دینے کے لیے ٹوٹے پڑتے تھے۔ تابوت کے ساتھ دو لمبی لمبی لکڑیاں باندھ دی گئی تھیں لیکن اس قدر ہجوم تھا کہ ایک قدم چلنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ کسی نہ کسی طرح جنازہ جنت البقیع پہنچایا گیا۔ والیِ مدینہ ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی اور اپنے ہاتھوں سے میّت کو آغوشِ لحد میں رکھا۔ پھر وہ قبر کے کنارے کھڑے ہو گئے اس وقت ان کی آنکھوں سے سیلِ اشک رواں تھا اور زبان پر یہ الفاظ تھے:

''خدا کی قسم تم بہترین آدمی تھے' تم میں مطلق شرّ نہ تھا۔ تم شریف ابن شریف تھے۔ تم صلۂ رحمی کرتے تھے' تم لوگوں سے کسی غرض کے بغیر نیکی کرتے تھے' تم بدکاروں کے دشمن تھے' خدا تم پر رحمت نازل کرے' بنو ہاشم تو تمہاری وفات سے غمزدہ ہیں ہی' سارے قریش اور اہلِ مدینہ

Marfat.com

کے کلیجے بھی تمہاری جدائی پر شق ہیں' آہ اب تم جیسا غریبوں کا غمگسار' بامروّت دوست اور دلوں کی ڈھارس بندھانے والا مربّی کہیں نظر نہ آئے گا۔''

اللہ کے حضور پیش ہونے والے یہ صاحب' جن کی موت نے تمام اہلِ مدینہ کو رُلا دیا اور سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حاکمِ وقت صاحبزادے نے بھرے مجمع میں خدا کی قسم کھا کر جن کے اوصاف ومحاسن کی گواہی دی' حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما تھے۔

(۲)

حضرت ابو جعفر عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما دودمانِ ہاشمی کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے جو غزوۂ مُوتہ میں نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے اور ''طیّار'' اور ''ذوالجناحین'' کے القاب سے نوازے گئے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

عبداللہ بن جعفر طیارؓ (ذوالجناحین) بن ابی طالب بن عبدالمطّلب بن ہاشم بن عبدِ مناف۔

والدہ کا نام اسماء بنتِ عُمَیس رضی اللہ عنہا تھا۔ ان کا شمار نہایت جلیل القدر صحابیاتؓ میں ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والدین حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اس وقت اسلام قبول کیا جب ایسا کرنا مشرکینِ مکہ کو اپنے خون کا پیاسا بنانے کے مترادف تھا' چنانچہ قبولِ اسلام کے بعد وہ بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح کفّار کے ظلم وستم کا ہدف بن گئے۔ جب مشرکین کی ستم رانیاں حد سے بڑھ گئیں تو ۵ نبوّت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ہجرت کر کے حبش چلے گئے جہاں وہ بارہ تیرہ برس تک غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔ حضرت

Marfat.com

عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ولادت اسی غربت کدہ میں ہوئی۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ غزوہ خیبر (اواخر ۶ھ یا اوائل ۷ھ) کے موقع پر اپنے اہل و عیال سمیت حبش سے مدینہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے انتہا مسرّت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرط محبت سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی پیشانی چُوم لی اور فرمایا "معلوم نہیں مجھے جعفر رضی اللہ عنہ کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی ہے یا خیبر کی فتح سے۔" اس وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عمر سات آٹھ برس کی تھی۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گلے لگالیا اور مسکراتے ہوئے ان سے بیعت لی۔

۸ ہجری میں غزوہ مُوتہ پیش آیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اس میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ پہنچا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت غم واندوہ کے عالَم میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بچوں کو نہلا دھلا کر کپڑے پہنا رہی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آبدیدہ ہو کر فرمایا: "جعفر کے بچوں کو میرے پاس لاؤ۔"

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے بچوں کو خدمتِ اقدس میں پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو گلے لگایا اور ان کی پیشانیاں چومیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آبدیدہ ہونے سے پریشان ہو گئیں اور دریافت کیا:

"یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ غمگین کیوں ہیں، کیا جعفر کے بارے میں کوئی خبر آئی ہے؟"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں وہ شہید ہو گئے ہیں۔"

اس سانحۂ جانگداز کی خبر سنتے ہی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی چیخیں نکل گئیں۔ ان کی گریہ وزاری سن کر پاس پڑوس کی خواتین جمع ہو گئیں۔ سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو ہدایت فرمائی کہ آلِ جعفر کا خیال

Marfat.com

رکھنا۔ آج وہ اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔ انہیں سینہ کوبی اور بین سے منع کرنا۔
مُسندِ احمد بن حنبل میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس موقع پر تین مرتبہ یہ دعا مانگی:
"الٰہی تو جعفر کے اہل وعیال کی سرپرستی فرما اور عبداللہ کے داہنے ہاتھ کے کاروبار میں برکت دے۔"

حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "اَلاِصابہ" میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر دعا کی: بارِ الٰہا اس کو جعفر کا صحیح جانشین بنا' اس کی بیعت میں برکت عطا فرما اور میں دنیا اور آخرت دونوں میں آلِ جعفر کا ولی ہوں۔"

ایک اور روایت میں خود حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرے باپ کی شہادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اور میرے بھائیوں کو لے کر مسجدِ نبوی میں تشریف لے گئے اور درد وغم بھری آواز میں مسلمانوں کو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سنائی۔ پھر آپ ﷺ ہمیں اپنے گھر لے گئے اور اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ تین روز تک ہم وہیں کھانا کھاتے رہے اور حضور ﷺ ہمارے گھر تشریف لاتے رہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی کم عمری اور یتیمی کی وجہ سے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر غیر معمولی شفقت فرماتے تھے۔ پھر وہ یوں بھی حضور ﷺ کے بھتیجے ہوتے تھے اور نہایت پسندیدہ عادات وخصائل کے مالک تھے۔ ظاہری حسن وجمال کے لحاظ سے بھی اپنی نظیر آپ تھے اسی لیے حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے:

"عبداللہ خلقاً اور خُلقاً مجھ سے مشابہ ہے۔"

ایک دن حضرت عبداللہ کسی جگہ بیٹھ کر مٹی کے کھلونے بنا رہے تھے اتفاقاً ادھر سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

"عبداللہ کیا بناتے ہو؟"

Marfat.com

عبداللہ: کھلونے بناتا ہوں۔"

رسولِ اکرمؐ: ان کا کیا کرو گے؟"

عبداللہ: بیچوں گا۔"

رسولِ اکرم ﷺ: اور ان کے دام کس کام میں لاؤ گے؟"

عبداللہ: خرمے خریدوں گا اور کھاؤں گا۔"

حضور ﷺ کو نو عمر عبداللہ کے یہ معصومانہ جواب پسند آئے اور آپ ﷺ نے خوش ہو کر دعا کی:

"الٰہی اس بچے کے ہاتھ کے کام میں برکت دے۔"

"مستدرکِ حاکم" میں ہے کہ ایک دن حضرت عبداللہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے۔ آپ ﷺ کی نظر عبداللہ پر پڑی تو انہیں اپنے پاس بلایا اور نہایت شفقت کے ساتھ اپنی سواری پر بٹھالیا۔

(۳)

۱۱ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو حضرت عبداللہ اپنے چچا حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کی نگرانی و سرپرستی میں آگئے۔ انہوں نے بھی نہایت محبت اور شفقت کے ساتھ حضرت عبداللہ کی تربیت فرمائی۔ جب وہ سن بلوغ کو پہنچے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی لختِ جگر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ان سے کر دیا۔ یہ واقعہ حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کی ازدواجی زندگی انتہائی خوشگوار تھی اور وہ فرمایا کرتے تھے: "زینب رضی اللہ عنہا بہترین گھر والی ہے۔"

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عہدِ فاروقی ہی میں تجارت کو اپنا ذریعۂ معاش بنا لیا تھا، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا یہ اثر تھا کہ مٹی میں بھی ہاتھ ڈالتے تو وہ سونا

Marfat.com

بن جاتی تھی۔ اس طرح وہ نہایت تونگر اور آسودہ حال ہو گئے لیکن جس قدر ان کے پاس مال و دولت کی فراوانی تھی وہ اس سے کہیں زیادہ کشادہ دست اور فیاض تھے۔ ناممکن تھا کہ کوئی سائل یا حاجت مند ان کے دروازے پر آئے اور خالی ہاتھ چلا جائے۔ ان کی جود وسخا کا یہ عالم تھا کہ کئی غیر مستحق لوگ بھی ان کے دستِ کرم سے فائدہ اٹھا لیتے تھے۔ ایک مرتبہ سیّدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا:

''اے ابنِ عم! تمہارے جود وکرم سے غیر مستحق لوگ بھی تمہاری کمائی میں شریک ہو جاتے ہیں۔''

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''جانِ برادر کیا کروں' سائل کو دیکھ کر دل قابو میں نہیں رہتا' اللہ نے مجھے دولت اسی لیے دی ہے کہ اس کے بندوں میں بانٹوں۔''

اپنی بے مثل فیاضی اور سیر چشمی کی بدولت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ''بحر الجود'' (سخاوت کا سمندر) کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ تاریخ میں ان کی دریا دلی اور فیاضی کے بیشمار واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ انہیں پڑھ کر لامحالہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ وہ فی الواقع ''بحر الجود'' کے لقب کے حقیقی معنوں میں مستحق تھے۔

(۴)

عام طور پر مؤرخین نے لکھا ہے کہ خلفاءِ ثلاثہ کے عہد میں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما خاموشی سے اپنے کاروبار میں مشغول رہے لیکن بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عہدِ فاروقی اور عہدِ عثمانی کے بعض معرکوں میں ایک مجاہد فی سبیل اللہ کی حیثیت سے جانبازانہ حصہ لیا۔ حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ کا دورِ خلافت آیا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ان کے پُرجوش دست و بازو ثابت ہوئے اور جنگِ صفّین میں شامی فوج کے خلاف خوب دادِ شجاعت دی۔ التوائے جنگ کا معاہدہ

Marfat.com

لکھا گیا' تو انہوں نے اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے گواہی ثبت کی۔ ابو حنیفہ دینوری نے ''الاخبار الطوال'' میں لکھا ہے کہ رمضان ۴۰ ہجری میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ابنِ ملجم کے ہاتھ سے شہادت پائی تو حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے بد بخت قاتل کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر شیرِ خدا کا بدلہ لیا۔ ذی الحجہ ۶۰ ہجری میں سیّدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کی دعوت پر اپنے اہل وعیال اور جاں نثاروں کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ مکّہ سے کوفہ کا عزم کیا تو حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے انھیں کوفہ جانے سے روکنے کی بہت کوشش کی اور عمرو بن سعید حاکم مکّہ کا امان نامہ بھی ان کے لیے حاصل کر لیا لیکن سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بوجوہ ان کا مشورہ قبول نہ کیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اگرچہ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے عزم کوفہ سے اختلاف تھا لیکن انھوں نے اپنی اہلیہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بھائی کے ساتھ جانے سے نہ روکا۔ دشتِ کربلا میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہی نے قافلۂ حسینی کے پسماندگان کی بڑے حوصلے اور جرأت کے ساتھ سرپرستی کی اور دمشق کے پُرصعوبت سفر کے بعد انہیں ساتھ لے کر مدینہ منورہ پہنچیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے دو نوعمر صاحبزادے بھی ماں کے ساتھ قافلۂ حسینی میں شامل تھے۔ ان دونوں نونہالوں نے دشتِ کربلا میں جلیل القدر ماموں پر اپنی جانیں نثار کر دیں۔

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کا سالِ وفات جمہور اہلِ سیَر نے ۸۰ ہجری بیان کیا ہے لیکن بعض نے ۸۵ھ، ۸۷ھ اور ۹۰ھ بھی لکھا ہے۔ البتہ اس پر سبھی متفق ہیں کہ انہوں نے مدینہ منورہ میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔ اہلِ مدینہ نے ان کی وفات کو نہایت شدت سے محسوس کیا کیونکہ ان کے خوانِ کرم سے بے شمار غریبوں محتاجوں اور یتیموں کی پرورش ہوتی تھی۔

Marfat.com

ابنِ اثیر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ان کی وفات کی خبر پھیلی تو اہلِ مدینہ میں کہرام مچ گیا' کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اشکبار نہ ہوئی ہو اور بعض لوگوں نے تو فرطِ غم میں اپنے گریبان چاک کر ڈالے۔

(۵)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اگرچہ عہدِ رسالت میں کم عمر تھے تاہم ان سے مروی چند احادیث کتابوں میں موجود ہیں۔ ان میں سے دو متفق علیہ ہیں۔ ان کے راویوں میں عروہؓ بن زبیر رضی اللہ عنہ' ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے اسماءِ گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

اربابِ سیَر نے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے محاسنِ اخلاق کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اور اخلاقی اعتبار سے انہیں بہت بلند پایہ شخصیت قرار دیا ہے۔
حافظ ابنِ عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاستیعاب'' میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نہایت سخی' حلیم الطبع' بردبار' فیاض' عفیف' پاک دامن' خوش مزاج اور کریم النفس تھے۔
حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کی سخاوت' حلم اور کرم و عطا کے واقعات اتنے کثیر ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں (الاصابہ) کہا جاتا ہے کہ زمانۂ اسلام میں عرب کے اندر دس اشخاص نے فیاضی میں شہرتِ عام حاصل کی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ان دس میں شامل ہی نہ تھے بلکہ امتیازی شان کے حامل تھے۔ ایک دفعہ ان کی اعتدال سے بڑھی ہوئی فیاضی اور جودوسخا پر کسی نے ٹوکا تو جواب دیا کہ ''اللہ نے اسے میری عادت بنا دیا ہے اگر میں اسے چھوڑ دوں تو اندیشہ ہے کہ اللہ مجھے چھوڑ دے گا اس لیے کہ فیاضی درحقیقت مخلوق نوازی ہے اور مخلوق اللہ کا کنبہ ہے جو اس سے بہتر سلوک کرتا ہے اللہ بھی اس سے بہتر سلوک کرتا ہے۔''
حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاصابہ'' میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک تاجر تجارت کی

Marfat.com

غرض سے بہت سی شکر لے کر مدینہ منورہ آیا۔ اتفاق سے اس وقت بازار سرد تھا۔ گھاٹے کے خیال سے تاجر کا دل ڈوب گیا۔ مدینہ کے بعض لوگوں کے پاس جا کر رویا دھویا تو انہوں نے مشورہ دیا کہ میاں اس طرح ہلکان ہونے سے کچھ فائدہ نہیں تم عبداللہ بن جعفر (رضی اللہ عنہما) کے پاس جاؤ اور ان کو اپنا قصہ درد سناؤ۔ شاید وہ تمہاری مشکل کا کوئی حل نکال دیں۔ تاجر حضرت عبداللہ بن جعفر (رضی اللہ عنہما) کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو افتاد اس پر آن پڑی تھی اس کا حال انہیں سنایا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس کی کہانی سن کر فرمایا: ''تم اپنی ساری شکر یہاں لے آؤ۔'' وہ شکر لے کر آیا تو حضرت عبداللہؓ نے اپنے گھر کے سامنے ایک بڑا سا فرش بچھوا کر تاجر سے کہا کہ تمام شکر اس پر ڈھیر کر دو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اب حضرت عبداللہؓ نے مدینہ میں اعلان کرا دیا کہ جس کو شکر کی ضرورت ہو وہ ہمارے یہاں سے بلا قیمت لے جائے۔ یہ اعلان سن کر لوگ شکر پر ٹوٹ پڑے اور تھوڑی ہی دیر میں ساری شکر لوٹ لی۔ خود اس تاجر نے بھی حضرت عبداللہؓ کا ایماء پا کر اس لُوٹ میں حصہ لیا اور کچھ خالی بورے بھر لیے۔ جب یہ ہنگامہ ختم ہو چکا تو حضرت عبداللہؓ نے تاجر سے شکر کی قیمت پوچھی۔ اس نے چار ہزار درہم بتائی۔ حضرت عبداللہؓ نے نہایت خوشدلی سے اس کو یہ رقم ادا کر دی اور وہ ان کو دعائیں دیتا ہوا رخصت ہوا۔

ایک مرتبہ ایک بدوی شاعر حضرت عبداللہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے سامنے یہ اشعار پڑھے:

''میں نے خواب دیکھا کہ ابو جعفر (حضرت عبداللہ کی کنیت) نے مجھے حریر کی قبا پہنائی ہے۔ جب بہت سے دن گزر گئے اور اس خواب کی تعبیر ظاہر نہ ہوئی تو میں نے ایک دوست کے سامنے اپنا خواب بیان کیا۔ اس نے کہا کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ یہ خواب حقیقت کا جامہ نہ پہنے' کیونکہ ابو جعفر جن کو تو نے خواب میں دیکھا

Marfat.com

ان کا ابرِ کرم تو سارے زمانے پر برس رہا ہے خود فیاضی کو انہوں نے حکم دے رکھا ہے کہ خبردار مجھ سے آگے نہ بڑھنا۔''

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے بدوی کے اشعار سنے تو اس کا منشا سمجھ گئے۔ اسی وقت اپنے خادم کو حکم دیا کہ اندر سے ان کی حریر کی قبا لا کر بدوی شاعر کو پہنا دے۔ بدوی قبا پہن کر چلنے لگا تو مسکرا کر اس سے فرمایا: ''مگر بھائی تم نے خواب میں میری وہ زربفت کی قبا کیوں نہ دیکھی جو میں نے تین سو دینار میں خریدی تھی اور اس حریر کی قبا سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔''

بدوی شاعر بھی بڑا حاضر جواب تھا اس نے ہنستے ہوئے کہا:

''اسے حفاظت سے رکھیے گا۔ اِن شاءَ اللہ آیندہ اسی کو خواب میں دیکھوں گا۔''

ایک مرتبہ ایک بوڑھے حبشی شاعر نے حضرت عبد اللہ سے کچھ وصول کرنے کے لیے ان کی شان میں قصیدہ پڑھا۔ انہوں نے اس کے صلے میں اس کو بہت سے گھوڑے، اونٹ، کپڑے اور درہم و دینار عطا فرمائے۔ کسی نے کہا کہ یہ معمولی حبشی تو اتنے انعام کا مستحق نہ تھا۔

حضرت عبد اللہ نے فرمایا:

''یہ تو ضرور ہے کہ یہ ایک سیاہ فام شخص ہے، لیکن اس کے بال سفید ہو چکے ہیں۔ اس اعتبار سے وہ اس سے بھی زیادہ کا مستحق ہے سچ تو یہ ہے کہ میں نے اسے جو کچھ دیا ہے وہ تھوڑی مدت میں ختم ہو جائے گا لیکن اس نے جو اشعار کہے ہیں وہ ہمیشہ باقی رہیں گے اور ان کی شادابی کم نہ ہو گی۔''

''مستدرکِ حاکم'' میں ہے کہ ایک عراقی شاعر زیاد بن اعجم کو پانچ مرتبہ خون بہا (دیّت) دینے کا اتفاق پیش آیا۔ اس میں اتنی استطاعت نہیں تھی کہ خود خون بہا ادا

Marfat.com

کر سکتا' اس لیے پانچوں مرتبہ حضرت عبداللہؓ سے امداد کا خواستگار ہوا۔ انھوں نے ہر دفعہ خندہ پیشانی سے اس کی طرف سے خون بہا کی خطیر رقم ادا کر دی۔ زیاد نے اپنی منّت پذیری کا اظہار ان اشعار میں کیا:

سالناه الجزيل فما تلكا　　　واعطى فوق منيتنا وزاداه

واحسن ثم احسن ثمه عرنا　　　فاحسن ثم عدت له فعادا

(ہم نے ان سے کثیر مال کا سوال کیا' انہوں نے تامّل نہ کیا اور ہماری امید سے زیادہ دیا اور انہوں نے بار بار بھلائی کی اور جب بھی ہم ان کے پاس گئے انہوں نے بھلائی کا اعادہ کیا۔)

ایک دفعہ ایک غریب بدوی نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس اونٹ بیچا۔ ان کو ضرورت تو نہیں تھی لیکن بدوی کی کفالت کے خیال سے خرید لیا۔ بدوی بھی ان کے مزاج سے واقف تھا۔ اس نے وقفہ وقفہ سے تین بار اونٹ کی قیمت وصول کی' وہ سب کچھ جاننے کے باوجود ازراہِ مروّت ہر دفعہ قیمت دے دیتے' تاہم جب وہ تیسری بار قیمت وصول کر کے جانے لگا تو مسکرا کر فرمایا:

"بھائی تم تین مرتبہ اپنے اونٹ کی قیمت وصول کر چکے ہو۔"

بدوی کو اب چوتھی مرتبہ اس مقصد کے لیے ان کے پاس آنے کی ہمت نہ پڑی۔

(٦)

امام حکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اگرچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بھتیجے اور داماد تھے اور جنگِ صفّین میں شامی فوجوں کے خلاف لڑ چکے تھے۔ لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کو بہت مانتے تھے اور ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کبھی کبھار شام جاتے تھے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کو ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے اور بہت کچھ دے دلا کر رخصت کیا کرتے تھے۔ بعض مرتبہ رقم لاکھوں کی مقدار میں

Marfat.com

ہوتی تھی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ یہ سب کچھ اپنی فیاضیوں میں صرف کر دیتے تھے۔

علامہ ابنِ عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاستیعاب'' میں ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کبھی کبھار گانا سن لینے میں مضائقہ نہ سمجھتے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی ان کو تلاوتِ قرآنِ پاک سے بھی بے حد شغف تھا۔ ایک دفعہ وہ دمشق میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مہمان تھے اور عشاء کے بعد ایک خوش گلو مغنی سے گانا سن رہے تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ فاختہ کو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے امیر کا لگاؤ پسند نہیں تھا۔ اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جا کر کہا کہ آپ جس شخص کا اعزاز اکرام کرتے ہیں ذرا چل کر دیکھیں کہ وہ کس شغل میں مصروف ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ گئے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو گانا سنتے دیکھ کر واپس آ گئے۔ رات کے پچھلے پہر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بڑے سوز و گداز سے تلاوت قرآن پاک میں مشغول ہو گئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کان میں ان کی تلاوت کی آواز پڑی تو اہلیہ کے پاس جا کر کہا کہ تم نے ہمیں جو سنوایا تھا اب چل کر اس کا جواب سن لو۔

حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاِصابہ'' میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ یزید بن معاویہؒ نے اپنے عہدِ حکومت میں ایک بڑی رقم حضرت عبداللہؓ کی خدمت میں مدینہ منورہ بھیجی۔ حضرت عبداللہؓ نے اس رقم کو ہاتھ تک نہ لگایا اور کھڑے کھڑے ایک ایک پائی اہلِ مدینہ میں لٹا دی۔

ایک دفعہ ایک غریب اعرابی حاکم مدینہ مروان بن الحکم کے پاس جا کر امداد کا سائل ہوا۔ اس نے صاف جواب دے دیا۔ اعرابی وہاں سے حضرت عبداللہؓ کے دروازے پر پہنچا اس وقت وہ حج کے لیے مکّہ معظمہ جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ بہت سا سامان اونٹوں پر لاد کر پہلے روانہ کر چکے تھے اور اب صرف ان کی ذاتی سواری کا اونٹ دروازے پر لدا پھندا کھڑا تھا۔ اس پر جو سامان تھا اس میں اہلِ مکّہ کو

Marfat.com

دینے کے لیے ایک خطیرہ رقم بھی تھی اور سامان کے دائیں جانب ایک قیمتی تلوار بھی لٹک رہی تھی۔ حضرت عبداللہؓ اونٹ پر سوار ہونے کے لیے گھر سے نکلے تو اعرابی سامنے آ گیا اور یہ اشعار پڑھنے لگا:

''آپ خاندانِ رسالت کے دُرِّ بے بہا ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی عزیز ہیں۔ آپ سخی ہیں اور میں ایک قلّاش اعرابی ہوں۔ امیرِ شہر مروان نے مجھے دھتکار دیا۔ مایوس ہوں لیکن اس امید پر آپ کے دروازے پر آیا ہوں کہ حکومت اپنے خزانے کے دروازے تو بند کر سکتی ہے لیکن آپ کے خزانے کے دروازے پر اس کا زور نہیں چل سکتا۔''

اعرابی کے اشعار سن کر حضرت عبداللہ نے سر جھکا لیا اور بولے:

''بھائی میرا سامان تو لد کر جا چکا اب صرف یہ اونٹ باقی رہ گیا ہے۔ اسے تمام ساز و سامان اور مال و اسباب سمیت قبول کر۔ ہاں یہ خیال رہے کہ اس کی دائیں جانب جو تلوار لٹکی ہوئی ہے اس کو کسی غلط جگہ استعمال نہ کرنا' میں نے اسے ایک ہزار دینار میں خریدا تھا۔''

اعرابی نے ان کا شکریہ ادا کیا اور اونٹ کی مہار تھام کر دعائیں دیتا رخصت ہوا۔

ابنِ ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما بے حد مستغنی المزاج تھے اور لامحدود اخراجات کے باوجود ناجائز مال کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک دفعہ ایک بڑے زمیندار نے اپنے کسی معاملہ میں انہیں امیر المومنین سے گفتگو کے لیے بھیجا۔ انہوں نے ایسے مدلل طریقے سے بات کی کہ اس زمیندار کے حق میں فیصلہ ہو گیا۔ اس نے شکرانے کے طور پر انہیں چالیس ہزار کی رقم بھیجی۔ حضرت عبداللہؓ نے یہ رقم قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اسے واپس کر

Marfat.com

کرتے ہوئے فرمایا ''ہم اپنے احسان کو بیچا نہیں کرتے۔''

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اگرچہ ایک کامیاب تاجر تھے اور ان کی آمدنی نہایت کثیر تھی لیکن ان کی جودوسخا اور دادودہش کی بھی کوئی حد و نہایت نہیں تھی۔ اسی وجہ سے کئی بار قرض لینے کی نوبت آجاتی تھی۔ ابنِ اثیر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت زبیرؓ بن العوام نے شہادت پائی تو ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ والد کی یادداشتوں میں دس لاکھ کا قرض آپ کی طرف نکلتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا ''بے شک زبیر رضی اللہ عنہ کا دس لاکھ میرے ذِمہ ہے تم جب چاہو یہ رقم مجھ سے وصول کرلو۔''

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما تمام عمر اپنی فیاضی اور سخاوت کو کمال وضعداری سے نباہتے رہے۔ بعض مورّخین نے لکھا ہے کہ آخری عمر میں جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے قوٰی مضمحل ہو گئے تو ان کا کاروبار ماند پڑ گیا۔ دوسری طرف عبدالملک بن مروان نے ان کا وظیفہ بند کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی مالی حالت پتلی ہو گئی۔ انہیں اپنی اور اپنے اہل و عیال کی تو کوئی فکر نہ تھی' البتہ مخلوقِ خدا کی دل کھول کر خدمت نہ کر سکنے کا بڑا قلق تھا۔ دِل شکستگی کے عَالَم میں ایک جمعہ کو نماز کے بعد بڑے خشوع وخضوع کے ساتھ دعا مانگی کہ:

''الٰہی تو نے مجھے ایک ایسی عادت ڈال دی جو مجھ سے کبھی ترک نہ ہو سکی۔ اب اس کی مقدرت نہیں رہی تو مجھے دنیا میں ذلیل کرنے کے بجائے اپنے پاس بلا لے۔''

عُمقِ قلب سے نکلی ہوئی یہ دعا فوراً درِاجابت پر پہنچی اور اگلے جمعہ کو اہلِ مدینہ نے ان کی وفات کی ولدوز خبر سن لی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن شہاب زُہری رضی اللہ عنہ

تاریخ میں عبداللہ الاصغر کے نام سے مشہور ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

عبداللہؓ بن شہاب بن حارث بن زہرہ بن کلاب۔

فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے ماموں تھے اور مشہور مُحدِّث امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ ان کے نواسے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ ننھیال کی طرف سے امام زُہری کے بھی جدّ تھے۔

حضرت عبداللہبن شہاب رضی اللہ عنہ نے بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی زمانے میں اسلام قبول کیا اور سَابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْن کی مقدّس جماعت میں شامل ہونے کا شرف حاصل کیا۔ جب مشرکینِ مکّہ نے اہلِ حق کو اپنے جور و تعدی کا نشانہ بنایا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے دستِ ستم سے محفوظ نہ رہ سکے۔ جب مشرکین کا ظلم وستم انتہا پر پہنچ گیا تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن شہاب رضی اللہ عنہ بھی ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حبشہ کے غربت کدہ ہی میں سفرِ آخرت اختیار کیا اور اسی سرزمین کو اپنا مدفن بننے کا شرف بخشا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

حضرت سعید بن یربوع مخزومی رضی اللہ عنہ

(۱)

ایک مرتبہ ایک ضعیف العمر صاحبِ رسول ﷺ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا۔

"مجھ میں اور آپ میں کون بڑا ہے؟"

حضور ﷺ کی مراد یہ تھی کہ عمر میں کون بڑا ہے۔ ان صاحبِ رسول ﷺ کی عمر حضور ﷺ کی عمرِ مبارک سے بہت زیادہ تھی لیکن ان کو کسی لحاظ سے بھی حضور ﷺ سے بڑا کہلانا پسند نہیں تھا۔ فوراً عرض کیا۔

"یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان' آپ ﷺ مجھ سے بہت بڑے اور بہتر ہیں' البتہ میں آپ ﷺ سے پہلے پیدا ہوا تھا۔"

یہ کبیر السن صاحبِ رسول ﷺ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس قدر ادب ملحوظ تھا' حضرت سعید بن یربوع رضی اللہ عنہ تھے۔

(۲)

سیدنا حضرت ابوہود سعید بن یربوع رضی اللہ عنہ قریش کے خاندانِ مخزوم کے چشم و چراغ تھے۔

Marfat.com

سلسلۂ نسب یہ ہے۔

سعیدؓ بن یربوع بن عنکثہ بن عامر بن مخزوم۔ ان کی کنیت ابوہود تھی۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی' سعید رضی اللہ عنہ ستر (۷۰) برس کے پیٹے میں تھے اور کفر و شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے تھے۔ فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے ان کے سینے میں یکایک شمعِ ہدایت ضوفگن ہوئی اور وہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔ زمانۂ جاہلیّت میں ان کا نام صرم تھا۔ قبولِ اسلام کے وقت جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نام بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' صرم نہیں بلکہ آج سے تم سعید ہو" چنانچہ انہوں نے تاریخ میں "سعید" ہی کے نام سے شہرت پائی اور اپنے آپ کو ہر لحاظ سے اس نام کا اہل ثابت کیا۔ مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد انہوں نے مدینہ منورہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

فتحِ مکہ کے موقع پر حضرت سعید رضی اللہ عنہ ان دس ہزار نفوسِ قدسی میں شامل تھے جن کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ غزوۂ حنین کے وقت ان کی عمر ۷۸ برس کی تھی لیکن انہوں نے بڑے جوش و خروش سے بنو ہوازن کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے "مستدرک" میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے مالِ غنیمت میں سے انہیں پچاس اونٹ مرحمت فرمائے۔

(۳)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت سعید رضی اللہ عنہ قریب قریب گوشہ نشین ہو گئے اور اپنا بیشتر وقت عبادتِ الٰہی میں صرف کرنے لگے کیونکہ بڑھاپے کے باعث قوا مضمحل ہو گئے تھے اور کسی لڑائی میں عملاً شریک نہیں ہو سکتے تھے۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں وہ آنکھوں سے معذور ہو گئے۔

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو وہ بہ نفسِ نفیس حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ اظہارِ ہمدردی کیا اور پھر فرمایا "میں جانتا ہوں کہ اس حالت میں آپ کے لیے مسجد تک جانا بہت مشکل ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ جیسا شخص مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جمعہ اور نماز باجماعت سے محروم نہ ہو۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے کہا کسی کی راہنمائی کے بغیر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنا میرے لیے ممکن نہیں، اور راہنما میرے پاس کوئی نہیں ہے۔

حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "آپ کو راہنما مل جائے گا" چنانچہ امیر المومنین رضی اللہ عنہما نے انہیں ایک راہنما دے دیا۔ وہ اس کی مدد سے باقاعدہ مسجد پہنچتے تھے اور جماعت اور جمعہ کبھی ترک نہ کرتے تھے۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت ۵۴ ہجری میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ایک سَو چوبیس برس کی تھی۔ ان سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔

حضرت سعید بن یربوع رضی اللہ عنہ نے اگرچہ زندگی کا بڑا حصہ حالتِ کُفر میں گزارا، لیکن قبولِ اسلام کے بعد انہوں نے اپنے حسنِ عمل سے گزشتہ زندگی کی تلافی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ شوقِ جہاد، ادبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور شغفِ عبادت ان کے صحیفۂ حیات کے زرّیں ابواب ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

حضرت ہاشم بن عُتبہ زُہری رضی اللہ عنہ

(۱)

عُتبہ بن ابی وقّاص مالک وہی شخص تھا جس نے غزوۂ اُحد (شوال ۳ھ) میں رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر مار کر شدید زخمی کر دیا تھا اور جس کی بابت اس کے چھوٹے بھائی حضرت سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ عتبہ کی اس حرکت کی وجہ سے میں اس کا جس قدر جانی دشمن ہو گیا تھا کسی کا نہ ہوا تھا...... اللہ کی شان دیکھیے کہ اسی عتبہ کے فرزند کو فتحِ مکّہ (رمضان المبارک ۸ھ) کے موقع پر قبولِ اسلام کی سعادت نصیب ہوئی اور اس نے صفحۂ تاریخ پر اپنی شجاعت اور سرفروشی کے ایسے نقوش ثبت کیے کہ ان کو دیکھ کر عروقِ مُردہ میں زندگی کی حرارت پیدا ہو جاتی ہے...... اواخر عہدِ رسالت میں اسلام کے قوی دست و بازو بننے والے یہ نوجوان حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کے خاندان بنو زُہرہ سے تھا۔ وہ حضرت سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ فاتح عراقِ عرب کے حقیقی بھتیجے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

ہاشمؓ بن عتبہ بن ابی وقّاص مالک بن اہیب بن عبدِ مناف بن زُہرہ بن کِلاب بن مُرّہ بن کعب بن لوّیٔ۔

ان کا سلسلۂ نسب چھٹی پشت میں کلاب پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

Marfat.com

کے نسب نامہ سے مل جاتا ہے۔ ان کے دادا ابی وقاص مالک حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ آمنہ بنتِ وہیب بن عبدِ مناف کے چچازاد بھائی تھے۔ اس نسبت سے عتبہ بن ابی وقاص حضور ﷺ کا ماموں زاد بھائی اور ہاشم رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے بھتیجے تھے۔

(۲)

حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ فطری طور پر بڑے جی دار اور نڈر تھے اور بنوزہرہ کے نامور بہادروں میں شمار ہوتے تھے۔ چونکہ وہ اواخر عہد رسالت میں سعادت اندوزِ اسلام ہوئے تھے اس لیے حضور ﷺ کے سامنے کوئی خاص کارنامہ انجام دینے کا موقع نہ ملا۔ راہِ حق میں ان کے سرفروشانہ کارناموں کا آغاز اس وقت ہوا جب خَلِیفَۃُ الرَّسُول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک دستۂ فوج کا سپہ سالار بنا کر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے شام روانہ کیا۔ یہ ۱۳ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ خَلِیفَۃُ الرَّسُول کے حکم پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ شام کی مہم پر تشریف لے گئے تو وہاں سے انہوں نے ہرقل کی زبردست جنگی تیاریوں کا حال دربارِ خلافت کو لکھ بھیجا اور ساتھ ہی امداد کی درخواست کی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جن اصحاب کو کمک دے کر شام بھیجا' ان میں ایک ہاشم بن عتبہ تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بلاوے پر وہ بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"ہاشم یہ تمہاری خوش نصیبی ہے کہ تم بھی ان لوگوں میں سے ہو جن کو مشرکوں سے جہاد کرنے کے لیے مسلمانوں کو ضرورت ہے اور جن کی شجاعت' تدبیر و فراست' اعلیٰ اخلاق اور خیر خواہی پر مسلمانوں کو دلی اعتماد ہے۔ مجاہدینِ شام نے مجھ سے مدد مانگی ہے اس لیے تم کمک لے کر روانہ ہو جاؤ' تمہیں اختیار ہے کہ ابوعبیدہ کے پاس جاؤ

Marfat.com

یا یزید بن ابوسفیان کے پاس۔"

حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس جانا پسند کیا۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو جمع کر کے فضائلِ جہاد پر ایک ولولہ انگیز خطبہ دیا۔ ان کی تقریر سن کر لوگ حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کی قیام گاہ پر جمع ہونے شروع ہوئے۔ جب ایک ہزار مجاہدین جمع ہو گئے تو حضرت ابوبکر صِدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کو ہدایت فرمائی کہ وہ ان مجاہدین کو ساتھ لے کر فوراً شام روانہ ہو جائیں۔ اس موقع پر حضرت سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ انہوں نے حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"برادر زادے اس بات کا خیال رکھنا کہ تیری تلوار کی ہر ضرب اور تیر سے نیزے کا ہر وار اللہ جلّ شانہٗ کی رضامندی کے لیے ہو۔ یاد رکھ تو دنیا سے جانے والا ہے اور جلد اللہ کے حضور پیش ہونے والا ہے۔ تیرے عمل کے سوا کچھ ساتھ نہ جائے گا۔ اس لیے تیرا ہر عمل نیک ہونا چاہیے۔"

حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"چچا جان! آپ فکر نہ کیجیے اگر میں راہِ راست پر نہ چلا تو خود میری بربادی ہے۔ میرا چلنا اور ٹھہرنا' بیٹھنا اور اٹھنا' میری تیغ زنی اور نیزہ بازی اگر ریاکاری کے خیال سے ہوئی تو میری ہلاکت یقینی ہے۔"

اس کے بعد حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ نے کمک لی اور شام پہنچ کر حضرت ابوعبیدہؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

(۳)

حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کی آمد سے شام میں اسلامی لشکر کو بڑی تقویت ملی کیونکہ وہ ایک آزمودہ کار مردِ میدان تھے۔ رومیوں کے خلاف متعدد معرکوں میں وہ

Marfat.com

حضرت خالدؓ بن ولید، سیف اللہ کے دوش بدوش اس بے جگری سے لڑے کہ ہر طرف ان کی شجاعت وشہامت کی دھاک بیٹھ گئی۔ مؤرّخین نے فحل اور یرموک کے مشہور معرکوں میں ان کی جانبازی اور پامردی کا ذکر خصوصیت سے کیا ہے۔ جنگ فحل (ذیقعدہ ۱۴ھ) میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ کو میسرہ کا افسر بنایا۔ ایک موقع پر رومیوں نے مسلمانوں کے میسرہ پر اس زور کا حملہ کیا کہ حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کے قدم اکھڑ جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ اس وقت رومیوں کا قلب لشکر بالکل محفوظ تھا اور ڈر تھا کہ اگر اس نے بھی اسلامی لشکر پر زور ڈال دیا تو صورتِ حال سخت مخدوش ہو جائے گی۔ اس نازک گھڑی میں حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ نے اپنے عَلَم کو جنبش دی اور للکار کر کہا:

"خدا کی قسم جب تک میں ان کو رومیوں کے قلب میں پہنچ کر نہ گاڑ دوں گا، واپس نہ آؤں گا، تم میں سے جس کی ہمت ہے میرا ساتھ دے ورنہ علیحدہ ہو جائے۔"

یہ کہہ کر گھوڑے سے کود پڑے اور ہاتھ میں سپر لے کر دشمن کی صفوں میں مردانہ وار گھس گئے۔ ان کی تقریر نے مسلمانوں کو شعلۂ جوّالہ بنا دیا تھا۔ وہ بھی ان کے ساتھ رومیوں کے قلب کی طرف بڑھے۔ رومیوں نے ان پر تیروں کا مینہ برسا دیا۔ مسلمان ان کی زد سے بچنے کے لیے جھک جاتے تھے اور سپر سے آڑ کر لیتے تھے۔ اس وقت حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ کی زبان پر یہ الفاظ تھے:

"مسلمانو! میری جان تم پر قربان ہو، کیا دیکھتے ہو، دونوں جہان کی نعمت تمہارے سامنے ہے۔"

غرض اسی طرح لڑتے بھڑتے وہ رومی قلب کے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ نوبت تیر وخدنگ سے گزر کر تیغ وشمشیر تک پہنچی۔ ایک رومی نے تاک کر حضرت

Marfat.com

ہاشم رضی اللہ عنہ پر بھرپور وار کیا' وہ پھرتی سے ایک طرف ہٹ گئے اور پھر اپنی تلوار کی ایک ہی ضرب سے اس کو ڈھیر کر دیا۔ اسی اثنا میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے دستوں کے ساتھ ان کی مدد کو پہنچ گئے اور سب مل کر بلائے ناگہانی کی طرح رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ ایک گھنٹہ کی خونریز جنگ کے بعد رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ نہایت بدحواسی کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس طرح حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے مجاہدین کی جانبازی کی بدولت مسلمانوں کو فتحِ مبین حاصل ہوئی۔

جنگِ یرموک (رجب ۱۵ھ) کا شمار شام کی فیصلہ کُن لڑائیوں میں ہوتا ہے۔ اس جنگ میں حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ پیدل فوج کے افسر تھے۔ یہ ہولناک لڑائی کئی دن تک جاری رہی۔ اس دوران میں رومیوں سے کئی معرکے ہوئے۔ ان سب میں حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ سربکف ہوکر لڑے اور سرفروشی کا حق ادا کر دیا۔ حافظ ابنِ عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاستیعاب'' میں بیان کیا ہے کہ ''جنگِ یرموک میں حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ کی ایک آنکھ شہید ہوگئی۔'' ......لیکن جب ہم یرموک کے بعد پیش آنے والی لڑائیوں میں حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ کو پہلے کے سے جوش اور جذبے کے ساتھ دشمن سے نبرد آزما ہوتے دیکھتے ہیں تو یہی نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ آنکھ کی شہادت نے ان کے جوشِ ایمان پر کوئی اثر نہیں ڈالا اور زخم مندمل ہوتے ہی وہ ولولۂ تازہ کے ساتھ پھر میدانِ جہاد میں پہنچ گئے۔

(۴)

عہدِ صدّیقی و فاروقی میں شام اور ایران سے مسلمانوں کی جو معرکہ آرائیاں ہوئیں ان کے سالِ وقوع کے بارے میں مؤرّخین میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے جنگِ یرموک کا سالِ وقوع ۱۳ھ اور بعض نے ۱۵ھ لکھا ہے۔ اسی طرح بعض نے عراقِ عرب کی فیصلہ کن لڑائی ''جنگِ قادسیہ'' کا سالِ وقوع ۱۴ھ اور

Marfat.com

بعض نے ۱۶ھ بیان کیا' تاہم جمہور مؤرخین کے نزدیک جنگ قادِسیہ' جنگِ یرموک کے بعد پیش آئی۔ حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ ان دونوں جنگوں میں شریک ہوئے اور دونوں میں اپنی شجاعت و بسالت کا سکّہ بٹھا دیا۔ حافظ ابنِ عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاستیعاب'' میں انہیں جنگِ قادِسیہ کا بطل خاص ٹھہرایا ہے۔ جنگ قادِسیہ اس لحاظ سے خاص اہمیّت کی حامل ہے کہ اس میں مسلمانوں کی فتح نے عراقِ عرب سے کسروی سطوت واقتدار کا جنازہ نکال دیا۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے عراقِ عرب کی مہم کا قائد حضرت سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تھا۔ جب وہ عراقِ عرب میں داخل ہوئے تو یزدجرد شاہِ ایران نے ایک نامور ایرانی سردار رستم بن فرخ زاد کو ایک جرّار لشکر اور بڑے ساز وسامان کے ساتھ مسلمانوں سے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایرانیوں کی ہولناک جنگی تیاریوں کی اطلاع حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کو دی تو انہوں نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو فرمان بھیجا کہ سعد کی مدد کے لیے فی الفور شام سے کمک بھیجو۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہ فرمان ملتے ہی حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کو چھ ہزار سوار دے کر عراقِ عرب کی طرف روانہ کر دیا۔ حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ نے حضرت قعقاع بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ کو مقدمۃ الجیش کا افسر بنایا اور ایک ہزار سوار ان کی ماتحتی میں دے کر آگے روانہ کیا۔ ان کے پیچھے وہ خود بھی باقی فوج کے ساتھ بسُرعت تمام عراقِ عرب کے میدانِ جہاد کی طرف روانہ ہوئے۔ ابھی یہ امدادی فوج راستے ہی میں تھی کہ قادسیہ کے مقام پر ایرانیوں اور مسلمانوں کے درمیان خونریز جنگ شروع ہوگئی۔ حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ کی فوج کا ہراول عین اُس وقت میدانِ جنگ میں پہنچا جب ایرانی مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے پرتول رہے تھے' اس کمکی فوج کی آمد مسلمانوں کے لیے تائیدِ غیبی سے کم نہ تھی۔ ہراول کے افسر حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ عرب کے نامی بہادر تھے اور اکیلے ہزار

Marfat.com

سواروں کے برابر مانے جاتے تھے۔ وہ اگرچہ طویل سفر کے بعد قادسیہ پہنچے تھے لیکن انہوں نے ایک لمحہ بھی دَم نہ لیا اور قہرِ خدا بن کر ایرانیوں پر ٹوٹ پڑے۔ نامور ایرانی سردار بہمن جادویہ اور کئی دوسرے ایرانی جنگجوان کے ہاتھ سے مارے گئے لیکن دشمن کے جنگی ہاتھی مسلمانوں کے راستے میں بری طرح حائل ہو گئے کیونکہ مسلمانوں کے گھوڑے ان کو دیکھ کر بدک بدک جاتے تھے۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے اس مصیبت کا تدارک یوں کیا کہ اونٹوں پر بڑی بڑی جھولیں ڈال کر انہیں بھی ہاتھیوں کی طرح مہیب بنا دیا۔ ایرانیوں کے گھوڑے انہیں دیکھ کر بدکتے اور مسلمان ان کے سواروں کو اپنے نیزوں پر رکھ لیتے۔ ایرانی سپہ سالار رستم نے اب پیدل فوجوں کو سواروں کی مدد کے لیے آگے بڑھایا۔ یہ فوجیں آندھی اور طوفان کی طرح مسلمانوں پر حملہ آور ہوئیں۔ مسلمانوں نے بڑی ہمت سے اس طوفانی حملے کو روکا۔ اس زور کا رَن پڑا کہ دور دور تک زمین خون سے رنگین ہو گئی۔ دوسری طرف مدائن سے ایرانی فوجوں کو برابر کمک پہنچ رہی تھی۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ، عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ اور اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ اپنے اپنے دستوں کی معیت میں اس جوش اور وارفتگی سے لڑے کہ ایرانیوں کا منہ پھیر کر رکھ دیا۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ دشمن کی لاشوں پر لاشیں گراتے کبھی میدانِ جنگ کے اس کنارے پر ہوتے اور کبھی دوسرے کنارے پر۔ جس طرف رخ کرتے صفوں کی صفیں الٹ دیتے۔ شام تک میدانِ رزم گرم رہا۔ جب ظلمتِ شب اپنے سائے چاروں طرف پھیلانے لگی تو دونوں فوجیں اپنی قیام گاہوں کو لوٹیں۔ اس دن دس ہزار ایرانی مارے گئے اور دو ہزار مسلمانوں نے جامِ شہادت پیا۔ اگلے دن عَلَی الصّباح حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ بھی اپنی فوج کے ساتھ میدانِ جنگ کے قریب آ پہنچے۔ انہوں نے بھی حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کے مشورے کے مطابق اپنی فوج کے کئی دستے بنا دیے جو وقفہ وقفہ کے بعد تکبیر کے نعرے لگاتے میدان

Marfat.com

میں داخل ہوئے۔ آخری دستے میں سات سو جانباز تھے جن کی قیادت خود ہاشم رضی اللہ عنہما کر رہے تھے۔ وہ تیر برساتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھستے چلے گئے یہاں تک کہ دریا تک پہنچے۔ وہاں سے پلٹے اور پھر جھپٹے لیکن کسی کو انہیں روکنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ اور دوسرے سرفروشوں نے تہیہ کرلیا تھا کہ آج لڑائی کا فیصلہ کر کے رہیں گے۔ رات گئے تک دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوتی رہی۔ ایرانی جان توڑ کر لڑے لیکن مسلمانوں کے پُرجوش حملوں کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ چلی اور وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگے۔ مسلمان لڑتے لڑتے رستم کی نشست گاہ تک پہنچ گئے۔ اب وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے حفاظتی دستے کو ساتھ لے کر مردانہ وار لڑا لیکن مسلمان سرفروشوں ہاشم' قعقاع' عمرو بن معدی کرب' قیس بن اشعث رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھیوں نے اس کے آہن پوش حفاظتی دستے کے پرخچے اڑا دیے اور وہ خود شدید زخمی ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ہلال بن علقمہ نامی ایک مجاہد نے تعاقب کیا۔ رستم نے نہر میں چھلانگ لگا دی۔ ہلال نے ٹانگ پکڑ کر باہر گھسیٹ لیا اور سر کاٹ کر لاش خچروں کے پاؤں میں ڈال دی' پھر وہ رستم کے تخت پر چڑھ گئے اور زور سے پکارے: ''میں نے رستم کا کام تمام کر دیا ہے۔''

اس آواز کے سنتے ہی ایرانیوں کے ہوش و حواس بالکل جاتے رہے اور انہیں ایسی عبرت ناک شکست ہوئی کہ تختِ کسریٰ کی بنیادیں ہل گئیں۔

(۵)

قادسیہ کی فتح کے بعد حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اپنے لشکر کے ساتھ وہیں ٹھہر گئے تاکہ مجاہدین کی تکان دور ہو جائے اور دربارِ خلافت سے بھی تازہ ہدایات موصول ہو جائیں۔ دو ماہ میں مسلمان تازہ دم ہو گئے اور دربارِ خلافت سے بھی ایران کے

Marfat.com

دارالسلطنت مدائن کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم موصول ہوگیا۔ اسی اثنا میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ ایرانی بابل میں جمع ہوکر جنگ کی تیاری کررہے ہیں۔ انہوں نے یہ اطلاع ملتے ہی خواتین، بچوں اور معذوروں کو تو قادسیہ ہی میں چھوڑا اور ان کی حفاظت کے لیے چند فوجی دستے متعیّن کر کے باقی لشکر کے ساتھ بابل کا رُخ کیا۔ مقدمۃ الجیش کے افسر زہرہ بن حیوۃ تھے۔ وہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق پہلے روانہ ہوگئے۔ راستے میں "برس" کے مقام پر ایک ایرانی سردار بصیری ان کے مقابل ہوا۔ زہرہ نے اسے شکستِ فاش دی اور وہ بابل کی طرف بھاگ گیا۔ "برس" کے شہریوں نے صلح کرلی اور بابل تک " دریائے دجلہ اور اس کی نہروں اور ندیوں کے تباہ شدہ پُل دوبارہ تیار کرنے میں مسلمانوں کو بڑی مدد دی۔ اس طرح اسلامی افواج بڑی تیزی سے بابل کے قریب جا پہنچیں۔ بابل میں مقیم ایرانی فوج مسلمانوں کی یلغار کی تاب نہ لاسکی اور بہت جلد ہتھیار پھینک کر شہر مسلمانوں کے حوالے کردیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بابل میں قیام کیا اور زہرہ بن حیوٰۃ کو حضرت ہاشم کے ساتھ مدائن کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم دیا۔ زہرہ برق رفتاری سے آگے بڑھے اور کوثی کو مسخّر کرتے ہوئے مدائن کے قریب پہنچ گئے۔ یہ عظیم الشّان شہر دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر آباد تھا۔ مشرقی کنارے کی آبادی کو مدائن قصوٰی کہتے تھے اور شاہی محل و دفاترِ حکومت یہیں تھے۔ مغربی کنارے کی آبادی کو بُہرشیر یا مدائنِ دنیا کہتے تھے۔ بُہرشیر کو بعض مؤرّخین نے ایک الگ شہر لکھا ہے لیکن فی الحقیقت وہ مدائن خاص کے متعلّقات میں تھا اور اس کے قریب ساباط کی چھاؤنی تھی جس میں چیدہ ایرانی جانبازوں پر مشتمل ایک شاہی رسالہ رہتا تھا۔ اس رسالہ کے جانباز ہر روز صبح اٹھ کر حلف اٹھاتے تھے کہ جب تک ہمارے دَم میں دم ہے ہم سلطنتِ ایران کی حفاظت کریں گے۔ یزدجرد شاہِ ایران نے اپنا ایک پالتو شیر بھی اس رسالہ کے سپرد

Marfat.com

کر رکھا تھا کہ ضرورت پڑے تو اسے دشمن پر چھوڑ دیا جائے۔ یہ رسالہ ساباط کے قلعے سے باہر نکل کر بڑے جوش وخروش سے مسلمانوں کے مقابل ہوا۔ کسریٰ کا شیر اس کے آگے آگے تھا وہ غُرّا کر مسلمانوں پر جھپٹا۔ حضرت ہاشمؓ بن عتبہ کو جوش آ گیا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اس صفائی سے تلوار کا ہاتھ مارا کہ شیر دو ٹکڑے ہو کر گر پڑا۔ اس کے بعد مجاہدین نے ایرانیوں کو اپنی تلواروں پر رکھ لیا۔ بہت سے مارے گئے اور باقی نے بھاگ کر قلعہ بہر شیر میں پناہ لی۔ اسی اثنا میں حضرت سعدؓ بھی اپنی فوج کے ساتھ ساباط پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنے بھتیجے کی شیر افگنی کا حال سنا تو فرطِ مسرّت سے ان کی پیشانی چوم لی اور ان کی جوانمردی کو بہت سراہا۔ اس کے بعد حضرت سعدؓ نے بُہر شیر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ کتنے عرصہ رہا؟ اس کے بارے میں مؤرّخین میں سخت اختلاف ہے۔ بہر صورت چند ماہ کے محاصرے کے بعد بُہر شیر مسخّر ہو گیا۔ کچھ عرصہ بُہر شیر میں قیام کے بعد حضرت سعدؓ نے دریائے دجلہ عبور کر کے مدائن خاص (قصوٰی) پر بھی قبضہ کر لیا اور یزدجرد شہر سے فرار ہو کر حلوان چلا گیا۔

علامہ بلاذری نے ''فتوح البلدان'' میں لکھا ہے کہ فتح قادسیہ کے بعد حضرت سعدؓ نے حضرت ہاشمؓ بن عتبہ کو سوادِ دجلہ کے علاقوں کی تسخیر پر مامور کیا۔ انہوں نے یہ مہم بڑی کامیابی سے سرانجام دی۔ اس کے بعد وہ اشعث بن قیس کی معیت میں وقوقا' خانیجار اور باجری کو فتح کرتے ہوئے آگے بڑھے اور سن بار کو عبور کر کے شہر زور کی سرحد تک پہنچ گئے۔ ادھر یزدجرد حلوان پہنچ کر پھر مسلمانوں کے خلاف پخت و پز میں مشغول ہو گیا۔ اس کے حکم سے رستم کے بھائی خرزاد بن فرخ زاد نے جلولاء کے مقام پر ایک بہت بڑا لشکر مرتّب کیا اور بڑے زور وشور سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی تیاری کی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی تو انہوں نے سارے حالات حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجے۔ وہاں سے حکم آیا کہ ہاشم بن عتبہ کو بارہ ہزار فوج

Marfat.com

کے ساتھ جلولاء بھیج دو اور ان کے ساتھ قعقاع بن عمرو کو مقدمۃ الجیش کا افسر بنا کر بھیجو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کی ہدایت کے مطابق حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ کو بارہ ہزار جاں بازوں کے ہمراہ جلولاء روانہ کیا۔ ایرانیوں کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو انہوں نے مدافعت کی خوب تیاری کی۔ شہر کے گرد خندق کھود کر اس کے آس پاس گوکھرو بچھا دیے اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت ہاشمؓ نے شہر کا محاصرہ کر لیا جو کئی ماہ تک جاری رہا۔ اس دوران میں ایرانی کئی دفعہ قلعہ سے باہر نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے لیکن ہر بار منہ کی کھائی۔ عرب مؤرخین ایسے معرکوں کی تعداد اسّی بتاتے ہیں۔ شہر میں خوراک اور سامانِ حرب کا کافی ذخیرہ تھا اور مسلمانوں کی تعداد سے کئی گنا مسلّح جنگجو شہر کی حفاظت کر رہے تھے۔ اس لیے ایرانیوں کے حوصلے بلند تھے۔ ایک دن وہ بڑے زور و شور کے ساتھ قلعہ سے نکلے اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ اتفاق سے اس وقت ایسی سیاہ آندھی اٹھی کہ اس نے زمین و آسمان کو ڈھانپ لیا۔ ایرانی افراتفری کے عَالَم میں پیچھے ہٹے تو قعقاع رضی اللہ عنہ فوج کے چند دستوں کے ساتھ قلعہ کے دروازے پر پہنچ گئے۔ یہاں اس زور کا رن پڑا کہ نوبت تیروں، نیزوں اور تلواروں سے گزر کر خنجروں تک پہنچی۔ دفعتاً غل ہوا کہ سپہ سالار ہاشم رضی اللہ عنہ بھی ساری فوج کے ساتھ آ پہنچے ہیں۔ اب قعقاع رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اس زور کا حملہ کیا کہ ایرانیوں کے چھکّے چھوٹ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اتنے میں ہاشم رضی اللہ عنہ بھی آ پہنچے اور مسلمانوں نے بھاگتے ہوئے ایرانیوں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔ طَبریؒ کا بیان ہے کہ اس معرکے میں ایک لاکھ ایرانی مارے گئے اور تین کروڑ کا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ یزدجرد نے سقوطِ جلولاء کی خبر سنی تو حلوان سے رَے بھاگ گیا۔ حضرت ہاشمؓ نے قعقاعؓ کو بھیج کر حلوان پر بھی قبضہ کر لیا۔ مؤرّخین نے قادسیہ کے بعد جلولاء کے معرکے کو خاص اہمیّت دی ہے۔ اس

Marfat.com

کی فتح تمام تر حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ کی کوششوں کی مرہونِ منّت تھی۔

(۶)

حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ کو حضرت علی کَرَّمَ اللہ وَجْہَہٗ سے بڑی محبت اور عقیدت تھی۔ حضرت عثمان ذُوالنُّورَین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد وہ ان کو سب سے بڑھ کر خلافت کا اہل اور مستحق سمجھتے تھے۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی المناک خبر سنی تو فوراً جلیل القدر صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ اب ہمیں اس اُمّت کے بہترین انسان کے ہاتھ پر بیعت کر لینی چاہیے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ابھی جلدی کی کیا ضرورت ہے، لیکن حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ کو ایک لمحہ کی تاخیر بھی گوارا نہ تھی۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں تھے اور حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ کوفہ میں۔ انہوں نے اسی جگہ (عازم مدینہ ہونے سے پہلے ہی) اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر کہا کہ یہ علی کا ہاتھ ہے اور یہ میرا، میں بیعت کرتا ہوں۔ اس کے بعد وہ بسُرعتِ تمام مدینہ منورہ پہنچے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی ان پر بے حد اعتماد تھا۔ انہوں نے جنگِ جَمَل کی تیاری شروع کی تو حضرت ہاشمؓ کو حضرت حسنؓ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے ساتھ کوفہ بھیجا کہ اہلِ کوفہ کو اپنی حمایت پر آمادہ کریں۔ یہ اصحاب جس وقت کوفہ پہنچے وہاں کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مسجد میں لوگوں کو لڑائی سے بچنے اور گوشہ نشین ہو جانے کی تلقین کر رہے تھے۔ انہوں نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس قسم کا وعظ کرنے کے بجائے بہتر ہے کہ آپ اس مسجد کو چھوڑ دیں اور جہاں جی چاہے چلے جائیں۔ وہ خاموشی سے مسجد سے نکل گئے اور شام کے کسی گاؤں میں جا کر عزلت گزین ہو گئے۔ جَمَل کی افسوسناک لڑائی شروع ہوئی تو حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ شروع سے اخیر تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دست و بازو بنے رہے۔ جنگِ جَمَل کے بعد

Marfat.com

انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پُرجوش حمایت کی اور صفّین کے معرکوں میں شامی فوجوں کے خلاف سربکف رہے۔ جنگ کے آخری دور میں ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوج کا شاہ نشان (سب سے بڑا علَم) حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمایا۔ وہ شاہ نشان ہاتھ میں لے کر دن بھر لڑتے رہے۔ جب شام ڈھل گئی تو ان کے ساتھی منتشر ہو گئے لیکن وہ چند جانبازوں کے ساتھ میدان میں ڈٹے رہے۔ دشمن کے ایک سپاہی نے ان کے پاؤں پر وار کیا جس سے ایک پاؤں کٹ کر الگ ہو گیا لیکن اللہ رے شجاعت کہ اس کٹے ہوئے پاؤں کو زمین پر ٹیک ٹیک کر لڑتے رہے۔ ایک شامی حارث بن منذر تنوخی نے موقع پا کر نیزے کا وار کیا جس سے پیٹ چاک ہو گیا لیکن انہوں نے پھر بھی لڑائی سے ہاتھ نہ کھینچا۔ اسی اثنا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قاصد پیغام لایا کہ اپنا دستہ آگے بڑھاؤ۔ حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ نے قاصد سے کہا: ''ذرا میری حالت دیکھتے جاؤ۔'' قاصد نے ان کے پیٹ پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ جگہ جگہ سے چاک تھا۔ قاصد کے پلٹتے ہی زمین پر گر پڑے اور اپنی جانِ جان آفرین کے سپرد کر دی۔

ان کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے فرزند عبداللہ کو علَمبردار بنایا۔ وہ بھی شجاعت و شہامت میں اپنے باپ کی مثال تھے۔ جب تک جنگ ختم نہ ہوئی پوری شان کے ساتھ علمبرداری کا حق نباہتے رہے۔

حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ علم و فضل کے اعتبار سے بھی اونچا مقام رکھتے تھے، لیکن ان کے نقوشِ سیرت پر شجاعت و بسالت کا پہلو اس قدر غالب آ گیا کہ دوسرے اوصاف و محاسن نمایاں نہ ہو سکے۔ علامہ ابنِ اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ''اُسدُ الغابہ'' میں لکھا ہے کہ ہاشم رضی اللہ عنہ بڑے نامور اور بہادروں اور بلند مرتبہ فضلاءِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

حضرت ابنِ ابی اَوفیٰ رضی اللہ عنہ

(۱)

ایک صاحبِ رسول اپنی بیٹی سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور اس کو دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ قضائے الٰہی سے یہ بیٹی فوت ہو گئیں۔ باپ کو سخت صدمہ ہوا لیکن وہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھ کر خاموش ہو گئے۔ اُن کے گھر کی عورتیں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکیں اور رو رو کر بَین کرنے لگیں۔ ان صاحبِ رسول نے فوراً اُٹھ کر نہایت سختی سے عورتوں کو ایسا کرنے سے روکا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بَین کرنے سے منع فرمایا ہے' ہاں تم اپنے غم کا اظہار آنسو بہا کر کر سکتی ہو۔ اس کے بعد مسنون طریقہ سے اپنی لختِ جگر کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور لوگوں سے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طریقہ سے نمازِ جنازہ پڑھایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ کچھ کیا جائے تو یہ سُنّتِ نبوی کے مطابق نہ ہوگا۔

یہ صاحبِ رسول جو اس قدر صابر تھے اور نازک سے نازک موقع پر بھی سُنّتِ رسول ﷺ سے سرِ مُو انحراف نہیں کرتے تھے' حضرت ابنِ ابی اوفیٰ تھے۔

(۲)

حضرت ابنِ ابی اوفیٰ کا شمار بڑے عظیم المرتبت صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ اصل نام

Marfat.com

باختلافِ روایت عبداللہ یا علقمہ تھا اور کنیت ابومعاویہ۔ لیکن وہ تاریخ میں ابنِ ابی اوفیٰؓ کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا تعلق بنو اسلم بن افصیٰ سے تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

عبداللہ (یا علقمہ) بن ابی اوفیٰ خالدؓ بن حارث بن بی اسید بن رفاعہ بن ثعلبہ بن ہوازن بن اسلم بن افصیٰ

والد حضرت ابی اوفیٰ خالدؓ بن حارث کو بھی قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔ مُسندِ احمد بن حنبل کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت مخلص صحابی تھے اور اکثر راہِ خدا میں اپنا مال صرف کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ کچھ صدقہ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے دعا فرمائی۔

"الٰہی آلِ ابی اوفیٰ پر رحمت کر۔"

حضرت ابنِ ابی اوفیٰؓ ہجرتِ نبوی کے تقریباً پانچ سال بعد شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہوئے۔ اہلِ سیر نے صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ صلح حدیبیہ سے پہلے مسلمان ہوئے۔ قیاس یہ ہے کہ انہوں نے ۵ھ یا ۶ھ میں کسی وقت قبولِ اسلام کا شرف حاصل کیا۔ وہ ان چودہ سو صحابہ کرامؓ میں شامل تھے جن کو صلح حدیبیہ (ذیقعدہ ۶ھ) کے موقع پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی اور بیعتِ رضوان کی سعادت نصیب ہوئی۔ گویا وہ ان خوش بخت صحابہؓ میں سے ایک ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے کھلے لفظوں میں اپنی خوشنودی کی بشارت دی۔ بیعتِ رضوان کے بعد وہ غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے اور اپنی تلوار کے جوہر دکھائے۔ صحیح بخاری میں ان سے روایت ہے کہ خیبر میں ایک دن ہم بھوک سے نڈھال ہو گئے۔ اپنی بھوک مٹانے کے لیے ہم نے گدھا ذبح کیا اور اس کا گوشت ہانڈیوں میں ڈال کر پکانے لگے۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ نے منادی کرا دی کہ ہانڈیوں کو الٹ دو اور گدھے کا گوشت نہ کھاؤ۔

رمضان ۸ھ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے لیے تشریف لے گئے تو

Marfat.com

حضرت ابنِ ابی اوفیٰؓ کو حضور ﷺ کے ہمرکاب اُن دس ہزار نفوسِ قدسی میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا جن کے بارے میں سینکڑوں سال پہلے کتابِ استثناء میں یوں پیشین گوئی کی گئی تھی۔

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا وہ فاران سے دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے ہاتھ میں ایک آتشیں (نورانی) شریعت تھی۔"

فتح مکہ کے بعد حضرت ابنِ ابی اوفیٰؓ نے غزوۂ حنین میں دادِ شجاعت دی۔ علامہ ابنِ سعد رحمۃ اللہ کا بیان ہے کہ اس غزوہ میں ان کا ہاتھ شدید زخمی ہو گیا۔ اس زخم کا نشان اس ہاتھ پر مدتوں باقی رہا۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت ابنِ ابی اوفیٰؓ نے خود اس واقعہ کا ذکر کیا ہے...... دوسرے جن غزوات میں حضرت ابنِ ابی اوفیٰؓ نے شرکت کی، اہلِ سیَر نے ان کی صراحت نہیں کی البتہ خود حضرت ابنِ ابی اوفیٰؓ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سات غزووں میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ مُسندِ احمد بن حنبل اور بعض دوسری کتب حدیث میں ان سے روایت ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ غزووں میں شریک ہوئے اور ہم کو ان میں سے اکثر غزووں میں سدرمق کے لیے جراد (ٹڈی) کھا کر گزارہ کرنا پڑا۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ایک غزوہ کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں سے مقابلے کے لیے نکلے تو آپ ﷺ نے (لڑائی کا آغاز کرنے یا دشمن پر حملہ کرنے کے لیے) زوال کے وقت تک انتظار کیا اور صحابہؓ میں کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے لوگو دشمن سے لڑنے کی خواہش نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے امن و عافیت مانگو اور جب

Marfat.com

جنگ چھڑ جائے تو پھر صبر اور استقلال سے کام لو اور جان لو کہ جنّت تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ دعا کی' اے اللہ کتاب اتارنے والے! بادلوں کے چلانے والے اور برسانے والے اور لشکرِ کُفّار کو شکست دینے والے' ان کو شکست دے اور ہماری مدد کر۔"

سنہ۱ھ میں حضرت ابنِ ابی اوفیٰؓ نے سرورِ عَالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

(۴)

سرورِ عَالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال (۱۱ھ) کے بعد حضرت ابنِ ابی اوفیٰؓ چار پانچ سال تک مدینہ منورہ ہی میں مقیم رہے۔ حضرت عُمرِ فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں کوفہ آباد ہوا تو وہ کوفہ چلے گئے اور اپنے قبیلہ اسلم کے محلے میں گھر بنا کر وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابنِ ابی اوفیٰؓ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ گوشۂ عزلت میں گزارا' البتہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہدِ خلافت میں جب خوارج نے شورش برپا کی تو وہ ان کے مقابلے کے لیے گوشۂ عزلت سے نکل آئے اور نہ صرف خود ان کے خلاف بڑی بہادری سے لڑے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی ان کے خلاف جہاد کرنے کی ترغیب دی اور اس سلسلہ میں ان کو حضور ﷺ کی وہ حدیث یاد دلائی جس میں آپ ﷺ نے جنگ کی خواہش نہ کرنے اور جنگ چھڑ جائے تو ثابت قدم رہنے کی تلقین فرمائی تھی۔

حضرت ابنِ ابی اوفیٰؓ نے طویل زندگی پائی اور ۸۶ھ اور ۸۸ھ کے درمیان کسی وقت سفرِ آخرت اختیار کیا۔ آخری عمر میں بصارت نے جواب دے دیا تھا۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "مستدرک" میں لکھا ہے کہ حضرت ابنِ ابی اوفیٰؓ کی وفات سے پہلے کوفہ میں آباد ہونے والے دوسرے تمام صحابہؓ اس دارِ فانی سے کوچ کر چکے تھے۔

Marfat.com

ان کے انتقال کے بعد کوفہ میں کوئی ایسی ہستی باقی نہ رہی جس نے سرورِ عالم ﷺ کے جمالِ جہاں آرا سے آنکھیں روشن کی ہوں۔

حضرت ابنِ ابی اوفیؓ کا شمار فضلاءِ صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ ان سے ۹۵ احادیث مروی ہیں جن میں سے دس متفق علیہ ہیں اور ۵ میں بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں۔ ان کے رُواۃ میں حضرت عمروؒ بن مُرّہ، عدی بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ اور اعمش رحمۃ اللہ علیہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت ابنِ ابی اوفیؓ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بڑے لطف و انبساط سے لوگوں تک پہنچایا کرتے تھے۔ بعض اوقات یہ ارشادات موقع اور محل سے خاص مناسبت رکھتے تھے۔ انہوں نے جو دعائیں حضور ﷺ سے سنی تھیں وہ بھی لوگوں کو بتایا کرتے تھے۔ مُسندِ ابی داؤد میں ان سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ قرآن میں سے کوئی چیز یاد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اس لیے مجھ کو ایسی چیز سکھا دیجیے جو میرے لیے کافی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تو یہ پڑھ لیا کر

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

(یعنی پاک ہے اللہ اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اللہ بہت بڑا ہے اور سوائے اللہ کی مدد کے کوئی قوت نہیں ہے۔)

اس شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ یہ تو اللہ کے لیے ہے میرے لیے کیا ہے؟
آپ ﷺ نے فرمایا (اپنے لیے تو یہ کہہ)

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ وَعَافِنِیْ وَاهْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ

Marfat.com

(یعنی اللہ مجھ پر رحم کر اور مجھ کو عافیت سے رکھ' مجھ کو ہدایت کر اور مجھ کو روزی دے)

پس اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس طرح اشارہ کیا اور ہاتھوں کو بند کیا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص نے اپنے ہاتھوں کو بھلائی سے بھر لیا۔

ایک اور حدیث میں جو ترمذی شریف میں ان سے روایت کی گئی ہے' کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کوئی حاجت خدا سے رکھتا ہو یا کسی آدمی سے کوئی دینی یا دنیاوی حاجت رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی ثناء کرے پھر نبی ﷺ پر درود بھیجے اور پھر یہ دعا کرے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَسْئَلُکَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِکَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِکَ وَالْغَنِیْمَۃَ مِنْ کُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَۃَ مِنْ کُلِّ اِثْمٍ لَاتَدَعْ لِیْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَہٗ وَلَا ھَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَہٗ وَلَا حَاجَۃً ھِیَ لَکَ رِضًی اِلَّا قَضَیْتَھَا یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

(یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ایسا معبود جو بردبار اور بخشش کرنے والا ہے۔ پاک ہے اللہ مالک ہے عرشِ عظیم کا اور تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو دونوں جہان کا پروردگار ہے۔ اے اللہ میں تجھ سے ایسا عمل کرنا چاہتا ہوں جس سے تیری رحمت کے نزول کا مستحق قرار پاؤں اور چاہتا ہوں وہ عمل جو موجب ہو تیری بخشش کا اور چاہتا ہوں فائدہ پانا ہر نیکی سے

Marfat.com

اور سلامتی ہر گناہ سے میرے کسی گناہ کو بخشش سے نہ چھوڑ اور نہ میری کسی مشکل کو باقی رکھ اور میری کوئی حاجت نہ روک جو تیرے نزدیک پسندیدہ ہو' اے رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے۔)

حضرت ابنِ ابی اوفیٰؓ اپنے علم وفضل کی بناء پر مرجعِ خلائق بن گئے تھے اور لوگ شرعی مسائل پوچھنے کے لیے اکثر ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بعض اصحاب نے ان سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی پیداوار کس طرح صَرف فرمایا کرتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ اس کی تقسیم کا کوئی خاص طریقہ نہیں تھا بلکہ ہر شخص اپنی ضرورت کے مطابق اس میں سے حصہ لے لیا کرتا تھا۔

ایک دفعہ حضرت ابو بُردہؓ اور حضرت عبداللہؓ بن ابی شدّاد میں بیع سلم[1] کے بارے میں اختلاف رائے ہو گیا۔ دونوں نے فیصلہ کے لیے ان کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ پر روشنی ڈالی اور ان کو مطمئن کر دیا۔ صحیح بخاری میں ان سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانوں میں بھی گیہوں' جو' مُنقّٰی اور کھجور میں "بیع سلم" کیا کرتے تھے۔ صحیح بخاری ہی کی ایک اور روایت میں وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ اہل شام کے کاشتکاروں سے گندم' جو اور انگور (مُنقّٰی) میں مدتِ معیّنہ تک کے لیے مقرّرہ ناپ اور وزن میں "سلم" کیا کرتے تھے۔ ان سے پوچھا گیا' کیا ان لوگوں سے جن کے پاس اصل مال موجود ہوتا۔ فرمایا' ہم ان سے اس کے متعلق نہیں پوچھتے تھے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

1۔ بیع سلم سے مراد وہ سودا ہے جس میں ایک فریق کسی جنس یا مال کے بدلے پیشگی رقم وصول کرتا ہے اور ایک خاص مدت کے بعد مال وصول کرتا ہے۔ فقہ کی اصطلاح میں اس کو بیع سلف بھی کہتے ہیں۔

Marfat.com

حضرت مالکؓ بن التیہان انصاری

(۱)

حضرت مالکؓ بن التیہان جو تاریخ میں اپنی کنیت "ابوالہیثم" سے مشہور ہیں، یثرب کے ان چند سعید الفطرت انسانوں میں سے تھے جو زمانۂ جاہلیت میں بھی توحید کے قائل تھے اور بت پرستی کو برا جانتے تھے۔ ان کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

ابوالہیثم مالک بن تیہان بن مالک بن عتیک بن عمرو بن عبدالاعلم بن عامر بن زعوراء بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

بعض اہلِ سیَر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ خاندان بَلّی سے تعلق رکھتے تھے اور اَوس کے خاندان عبدالاشہل کے حلیف تھے لیکن جمہور اربابِ سیَر کی یہی رائے ہے کہ وہ خود انصاری الاوسی ہیں۔

سالہ نبوت میں حضرت اسعدؓ بن زرارہ نجّاری اپنے پانچ یثربی دوستوں کے ساتھ حج کے لیے مکہ گئے۔ حُسنِ اتفاق سے مِنیٰ میں ان کی ملاقات سرورِ عالم ﷺ سے ہوگئی۔ حضور ﷺ نے ان کو دعوتِ توحید دی تو ان سب نے بلا تامّل اس پر لبیک

Marfat.com

کہا۔ دولتِ ایمان سے بہرہ یاب ہوکر یثرب واپس آئے تو حضرت اسعدؓ بن زرارہ سب سے پہلے حضرت ابوالہیثمؓ سے ملے جو ان کے دوست تھے۔ حضرت اسعدؓ نے ان کے سامنے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات اور اپنے سعادت اندوزِ ایمان ہونے کا حال بیان کیا۔ وہ پہلے ہی دینِ حق کی تلاش میں تھے فوراً بولے میں بھی محمد صلی اللہ علیہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاتا ہوں۔

اگلے سال ۱۲ نبوت کے موسم حج میں یثرب سے بارہ مسلمان سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے مکہ پہنچے۔ حضرت ابوالہیثمؓ بھی ان میں شامل تھے۔ حضور ﷺ کو ان اصحاب کے آنے کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ رات کو منیٰ میں (عقبہ کی گھاٹی میں جہاں اب ایک مسجد بنا دی گئی ہے) تشریف لے گئے۔ یثربی مسلمان وہاں پہلے ہی موجود تھے۔ انہوں نے بڑھ کر حضور ﷺ کے قدم لیے اور ان چھ باتوں پر آپ ﷺ کی بیعت سے مشرّف ہوئے:

۱۔ ہم شرک نہ کریں گے۔
۲۔ ہم چوری نہ کریں گے۔
۳۔ ہم زنا نہ کریں گے۔
۴۔ ہم کسی کی چغلی نہ کریں گے اور نہ کسی پر جھوٹی تہمت لگائیں گے۔
۵۔ ہم اپنی لڑکیوں کو قتل نہ کریں گے۔
۶۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اچھی باتوں میں اطاعت کریں گے۔

بیعت لینے کے بعد حضور ﷺ نے ان سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ اگر تم نے ان باتوں پر عمل کیا تو جنّت کے حقدار بن جاؤ گے اور اگر نقضِ عہد کے مرتکب ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ تمہیں عذاب دے یا معاف کردے۔

واپسی کے وقت (یا بروایتِ دیگر واپسی کے بعد یثرب سے خط لکھ کر) ان

Marfat.com

حضرات نے سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ انہیں قرآنِ پاک پڑھانے اور دین کی باتیں سکھانے کے لیے ایک مُعلّم عطا فرمائیں۔ حضور ﷺ نے یہ خدمت حضرت مُصعبؓ بن عُمیر کے سپرد کی اور انہیں ضروری ہدایات دے کر یثرب روانہ کیا۔

(۲)

حضرت مصعبؓ بن عمیر کی تبلیغی مساعی سے یثرب کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا پھیل گیا۔ ۱۳ نبوت کے موسمِ حج میں یثرب سے پانچ سَو آدمیوں کا ایک قافلہ حج کے لیے روانہ ہونے لگا تو اس قافلے میں اوس وخزرج کے پچھتّر ایسے نفوسِ قدسی بھی شامل ہو گئے جو دولتِ ایمان سے بہرہ یاب ہو چکے تھے۔ ان میں حضرت ابوالہیثمؓ بن تیِھّان بھی شامل تھے۔ یثرب کے ان پچھتّر فدایانِ توحید کا مکّہ آنا تاریخِ اسلام میں بے انتہا اہمیّت رکھتا ہے۔ انہوں نے مکّہ میں ہر قسم کے خطرات کے علی الرّغم جو شجاعانہ اور بے باکانہ اقدام کیا اس نے تاریخ کا رُخ پھیر دیا۔

حج سے فارغ ہونے کے بعد سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات مقرر کی اور یثرب کے اہلِ حق رات کی تاریکی میں نہایت رازداری کے ساتھ عقبہ کی گھاٹی میں جمع ہوئے۔ حضور ﷺ بھی اپنے چچا حضرت عباسؓ کے ساتھ وہاں تشریف لائے۔ یہاں آنے سے پہلے حضرت عباسؓ کو یہ اطلاع ملی تھی کہ یثرب کے یہ اہلِ حق ان کے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ علیہ وسلم کو یثرب تشریف لے چلنے کی دعوت دینے آئے ہیں۔ انہوں نے ان پچھتّر اہلِ ایمان سے مخاطب ہو کر کہا:

"اے برادرانِ یثرب! (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے خاندان میں معزز ومحترم ہیں۔ عامۃ القریش ان کے جانی دشمن ہیں۔ تاہم ہم نے ہمیشہ دشمنوں سے ان کی حفاظت کی ہے اور آئندہ بھی اپنی استطاعت

Marfat.com

کے مطابق کریں گے۔ اگر تم اپنے وعدوں کو پورا کر سکتے ہو تو کوئی بات کرنا۔ خوب سمجھ لو کہ محمد (ﷺ) سے کوئی عہد و پیمان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم ہولناک مصائب اور خونریز جنگوں کو دعوت دے رہے ہو اس لیے سب کچھ سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا ورنہ ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔"

حضرت عباسؓ کی تقریر سن کر رئیسِ خزرج حضرت براءؓ بن معرور جوش میں آ کر کھڑے ہو گئے اور کہا:

"اے عباس! ہم نے آپ کی بات سنی تو ہماری بھی سن لیں کہ ہم نامرد نہیں ہیں، ہم نے تلواروں کی گود میں پرورش پائی ہے......"

دوسرے انصار نے ان کی بات کاٹ کر کہا' یارسول اللہ! آپ بھی کچھ فرمایئے۔

حضور ﷺ نے قرآنِ حکیم کی چند آیات کی تلاوت فرمائی اور اہلِ یثرب کو اسلام پر قائم رہنے کی تلقین کی اور پھر فرمایا: "میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم اپنی جانوں اور اہل و عیال کی مانند میری حفاظت کرو گے اور دین کی اشاعت میں میری پوری پوری مدد کرو گے۔

حضرت براءؓ بن معرور نے آپ کا دستِ مبارک پکڑ لیا اور کہا:

"یارسول اللہ! خدائے بزرگ و برتر کی قسم ہم اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ آپ کی حفاظت و اعانت کریں گے۔"

حضرت ابوالہیثمؓ بن التیہان نے ان کی بات کاٹ کر کہا:

"یارسول اللہ! اس وقت ہمارے اور یہود کے مابین معاہدات ہیں جو بیعت کے بعد فسخ ہو جائیں گے ایسا نہ ہو کہ آپ اقتدار اور قوت پا کر ہمیں چھوڑ دیں۔"

حضور ﷺ نے متبسم ہو کر فرمایا:

Marfat.com

"بلکہ میرا خون تمہارا خون اور میرا ذمّہ تمہارا ذِمّہ ہے۔ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ تم جس سے لڑو گے میں بھی لڑوں گا اور جس سے تم صلح کرو گے میں بھی اس سے صلح کروں گا۔"

اس کے بعد کچھ اور سوال و جواب ہوئے اور پھر سب یثربی اہل ایمان یکے بعد دیگرے حضور ﷺ کی بیعت سے مشرّف ہو گئے۔

اس موقع پر کس خوش بخت کو سب سے پہلے بیعت کرنے کا شرف حاصل ہوا؟ اس کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ بعض روایتوں میں حضرت اسعدؓ بن زرارہ کا نام آتا ہے اور بعض میں حضرت ابوالہیثمؓ بن التیّھان کا۔ کچھ روایتوں میں حضرت کعبؓ بن مالک اور حضرت براءؓ بن معرور کا نام بھی آتا ہے۔ بہرصورت یہ سبھی اصحاب یکساں عزت و احترام کے مستحق ہیں۔ انہوں نے محض رضائے الٰہی کی خاطر اس وقت اپنی جانوں مالوں اور اولادوں کو ہادیِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا ڈالا' جب سرزمینِ عرب کا ذرّہ ذرّہ اہلِ حق کے خون کا پیاسا تھا اور کسی قبیلے کی یہ ہمت نہ تھی کہ وہ مکہّ کے دُرِّیتیم صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دینے کی ہامی بھرے۔ یہ بیعت ...... جو تاریخِ اسلام میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے' بیعت لیلۃُ العقبہ' بیعتِ عقبہ ثانیہ اور بیعتِ عقبہ کبیرہ کے ناموں سے مشہور ہے۔

بیعت کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ یثرب سے فرمایا:

"موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے بارہ نقیب منتخب کیے تھے تم بھی دینی امور کی حفاظت کے لیے اپنے میں سے بارہ نقیب منتخب کر لو۔"

چنانچہ مومنینِ یثرب نے بارہ نقباء اتفاقِ رائے سے منتخب کر لیے ان میں سے نو قبیلہ خزرج کے اور تین قبیلہ اوس کے چشم و چراغ تھے۔ اوس کے تین نقیبوں میں ایک حضرت ابوالہیثمؓ بن التیّھان تھے۔ دوسرے دو حضرت اُسیدؓ بن حُضیر اور

Marfat.com

حضرت سعدؓ بن خثیمہؓ تھے۔ ایک روایت میں حضرت ابوالہیثمؓ کے بجائے حضرت رفاعہؓ بن عبدالمنذر کا نام آیا ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ اوس کے نقیبوں میں حضرت اسیدؓ بن حضیر اور حضرت سعدؓ بن خثیمہ کے ساتھ حضرت ابوالہیثمؓ ہی منتخب کیے گئے۔ حضرت کعبؓ بن مالک انصاری نے اپنی ایک نظم میں تمام نقباء کے نام بیان کیے ہیں' ان میں رفاعہؓ بن عبدالمنذر کا نام نہیں ہے بلکہ ان کے بجائے حضرت ابوالہیثمؓ بن التیہانؓ کا نام ہے۔ حضرت کعبؓ خود اس بیعت میں شریک تھے اور اس واقعہ کے عینی شاہد تھے اس لیے ان سے بڑھ کر کسی کی شہادت معتبر نہیں ہو سکتی۔ (سیرت ابنِ ہشام)

(۳)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے یثرب شریف لائے تو حضرت ابوالہیثمؓ نے دوسرے انصار کے ساتھ والہانہ جوش و خروش سے آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ چند ماہ بعد حضور ﷺ نے مہاجرین و انصار کے درمیان عقدِ مؤاخاۃ قائم کرایا تو حضرت ابوالہیثمؓ کو جلیل القدر مہاجر صحابی حضرت عثمانؓ بن مظعون جمحی کا دینی بھائی بنایا۔ اب یثرب مدینۃ النبی بن چکا تھا۔

رمضان ۲ھ میں حضرت ابوالہیثمؓ کو اصحابِ بدر میں شامل ہونے کا عظیم شرف حاصل ہوا۔ حق و باطل کے اس معرکۂ اوّل میں ان کے بھائی حضرت عبیدؓ بن تیہان بھی شریک تھے۔ دونوں بھائی سربکف ہو کر لڑے اور شجاعت کا حق ادا کر دیا۔ غزوۂ بدر کے بعد حضرت ابوالہیثمؓ نے غزوۂ اُحد' غزوۂ احزاب اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی شریک ہونے کا شرف حاصل کیا۔ فتحِ مکہ اور حجۃ الوداع میں بھی حضور ﷺ کے ہمرکاب تھے۔

حضرت ابوالہیثمؓ کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا عقیدت اور محبت تھی۔ حضور ﷺ بھی ان پر بہت شفقت فرماتے تھے اور کبھی کبھی ان کے گھر

Marfat.com

تشریف لے جاتے تھے۔ جامع ترمذی میں ہے کہ ایک دن آپ ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی معیّت میں حضرت ابوالہیثم کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ کھجور کے دو تین باغات اور بکریوں کے ایک ریوڑ کے مالک تھے لیکن کوئی غلام یا خادم نہ تھا اور گھر کا سارا کام خود انجام دیا کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے مکان پر پہنچ کر آواز دی تو ان کی اہلیہ نے عرض کیا کہ ابوالہیثمؓ پانی بھرنے گئے ہیں۔ تھوڑی دیر میں وہ مشک لیے آپہنچے۔ حضور ﷺ کو دیکھا تو فرطِ مسّرت سے بے خود ہوگئے۔ حضور ﷺ سے لپٹ کر بار بار کہتے تھے' میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں' آپ نے اس غلام کے غریب خانہ میں قدم رنجہ فرمایا ہے۔ پھر حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقاء کو اپنے باغ میں لے گئے۔ بیٹھنے کے لیے کوئی چیز بچھادی اور خود کھجوروں کی ایک شاخ کاٹ لائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا' پکی کھجوریں لائے ہوتے۔ انہوں نے عرض کیا' پکی گدر ہر قسم کی ہیں جو مرغوب ہوں نوش فرمائیں۔ کھجوریں کھلانے کے بعد نہایت صاف اور شیریں پانی پلایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا' دیکھو اللہ تعالیٰ نے کتنی نعمتیں عطا کی ہیں' سایہ' عمدہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی' خدا کی قسم قیامت کے دن ان سب کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اس کے بعد حضرت ابوالہیثمؓ نے عرض کیا' یارسول اللہ آپ کچھ دیر یہیں تشریف رکھیں میں گھر جا کر کھانے کا انتظام کرتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا' دودھ دینے والی بکری ذبح نہ کرنا۔ انہوں نے بکری کا ایک بچہ ذبح کرایا اور اس کو بھون کر حضور ﷺ کی خدمت میں لائے۔ حضور ﷺ نے کھانے سے فارغ ہوکر ان سے پوچھا' تمہارے پاس کوئی غلام ہے؟

انہوں نے عرض کیا' نہیں یارسول اللہ!

آپ ﷺ نے فرمایا' جب میرے پاس (جنگی) قیدی آئیں تو آنا۔

Marfat.com

اسی اثناء میں دو قیدی آپ ﷺ کے سامنے پیش کیے گئے۔ حضور ﷺ نے حضرت ابوالہیثمؓ سے فرمایا' ان میں سے ایک قیدی اپنی خدمت کے لیے پسند کر لو۔

انہوں نے عرض کیا' یارسول اللہ جو آپ دینا چاہیں مجھ کو منظور ہے۔ حضور ﷺ نے ایک قیدی انہیں عطا فرمایا اور ہدایت کی کہ اس سے اچھا برتاؤ کرنا۔ وہ غلام کو لے کر گھر آئے اور بیوی کو سارا واقعہ سنایا۔ انہوں نے کہا' اگر حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل منظور ہے تو اس کو آزاد کر دو۔ انہوں نے اسی وقت اس کو آزاد کر دیا۔ حضور ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ بہت خوش ہوئے اور دونوں میاں بیوی کی تحسین فرمائی۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوالہیثمؓ مدینہ منورہ سے بہت کم باہر نکلے۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''مستدرک'' میں لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت عمرِ فاروقؓ کے عہدِ خلافت (۲۰ ہجری) میں وفات پائی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے جنگِ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہادت پائی' لیکن یہ صحیح نہیں۔ جنگِ صفین میں شہادت پانے والے ان کے بھائی حضرت عبیدؓ بن تیہان تھے۔ بعض کتبِ حدیث میں کچھ روایتیں حضرت ابوالہیثمؓ سے منسوب ہیں لیکن حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاصابہ'' میں لکھا ہے کہ یہ سب روایتیں مشکوک ہیں اور ان میں سے کوئی بھی مستند نہیں کیونکہ حضرت ابوالہیثمؓ بہت پہلے وفات پا چکے تھے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

حضرت عمروؓ بن معاذ اشہلی انصاری

اُوس کے خاندان عبدالاشہل کے چشم و چراغ اور سیّد الاوس حضرت سعدؓ بن معاذ کے چھوٹے بھائی تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

عمروؓ بن معاذ بن نعمان بن اِمرءُ القیس بن زید بن عبد الاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج بن عبیت بن مالک بن اَوس۔

ہجرتِ نبوی ﷺ سے پہلے سعادت اندوزِ اسلام ہوئے۔ حضور ﷺ یثرب (مدینہ منورہ) تشریف لائے تو دوسرے اہلِ ایمان کے ساتھ انہوں نے بھی آپ ﷺ کا والہانہ استقبال کیا۔

اپنے برادرِ بزرگ حضرت سعدؓ بن معاذ کی طرح وہ بھی ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دل و جان سے شیدائی تھے۔ سب سے پہلے ان کی تلوار بدر کے میدان میں چمکی اور پرستارانِ باطل کے سر پر برق خاطف بن کر گری۔ اس کے بعد غزوہ اُحد میں بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوئے اور کمال ثابت قدمی سے دادِ شجاعت دی۔ ضرار بن الخطاب نے (جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) تاک کر اس زور سے ان کو نیزہ مارا کہ جسم کے پار ہو گیا اور وہ شہید ہو کر فرشِ خاک پر گر گئے۔ اس وقت ان کی عمر بتیس (۳۲) برس کی تھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

حضرت کلثومؓ بن ہِدم انصاری
صاحب رَحلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کُلثُوم نام اور صاحب رَحلِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لقب تھا۔ اوس کے خاندان عمرو بن عوف سے تعلّق رکھتے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

کلثوم بن ہِدم بن اِمرءُالقیس بن حارث بن زید بن عبید بن زید مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن عوف۔

بنو عمرو بن عوف قباء میں آباد تھے اور حضرت کلثومؓ کا مکان بھی وہیں تھا۔ وہ عمرو بن عوف کی شاخ بنو عبید کے سردار تھے۔ جب آفتابِ اسلام فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا، حضرت کلثومؓ کا عالَم پیری تھا۔ اہلِ سِیَر نے ان کی عمر کی تصریح نہیں کی صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ بہت معمر یا سن رسیدہ تھے۔ اس عمر میں انسان کے خیالات اور عقائد بہت پختہ ہو جاتے ہیں اور ان کو بدلنا سخت محال ہوتا ہے لیکن حضرت کلثومؓ کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سلیم سے نوازا تھا۔ ہجرتِ نبوی ﷺ سے کچھ پہلے انھوں نے دعوتِ توحید کا حال سنا تو فوراً اس پر لبیک کہا۔ ہجرتِ نبوی کے بعد سرورِ عالم ﷺ نے قباء میں نزولِ اجلال فرمایا تو حضرت کلثومؓ بن ہِدم کو آپ ﷺ کی میزبانی کا عظیم شرف حاصل ہوا۔ حضور ﷺ جب تک قباء میں ٹھہرے آپ کا قیام تو حضرت

Marfat.com

کلثومؓ کے ہاں تھا لیکن آپؐ لوگوں سے ملاقات کے لیے حضرت سعدؓ بن خَیثمہؓ کی فرودگاہ پر تشریف لے آتے تھے کیونکہ وہ مجرّد تھے اور ان کا پورا گھر مردوں کے لیے کھلا ہوا تھا۔ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر صدّیقؓ اور حضرت عامرؓ بن فُہیرہ بھی حضرت کلثومؓ کے گھر پر فروکش ہوئے تھے۔ تینوں حضرات رات کو وہیں آرام فرماتے تھے اور دن کے اوقات حضرت سعدؓ بن خَیثمہ کے ہاں گزارتے تھے۔ طَبَریؒ کے قول کے مطابق حضرت علیؓ ہجرت کر کے قُبا تشریف لائے تو وہ بھی حضرت کلثومؓ کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔ ہجرتِ نبوی کے تھوڑی مدت کے بعد حضرت کلثومؓ بن ہدم نے وفات پائی' اس وقت مسجدِ نبوی اور ازواجِ مطہّراتؓ کے حجروں کی تعمیر شروع تھی۔ حضرت کلثومؓ بن ہِدم پہلے صاحبِؓ رسولؐ تھے جنہوں نے ہجرتِ نبوی کے بعد سفرِ آخرت اختیار کیا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ طاقتور مومن قوی بہتر ہے مومن ضعیف سے' اور ہر مؤمن میں خواہ وہ قوی ہو یا ضعیف نیکی ہے۔ جو چیز تجھ کو نفع پہنچائے اس پر حرص کر اور اللہ کی مدد اور توفیق طلب کر اور طلب استعانت سے عاجز نہ ہو اور جب تجھ کو کوئی مصیبت پہنچے (یعنی کسی کام میں نقصان ہو جائے) تو یوں نہ کہہ کر اگر میں اس طرح کرتا تو ایسا ہوتا بلکہ اس طرح کہہ کہ اللہ نے یہی مقدر کیا تھا اور اللہ جو کچھ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اس لیے کہ "اگر" کا لفظ شیطان کے کام کو کھولتا ہے اور دل میں وسوسہ پیدا کرتا ہے۔ (صحیح مسلمؒ)

Marfat.com

حضرت ثابتؓ بن جذع انصاری

خزرج کے خاندانِ سلمہ سے ہیں۔نسب نامہ یہ ہے:

ثابت بن جذع بن زید بن حارث بن حرام بن کعب بن غنم بن سلمہ بن سعد بن علی بن اسد بن سارده بن یزید بن جشم بن خزرج۔

ہجرتِ نبوی ﷺ سے پہلے سعادت اندوزِ اسلام ہوئے اور ۱۳ بعدِ بعثت میں بیعتِ عقبہ کبیرہ کا شرف حاصل کیا۔ بڑے بہادر آدمی تھے اور راہِ حق میں اپنی جان قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

بیعتِ عقبہ کے بعد انہیں اصحابِ بدر میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے اُحد اور دوسرے مشاہد میں جوہر مردانگی دکھلائے۔ فتحِ مکہ کے بعد ۸ ہجری میں غزوۂ طائف میں بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے اسی غزوہ میں خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ انصاری

(۱)

باپ کا نام بھی عبداللہ تھا اور بیٹے کا نام بھی عبداللہ۔ لیکن کلکِ قدرت نے باپ عبداللہ کے مقدر میں ابدی رُوسیاہی لکھ دی تھی اور بیٹے عبداللہؓ کے مقدر میں دین اور دنیا کی سعادتیں ودیعت کی تھیں۔ باپ نے اسلام دشمنی اور منافقت کی ایسی مثال قائم کی کہ ''رائس المنافقین'' (منافقوں کا سردار) کا لقب رہتی دنیا تک اس کے گلے کا طوق بن گیا۔ دوسری طرف بیٹے نے حق پرستی' راست بازی' جوشِ ایمان اور اخلاص وفدویت کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ فرشتوں نے بھی اس پر تحسین کے پھول برسائے اور اس کے نام نے سیّد المرسلین رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص ترین جاں نثاروں کی فہرست میں جگہ پائی۔

باپ...... ابوحباب عبداللہ بن اُبَی کا تعلّق قبیلہ خزرج کی ایک نہایت معزز شاخ بنوحُبلی سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:۔

عبداللہ بن اُبَی بن ابی حارث بن عبید بن مالک بن سالم (حُبلی) بن غنم بن عوف بن خزرج۔

Marfat.com

اس خاندان کے مورثِ اعلیٰ سالم بن غنم کی بہت بڑی توند تھی اس لیے وہ حُبلی کے لقب سے مشہور ہو گیا تھا اور اسی بناء پر اس کی اولاد کو بنو حبلی کہا جاتا تھا۔

اسی طرح عبداللہ بن اُبَیّ اپنی دادی سَلُول کے نام کی نسبت سے عبداللہ بن اُبی بن سَلُول کے نام سے مشہور تھا۔ سَلُول بنوخزاعہ کی ایک عورت تھی جس سے ابنِ اُبَیّ کے دادا نے شادی کی تھی۔

ابوحباب عبداللہ بن اُبَیّ یثرب کے سرکردہ رؤسا میں شمار ہوتا تھا وہ بڑے ڈیل ڈول کا ایک بلند و بالا' خوش رُو اور چرب زبان آدمی تھا اور اہلِ یثرب میں بڑی عزت و احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یثرب میں نزولِ اجلال فرمانے سے پہلے اوس وخزرج کے لوگ متفق ہو کر اس کو اپنا بادشاہ بنانے پر تیار ہو گئے تھے حالانکہ دونوں قبیلے ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اسی بات سے عبداللہ بن اُبَیّ کے اثر و رسوخ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ابنِ اُبَیّ کے خزرجی ہونے کے باوجود قبیلہ اَوس کے لوگ بھی اس کی رعیت بننے پر بخوشی آمادہ ہو گئے تھے۔ دراصل آئے دن کی باہمی خانہ جنگیوں سے تنگ آئے ہوئے ان لوگوں نے ابنِ اُبَیّ کی بادشاہت پر متفق ہونے ہی میں اپنی عافیت دیکھی تھی۔ چنانچہ ان سب نے مل کر اس کے لیے ایک شاندار تاج بنوایا اور اس کو تخت نشین کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ اسی زمانے میں اُفقِ مکہ سے طلوع ہونے والے آفتابِ اسلام کی کرنیں یثرب کے در و دیوار پر بھی پڑنے لگیں' یہاں تک کہ یثرب کے اہلِ ایمان کی دعوت پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے یہاں تشریف لے آئے اور یہ شہر مدینۃ النبی ﷺ بن گیا۔

حضور ﷺ کی تشریف آوری سے عبداللہ بن اُبَیّ کو بادشاہ بنانے کا منصوبہ برباد ہو گیا۔ اور مدینہ منورہ کے در و دیوار انوارِ رسالت سے جگمگانے لگے۔ ابن اُبَیّ نے اَوس وخزرج کے اہلِ ایمان کے دباؤ سے مجبور ہو کر بظاہر اسلام قبول کر لیا لیکن

Marfat.com

بادشاہت سے محرومی کا صدمہ اس کے دل کی پھانس بن گیا اور وہ زندگی بھر اہلِ حق سے خار کھاتا رہا۔ ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ اس شخص کی ظاہری حالت یہ تھی کہ جمعہ کے دن حضور ﷺ خطبہ ارشاد فرمانے لگتے تو وہ اٹھ کر لوگوں سے یوں خطاب کیا کرتا تھا:

''لوگو! یہ اللہ کے رسول تمہارے درمیان تشریف فرما ہیں' ان کی ذات سے اللہ نے تمہیں عزت اور بزرگی دی ہے اس لیے تم ان کی تائید کرو اور جو کچھ آپ فرماتے ہیں اسے غور سے سنو اور ان کی اطاعت کرو۔''

لیکن در پردہ اس شخص کو جب بھی موقع ملتا وہ دینِ حق اور داعیِ حق صلی اللہ علیہ وسلم کو زک پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتا۔ غزوۂ اُحد میں اس نے مسلمانوں کی پشت میں یوں خنجر گھونپا کہ اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر میدانِ جنگ سے ہٹ گیا۔ حضور ﷺ نے یہودِ بنو قَینُقَاع کو جلاوطن کرنا چاہا تو اس نے ان (یہود) کی پرزور حمایت کی۔ غزوۂ بنو نضیر میں اس نے یہودیوں کے ساتھ ساز باز کی...... غرض اس کی منافقت ہر موقع پر نئے نئے رنگ دکھاتی رہتی۔ اسی بنا پر اس نے راس المنافقین کے لقب سے شہرت پائی۔ اسی راس المنافقین کے گھر وہ فرزند سعید پیدا ہوا جس کی عظمتِ کردار نے فلک الافلاک کی رفعتوں کو چھولیا۔ ابنِ اُبَیّ نے بیٹے کا نام اپنے نام پر عبداللہ رکھا اور بڑے ناز و نعم سے اس کی پرورش کی۔ وہ خود پڑھا لکھا آدمی تھا اس لیے بیٹے کو بھی دولتِ علم سے محروم نہ رکھا۔ اسے پڑھنا لکھنا بھی سکھا دیا اور فنُونِ سپہ گری میں بھی طاق کر دیا۔

(۲)

حضرت عبداللہؓ نے ہوش کی آنکھیں کھولیں تو ریاست و دولت کو اپنے گھر کی لونڈی پایا۔ باپ کی عزت' اثر و رسوخ اور ہر دلعزیزی کا یہ عالم تھا کہ خزرج اور اوس

Marfat.com

دونوں قبیلوں کے لوگ اس کو اپنا بزرگ مانتے تھے۔ یہاں تک کہ یہودِ مدینہ بھی اس کا احترام کرتے تھے۔ یہ سارے عوامل عبد اللہؓ کو ایک ''بگڑا ہوا رئیس زادہ'' بنانے کے لیے کافی تھے لیکن مبدءِ فیض نے انہیں فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ شروع ہی سے نہایت زیرک اور بردبار تھے۔ ہجرتِ نبوی سے دو تین سال پہلے مدینہ میں اسلام کا چرچا پھیلا اور خزرج و اوس دونوں قبیلوں کی سعادت مند روحیں آہستہ آہستہ دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہونے لگیں تو حضرت عبد اللہؓ تک بھی اسلام کا پیغام پہنچ گیا۔ ان کا باپ تو مدینہ کی بادشاہت کے خواب دیکھنے میں مست تھا لیکن نوجوان عبد اللہؓ کے دل و دماغ نے گواہی دی کہ مکّہ کے دُرِّ یتیم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیغامِ حق سنایا ہے وہ سچا ہے اور اسی کے قبول کرنے میں دین اور دنیا کی کامیابی مضمر ہے۔ چنانچہ انہوں نے بلا تامّل اس پیغام پر لبیک کہا اور انصار کے سابقین اوّلین کی صف میں داخل ہو گئے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ کو اپنے قُدُومِ مَیمنت لزُوم سے مشرف فرمایا تو آپ ﷺ کا والہانہ استقبال کرنے والوں میں حضرت عبد اللہؓ بن عبد اللہ بھی شامل تھے۔ ابنِ اُبَی دل ہی دل میں بیٹے کے قبولِ اسلام پر کڑھتا تھا لیکن بے بس تھا کیونکہ اَوس اور خزرج کے بیشتر لوگ سعادت اندوزِ ایمان ہو چکے تھے مجبوراً وہ بھی ہجرتِ نبوی ﷺ کے بعد زبان سے اسلام کا دم بھرنے لگا لیکن اس کے دل میں حسد و منافست کی جو آگ بھڑک رہی تھی وہ کسی طرح بجھائے نہ بجھتی تھی۔

رمضان ۲ ہجری میں حق و باطل کا معرکۂ اوّل بدر کے میدان میں پیش آیا تو حضرت عبد اللہؓ بن عبد اللہ بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ لڑائی میں شریک ہوئے اور مشرکین کے مقابلے میں دادِ شجاعت دی۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو عبرتناک شکست سے دوچار کیا۔ ان کے ستّر (۷۰) یا اس سے کچھ زائد آدمی میدانِ جنگ میں کام آئے

Marfat.com

اور اسی قدر مسلمانوں کے ہاتھ اسیر ہو گئے۔ اسیرانِ جنگ میں حضور ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبد المطّلِب بھی شامل تھے۔ حضور ﷺ نے قیدیوں کو کپڑے عنایت فرمائے تو حضرت عباسؓ کو عطا کیے جانے والا کُرتا انہیں پورا نہ آیا کیونکہ وہ بہت طویل القامت تھے۔ اس موقع پر مسلمانوں کو خوش کرنے کے لیے ابنِ اُبیّ نے حضرت عباسؓ کے لیے اپنا کُرتا پیش کیا۔ چونکہ ابنِ اُبیّ بھی بڑا قد آور آدمی تھا اس کا کُرتا حضرت عباسؓ کے جسم پر پورا آ گیا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن اُبیّ کے اس کام کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس کی منافقانہ حرکتوں کے باوجود اس کے اس احسان کو کبھی نہ بھولے۔

شوّال ۳ ہجری میں غزوۂ اُحد پیش آیا تو حضرت عبداللہؓ اس میں بھی جانبازانہ شریک ہوئے۔ لڑائی میں کسی مشرک کے وار سے ان کے اگلے دو دانت شہید ہو گئے۔ لڑائی کے بعد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا، تم سونے کا ایک دانت بنوالو۔ انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی۔

حضرت عبداللہؓ صدق و اخلاص میں اپنی مثال آپ تھے۔ انہوں نے اپنی جان راہِ حق میں وقف کر رکھی تھی۔ احد کے بعد دوسرے غزوات میں بھی ملتزمِ رکابِ نبوی ﷺ رہے اور ہر معرکے میں سر بکف ہو کر لڑے۔

(۳)

غزوۂ بنی المصطلق (شعبان ۶ ہجری) کے موقع پر حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ نے ایسے جوشِ ایمان اور صدق و اخلاص کا مظاہرہ کیا کہ وہ "شہرتِ عام اور بقائے دوام" کے دربار میں نہایت بلند مقام پر فائز ہو گئے۔ اہلِ سِیَر نے یہ واقعہ بڑی تفصیل کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔

غزوۂ احزاب (۵ ھ) کے چند ماہ بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ

Marfat.com

بنو مُصطَلِق نے بغاوت پر کمر باندھی ہے اور مدینہ منوّرہ پر دھاوا بولنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ حضور ﷺ شعبان ۶ ہجری کے آغاز میں صحابہؓ کی ایک معقول جمعیت کے ہمراہ ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور بنو مُصطَلِق کے علاقے میں پہنچ کر مُرَیسیع نامی ایک کنوئیں (یا چشمے) پر پڑاو ڈالا۔ حضور ﷺ نے بنو مصطَلِق کو دعوتِ اسلام دی اور شرانگیزی سے باز رہنے کی تلقین فرمائی لیکن ان پر کچھ اثر نہ ہوا اور اپنی طاقت کے زعم میں خواہ مخواہ مسلمانوں سے لڑائی چھیڑ دی۔ مسلمانوں نے تو اپنی جانیں راہ خدا میں بیچ رکھی تھیں اور پھر خود سرورِ کائنات ﷺ ان کے درمیان موجود تھے' وہ بنو مصطلق کو کیا خاطر میں لاتے' آناً فاناً ان کے کَس بَل نکال کر رکھ دیے اور وہ بد بخت اپنے دس آدمی مروا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

بنو مُصطَلِق کی شکست کے بعد حضور ﷺ چند دن مُرَیسیع سے متّصل بستی میں چند روز کے لیے ٹھہر گئے۔ وہاں کے اثنائے قیام میں ایک دن پانی کی تقسیم پر دو صاحبوں میں تلخ کلامی ہوگئی۔ ان میں سے ایک مہاجر تھے اور ایک انصاری۔ ابنِ ہشام رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق مہاجر کا نام جہجاہؓ بن مسعود غفاری تھا' وہ حضرت عُمرِ فاروقؓ کے ملازم تھے اور ان کا گھوڑا سنبھالا کرتے تھے۔ دوسرے صاحب کا نام سِنانؓ بن وَبَر الجُہَنی تھا۔ وہ خزرج کی ایک شاخ کے حلیف تھے اس لیے انصار میں داخل تھے۔ دونوں میں جھگڑا اتنا بڑھا کہ ہاتھا پائی تک نوبت پہنچ گئی۔ اس کشمکش میں حضرت جہجاہؓ نے حضرت سنانؓ کے ایک لات رسید کر دی۔ انصار کے نزدیک کسی سے لات کی ضرب کھانا سخت ننگ کی بات تھی۔ چنانچہ سنانؓ نے اپنی مدد کے لیے انصار کو پکارنا شروع کر دیا۔ جہجاہؓ نے اپنے آپ کو خطرے میں دیکھا تو انہوں نے مہاجرین کو آواز دی کہ میری مدد کے لیے پہنچو انصار مجھے مارے ڈالتے ہیں۔ ابنِ اُبَی بھی اس موقع پر موجود تھا اس کو مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کا نادر موقع ہاتھ آیا۔

Marfat.com

اس نے انصار کو سخت اشتعال دلایا اور سنانؓ کی مدد کے لیے ابھارا۔ دوسری طرف سے کچھ مہاجرین بھی تلواریں سونت کر نکل آئے۔ قریب تھا کہ مہاجرین اور انصار آپس میں لڑ پڑتے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمعِ مبارک تک ان اصحاب کے شوروغل کی آواز پہنچ گئی۔ آپ ﷺ فوراً اپنے خیمہٗ مبارک سے باہر تشریف لائے۔ لوگ حضور ﷺ کو دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ آپ ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''یہ جاہلیّت کی دہائی کیسی؟ تم لوگوں کا جاہلیّت کی اس دہائی سے کیا واسطہ۔ اسے چھوڑو یہ بہت گندی چیز ہے۔''

حضور ﷺ کا ارشاد سن کر دونوں طرف کے کچھ اصحاب آگے بڑھے اور سنانؓ اور جہجاہؓ کو گلے ملوا دیا۔ اس طرح معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ لیکن ابنِ اُبیّ اور اس کے ساتھی منافقین کو اس معاملے کا اس طرح دب جانا پسند نہ آیا وہ آپس میں سر جوڑ کر بیٹھے تو ابنِ اُبَیّ نے اپنے دل کے جلے پھپھولے یوں پھوڑے:

''یہ سب کچھ تمہارا اپنا کیا دھرا ہے' تم لوگوں نے خود انہیں اپنے ہاں لا کر بسایا' ان پر اپنے مال تقسیم کیے یہاں تک کہ وہ پر پرزے نکال کر اب ہمارے ہی منہ آنے لگے ہیں' ہماری اور ان کنگلوں (مہاجرین) کی مثال تو ایسی ہے کہ اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کر' تاکہ تجھی کو پھاڑ کھائے۔ اگر تم لوگ مہاجرین کی امداد اور اعانت سے دستکش ہو جاؤ تو وہ خود ہی مدینہ چھوڑ دیں گے۔ خدا کی قسم مدینے واپس جا کر ہم میں سے جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو شہر سے نکال باہر کرے گا۔''

اس مجلس میں ایک کم عمر صحابی زیدؓ بن ارقم انصاری بھی موجود تھے۔ انہیں عبداللہ بن اُبیّ کی باتیں سن کر سخت غصہ آیا۔ انہوں نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں

Marfat.com

حاضر ہو کر حضور ﷺ کو ابنِ اُبَیّ کی بکواس سے آگاہ کر دیا۔ حضور ﷺ نے ابنِ اُبَیّ کو بلا کر پوچھا کہ کیا تم نے یہ باتیں کہی ہیں۔ وہ صاف مکر گیا اور قسمیں کھانے لگا کہ میں نے یہ باتیں ہرگز نہیں کہیں، یہ لڑکا جھوٹ بولتا ہے۔

انصار کو جن میں حضرت زیدؓ بن ارقم کے چچا حضرت عبداللہؓ بن رواحہ بھی شامل تھے، ابن اُبَیّ کی قسموں پر یقین آ گیا اور وہ سب حضرت زیدؓ پر ناراض ہوئے کہ تم نے خواہ مخواہ حضور ﷺ سے ایسی بے بنیاد شکایت کی۔ حضرت زیدؓ دل گرفتگی کے عالم میں اپنی قیام گاہ پر جا کر سو رہے۔ اِدھر رحمتِ الٰہی کو جوش آ گیا اور رسولِ اکرم ﷺ پر سورہ اَلْمُنٰفِقُوْن نازل ہوئی جس میں حضرت زیدؓ کی تصدیق کی گئی تھی اور منافقین کا کچا چٹھا کھول کر بیان کر دیا گیا تھا۔[1]

حضور ﷺ نے اسی وقت حضرت زیدؓ بن ارقم کو بُلا بھیجا۔ وہ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کے سامنے سورہ المنافقون کی آیات پڑھیں اور پھر ہنستے ہوئے ان کا کان پکڑ کر فرمایا: ''لڑکے کا کان سچا تھا، اللہ نے خود اس کی تصدیق فرما دی۔''

حضرت عمرؓ فاروقؓ کو ابنِ اُبَیّ کی اس حرکت پر سخت غصہ آیا۔ انہوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''یا رسول اللہ! آپ اجازت دیں تو میں اس منافق کا سر اڑا دوں اور اگر آپ یہ مناسب نہ سمجھیں تو انصار میں سے مُعاذؓ بن جبل، عبادؓ بن بشر،

---

1. اس آیت میں عبداللہ بن اُبَیّ کی بکواس کی طرف واضح اشارہ ہے:

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (اَلْمُنٰفِقُوْن آیت:۸)

ترجمہ: یہ (منافقین) کہتے ہیں کہ ہم مدینے واپس پہنچ جائیں تو جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو وہاں سے نکال باہر کرے گا۔

سورہ اَلْمُنٰفِقُوْن کے محلِ نزول کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ سورۃ مُرَیْسِیع کے پڑاؤ میں نازل ہوئی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ مراجعتِ مدینہ کے سفر کے دوران میں نازل ہوئی اور تیسری روایت یہ ہے کہ حضورؐ کے مدینہ پہنچنے کے فوراً بعد نازل ہوئی۔

Marfat.com

محمدؓ بن مسلمہ یا کسی اور کو حکم دیں کہ وہ اس کا کام تمام کر دیں۔"

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا...... "نہیں ایسا مت کرو۔ لوگ کہیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں ہی کو قتل کرا رہا ہے۔"

علامہ ابنِ اثیر کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کے بعد ابنِ اُبَی کے فرزند حضرت عبداللہؓ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یارسول اللہ میرے باپ نے آپ کو ذلیل کہا' خدا کی قسم وہ خود ذلیل ہے۔ اگرچہ تمام خزرج میں مجھ سے بڑھ کر کوئی اپنے باپ کا اطاعت گزار نہیں لیکن آپ حکم دیں تو میں ابھی جا کر اس کا سر قلم کیے دیتا ہوں۔ کوئی دوسرا اسے قتل کرے گا تو شاید میرے دل میں انتقام کا جذبہ بیدار ہو جائے اور میری آخرت برباد ہو جائے۔"

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی وہی جواب دیا جو حضرت عمرِ فاروقؓ کو دیا تھا لیکن ان کے دل میں باپ کے خلاف کھٹک پیدا ہو گئی۔ ادھر ابنِ اُبَی کی ڈھٹائی کی یہ کیفیت تھی کہ جب انصار نے اس سے کہا کہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی مانگو تو اس نے جھلّا کر جواب دیا: "تم نے کہا محمدؐ پر ایمان لاؤ میں نے تمہاری بات مان لی' تم نے کہا اپنے مال کی زکوٰۃ دو' میں نے زکوٰۃ بھی دے دی' کیا اب تم یہ چاہتے ہو کہ محمدؐ کو سجدہ کروں۔"

ابنِ اُبَی کے جواب سے انصار میں اس کے خلاف عام ناراضی پھیل گئی۔ ناراض اصحاب میں اس کے فرزند حضرت عبداللہؓ پیش پیش تھے۔ واپسی سفر کے اختتام پر جب لشکرِ اسلام مدینہ منورہ میں داخل ہونے لگا تو حضرت عبداللہؓ نے تلوار سونت لی اور باپ کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے پھر اس سے مخاطب ہو کر کہا:

"تم نے کہا تھا کہ مدینہ پہنچ کر عزت والا ذلیل کو نکال دے گا' اب

Marfat.com

تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ عزّت تمہاری ہے یا اللہ اور اس کے رسول کی۔ خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر میں تمہیں مدینہ میں ہرگز داخل نہ ہونے دوں گا۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ اس موقع پر حضرت عبداللہؓ نے ابنِ اُبَیّ سے یہ مطالبہ بھی کیا کہ تم اپنے ذلیل ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز ہونے کا اقرار کرو۔ اس پر ابنِ اُبَیّ چیخنے چلانے لگے کہ "اے اہلِ خزرج، دیکھو میرا بیٹا ہی مجھے مدینہ میں داخل ہونے سے روک رہا ہے۔" حضور ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت عبداللہؓ کو کہلا بھیجا کہ اپنے باپ کو گھر آنے دو۔ حضرت عبداللہؓ نے ارشاد نبوی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور یہ کہہ کر باپ کے راستے سے ہٹ گئے "رسول اللہ کا حکم ہے تو اب تم شہر میں داخل ہو سکتے ہو۔"

ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جس وقت حضرت عبداللہؓ نے باپ کا راستہ روکا، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے تشریف لا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے باپ بیٹے کی گفتگو سنی تو حضرت عبداللہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"ان کو چھوڑ دو خدا کی قسم جب تک یہ ہمارے درمیان موجود ہیں ہم ان سے اچھا سلوک کریں گے۔"

بعض روایتوں میں ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ تبوک کے موقع پر پیش آیا لیکن جمہور اہلِ سیر و مغازی نے اسے غزوۂ بنی المصطلق کا واقعہ بیان کیا ہے۔

(۴)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک (رجب ۹ ہجری) سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو دو تین ماہ بعد ابنِ اُبَیّ سخت بیمار ہو گیا۔ حضرت عبداللہؓ نے باپ کے علاج معالجہ میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن وہ بیس دن بیمار رہ کر ذیقعدہ

Marfat.com

۹ ہجری میں فوت ہو گیا۔ یہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت تھی یا کوئی اور حکمت کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر ابنِ اُبَیّ سے کمال درجے کی ملاطفت کا برتاؤ فرمایا۔ حضرت عبداللہؓ کی دلجوئی فرمائی اور ابنِ اُبَیّ کو کفنانے کے لیے اپنا کُرتا عنایت فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ خود حضرت عبداللہؓ نے اس کے لیے درخواست کی تھی۔ اس وقت حضور ﷺ کے زیبِ تن دو کُرتے تھے۔ حضرت عبداللہؓ نے نیچے کے کُرتے کا سوال کیا کیونکہ اس میں حضور ﷺ کا پسینہ جذب ہوتا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور کُرتا عنایت کرتے ہوئے فرمایا کہ جب جنازہ تیار ہو تو مجھے اطلاع دینا میں خود نمازِ جنازہ پڑھاؤں گا۔

ایک روایت میں ہے کہ اپنا کُرتا عطا کرنے سے حضور ﷺ کو جہاں حضرت عبداللہؓ کی دلجوئی مقصود تھی وہاں اس احسان کا بدلہ اتارنا بھی آپ ﷺ کے پیشِ نظر تھا جو ابنِ اُبَیّ نے غزوۂ بدر کے بعد اپنا کُرتا عَمِّ رسول ﷺ حضرت عباسؓ کو دے کر کیا تھا۔

جنازہ تیار ہوا اور قبرستان میں پہنچایا گیا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے ابنِ اُبی کی میّت کو اپنے گھٹنوں پر رکھ کر اپنا کُرتا پہنایا اور اپنا لعابِ دہن اس کے منہ پر ملا' اس کے بعد نمازِ جنازہ کے لیے کھڑے ہوئے۔ اس موقع پر حضرت عُمَر فاروقؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ آپ اس شخص کی نمازِ جنازہ پڑھیں گے جس کے بارے میں آپ نے فلاں دن یہ ارشاد فرمایا تھا۔"

ایک اور روایت میں حضرت عمرؓ سے یہ الفاظ منسوب ہیں: یا رسول اللہ یہ وہی خبیث ہے جس نے فلاں فلاں وقت ایسی ایسی منافقانہ حرکات کی تھیں اور جو ہمیشہ کفر و نفاق کا علمبردار رہا' کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ تو ان کے لیے بخشش مانگ یا نہ مانگ اگر ان کے لیے ستّر بار بخشش مانگے تو بھی اللہ ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔" (سورۂ توبہ)

Marfat.com

حضور ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: "جاؤ اپنی جگہ پر کھڑے رہو۔" جب انہوں نے اپنی بات کا اعادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"اے عمر مجھ کو استغفار سے منع نہیں کیا گیا بلکہ اختیار دیا گیا ہے کہ استغفار کروں یا نہ کروں یہ اللہ کا کام ہے کہ ان کو معاف نہ کرے۔ اگر ستّر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے سے اس کی مغفرت ہوسکتی تو میں ستّر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا۔"

حضور ﷺ نمازِ جنازہ پڑھ چکے تو بارگاہِ خداوندی سے یہ حکم نازل ہوا:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ۔

(سورۂ توبہ آیت ۸۴)

ترجمہ: (اور نماز نہ پڑھ اُن میں سے کسی پر جو مر جائے کبھی اور نہ کھڑا ہو اس کی قبر پر۔)

اس کے بعد آپ ﷺ نے نہ کبھی کسی منافق کی نماز پڑھی اور نہ اس کی قبر پر گئے۔ ۱۱ھ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا اور حضرت ابوبکر صدّیقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو دفعتہً سارے عرب میں فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ اس موقع پر صدّیقِ اکبرؓ نے بیمثال قوّتِ ایمانی اور استقامت کا مظاہرہ کیا اور مرتدین کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے مرتدین کی سرکوبی کے لیے گیارہ لشکر مرتب کیے جنھیں مختلف اطراف و جوانب میں بھیجا۔ ان میں سے ایک لشکر حضرت خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں مُسَیلمہ کذّاب کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا۔ حضرت عبداللہؓ اسی لڑائی میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے رتبۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔

حضرت عبداللہؓ کا شمار اخیار و فضلاءِ صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدّیقہؓ نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔ حضرت عبداللہؓ کو کئی بار کتابتِ وحی کا شرف بھی حاصل ہوا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

حضرت ابوضیّاحؓ انصاری

ان کا نام بہ اختلافِ روایت نعمان یا عمیر تھا۔ اپنی کنیت ابوضیَح سے مشہور ہیں۔ انصار کے قبیلہ اوس سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

نعمان (عمیر) بن ثابت بن نعمان بن اُمیّہ بن امرءالقیس۔

ہجرتِ نبوی کے قریبی زمانے میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور راہِ حق کے جانباز سپاہی بن گئے۔

سب سے پہلے غزوۂ بدر میں دادِ شجاعت دی۔ اس کے بعد اُحُد اور خندق کے غزووں میں اپنی سرفروشی کے جوہر دکھائے۔ ۶ ہجری میں بیعتِ رضوان کا عظیم شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے اور اسی غزوہ میں جامِ شہادت پی کر روضۂ رضوان کو سدھارے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ انصاری

(۱)

ہجرتِ نبوی ﷺ سے مدتوں پہلے یہود یثرب اوس اور خزرج کے لوگوں کو نبیِ آخرالزّماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبر دیا کرتے تھے لیکن ان لوگوں کی حرماں نصیبی دیکھیے کہ جب نبیِ آخرالزّماں نے ارضِ مکّہ کو الوداع کہہ کر یثرب میں نزولِ اجلال فرمایا تو معدودے چند سعید الفطرت علماءِ یہود کے سوا باقی سب نے آپ ﷺ کی تصدیق کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ان کے انکارِ رسالت کے باوجود رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بقائے باہمی کی بنیاد پر معاہدۂ صلح کر لیا' کیونکہ آپ ﷺ کا مطمحِ نظر تمام اہلِ مدینہ میں صلح و آشتی کی روح پیدا کرنا اور خلقِ خدا کو امن و سکون کی زندگی سے متمتع کرنا تھا...... یہود مدینہ نے بظاہر تو معاہدۂ صلح پر دستخط کر دیے' لیکن باطن انہوں نے اسلام اور داعیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کو اپنا شعار بنا لیا۔ کینہ اور حسد ان بدبختوں کی گھٹی میں پڑا تھا اس لیے اہلِ حق کے خلاف نت نئی سازشوں اور فتنہ انگیزیوں میں مشغول رہتے۔ ان سب میں پیش پیش ان کا اشعرالشعراء کعب بن اشرف تھا۔ کعب کا باپ اشرف باختلافِ روایت قبیلہ طے یا بنونبہان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے سالہا سال پہلے اپنے وطن سے یثرب آ کر

Marfat.com

یہودِ بنونضیر سے حلیفانہ تعلّقات قائم کر لیے اور ان میں اتنا اثر و رسوخ پیدا کیا کہ بنونضیر کے سردار اور حجاز کے تاجرِ اعظم ابو رافع بن اَبی الحُقَیق نے اس سے اپنی لڑکی کی شادی کر دی۔ اسی لڑکی کے بطن سے کعب پیدا ہوا۔ علّامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ "اس دوطرفہ رشتہ داری کی بنا پر کعب یہود اور عرب سے برابر کا تعلق رکھتا تھا۔" وہ نہ صرف ایک قادر الکلام شاعر تھا اور شاعری کی وجہ سے قوم پر بڑا اثر رکھتا تھا بلکہ جاہ و ثروت کے لحاظ سے بھی یہودِ مدینہ میں کوئی اس کا ہمسر نہ تھا۔ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ لباس پہنتا' عمدہ سے عمدہ خوشبوئیں استعمال کرتا رہتا اور اپنی دولت یہودیت کی ترویج و ترقی پر بے تحاشا خرچ کرتا رہتا۔ اس نے اپنی سکونت کے لیے ایک عظیم الشان قصر تعمیر کرایا تھا' یہ قصر کیا تھا ایک وسیع و عریض بلند و بالا مستحکم قلعہ تھا جس میں آسائش کے تمام اسباب مہیا تھے۔ اس قصر کے کھنڈر آج بھی مدینہ منورہ کے جنوب میں نشانِ عبرت کی صورت میں موجود ہیں۔ کعب اسلام سے طبعی بغض رکھتا تھا اور اہلِ حق کو مطلق خاطر میں نہ لاتا تھا۔ جس دن سے آفتابِ رسالت نے اُفقِ مدینہ سے طلوع کیا تھا وہ انگاروں پر لوٹ رہا تھا اور اپنے خُبثِ باطن کا اظہار وہ اشعار کے ذریعے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مسلسل زہر اگل کر کرتا رہتا۔ اس بد بخت نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی ناپاک سازش کرنے سے بھی گریز نہ کیا۔

(فتح الباری ابنِ حجر۔ تاریخ یعقوبی)

اربابِ سِیَر کا بیان ہے کہ کعب بن اشرف نے یہودی علماء کی ماہوار تنخواہیں باندھ رکھی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وُرُودِ مدینہ کے بعد یہ علماء اس سے اپنی تنخواہیں وصول کرنے آئے تو اس نے پہلے ان سے اسلام اور ہادیِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی سرتوڑ مخالفت کرنے کا عہد لیا اور پھر ان کو تنخواہیں ادا کیں۔

غزوہ بدر (۲ھ) میں کُفّارِ مکہ کو شرمناک شکست ہوئی اور ان کے بڑے بڑے

Marfat.com

سردار مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تو کعب کو سخت صدمہ ہوا اور بے اختیار اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے:

''اب زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے اچھا ہے۔''

اس نے مقتولینِ بدر کے نہایت پُر درد مرثیے کہے اور پھر قریش سے تعزیت کے لیے مکے گیا۔ وہاں وہ کئی دن تک مقیم رہا۔ اس دوران میں اس کا معمول یہ تھا کہ روزانہ لوگوں کو جمع کر لیتا اور ان کے سامنے بڑے سوز و گداز سے مرثیے پڑھتا۔ یہ مرثیے اس قدر پُر اثر تھے کہ مشرکین انہیں سن کر بے اختیار روتے اور سینہ کوبی کرتے۔ ابنِ ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے مرثیوں کے بہت سے اشعار نقل کیے ہیں۔ ذرا دو شعر دیکھیے:

طحنت رحی بدر لمهلك اهله ولمثل بدر تستهل و تدمع

كم قد اصيب بد من ابيض ماجد ذی بهجة تساوی اليه الضيع

''جنگِ بدر کی چکی نے اہل بدر کو پیس ڈالا۔ بدر جیسے سانحوں کے لیے ماتم کرنا چاہیے۔ کتنے شریف سپید اور بارونق چہرے جن کے پاس اہل حاجت پناہ لیتے تھے موت کے گھاٹ اتر گئے۔''

قریش پہلے ہی مسلمانوں سے خار کھائے بیٹھے تھے، کعب کے مرثیوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور وہ مدینہ منورہ پر یلغار کرنے کے لیے زور شور سے تیاریاں کرنے لگے۔

''تاریخ خمیس'' میں ہے کہ کعب اپنے ساتھ چالیس آدمی لے کر مکے گیا تھا وہاں وہ اور اس کے ساتھی سردارانِ قریش سے ملے اور ان کو بدر کے انتقام پر ابھارا۔ پھر یہ سب لوگ ابوسفیان کی قیادت میں حرم کعبہ میں آئے اور سب نے کعبہ کا پردہ

Marfat.com

تھام کر حلف اٹھایا کہ بدر کا بدلہ لے کر رہیں گے۔

کعب بن اشرف کی شورہ پشتی اور دیدہ دلیری دیکھیے کہ مدینہ واپس آ کر بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا بلکہ پہلے سے زیادہ زور شور سے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہنے لگا اور ساتھ ہی لوگوں کو طرح طرح سے اہلِ حق کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم صبر و تحمل کے انتہائی بلند مقام پر فائز تھے۔ آپ ﷺ مدت تک کعب کی شرارتوں اور دیسہ کاریوں کو برداشت کرتے رہے' لیکن جب پانی سر سے گزر گیا اور کعب کی سرگرمیاں مدینہ منورہ کی نوزائیدہ شہری مملکت کے لیے مستقل خطرہ بن گئیں تو ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کو جمع کیا اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''کعب بن اشرف سے کون نبٹے گا' اس نے اللہ اور اس کے رسول کو بہت اذیت پہنچائی ہے۔''

اس موقع پر موجود شمعِ رسالت کے پروانوں میں گندمی رنگ اور دوہرے بدن کے ایک دراز قامت جوانِ رعنا حضور ﷺ کا ارشاد سن کر جوشِ غضب سے بیقرار ہو گئے اور عرض کیا:

''یا رسول اللہ! کیا حضور ﷺ کا منشائے مبارک یہ ہے کہ کعب کے ناپاک وجود کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔''

ارشاد ہوا: ''ہاں!''

ان صاحب نے عرض کیا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان' اس کام کے لیے میں حاضر ہوں۔''

کعب بن اشرف کو ٹھکانے لگانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ وہ نہ صرف خود ایک

Marfat.com

قوی ہیکل اور جنگجو آدمی تھا بلکہ اپنی حفاظت کے لیے اس نے بہت سے آزمودہ کار جنگجو ملازم رکھے ہوئے تھے۔ پھر اس کا قصر بھی ایک ناقابل تسخیر قلعے کی حیثیت رکھتا تھا لیکن بادۂ توحید سے سرشاران صاحب نے بھی تہیّہ کر لیا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے وہ اس شخص کو ضرور کیفرِ کردار تک پہنچائیں گے جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیّت پہنچائی ہے۔ چنانچہ انہوں نے رات کے وقت چار جانباز اپنے ساتھ لیے اور قصرِ کعب میں داخل ہو کر کمال درجے کی ہوشیاری اور مستعدی سے کام لے کر کعب کو زنان خانہ سے باہر بلا لیا۔ کچھ دیر اس سے بات چیت کرتے رہے۔ پھر دفعتۃً حملہ کر کے اس کا سر کاٹ لیا اور لا کر حضور ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا۔ یہ جوانِ رعنا جنہوں نے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کو راضی کرنے کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگا دی اور اسلام کے ایک بدترین دشمن کا قلع قمع کر دیا ....حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ انصاری تھے۔

(۲)

حضرت ابو عبدالرحمٰن محمدؓ بن مَسلَمہ کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلّق انصار کے قبیلہ اَوس سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

محمدؓ بن مَسلَمہ بن سلمہ بن خالد بن عدی بن مجدعہ بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

ہجرتِ نبویؐ سے تقریباً پینتیس سال پہلے پیدا ہوئے۔ والدین نے محمد نام رکھا۔ اس طرح حُسنِ اتفاق سے انہیں رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمنام ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔

محمدؓ بن شعور کو پہنچے تو انہوں نے جملہ فنونِ سپہ گری میں پوری دسترس حاصل کر لی۔ بڑے نڈر اور جی دار تھے، اس لیے انصار کے بہادر نوجوانوں میں شمار ہونے

Marfat.com

لگے۔ اسی زمانے میں انہوں نے اَوس کے بازوئے شمشیرزن بنوعبدالاشہل سے حلیفانہ تعلّقات قائم کر لیے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرتِ سلیم عطا کی تھی، چنانچہ ہجرت سے ایک سال قبل جب مدینے میں اسلام کے داعیِ اوّل حضرت مصعبؓ بن عمیر کے ذریعے ان کے کانوں میں توحید کی آواز پڑی تو انہوں نے اس پر بلا تأمّل لبّیک کہا۔ اس طرح وہ انصار کے سابقین اوّلین میں شامل ہو گئے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جس وقت حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ سعادت اندوزِ ایمان ہوئے اس وقت اوس کے قریباً سبھی مردوزن کفروشرک کی بھول بھلیّوں میں بھٹک رہے تھے۔ یہاں تک کہ سیدالاوس حضرت سعدؓ بن معاذ بھی اپنے آبائی مذہب پر قائم تھے، اس طرح ابنِ مَسلَمہؓ کو قبیلہ اَوس کے سابقین اوّلین میں بھی امتیازی حیثیت حاصل ہو گئی۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ نے دوسرے انصار کے ساتھ والہانہ جوش وخروش سے آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ ہجرت کے چند ماہ بعد حضور ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان عقدِ مؤاخاۃ قائم کرایا تو ایک روایت کے مطابق حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ کو امین الاُمّت حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کا اسلامی بھائی بنایا لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ کے اسلامی بھائی حضرت ابوطلحہ زیدؓ بن سہل انصاری بنائے گئے۔ (صحیح مسلم) اس لیے حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ کے مؤاخاتی بھائی کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔
رمضان ۲ھ میں حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ کو ان تین سو تیرہ نُفوسِ قدسی میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا جو میدانِ بدر میں اپنی بے سروسامانی کے باوجود محض اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی خوشنودی کی خاطر کفر کی مہیب طاغوتی قوت سے بھڑ گئے اور اس کو خاکِ نامرادی چاٹنے پر مجبور کر دیا۔ بدر میں مسلمانوں کی فتح نے یہودِ بنوقینقاع کو آتش زیرپا کر دیا۔ یہ بڑے جنگجو لوگ تھے اور انہوں نے اپنے قلعوں میں بھاری مقدار

Marfat.com

میں اسلحہ جمع کر رکھا تھا۔ مسلمانوں کو فتح کی خوشی مناتے دیکھ کر ان کی چھاتی پر سانپ لوٹ گیا اور انہوں نے برملا کہنا شروع کر دیا کہ قریش لڑنا کیا جانیں' اگر محمد (ﷺ) کو ہم سے سابقہ پڑتا تو اسے پتہ چل جاتا کہ جوانمردی کیا شے ہے۔ حضور ﷺ نے پہلے تو ان کی ہفوات کو نظر انداز کر دیا لیکن شوّال ۲ھ میں ایک اتفاقی واقعے نے صورتِ حال کو سنگین بنا دیا۔ ہوا یہ کہ ایک مسلمان خاتون بنوقینقاع کے محلے میں کسی کام سے ایک یہودی کی دوکان میں گئی۔ یہودی نے اس کی بے حرمتی کی۔ یہ دیکھ کر ایک مسلمان غیرت سے بے تاب ہو گیا اور اس نے اُس یہودی کو قتل کر ڈالا۔ جواب میں ایک یہودی نے اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ حضور ﷺ کو ان حالات کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ بنوقینقاع کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو سمجھایا کہ خدا سے ڈرو کہیں تم بھی مشرکینِ بدر کی طرف عذاب کی لپیٹ میں نہ آ جاؤ' لیکن بنوقینقاع کو اپنے ہتھیاروں اور قلعوں پر اتنا ناز تھا کہ انہوں نے حضور ﷺ کی نصیحت قبول کرنے کے بجائے نہایت گستاخانہ جواب دیا اور اس طرح مسلمانوں سے کیا ہوا معاہدہ عملاً توڑ ڈالا۔ اب سرورِ عالم ﷺ نے مجبور ہو کر ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرے میں حضرت محمدؓ بن مَسلمہ بھی حضور ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ پندرہ دن کے محاصرے میں بنوقینقاع کے سب کس بل نکل گئے اور وہ اس بات پر رضامند ہو گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو فیصلہ کریں گے وہ ان کو منظور ہو گا۔ یوں تو وہ اپنی عہد شکنی اور غداری کی پاداش میں واجب القتل تھے لیکن حضور ﷺ نے ازراہِ ترحّم ان کو جلاوطنی کی سزا دی۔ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ اس موقع پر یہود بنوقینقاع سے مال وصول کرنے کا فرض حضورؐ نے حضرت محمدؓ بن مَسلمہ کو سونپا۔ انہوں نے یہ فرض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

ربیع الاوّل ۳ھ میں حضرت محمدؓ بن مَسلمہ نے مدینے میں اسلام کے سب سے

Marfat.com

بڑے دشمن کعب بن اشرف کو ٹھکانے لگانے کا خطرناک کام انجام دیا۔ اس مہم میں ان کی کامیابی پر حضور ﷺ نے مسرّت کا اظہار فرمایا اور انہیں دعائے خیر سے نوازا۔

شوال ۳ھ میں غزوۂ اُحد پیش آیا تو حضور ﷺ نے حضرت محمدؓ بن مَسلمہ کو اسلامی لشکر کی حفاظت پر مامور فرمایا' چنانچہ وہ پچاس مجاہدین کو ساتھ لے کر رات بھر گشت لگاتے رہے۔

۴ ہجری میں یہودِ بنونضیر نے غدّاری پر کمر باندھی۔ انہوں نے قریشِ مکّہ سے سازباز شروع کر دی اور جب حضور ﷺ انہیں سمجھانے ان کے محلّے میں تشریف لے گئے تو آپ ﷺ کو شہید کرنے کا منصوبہ بھی بنایا۔ حضور ﷺ کو اس منصوبے کا بروقت علم ہو گیا اور آپ ﷺ واپس تشریف لے آئے۔ یہاں سے آپ ﷺ نے حضرت محمدؓ بن مسلمہ کو بنونضیر کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ تم نے اہلِ حق کے ساتھ جو دھوکا اور فریب کیا ہے اس کا مداوا اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ تم مدینے سے نکل کر کسی دوسرے شہر چلے جاؤ' اگر دس روز تک یہاں سے نہ نکلے تو پھر تمہیں اس سے بدتر سزا بھگتنے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔ بنونضیر نے اس حکم کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا اور مقابلے پر تل گئے۔ حضور ﷺ نے ان کے محلّے کا محاصرہ کر لیا' آخر وہ اس شرط پر مدینے سے نکلنے پر راضی ہوئے کہ جس قدر مال و اسباب اونٹوں پر لے جا سکیں' لے جائیں۔ حضور ﷺ نے ان کی یہ شرط مان لی اور حضرت محمدؓ بن مَسلمہ کو ہدایت کی کہ وہ ان کو اپنی نگرانی میں مدینے سے جلاوطن کر دیں۔ حضرت محمدؓ نے یہ خدمت بڑے احسن طریقے سے انجام دی۔

۵ھ میں حضرت محمدؓ بن مَسلمہ بڑے جوش و خروش اور جذبے کے ساتھ غزوۂ احزاب میں شریک ہوئے اور اس کے فوراً بعد غزوۂ بنوقریظہ میں سرورِ عالم ﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

Marfat.com

ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نے بنوقُریظہ کے مارِ آستین یہودیوں کو مغلوب کرنے کے بعد موت کی سزا سنائی تو حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ کے ذِمّے یہ کام لگایا کہ وہ باغی مردوں کو عورتوں اور بچوں سے الگ کر کے ان کے ہاتھ باندھ دیں۔ حضرت محمدؓ نے یہ کام نہایت مستعدی سے انجام دیا۔

(۳)

''قرطاء'' نجد کے ایک قبیلے عامر بن صعصعہ کی ایک شاخ تھی جو مدینہ کے مشرق میں سات دن کی مسافت پر آباد تھی۔ سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ یہ لوگ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے پیش بندی کے طور پر مُحرّم ۶ھ میں حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ کو تیس سوار دے کر ان کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔ حضرت محمدؓ نے اس مہم میں بڑی احتیاط اور دانشمندی سے کام لیا۔ وہ دن کو اپنے ساتھیوں سمیت پہاڑوں میں چھپ جاتے اور رات کو سفر کرتے۔ اسی طرح سفر کرتے کرتے انہوں نے دشمن کے گاؤں کو اچانک جا گھیرا۔ جن لوگوں نے مقابلہ کیا وہ قتل ہوئے' باقی فرار ہو کر پہاڑوں میں روپوش ہو گئے۔ حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ دشمن کے ۱۵۰ اونٹ اور تین ہزار بکریاں لے کر انیس دن کے بعد مظفر و منصور مدینہ واپس آئے۔

ایک روایت میں ہے کہ اسی مہم میں مشہور نجدی سردار ثُمامہؓ بن اُثال مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہوئے۔ جب انہیں مدینے لایا گیا تو وہ حضور ﷺ کا خُلقِ عظیم دیکھ کر مسلمان ہو گئے اور اس کے بعد اسلام کے قوی دست و بازو ثابت ہوئے۔

ربیع الآخر ۶ ہجری میں سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ کو دس آدمیوں کے ہمراہ ذی القصّہ روانہ فرمایا۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے ۲۴ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس مہم کا کیا مقصد تھا؟ مؤرّخین کا اس کے بارے میں اختلاف ہے۔

Marfat.com

بعض نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے ان اصحاب کو تبلیغ و ہدایت کے لیے بھیجا تھا اور بعض نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ انہیں بنوثعلبہ کی گوشمالی کے لیے روانہ کیا گیا جو مدینے پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ قرینے سے پہلی روایت درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ کسی باغی قبیلے کی سرکوبی کے لیے دس گیارہ آدمیوں کی تعداد بہت کم ہے۔

بہرصورت جب یہ اصحاب ذی القصہ پہنچے تو بنوثعلبہ نے سو آدمی جمع کر کے ان پر پہلے تیر برسائے اور پھر نیزے لے کر ٹوٹ پڑے' یہاں تک حضرت محمدؓ بن مسلمہ کے سوا سب کو شہید کر ڈالا۔ حضرت محمدؓ صرف اس وجہ سے بچ سکے کہ ان کے ٹخنے پر شدید چوٹ آ گئی جس کے صدمے سے بے ہوش ہو گئے۔ دشمن نے مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اس واقعے کے بعد اتفاق سے ایک مسلمان ادھر سے گزرا۔ اس نے حضرت محمدؓ بن مَسلمہ کو اس حال میں دیکھا تو اس کی غیرتِ ایمانی نے گوارا نہ کیا کہ اپنے ایک مجروح مسلمان بھائی کو بے یار و مددگار چھوڑ کر آگے بڑھ جائے۔ اس نے حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ کو کندھوں پر اٹھالیا اور طویل فاصلہ طے کر کے مدینہ منورہ پہنچا دیا۔ اس سانحے کی خبر سن کر حضور ﷺ کو سخت صدمہ ہوا اور آپ ﷺ نے شہدائے ذی القصّہ کا انتقام لینے کے لیے حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کو چالیس سواروں کے ہمراہ روانہ فرمایا' لیکن بنوثعلبہ کو مقابلے کی ہمت نہ پڑی اور وہ پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے۔

ذیقعدہ ۶ ھ میں حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ کو بیعتِ رضوان میں شریک ہونے کی عظیم سعادت نصیب ہوئی۔

مُحرّم ۷ ہجری میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر لشکر کشی کی تو حضرت محمدؓ بن مسلمہ اور ان کے بھائی محمودؓ بن مَسلَمہ بھی حضور ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ اس لڑائی میں دونوں بھائی سر بکف ہو کر لڑے اور دشمن پر اپنی شجاعت و شہامت کا سکّہ بٹھا دیا۔ ابنِ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ، موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ اور واقدی کا بیان ہے کہ یہودِ خیبر کے

Marfat.com

نامور سردار مرحب کو حضرت محمدؓ بن مسلمہ نے قتل کیا لیکن جمہور مؤرخین نے مرحب کا قاتل حضرت علی کَرَّمَ اللہ وَجْہَہٗ کو بتایا ہے۔ حضرت محمدؓ مرحب کے قاتل ہوں یا نہ ہوں اتنا ضرور ثابت ہے کہ انہوں نے غزوۂ خیبر میں غیر معمولی جرأت و بسالت کا مظاہرہ کیا۔ اس لڑائی میں انہیں ایک دلدوز صدمے سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ ہوا یوں کہ اثنائے جنگ میں ایک دن ان کے بھائی محمودؓ بن مَسلَمہ لڑائی کی شدت اور ہتھیاروں کے بوجھ سے تھک گئے اور قلعۂ ناعم کی دیوار کے سائے میں ستانے بیٹھ گئے۔ کسی یہودی نے ایک بھاری پتھر ان کے سر پر دے مارا' اس سے شدید زخمی ہو گئے اور پیشانی کی کھال منہ پر اتر آئی۔ لوگ اٹھا کر حضور ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے کھال کو اس کی جگہ پر لا کر کپڑے کی پٹی باندھ دی۔ حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ ان کی حالت دیکھ کر سخت مغموم تھے۔ حضور ﷺ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا' اِن شاءَ اللہ! تیرے بھائی پر پتھر گرانے والا کل اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ جائے گا۔ لسانِ رسالت سے نکلے ہوئے الفاظ یوں پورے ہوئے کہ حضرت محمودؓ پر پتھر گرانے والا یہودی دوسرے دن مارا گیا۔ حضرت محمودؓ بھی زخمی ہونے کے تین دن بعد عازمِ خُلد بریں ہوئے۔ حضرت محمدؓ نے یہ صدمۂ جانکاہ بڑے صبر اور حوصلے سے برداشت کیا اور اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر راضی برضا ہو گئے۔

ذیقعدہ ۷ ہجری میں حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ کو عمرۃ القضا میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیّت کا شرف حاصل ہوا۔ ''طبقات ابنِ سعد'' میں ہے کہ حضور ﷺ ذوالحلیفہ پہنچے تو آپ ﷺ نے حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ کے سپرد یہ خدمت کی کہ وہ گھوڑے لے کر ہراول کے طور پر آگے بڑھیں۔ وہ گھوڑوں کے ساتھ مَرُّالظَّہر ان پہنچے تو قریش کے چند لوگوں سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ

Marfat.com

نے بڑے فخر وانبساط سے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرے کے لیے تشریف لا رہے ہیں' اللہ نے چاہا تو آپ ﷺ کل یہاں پہنچ جائیں گے۔ حضور ﷺ تشریف لائے تو حضرت محمدؓ بن مَسلمہ اور دوسرے مسلمانوں نے آپ ﷺ کے ساتھ مکے میں داخل ہو کر بڑے ذوق وشوق سے عمرہ ادا کیا۔

رجب ۹ ہجری مین سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب مدینہ منورہ سے کہیں باہر تشریف لے جاتے تو کسی کو شہر کا حاکم مقرر کر جاتے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے کس کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اس سلسلے میں مختلف روایات میں چار اصحاب کے نام آتے ہیں:

۱۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ

۲۔ حضرت محمدؓ بن مَسلمہ

۳۔ حضرت سباعؓ بن عرفطہ

۴۔ حضرت ابن اُمّ مکتومؓ

جمہور اہلِ سیَر کے نزدیک راجح قول یہی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کو اپنا جانشین بنایا۔ ان روایات میں تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ قائم مقام امیر تو حضور ﷺ نے حضرت علیؓ ہی کو بنایا' البتہ دوسرے حضرات کو کاروبارِ خلافت میں ان کی نیابت اور مدد کے لیے مدینے میں چھوڑ دیا۔

(۴)

۱۱ھ میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ سوا دو سال تک مَسندِ نشینِ خلافت رہے۔ اس عرصے میں حضرت محمدؓ بن مَسلمہ کی کسی سرگرمی کا سراغ نہیں ملتا۔ ۱۳ ہجری میں حضرت عُمرِ فاروقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے ملکی عہدے داروں کے انتخاب میں ایسی جوہر شناسی کا ثبوت دیا کہ

Marfat.com

تاریخِ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے "الفاروق" میں لکھا ہے کہ "حضرت عمرؓ کی طبیعت شروع ہی سے جوہر شناس واقع ہوئی تھی۔ جس شخص میں جس قسم کی قابلیت ہوتی وہ اس کی تہہ کو پہنچ جاتے۔ اس کے ساتھ انہوں نے ملک کے تمام قابل آدمیوں سے واقفیت بہم پہنچائی تھی۔ یہی بات تھی کہ انہوں نے جس شخص کو جو کام دیا اس کے انجام دینے میں اس سے بہتر آدمی نہیں مل سکتا تھا۔"

حضرت عمرؓ نے اپنے عُمّال کے احتساب اور تحقیق کے لیے ایک خاص عہدہ قائم کیا تو اس کا افسرِ اعلیٰ حضرت محمدؓ بن مَسلمہ کو مقرر کیا' گویا وہ اسلامی حکومت کے سب سے پہلے محتسبِ اعلیٰ تھے اور انہیں حکومت کے بڑے سے بڑے عہدیدار کے خلاف کسی بھی قسم کی شکایت کی تحقیق و تفتیش کا اختیار حاصل تھا۔ اس سے پہلے وہ کچھ عرصہ حکومت کی طرف سے قبیلہ جُہَینہ کے صدقات بھی وصول کرتے رہے۔ حضرت محمدؓ بن مسلمہ نے محتسبِ اعلیٰ یا نگرانِ عُمّال کی حیثیت سے اپنے فرائض نہایت حسن وخوبی اور دیانت و حکمت سے انجام دیے۔ اس ضمن میں اہلِ سِیَر نے بہت سے واقعات بیان کیے ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ بازار میں گشت لگا رہے تھے کہ ایک شخص نے آواز دی' عمر! کیا عاملوں کے لیے چند قواعد مقرر کر دینے سے تم عذابِ الٰہی سے بچ جاؤ گے؟ تمہارا عاملِ مصر عیاضؓ بن غنم باریک کپڑے پہنتا ہے اور اس نے اپنے دروازے پر دربان مقرر کر رکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت محمدؓ بن مَسلمہ کو بلایا اور حکم دیا کہ مصر جا کر عیاضؓ کو جس حالت میں پاؤ اپنے ساتھ لے کر مدینے آؤ۔ حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ نے مصر پہنچ کر دیکھا کہ عیاضؓ واقعی باریک کپڑے کا کُرتا پہنے ہوئے تھے اور ان کے دروازے پر دربان کھڑا تھا۔ حضرت محمدؓ نے عیاضؓ سے ملتے ہی کہا چلو تمہیں امیر المؤمنین نے بلا بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا ذرا ٹھہرو میں قبا پہن لوں۔ حضرت محمدؓ بن مَسلمہ نے

Marfat.com

جواب دیا ہرگز نہیں تمہیں اسی ہیئت میں چلنا ہوگا۔ چنانچہ ان کو اسی باریک لباس کے ساتھ دربارِ خلافت میں پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عیاضؓ کا باریک کرتا اترواکر بالوں کا کرتا پہنوایا اور بکریوں کا ایک گلّہ منگوا کر حکم دیا کہ جنگل میں لے جاکر چراؤ۔ عیاضؓ کو انکار کی مجال نہ تھی لیکن بار بار کہتے تھے اس بے عزتی سے تو مر جانا بہتر ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تمہیں اس کام سے شرم کیوں آتی ہے۔ تمہارے باپ کا نام غنم اس وجہ سے مشہور ہوا تھا کہ وہ بکریاں چرایا کرتا تھا۔ حضرت عیاضؓ نے دل سے توبہ کی اور پھر جب تک زندہ رہے کبھی باریک لباس نہ پہنا اور نہ دروازے پر دربان رکھا۔[1] (الفاروق بحوالہ کتاب الخراج، صفحہ:٦٦)

ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو شکایت پہنچی کہ امیر کوفہ حضرت سعدؓ بن ابی وقّاص نے ایک محل بنوایا ہے جس کے سامنے ڈیوڑھی بھی بنوائی ہے اہلِ حاجت اس ڈیوڑھی کے پھاٹک سے گزر کر بلا روک ٹوک امیر تک نہیں پہنچ سکتے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت محمدؓ بن مسلمہ کو حضرت سعدؓ کے نام ایک خط دے کر کوفے روانہ کیا اور ہدایت کی کہ سعدؓ کی قیام گاہ کی ڈیوڑھی کو آگ لگادیں اور جب وہ جل کر راکھ ہوجائے تو واپس چلے آئیں۔ حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ نے کوفے پہنچ کر امیر المؤمنین کا حکم حضرت سعدؓ کو سنایا اور پھر ''قصرِ سعد'' کی ڈیوڑھی کو نذرِ آتش کردیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ محمدؓ بن مَسلَمہ کوفے پہنچے تو حضرت سعدؓ نے ان کی بے حد تعظیم و تکریم کی اور ان کے سامنے کھانا پیش کیا۔ حضرت محمدؓ نے کھانا قبول کرنے میں عذر کیا اور حضرت سعدؓ کو امیر المؤمنین کا خط دیا۔ انہوں نے یہ خط کھولا تو اس میں لکھا تھا:

''مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے اپنے قیام کے لیے ایک محل تعمیر کرایا ہے جو

---

[1] اس روایت میں حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کو مصر کا عامل بتایا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ راوی کو تسامح ہوا ہے۔ فی الحقیقت حضرت عیاضؓ جزیرہ (عراق) کے عامل تھے۔ سیرت اور تاریخ کی کسی مستند کتاب میں مصر میں بطور عامل ان کے تقرر کا ذکر ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ (طالب الہاشمی)

Marfat.com

قصرِ سعد کہلاتا ہے' اس کے سامنے تم نے ایک ڈیوڑھی تعمیر کرائی ہے اور اس میں پھاٹک لگوایا ہے جو لوگوں کو تم تک پہنچنے میں سدِّراہ ہوتا ہے۔ اگر فی الواقع ایسا ہے تو تم نے ہلاکت کا محل بنایا ہے' اس ڈیوڑھی اور اس کے پھاٹک کو فوراً گرادو۔''

حضرت سعدؓ نے خط پڑھ کر قسم کھائی کہ ڈیوڑھی میں نے محض شور و شغب سے بچنے کے لیے بنوائی ہے' میری قیام گاہ کے دروازے اہلِ حاجت کے لیے ہر وقت کھلے ہیں۔ میں نے ان پر کوئی دربان مقرر نہیں کیا۔ لوگوں نے میری اقامت گاہ کو غلط طور پر ''قصرِ سعد'' کے نام سے مشہور کر دیا ہے۔

حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ نے حضرت سعدؓ کا عذر قبول کر لیا اور مدینے واپس جا کر تمام حالات امیر المؤمنین کے گوش گزار کیے۔ انہوں نے بھی حضرت سعدؓ کا عذر قبول کر لیا۔

ایک مرتبہ حضرت عمروؓ بن العاص والیِ مصر کے خلاف شکایت موصول ہوئی کہ ان کے مال و دولت میں بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ حضرت عمرِ فاروقؓ نے حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ کو ان کے نام یہ فرمان دے کر بھیجا کہ اپنا سارا مال محمدؓ بن مَسلَمہ کے سامنے رکھ دو وہ اس کا جائزہ لے کر جو کارروائی مناسب سمجھیں گے' کریں گے۔ محمدؓ بن مَسلَمہ مصر پہنچے تو حضرت عمروؓ بن العاص نے انہیں کوئی ہدیہ پیش کیا۔ انہوں نے لینے سے صاف انکار کر دیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص کو ان کا انکار ناگوار گزرا اور انہوں نے فرمایا...... تم نے ہدیہ واپس کر دیا حالانکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرما لیتے تھے۔ حضرت محمدؓ نے جواب دیا کہ حضور ﷺ کو پیش کیے جانے والے ہدیے اور آپ کے ہدیے میں فرق ہے۔ میرا منصب مجھے اس کے قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے خشم آلود لہجے میں کہا' خدا اس دن کا

Marfat.com

برا کرے جب میں عمر بن خطّاب کا والی بنا' جس زمانے میں میرا باپ عاص کمخواب کی قبا پہنا کرتا تھا' خطّاب گدھے پر لکڑیاں لاد کر پھرا کرتا تھا' آج اسی خطاب کا بیٹا مجھ پر حکومت جتا رہا ہے۔ حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ نے بے دھڑک کہا: عاص اور خطّاب دونوں جہنم کے کندے ہیں' لیکن عمرؓ آپ سے ضرور بہتر ہیں۔ اس کے بعد کچھ تلخ گفتگو ہوئی یہاں تک کہ حضرت عمروؓ بن العاص نے سارا مال لا کر ان کے سامنے رکھ دیا۔ انہوں نے جتنی رقم مناسب سمجھی' اس میں سے لے لی اور مدینے آ کر بیت المال میں جمع کرا دی۔

۲۱ سنہ ہجری میں کوفے کے کچھ متفنّی لوگوں نے حضرت سعدؓ بن ابی وقّاص کے خلاف شکایات پیش کیں۔ حضرت عمرؓ نے تحقیق کے لیے حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ کو بھیجا۔ انہوں نے کوفے کی ایک مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کے بیانات لیے اور پھر حضرت سعدؓ بن ابی وقّاص کو ساتھ لے کر مدینے آئے یہاں خود امیر المؤمنین نے ان کا بیان لیا۔

مختصر یہ کہ حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ احتساب یا تحقیق کرتے وقت مطلق کسی کی رُورعایت نہ کرتے تھے اور نہ کسی سے خم کھاتے تھے۔ اسی بے خوفی اور دیانت کی بنا پر حضرت عمرِ فاروقؓ کی نگاہِ جوہر شناس نے انہیں اس اہم ترین عہدے کے لیے منتخب کیا تھا۔

حضرت عمرِ فاروقؓ کی شہادت کے بعد حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ اپنے عہدہ سے دستکش ہو گئے اور مدینے کی سکونت ترک کر کے ربذہ جا بسے۔ وہاں انہوں نے عزلت گزینی کی زندگی اختیار کر لی۔ حضرت عثمان ذوالنّورینؓ اور حضرت علی کرّم اللہ وجہہ' کے دورِ خلافت میں طرح طرح کے فتنوں نے زور باندھا اور مسلمان خانہ جنگی میں مبتلا ہو گئے' لیکن حضرت محمدؓ بن مسلمہ ان تمام فتنوں اور باہمی آویزشوں سے یکسر

Marfat.com

کنارہ کش رہے۔

ابن اثیرؒ نے ''اُسدُ الغابہ'' میں لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں کچھ لوگ ربذہ گئے اور انہوں نے حضرت محمدؓ بن مسلمہ سے گوشہ نشینی کا سبب پوچھا۔ انہوں نے فرمایا ''جب تک فتنے فرد نہیں ہو جاتے ہمیں ان میں ملوث ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''مُسندِ احمد بن حنبل'' میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے عہد خلافت میں ایک مرتبہ حضرت محمدؓ بن مَسلمہ کو بلا بھیجا اور ان سے پوچھا' آپ نے میری حمایت میں تلوار کیوں نہ اٹھائی؟ انہوں نے جواب دیا: امیر المؤمنین! آپ کے برادرِ گرامی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے دستِ مبارک سے مجھے تلوار عنایت فرمائی تھی اور ساتھ ہی مجھے وصیّت فرمائی تھی کہ اس تلوار سے مشرکین کے خلاف خوب لڑنا' لیکن جب تو دیکھے کہ مسلمان ایک دوسرے کے خلاف رزم آرا ہیں تو اسے کوہِ اُحد پر مار کر توڑ دینا اور اپنے گھر میں خلوت نشین ہو جانا' چنانچہ میں نے ایسے ہی کیا۔

دوسری طرف امیر معاویہؓ کے حامیوں کو یہ گلہ تھا کہ حضرت محمدؓ بن مَسلمہ نے امیر معاویہؓ کی طرف سے تلوار کیوں نہ اٹھائی۔ چنانچہ ایک بدبخت شامی نے اسی رنجش کی بنا پر انہیں صفر ۴۶ھ میں شہید کر ڈالا۔ اس وقت وہ تقریباً اَسّی برس کے پیٹے میں تھے اور مدینہ منورہ میں اپنے گھر کے اندر مصروفِ عبادت تھے۔ مروان بن الحکم حاکم مدینہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور پھر ہزاروں اہلِ مدینہ نے بادیدۂ گریاں علم وفضل اور رُشد و ہدایت کے اس خورشیدِ جہانتاب کو آغوشِ لحد میں اتار دیا۔ حضرت محمدؓ بن مَسلمہ نے اپنے پیچھے دس لڑکے اور چھ لڑکیاں چھوڑیں۔ لڑکوں میں سے پانچ کو شرفِ صحابیت حاصل تھا۔

حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ کا شمار فضلاء صحابہؓ میں ہوتا ہے تاہم ان سے مروی صرف چھ احادیث کتابوں میں ملتی ہیں' شاید اس کی وجہ روایتِ حدیث میں ان کی غایت

Marfat.com

درجہ احتیاط ہو۔ ان کے صحیفۂ اخلاق میں سبقت اِلَی الاسلام' حُبِ رسول ﷺ' شوقِ جہاد' شجاعت و بسالت فتنوں سے کنارہ کشی' دیانت اور بے خوفی سب سے نمایاں ابواب ہیں۔ عہدِ رسالت میں کوئی شرف ایسا نہ تھا جو انہیں حاصل نہ ہوا ہو۔ اسی بنا پر تمام اہلِ سِیَر نے انہیں صحابۂ کبارؓ کی مقدّس جماعت کا ایک معزز رُکن قرار دیا ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا آدمی بزرگ و مکرم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' اللہ کے نزدیک بزرگ و برتر وہ شخص ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے (یعنی متقی و پرہیزگار) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا' ہمارے سوال کا یہ مطلب نہیں (بلکہ ہم حسب ونسب کے اعتبار سے انسان کی شرافت کو دریافت کرتے ہیں) آپ ا نے فرمایا' بزرگ و شریف تر انسانوں میں (حضرت) یوسف (علیہ السلام) ہیں جو اللہ کے نبی' اللہ کے نبی یعقوب (علیہ السلام) کے بیٹے' اللہ کے نبی اسحاق (علیہ السلام) کے پوتے اور اللہ کے نبی (ابراہیم) خلیل اللہ کے پڑپوتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا' ہمارے سوال کا یہ منشاء بھی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' تم عرب کے خاندانوں اور قبائل کی بابت مجھ سے دریافت کرتے ہو؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا' جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا' جو شخص ایام جاہلیت میں تم میں سب سے بہتر تھا' وہی اسلام میں بہتر ہے جبکہ یہ فقیہ (یعنی عقلمند اور سمجھ دار) ہو۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت رفاعہؓ بن عمرو انصاری

خزرج کے خاندان ''عوف بن خزرج'' سے تھے۔نسب نامہ یہ ہے:

رفاعہؓ بن عمرو بن زید بن عمرو بن ثعلبہ بن مالک بن سالم (حبلیٰ) بن غنم عوف بن خزرج

ان کی کنیت ابوالولید ہے اور عرف ابنِ ابی ولید ہے۔اس لیے کہ ان کے دادا زید بن عمرو کی کنیت بھی ابوالولید تھی۔حضرت رفاعہؓ کے خاندان کو ''بنو حبلیٰ'' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے مورثِ اعلیٰ سالم بن غنم کا پیٹ بہت بڑا تھا اس لیے وہ حبلیٰ کے لقب سے مشہور ہو گیا تھا۔یہ خزرج کی نہایت معزز شاخ تھی اور رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کا تعلق بھی اسی خاندان سے تھا۔

حضرت رفاعہ کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔وہ ہجرتِ نبوی ﷺ سے قبل سعادت اندوزِ ایمان ہوئے اور پھر ۱۳ بعدِ بعثت میں مکہ جا کر لیلۃ العقبہ میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے مشرف ہوئے۔اس کے بعد ۲ ہجری میں غزوۂ بدر میں حضور ﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔غزوۂ اُحد میں بھی بڑے ذوق وشوق سے شریک ہوئے اور مردانہ وار لڑتے ہوئے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جان قربان کر دی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

حضرت طفیلؓ بن مالک انصاری

انصار کے قبیلہ خزرج سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

طفیلؓ بن مالک بن خنساء بن سنان بن عبید بن عدی، بن غنم بن کعب۔

ہجرتِ نبویؐ سے پہلے ۱۳ بعدِ بعثت میں مکہ گئے اور بیعتِ عقبہ کبیرہ میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کی۔

رمضان ۲ ہجری میں غزوۂ بدر میں دادِ شجاعت دی۔ ۳ ہجری میں غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے اور بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ لڑے۔ اس لڑائی میں انہوں نے باختلافِ روایت تیرہ یا اکتیس زخم کھائے، تاہم جان بچ گئی اور زخم آہستہ آہستہ مندمل ہو گئے۔ ۵ ہجری میں غزوۂ خندق میں پُرجوش حصہ لیا اور اسی لڑائی میں (بقول ابنِ ابی حاتم) وحشی بن حرب کے ہاتھ سے جامِ شہادت نوش کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عقربتہ الجہنیؓ

ان کا تعلّق بنو جُہینہ سے تھا۔ غزوۂ اُحد میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا اور نہایت بہادری سے لڑ کر رتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

ایک روایت میں ہے کہ ان کے کم سن فرزند نے باپ کی شہادت کی خبر سنی تو رونے لگے۔ حضور ﷺ نے انہیں دلاسا دیا اور فرمایا:

"کیا تو اس بات پر خوش نہیں ہے کہ میں تیرا باپ اور عائشہؓ تیری ماں ہو۔"

انہوں نے عرض کیا: "ہاں یارسول اللہ! میں راضی ہوں۔"

حضرت عقربہؓ کے صاحبزادے کا نام باختلافِ روایت بشرؓ یا بشیرؓ تھا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

حضرت سُلیمؓ بن عمرو انصاری

خزرج کے خاندان بنو سلمہ میں سے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

سُلیمؓ بن عمرو بن حدیدہ بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ بن سعد بن علی اسعد بن ساردہ بن یزید بن جشم بن خزرج

ہجرتِ نبوی سے پہلے سعادت اندوزِ اسلام ہوئے اور ۱۳ بعد بعثت میں مکّہ جا کر لیلۃ العقبہ میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔

ہجرتِ نبوی کے بعد ۲ ہجری میں انہیں اصحابِ بدر میں شامل ہونے کا عظیم شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد غزوۂ اُحُد میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے اور نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ بعض نے ان کا نام سلیمان بن عمرو بن حدیدہ لکھا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عَنترہؓ

حضرت سُلیمؓ کے غلام عَنترہؓ بھی راہِ حق کے ایک جانباز سپاہی تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے غزوۂ بدر میں حضور ﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد غزوۂ اُحُد میں بڑے ذوق وشوق سے شریک ہوئے اور مردانہ وار لڑتے ہوئے نوفل بن معاویہ دیلی کے ہاتھ سے جامِ شہادت پیا۔ بعض نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمؓ نے انہیں آزاد کر دیا تھا اور بقولِ ابنِ ہشام وہ بنی تمیم بن کعب بن سلمہ کے حلیف تھے۔ بہرصورت ان کا شمار خزرجی سلمی انصار میں ہوتا ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

حضرت رافعؓ بن خدیجؓ انصاری

غزوۂ اُحد (شوّال ۳ ہجری) میں تین ہزار بپھرے ہوئے مشرکینِ مکّہ کے مقابلے میں صرف سات سَو پرستارانِ حق رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رِکاب تھے۔ ان سب کے دلوں میں شوقِ شہادت کے شعلے بھڑک رہے تھے اور کفّار کی کثرتِ تعداد ان کے نزدیک پرِکاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی تھی۔ ان سرفروشوں میں پندرہ برس کے ایک سبزہ آغاز نوجوان بھی تھے۔ لڑائی کا آغاز ہوا تو وہ مردانہ وار صفِ جنگاہ میں گھس گئے اور شجاعت و بسالت کا حق ادا کر دیا۔ عین اس وقت جب لڑائی کی آگ پوری شدت سے بھڑک رہی تھی، کسی مشرک نے تاک کر اس نوجوان کو تیر مارا۔ یہ تیر ان کے سینے میں پیوست ہو گیا۔ لوگوں نے اُن کو سہارا دے کر سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اس کے سینے سے تیر کھینچ کر نکالو...... تیر ہڈیوں کو توڑ کر بدن کے اندر اس طرح گھُس گیا تھا کہ کسی طرح نکلتا ہی نہ تھا۔ جب پورے زور سے کھینچا گیا تو نوک اندر رہ گئی جس کے نکالنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ حضور ﷺ نے نوجوان کے سر پر دستِ شفقت پھیرا اور فرمایا:

"قیامت کے دن میں تمہارے جذبۂ ایمان و فدویت کی شہادت دوں گا۔"

Marfat.com

حضور پُرنُور ﷺ کا ارشادِ گرامی سن کر زخمی نوجوان اپنی تکلیف بھول گئے اور فرطِ مسرّت سے بے خود ہو گئے۔

یہ خوش بخت نوجوان جن کے جذبۂ ایمان کی نسبت سید المرسلین فخرِ موجودات رحمتِ دو جہاں ﷺ نے قیامت کے دن شہادت دینے کا وعدہ فرمایا' حضرت رافعؓ بن خَدِیجُ انصاری تھے۔

(۲)

سیدنا ابو عبداللہ رافعؓ بن خدیج کا شمار بڑے عظیم المرتبت صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ وہ انصار کے سابقین اوّلین میں سے ہیں۔ ان کا تعلّق قبیلہ اوس کی شاخ بنو حارثہ سے تھا۔

نسب نامہ یہ ہے:

رافعؓ بن خَدِیج بن رافع بن عدی بن زید بن جشم بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس

حضرت رافعؓ کے باپ دادا اپنے قبیلے (بنو حارثہ) کے رئیس اور سردار تھے۔ اس لیے حضرت رافعؓ نے تموّل اور آسودہ حالی کے ماحول میں ہوش کی آنکھیں کھولیں۔ اس ماحول میں پرورش پانے والے بچے بالعموم بڑے مغرور اور سرکش ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت رافعؓ کو نہایت پاکیزہ فطرت سے نوازا تھا۔ ہجرتِ نبوی ﷺ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت مصعبؓ بن عمیر کی تبلیغی مساعی سے یثرب میں اسلام کا چرچا پھیلا تو اس زمانے میں حضرت رافعؓ کی عمر صرف دس گیارہ برس کی تھی۔ ان کے کانوں میں توحید کی آواز پڑی تو انہوں نے اس پر لبیک کہنے میں ایک لمحہ بھی تامّل نہ کیا' غالباً اس وقت وہ سایۂ پدری سے محروم ہو چکے تھے اور ان کے چچا ظہیر و مظہر خاندان کے سربراہ تھے۔ وہ دونوں بھی نیک فطرت آدمی تھے۔ سید الاوس حضرت سعدؓ بن معاذ سعادت اندوزِ اسلام ہوئے اور اپنے قبیلے کی تمام

Marfat.com

شاخوں کو دعوتِ اسلام دی تو ظہیرؓ اور مظہرؓ بھی شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب (مدینہ منورہ) میں نُزُولِ اِجلال فرمایا تو انصار نے والہانہ ذوق و شوق سے حضور ﷺ کا استقبال کیا۔ حضرت رافعؓ اور ان کے دونوں چچے بھی سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے دیدہ و دِل فرشِ راہ کرنے والوں میں شامل تھے۔

رمضان المبارک ۲ ہجری میں حق و باطل کا پہلا معرکہ بدر کے میدان میں پیش آیا تو چودہ سالہ رافعؓ بڑے ذوق و شوق سے بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت چاہی' چونکہ حضور ﷺ نے لڑائی میں شامل ہونے کے لیے عمر کی کم از کم حد پندرہ برس مقرر فرمائی تھی' اس لیے حضرت رافعؓ کو لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت نہ ملی اور وہ بادِلِ ناخواستہ گھر واپس آ گئے' البتہ (صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق) ان کے دونوں چچا حضرت ظہیرؓ اور حضرت مظہرؓ غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور مقدور بھر دادِ شجاعت دی۔

(۳)

غزوہ اُحد (شوّال ۳ ہجری) کے وقت حضرت رافعؓ کی عمر پندرہ برس کی تھی اس لیے انہیں لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت مل گئی۔ اس موقع پر ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ انصار کے ایک لڑکے سَمُرہؓ بن جُندُب کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت نہ دی کیونکہ ان کی عمر پندرہ برس سے کم تھی انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا' یارسول اللہ! آپ نے رافعؓ کو لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت دے دی ہے اور مجھے چھوڑ دیا ہے حالانکہ میں اس سے طاقتور ہوں اور اگر حضور ﷺ کو یقین نہ ہو تو میری رافعؓ سے کشتی کرا لیجیے۔ حضور ﷺ ان کے جذبہ ایمانی سے بہت متاثر ہوئے اور دونوں کو کشتی لڑنے

Marfat.com

کا حکم دیا۔ حضرت سَمُرہؓ بن جُندُب قد کاٹھ اور عمر میں حضرت رافعؓ سے چھوٹے تھے لیکن طاقت میں ان سے زیادہ تھے۔ چنانچہ جب دونوں کا مقابلہ ہوا تو حضرت سمرہؓ نے حضرت رافعؓ کو پچھاڑ دیا۔ حضور ﷺ نے یہ دیکھ کر حضرت سمرہؓ کو بھی لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت دے دی۔ اسی غزوے میں حضرت رافعؓ دشمن کے تیر سے زخمی ہو گئے۔ تاہم چند دن میں زخم مندمل ہو گیا اگرچہ تیر کی نوک جسم کے اندر ہی رہ گئی۔

حضرت رافعؓ کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا عقیدت و محبت تھی۔ اور وہ ہر وقت اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی خاطر اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ اہلِ سِیَر نے لکھا ہے کہ انہوں نے غزوۂ اُحُد' غزوۂ اَحزاب اور عہدِ رسالت کے اکثر دوسرے غزوات میں حضور ﷺ کی ہم رِکابی کا شرف حاصل کیا۔ شوقِ جہاد کے علاوہ ان کو تحصیلِ عِلم کا شوق بھی تھا۔ لسانِ رسالت سے جو کچھ سنتے تھے اسے جزوِ ایمان سمجھتے تھے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ ان کے چچا حضرت ظہیرؓ بن رافع نے بارگاہِ رسالت سے گھر آ کر کہا کہ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کام سے منع فرمایا ہے حالانکہ اس کام میں ہم لوگوں کو کچھ سہولت تھی۔

حضرت رافعؓ نے چچا کی بات سنی تو بے تاب ہو گئے اور فوراً کہا کہ چچا جان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو فرماتے ہیں وہی حق ہے اور اسی میں ہماری بہتری ہے۔ چچا بھی مخلص صحابی تھے: بولے "بے شک حضور ﷺ ہم سے بہتر جانتے ہیں۔"

ایک مرتبہ حضرت رافعؓ بیوی کے پاس خلوت میں تھے کہ رسولِ اکرم ﷺ ان کے گھر تشریف لائے اور انہیں آواز دی۔ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور تیزی کے ساتھ

Marfat.com

غسل کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

(۴)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت رافعؓ بن خدیجؓ کے مشاغل اور سرگرمیوں کی کچھ زیادہ تفصیل کتبِ سِیَر میں نہیں ملتی۔ قیاسِ غالب یہ ہے کہ انہوں نے باقی زندگی کا بیشتر حصہ وعظ و ہدایت اور درس و تدریس میں گزارا۔ ان کا نام نمایاں طور پر دوبارہ اس وقت منظرِ عام پر آیا جب انہوں نے حضرت علی کرّم اللہ وَجہہ اور حضرت امیرِ معاویہؓ کے باہمی اختلافات میں کھُل کر حضرت علیؓ کا ساتھ دیا اور ان کی حمایت میں عملی طور پر جنگِ صفّین میں شریک ہوئے تاہم حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امیر معاویہؓ نے ان سے کچھ تعرض نہ کیا۔ وہ اور حاکم مدینہ مروان بن الحکم ان کے ساتھ ہمیشہ احترام سے پیش آتے رہے۔

امیرِ معاویہؓ کے عہدِ حکومت کے آخری یا عبد الملک بن مروان کی حکومت کے ابتدائی زمانے میں حضرت رافعؓ شدید علیل ہو گئے۔ اس کا سبب تیر کی وہ نوک تھی جو غزوۂ اُحُد میں ان کے جسم کے اندر رہ گئی تھی اسی نے زخم پیدا کر دیا جس کا زہر سارے جسم میں پھیل گیا اور اسی صدمے سے انہوں نے وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر اسّی (۸۰) برس سے اوپر تھی۔ اپنے پیچھے چھ لڑکے چھوڑے جن کے نام عبداللہؒ رفاعۂ عبدالرحمٰنؒ عبیداللہؒ سہل اور عبید تھے۔

حضرت رافعؓ اپنے والد اور چچا کی وفات کے بعد بنو حارثہ کے سردار ہو گئے تھے۔ اس لیے ہمیشہ مرفہ الحال رہے۔ مُسندِ احمد بن حنبل میں ہے کہ انہوں نے ترکہ میں کافی زمین اونٹ اور لونڈی غلام چھوڑے۔

(۵)

حضرت رافعؓ بن خدیج کا شمار فضلاءِ صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ ان سے اٹھتر (۷۸)

Marfat.com

احادیث مروی ہیں۔ ان کے راویوں میں متعدد جلیل القدر صحابہؓ اور تابعین شامل ہیں۔ اطاعتِ رسول اور شوقِ جہاد کے علاوہ امر بالمعروف حضرت رافعؓ کی زندگی کا ایک تابناک پہلو تھا۔ اربابِ سیَر نے اس سلسلہ میں متعدد واقعات بیان کیے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں۔

امیر معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں ایک مرتبہ ایک غلام کسی شخص کے باغ سے کھجور کا پودا اُجڑا لایا اور اسے اپنے آقا کے باغ میں لگا دیا۔ اس زمانے میں مروان بن الحکم مدینہ منورہ کا گورنر تھا۔ باغ کے مالک نے اس کی عدالت میں غلام پر مقدمہ دائر کر دیا۔ مروان نے غلام کو قید کر دیا اور اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ غلام کا آقا حضرت رافعؓ بن خدیج کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ واقعہ ان کے سامنے بیان کیا۔ حضرت رافعؓ نے فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پھل کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا" غلام کے آقا نے ان سے درخواست کی کہ مروان کو بھی اس حدیث کی خبر کر دیجیے۔ وہ گئے اور مروان کے سامنے یہ حدیث بیان کی تو اس نے غلام کو رہا کر دیا۔

(مُسندِ ابی داؤد)

ایک مرتبہ مروان بن الحکم نے اپنے خطبہ میں بار بار کہا کہ مکہ حرم ہے۔ حاضرین میں حضرت رافعؓ بھی موجود تھے انہوں نے باآوازِ بلند کہا کہ اگر مکّہ حَرم ہے تو مدینہ بھی حرم ہے اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم قرار دیا ہے۔ میرے پاس حدیث لکھی ہوئی موجود ہے چاہو تو دیکھ سکتے ہو۔ مروان نے بَرملا ان کی بات تسلیم کر لی اور کہا کہ ہاں میں نے بھی یہ حدیث سنی ہے۔ (مُسندِ احمد رحمۃ اللہ علیہ)

جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی زمین کرایہ پر اٹھایا کرتے تھے۔ امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں کسی نے انہیں بتایا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے زمین کو کرایہ پر اٹھانے کی ممانعت فرمائی تھی اور یہ حدیث رافعؓ بن خدیج کے پاس ہے۔ وہ نافعؒ کو ساتھ لے کر حضرت رافعؓ کے پاس گئے اور اس حدیث کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے حدیث سنائی تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس کے بعد زمین کا کرایہ لینا چھوڑ دیا۔ (صحیح مسلم)

ان واقعات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت رافعؓ بن خدیج کا پایۂ علم وفضل کتنا بلند تھا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا' یارسول اللہ! میرے قرابت دار ایسے ہیں کہ میں ان کے ساتھ (اچھا) سلوک کرتا ہوں لیکن وہ میرے ساتھ (اچھا) سلوک نہیں کرتے' میں ان کے ساتھ احسان کرتا ہوں اور وہ مجھ سے برائی کرتے ہیں۔ میں حلم و بردباری سے کام لیتا ہوں اور ان سے درگزر کرتا ہوں اور وہ جہالت سے پیش آتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا 'اگر تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے بیان کیا تو گویا تو ان کو گرم راکھ پھنکواتا ہے اور تیرے ساتھ ہمیشہ اللہ کی مدد ہے اللہ ان کی ایذاؤں اور شر کو تجھ سے دفع کرنے والا ہے جب تک کہ تو اسی صفت پر رہے۔ (صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت انیسؓ بن قتادہ انصاری

انصار کے قبیلہ اوس سے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

انیسؓ بن قتادہ بن ربیعہ بن خالد بن حارث بن عبید بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔

بعض نے ان کا نام انس لکھا ہے۔

ہجرتِ نبوی کے قریبی زمانہ میں سعادت اندوزِ ایمان ہوئے۔ نہایت مخلص اور پُرجوش مسلمان تھے۔ رمضان المبارک ۲ ہجری میں حق نے ان ۳۱۳ علمبرداروں میں شامل ہونے کا شرف حاصل کیا جو اصحابِ بدر کے لقب سے مشہور ہوئے اور جن کے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیئے گئے۔ غزوۂ بدر کے بعد انہوں نے غزوۂ اُحد میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا اور اسی غزوہ میں نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جان نثار کر دی۔

مشہور صحابیہ حضرت خنساءؓ بنت حزام الاسدیہ حضرت انیسؓ ہی کی اہلیہ تھیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

حضرت رفاعہؓ بن وقش انصاری

اَوس کے خاندان بنو عبدالاشہل کے ضعیف العمر بزرگوں میں سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے۔

رفاعہؓ بن وقش بن زغبہ بن زعورا بن عبدالاشہل

اُحُد کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک دوسرے بزرگ حضرت ابو حذیفہ حسیل الیمانؓ کے ساتھ مدینہ منورہ کے ایک بلند ٹیلے پر (یا قلعے میں) عورتوں اور بچوں کے ساتھ بٹھا دیا کیونکہ وہ بہت بوڑھے تھے۔ جب ہنگامۂ کارزار گرم ہوا تو دونوں کے دل میں آرزوئے شہادت چٹکیاں لینے لگی۔ ایک نے دوسرے سے کہا "لَاۤ اَبَ لَكَ (کلمۂ غیرت یعنی تیرا باپ مرے یا معلوم نہیں تیرا باپ کون ہے) دوسرے لوگ تو راہِ خدا میں اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں اور ہم جو چراغِ سحری ہیں یہاں بیٹھے ہیں۔" یہ کہہ کر دونوں تلواریں سونت کر میدانِ جنگ میں پہنچ گئے اور دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے۔ حضرت رفاعہؓ نے تو مشرکوں کے ہاتھ سے جام شہادت پیا اور جب ایک اتفاقی غلطی سے مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا تو حضرت حسیل الیمانؓ غلط فہمی کی بناء پر مسلمانوں ہی کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

حضرت مسعودؓ بن ربیع القاری

ان کا تعلّق بنی الھُون بن خُزَیمہ کے قبیلہ قارہ سے تھا اسی لیے انہیں قاری کہا جاتا ہے۔ ابوعمر کنیت تھی۔ والد کا نام بعض روایتوں میں ربیعہ بھی آیا ہے۔ نسب نامہ یہ ہے:

مسعود بن ربیع (یا ربیعہ) بن عمرو بن سعد بن عبد العزّٰی۔

حضرت مسعودؓ بن ربیع کا شمار ان جلیل القدر (غیر قریش) اصحاب میں ہوتا ہے۔ جو دعوتِ توحید کے بالکل ابتدائی دور میں سعادت اندوز ایمان ہوئے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت دارِ ارقم میں تشریف نہیں لے گئے تھے۔ حضور ﷺ نے صحابۂ کرامؓ کو ہجرت اِلَی المدینہ کا اِذن دیا تو وہ بھی دوسرے صحابہؓ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ چند ماہ بعد حضور ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے مابین عقد مؤاخاۃ قائم کرایا تو ان کو حضرت عبیدؓ بن التیہان انصاری کا دینی بھائی بنایا۔

حضرت مسعودؓ سیّد المرسلین ﷺ کے نہایت مخلص جاں نثاروں میں سے تھے اور راہِ حق میں ہر وقت سر بکف رہتے تھے۔ علّامہ ابنِ سعد رحمۃ اللہ کا بیان ہے کہ انہوں نے بدر، اُحُد، خندق اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں سرورِ عالم ﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا اور ہر معرکے میں سرفروشی کے جوہر دکھائے۔

حافظ ابنِ عبد البر رحمۃ اللہ کے قول کے مطابق حضرت مسعودؓ بن ربیع نے ۳۰ ہجری میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال سے کچھ اوپر تھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

حضرت سمُرہؓ بن جُندُب

(۱)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کا معمول تھا کہ آپ ﷺ بالعموم پندرہ برس سے کم عمر کے کسی لڑکے کو لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت مرحمت نہیں فرماتے تھے۔ شوال ۳ ہجری میں حضور ﷺ نے غزوۂ احد کی تیاری کی تو بڑی عمر کے صحابہؓ کے علاوہ انصار کے تمام لڑکے بھی آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور پرستارانِ باطل کے خلاف معرکہ آرا ہونے کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے ان تمام لڑکوں کو جن کی عمر کم از کم پندرہ سال کی تھی، لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت دے دی اور اس سے کم عمر کے لڑکوں کو واپس جانے کا حکم دیا۔ ان میں سے چودہ برس کی عمر کے ایک نونہال جن کا چہرہ جوشِ ایمان سے تمتمارہا تھا، اپنے آقا و مولا ﷺ کا حکم سن کر بجھ سے گئے تاہم انہوں نے ہمّت سے کام لیا اور بارگاہِ رسالت ﷺ میں عرض کیا:

> ''یارسول اللہ آپ ﷺ نے میرے ہجولی رافع بن خدیج کو لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت دے دی ہے حالانکہ میں اس سے طاقتور ہوں۔ اگر آپ کو یقین نہ ہو تو رافع سے میری کشتی کرا کر دیکھ لیں۔''

رافعؓ بن خدیج پندرہ برس کی عمر کو پہنچ چکے تھے اسی لیے انہیں لڑائی میں شریک

Marfat.com

ہونے کے قابل ٹھہرایا گیا تھا۔ اب جو حضور ﷺ نے اس چودہ سالہ لڑکے کو راہ حق میں لڑنے کے لیے اس قدر بے تاب پایا تو آپ ﷺ بہت متاثر ہوئے اور انہیں رافع رضی اللہ عنہ سے کشتی لڑنے کا حکم دیا۔ انہوں نے آناً فاناً رافع کو پچھاڑ دیا۔ حضور ﷺ نے یہ دیکھ کر انہیں بھی غزوہ میں شریک ہونے کی اجازت دے دی۔ اسلام کے یہ نوخیز فرزند جن کے دل میں جہاد فی سبیل اللہ کی اتنی تڑپ تھی کہ ہر صورت میں کُفّار کی طاغوتی قوت سے بھڑ جانا چاہتے تھے' حضرت سَمُرہ بن جُندُب تھے۔

(۲)

حضرت ابو عبد الرحمٰن سَمُرہ بن جُندُب کا شمار فضلاء صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے۔ وہ حلفائے انصار میں سے تھے اس لیے انصار ہی میں داخل ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

سَمُرہ رضی اللہ عنہ بن جُندُب بن ہلال بن حریج بن مراہ بن حزن بن جابر بن ذوالریاستین خشین بن لای بن عصیم بن شمخ بن فزارہ بن ذبیان بن بغیض بن ریث بن غطفان۔

حضرت سَمُرہ رضی اللہ عنہ ابھی کم سن ہی تھے کہ ان کے والد جُندُب بن ہلال کا انتقال ہو گیا۔ ان کی سکونت مدینہ کے ایک نواحی علاقے میں تھی۔ حضرت سَمُرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ خاوند کے انتقال کے بعد بچے کو ساتھ لے کر مدینہ آگئیں اور وہاں مری بن شیبان بن ثعلبہ سے اس شرط پر نکاحِ ثانی کر لیا کہ وہ ان کے ساتھ سمرہ رضی اللہ عنہ کی بھی کفالت کریں گے۔ چنانچہ حضرت سَمُرہ رضی اللہ عنہ نے مری بن شیبان ہی کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی۔ وہ بچپن ہی سے نہایت سلیم الطبع تھے' سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نزولِ اجلال فرمایا تو وہ فوراً شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً بارہ برس کی تھی۔

رمضان ۲ ہجری میں حضور ﷺ غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ

Marfat.com

محض اپنی کمسنی کی بناء پر آپ ﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل نہ کر سکے۔ غزوۂ احد میں بھی ان کی عمر پندرہ برس سے کم تھی لیکن جوش ایمان کا یہ عالم تھا کہ اپنے سے بڑی عمر کے ایک ہجولی کو کشتی میں پچھاڑ کر حضور ﷺ سے لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت حاصل کر لی۔ غزوۂ احد کے بعد عہد نبوی کے دوسرے تمام غزوات میں بھی بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ انہیں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت عقیدت اور محبت تھی۔ جب بھی موقع ملتا بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو جاتے اور فیضان نبوی سے خوب بہرہ یاب ہوتے۔ وہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بڑے غور سے سنتے اور انہیں یاد رکھتے تھے۔ اہلِ سِیَر کا بیان ہے کہ وہ معمولی سے معمولی بات میں بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِتباع کرتے تھے۔ مُسندِ احمد بن حنبل میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دو جگہ قدرے سکوت فرماتے تھے' ایک تکبیر کے بعد جب سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھتے دوسرے وَلَا الضَّآلِّيْنَ کے بعد جب آمین کہتے۔ حضرت سمرہؓ بھی اپنی نماز میں بعینہٖ اسی کے مطابق عمل کرتے تھے۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد ایک مرتبہ حضرت عمرانؓ بن حصینؓ نے انہیں اس طرح نماز پڑھاتے دیکھا تو ان سے اختلاف کیا۔ چونکہ وہ عمر میں حضرت سمرہؓ سے بڑے تھے اس لیے حضرت سمرہؓ نے حضرت عمرانؓ سے بحث و تکرار کرنا مناسب نہ سمجھا اور صرف اتنا کہا کہ آپ اُبیؓ بن کعب سے دریافت کر لیں۔ چنانچہ فقیہ انصار حضرت اُبیؓ بن کعب کو مدینہ خط لکھ کر اس مسئلہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب بھیجا کہ سمرہؓ ٹھیک سُنّتِ نبوی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

حضرت سمرہؓ کبھی علیل ہوتے تو اپنے مرض کا علاج بعض اوقات پچھنے لگوا کر کیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پچھنے لگواتے

Marfat.com

یکھا ہے۔

ایک مرتبہ انہوں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک خاص قسم کی تلوار ''حنیفیہ'' دیکھی تو خود بھی اسی قسم کی تلوار بنوائی اور ہمیشہ اپنے پاس رکھی۔

(۴)

حضرت عمرِ فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں بصرہ آباد ہوا تو حضرت سمرہؓ مدینہ منورہ سے بصرہ چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ۵۰ ہجری میں حضرت مغیرہؓ بن شعبہ والیِ کوفہ نے وفات پائی اور حضرت امیر معاویہؓ نے زیاد بن سمیہ والی بصرہ کو حکم دیا کہ وہ کوفہ کی ولایت بھی سنبھال لے۔ اس نے دونوں صوبوں کا نظم ونسق بطریقِ احسن چلانے کے لیے حضرت سمرہؓ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ وہ خود بصرہ میں ہوتا تو حضرت سمرہؓ کوفہ جا کر اس کی نیابت کے فرائض انجام دیتے۔ وہ کوفہ آتا تو حضرت سمرہؓ بصرہ چلے جاتے۔ یہ ادل بدل ہر چھ ماہ کے بعد ہوتا رہتا تھا۔

خوارج جن کا ظہور حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کے عہدِ خلافت میں ہوا تھا سخت فتنہ پرداز تھے۔ اگرچہ حضرت علیؓ نے جنگِ نہروان میں ان پر کاری ضرب لگائی تھی لیکن پھر بھی وہ آئے دن کوئی نہ کوئی نیا فتنہ برپا کرتے رہتے تھے۔ امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں بھی ان کی روش باغیانہ رہی۔ جب بھی موقع پاتے شورش برپا کر دیتے۔ بصرہ اور کوفہ ان کے بڑے مرکز تھے۔ زیاد اور حضرت سمرہؓ نے ان کے خلاف سخت رویہ اختیار کیا اور ان کا استیصال کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ علامہ ابنِ اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ''اُسد الغابہ'' میں لکھا ہے کہ حضرت سمرہؓ کے سامنے کوئی خارجی پیش کیا جاتا تو وہ اس کو موت کی سزا دیتے اور فرماتے کہ آسمان کے نیچے یہ سب سے بدتر مخلوق ہے کیونکہ یہ مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں اور (ناحق) خونریزی کرتے ہیں۔

حضرت سمرہؓ کی اس سخت روش کے باعث خوارج ان کے سخت دشمن تھے اور

Marfat.com

بَرملا ان کو برا کہتے تھے۔ ان کے جواب میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، ابنِ سیرینؒ اور بصرہ کے دوسرے اکابر علماء وصلحاء ان کی تعریف کرتے تھے اور خوارج کے اعتراضات کا جواب دیتے تھے۔

۵۳ ہجری میں زیاد کی وفات کے بعد بصرہ اور کوفہ دو جداگانہ صوبے قرار پائے اور دونوں کو الگ الگ گورنروں کے ماتحت کر دیا گیا۔ حضرت سَمُرۃؓ بصرہ کے گورنر مقرر ہوئے لیکن تقریباً ایک سال بعد ۵۴ھ میں امیر معاویہؓ نے انہیں اس عہدے سے سبکدوش کر دیا۔ اسی سال وہ سخت علیل ہو گئے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ ان کے جسم میں سردی سما گئی تھی جو کسی طرح دُور نہ ہوتی تھی۔ ایک دن سردی کی شدت ناقابلِ برداشت ہو گئی تو اپنے چاروں طرف آتش دانوں میں آگ جلوائی لیکن کچھ افاقہ نہ ہوا۔ پھر سخت بے چینی کے عالَم میں کھولتے ہوئے پانی کی دیگ پر بیٹھے۔ چکر جو آیا تو دیگ کے اندر گرم پانی میں گر گئے اور اسی صدمہ سے وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً چھیاسٹھ برس کی تھی۔ اولاد میں صرف دو لڑکوں سلیمان اور سعد کے نام معلوم ہیں۔

(۴)

حضرت سَمُرۃؓ بن جُندُب سے ایک سو تیئس احادیث مروی ہیں۔ انہیں حضرت سمرۃؓ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوعبیدۃؓ بن الجراح سے روایت کیا ہے۔ حضرت سمرۃؓ کے رُواۃ میں حضرت عمران بن حصینؓ، امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، ابنِ ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ، ابنِ سیرین رحمۃ اللہ علیہ، عبداللہ بن بریدہؓ، ابورجاء زید بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ اور ثعلبہ بن عباد رحمۃ اللہ علیہ کے اسماءِ گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سمرۃؓ کو زبردست قوّتِ حافظہ عطا کی تھی اور انہیں سینکڑوں

Marfat.com

احادیث یاد تھیں لیکن اکابر صحابہؓ کے ادب کی بناء پر ان کو روایت کرنے پر بہت محتاط تھے۔ مُسندِ احمد میں خود انہوں نے اپنی قلّتِ روایت کی توجیہ اس طرح کی ہے:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کچھ سنا ہے لیکن اس کو اکابر صحابہ کے ادب کی وجہ سے بیان نہیں کرتا۔ یہ اصحاب عمر میں مجھ سے بڑے ہیں۔ میں عہدِ رسالت میں کم عمر (لڑکا) تھا' تاہم حضور ﷺ سے جو کچھ سنتا تھا' یاد رکھتا تھا۔''

حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ مرویات کا ایک بڑا مجموعہ ان کے بیٹے کے پاس تھا۔ (تہذیب التہذیب)

ابنِ اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابنِ سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مذکورہ مجموعہ احادیث علم کے بہت بڑے حصہ پر مشتمل تھا۔ (اُسدُ الغابہ)

حافظ ابنِ عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاستیعاب'' میں لکھا ہے کہ حضرت سَمُرہؓ بن جندب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت روایت کرنے والے حُفّاظِ حدیث صحابہؓ میں سے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے خطبہ میں ایک حدیث بیان کی۔ حضرت ثعلبہ بن عباد رحمۃ اللہ علیہ بھی سامعین میں موجود تھے۔ ان کا بیان ہے کہ حضرت سَمُرہؓ نے یہ حدیث دوبارہ بیان کی تو الفاظ میں مطلق کوئی فرق نہیں تھا۔

حضرت سمرہؓ کبھی کوئی حدیث روایت کرتے اور کوئی شخص کسی شبہ کا اظہار کرتا تو وہ بڑی نرمی سے اس کا جواب دیتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ ﷺ کے سامنے ایک پیالہ پیش کیا گیا جس میں ثرید تھا۔ حضور ﷺ نے اس میں سے کچھ کھایا اور وہاں پر موجود لوگوں نے بھی کھایا۔ پھر اور لوگ بھی اس میں سے ظہر تک کھاتے رہے' ایک جماعت آتی اور کھا کر چلی جاتی پھر دوسری جماعت آتی اور اسی طرح کھا کر چلی جاتی

Marfat.com

...... یہ حدیث سن کر ایک شخص نے حضرت سمرہؓ سے پوچھا' کیا اس کھانے میں اضافہ کیا جاتا تھا؟ انہوں نے فرمایا' زمین سے تو کوئی اضافہ نہیں کیا جاتا تھا' البتہ آسمان سے اس میں اضافہ ہو رہا تھا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ کسی شخص نے ان سے دریافت کیا کہ کیا اس کھانے میں اور کھانا ڈالا جاتا تھا؟ انہوں نے فرمایا...... تو پھر تعجب کی کیا بات ہوئی؟ پھر آسمان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اس میں تو اضافہ وہاں سے ہوتا تھا۔

(مُسندِ احمد رحمۃ اللہ علیہ ...... البدایہ وَالنّہایہ لِابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ)

حافظ ابنِ عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت سمرہؓ بن جندب نہایت راست باز' امین اور اسلام کے خیر خواہ تھے...... (الاستیعاب)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مجھ پر خدمت اور حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' تمہاری ماں کا۔ میں پھر کہتا ہوں تمہاری ماں کا۔ میں پھر کہتا ہوں تمہاری ماں کا۔ اس کے بعد تمہارے باپ کا حق ہے۔ اس کے بعد جو تمہارے قریبی رشتہ دار ہوں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت سعدؓ بن مالک خُدری انصاری

(۱)

غزوۂ اُحُد (۳ ہجری) میں ایک انصاری صاحبؓ رسول ﷺ نے مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی تو ان کے اہلِ خانہ پر پیغمبری وقت آ پڑا کیونکہ شہید انصاری نے اپنے پیچھے کوئی جائداد نہیں چھوڑی تھی۔ جب نوبت فاقہ کشی تک پہنچی تو شہید انصاری کی بیوہ نے اپنے بارہ تیرہ سالہ فرزند سے کہا' بیٹے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جاؤ' آپ ﷺ نے فلاں شخص کو آج کچھ مرحمت فرمایا ہے تمہیں بھی ضرور کچھ نہ کچھ عطا فرمائیں گے۔ صاحبزادے ماں کے حکم کی تعمیل میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضور ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ خطبہ کے دوران میں آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص تنگدستی میں صبر کرے گا اور کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے بجائے اللہ تعالیٰ پر توکّل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو غنی کردے گا۔ صاحبزادے نے حضور ﷺ کا ارشاد سنا تو دل میں خیال کیا کہ میرے پاس ایک اونٹنی موجود ہے پھر دست سوال دراز کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے اسی پر اکتفا کروں گا۔ یہ سوچ کر بغیر کچھ مانگے گھر واپس آ گئے۔ خدا کی قدرت' لسانِ رسالت سے جو کچھ نکلا تھا وہ...... یوں پورا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے

Marfat.com

شہیدِ راہِ حق انصاری کے یتیم فرزند پر بابِ رزق کھول دیا اور تھوڑے ہی عرصے میں وہ اس قدر آسودہ حال ہو گئے کہ انصار کے بہت کم لوگ ان کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتے تھے۔ یہ سعادت مند انصاری نونہال جن کا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ مقدسہ پر اس قدر پختہ ایمان تھا کہ انہوں نے سائل بننے کے بجائے صابر بننے کو ترجیح دی' حضرت سعدؓ بن مالکؓ تھے جو تاریخ میں اپنی کنیت اور خاندان کی نسبت سے ابوسعید خُدریؓ مشہور ہیں۔

(۲)

سیّدنا حضرت ابوسعید سعد بن مالک خُدریؓ کا شمار بڑے عظیم المرتبت صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق خزرج کے خاندان خدرہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

ابوسعید سعدؓ بن مالکؓ بن سنان بن عبید بن ثعلبہ بن الجبر (خدرہ) بن عوف بن حارث بن خزرج۔

مالکؓ بن سنان نے ہجرتِ نبوی سے کافی عرصہ پہلے خاندان عدی بن نجّار کی ایک بیوہ انیسہؓ بنتِ ابی حارثہ سے نکاح کیا تھا' حضرت ابوسعیدؓ اسی خاتون کے بطن سے مدینہ منورہ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے دس سال قبل پیدا ہوئے۔ بیعتِ عقبہ اولیٰ وثانیہ کے بعد مدینہ کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا پھیل گیا۔ مالکؓ بن سنان اور انیسہؓ بنتِ حارثہ دونوں میاں بیوی کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ ان کے کان جونہی صدائے توحید سے آشنا ہوئے انہوں نے کسی تامّل کے بغیر اس پر لبیک کہا۔ فرزندِ سعادت مند نے بھی ماں باپ کی پیروی کی۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزولِ اجلال کے وقت یہ پورا خاندان نہ صرف دولتِ ایمان سے بہرہ یاب تھے بلکہ ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری عقیدت اور محبت کے جذبے سے بھی سرشار تھا۔ ہجرت کے پہلے سال مسجدِ نبوی کی

Marfat.com

تعمیر کا آغاز ہوا تو حضرت ابوسعیدؓ نے اپنے والدِ گرامی کے ساتھ تعمیر سے متعلق تمام کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

غزوۂ اُحد (۳ ہجری) کے موقع پر حضرت مالکؓ بن سنان اور حضرت ابوسعیدؓ بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ لڑائی میں شریک ہونے کے لیے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ عام طور پر حضور ﷺ پندرہ برس سے کم عمر کے کسی لڑکے کو لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ چونکہ حضرت ابوسعیدؓ کی عمر صرف تیرہ برس کی تھی اس لیے آپ ﷺ نے انہیں واپس جانے کا حکم دیا۔ حضرت مالکؓ نے فرزندِ دلبند کے ہاتھ پکڑ کر حضور ﷺ کو دکھائے اور عرض کیا:

''یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان' ابوسعید کے ہاتھ تو پورے مرد کے ہیں۔'' تاہم حضور ﷺ نے انہیں جنگ میں شرکت کرنے کی اجازت نہ دی اور وہ ارشادِ نبوی کی تعمیل میں میدانِ جنگ سے واپس چلے گئے۔ حضرت مالکؓ بن سنان سربکف ہو کر لڑے اور شجاعت کا حق ادا کر دیا۔ لڑائی کے دوران میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے انور زخمی ہوا تو حضرت مالکؓ بے تاب ہو گئے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر چہرۂ اقدس سے ٹپکنے والا خون اپنے ہاتھوں پر لیا اور ادب کے خیال سے اسے زمین پر پھینکنے کے بجائے پی گئے۔ حضور ﷺ نے ان کی اس ادائے عاشقانہ کو دیکھا تو فرمایا' جو شخص کسی ایسے آدمی کو دیکھنا چاہے جس کے خون میں میرے خون کی آمیزش ہو تو وہ مالکؓ بن سنان کو دیکھے۔

اس کے بعد حضرت مالکؓ تلوار چلاتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور مردانہ وار لڑتے ہوئے رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت ابوسعیدؓ اور ان کی والدہ کو سخت عسرت کا سامنا کرنا پڑا لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے حالات بدل دیے اور وہ آسودہ حال ہو گئے۔

Marfat.com

(۴)

حضرت ابو سعید خُدریؓ، سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل و جان سے شیدائی تھے۔ اکثر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے اور براہِ راست فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت اچھا حافظہ عطا کیا تھا۔ لسانِ رسالت سے جو کچھ سنتے اسے دماغ میں محفوظ کر لیتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ علمائے انصار و مہاجرین سے بھی بڑے ذوق و شوق سے علم حاصل کرتے تھے۔ اس طرح آہستہ آہستہ حدیث و فقہ کے بہت بڑے عَالِم بن گئے۔ شوقِ علم کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کا بھی بہت شوق تھا۔ کوشش کرتے تھے کہ کسی غزوے میں پیچھے نہ رہیں۔ شعبان ۵ ھ میں سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنو مُصطلِق کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت ابو سعیدؓ نے بھی آپ ﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد غزوۂ احزاب میں سرفروشانہ حصہ لیا۔ اس غزوہ میں سید الاوس حضرت سعدؓ بن معاذ کو شدید زخم آیا۔ اس زخم کی وجہ سے انہوں نے چند دن بعد وفات پائی تو ان کی قبر کھودنے کی خدمت حضرت ابو سعیدؓ نے انجام دی۔ ان کا بیان ہے کہ جب میں سعدؓ بن معاذ کی قبر کھود رہا تھا تو واللہ مجھے اس میں سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔

ذیقعدہ ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت ابو سعید خدریؓ کو ان چودہ سو سرفروشوں میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا جنہوں نے سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر موت کی بیعت کی اور جن کی یہ ادائے سرفروشی اللہ تعالیٰ کو ایسی پسند آئی کہ اس نے کھلے لفظوں میں ان سب کو اپنی خوشنودی کی بشارت دی۔

حدیبیہ کے بعد حضرت ابو سعیدؓ نے غزوۂ خیبر میں حضور ﷺ کی ہمرکابی کی سعادت حاصل کی اور لڑائی میں اپنی جانبازی کے جوہر دکھائے۔

صفر ۸ ہجری میں سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت غالبؓ بن عبداللہ لیثی کو

Marfat.com

دو سَو مجاہدین دے کر بنو مصاب کی سرکوبی کے لیے فدک کی طرف بھیجا۔ ان مجاہدین میں حضرت ابو سعیدؓ بھی شامل تھے۔ حضرت عبداللہؓ نے تمام مجاہدین کو تاکید کی کہ خبردار متفرق نہ ہونا اور ایک دوسرے کا خیال رکھنا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے تمام مجاہدین میں رشتۂ مُواخاۃ قائم کرادیا۔ حضرت مُحَیِّصَہؓ بن مسعود انصاری، حضرت ابو سعیدؓ کے بھائی بنائے گئے۔ مجاہدین نے بنو مصاب کو عبرتناک شکست دی اور بہت سامالِ غنیمت لے کر واپس آئے۔

رمضان ۸ھ میں حضرت ابو سعیدؓ دس ہزار جانبازوں پر مشتمل اس فوجِ الٰہی میں شریک ہوئے جو فتحِ مکّہ کے موقع پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھی۔ اس کے بعد انہوں نے حنین اور اوطاس کے معرکوں میں دادِ شجاعت دی اور پھر غزوۂ تبوک (۹ھ) کے پُرصُعوبت سفر میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ علامہ ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ غزوۂ تبوک سے پہلے حضرت ابو سعیدؓ ربیع الآخر ۹ھ میں سریۂ علقمہؓ بن مجزز المدلجی میں بھی شریک ہوئے۔ اس سریّہ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علقمہؓ کو تین سَو آدمی دے کر حبشہ کے ان بحری ڈکیتوں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا جو ساحلِ جدّہ پر چھاپے مارتے رہتے تھے۔ حبشی ڈکیتوں کو مقابلے کی ہمت نہ پڑی اور وہ اسلامی لشکر کو دیکھتے ہی بھاگ گئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اس سریّہ کے امیر حضرت عبداللہؓ بن حُذافہ سہمی تھے۔ (ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ قائدِ مہم حضرت علقمہؓ نے لشکر کے ایک حصے پر حضرت عبداللہ بن حُذافہ کو امیر مقرر کیا تھا۔) حضرت عبداللہؓ نے ازراہِ مذاق یا کسی بات پر ناراض ہوکر اپنے ساتھیوں کو آگ میں کودنے کا حکم دیا۔ بعض مجاہدین اس پر تیار ہوگئے اور بعض نے یہ حکم ماننے میں تامّل کیا۔ تاہم حضرت عبداللہؓ نے جلد ہی اپنا حکم واپس لے لیا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس واقعہ کا ذکر آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے فرمایا: تم لوگ اگر آگ میں داخل ہو جاتے تو کبھی نہ نکلتے' امیر کی اطاعت تو ''اچھی بات'' میں ہوتی ہے۔''

اسی زمانے میں ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس آدمیوں کو ایک مہم پر روانہ کیا ان میں حضرت ابوسعید خُدریؓ بھی شامل تھے (بقول امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوسعید خدریؓ اس مہم کے امیر تھے۔) مجاہدین نے راستے میں ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا اور قریب کی ایک بستی کے لوگوں کو پیغام بھیجا کہ ہم تمہارے مہمان ہیں۔ ان لوگوں نے کسی بنا پر میزبان بننے میں عذر کیا۔ اتفاق سے اسی دن بستی کے سردار کو ایک زہریلے بچھو نے کاٹ لیا۔ لوگوں نے دوا دارو کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا اور اس کی تکلیف بڑھتی ہی گئی' ناچار وہ مجاہدین کے پڑاؤ میں پہنچے اور دریافت کیا کہ کسی کو بچھو کاٹے کا علاج معلوم ہے؟ حضرت ابوسعید خُدریؓ نے فرمایا' میں اس کا علاج جانتا ہوں لیکن تمہیں اس کے عوض تیس بکریاں دینی ہوں گی' انہوں نے منظور کرلیا۔ حضرت ابوسعید بستی میں گئے اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر مریض پر دم کیا اور پھر اس کے زخم پر تھوک دیا۔ وہ شخص بالکل چنگا بھلا ہو گیا۔ ان لوگوں نے اپنے عہد کے مطابق تیس بکریاں پیش کردیں۔ مہم سے مدینہ منورہ واپس آکر بعض صحابۂ کرامؓ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا اور دریافت کیا کہ ''یارسول اللہ! اس طرح بکریاں لینا ہمارے لیے جائز ہے؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متبسم ہو کر فرمایا ''تم کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کی برکت سے ایسی تکلیف رفع ہو جاتی ہے۔'' پھر فرمایا' جو کچھ تم نے کیا ہے۔ اب ان بکریوں کو آپس میں تقسیم کرلو اور میرا بھی حصہ لگانا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خُدریؓ نے عہدِ رسالت کے بارہ غزوات میں شریک ہونے کا شرف حاصل کیا۔ حجۃ الوداع میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

Marfat.com

ہمرکاب تھے۔

(۴)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوسعید خُدریؓ نے اپنی ساری زندگی مدینہ منورہ ہی میں گزاری اور کسی خاص ضرورت کے سوا کبھی مدینہ منورہ سے باہر نہیں گئے۔ مُسندِ احمد بن حنبل میں ہے کہ حضرت ابوسعید خُدریؓ نے مدینہ منورہ میں ایک حلقہٴ درس قائم کر رکھا تھا جو ہر وقت شائقینِ علم سے معمور رہتا تھا' اگر کوئی شخص کسی خاص مسئلہ پر تنہائی میں گفتگو کرنا چاہتا تو اس کو کافی دیر تک انتظار کرنا پڑتا۔

حضرت ابوسعیدؓ پورے دس برس تک نبوت کے چشمہٴ علم وعرفان سے سیراب ہوئے تھے اس لیے وہ معدنِ فضل وکمال بن گئے تھے۔ خلفائے راشدینؓ بھی ان کے کمالِ علمی کے معترف تھے۔ چنانچہ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں حضرت ابوسعیدؓ فتوی دیا کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' تمہارے اندر ایک ایسی قوم پیدا ہوگی جن کے اعمال کے مقابلے میں تم لوگ اپنی نماز اور روزے حقیر سمجھنے لگو گے لیکن وہ لوگ قرآن کی تلاوت تو کیا کریں گے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا' دین وایمان سے وہ لوگ اس طرح بے بہرہ ہوں گے جیسے تیر شکار میں سے نکل جاتا ہے۔ تیر مارنے والا تیر کو اور اس کی تانت کو دیکھتا ہے پھر اس کو تانت میں شک ہونے لگتا ہے کہ شاید اس میں کچھ خون لگ گیا ہو"۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے عہدِ خلافت میں خوارج نے سر اٹھایا تو حضرت ابوسعید خُدریؓ نے برملا اس حدیثِ مبارک کا اطلاق خوارج پر کیا اور جنگِ نہروان میں بڑے جوش وجذبے کے ساتھ خوارج کے خلاف لڑے۔

Marfat.com

امام جلال الدّین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تاریخ الخلفاء'' میں لکھا ہے کہ ۶۰ھ میں یزید نے سیّدنا حضرت حسینؓ سے اپنی بیعت کا مطالبہ کیا تو انہوں نے حجاز کا قیام ترک کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اس موقع پر حضرت ابوسعید خُدریؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ نے انہیں مشورہ دیا کہ آپ ارضِ حجاز ہی میں مقیم رہیں لیکن انہوں نے بوجوہ یہ مشورہ قبول نہ کیا۔ شعبان ۶۰ھ میں اہل وعیال سمیت مدینہ منورہ سے مکّہ معظمہ چلے گئے اور پھر کچھ عرصہ بعد وہاں سے عازم عراق ہوئے جہاں ۱۰ محرّم ۶۱ھ کو کربلا کا واقعہ ہائلہ پیش آیا۔

سانحۂ کربلا کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکّہ معظّمہ میں عَلَم خلافت بلند کیا۔ حجاز کے اکثر لوگوں نے بلا تامّل ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی کیونکہ وہ نہایت ہی نیک سیرت بزرگ تھے۔ حضرت ابوسعید خُدریؓ بھی ان لوگوں میں شامل تھے ۶۳ھ میں حَرّہ کا دلدوز واقعہ پیش آیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ اہلِ مدینہ نے یزید کی بیعت فسخ کردی اور اس کی اطاعت سے انکار کردیا۔ یزید نے مسلم بن عقبہ فہری کو بارہ ہزار فوج دے کر اہلِ مدینہ کو مطیع کرنے کے لیے بھیجا۔ اہلِ مدینہ نے حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ انصاری غسیل الملائکہ کی قیادت میں شامی لشکر کا پُرزُور مقابلہ کیا لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔ حضرت عبداللہؓ اور ان کے بیسیوں رفقاء مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔ شامی فوج نے مدینہ منورہ میں داخل ہوکر تین دن تک لوٹ مار اور قتل وغارت کا بازار گرم رکھا۔ حضرت ابوسعیدؓ نے داروگیر سے بچنے کے لیے قریبی پہاڑ کے ایک غار میں پناہ لی۔ ایک شامی سپاہی تعاقب کرتا ہوا وہاں بھی پہنچ گیا اور ان کو قتل کرنے کے لیے تلوار سونت لی۔ حضرت ابوسعیدؓ نے مقابلہ کے لیے تلوار نیام سے نکالی لیکن پھر کچھ سوچ کر اسے زمین پر ڈال دیا اور یہ آیت پڑھی:

لَئِنْ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ

Marfat.com

لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ (سورۃ المائدہ آیت ۲۸)
(اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے مجھ پر ہاتھ اٹھائے گا تو میں تجھ کو قتل کرنے کے لیے تجھ پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ مجھے تو اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔)

شامی سپاہی یہ آیت سن کر ہٹ گیا اور کہا' خدا کے لیے بتایئے آپ کون ہیں؟ جواب دیا ''ابوسعید خُدری'' بولا ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی؟ فرمایا' ''ہاں......'' یہ سن کر چپکے سے چلا گیا۔

حضرت ابوسعیدؓ غار سے نکل کر شہر آئے تو شامیوں نے پکڑ لیا اور اپنے امیر کے پاس لے گئے۔ اس نے زبردستی یزید کی خلافت پر بیعت لی۔ اس واقعہ کے گیارہ برس بعد ۷۴ھ میں حضرت ابوسعید خُدریؓ نے پیک اجل کو لبیک کہا۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۸۶ برس کی تھی۔ انہوں نے اپنے پیچھے دو بیویاں اور تین لڑکے چھوڑے۔ بیویوں کے نام زینب بنت کعبؓ بن عجرہ اور اُمّ عبداللہ تھے۔ بیٹوں کے نام عبدالرحمٰن' حمزہ اور سعید تھے۔

(۵)

حضرت ابوسعید خُدریؓ کا شمار فقہائے صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ ان سے ۱۱۷۰ احادیث مروی ہیں۔ ان سے سماعِ حدیث کرنے والوں میں متعدد جلیل القدر صحابہؓ اور تابعین شامل ہیں۔ ان میں سے کچھ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت زیدؓ بن ثابت' حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت انسؓ بن مالک' حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ، حضرت ابوقتادہؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت ابوالطفیلؓ، حضرت سعیدؒ بن مُسیّبؒ، حضرت طارق بن شہابؒ، مجاہد بن جبیرؒ، عطاء بن ابی رباحؒ وغیرہم۔

Marfat.com

حدیث بیان کرنے میں بے حد محتاط تھے اور کوشش کیا کرتے تھے کہ حدیث ہو بہو انہی الفاظ میں بیان کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے تھے۔ اگر الفاظ میں شک ہوتا تو ان کو حضور ﷺ سے منسوب نہیں کرتے تھے اور حدیث کا مفہوم بیان کر دیا کرتے تھے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کے صحیفہ اخلاق میں حق گوئی، بُردباری، تحمل، سادگی، انکسار اور اتباعِ رسولؐ کے ابواب بڑے روشن ہیں۔ حق بات کہنے میں کسی کی رُورعایت نہیں کرتے تھے۔ مُسندِ احمد بن حنبل میں ہے کہ امیر معاویہؓ کے عہد میں بعض ایسی باتیں پیدا ہوگئی تھیں جو حضرت ابوسعیدؓ کے نزدیک دینی نقطۂ نگاہ سے پسندیدہ نہیں تھیں۔ وہ مدینہ منورہ سے طویل سفر کر کے دمشق گئے اور ان تمام باتوں سے امیر معاویہؓ کو آگاہ کیا۔

ایک مرتبہ مروان بن الحکم کے سامنے فضیلتِ صحابہؓ کے بارے میں ایک حدیث بیان کی، اس نے انہیں جھٹلایا۔ اتفاق سے حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت رافعؓ بن خدیج بھی وہاں تشریف رکھتے تھے۔ حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا، تم ان سے پوچھ سکتے ہو کہ یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں لیکن میں نہیں کہہ سکتا تمہاری موجودگی میں وہ میری تصدیق کریں گے۔ مروان کو ان کی یہ بات ناگوار گزری اور اس نے مارنے کو دُرّہ اٹھایا۔ اس وقت دونوں بزرگوں نے حضرت ابوسعیدؓ کی تصدیق کی۔

ایک مرتبہ ایک جنازے کے ساتھ جا رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ مروان بیٹھا ہوا تھا۔ جنازہ اس کے سامنے سے گزرا تو وہ اپنی نشست سے نہ اٹھا۔ حضرت ابوسعیدؓ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا، اے امیر! جنازہ کے لیے اٹھ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنازے کے لیے اٹھتے دیکھا ہے۔ یہ سن کر وہ فوراً کھڑا ہو گیا۔ مروان کے عہدِ حکومت میں ایک دن عید کی نماز پڑھنے گئے تو دیکھا کہ مروان

Marfat.com

نے منبر نکلوایا اور نماز سے پہلے خطبہ پڑھا۔ ایک شخص نے اٹھ کر ٹوکا کہ یہ دونوں باتیں سُنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہیں۔ مروان نے کہا' اگلا طریقہ متروک ہو چکا ہے۔ حضرت ابو سعیدؓ نے فرمایا' خواہ تم سُنّت پر عمل کرو یا نہیں اس شخص نے اپنا فرض ادا کر دیا' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص کوئی خلافِ شرع کام یا بری بات دیکھے تو اس کو ہاتھ سے دفع کرے اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روکے اور یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو کم از کم دل سے ضرور برا سمجھے۔

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ کی غیر حاضری میں ان کی مسجد میں لوگوں کو نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد بعض لوگوں نے ان کے طریقہ نماز پر اعتراض کیا۔ انہوں نے منبر کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا' میں نے اسی طرح نماز پڑھائی ہے جس طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھاتے دیکھا ہے۔ تم لوگ اگر اس پر اعتراض کرتے ہو تو کرتے رہو' مجھے اس کی بالکل پروا نہیں۔

ایک مرتبہ پاؤں میں شدید درد ہوا۔ تکلیف کی وجہ سے پاؤں پر پاؤں رکھ کر لیٹ گئے۔ ان کے بھائی نے انہیں اس حالت میں دیکھا تو اسی پاؤں پر زور سے ہاتھ مارا جس میں درد تھا۔ اس سے انہیں بہت تکلیف ہوئی لیکن غصے میں آنے کے بجائے بڑی نرمی سے کہا' تمہیں معلوم بھی تھا کہ میرے پاؤں میں درد ہے' پھر بھی تم نے اس پر ہاتھ مار کر مجھے تکلیف پہنچائی۔ انہوں نے کہا' شاید آپ کو یاد نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح (پاؤں پر پاؤں رکھ کر) لیٹنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ سن کر بالکل خاموش ہو گئے۔

ایک دفعہ ان کے ایک شاگرد حضرت ابو سلمہؓ بن عبدالرحمٰنؒ نے آ کر کہا کہ ذرا میرے ساتھ باغ تک چلیے آپ سے کوئی بات کرنی ہے۔ اپنی جلالتِ قدر کے باوجود وہ حضرت ابو سلمہؓ کے ساتھ ہو لیے۔

Marfat.com

مُسندِ احمد میں ہے کہ یتیموں پر بے حد شفیق تھے اور جو کچھ بھی بس میں ہوتا ان کی اعانت کے لیے ضرور کرتے۔ بعض یتیم بچوں کی پرورش اور ان کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا۔

اپنے ہر قول و فعل میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِتباع کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ کے دستِ مبارک میں کھجور کی پتلی چھڑی دیکھی تھی' چنانچہ وہ بھی اپنے ہاتھ میں ایسی ہی چھڑی لے کر چلا کرتے تھے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

چھٹی صدی ہجری کے مجاہد اعظم

سلطان نورالدین محمود زنگی

مؤلف: طالب الہاشمی

سلطان نورالدین زنگی کو بعض مؤرخین نے خلفائے راشدین کے بعد تمام فرمانروایان اسلام میں اس کو بہتر قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بے مثل اوصاف و محاسن سے نوازا تھا۔ وہ ہمیشہ کتاب و سنت پر عمل کرنے اور خلفائے راشدین کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتا تھا۔

طٰہٰ پبلی کیشنز

19۔ ملک جلال دین (وقف) بلڈنگ چوک اُردو بازار لاہور

فون: 042-36120422 موبائل فون: 0333-4470509

Marfat.com

حضرت عُقبہؓ بن عامر انصاری

عامر بن نابی بن زید حرام کے فرزند تھے اور خزرج کے خاندان بنی حرام بن کعب سے تھے۔ وہ انصار کے ان چھ قدیم الاسلام بزرگوں میں سے ہیں جو سب سے پہلے ۱۱ بعدِ بعثت میں مکہؔ جا کر شرفِ اسلام اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے بہرہ ور ہوئے۔ حضرت عقبہؓ نے ۱۲ بعدِ بعثت میں دوبارہ مکہؔ جا کر حضور پُر نور ﷺ کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ عقبہؓ بڑے جری اور بہادر آدمی تھے اور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت مخلص شیدائی تھے۔ سب سے پہلے غزوۂ بدر میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔ پھر غزوۂ اُحُد میں اس شان سے شریک ہوئے کہ آہنی خود پر سبز عمامہ سجا رکھا تھا اور دور سے نمایاں معلوم ہوتے تھے۔ اُحُد کے بعد احزاب اور دوسرے مشاہدِ نبوی میں بالالتزام حاضر رہے اور ہر معرکے میں سربکف ہو کر لڑے۔ حضرت ابوبکر صدّیقؓ کے عہدِ خلافت میں فتنۂ رِدّہ کو فرو کرنے میں پُرجوش حصہ لیا اور اسی سلسلہ میں مُسیلمہ کذّاب کے خلاف یمامہ کی خونریز جنگ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہادت پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

حضرت فُضالہؓ بن عُبَید انصاری

(۱)

۵۳ ہجری میں ایک صاحبِ رسول ﷺ نے دمشق میں وفات پائی تو خلیفۂ وقت حضرت امیر معاویہؓ فرطِ غم سے نڈھال ہو گئے۔ بادیدۂ گریاں فوت ہونے والے صاحبِ رسول ﷺ کے گھر تشریف لے گئے۔ خود جنازہ اٹھایا اور ان کے صاحبزادے سے فرمایا:

''بیٹے میری مدد کرو کیونکہ اب کسی ایسی عظیم ہستی کا جنازہ اٹھانے کا موقع کبھی نہیں ملے گا۔''

یہ صاحبِ رسول ﷺ جن کی وفات پر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبِ وحی، عرب کے مُدَبِّرِ اعظم اور دنیائے اسلام کے فرمانروا نے اس قدر غم کا اظہار کیا اور ان کی جلالتِ قدر کا برملا اعتراف کیا، حضرت فضالہؓ بن عُبَید انصاری تھے۔

(۲)

حضرت ابو محمد فضالہؓ بن عبید کا تعلق قبیلہ اوس کے خاندان عمرو بن عوف سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

فضالہؓ بن عبید بن نافذ بن قیس بن صہیب بن اصرم بن جحجبی بن کلفۃ بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس

Marfat.com

والدہ کا نام عقبہؓ بنتِ محمد بن عقبہ بن الجلاج تھا۔ انہیں بھی قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت فضالہؓ کے والد عبید بن نافذ اپنے قبیلے کے روٴسا میں سے تھے۔ وہ بڑے شہ زور اور بہادر آدمی تھے۔ ایک پتھر دوسرے پر اس زور سے مارتے کہ چنگاریاں نکلنے لگتیں۔ شہسواری کا یہ عالم تھا کہ گھڑ دوڑ میں سب سے آگے نکل جاتے تھے۔ اوس اور خزرج کی باہمی لڑائیوں میں ہمیشہ نمایاں رہتے۔ صاحبِ سیف ہونے کے ساتھ صاحبِ ذوق بھی تھے اور نہایت اچھے شعر کہہ لیتے تھے۔ انہوں نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا اور ہجرتِ نبوی سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔ بیعتِ عقبہ اولیٰ (۱۱ نبوت) کے بعد مدینہ منورہ میں اسلام کا چرچا پھیلا تو نوجوان فضالہؓ اور ان کی والدہ نے بلا تامل دعوتِ توحید پر لبیک کہا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد جب مدینہ منورہ میں نزولِ اجلال فرمایا تو حضرت فضالہؓ نے دوسرے انصار کے ہمراہ والہانہ ذوق و شوق سے آپ ﷺ کا استقبال کیا لیکن حق و باطل کے معرکہ اوّل ''غزوہٴ بدر'' میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔ سب سے اوّل غزوہٴ اُحد میں اپنی تلوار کے جوہر دکھائے۔ اس کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ ذیقعدہ ۶ ہجری میں انہیں بیعتِ رضوان میں شریک ہونے کی سعادتِ عظیم بھی حاصل ہوئی۔

سنہ ۱۱ ہجری میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں شام کی معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا تو حضرت فضالہؓ بھی جہاد فی سبیل اللہ کے لیے اسلامی لشکر میں شامل ہو کر شام پہنچ گئے اور رومیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔

حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں پورے شام پر مسلمانوں کا استیلا

Marfat.com

ہو گیا تو امیر المومنین نے حضرت عمروؓ بن العاص کو مصر کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم دیا۔ حضرت فضالہؓ مصر جانے والے مجاہدین میں شامل ہو گئے اور وہاں کی فتوحات میں شروع سے اخیر تک بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ مصر کی تسخیر کے بعد حضرت فضالہؓ واپس شام آ گئے اور دمشق میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ مُسندِ احمد بن حنبلؒ میں ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے ایک مکان بنوا کر ان کی نذر کیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ یہ مکان انہوں نے خود بنوایا۔ بہرصورت وہ دمشق میں اقامت اختیار کرنے کے بعد ہمہ تن درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔

(۳)

حضرت عثمان ذُوالنُّورینؓ کے عہدِ خلافت میں دمشق کے عہدۂ قضا پر حضرت ابوالدّرداء انصاریؓ فائز تھے۔ ۳۲ ہجری میں وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو والیِ شام حضرت امیر معاویہؓ نے ان سے پوچھا کہ آپ کا جانشین کسے بنایا جائے؟ انہوں نے فرمایا' فضالہؓ بن عبید کو۔ چنانچہ حضرت ابوالدّرداءؓ کی وفات کے بعد امیر معاویہؓ نے حضرت فضالہؓ کو دمشق کا قاضی مقرر کر دیا۔

حضرت امیر معاویہؓ کے نزدیک حضرت فضالہؓ بڑی قدر و فضیلت کے حامل تھے اور وہ ان کو بہت مانتے تھے۔ ۳۷ھ میں جنگِ صفّین کے لیے دمشق سے روانہ ہوئے تو حضرت فضالہؓ کو اپنا جانشین بنایا۔ حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ اس موقع پر امیر معاویہؓ نے حضرت فضالہؓ کو مخاطب کر کے یہ الفاظ کہے:

"میں نے آپ کو اپنا جانشین نہیں بلکہ جہنّم کے مقابلہ میں سپر بنایا ہے۔"

امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں رومیوں سے معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا تو ۴۹ھ میں حضرت فضالہؓ نے ایک اسلامی لشکر کی قیادت کی اور ایک رومی شہر فتح کر کے بہت سامالِ غنیمت حاصل کیا' ان میں بہت سے رومی قیدی بھی شامل تھے۔

Marfat.com

امام احمدؒ بن حنبلؒ کے بیان کے مطابق روم کے خلاف ایک مہم میں امیر معاویہؓ نے حضرت فضالہؓ بن عبید کو اسلامی لشکر کا سپہ سالار بنایا تھا۔ اسی زمانے میں انہوں نے جزیرہ قبرص پر بھی حملہ کیا۔ مُسندِ احمد کی ایک اور روایت میں ہے کہ غزوۂ روم کے دوران میں ایک مجاہد نے وفات پائی تو حضرت فضالہؓ نے حکم دیا کہ ان کی قبر زمین کے برابر بنائی جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو اسی طرح قبر بنانے کا حکم دیتے تھے۔ میدانِ کارزار میں جن مسلمانوں نے جامِ شہادت پیا حضرت فضالہؓ نے ان سب کی قبریں بھی اسی طرح بنوائیں۔ اس میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ مسلمانوں کے جانے کے بعد رومی ان قبروں کی بے حرمتی نہ کریں۔

اس مہم سے واپسی کے بعد امیر معاویہؓ نے انہیں طرسوس اور بلادِ روم کے مابین علاقہ درب کا عامل مقرر کیا جہاں انہوں نے کچھ عرصہ تک اپنے فرائض نہایت حسن وخوبی سے انجام دیے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فضالہؓ نے کچھ عرصہ مصر میں بھی امارت کے فرائض انجام دیے لیکن ان روایتوں میں ان کے امارتِ مصر کے زمانہ کی تصریح نہیں کی گئی، البتہ یہ پتا ضرور چلتا ہے کہ لوگ سماعت حدیث کے لیے دور دراز سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ان کی زندگی نہایت سادہ اور ہر قسم کے تکلف اور نمود ونمائش سے پاک تھی۔ تن آسانی ان کو چھو کر بھی نہیں گئی تھی۔ کبھی کبھی ننگے پاؤں ہی گھر سے نکل کھڑے ہوتے تھے۔ دین اور دنیا کے ہر کام میں ہمیشہ اسوۂ نبیؐ کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کبھی کبھی ننگے پیر رہنے کا حکم بھی دیا ہے۔ اسی لیے میں وقتاً فوقتاً برہنہ پا ہو جاتا ہوں۔

۵۳ھ میں دمشق میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ قبر اب بھی دمشق میں موجود ہے۔ اولاد میں صرف ایک بیٹے عبداللہ کا نام معلوم ہے۔

Marfat.com

حضرت فضالہؓ سے پچاس حدیثیں مروی ہیں جوانہوں نے رسولِ اکرم ﷺ حضرت عمرِ فاروقؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت کی ہیں۔ ان کے راویوں میں حنش صنعانیؒ، عبدالرحمٰن بن جبیرؒ، علی بن رباحؒ، محمد بن کعب القرظیؒ، عبداللہ بن عامرؒ، میسرۃؒ اور ابویزید خولانیؒ کے اسماءِ گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں زنا کرتا کوئی زنا کار جس وقت وہ زنا کرتا ہے اور وہ اس وقت مومن ہو اور نہیں چوری کرتا کوئی چور جبکہ وہ چوری کرتا ہے اور وہ اس وقت مومن ہو اور نہیں شراب پیتا کوئی شرابی جبکہ وہ شراب پیتا ہے اور وہ اس وقت مومن ہو اور نہیں لوٹتا لوٹ کا کوئی مال کہ لوگ اس کی طرف آنکھیں اٹھا اٹھا کر اس کی لوٹ مار کو دیکھتے ہوں جبکہ وہ لوٹتا ہے اور وہ اس وقت مومن ہو اور نہیں خیانت کرتا خیانت کرنے والا جبکہ وہ خیانت کرتا ہے اور وہ اس وقت مومن ہو۔ پس (ان خلاف ایمان باتوں سے) اپنے کو بچاؤ بچاؤ۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت مخیریقؓ

یہودِ مدینہ اوس اور خزرج کو نبی آخرالزّماں صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر دیتے رہتے تھے۔ لیکن جب نبی آخرالزّماں صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں نزولِ اجلال فرمایا تو اوس وخزرج نے تو سعادت اندوزِ ایمان ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دیدہ و دل فرشِ راہ کر دیے لیکن یہود کی شقاوتِ قلبی نے ان کو اس شرف سے محروم رکھا۔ تاہم ان میں کچھ سعید الفطرت لوگ بھی تھے وہ لپک کر آگے بڑھے اور ہادیِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامنِ اقدس تھام لیا۔ ایسے ہی لوگوں میں ایک یہودی عالم مخیریقؓ تھے جن کا تعلق بنو نضیر سے تھا۔ غزوۂ اُحد کے دن وہ اپنی قوم کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسولِ موعود ہیں اس لیے تم پر ان کی مدد کرنا واجب ہے۔ یہود نے کہا آج یوم السبت (سنیچر) ہے۔ ہم لڑائی میں کیسے حصہ لے سکتے ہیں؟ حضرت مخیریقؓ بولے اللہ کے راستے میں سبت وغیرہ کیا چیز ہے؟ یہ کہا اور مسلح ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ لڑائی شروع ہوئی تو مشرکین کے خلاف سرفروشانہ لڑے یہاں تک کہ زخموں سے چُور چُور ہوکر گر پڑے۔ دمِ واپسیں وصیّت کی کہ میرے مرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے سارے باغات کے مالک ہوں گے۔ اس وصیّت کے بعد جاں بحق ہوگئے۔ اس موقع پر

Marfat.com

سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مخريق سائق يهود ''یعنی مخریق یہود (اہل ایمان) میں سب سے آگے جانے والے ہوں گے۔''

حضرت مخریقؓ نے جو باغات حضور ﷺ کی ملکیّت میں دیے ان کا نام یہ ہیں:

(۱) المبشر (۲) الصائفہ (۳) المعوال (۴) الدلال (۵) حسن

(۶) جرفہ (۷) مشربہ ابراہیم (الاِصَابہ الِابنِ حجر عسقلانیؒ)

ابنِ اثیرؒ نے ''اسد الغابہ'' میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہی باغات کی آمدنی سے حاجت مند مسلمانوں کی مدد اور صدقات وغیرہ کیا کرتے تھے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دوسروں کے بارے میں بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے تم کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور جاسوسوں کی طرح خفیہ طور پر کسی کے عیب معلوم کرنے کی کوشش بھی نہ کیا کرو اور نہ ایک دوسرے پر بڑھنے کی بے جا ہوس کرو نہ آپس میں حسد کرو نہ بغض و کینہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو بلکہ اے اللہ کے بندو! اللہ کے حکم کے مطابق بھائی بھائی بن کر رہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت زیدؓ بن سعنہ

ا

حضرت زیدؓ بن سعنہ مدینہ منورہ کے مُتَبَحِّر علمائے یہود میں شمار ہوتے تھے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نُزُولِ اِجلال فرمایا تو حضرت زیدؓ نے دیکھا کہ توریت میں نبیِ آخرالزّماں ﷺ کی جتنی نشانیاں مذکور ہیں وہ سب آپ ﷺ کے روئے انور پر موجود ہیں' تاہم آپ ﷺ پر ایمان لانے سے پہلے انہوں نے یہ تحقیق کرنا ضروری سمجھا کہ آپ ﷺ کے اخلاق واطوار بھی توریت میں درج علامات سے مطابقت رکھتے ہیں یا نہیں۔ جب تحقیق کے بعد پورا اطمینان یا انشراحِ قلب ہوگیا تو انہوں نے حضور پُرنُور ﷺ کا دامنِ اقدس تھامنے میں ایک لمحہ بھی تأمل نہ کیا۔

''مستدرکِ حاکم'' میں ان کے قبولِ اسلام کا واقعہ خود ان کی زبانی اس طرح مذکور ہے:

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں نے آپ ﷺ کے روئے انور پر وہ تمام علامات موجود پائیں جو نبیِ آخرالزّمان صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں توریت میں مذکور ہیں لیکن ابھی مجھے دو باتوں کا تجربہ کرنا تھا۔ پہلی یہ کہ ان (نبیِ آخرالزّمان ﷺ)

Marfat.com

کا حلم ان کے غصہ پر غالب رہتا ہے اور دوسری یہ کہ وہ جاہلانہ حرکتوں کا جواب نہایت تحمّل سے دیتے ہیں (یا یہ کہ جاہلانہ حرکتیں ان کے حلم وتحمل میں اضافہ کردیتی ہیں) چنانچہ میں نے آپ ﷺ سے ملنا جلنا شروع کردیا کہ ان باتوں کی آزمائش کروں۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کی معیّت میں اپنے کاشانۂ اقدس سے باہر تشریف لائے۔ اس وقت ایک بدوی (دیہاتی) سوار آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا' اے اللہ کے رسول! فلاں گاؤں کے لوگوں نے (میری تبلیغ سے) اسلام قبول کرلیا۔ میں ہمیشہ ان سے یہ کہتا تھا کہ اسلام قبول کرلو تو تمہارے رزق میں برکت ہوگی لیکن خدا کی قدرت کہ اس سال بارش بالکل نہیں ہوئی اور سخت قحط پڑ گیا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ افلاس اور تنگی کے سبب کہیں وہ اسلام نہ چھوڑ دیں۔ اگر آپ ان کی مدد کے لیے کچھ بھیج سکیں تو بہت بہتر ہوگا۔

بدوی کی باتیں سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کچھ پوچھا' انہوں نے عرض کیا' یارسول اللہ اس میں سے تو کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی۔ اب میں آپ کے قریب گیا اور کہا کہ آپ فلاں باغ کی کھجوریں کچھ مہلت کے ساتھ میرے ہاتھ فروخت کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا' میں کچھ کھجوریں فروخت تو ضرور کرنا چاہتا ہوں مگر کسی باغ کی تخصیص نہیں کرسکتا۔ میں نے کہا' اچھی بات ہے۔ پھر میں نے اپنی سونا رکھنے کی تھیلی کھولی اور اسّی مثقال سونا کھجوروں کی ایک خاص مقدار کے لیے ایک معین مدت کے لیے دے دیا۔ (آپ ﷺ نے یہ سونا اس اعرابی کے حوالے کردیا۔) ابھی

Marfat.com

مقررہ مدت ختم ہونے میں دو تین دن باقی تھے کہ میں آپ ﷺ کے پاس گیا۔ (ایک اور روایت کے مطابق حضور ﷺ ایک انصاری کے جنازے پر تشریف لائے تھے اور یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ ﷺ نمازِ جنازہ سے فارغ ہو چکے۔) میں نے آپ کی قمیص کا دامن پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور خشم آلود نگاہوں سے آپ ﷺ کو گھورتے ہوئے کہا' محمد! تم نے اب تک میرا قرض ادا نہیں کیا' خدا کی قسم عبدالمطلب کی اولاد ہمیشہ کی نادہند ہے' مجھے پہلے بھی تجربہ ہو چکا ہے۔

حضرت عمرؓ بھی وہاں موجود تھے وہ میرا رویّہ دیکھ کر غصہ سے بے تاب ہو گئے اور تلوار پر ہاتھ ڈالتے ہوئے بولے' او دشمنِ خدا! رسول اللہ ﷺ سے یوں گستاخی کر رہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا' اے عمر! مجھے تو تم سے یہ توقع تھی کہ اس کو نرمی سے کام لینے کی تلقین کرتے اور مجھ سے اس کا قرض ادا کرنے کے لیے کہتے۔ اب جاؤ اور اس کا قرض ادا کر کے بیس صاع کھجوریں زیادہ دو۔ میں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا' یہ زیادہ کھجوریں کس بات کی ہیں؟ انہوں نے کہا' یہ اس درشت کلامی کا کفّارہ ہے جو میں نے تمہارے ساتھ کی۔ پھر میں نے کہا' اے عمر! تم نے مجھے پہچانا' انہوں نے کہا' نہیں۔ میں نے کہا' میں زید بن سعنہ ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا' وہ زید جو الحبر (عالمِ اَجَلّ) مشہور ہے۔ میں نے کہا' ہاں۔ انہوں نے کہا کہ ایسا عالم ہوتے ہوئے تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا رویّہ کیوں اختیار کیا؟ میں نے

Marfat.com

کہا، نبوّت کی اور تمام علامات تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر موجود تھیں، صرف ان دو باتوں کا تجربہ کرنا تھا کہ ان کا حلم ان کے غیظ پر غالب ہوتا ہے اور جاہلانہ حرکتیں ان کے حلم وتحمل کو بڑھا دیتی ہیں۔ ان باتوں کی تصدیق ہوگئی۔ اس لیے اب میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوتا ہوں۔"

اس واقعہ کے بعد وہ بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور خوشی خوشی سعادت اندوزِ اسلام ہوگئے۔ امام حاکمؒ نے "مستدرک" میں لکھا ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد حضرت زیدؓ بن سعنہ نے اپنا نصف مال راہِ خدا میں صدقہ کردیا۔

اہلِ سِیَر نے حضرت زیدؓ بن سعنہ کے قبولِ اسلام کے زمانے کی تصریح نہیں کی، البتہ یہ لکھا ہے کہ اسلام لانے کے بعد وہ تمام غزواتِ نبوی ﷺ میں شریک ہوئے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے غزوۂ تبوک کا نام خصوصیّت سے لیا ہے۔ حافظ ابنِ حجرؒ اور امام حاکمؒ نے لکھا ہے کہ وہ اس غزوہ میں بڑی بہادری سے لڑے اور اسی غزوے سے مدینہ واپس ہوتے ہوئے راستے میں وفات پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری شفاعت سے وہی بہرہ مند ہوں گے جنہوں نے خلوصِ قلب سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا ہو۔ (صحیح بخاری)

Marfat.com

حضرت مالک بن نمط ہمدانی رضی اللہ عنہ

ان کا تعلق مشہور قحطانی قبیلے بنو ہمدان سے تھا۔ اس قبیلے کی آبادیاں یمن کے مشرق میں واقع تھیں۔

ایک روایت کے مُطابق ان کا نام نمط تھا اور ان کا سلسلہ نسب اس طرح تھا:

"نمط بن قیس بن مالک بن سعد بن مالک بن لائی بن سلمان بن معاویہ بن سفیان بن ارحب الہمدانی ارحبی"

لیکن زیادہ تر روایتوں میں ان کا نام مالک بن نمط ہی بیان کیا گیا ہے۔ ان کی کنیت ابوثور تھی۔ وہ اپنے قبیلے کے قادر الکلام شاعر تھے اور قبیلے کے معزّزین میں شمار ہوتے تھے۔ اہلِ قبیلہ نے ان کو ذوالمشعار کا لقب دے رکھا تھا۔ بنو ہمدان نے فتح مکّہ (رمضان المبارک ۸ ہجری) کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تبلیغی مساعی کے نتیجے میں اسلام قبول کیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قبیلے کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کی اطلاع دی تو آپ بہت خوش ہوئے اور اس قبیلے کی سلامتی کے لیے دعا فرمائی۔

۹ ہجری میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو (بروایتِ دیگر جب آپ واپس تشریف لا رہے تھے تو اثنائے راہ میں) بنو ہمدان کا ایک وفد آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں بنو ہمدان کے متعدد عمائد شامل تھے۔ ان میں ایک حضرت مالک بن نمط تھے ان کے لمبے لمبے بال تھے۔ اس

Marfat.com

وفد کے اراکین نے لکیر دار یمنی چادریں اور عربی پگڑیاں باندھ رکھی تھیں اور وہ مہری اور ارجبی اونٹنیوں پر سوار تھے۔ اس موقع پر ابوثور مالک بن نمط رضی اللہ عنہ یہ رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے۔ ترجمہ:

''ہم آپ کی خدمت میں ایسے علاقے سے آئے ہیں جہاں سرسبز زمینیں بھی ہیں اور بنجر بھی

وہاں گرمیوں اور سردیوں میں غبار آلود ہوائیں چلتی ہیں

ہمدان کے باشندے بہترین رہنما اور فرمانروا ہیں' دنیا میں ان کی کوئی نظیر نہیں

وہ بلند جگہ کے رہنے والے ہیں اور ان میں بڑے بڑے مردانِ دلاور ہیں جن کو تحفے اور نذرانے دیئے جاتے ہیں

ہم ایسی اونٹنیوں پر سوار ہو کر آئے ہیں جن کی ناک میں کھجور کی چھال کی مہاریں ہیں''

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مالک بن نمط رضی اللہ عنہ کو بنو ہمدان کا امیر مقرر فرمایا اور جو لوگ مشرّف بہ اسلام ہو گئے تھے' حضرت مالکؓ کو ان کا عامل مقرر کر دیا۔ پھر آپ نے اہلِ وفد کو ایک فرمان کے ذریعے وہ جاگیریں عطا فرمائیں جو انہوں نے مانگیں۔ اس فرمان کا مضمون یہ تھا:

''محمد رسول اللہ کی تحریر ہے قبیلہ خارف کی شہری' بلند اور ریگستانی زمین والوں کے لیے جن کے ساتھ ان کا نمائندہ ذوالمشعار ہے یعنی مالک بن نمط اور ان لوگوں کے لیے جو ان کی قوم سے اسلام لائے ہیں ان کے لیے ان کی بلند اور نشیبی زمینیں ہیں جب تک نماز قائم کرتے رہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں یہ لوگ وہاں کی پیداوار کھائیں گے اور گھاس جانوروں کو کھلائیں گے ان کے لیے یہ اللہ اور رسول کا عہد ہے اور اس پر مہاجرین اور انصار گواہ ہیں۔''

Marfat.com

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ اس موقع پر حضرت مالکؓ بن نمط نے اور بھی بہت سے فصیح و بلیغ اشعار حضور ﷺ کو سنائے۔ ان میں سے کچھ کا ترجمہ اس طرح ہے۔

"میں نے کفر کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں اس وقت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یاد کیا جب ہم رحرحان (پہاڑ) اور اس کی چٹانوں کی بلندیوں پر تھے۔"

"ہماری اونٹنیاں ہمیں نشیب میں لا رہی تھیں اور تھک گئی تھیں۔ یہ اونٹنیاں اپنے سواروں کو لیے صاف اور کشادہ راہوں کی طرف بڑھ رہی تھیں۔"

"ان کی مضبوط ٹانگوں پر گھنٹے بال تھے اور وہ ہمیں یوں اڑائے لیے جا رہی تھیں جیسے کوئی تیز رفتار شتر مرغ بھاگتا ہے۔"

"میں قسم کھاتا ہوں منیٰ کی طرف جھومتے ہوئے جانے والی اونٹنیوں کے رب کی...... یہ اونٹنیاں بلند و بالا زمینوں سے سواروں کو لے کر واپس آتی ہیں۔"

"ہمیں بتایا گیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو ہم میں موجود ہیں وہ صادق ہیں اور آپ ﷺ ہی وہ رسول ہیں جو سیدھا راستہ دکھانے والے ہیں اور عرش کے مالک کی طرف سے بھیجے گئے ہیں۔"

"آج تک کسی اونٹنی کے کجاوے سے کسی شخص نے اپنے دشمنوں پر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے زیادہ شدید حملہ نہیں کیا۔"

اور جب کوئی مالی امداد مانگنے والا آپ ﷺ کی خدمت میں آتا ہے تو آپ اسے بے حساب عطا فرماتے ہیں اور جب آپ ﷺ مشرقی ہندی تلوار سے ضرب لگاتے ہیں تو ایسی کاری ضرب کوئی اور نہیں لگا سکتا۔

(بروایتِ دیگر آپ ﷺ کی قوتِ فیصلہ ہندی مشرقی تلوار کی دھار سے بھی تیز ہے)

(سیرۃ ابن ہشام، اُسد الغابہ)

حضرت مالک بن نمط رضی اللہ عنہ کا سالِ وفات کسی نے بیان نہیں کیا۔

Marfat.com

حضرت جبر رومی رضی اللہ عنہ

سیرت نگاروں نے صرف ان کا نام لکھا ہے، شجرۂ نسب اور خاندان وغیرہ کے بارے میں کچھ نہیں لکھا البتہ ان کو "اہلِ کتاب صحابہؓ" میں شمار کیا ہے یعنی وہ صحابہؓ جو قبولِ اسلام سے پہلے یہودی یا عیسائی تھے۔ حضرت جبر رومی رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہونے سے پہلے یہودی تھے اور مکہ کے ایک رئیس عبداللہ بن الحضرمی" کے غلام تھے۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت جبرؓ اکثر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے اس وقت حضور ﷺ کی بعثت ہو چکی تھی اور آپ ﷺ نے دعوتِ توحید کا آغاز فرما دیا تھا۔ ایک دن حضور ﷺ نے حضرت جبرؓ کے سامنے سورۂ یوسف کی تلاوت فرمائی حضرت جبرؓ کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ صالحہ عطا فرمائی تھی۔ کلامِ الٰہی سن کر ان کے دل سے یہودیت کی ظلمت آناً فاناً کافور ہوگئی اور وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ (الاصابہ ج ا ص ۲۲۱) یہ وہ زمانہ تھا جب اسلام قبول کرنے والے سعادت مند انسانوں کو کفارِ مکہ اپنے قہر و غضب اور ظلم و ستم کا نشانہ بنا لیتے تھے اس لیے شروع شروع میں حضرت جبر رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام کو مخفی رکھا لیکن کفار کو کسی ذریعہ سے ان کے قبولِ اسلام کا علم ہو گیا۔ اس کے نتیجے میں وہ ان پر سختی کرنے لگے اور اسلام ترک کرنے پر مجبور کرنے

Marfat.com

لگے۔ انہوں نے جان بچانے کی خاطر بظاہر اسلام سے برأت کا اظہار کر دیا لیکن باطن اسلام ہی سے وابستہ رہے۔

رمضان المبارک ۸ سنہ ہجری میں مکہ پر پرچم اسلام بلند ہوا اور رسولِ اکرم ﷺ فاتحانہ شہر کے اندر تشریف لے گئے تو حضرت جبرؓ جو ابھی تک غلامانہ زندگی گزار رہے تھے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور جو کچھ ان پر بیتی تھی اس کی رُوداد بیان کی۔ حضور ﷺ نے انہیں خرید کر اسی وقت آزاد کر دیا۔ آزادی کے بعد انہوں نے ساری زندگی بڑے سکون و اطمینان سے گزاری۔ ان کو تلواروں' برتنوں وغیرہ کی صفائی اور قلعی کا ہنر آتا تھا' اسی کے ذریعے اپنی روزی کماتے تھے اور آسودہ حالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔

مشرکینِ مکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ جھوٹا پراپیگنڈا کیا کرتے تھے کہ حضور ﷺ کو کوئی آدمی پڑھاتا اور سکھاتا ہے۔ بعض اوقات وہ حضرت جبرؓ کا نام پڑھانے اور سکھانے والے کی حیثیت سے لیتے تھے۔ قرآنِ حکیم میں مشرکین کی یاوہ گوئی کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِیْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِيْنٌ (النحل: ۱۰۳)

ہمیں معلوم ہے یہ لوگ تمہارے متعلق کہتے ہیں کہ اس شخص کو ایک آدمی سکھاتا' پڑھاتا ہے حالانکہ ان کا اشارہ جس آدمی کی طرف ہے اس کی زبان عجمی اور یہ (قرآن) صاف عربی زبان میں ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں اس آیت کی تشریح یوں کی ہے:

"روایات میں مختلف اشخاص کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ کفارِ مکہ ان میں سے کسی پر یہ گمان کرتے تھے۔ ایک روایت میں اس کا نام جبر بیان کیا گیا ہے جو

Marfat.com

عامر بن الحضرمی کا ایک رومی غلام تھا۔ دوسری روایت میں حویطب بن عبدالعزیٰ کے ایک غلام کا نام لیا گیا ہے جس کی کنیت ابوفکیہہ تھی جو مکے کی ایک عورت کا یہودی غلام تھا ایک اور روایت بلعان یا بلعام نام ایک رومی غلام سے متعلق ہے بہر حال ان میں سے جو بھی ہو' کفار مکہ نے محض یہ دیکھ کر کہ ایک شخص توراۃ و انجیل پڑھتا ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اس سے ملاقات ہے' بے تکلف یہ الزام گھڑ دیا کہ اس قرآن کو دراصل وہ تصنیف کر رہا ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے اپنی طرف سے خدا کا نام لے کر پیش کر رہے ہیں۔ اس سے نہ صرف یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مخالفین آپ کے خلاف افترا پردازیاں کرنے میں کس قدر بے باک تھے بلکہ یہ سبق بھی ملتا ہے کہ لوگ اپنے ہم عصروں کی قدر و قیمت پہچاننے میں کس قدر بے انصاف ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے سامنے تاریخ انسانی کی ایک ایسی عظیم شخصیت تھی جس کی نظیر نہ اس وقت دنیا میں کہیں موجود تھی اور نہ آج تک پائی گئی ہے مگر ان عقل کے اندھوں کو اس کے مقابلہ میں ایک عجمی غلام جو کچھ توراۃ و انجیل پڑھ لیتا تھا' قابل تر نظر آ رہا تھا اور وہ گمان کر رہے تھے کہ یہ گوہر نایاب اس کوئلے سے چمک حاصل کر رہا ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۵۷۳-۵۷۴ حاشیہ ۱۰۷)

مختلف روایتوں میں جن اشخاص پر کفار نے گمان کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھاتے تھے ان میں سے حضرت جبر' حضرت یعیش اور حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کر لیا تھا اسی لیے انہیں صحابہ کرامؓ میں شمار کیا جاتا ہے۔

حضرت جبر رضی اللہ عنہ کے سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔

رضی اللہ عنہ

Marfat.com

حضرت کرزبن علقمہ رضی اللہ عنہ

ایک روایت میں ان کا نام "کوز" بھی آیا ہے۔ شجرۂ نسب کسی نے بیان نہیں کیا البتہ اس بات پر اہلِ سیر کا اتفاق ہے کہ ان کا تعلق مشہور عرب قبیلے بکر بن وائل سے تھا۔ یہ جنگجو عدنانی قبیلہ عرب کے وسیع علاقوں میں آباد تھا جو یمامہ سے بحرین تک پھیلے ہوئے تھے۔ حضرت کرزؓ نے اپنے بھائی ابوحارثہ کے ساتھ نصرانیت قبول کر لی تھی اور اپنے آبائی وطن سے ہجرت کر کے عرب میں عیسائیوں کے ایک بڑے مرکز نجران میں سکونت اختیار کر لی تھی اسی لیے نجرانی مشہور ہو گئے تھے۔ ۹ ہجری میں نجران کے عیسائیوں کا مشہور وفد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں مدینہ منورہ آیا تو اس میں کرز بھی اپنے بھائی ابوحارثہ کے ساتھ شامل تھے۔ دونوں بھائی ایک ہی سواری پر سوار تھے۔ راستے میں جب کہیں سواری کو ٹھوکر لگتی تو کرز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بڑے نامناسب الفاظ استعمال کرتے۔ ان کے بھائی ابوحارثہ نے ان کو دو تین بار ایسے الفاظ استعمال کرتے سنا تو کرز سے کہا:

"تمہارا برا ہو تم کیوں ایسے الفاظ منہ سے نکالتے ہو"

کرز نے حیران ہو کر بھائی سے کہا:

"تم مجھے ایسے کہنے سے کیوں منع کرتے ہو؟"

ابوحارثہ نے جواب دیا "اس لیے کہ جس کے پاس ہم جا رہے ہیں خدا کی قسم

Marfat.com

یہ وہی نبی ہیں جن کا ہم لوگ انتظار کر رہے تھے۔''

کرز نے کہا ''تو پھر تم (ان پر ایمان لا کر) ان کی پیروی کیوں نہیں کرتے؟

ابو حارثہ بولا ''اگر ایسا کروں تو عزت' مرتبہ' دولت مال سب کچھ چھن جائے گا''

یہ الفاظ سن کر کرز کے دل کی دنیا بدل گئی۔ اس وقت تو خاموش رہے مگر چند دن کے بعد اکیلے بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر کے ''اہلِ کتاب صحابہ'' کی مقدّس جماعت میں شامل ہو گئے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

چونکہ عہدِ رسالت کے اواخر میں اسلام لائے تھے اس لیے زندگی کے حالات کے بارے میں کتبِ سیَر خاموش ہیں۔

رضی اللہ عنہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ جب تم میں سے کوئی ایسے شخص کو دیکھے جو مال و دولت اور شکل و صورت میں اس سے بڑھ کر ہو (اور اس کی وجہ سے اس کے دل میں طمع اور حسد پیدا ہو) تو اسؑ کو چاہیے کہ وہ کسی ایسے بندہ کو دیکھے جو ان چیزوں میں اس سے کمتر ہو (تاکہ بجائے طمع اور حسد کے شکر اور صبر پیدا ہو) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت مُحرِز بن عامر انصاری رضی اللہ عنہ

ان کا تعلّق انصار خزرج کے معزّز خاندان بنو نجّار سے تھا سلسلۂ نسب یہ ہے:

محرزؓ بن عامر بن مالک بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار

انصار کے سابقین اوّلین میں سے ہیں۔ غزوۂ بدر سے پہلے مشرّف بہ اسلام ہوئے اور پھر حق و باطل کے اس معرکۂ اوّل میں شریک ہو کر دادِ شجاعت دی اور بدری صحابیؓ ہونے کا عظیم شرف حاصل کیا۔ اگلے سال غزوۂ اُحد میں شریک ہونے کے لیے تیار ہو رہے تھے کہ پیغامِ اجل آ پہنچا جس دن رسولِ اکرم ﷺ کو غزوۂ اُحد کے لیے مدینہ منورہ (شہر) سے روانہ ہونا تھا' اس دن صبح کے وقت حضرت محرز بن عامرؓ وفات پا گئے۔ حضور ﷺ نے انہیں اُن اصحاب میں شمار کیا جو فی الحقیقت غزوۂ اُحد میں شریک تھے۔

حضرت محرِز رضی اللہ عنہ نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ بقول ابنِ اثیرؒ وہ لاولد تھے۔

رضی اللہ عنہ

Marfat.com

حضرت فَرْوَہ بِن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ

ان کا تعلّق انصار خزرج کے خاندان بنی مالک بن نجّار سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

فروہؓ بن نعمان بن حارث بن نعمان انصاری خزرجی

غزوۂ بدر میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے اور سب سے پہلے غزوۂ اُحُد میں شریک ہو کر دادِ شجاعت دی۔ اس کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رِکاب رہے اور دشمنانِ حق کے خلاف سر بکف ہو کر لڑے۔

آفتابِ رسالت اللہ تعالیٰ کی شَفَقِ رحمت میں غروب ہوا اور حضرت ابوبکر صِدّیق رضی اللہ عنہ مَسنَد نشینِ خلافت ہوئے تو دفعتہً سارے عرب میں فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ مِلّتِ اسلامیہ کے لیے یہ بڑا نازک وقت تھا لیکن خلیفۃ الرّسولؐ حضرت ابوبکر صِدّیق رضی اللہ عنہ نے تحیّر خیز عزم و استقامت کے ساتھ اس فتنے کا مقابلہ کیا۔ مرتدین کو کسی قسم کی رعایت دینے سے انکار کر دیا اور ان کی سرکوبی کے لیے مختلف اطراف کو گیارہ لشکر روانہ کیے۔ ان میں ایک لشکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مُسَیلمہ کذّاب کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا۔ نُبُوّت کے اس جھوٹے دعویدار نے ہزارہا عرب جنگجو اپنے جھنڈے تلے جمع کر لیے تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے لشکر میں حضرت فروہ بن نعمان رضی اللہ عنہ بھی شریک ہو گئے۔ یمامہ

Marfat.com

کے میدان میں اسلامی لشکر اور مُسیلمہ کذّاب کے درمیان نہایت خونریز لڑائی ہوئی۔ علّامہ ابنِ جریر طبریؒ کا بیان ہے کہ فتنۂ ارتداد کے استیصال کے سلسلے میں ہونے والی لڑائیوں میں یہ سب سے سخت لڑائی تھی اس میں سینکڑوں مجاہدین نے مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ حضرت فروہ بن نعمان رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل تھے لیکن مجاہدین کی قربانی کے نتیجے میں مرتدین کو عبرت ناک شکست ہوئی مُسیلمہ کذّاب مارا گیا اور فتنۂ ارتداد کا خاتمہ ہو گیا۔

رضی اللہ عنہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی ستر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں۔ ان میں سب سے اعلیٰ اور افضل لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا قائل ہونا یعنی توحید کی شہادت دینا ہے اور ان میں سے ادنیٰ درجے کی شاخ اذیت اور تکلیف دینے والی چیزوں کا راستے سے ہٹانا ہے اور حیا ایمان کی ایک اہم شاخ ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت عُبَید بن خالد سُلمی رضی اللہ عنہ

ان کے شرف صحابیت پر تو تمام اہلِ سِیَر کا اتفاق ہے لیکن شجرۂ نسب ان کا کسی نے نہیں لکھا۔ علامہ ابنِ اثیر جزریؒ نے ''اُسدُ الغابہ'' میں لکھا ہے کہ بعض لوگ ان کا نام عبدہ بن خالد اور بعض عبیدہ بن خالد کہتے ہیں مگر عبید بہت صحیح ہے۔ ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ اپنے وطن سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تھے۔ اربابِ سِیَر نے وضاحت تو نہیں کی لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت کے بعض غزوات میں بھی شریک ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جنگِ صفّین ہوئی تو وہ ان (حضرت علیؓ) کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے کوفہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی سالِ وفات کسی نے بیان نہیں کیا۔

حضرت عبید بن خالد رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو شخصوں کے درمیان بھائی چارا قائم کرایا پھر یہ ہوا کہ ان میں سے ایک صاحب تھوڑے ہی دنوں کے بعد جہاد فی سبیل اللہ میں شہید ہو گئے پھر اس کے تقریباً ایک ہفتہ بعد دوسرے صاحب بھی وفات پا گئے تو صحابہؓ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ پڑھنے والے ان صحابہؓ سے دریافت فرمایا تم نے (نمازِ جنازہ میں) کیا کہا (یعنی کیا دعا کی) انہوں نے عرض کیا' ہم نے اس کے لیے یہ دعا کی کہ اللہ اس کی مغفرت فرمائے' اس

Marfat.com

پر رحمت فرمائے اور اپنے اس شہید ہونے والے (مؤاخاتی) بھائی اور ساتھی کے ساتھ کر دے۔ یہ جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اس کی وہ نمازیں کہاں گئیں جو اس شہید ہونے والے بھائی کی نمازوں کے بعد اس نے پڑھیں اور دوسرے وہ اعمالِ خیر کہاں گئے جو اس شہید کے اعمال کے بعد اس نے کیے؟۔

یا آپ ﷺ نے یوں فرمایا کہ اس کے وہ روزے کہاں گئے جو اس شہید بھائی کے روزوں کے بعد اس نے رکھے؟ (راوی کو شک ہے کہ نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اعمالِ خیر کا ذکر فرمایا تھا یا روزوں کا ذکر فرمایا تھا) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کے مقامات میں تو اس سے بھی زیادہ فاصلہ ہے جتنا کہ زمین اور آسمان کے درمیان فاصلہ ہے۔

(معارف الحدیث جلد دوم ص ۱۴۳ بحوالہ ابوداؤد و نسائی)

شارحینِ حدیث نے لکھا ہے کہ بعد میں وفات پانے والے صاحبؓ نے ایسے اعمالِ خیر کیے تھے کہ ان کا درجہ شہید ہونے والے صاحبؓ سے بہت بلند ہو گیا جبکہ جنازہ پڑھنے والے صحابہ کرامؓ نے ان کا درجہ شہید صحابیؓ سے کمتر سمجھا۔ دوسرے صاحبؓ اگرچہ بستر پر فوت ہوئے لیکن اپنی نیت' شوقِ شہادت اور دوسرے اعمالِ خیر کی بدولت انہوں نے بہت بلند درجہ حاصل کر لیا۔

رضی اللہ عنہ

Marfat.com

حضرت نُعمان بِن بازیہ رضی اللہ عنہ

ان کا تعلق مشہور عرب قبیلے بنو ازد کے بطن بنو دَوس سے تھا۔ وہ اس قبیلے کے معتبر اور دانا آدمیوں میں ہوتا تھا اور قبیلے کی علم برداری کا منصب ان کے سپرد تھا۔ ارباب سیر نے ان کا نسب نامہ نہیں لکھا اور ان کے والد کے نام میں بھی اختلاف کیا ہے کسی نے بازیہ لکھا ہے اور کسی نے رازیہ۔ البتہ ان کے شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ رئیسِ دَوس حضرت طفیل بن عمرو دَوسی رضی اللہ عنہ کی تبلیغی مساعی کے نتیجے میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ فتح مکّہ کے بعد حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ (جنہوں نے بنو دَوس کے متعدد گھرانوں کے ساتھ مدینہ میں سکونت اختیار کر لی تھی) چند دَوسیوں کے ہمراہ اپنے وطن گئے اور مشرکینِ بنی دَوس کے بت ذوالکفّین اور اس کے حمیٰ (بت کدہ) کو تباہ و برباد کر دیا۔ یہ کارنامہ سرانجام دے کر واپس آنے لگے تو بنو دَوس کے چار سَو آدمی مع ساز و سامان ان کے ساتھ ہو لیے ان میں حضرت نعمان بن بازیہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے ان دنوں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ حضرت طفیلؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ذوالکفّین کی بربادی کا حال سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت مسرور ہوئے۔ حضرت طفیلؓ اور ان کے ساتھیوں نے غزوۂ طائف میں شریک ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

Marfat.com

''تمہارا عَلَم کون اٹھائے گا؟''

حضرت طفیلؓ نے عرض کیا ''نعمان بن بازیہ' یہ مدتوں سے بنو دوس کے عَلَم بردار ہیں اس موقع پر بھی وہی اٹھائیں گے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے پسند فرمائی پھر یہ سب لوگ ایک الگ دستے کی صورت میں غزوہ طائف میں شریک ہوئے۔

عہدِ فاروقی میں حضرت نعمانؓ جہادِ شام میں بھی شریک رہے۔ امام بخاریؒ کا بیان ہے کہ شام کی فتح کے بعد حضرت نعمان بن بازیہ رضی اللہ عنہ نے حمص میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کا سالِ وفات کسی نے نہیں لکھا۔ حضرت نعمان بن بازیہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا' یا رسول اللہ! ہم زمانہ جاہلیت میں رات کے پچھلے پہر سفر کرتے اب جبکہ اللہ کے فضل سے ہم مسلمان ہیں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا' اسلام میں بھی یہ عمل پسندیدہ ہے اس لیے تمہیں چاہیے کہ کسی کو بھی اس طرح سفر کرنے سے منع نہ کرنا۔

(طبقات ابنِ سعد' اُسدُ الغابہ)

رضی اللہ عنہ

Marfat.com

حضرت دَیلَم حِمیَری رضی اللہ عنہ

ان کا تعلّق یمن کے معزز ترین خاندان بنو حِمیَر سے تھا۔
بعض روایتوں میں ہے کہ ان کا نام فیروز تھا اور دیلم ان کا لقب تھا کچھ روایتوں میں ان کے والد کا نام فیروز بتایا گیا۔ واللہ اعلم
ایک روایت میں ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔
فیروز بن یسع بن سعد بن ذی حیات بن مسعود بن غن (یا عن) دوسری روایت میں ان کا نسب نامہ اس طرح درج ہے۔
دیلم بن ہوشع بن سعد بن ذی خباب بن مسعود بن غن (عن)
ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وفد بن کر گئے تھے۔
انہوں نے عہدِ رسالت کے اواخر میں یمن کے جھوٹے مُدّعیِ نبوّت اسود عنسی کے قتل میں سرگرم کردار ادا کیا تھا۔ اس کے نتیجے میں وہ حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ حضرت عُمَر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مصر پر فوج کشی ہوئی تو حضرت دَیلَم رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر میں شامل ہو کر فتحِ مصر میں نمایاں حصہ لیا۔
حضرت دَیلَم رضی اللہ عنہ کے سالِ وفات کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش

Marfat.com

ہیں۔ سُنَنِ ابی داوٗد میں حضرت دیلم حمیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے وقت) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم لوگ ایک سرد ملک میں رہتے ہیں اور سخت محنت کے کام کرتے ہیں، ہم لوگ گیہوں سے ایک شراب بنا کر استعمال کرتے ہیں اور اسی سے قوت وطاقت حاصل کرتے ہیں اور سخت محنت طلب کام بھی کر لیتے ہیں اور اپنے ملک کی سردی کا مقابلہ بھی کر لیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وہ شراب نشہ پیدا کرتی ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں وہ نشہ پیدا کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر اس سے بچو اور اسے بالکل استعمال نہ کرو۔ میں نے عرض کیا وہاں کے لوگ (اس کے ایسے عادی ہو گئے ہیں) کہ اس کو چھوڑنے پر راضی نہیں ہوں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اگر وہ اس کو نہ چھوڑیں تو ان سے لڑو (جنگ کرو) رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ

ان کا تعلق قبیلہ خزرج کے خاندان بیاضہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے۔

عبداللہؓ بن لبید بن ثعلبہ بن سنان بن عامر بن عدی بن امیہ بن بیاضہ بن عامر بن زریق بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب بن جُشم بن خزرج

جلیل القدر صحابی حضرت ابو عبداللہ زیاد بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ ان کے بڑے بھائی تھے۔[1] وہ تو عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے لیکن حضرت عبداللہ بن لبید رضی اللہ عنہ سب سے پہلے غزوہ اُحد میں شریک ہوئے۔ غزوہ بدر میں شریک نہ ہونے کا سبب کسی نے بیان نہیں کیا۔

---

[1] حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ کا شمار انصار کے سابقین اوّلین میں ہوتا ہے۔ وہ اُن پچھتر نفوسِ قدسی میں شامل تھے جو ۱۳ بعد بعثت میں یثرب سے مکّہ گئے اور بیعت لیلۃ العقبہ کی سعادت حاصل کرنے کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یثرب تشریف لانے کی دعوت دی۔ ہجرتِ نبوی ﷺ کے بعد انہوں نے بدر، احد، احزاب اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ ۹ ہجری میں حضور ﷺ نے انہیں حضرموت کا عامل اور محصّلِ زکوٰۃ مقرر فرمایا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق مسندِ خلافت پر بیٹھے تو تقریباً سارا عرب فتنۂ ارتداد کی لپیٹ میں آ گیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس فتنے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور مخلص مسلمانوں کے تعاون سے دس ماہ کے اندر اس فتنے کو کچل دیا۔ اس فتنے کے استیصال میں حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ نے بھی سرگرم حصہ لیا۔ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے ۴۱ ھ میں وفات پائی ان سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔ (حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ کے مکمل سوانح حیات راقم الحروف کی تالیف ''سرورِ کائنات ؐ کے پچاس صحابہؓ'' میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ طالب الہاشمی)

Marfat.com

قیاس یہ ہے کہ اس وقت ان کی عمر پندرہ سال سے کم ہو گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ سال سے کم عمر کے کسی نوجوان کو لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن لبید رضی اللہ عنہ اپنے برادرِ بزرگ کی طرح نہایت مخلص مسلمان تھے۔ وہ اُحد اور اس کے بعد تمام مشاہد میں شریک ہوئے۔ سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سِیَر خاموش ہیں۔

رضی اللہ عنہ

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، وہ آدمی جنّت میں داخل نہ ہو سکے گا جس کی شرارتوں اور ایذا رسانیوں سے اس کے پڑوسی مامون نہ ہوں۔ (صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت عبدالرحمٰن بن مُربّع رضی اللہ عنہ

ان کا تعلق قبیلہ اَوس کے خاندان ''بنو حارثہ'' سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے۔
عبدالرحمٰن بن مربع بن قیظی بن عمرو بن زید بن جشم بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس

غزوۂ اُحد سے پہلے اپنے بھائی عبداللہ بن مربّع کے ساتھ قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کی اور پھر دونوں بھائی غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے۔

اُحد کے بعد دونوں بھائی عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔

ان کے دو بھائی اور تھے زیدؓ بن مربّع اور حرارہؓ بن مربّع ان کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہوا لیکن اربابِ سِیَر نے یہ تصریح نہیں کی کہ وہ کب حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور کن غزوات میں شریک ہوئے۔

ان چاروں بھائیوں کو اللہ تعالیٰ نے قبولِ اسلام اور صحابیت کی سعادت نصیب کی لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ان کا نابینا باپ مربّع بن قیظی آخر دم تک منافق رہا۔ علّامہ ابنِ اثیر نے حافظ ابنِ عبد البرؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں کے ساتھ غزوۂ اُحُد کے لیے مدینہ شہر سے چلنے لگے تو اس نے اپنا باغ مجاہدینِ اسلام کے لیے بند کر دیا (اُحُد کی طرف جانے کا ایک

Marfat.com

راستہ اس کے باغ میں گزرتا تھا) وہ مسلمانوں پر مٹی پھینکتا تھا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہتا تھا "اگر آپ نبی ہیں تو میرے باغ میں سے مت گزریے۔"

حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت (۱۳ ہجری) میں حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما دونوں بھائی اُس لشکر میں شامل ہو گئے جو امیر المومنین نے حضرت ابو عبید ثقفی کی قیادت میں عراقِ عرب بھیجا۔ دونوں بھائی معرکہ جسر (پُل کی لڑائی) میں ایرانی مجوسیوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ یہ سانحہ رمضان المبارک ۱۳ھ میں پیش آیا۔ ان کے دوسرے بھائیوں (حضرت زیدؓ بن مربع اور مرارہؓ بن مربع) کے بہت کم حالات کتبِ سیر میں ملتے ہیں۔

رضی اللہ عنہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کا ہر شخص جنت میں داخل ہوگا مگر وہ شخص نہیں جس نے میرا انکار کیا۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا، جس شخص نے میری پیروی کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے میرا انکار کیا۔ (صحیح بخاری)

Marfat.com

حضرت مسعود بن زُرارہ انصاری رضی اللہ عنہ

ان کا تعلق انصار (خزرج) کے معزز خاندان بنونجّار سے تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ مسعود بن زرارہ بن عدس بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج

وہ جلیل القدر صحابی حضرت ابو اُمامہ اسعد بن زُرارہ رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی تھے[1]۔ ہجرتِ نبوی ﷺ کے قریبی زمانے میں قبولِ اسلام کا شرف حاصل کیا۔ سب سے پہلے غزوۂ اُحد (۳ھ) میں شریک ہوئے۔ غزوۂ بدر کے وقت غالباً کم سِن تھے اس لیے اس میں شریک نہ ہو سکے۔ غزوۂ اُحد کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رِکاب رہے۔ ان کے سالِ وفات کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں۔

---

[1] حضرت ابو اُمامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کا لقب خیر تھا۔ ہجرتِ نبوی ﷺ سے پہلے مکّہ جا کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور توحید کے ساتھ حضور ﷺ کی رسالت کا بھی اقرار کیا۔ اس کے بعد وہ عقبہ کی تینوں بیعتوں میں شریک ہوئے۔ تیسری بیعت (عقبۂ کبیرہ) میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنونجّار کا نقیب تجویز فرمایا۔ واپس یثرب جا کر حرّۂ بنی بیاضہ میں باجماعت نماز کا انتظام کیا اور چالیس آدمیوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی۔ حضور ﷺ کے حکم پر اسلام کے مبلغ اوّل حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مکہ سے یثرب تشریف لائے تو حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے گھر میں مہمان بنایا۔ کچھ عرصہ بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ سے ہجرت فرما کر یثرب تشریف لائے تو حضرت اسعدؓ نے دوسرے انصار کے ساتھ آپ ﷺ کا پُرجوش استقبال کیا۔ افسوس کہ حضرت اسعدؓ ہجرت نبوی ﷺ کے چند ماہ بعد سخت علیل ہو گئے۔ ان کے حلق میں شدید درد اٹھا جو کسی علاج سے دور نہ ہوا اور وہ غزوۂ بدر سے کچھ پہلے اس دارِ فانی سے دارالبقا کو سدھار گئے۔ ان کے تفصیلی حالاتِ زندگی راقم الحروف کی تالیف "رحمتِ دارین کے سَو شیدائی" میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ (طالب الہاشمی)

Marfat.com

حضرت عبدالرحمٰن بن وائل رضی اللہ عنہ

علّامہ ابنِ اثیر رحمتہ اللہ علیہ نے ان کا نسب نامہ تو بیان کیا ہے لیکن یہ وضاحت نہیں کی کہ ان کا تعلّق کس قبیلے سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے

عبدالرحمٰن بن وائل بن عامر بن مالک بن لوذان

ایک روایت کے مطابق غزوۂ اُحد سے پہلے قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کی اور پھر اسی غزوے میں سب سے پہلے شریک ہوئے۔ غزوۂ اُحد کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔

حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ عراقِ عرب کی تسخیر پر مامور ہوئے تو حضرت عبدالرحمٰنؓ ان کے لشکر میں شامل ہو گئے اور قادسیہ کی خونریز لڑائی میں ایرانیوں کے خلاف لڑتے ہوئے جامِ شہادت پیا۔ ان کے ایک بھائی عبداللہ بن وائل رضی اللہ عنہ بھی غزوۂ اُحد اور بعد کے غزوات میں ان کے ساتھ رہے۔

رضی اللہ عنہ

Marfat.com

حضرت مُدلج بن عمرو رضی اللہ عنہ

ان کے شرفِ صحابیت پر تو سب کا اتفاق ہے لیکن خاندان کے بارے میں سخت اختلاف ہے کسی نے انہیں سُلمی لکھا ہے کسی نے اَسَدی اور کسی نے اسلمی۔ ابنِ اثیرؒ نے ابنِ کلبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کا تعلق بنوغنم بن دودان بن اسد سے تھا۔ یہ قبیلہ مکہ میں بنوعبدالشمس کا حلیف تھا اس لیے حضرت مدلج رضی اللہ عنہ بھی بنوعبدالشمس کے حلیف تھے۔ ایک روایت میں ان کا نام مدلاج بن عمر بھی مذکور ہے لیکن ان کا نسب نامہ کسی نے بیان نہیں کیا۔ ان کا شمار ان جلیل القدر صحابہ کرام میں ہوتا ہے جو عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ ان کے دو بھائیوں مالک اور کثیرؓ (بروایتِ دیگر ثقف) کو بھی شرفِ صحابیت حاصل تھا۔ غزوہ بدر میں تینوں بھائی شریک تھے۔ حضرت مالکؓ جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے۔ حضرت مدلج رضی اللہ عنہ نے ۵۰ ہجری میں وفات پائی۔

رضی اللہ عنہ

Marfat.com

حضرت مالک بن عُمیر السلمی رضی اللہ عنہ

ان کا نسب نامہ کسی نے بیان نہیں کیا۔ ابنِ اثیرؒ نے صرف اتنا لکھا ہے کہ ان کا شمار اہلِ مدینہ میں ہوتا ہے۔ ان کو فتح مکہ، غزوۂ حنین اور غزوہ طائف میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ ان کا بیان ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، یا رسول اللہ! میں شاعر ہوں، آپ ازراہِ کرم شعروشاعری کے معاملے میں میری رہنمائی فرمائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی چیز تیرے پیٹ کو پیپ سے بھر دے تو اس سے بہتر ہے کہ اسے اشعار سے بھرا جائے۔ شارحینِ حدیث کا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں جس شاعری کی طرف اشارہ ہے، وہ بیہودہ مخربِ اخلاق عشقیہ شاعری ہے۔

حضرت مالک بن عمیر رضی اللہ عنہ کے سالِ وفات کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں۔

رضی اللہ عنہ

Marfat.com

حضرت عمرو بن ثعلب عنبری رضی اللہ عنہ

ان کے حسب ونسب کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابنِ اثیر کا بیان ہے کہ ان کا تعلق قبیلہ عبدالقیس سے تھا لیکن ساتھ ہی انہوں نے لکھا ہے کہ بعض اہلِ سِیَر کے مطابق وہ قبیلہ بکر بن وائل سے تھے اور ان چار اصحاب میں سے ایک تھے جو اس قبیلے سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تھے۔ باقی تین اصحاب یہ تھے

حضرت اسود بن عبداللہ' حضرت بشیر بن خصاصیہ اور حضرت فرات بن حیان رضی اللہ عنہم

ان کا تعلق بکر بن وائل کی مختلف شاخوں سے تھا۔

بظاہر یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ وہ بکر بن وائل سے تھے۔

حضرت عمرو بن ثعلب رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے غزوۂ اُحُد میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا اس کے بعد وہ عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔

حضرت عُمَر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بصرہ آباد ہوا تو انہوں نے بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ سالِ وفات کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں۔

ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مال آیا آپ ﷺ نے بعض لوگوں کو دیا اور بعض کو نہ دیا۔ پھر فرمایا' اللہ کی قسم

Marfat.com

میں کسی آدمی کو مال دیتا ہوں اور کسی کو نہیں دیتا اور جس کو میں نہیں دیتا وہ مجھے اس سے جس کو میں دیتا ہوں زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ میں ان لوگوں کو دیتا ہوں جن کے دل میں بے صبری دیکھتا ہوں اور جن لوگوں کے دلوں میں اللہ نے استغنا اور ایمان (پختگی سے) قائم کر دیا ہے میں انہیں ان صفات کے سپرد کر دیتا ہوں' عمرو بن ثعلب ایسے ہی لوگوں میں ہیں۔

حضرت عمرو بن ثعلب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ پسند آیا۔ (صحیح بخاری)

رضی اللہ عنہ

سیرت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

مؤلف: طالب الہاشمی

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آسمان ہدایت کے وہ روشن ستارے ہیں جنہیں دیکھ کر سفینۂ امت کے لیے منزل مقصود کا رخ متعین ہوتا ہے۔ تاریخ اسلام میں ان کی شخصیت اس اعتبار سے منفرد ہے کہ انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ ارشادات امت تک پہنچائے۔ یہ کتاب ہر علمی اور دینی لائبریری کی زینت بننے کے لائق ہے۔

طٰہٰ پبلی کیشنز

19- ملک جلال دین (وقف) بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

فون: 36120422-042 موبائل فون: 0333-4470509

Marfat.com

حضرت عمّار بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ

بنو اوس کے خاندان بنی ظفر کے چشم و چراغ تھے۔ ایک روایت میں ان کا نام عمرو بھی آیا ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

عمار (عمرو) بن معاذ بن زُرارہ بن عمرو بن غنم بن عدی بن حارث بن مرہ بن ظفر بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس (اوسی ظفری)

ان کے ایک بیٹے کا نام نُملہ تھا اسی کی نسبت سے ان کی کنیت ابو نُملہ تھی۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔

غزوۂ بدر (۲ھ) میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔ اس کے بعد عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود رہے۔ اربابِ سیر نے ان کا سالِ وفات بیان نہیں کیا۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ انہوں نے عبدالملک بن مروان (۶۵ھ تا ۸۶ھ) کے زمانے میں (کسی وقت) وفات پائی۔ ان کے دو بیٹے عبداللہ اور محمد سانحۂ حرّہ (۶۳ ہجری) میں شامی فوج کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔

حضرت ابو نُملہ عمار بن معاذ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے۔

حضرت ابو نُملہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں موجود تھا کہ اس اثنا میں ایک یہودی وہاں آ گیا۔ اس نے آپ ﷺ

Marfat.com

سے مخاطب ہو کر کہا:

اے محمد ﷺ! کیا اس جنازے نے اس دوسرے جنازے کے ساتھ جو ہمارے پاس سے گزرا ہے' کوئی بات کی تھی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا علم اللہ کو ہوگا۔ یہودی نے کہا' میں شہادت دیتا ہوں کہ اس نے بات کی تھی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مسلمانو! جب اہلِ کتاب تم کو کوئی بات اپنے مذہب کے بارے میں بتائیں تو تم نہ اس کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو بلکہ کہو کہ ہمارا اللہ اور اس کی کتاب پر ایمان ہے۔

(اُسدُ الغابہ)

رضی اللہ عنہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل (کے ثواب) کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے مگر تین باتوں کا ثواب برابر جاری رہتا ہے۔ صدقۂ جاریہ' علم جس سے نفع حاصل کیا جائے (جیسے کسی کو علم پڑھایا یا کوئی دینی کتاب لکھی) اور اولادِ صالح جو مرنے کے بعد اس کے لیے دعا کرے۔ (صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ

قبیلہ خزرج کے معزّز ترین خاندان بنو نجّار کے فرزندِ سعید تھے۔ ان کی کنیت ابوالحارث تھی۔ نسب نامہ یہ ہے:

ابوالحارث عبداللہؓ بن کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن ماذن بن نجار

ان کا شمار بڑے جلیل القدر صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ ان کو سب سے پہلے غزوہ بدر (رمضان ۲ ہجری) میں شریک ہونے کا شرفِ عظیم حاصل ہوا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس غزوے کے مالِ غنیمت کی حفاظت پر بھی مامور فرمایا۔ بدر کے بعد وہ عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔ علاّمہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ ان غزوات میں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خمس پر متعیّن رہے۔ انہوں نے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کے دوران میں باختلافِ روایت ۳۰ھ یا ۳۳ھ میں وفات پائی۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور خاکِ مدینہ نے ان کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

حدیثِ نبویؐ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خود بھی نرمی اور مہربانی کرنے والا ہے اور اس کو بندوں کا آپس میں نرمی اور مہربانی کرنا بھی پسند ہے اور نرمی پر وہ اتنا دیتا ہے جتنا کہ وہ سختی پر نہیں دیتا اور جتنا کہ نرمی کے علاوہ کسی چیز پر بھی نہیں دیتا۔ (صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن صعصعہ انصاری رضی اللہ عنہ

انصار کے معزز خاندان بنونجار کے چشم و چراغ تھے نسب نامہ یہ ہے:

عبداللہؓ بن صعصعہ بن وہب بن عدی بن مالک بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار انصاری خزرجی

غزوۂ بدر میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے اس کے بعد اُحد اور عہدِ رسالت میں باقی تمام غزوات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ایرانیوں کے خلاف معرکۂ جسر پیش آیا تو اسلامی لشکر میں حضرت عبداللہ صعصعہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ اسی لڑائی میں وہ رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

رضی اللہ عنہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی مخلوق پر رحم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرتا ہے اس لیے تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ (ابوداؤد)

Marfat.com

حضرت سلمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہ

ان کا خاندان تعلّق عرب کے مشہور قبیلے بنو باہلہ سے تھا۔نسب نامہ یہ ہے:
سلمان بن ربیعہ بن یزید بن عمرو بن سہم بن نصلہ بن غنم بن قُتیبہ بن معن بن مالک بن اعصر۔ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔

امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے ان کو صحابہؓ میں شمار کیا ہے لیکن ابنِ اثیرؒ کے بیان کے مطابق انہوں نے عہدِ رسالت کو پایا لیکن شرفِ صحابیت حاصل نہیں کیا۔ جمہور اربابِ سیَر نے امام بخاریؒ کی طرح ان کو صحابی تسلیم کیا ہے۔ تاہم عہدِ رسالت میں ان کا کوئی کارنامہ منظرِ عام پر نہیں آیا قیاس یہ ہے کہ اس وقت کم عمر ہوں گے گویا ان کا شمار صغائر صحابہؓ میں ہوگا۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں انہیں کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جن کا اس منصب پر کوفہ میں تقرّر ہوا اس زمانے میں لوگ حقوق العباد کا خاص خیال رکھتے تھے اس لیے ان کے پاس کبھی کبھار ہی کوئی مقدمہ آتا تھا۔ علامہ ابن اثیرؒ نے ابو وائلؒ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ''میں سلمان بن ربیعہ کے پاس چالیس دن تک آتا رہا لیکن میں نے ان کے پاس کسی مستغیث کو نہیں پایا۔'' کچھ عرصہ بعد امیر المؤمنین نے انہیں مدائن کا قاضی مقرر کردیا اور وہ کوفہ سے مدائن منتقل ہوگئے۔

ایک روایت کے مطابق انہوں نے حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شام

Marfat.com

کی فتوحات میں بھی مجاہدانہ حصہ لیا تھا۔ فی الحقیقت وہ ایک بلند پایہ عالمِ دین بھی تھے اور ایک سرفروش مجاہد بھی۔ جہاد کے سلسلے میں حضرت عُمَرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ ذِمّہ داری بھی سونپی کہ وہ مجاہدین کے لیے گھوڑوں کی فراہمی کا انتظام کریں۔ یہ کام انہوں نے بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔ اربابِ سِیَر کا بیان ہے کہ وہ کوفہ میں چار ہزار گھوڑے جہاد کے لیے تیار رکھتے تھے اسی لیے سلمان الخیل کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ اگر دشمن کبھی مملکتِ اسلامیہ کی طرف رُخ کرتا اور سرحد کے قریب پہنچ جاتا تو مجاہدینِ اسلام کوفہ میں موجود گھوڑوں پر سوار ہو کر فوراً اس کے مقابلہ پر پہنچ جاتے۔

خلیفۂ ثالث حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ایک مہم آذربائیجان کی طرف روانہ کی گئی تو حضرت سلمانؓ بن ربیعہ بھی اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے اور آذربائیجان میں کُفّار کے خلاف جہاد کیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمانؓ کو حضرت حبیب بن مَسلمہ فہری رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے روانہ کیا تھا جو آذربائیجان کے حاکم مقرر کیے گئے تھے۔ آذربائیجان سے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بحیرہ خزر کے ساحلی مقام بلنجر پہنچے اور وہیں کُفّار کے خلاف جہاد کرتے ہوتے شہادت پائی۔ یہ واقعہ بَاِختِلافِ روایت ۲۷ھ یا ۳۰ یا ۳۱ ہجری میں پیش آیا۔

حضرت سلمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے چند حدیثیں بھی مروی ہیں جنہیں عدی بن عدی، ضبی بن معبد اور ابووائل نے روایت کیا ہے۔

رضی اللہ عنہ

Marfat.com

حضرت سعد بن عُبَید انصاری رضی اللہ عنہ

انصار کے قبیلے اوس کے فرزند سعید تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

سعدؓ بن عبید بن نعمان بن قیس بن عمرو بن زید بن اسید (امیہ) بن صبیعہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس

ان کی کنیت ابوزید بھی تھی اور ابو عُمیر بھی۔

ان کا شمار بدری صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ غزوۂ بدر کے بعد وہ عہدِ رسالت کے کن غزوات میں شریک ہوئے' اربابِ سِیَر نے اس کی وضاحت نہیں کی۔ وہ انصار کے ان چار صحابہؓ میں سے ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآنِ حکیم حفظ کیا تھا دوسرے تین حضرت اُبَیّ بن کعب' حضرت معاذ بن جَبَل اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم تھے۔ ایک روایت کے مطابق ان چاروں نے عہدِ رسالت میں قرآن حکیم جمع کرنے میں بھی حصّہ لیا تھا اور اسے حِفظ بھی کیا تھا۔ اسی بنا پر بنو اوس ان پر فخر کیا کرتے تھے۔ حضرت سعد بن عُبَید رضی اللہ عنہ کو قرآنِ حکیم سے لگاؤ اور اس کی قرأت کی بدولت یہ عزّت بھی حاصل ہوئی کہ وہ قاری کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

امیر المؤمنین حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ایرانیوں کے خلاف ۱۵ھ میں قادسیّہ کی مشہور لڑائی پیش آئی۔ اسلامی لشکر میں حضرت سعد بن عُبَید

Marfat.com

بھی شامل تھے۔

لڑائی کے آغاز سے ایک دن پہلے حضرت سعد بن عبید رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھی مجاہدین سے مخاطب ہو کر کہا:

''کل دشمن سے ہمارا مقابلہ ہوگا اور مجھے شہادت نصیب ہوگی' مجھے تدفین سے پہلے نہلایا نہ جائے اور انہی (خون آلود) کپڑوں میں مجھے دفن کر دیا جائے۔''

چنانچہ دوسرے دن انہوں نے مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی اور ان کے ساتھیوں نے ان کی وصیّت پر عمل کیا۔ اس وقت ان کی عمر ۶۴ سال کی تھی۔ ان کے بیٹے کا نام عمیرؓ تھا وہ ایک درویش صفت انسان تھے اور ان کو بھی شرفِ صحابیت حاصل تھا۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں کچھ عرصہ کے لیے پورے شام یا اس کے ایک حصے کے والی بھی رہے۔ ان کی نسل آگے نہیں چلی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو شخص اللہ کا ذکر نہیں کرتا ان کی مثال زندہ اور مردہ شخص کی ہے۔ (صحیح بخاری)

Marfat.com

حضرت جاریہ بن ظفر رضی اللہ عنہ

ان کا تعلّق یمامہ کے مشہور قبیلے بنو حنیفہ سے تھا۔ کنیت ان کی اپنے ایک بیٹے کے نام پر "ابونمران" تھی۔ نسب نامہ کسی نے بیان نہیں کیا البتہ ان کے شرفِ صحابیت میں کوئی شک نہیں۔ قبول اسلام کے زمانے کے بارے میں وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ قیاس یہ ہے کہ فتحِ مکّہ کے بعد اپنے قبیلے کے ایک وفد میں شامل ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کی۔ حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں کوفہ آباد ہوا تو وہ اپنے وطن سے کوفہ چلے گئے اور وہیں مستقل اقامت اختیار کر لی اس لیے ان کا شمار کوفی صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ ان سے ان کے بیٹے نمران، مولیٰ (آزاد کردہ غلام) عقیل بن دینار اور حضرت یزید بن معبد حنفی رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے۔ ان سے مروی ایک حدیث یہ ہے:

"ایک گھر دو بھائیوں کی مشترکہ ملکیّت تھا۔ ان دونوں نے اس گھر کے اندر ایک کٹہرا بکریاں باندھنے کے لیے بنایا جب وہ دونوں فوت ہو گئے تو دونوں میں سے ایک کی اولاد نے دعویٰ کیا کہ کٹہرا ہمارا ہے۔ اس جھگڑے کے فیصلہ کے لیے فریقین نے بارگاہِ رسالت میں مقدمہ پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ بن یمان (رضی اللہ عنہما) کو فیصلہ کرنے کے لیے ان کے ہمراہ بھیجا۔ انہوں نے موقع کا جائزہ لے کر فیصلہ کیا کہ وہ کٹہرا اس کا ہے جس کے قریب (مُتّصِل) بکریاں باندھنے کی جگہ ہو۔ یہ فیصلہ کر کے واپس آئے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے فیصلے سے آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، تم نے اچھا فیصلہ کیا۔ (اُسدُ الغابہ)

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ نے "الاِصابہ" میں بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ

Marfat.com

ایک چراگاہ کے معاملے میں حضرت جاریہ بن ظفر رضی اللہ عنہ کی اپنے قبیلے کے ایک اور صحابی حضرت قیس بن معبد رضی اللہ عنہ سے لڑائی ہوگئی جس میں دونوں بزرگ زخمی ہو گئے۔ (حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے حضرت جاریہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ کاٹ ڈالا اور حضرت جاریہؓ نے حضرت قیسؓ کو مجروح کر دیا۔) پھر دونوں فریق اپنا مقدمہ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے بیانات سن کر حضرت جاریہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''قیس سے جو زیادتی تمہاری طرف سے ہوئی ہے اور ہاتھ کٹنے سے جو صدمہ تمہیں پہنچا ہے وہ مجھے بخش دے۔''

حضرت جاریہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''یارسول اللہ (صلی اللہ علیک)! میں تو قصاص لوں گا۔''

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قیس بن معبد رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اے قیس! تجھے جاریہ کے مارنے پیٹنے سے جو صدمہ پہنچا وہ مجھے بخش دے اور اپنے دعوے سے دستکش ہو جا۔''

حضرت قیس بن معبد رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اپنے دعوے سے دستبردار ہو گئے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور آپ نے حضرت قیس رضی اللہ عنہ کے لیے کشائشِ رزق اور اولادِ صالح عطا کیے جانے کی دعا فرمائی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جاریہ رضی اللہ عنہ کو بھی تاوان لینے پر راضی کر لیا اور ان کو حضرت قیس بن معبد رضی اللہ عنہ کے مال سے دِیت دلائی۔ حضرت جاریہ بن ظفر رضی اللہ عنہ کے سالِ وفات کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں۔

Marfat.com

حضرت حارث بن قیس زُرقی رضی اللہ عنہ

انصار کے خاندان بنوزُرَیق کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

حارث بن قیس بن خالد (بروایتِ دیگر خلدہ) بن مُخلد بن عامر بن زریق بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب بن جُشم بن خزرج

بنوزُرَیق قبیلہ خزرج ہی کا ایک بطن تھے اس لیے انہیں زُرقی خزرجی کہا جاتا ہے ان کی کنیت ابو خالد تھی انہوں نے اسی سے شہرت پائی۔ ان کا شمار انصار کے سابقین اوّلین میں ہوتا ہے۔ سب سے پہلے بیعتِ عقبہ کبیرہ میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رِکاب رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مُسیلمہ کذّاب کے خلاف یمامہ کی جنگ پیش آئی تو حضرت ابو خالد اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے اور اسی جنگ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے زخمی ہو گئے۔ یہ زخم مندمل ہو گیا مگر حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں یہ پھر عود کر آیا (کھُل گیا) اور اسی کے صدمے سے انہوں نے وفات پائی۔ اسی بنا پر انہیں شہدائے جنگِ یمامہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہید ہونے والے مردِ مومن کے سارے گناہ راہِ خدا میں جان کی قربانی دینے کی وجہ سے بخش دیے جاتے ہیں بجز قرض کے۔ (صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت ابو ہند حجام بیاضی رضی اللہ عنہ

ان کا نام باختلافِ روایت عبداللہ یا یسار تھا لیکن انہوں نے اپنی کنیت ابو ہند سے شہرت پائی۔ وہ جلیل القدر صحابی حضرت فروہ بن عمرو بیاضی رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام (مولیٰ) تھے۔

ان کے حسب ونسب کے بارے میں کُتبِ سِیَر خاموش ہیں البتہ ان کی جلالتِ قدر اور شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے۔ ابنِ اثیرؒ کے بیان کے مطابق وہ پیشہ کے اعتبار سے حجام (مُوتراش) تھے اور فصد لینے میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ ان کو یہ مہتم بالشّان شرف حاصل ہوا کہ غزوۂ بدر کے علاوہ عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ حضرت فروہ بن عمرو رضی اللہ عنہ جنہوں نے حضرت ابو ہندؓ کو آزاد کیا تھا' انصار کے خاندان بنو بیاضہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی بنا پر ایک مرتبہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو بیاضہ سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا:

"اے بنو بیاضہ! ابو ہند کا تعلق انصار سے ہے اس لیے اس کے نکاح کا بندوبست کرو۔"

اہلِ سِیَر نے تفصیل تو نہیں دی لیکن قیاس یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں حضرت ابو ہند رضی اللہ عنہ کی شادی انصار ہی کے کسی خاندان میں ہو گئی ہو گی۔

حضرت ابو ہند رضی اللہ عنہ کو یہ سعادت بھی نصیب ہوئی کہ ایک موقع پر انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ کی ایک رگِ اطہر سے رفعِ درد کے لیے فصد لیا تھا۔ حضرت ابو ہند رضی اللہ عنہ کے مزید حالات کُتبِ سِیَر میں نہیں ملتے۔

Marfat.com

حضرت ابوموَیہبہ رضی اللہ عنہ

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) تھے ان کا تعلّق بنومُزَینہ سے تھا لیکن ان کے نام ونسب اور حالاتِ زندگی کے بارے میں کتُبِ سِیَر خاموش ہیں۔ ان سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ غزوۂ بنومُصطَلِق (یا مُرَیسِیع) میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رِکاب تھے۔ یہ غزوہ ۵ ہجری میں پیش آیا تھا اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا تھا لیکن انہوں نے آپ کی خدمت ہی میں رہنا پسند کیا تھا۔ جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو (بن عاص) رضی اللہ عنہما نے ان (حضرت ابوموَیہبہؓ) سے روایت کی ہے کہ ایک رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور فرمایا اے ابوموَیہبہ! مجھے حکم ہوا ہے کہ میں جَنّتُ البقیع والوں کے لیے مغفرت کی دعا مانگوں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل پڑا۔ ہم قبرستان (جَنّتُ البقیع) میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھائے (جنت البقیع میں مدفون مسلمانوں) کے لیے مغفرت کی دعا کی اور فرمایا۔

"اے اہلِ قبور! جس حالت میں تم ہو وہ اس حالت سے آسان تر ہے جو تمہارے بعد آنے والے لوگوں کو پیش آئے گی، فتنے شبِ تاریک کے اندھیرے کی طرح مسلسل بڑھتے چلے آرہے ہیں اور دوسرا فتنہ پہلے سے زیادہ مہیب ہو گا۔ اے ابوموَیہبہ! مجھے دنیا اور آخرت کی کنجیاں دی گئیں اور مجھے اختیار دیا گیا کہ

Marfat.com

خواہ دین و دنیا کی نعمتیں پسند کر لوں یا اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ترجیح دوں۔ میں نے اللہ کی ذات کو ترجیح دی۔"

حضرت ابو مویہبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں' آپ دین اور دنیا کی نعمتیں پسند فرما لیتے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اے ابو مویہبہ! میں نے اللہ تعالیٰ کے دیدار اور جنّت کو ترجیح دی ہے۔

اس کے بعد آپ واپس تشریف لے آئے اور دوسری صبح کو آپ ﷺ کی اس بیماری کا آغاز ہو گیا جس کی وجہ سے آپ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

(اُسدُ الغابہ)

رضی اللہ عنہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو پہلے داہنے پاؤں میں پہنے اور جب اتارنے لگے تو پہلے بائیں پاؤں سے اتارے گویا داہنا پاؤں جوتا پہننے میں مقدم اور اتارنے میں مؤخر ہو۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت ابو عیاش زُرقی انصاری رضی اللہ عنہ

ان کی کنیت ''ابو عیاش'' اور شرفِ صحابیت پر تو سب کا اتفاق ہے لیکن نام اور نسب میں اختلاف ہے۔ کسی نے ان کا نام زید بن صامت کسی نے زید بن نعمان اور کسی نے عبید بن زید بن صامت بیان کیا ہے۔ اسی طرح شجرۂ نسب میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے صامت تک ان کا نسب اس طرح لکھا ہے' عبید بن زید بن صامت اور بعض نے عبید بن معاویہ بن صامت لکھا ہے۔ مُؤخّرالذّکر پورا شجرۂ نسب اس طرح ہے۔

عبید بن معاویہ بن صامت بن یزید بن خلدہ بن مخلد بن عامر بن زریق بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب بن جشم بن خزرج

ان کی والدہ خولہ بنتِ زید بن نعمان بن خلدہ بن عامر بن زریق تھیں۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابو عیاش رضی اللہ عنہ کو عہد رسالت کے تمام غزوات میں شریک ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ انہوں نے بَاِختِلافِ روایت ۴۰ھ یا ۵۰ھ کے بعد وفات پائی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابو عیاش زرقیؓ نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے) اللہ تعالیٰ سے سوال کیا اور اس سے پہلے اس کی حمد و ثنا کی' اس کو وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ حُنَّانٍ مَنَّان بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض اور ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَام کہا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو عیاش! تو نے اللہ سے اس کے وضعی ناموں کے ساتھ درخواست کی ہے جسے وہ قبول کرتا ہے اور جو مانگا جائے وہ ضرور عطا کرتا ہے۔

Marfat.com

حضرت ابوخُزَیمہ بن اَوس انصاری رضی اللہ عنہ

قبیلہ خزرج کی شاخ بنونجّار سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

ابوخُزَیمہؓ بن اَوس بن زید بن اصرم بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار۔ ایک روایت میں اصرم کو زید کا اور زید کو ثعلبہ کا بیٹا بتایا گیا ہے یعنی اصرم بن زید بن ثعلبہ واللہ اعلم

ان کا شمار بڑے عظیم المرتبت صحابہؓ میں ہوتا ہے انہوں نے عہدِ رسالت کے تمام غزوات (بدر سے لے کر تبوک تک) میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کی۔ حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے قرآنِ حکیم کے تمام اجزاء جمع کیے تو سورۂ توبہ کا آخری حصہ انہیں حضرت ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ملا۔ انہوں نے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ جلیل القدر صحابی حضرت مسعود بن اُوس انصاری رضی اللہ عنہ ان کے بھائی تھے۔ وہ بھی عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رِکاب رہے۔ حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مصر فتح کرنے والے لشکر میں بھی شریک تھے۔ ایک روایت کے مطابق وہ حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں فوت ہوئے لیکن ایک اور روایت کے مطابق وہ اس کے بعد بھی بہت عرصہ تک حیات رہے اور جنگِ صفّین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے واللہ اَعلم بِالصَّواب

Marfat.com

حضرت حُر بن قیس فزاری رضی اللہ عنہ

ان کا تعلق بنوفزارہ سے تھا جو مشہور عرب قبیلے بنو غطفان کے بطن بنوذبیان کی ایک شاخ تھا اور سب سے بڑا غطفانی قبیلہ تھا۔ یہ لوگ حجاز کے شمالی حصے (بقول بعض نجد اور وادی القریٰ) میں آباد تھے۔ حضرت حُر کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

حُرؓ بن قیس بن حصن بن حذیفہ بن بدر بن عمرو بن جویہ بن لوذان بن ثعلبہ بن عدی بن فزارہ بن ذبیان فزاری

۹ سنہ ہجری میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو چودہ یا پندرہ آدمیوں پر مشتمل بنوفزارہ کا ایک وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ حضرت حُرؓ بن قیس اسی وفد میں شامل تھے اور اس وفد کے سب سے کم عمر رُکن تھے۔ اس وفد کے تمام اراکین بارگاہِ نبوی میں حاضر ہونے سے پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے۔ جب انہوں نے اپنے اسلام کا اقرار کیا تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اُن کے علاقے کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! ہمارے علاقے میں مدت سے بارش نہیں ہوئی' خشک سالی کی وجہ سے ہمارے کھیت خشک ہو گئے ہیں' مویشی ہلاک ہو گئے ہیں اور علاقے میں قحط پڑ گیا ہے' آپ ہمارے لیے بارش کی دعا فرمائیں۔"

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت منبر پر تشریف لے گئے اور بدیں الفاظ دعا کی۔

"اے اللہ اپنے بندوں اور چوپایوں کو سیراب کر دے' اپنی رحمت کو عام کر دے اور اپنے مُردہ ملک کو زندگی عطا فرما' الٰہی ہمیں سیراب کرنے والی اور وسیع ہمہ گیر خوشگوار اور تازگی بخشنے والی بارش جلد عطا فرما' وہ بارش جو نفع دینے والی ہو اور نقصان نہ پہنچانے والی ہو' اے اللہ ہمیں بارانِ رحمت سے سیراب کر جو نہ باعثِ عذاب ہو اور نہ گرانے والی تباہ کرنے والی اور غرق کرنے والی ہو۔ اے اللہ ہمیں بارش سے سیراب کر اور دشمنوں پر فتح دے۔"

یہ دعا فوراً درِ اجابت پر پہنچی۔ بارش ہوئی اور مسلسل چھ دن تک ہوتی رہی۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش رُکنے کی دعا کی اور بارش رُک گئی۔ اہلِ سِیَر کا بیان ہے کہ بنو فزارہ کے علاقے میں بھی یہی صورتِ حال پیش آئی۔ بارش سے جل تھل ایک ہو گئے اور قحط دور ہو گیا۔ (طبقات ابنِ سعد)

حضرت حُرؓ بن قیس نہایت دانا آدمی تھے۔ ان کو شرفِ صحابیت کے علاوہ حفظِ قرآن کی سعادت بھی حاصل ہو گئی تھی۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ ان کے بہت قدردان تھے اور ان کو اپنی مجلس میں (اپنے قریب) بٹھایا کرتے تھے۔ مشہور بدوی سردار عیینہ بن حصن فزاری حضرت حُرؓ کے چچا تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں عیینہؓ نے (جو اپنے قبیلے بنو فزارہ کے سردار تھے) دیکھا کہ ان کے بھتیجے کو بارگاہِ خلافت میں تقرّب حاصل ہے تو انہوں نے حضرت حُرؓ سے کہا کہ بھتیجے! میں امیر المومنین سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں' تم ان کے ہم نشین ہو' مجھے ان کے پاس لے چلو۔ حضرت حُرؓ ان کو امیر المومنین کے پاس لے گئے۔ عیینہؓ بن حصن اگرچہ اسلام قبول کر چکے تھے لیکن ان کے مزاج سے قبلِ اسلام کی درشتی نہیں گئی تھی۔

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہی بڑے سخت (بدویانہ) لہجے میں یوں گویا ہوئے۔

''اے ابنِ خطّاب! واللہ تم ہمیں مال نہیں دیتے اور مال کی تقسیم میں ہمارے ساتھ انصاف نہیں کرتے۔''

عیینہ کی یہ شکایت قطعاً بے جا اور ناروا تھی اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور انہوں نے عیینہ کو سزا دینے کا ارادہ کیا۔ اس موقع پر حضرت حُرؓ آگے بڑھے اور عرض کیا:

''امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں فرمایا ہے

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ O (الاعراف آیۃ:۱۹۹)

(نرمی و درگزر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کیے جاؤ اور جاہلوں سے نہ الجھو)

حضرت حُرؓ کی بات سن کر حضرت عمرؓ نے درگزر سے کام لیا کیونکہ ان کی عادت تھی کہ کتاب اللہ کو سن کر اس پر حرف بحرف عمل کرتے تھے۔ (اُسدُ الغابہ)

حضرت حُرؓ بن قیس کے سالِ وفات کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں۔

رضی اللہ عنہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھوٹا بڑے کو سلام کیا کرے اور راستہ سے گزرنے اور چلنے والا بیٹھے ہوؤں کو سلام کیا کرے اور تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں کی جماعت کو سلام کیا کریں۔ (صحیح بخاری)

Marfat.com

اصحابِ صُفّہ رض

(۱)

جب مرکزِ رسالت مکہ سے مدینہ منورہ کو منتقل ہوا تو نہ صرف عرب کے گوشہ گوشہ سے بلکہ عرب سے متصل دوسرے علاقوں سے بھی سعید الفطرت لوگ حق کی تلاش میں مدینہ منورہ پہنچنے لگے۔ یہ لوگ راہِ حق میں بیوی بچوں اور مال و دولت سے منہ موڑ لیتے تھے اور اپنا وطنِ عزیز ترک کر کے اپنی جانوں کو خدمتِ اسلام کیلئے وقف کر دیتے تھے۔ سفر کی صعوبتیں اور غریب الوطنی کی تکلیفیں خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے۔ فقر و فاقہ اور عسرت و افلاس کی زندگی کو انہوں نے محض رضائے الٰہی کی خاطر اختیار کیا تھا۔ حالت امن میں وہ خدا کے مسکین ترین بندے تھے اور میدانِ جہاد میں شیرانِ نر سے بڑھ کر تھے۔ جب ان غریب الدّیار درویشانِ اسلام کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا تو سرورِ کائنات ﷺ نے ان کی مستقل رہائش کیلئے مسجدِ نبوی سے جانبِ شرق ایک مسقّف چبوترہ بنوایا۔ عربی میں سائبان یا مسقّف والان کو صُفّہ کہتے ہیں اس لیے یہ مردانِ حق آگاہ بھی اصحابِ صُفّہ کہلانے لگے۔ ان میں مدینہ منورہ کے مسکین صحابہ بھی شامل ہو گئے۔ ان سب اصحاب کو اضیاف الاسلام (اسلام کے مہمان) یا اضیاف اللہ (اللہ کے مہمان) بھی کہا جاتا تھا۔ ان کی تعداد کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ محتاط اندازے کے مطابق ان مسکین صحابہ کرام رض کی کم از کم تعداد اسّی تھی جو بعض اوقات بڑھ کر چار سو تک پہنچ جاتی تھی۔ ان بزرگوں میں سے جو شخص شادی کر لیتا تھا اور اہل و عیال کے حقوق و فرائض پورا کرنے کا پابند ہو جاتا تھا وہ ان کے حلقے سے خود بخود نکل جاتا تھا۔

اصحابِ صُفّہ رضی اللہ عنہم میں سے پچاس بہت مشہور ہیں ان کے اسمائے گرامی

Marfat.com

حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (۲) حضرت حنظلہ بن ابی عامر انصاری رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عبداللہ بن خالد غفاری (۴) حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ (۵) حضرت ابو ثعلبہ انصاری رضی اللہ عنہ (۶) حضرت حبیب بن زید بن عاصم انصاری (۷) حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن زید بن حارثہ انصاری (۸) حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی (۹) حضرت ثابت بن ضحاک خزرجی رضی اللہ عنہ (۱۰) حضرت عبداللہ بن ام مکتوم (۱۱) حضرت عبید مولیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (۱۲) حصرت ابو کبشہ مولی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (۱۳) حضرت یسار راعی مولیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (۱۴) حضرت معاویہ بن حکم سلمی (۱۵) حضرت عکاشہ بن محصن اسدی (۱۶) حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ عنہ (۱۷) حضرت سفینہ مولیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (۱۸) حضرت شقران مولیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (۱۹) حضرت عمرو بن ثعلبہ انصاری (۲۰) حضرت حذیفہ بن اسید غفاری (۲۱) حضرت خبیب بن اساف انصاری (۲۲) حضرت ابو ریحانہ مولیٰ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم (۲۳) حضرت سعد بن مالک خزرجی (۲۴) حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ (۲۵) حضرت سائب بن خلاد (۲۶) حضرت صفوان بن بیضا فہری (۲۷) حضرت قرۃ بن ایاس رضی اللہ عنہ (۲۸) حضرت مسطح بن اثاثہ (۲۹) حضرت ابو فراس ربیعہ بن کعب سلمی (۳۰) حضرت ابو مویہبہ مزنی مولیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (۳۱) حضرت اوس بن اوس ثقفی (۳۲) حضرت ہلال مولیٰ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ (۳۳) حضرت مسعود رضی اللہ عنہ بن ربیع (۳۴) حضرت عبادہ بن قرص لیثی (۳۵) حضرت عویم بن ساعدہ بدری (۳۶) حضرت شداد بن اسید سلمی رضی اللہ عنہ (۳۷) حضرت سالم بن عبید اشجعی (۳۸) حضرت ابو بشر بشیر بن معبد اسلمی (۳۹) حضرت عبداللہ بن بدر جہنی (۴۰) حضرت طلحہ بن عمرو نضری (۴۱) حضرت عبداللہ بن انیس جہنی (۴۲) حضرت عیاض بن حمار مجاشعی (۴۳) حضرت حرملہ بن ایاس عنبری (۴۴) حضرت ابو سعید ثابت بن ودیعہ ادسی (۴۵) حضرت عبداللہ بن حبشی خثعمی (۴۶) حضرت حارثہ بن خمیر اشجعی (۴۷) حضرت عبداللہ بن اسود سدوسی

Marfat.com

(۴۸) حضرت ابو محمد فضالہ بن عبید اوسیؓ (۴۹) حضرت واثلہ بن اسقع کنانیؓ
(۵۰) حضرت وابصہ بن معبد اسدیؓ

(۲)

اصحابِ صُفَّہ کے فقر و استغنا کا عجیب عالم تھا۔ ان پر کئی کئی وقت کے فاقے گزر جاتے تھے لیکن زبان پر حرفِ شکایت نہ آتا تھا۔ جب رسولِ کریم ﷺ کی اقتدا میں نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ان میں سے بعض نحیف الجثہ اصحاب ضعف اور گرسنگی سے عین حالتِ نماز میں گر پڑتے اور بے ہوش ہو جاتے۔ حضور ﷺ نماز سے فارغ ہو کر انہیں اٹھاتے اور فرماتے۔ ''اے صعالیک المہاجرین اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ بارگاہِ الٰہی میں تمہارا کیا درجہ ہے تو خدا کی قسم اس فقر و فاقہ کو تم اور بھی زیادہ محبوب رکھو اور پھر صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرماتے۔

''بھوکا پیٹ ستّر عقلمند عابدوں سے بھی اللہ کو پیارا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اسی مقدس گروہ کے ساتھ عبادت کرنے کے لیے ارشاد فرمایا۔

واجر نفسك مع الذین یدعون ربهم (الخ)

حضور ﷺ ان درویشانِ راہِ حق کو بے حد محبوب رکھتے اور ہر معاملہ میں ان کا خاص خیال رکھتے۔ جب کہیں سے صدقہ کا کھانا آتا تو حضور ﷺ یہ تمام کھانا اصحابِ صُفّہ کو بھیج دیتے۔ کبھی انہیں مہاجرین اور انصار پر تقسیم فرما دیتے۔ ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق ان میں سے ایک ایک دو دو کو اپنے ساتھ لے جاتا اور کھانا کھلاتا۔ اگر کوئی صحابی حضور ﷺ کو کھانے کی دعوت دیتا تو آپ ﷺ اصحابِ صُفّہ رضی اللہ عنہم کو اپنے ساتھ لے جاتے اور اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے۔ اللہ تعالیٰ تھوڑے کھانے میں بھی برکت دیتا تھا۔ حضور ﷺ کو اصحابِ صُفّہ کا جتنا خیال تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ کی جگر گوشہ حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراؓ نے یہ کہہ کر ایک کنیز کے لیے درخواست کی کہ ابا جان! چکی پیستے پیستے

Marfat.com

میرے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے ہیں اور شدید محنت و مشقت نے مجھے نحیف و نزار کر دیا ہے۔

حضور ﷺ نے ان کی بات سن کر فرمایا "بیٹی سب سے پہلے مجھے اصحابِ صُفّہؓ کی خورونوش کا انتظام کرنا ہے۔ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اصحابِ صُفّہ تو بھوکے مر رہے ہوں اور میں اپنی بیٹی کے آرام کے لیے اسے کنیز دوں۔ بیٹی صبر و شکر سے اپنا وقت گزارو"۔

حضور ﷺ کو اصحابِ صُفّہؓ کی تعلیم و تربیت کا بھی خاص خیال تھا۔ خود بھی انہیں نہایت محبت سے تعلیم دیتے اور مُعلّم سے بھی دلاتے جو خاص طور پر ان کے لیے مقرر فرمایا تھا۔ حضور ﷺ کی شفقت و عنایت سے ان بزرگوں کو حدیث قرآن اور قرأت میں خوب مہارت حاصل ہو گئی تھی۔ حفظِ قرآن سے بھی انہیں خاص شغف تھا اور انہی اوصاف کی بدولت وہ "قُرّاء" کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ غزوہ بئرِ معونہ میں رسولِ کریم ﷺ نے اسلام کی تعلیم کے لیے جو ستّر اصحاب بھیجے تھے ان میں بیشتر تعداد اصحابِ صُفّہؓ کی تھی۔ جب مشرکین نے ان سے دھوکا کیا تو وہ سب نہایت بہادری سے لڑ کر شہید ہو گئے۔

(۳)

سرورِ عالم ﷺ نے ایک دفعہ اصحابِ صُفّہؓ کے زہد و فقر کو دیکھ کر فرمایا:

"اے درویشانِ راہِ حق جو کوئی میری اُمّت میں اس طرح عمر گزارے جس طرح تم گزار رہے ہو تو قیامت کے دن وہ میرے رفیقوں میں ہو گا"۔

سید الخزرج حضرت سعدؓ بن عبادہ انصاری کو اکثر یہ سعادت نصیب ہوتی کہ وہ تمام اصحابِ صُفّہ رضی اللہ عنہم کو کھانا کھلاتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دولتِ دنیا سے سرفراز کیا تھا۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی خوشنودی کے لیے وہ اس دولت کو بے محابا اصحابِ صُفّہؓ پر صرف کرتے رہتے تھے۔

اصحابِ صُفّہؓ کی زندگی راہبانہ نہ تھی اور محض محتاج ہو کر بیٹھ رہنا انہیں گوارا نہ تھا۔

Marfat.com

چنانچہ وہ صبح کو جنگل جا کر گری پڑی لکڑیاں چُن لیتے اور انہیں فروخت کر کے گزر اوقات کرتے۔ جس دن کچھ نہ ملتا صبر شکر کر کے پڑ رہتے۔ مدینہ کے قیام اور سفر وحضر میں رسولِ کریم ﷺ کی خدمت و اطاعت ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ تحصیلِ علم ہی ان کا مقصدِ وحید نہیں تھا' جب جہاد کا موقع آتا تو یہی مسکین طبع اصحاب مجاہدینِ اولوالعزم بن جاتے اور شمشیر بکف ہو کر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے لئے اپنی جانوں کی بازی لگا دیتے تھے۔

(۴)

اصحابِ صُفہؓ کے لباس کا یہ عالم تھا کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کے پاس تہبند اور چادر دونوں چیزیں ہوں۔ ایک چادر یا گلیم کے سوا ان کے پاس کوئی کپڑا نہ ہوتا تھا۔ وہ اس چادر کو اپنے گلے میں اس طرح باندھ لیتے تھے کہ بعض کے نصف ساق تک لٹک آتی تھی اور بعض کے ٹخنوں تک پہنچ جاتی تھی۔ جب نماز پڑھتے ہوئے وہ سجدوں میں جاتے تو اپنی چادروں کو سمیٹ لیتے تاکہ ستر کی جگہ نہ کھلے۔

حضور ﷺ کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مستقبل میں یہی بزرگ جن کا لباس پھٹے پرانے چیتھڑے ہوتا تھا اور جنہیں روٹی کا ایک ٹکڑا بھی مشکل سے میسّر ہوتا تھا دنیائے اسلام میں بڑی نامور شخصیّتوں کے مالک بنے۔ ایک وقت تھا کہ اہلِ یثرب بھی ان کے ناموں سے آشنا نہ تھے۔ پھر وہ وقت آیا کہ بڑے بڑے وسیع اور عریض صوبے ان کے زیرِ نگین تھے جن پر انہوں نے نہایت لیاقت اور دیانت سے حکومت کی۔ آقائے دو جہاں ﷺ کے فیضِ صحبت نے انہیں کچھ کا کچھ بنا دیا۔ ان میں سے بہترین عالم' بہترین سیاستدان' بہترین مُعلّم' بہترین سپہ سالار' بہترین حکمران' بہترین مُدبِر اور بہترین تاجر پیدا ہوئے۔ یہ لوگ صبر و استقامت کے اس بلند مقام پر تھے جہاں فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں۔ ان کی بلاکشی نے شجرِ اسلام کی اس طرح آبیاری کی کہ وہ تھوڑے ہی عرصہ میں بڑھ کر ایک تناور درخت بن گیا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہم

Marfat.com

خطاب بہ جوانانِ اسلام

کبھی اے نوجوان مُسلِم تدبّر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردُوں تھا تُو جس کا ہے اک ٹُوٹا ہوا تارا

تجھے اُس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کُچَل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا

تمدن آفریں، خلّاقِ آئینِ جہاں داری
وہ صحرائے عرب یعنی شتربانوں کا گہوارا

سماں 'اَلفَقرُ فَخرِی' کا رہا شانِ امارت میں
بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہانبان و جہاں آرا

اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر ترے تخیّل سے فزوں تر ہے وہ نظارا

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیّارا

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریّا سے زمین پر آسماں نے ہم کو دے مارا

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مُسَلّم سے کوئی چارا

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

غنی روزِ سیاہِ پیرِ کنعاں را تماشا کن
کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخا را

(اقبالؒ)

Marfat.com

۴۰

چالیس

مشاہیرِ اُمّت

(تابعین، تبع تابعین، مجاہدین، فاتحین، مُصلحین،
محقّقین، مصنّفین اور دوسرے اربابِ فضل وکمال)
کے تذکارِ جمیل

Marfat.com

حضرت خواجہ اویس قرنیؒ

(۱)

خیر التابعین حضرت خواجہ اویس قرنیؒ تاریخ اسلام کی ایک پُراسرار شخصیت ہیں۔ ایک طرف تو بعض اکابرِ اُمّت اُن کے وجود ہی سے انکار کرتے ہیں لیکن دوسری طرف ان کے فضائل و مناقب سے تاریخ و سِیَر کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ جن اصحاب نے ان کے وجود سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔ ان میں امام مالکؒ، امام بخاریؒ، عمرو بن مرہؒ، ابواسحٰق سبیعیؒ اور سمعانیؒ قابل ذکر ہیں۔ لیکن اس کے برعکس محدّثین، مشائخ و علماء کا ایک کثیر طبقہ خواجہ اویس قرنیؒ کے وجود کا دل سے قائل ہے اور انہوں نے آپ کے وجود کے حق میں ناقابل تردید دلائل پیش کیے ہیں۔ صحیح مسلم میں ان کے مستقل فضائل ملتے ہیں اور مُسندِ احمدؒ بن حنبل، مُسندِ ابویعلیٰ، دلائلِ بیہقی، مستدرکِ حاکم، تہذیب التہذیب، اُسدُ الغابہ، طبقات ابنِ سعد اور اِصابہ وغیرہ میں خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے جو حالات بیان کیے گئے ہیں اُن کے پیشِ نظر ان کے وجود میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو مستور الحال رہنا پسند تھا۔ تمام عمر انہوں نے نمود و نمائش سے احتراز کیا۔ اس لیے اگر بعض اکابرِ اُمّت ان کے وجود سے لاعلم رہے تو اس سے یہ

Marfat.com

لازم نہیں آتا کہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نام کی کوئی شخصیت ہی نہیں تھی۔ خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ طبقۂ مشائخ اور گروہِ محدّثین میں شہرۂ آفاق ہیں۔ بیشمار مستند اور متواتر روایتوں کی موجودگی میں ان کے وجود سے انکار کرنا ممکن نہیں۔ ان کی شخصیت کو تسلیم کر لینے کے بعد دوسرا سوال جو ہمارے سامنے آتا ہے' وہ یہ ہے کہ خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ صحابی تھے یا تابعی۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ آپ صحابی تھے اور غزوۂ اُحُد میں شریک ہوئے تھے لیکن یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ دوسرے تمام مشائخِ کبار اور علمائے اُمّت بالاتفاق آپ کو تابعی تسلیم کرتے ہیں۔ بلاشبہ خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں موجود تھے' اسلام کے نام لیوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ صادق تھے' لیکن بوجوہ بارگاہِ نبوّت میں حاضر نہ ہو سکے اور اس طرح شرفِ صحابیت سے محروم رہے تاہم تابعین میں ان کا درجہ سب سے بڑا ہے۔ آقائے دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زبانِ مبارک سے ان کو ''خیر التّابعین'' کا لقب عطا فرمایا۔ اس سے بڑھ کر خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے تابعی ہونے کی کوئی اور شہادت نہیں ہو سکتی۔

(۲)

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت عمرِ فاروقؓ نے فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یاتی علیك اویس کان به مرض فبرء منه الاموضع درهم له والدة هربها برلوا قسم علی الله لابره فان استطعت ان یستغفرلك فا فعل۔''

''یعنی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر یمن کی طرف

Marfat.com

سے ایک شخص آئے گا جس کا نام اویس ہوگا' اس کے جسم پر برص (پھلبہری) کے داغ تھے مگر اب مٹ چکے ہیں فقط ایک داغ درہم کے برابر ہوگا۔ اس کی ماں بھی ہے جس کا وہ بے حد خدمت گزار ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہے تو اس کو ضرور پورا کرتا ہے' اے عمر اگر تمہیں موقع ملے کہ اس سے اپنے لیے دعائے مغفرت چاہو تو ضرور ایسا کرنا۔"

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت بشارت دی۔ بعض دوسری روایات میں حضور ﷺ سے یہ الفاظ بھی منسوب کیے گئے ہیں کہ اویس تابعین میں سب سے بہتر شخص ہوگا گویا خیر التابعین ہوگا۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ مجھے یمن کی طرف سے بوئے محبت آتی ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کا اشارہ خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف تھا۔ جس مبارک ہستی کی بشارت خود سید البشر خیر الرسل ﷺ دیں اس کے علوِ مرتبت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی جلالتِ شان کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

شَهِيْرٌ يَمَانِىْ ذُوالْمَجْدِ وَالْعُلٰى
لَنَا فِيْهِ عَالِى الْفَخْرِ عِنْدَ التَّفَاخُرِ

یعنی وہ (اویس رحمۃ اللہ علیہ) یمنی کے نام سے مشہور ہیں جن کی عظمت اور جلالتِ شان کا سکہ ہمارے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے اور فخر کرنے کے لیے

Marfat.com

ان کی ذات بڑی قابلِ فخر ہے۔

مشائخ کبار نے خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو سہیل یمنی، نفسِ رحمان، سادات التابعین، افضل التابعین، قبلۂ تابعین اور قدوہ اربعین وغیرہ کے معزز القاب سے یاد کیا ہے۔

(۳)

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نواحِ یمن میں پیدا ہوئے۔ بعض روایتوں میں ان کی جائے پیدائش کا نام ''قرن'' لکھا ہے جو نواحِ یمن میں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ لیکن کچھ دوسری روایتوں کے مطابق حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ جس قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اس کا نام ''مراد' تھا' تاہم اسے ''قرن'' بھی کہتے تھے اور اسی نسبت سے حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ کو قرنی کہا جاتا ہے۔ ''قرن'' اور ''مراد'' دونوں حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ کے اجداد سے تھے۔ علمائے انساب نے حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب دو طریقوں سے لکھا ہے:

۱- اویس رحمۃ اللہ علیہ بن عامر بن جزء بن مالک بن عمرو بن مسعدہ بن عمرو بن سعد بن عصوان بن قرن بن رومان بن ناجیہ بن مراد المرادی القرنی

۲- اویس رحمۃ اللہ علیہ بن عامر بن جزء بن مالک بن عمرو بن سعد بن عصوان بن قرن بن رومان بن ناجیہ بن مراد بن مالک مذحج بن زید (یا اود) الخ

یہ خاندان یعرب بن قحطان تک جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ قحطانی النسل عربوں کو ''عرب العاربہ'' یا ٹھیٹ عرب کہا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ ایک ٹھیٹ عرب خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ بعض لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ''قبیلہ مراد' نے اپنا آبائی مذہب ترک کر دیا تھا اور دینِ سلیمانی کا پیرو ہو گیا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے جلیل القدر پیغمبر تھے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ

Marfat.com

تمام انبیاء علیہم السلام کی طرح حضرت سلیمانؑ بھی دینِ اسلام کے داعی تھے۔ اس لحاظ سے حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ایک مسلمان خاندان میں پیدا ہوئے۔ باقی رہا یہ سوال کہ وہ خاتم النبیین جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کب ایمان لائے تو اس کے متعلق مختلف روایتیں ہیں۔ اس کا صحیح زمانہ متعین کرنا ممکن نہیں۔ تاہم یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ جب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور فیض و برکت کا غلغلہ بلند ہوا تو عرب کے دوسرے علاقوں کی طرح یمن کے لوگ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ گرامی سے آگاہ ہو گئے۔ حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے طبعِ سلیم اور فطرتِ سعید عطا کی تھی۔ ان کے کان جب رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ پاک سے آشنا ہوئے تو ان کے دل نے گواہی دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے رسول ہیں گویا ان کو غائبانہ تصدیقِ قلبی حاصل ہو گئی اور بات صرف تصدیق اور ایمان بالرسالت تک ختم نہیں ہو گئی بلکہ ان کو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق ہو گیا۔ ایسا عشق کہ جس نے ان کو حیاتِ جاوداں بخش دی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است برجریدۂ عالم دوامِ ما

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آپ کو فنا فی الرّسول کر دیا۔ ہر وقت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کی جستجو کرتے رہتے اور قدم بہ قدم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی انہوں نے ایسی مثال قائم کی کہ آج تک صلحائے اُمّت کے لیے باعثِ رشک ہے۔ یہاں ایک قاری کے دل میں خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں کیوں حاضر نہ ہوئے حالانکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ صادق تھے اور عہدِ رسالت میں موجود تھے۔ مختلف روایتوں کے مطابق اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ خواجہ

Marfat.com

اویس رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ضعیف العمر' نابینا اور چلنے پھرنے سے معذور تھیں۔ حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ ہر وقت ان کی خدمت گزاری میں مصروف رہتے تھے اور ان کو تنہا چھوڑ کر کسی لمبے سفر پر نہیں جاسکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حقیقت محمدیہؐ کا باطنی آنکھوں سے مشاہدہ کرادیا تھا۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ آئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم خانہ اقدس سے باہر تھے۔ حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ نے والدہ کی ہدایت کے مطابق انتظار نہ کیا اور فوراً ہی واپس چلے گئے۔ واللہ اَعلَم بِالصّواب۔ والدہ کی وفات کے بعد حضرت اویس قرنیؒ حج کے لیے مکّہ معظمہ تشریف لے گئے۔ اس وقت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوچکا تھا۔ مکّہ معظمہ میں وہ اجلّ صحابہؓ کی ملاقات سے مشرّف ہوئے اور حج بیت اللہ کے بعد کوفہ یا اس کے نواح میں سکونت پذیر ہوگئے۔

(۴)

حضرت خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی عجیب شان کی تھی۔ اونٹ کے بالوں کا ایک کمبل اور ایک پاجامہ ان کا لباس ہوتا تھا اور وہ علائقِ دنیوی سے یکسر بے نیاز تھے۔ کبھی کبھار اللہ کا کوئی نیک بندہ جسم کی عریانی ڈھانپنے کے لیے چادر اوڑھا دیتا تھا۔ ہر وقت حالت وارفتگی و شوریدگی طاری رہتی تھی۔ لوگ انہیں دیوانہ سمجھتے تھے۔ کئی بار ایسا ہوتا کہ بچے دیوانہ سمجھ کر پتھر مارتے تھے۔ آپ فرماتے' چھوٹے چھوٹے پتھر مارو تاکہ میرے جسم سے خون نہ بہہ نکلے' اس سے میرا وضو جاتا رہے گا۔ وارفتگی اور شوریدگی کے باوجود غیرت اور خودداری کی یہ کیفیت تھی کہ کسی پر اپنا بوجھ ڈالنا گوارا نہ تھا۔ اپنے قبیلہ کے اونٹ چرا کر یا کھجور کی گٹھلیاں بیچ کر معاش کا سامان پیدا کرتے تھے۔ رات کو کھانے کے بعد کوئی چیز بچتی تو اسے راہِ خدا میں صدقہ کردیتے۔ فرمایا

Marfat.com

کرتے تھے کہ لباس اور غذا (جو میرے پیٹ میں ہے) اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔

جس مکان میں رہتے تھے وہ نہایت بوسیدہ اور خستہ حال تھا۔ عبادت و ریاضت سے شغف کا یہ عالم تھا کہ ساری ساری رات بیدار رہ کر یادِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ اکثر سارا دن بھی عبادت میں گزر جاتا۔ فرمایا کرتے تھے کاش ازل سے اَبَد تک ایک ہی طویل رات ہوتی اور میں ایک ہی رکوع اور ایک ہی سجدے میں رات گزار دیتا۔ روزے نہایت کثرت سے رکھتے تھے۔ بعض اوقات تین تین دن کا فاقہ آ جاتا تھا۔

نام و نمود اور شہرت سے سخت اجتناب تھا۔ چونکہ دنیا سے دل برداشتہ تھے اس لیے لوگوں سے ملنے جلنے سے بہت گھبراتے تھے۔ مستور الحالی کے باوجود ان کے کمالات روحانی ایسے نہیں تھے جو لوگوں سے مخفی رہ سکیں۔ اہلِ دل ان کے مقام و مرتبہ سے آگاہ ہو کر ملاقات کے خواہاں ہوتے۔ آپ فرماتے کہ میں ایک ضعیف انسان ہوں آپ لوگ کیوں میرے پیچھے آتے ہیں۔ اگر کسی کو مجھ سے کوئی ضرورت ہو تو وہ عشاء کی نماز کے بعد مجھ سے مل لیا کرے۔ باوجود عزلت گزینی کے وہ اعلائے کلمۃ الحق سے باز نہیں رہتے تھے۔ لوگوں کو برے کاموں سے روکتے اور اُسوۂ حَسَنہ کی پیروی کی تلقین کرتے تھے۔ ان کی حق گوئی اور بے باکی نے کئی لوگوں کو ان کا دشمن بنا دیا تھا۔ لیکن وہ فرماتے تھے کہ خدا کی قسم ان لوگوں کی دشمنی مجھ کو حق گوئی سے کبھی نہیں روک سکتی۔

حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ نے اکابر صحابہؓ سے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سنیں لیکن ان کو مُحَدِّث اور عالم مشہور ہونا پسند نہیں تھا اس لیے کسی حدیث کی روایت کرنے سے ہمیشہ محترز رہے۔

Marfat.com

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے "نفسِ امّارہ" کے خلاف لڑائی کو جہادِ اکبر قرار دیا ہے۔ خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ اس جہادِ اکبر میں تو ساری عمر مصروف رہے لیکن اس کے علاوہ راہِ حق میں وہ جہاد بالسیف کے ثوابِ عظیم سے بھی محروم نہیں رہے۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آذربائیجان پر جب اسلامی لشکر حملہ آور ہوا تو مجاہدین میں حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے، اسی موقع پر حضرت عمرِ فاروقؓ سے ان کی ملاقات ہوئی۔

(۵)

حضرت عمرِ فاروقؓ سے ملاقات حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا اہم واقعہ ہے۔ کتبِ سیر و تاریخ میں اس ملاقات کا حال مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ ہم نے صحیح مسلم کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ پیچھے ذکر کیا جاچکا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرِ فاروقؓ کے سامنے ایک موقع پر حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی کچھ نشانیاں بیان فرمائی تھیں۔ اس کے بعد حضرت عمرِ فاروقؓ ہمیشہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی جستجو میں رہتے تھے۔ آپؓ کے عہدِ خلافت میں ایک دفعہ یمن سے مجاہدین کی ایک جماعت مدینہ منورہ پہنچی کہ مرکزِ خلافت سے ہدایات لے کر افواجِ اسلام میں شامل ہوجائیں جو عراقِ عجم، ایران، شام وغیرہ میں مصروفِ جہاد تھیں۔ امیر المومنینؓ کو یمنی مجاہدین کی آمد کی اطلاع ملی تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور اویس رحمۃ اللہ علیہ کا پتا پوچھنے لگے۔ لوگوں نے بتایا تو آپ سیدھے ان کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا کیا تم اویس بن عامر ہو۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو دریافت کیا "کیا تمہاری والدہ ہیں؟" حضرت اویسؒ نے کہا "ہاں"...... اس کے بعد حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے جو کچھ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت اویسؒ کی نسبت سنا تھا بیان کیا۔ سب نشانیاں ان میں موجود تھیں پھر حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ ان سے

Marfat.com

دعائے مغفرت کے طالب ہوئے۔ حضرت اویسؒ نے ان کے حق میں دعائے مغفرت کی۔ پھر امیر المومنینؓ نے ان سے پوچھا کہ اس کے بعد آپ کا ارادہ کہاں قیام کرنے کا ہے۔ حضرت اویسؒ نے جواب دیا کہ کوفہ جاؤں گا۔ امیر المومنینؓ نے فرمایا ''میں چاہتا ہوں کہ کوفہ کے عامل کو آپ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ کردوں تاکہ وہ آپ کے حسب مرتبہ سلوک کرے۔'' حضرت اویسؒ نے جواب دیا۔ ''نہیں نہیں اے امیر المومنین! میں جس حال میں ہوں اسی میں رہنا پسند کرتا ہوں۔ خواص کی بجائے عوام ہی میرے ساتھی ہیں اور میں انہی میں رہنا چاہتا ہوں۔''

دوسرے سال حج کے موقع پر کوفہ کا ایک معزز شخص مکہ معظمہ آیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس سے خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کا حال پوچھا اس نے بتایا کہ وہ ایک بوسیدہ اور خستہ حال مکان میں رہتے ہیں اور نہایت عسرت کی حالت میں زندگی گزارتے ہیں۔

حضرت عمرِ فاروقؓ نے اس شخص کو حضرت اویسؒ کی رفعتِ شان سے آگاہ کیا اور ان کی نسبت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنائے۔ وہ کوفہ جا کر حضرت اویسؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے حق میں دعا کا خواستگار ہوا۔ حضرت اویسؒ نے فرمایا: ''تم حجِ بیت اللہ سے مشرف ہو کر واپس آئے ہو اس لیے مجھے تمہاری دعا کی ضرورت ہے۔''

پھر پوچھا: ''کیا تمہاری امیر المومنین عمرِ فاروقؓ سے ملاقات ہوئی تھی۔'' اس نے اثبات میں جواب دیا۔ اس کے بعد حضرت اویسؒ نے اس شخص کے لیے دعائے مغفرت کی۔

(۶)

حضرت ہرمؒ بن حیان عبدی ایک مشہور تابعی گزرے ہیں۔ علماء و مشائخ نے

Marfat.com

ان کو بزرگانِ طریقت میں شمار کیا ہے۔ نہایت عابد و زاہد تھے۔ مدتوں صحابہ کرامؓ کا فیضِ صحبت اٹھایا اور زمرۂ اولیاء میں شمار ہوئے۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے ان سے روایت بھی کی ہے۔ حضرت ہرمؒ، خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم مشرب تھے۔ علامہ ابنِ سعد، شیخ فرید الدین عطارؒ اور امام غزالیؒ نے خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے ان (ہرمؒ) کی ملاقات کا حال لکھا ہے۔ اسے پڑھ کر خواجہ اویسؒ کے مقامِ بلند کا کسی قدر اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

جن دنوں حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کوفہ میں مقیم تھے، حضرت ہرمؒ بن حیان نے ان کے حالات سنے تو دل میں ملاقات کی آرزو پیدا ہوئی۔ سیدھے کوفہ پہنچے۔ لوگوں سے حضرت اویسؒ کا پتا پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ دریائے فرات کے کنارے کہیں ملیں گے۔ ہرمؒ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت اویسؒ لب دریا وضو کر رہے ہیں۔ جسم نہایت نحیف و نزار تھا اور پیشانی نورِ ایمان سے چمک رہی تھی۔ حضرت ہرمؒ کا بیان ہے کہ میں نے اویسؒ کو سلام کیا اور مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ حضرت اویسؒ نے سلام کا جواب تو دیا لیکن مصافحہ کرنے کی بجائے فرمایا "خدا تم کو زندہ رکھے۔" ان کی ضعیفی اور نقاہت دیکھ کر میرا دل بھر آیا اور میں رونے لگا۔ حضرت اویسؒ پر بھی رقت طاری ہوگئی۔ کچھ دیر بعد اویسؒ نے فرمایا "ہرم بن حیان خدا تم پر رحم کرے، میرے بھائی تمہارا کیا حال ہے۔ تم کو میرا پتا کس نے بتایا۔" میں نے کہا "امیر المومنین عمر فاروقؓ نے۔ لیکن اے اویسؒ آپ کو میرا اور میرے باپ کا نام کیسے معلوم ہوا حالانکہ اس سے پہلے ہم کبھی ایک دوسرے سے نہیں ملے۔

حضرت اویسؒ نے جواب دیا "نبانی العلیم الخبیر" (خدائے علیم و خبیر

---

[1] یہ روایت تذکرۃ الاولیاء اور احیاء العلوم کی ہے۔ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ اس موقع پر حضرت ہرمؒ نے فرمایا "خدا نے" اس پر حضرت اویسؒ نے فرمایا:
"لا اللہ سبحان ربنا ان کان وعدر بنا لمفعو لاحین سمانی"

Marfat.com

نے مجھے یہ بتایا ہے۔) مومن خواہ ایک دوسرے کے شناسا نہ ہوں لیکن ان کی روحیں ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔"

میں نے درخواست کی کہ اے اویسؓ مجھے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سنایئے۔ حضرت اویسؓ نے فرمایا "افسوس کہ آقائے دوجہاںؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت سے مَیں محروم رہا۔ حضور ﷺ کے صحابہ کرامؓ سے مَیں نے بیشک حدیثیں سنی ہیں لیکن اس طرح تو تم نے بھی سنی ہیں، میں مُحدِّث اور راوی بننا پسند نہیں کرتا، مجھے اپنے نفس کے بہت سے کام ہیں۔"

پھر میں نے عرض کیا کہ اپنی زبانِ مبارک سے مجھے کلامِ الٰہی سنایئے۔ یہ سن کر میرا ہاتھ اپنی گرفت میں لے لیا اور "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم" پڑھ کر بے اختیار رونے لگے اور فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ذکر بلند ہے۔ اس کا قول سب سے حق اور سب سے سچا ہے اور اس کا کلام سب سے اچھا کلام ہے۔ پھر مَاخَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ سے هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْم تک تلاوت کی اور شدتِ گریہ سے بیہوش سے ہوگئے۔ اس کے بعد فرمایا "اے ہرم تیرا باپ مر گیا، اب قریب ہے کہ تم بھی مر جاؤ گے، معلوم نہیں دوزخ میں جانا ہے یا جنّت میں۔ جب تمام انبیاء اور صلحاء کو سفرِ آخرت اختیار کرنا پڑا تو ہمارا تمہارا شمار بھی مردوں ہی میں ہے پھر انہوں نے زور سے "واعمراہ" کا نعرہ لگایا اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی۔ میں نے کہا "اے اویسؓ حضرت عمرؓ فاروق تو ابھی زندہ ہیں" فرمایا "خدائے علیم وخبیر نے مجھے خبر دی ہے کہ انہوں نے سفرِ آخرت اختیار کیا۔"

اس کے بعد حضرت اویسؓ نے درود شریف پڑھا اور کچھ دعائیں پڑھ کر فرمایا:

"اے ہرم میری وصیت یہ ہے کہ کتاب اللہ اور اہل اللہ کی موافقت کرنا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ درود وسلام بھیجتے رہنا، کسی

Marfat.com

حالت میں بھی موت کو فراموش نہ کرنا' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کبھی غافل نہ ہونا' خبردار جماعت اور سُنّت کی موافقت کبھی ترک نہ کرنا ورنہ قیامت کے دن آتش دوزخ کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

اس کے بعد انہوں نے میرے لیے دعا کی اور فرمایا کہ "اب جاؤ اور میرے لیے دعا کرتے رہنا میں بھی تمہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھوں گا۔ آئندہ نہ میں تجھے دیکھوں گا نہ تم مجھے دیکھ سکو گے' اب مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کرنا۔"

ہرمؒ کہتے ہیں کہ پھر حضرت اویسؒ روتے ہوئے مجھ سے جدا ہو گئے اور پھر میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔

(۷)

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کب اور کیسے فوت ہوئے' اس کے متعلق مختلف روایتیں ہیں۔ عام روایت یہ ہے کہ انہوں نے جنگِ صفین میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کی طرف سے لڑ کر شہادت پائی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق انہوں نے معرکۂ آذربائیجان میں جامِ شہادت پیا۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسہال کے عارضہ سے وفات پائی۔

(واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

دنیا میں سال مختلف مقامات پر آپ کا مزار بیان کیا جاتا ہے۔ معلوم نہیں کہ حقیقی مزار کون سا ہے۔

آپ کا حلیہ مختلف کتابوں میں دو طرح سے مذکور ہے۔

(ا) فربہ اندام' گندمی رنگ' گھنی داڑھی اور بدن بالوں سے ڈھکا ہوا۔

(ب) لاغر بدن' گندمی رنگ' میانہ قد' گھنی داڑھی' سینہ عریض' آنکھیں سیاہ نیلگوں' چہرہ سے ہیبت ٹپکتی تھی۔

Marfat.com

(۸)

دنیائے تصوّف اور روحانیت میں حضرت خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو بہت بڑا درجہ حاصل ہے اور صوفیہ کرام کے بہت سے سلسلے حضرت اویسؒ تک منتہی ہوتے ہیں۔ بعض مشائخ کی رائے میں تو تمام سلاسل طریقت کا کسی نہ کسی صورت میں حضرت اویسؒ سے ضرور تعلّق ہے۔ لیکن ایک طبقۂ فکر کی رائے میں خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ دوسرے تمام سلاسل سے الگ ہے اور اسے ''سلسلہ اویسیہ'' کہا جاتا ہے۔

اصطلاح صوفیہ میں ''اویسی'' عام طور پر اس شخص کو کہتے ہیں جو اِتبّاع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت براہِ راست بارگاہِ خداوندی سے فیضیاب ہوا ہو یا کسی مرشد کامل سے فیضیاب ہوا ہو جسے درمیانی واسطوں کے بغیر ہی ولایت مل گئی ہو۔

حضرت شیخ عبدالحق مُحدِّث دہلویؒ کے قول کے مطابق سلسلۂ اویسیہ کے سات بنیادی اصول ہیں یعنی (۱) اِتبّاعِ رسولؐ (۲) دنیا میں رہ کر دنیا میں دل نہ لگانا (۳) مطلب کے بغیر اور حق کے خلاف کوئی بات زبان سے نہ نکالنا (۴) یادِ الٰہی سے کسی وقت غافل نہ ہونا (۵) ہر وقت اور ہمہ وقت خداوندِ کریم کو حاضر و ناظر جاننا (۶) ہر حال میں راضی برضا رہنا، صبر و قناعت اختیار کرنا اور غصہ کو پی جانا (۷) مخلوقِ خدا کی عیب جوئی اور عیب چینی سے پرہیز کرنا۔

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے کئی دعائیں اور نمازیں بھی منسوب ہیں۔ ان کی تفصیل کُتبِ تصوّف میں دیکھی جاسکتی ہے۔

(۹)

حضرت خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظاتِ طیبات سے کچھ بطور تبرک نیچے درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ ''طلبت النسب فوجدت فی التقوٰی''

Marfat.com

''میں نے نسب چاہا تو وہ تقوای میں پایا'' یعنی انسان کی بڑائی اس کے حسب و نسب میں نہیں ہے بلکہ تقوٰی (پرہیزگاری) میں ہے۔

۲۔ ''طلبت الشرف فوجدت فی القناعة''

یعنی ''میں نے (آخرت کی) بزرگی چاہی تو وہ قناعت میں پائی۔''

۳۔ ''طلبت الفخر فوجدت فی الفقر''

(میں نے فخر کو چاہا تو وہ مجھے فقر میں ملا۔)

۴۔ ''طلبت المروۃ فوجدت فی الصدق''

(میں نے مروّت طلب کی تو وہ مجھے صدق میں ملی)

۵۔ ''طلبت الریاسة فوجدت فی نصیحة الخلق''

(میں نے (آخرت کی) سرداری طلب کی تو وہ مجھے خلقِ خدا کو نصیحت کرنے میں ملی۔)

۶۔ جس شخص کو ان تین باتوں سے محبت ہو وہ ہلاکت کے قریب پہنچ جاتا ہے۔

(۱) اچھا کھانا (۲) اچھا پہننا (۳) امیروں کی صحبت میں بیٹھنا۔

۷۔ ''جن لوگوں کے دلوں میں شک ہوتا ہے وہ قبولِ حق سے محروم رہتے ہیں۔''

۸۔ ''جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے' اللہ تعالیٰ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں رکھتا۔''

۹۔ ''اپنے آپ کو عبادتِ الٰہی کے لیے وقف کر دو لیکن جب تک عبادت پر یقین نہیں ہوگا' عبادت قبول نہ ہوگی۔''

۱۰۔ ''لوگوں کے لیے غائبانہ دعا کرنا ان کی ملاقات سے بہتر ہے کیونکہ اس سے ریا کے پیدا ہونے کا خدشہ ہے۔''

۱۱۔ ''ہر وقت اللہ کے کاموں میں ایسے لگے رہو گویا تم نے تمام مخلوقات کو قتل کر دیا ہے۔'' یعنی دنیا سے بےتعلق ہوئے بغیر تقوای اور پرہیزگاری میں کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔''

Marfat.com

حضرت ابوعُبَیدؓ بن مسعود ثقفی

(۱)

سنہ ۱۳ ہجری میں خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفات پائی اور حضرت عُمرِ فاروقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو سب سے پہلے انہوں نے عراق کی طرف توجہ کی جہاں ایرانیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کو سخت مشکل صورتِ حال کا سامنا تھا اور عراق میں مصروفِ جہاد عساکرِ اسلامی کے قائد حضرت مُثنّیٰؓ بن حارثہ شیبانی کمک حاصل کرنے کے لیے بہ نفس نفیس مدینہ منورہ آئے ہوئے تھے۔ خود حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی وفات سے ایک دن پہلے حضرت عُمرِ فاروقؓ کو عراق کے بارے میں بدیں الفاظ وصیت کی تھی:

"اے عمر! میں جو کہتا ہوں اس کو سنو اور اس پر عمل کرو۔ مجھے امید ہے کہ آج میری زندگی ختم ہو جائے گی، دن میں میرا دم نکلے تو شام سے پہلے اور رات میں نکلے تو صبح ہوتے ہوتے مسلمانوں کو ترغیب دے کر مثنّیٰ کی مدد پر آمادہ کرنا، کسی مصیبت کی وجہ سے تم کو دین کی خدمت اور احکامِ الٰہی کی تعمیل سے نہ رکنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے بڑھ کر کون سی مصیبت ہو سکتی ہے۔ تم نے دیکھا ہے کہ اس دن میں نے کیا

Marfat.com

کیا تھا۔ خدا کی قسم اگر میں اس روز حکمِ الٰہی کی بجا آوری میں کوتاہی کرتا تو اللہ ہم کو تباہ کر کے سزا دیتا اور مدینہ میں آگ بھڑک اٹھتی۔ اگر اللہ تعالیٰ شام میں مسلمانوں کو فتح دے تو خالدؓ کے لشکر کو عراق بھیج دینا اس لیے کہ وہ آزمودہ کار اور وہاں کے حالات سے واقف ہیں۔''

سیّدنا صدّیقِ اکبرؓ کی وفات کی خبر عرب میں پھیلی تو ان کے جانشین کی بیعت کے لیے اطراف و دیار سے بے شمار لوگ مدینہ منورہ کی طرف امڈ پڑے۔ حضرت عُمرِ فاروقؓ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور تمام لوگوں کو جمع کر کے انہیں جہاد کے لیے عراق جانے کی ترغیب دی۔ یہ بہت ذمہ داری کا کام تھا اس لیے لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر خاموش ہو جاتے تھے۔ تین دن تک یہی کیفیت رہی۔ چوتھے دن حضرت عُمرِ فاروقؓ نے ایسا پُرجوش خطبہ دیا کہ حاضرین کے دل ہل گئے...... حضرت مُثنّیٰؓ نے مجمع عام میں اٹھ کر بڑے جوش سے کہا:

''مسلمانو! معلوم نہیں تم خاموش کیوں ہو؟ ہم نے مجوسیوں کو آزما کر دیکھ لیا ہے۔ وہ مردِ میدان نہیں ہیں۔ ہم نے ان کے ملک کے ایک وسیع حصے پر قبضہ کر لیا ہے اور ان سے اپنی شجاعت کا لوہا منوا لیا ہے۔ اِنْ شاءَ اللہ وہ ہمارے مقابلے پر نہیں ٹھہر سکیں گے۔''

حضرت مُثنّیٰؓ کی تقریر ختم ہوئی تو مجمع سے گٹھے ہوئے جسم کے ایک تنومند جوان اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس وقت جوشِ شجاعت سے ان کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ انہوں نے پکار کر کہا: ''امیر المؤمنین! اس کام کے لیے میں حاضر ہوں۔'' اس جوان کی جرأت نے لوگوں کے خون کو گرما دیا۔ حضرت سلیطؓ بن قیس اور حضرت سعدؓ بن عبید انصاری بھی ''اَنَـــا لِهٰـذَا'' (اس کام کے لیے میں حاضر ہوں) کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے ساتھ ہی سارا مجمع ''ہم بھی حاضر ہیں۔ ہم بھی حاضر ہیں۔'' کہتے

Marfat.com

ہوئے اٹھ کھڑا ہوگیا۔ یہ دلاور جوان جن کی ہمتِ مردانہ بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوئی' حضرت ابوعبیدؓ بن مسعود ثقفی تھے۔

(۲)

حضرت ابوالمختار ابوعبیدؓ بن مسعود طائف کے رہنے والے تھے اور بنوثقیف کے سربرآوردہ افراد میں سے تھے۔ وہ اگرچہ عہدِ رسالت ہی میں سعادت اندوزِ اسلام ہوگئے تھے لیکن کسی وجہ سے شرفِ صحابیت حاصل نہ کر سکے تھے۔

صدیقِ اکبرؓ کی رحلت کے بعد وہ محض بیعتِ خلافت کے لیے مدینہ منورہ آئے تھے۔ یہاں آکر حُسنِ اتفاق کہیے یا حضرت ابوعبیدؓ کی خوش بختی کہ انہیں وہ عظیم الشان شرف حاصل ہوگیا جس نے انہیں تاریخ اسلام میں حیاتِ دوام بخش دی۔ انہوں نے جس انداز میں جہادِ عراق کی دعوت پر لبیک کہنے میں سبقت کی اس نے امیرالمومنین حضرت عمرِ فاروقؓ کو بہت متاثر کیا۔ انہوں نے حضرت مثنیٰؓ کو مدد دینے کے لیے ایک ہزار جوان منتخب کیے اور ان کا سردار حضرت ابوعبیدؓ کو مقرر کیا۔ بعض لوگوں نے حضرت عمرِ فاروقؓ کو مشورہ دیا کہ اس لشکر کا سردار کسی صحابی کو مقرر کیا جائے' لیکن امیرالمومنینؓ نے یہ مشورہ قبول نہ کیا اور فرمایا کہ ''ابوعبید نے جہاد کی دعوت قبول کرنے میں سبقت کی اس لیے اپنے آپ کو اس فوج کی قیادت کا مستحق بنالیا۔'' تاہم آپؓ نے حضرت ابوعبیدؓ کو نصیحت کی کہ تمہارے لشکر میں بہت سے صحابہؓ بھی شامل ہیں' ہر حال میں ان کا ادب ملحوظ رکھنا اور تمام معاملات میں انہیں مشورے میں شریک رکھنا۔ اس کے بعد حضرت عمرِ فاروقؓ نے حضرت مثنیٰؓ کو ہدایت کی کہ تم فوراً عراق روانہ ہوجاؤ' امدادی لشکر ضروری تیاری کے بعد بہت جلد تمہارے پاس پہنچ جائے گا' جب تک یہ لشکر نہ پہنچے لڑائی کا آغاز نہ کرنا۔

حضرت مثنیٰؓ عراق پہنچے تو سارے ایران کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ

Marfat.com

پایا۔ انہوں نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ کمک پہنچنے تک اپنی فوج کو حیرہ سے ہٹا کر خفان لے آئیں جہاں ایرانی پشت کی طرف سے حملہ نہیں کر سکتے تھے۔ ایک ماہ بعد حضرت ابوعبیدؓ بھی خفان میں اُن سے آ ملے۔ حضرت ابوعبیدؓ کا لشکر اب کم و بیش دس ہزار جوانوں پر مشتمل تھا' کیونکہ راستے میں کئی عرب قبائل جہاد میں شرکت کا شرف حاصل کرنے کے لیے ان کے ہمراہ ہو لیے تھے۔

ادھر پوران دخت ملکہ ایران نے رستم بن فرخ زاد کو ایران کا وزیر اعظم مقرر کر کے اسے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا تھا۔ رستم ایک جنگجو اور صاحبِ تدبیر شخص تھا۔ اس نے ایران کی عسکری قوت کو نئے خطوط پر منظم کیا اور تمام سرحدی اضلاع میں مسلمانوں کے خلاف بغاوت کرا دی۔ اس کے بعد اس نے دو زبردست لشکر جابان (جاپان) اور شہزادہ نرسی کی ماتحتی میں مسلمانوں کے مقابلے کے لیے روانہ کیے۔ جابان عراق کا ایک نامور رئیس تھا اور عربوں سے سخت عداوت رکھتا تھا۔ نرسی ایران کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور اپنی جنگی صلاحیتوں کی بنا پر بڑی شہرت رکھتا تھا۔ یہ دونوں افسر مختلف راستوں سے مسلمانوں کی طرف روانہ ہوئے۔ جابان نے حیرہ اور قادسیہ کے درمیان نمارق کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ حضرت ابوعبیدؓ خفان سے نکل کر اس کے مقابل ہوئے۔ دونوں لشکروں میں گھمسان کا رن پڑا اور کسی فریق نے بھی جان توڑ کر لڑنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی' لیکن بالآخر مسلمانوں کے ابلتے ہوئے جوش کے سامنے ایرانی مات کھا گئے اور سخت بدحواسی کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ جابان اور ایرانی فوج کا ایک نامور افسر مردان شاہ مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہو گئے۔ مردان شاہ کو تو اس کے گرفتار کرنے والے مسلمانوں نے قتل کر دیا' لیکن جابان اس حیلے سے بچ گیا کہ جس مجاہد نے اس کو گرفتار کیا تھا وہ اس کو پہچانتا نہ تھا۔ جابان نے اس سے کہا کہ میں بوڑھا آدمی ہوں' تمہارے کیا کام آؤں گا'

Marfat.com

مجھ کو چھوڑ دو تو میں تمہیں دو جوان غلام دے دوں گا۔ اس مجاہد نے جابان کی بات منظور کر لی اور اس کو امان دے دی۔ پھر وہ اس کو ابوعبیدؓ کے پاس لے گیا اور جو بات جابان کے ساتھ طے کی ان کے سامنے بھی اس کو پختہ کر دیا۔ اسی اثنا میں کچھ لوگوں نے جابان کو پہچان لیا اور انہوں نے غل مچا دیا کہ یہ ایرانی فوج کا سالار ہے اس کو کسی حالت میں بچ کر نہیں جانا چاہیے۔ لیکن حضرت ابوعبیدؓ نے للکار کر کہا: ''اسلام میں بدعہدی جائز نہیں' ایک مسلمان جابان کو امان دے چکا ہے' اب اسے قتل نہیں کیا جا سکتا۔'' تمام مسلمان خاموش ہو گئے اور جابان کو رہا کر دیا گیا۔

حکیم الاُمّت علّامہ محمد اقبالؒ نے اس ایمان افروز واقعہ کو ان الفاظ میں نظم کیا ہے:

شد اسیر مسلمے اندر نبرد — قائدے از قائدانِ یزد جرد
گبر باراں دیدہ و عیار بود — حیلہ جُو و پُر فن و مکّار بود
از مقامِ خود خبردارش نہ کرد — ہم زنامِ خود خبردارش نہ کرد
گفت می خواہم کہ جاں بخشی مرا — چوں مسلماناں اماں بخشی مرا
کرد مسلم تیغ را اندر نیام — گفت ''خونت ریختن بر من حرام''
چوں دِرفشِ کاویانی چاک شد — آتش اولادِ ساساں خاک شد!
آشکارا شد کہ جابان است او — میرِ سر بازانِ ایران است او
قتلِ اُو از میرِ عسکر خواستند — از فریبِ او سخن آراستند
بوعبیدؓ آں سیّدِ فوجِ حجاز — دروغا عزمش زِلشکر بے نیاز
گفت اے یاران! مسلمانیم ما — تارِ چنگیم و یک آہنگیم ما
نعرۂ حیدرؓ نوائے بوذرؓ است — گرچہ از حلقِ بلالؓ و قنبرؓ است
ہر یکے از ما امینِ ملّت است — صلح و کینش صلح و کینِ ملّت است
ملّت ار گردد اساسِ جانِ فرد — عہدِ ملّت می شود پیمانِ فرد

Marfat.com

گرچہ جابان دشمنِ مابودہ است مسلمے اورا اماں بخشودہ است
خونِ اوُ اے معشرِ خیرالانامؐ
بردمِ تیغ مسلماناں حرام

ترجمہ ومفہوم: ایک لڑائی میں یزدجرد کے سپہ سالاروں میں سے ایک کسی مسلمان کے ہاتھ قید ہوگیا۔ یہ مجوسی بہت جہاندیدہ' عیّار' حیلہ ساز' مکّار اور چالباز تھا۔ اس نے مسلمان سپاہی کو نہ اپنا نام بتایا اور نہ اپنے مرتبے سے آگاہ کیا۔ بولا' میں چاہتا ہوں کہ تو میری جان بخش دے اور مسلمانوں کی طرح مجھے امان دے دے۔ مسلمان سپاہی نے اپنی تلوار نیام میں ڈال لی اور کہا کہ تیرا خون بہانا مجھ پر حرام ہے۔ بعد میں جب ایرانی پرچم چاک ہوا اور ساسانیوں (ساسان کی اولاد) کی آگ مٹی میں مل گئی تو معلوم ہوا کہ وہ ایرانی جانبازوں کا سردار جابان ہے۔ لوگوں نے اس کے فریب کا حال اپنے سپہ سالار کو بتایا اور ان سے اس کے قتل کی اجازت چاہی۔ ابوعبیدؓ جو اسلامی لشکر کے سپہ سالار تھے اور میدانِ جنگ میں جن کا عزم لشکر سے بے نیاز تھا' بولے "اے دوستو! ہم مسلمان ہیں ہم ایک ہی بربط کے تار اور صدا ہیں۔ بلالؓ اور قنبرؓ کے حلق سے جو نعرہ بلند ہو ہمارے نزدیک وہ حضرت علیؓ اور حضرت ابوذرؓ کا نعرہ ہے۔ ہم میں سے ہر ایک مِلّت کا امانت دار ہے اور اس کی صلح یا جنگ مِلّت کی صلح یا جنگ ہے۔ مِلّت میں ہر فرد کا وجود بنیادی اہمیّت کا حامل ہے اور ایک فرد کا عہدو پیمان پوری مِلّت کا عہدو پیمان بن جاتا ہے۔ اگرچہ جابان ہمارا دشمن ہے' لیکن ایک مسلمان نے اس کو امان دے دی ہے اس لیے اے خیرالانام ﷺ کی اُمّت کے لوگو! اس کا خون اب

Marfat.com

مسلمانوں کی تلواروں پر حرام ہو چکا ہے۔''

(۳)

نمارق کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدؓ کسکر کی طرف بڑھے جہاں شہزادہ نرسی تیس ہزار فوج کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ جابان کی بچی کھچی فوج بھی کسکر آ کر اس لشکر میں شامل ہو گئی تھی۔ ادھر رستم کو جابان کی شکست کی خبر ملی تو اس نے شہزادہ نرسی کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لیے ایک امدادی لشکر جالینوس نامی ایک ایرانی سردار کی سرکردگی میں کسکر کی طرف روانہ کر دیا۔ شہزادہ نرسی ابھی اس امدادی لشکر کے پہنچنے کا انتظار کر رہا تھا کہ ابو عبیدؓ دریائے فرات عبور کر کے اس کے سر پر جا پہنچے۔ کسکر کے قریب سقاطیہ کے مقام پر دونوں فوجوں میں ہولناک جنگ ہوئی۔ ایرانیوں نے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے، لیکن مسلمانوں کے تیز و تند حملوں کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ چلی اور وہ جلد ہی میدانِ جنگ سے بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ اس کے بعد مسلمان جالینوس کی طرف بڑھے جو بارسماء (یا باقیشیا) میں مقیم تھا۔ انہوں نے ایک ہی حملے میں اسے بھی بھاگنے پر مجبور کر دیا اور اس نے مدائن پہنچ کر دم لیا۔ اب حضرت ابو عبیدؓ نے سقاطیہ کو مرکز بنایا اور حضرت مثنیٰؓ اور فوج کے کئی دوسرے افسروں کو چھوٹے چھوٹے دستے دے کر عراقِ عرب کے طول و عرض میں پھیلا دیا۔ انہوں نے چند دن کے اندر اندر تمام باغی قبائل کو زیر کر لیا اور ایرانیوں پر اپنی دھاک بٹھا دی۔

طبریؒ کا بیان ہے کہ سقاطیہ کی جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ بے شمار مالِ غنیمت آیا۔ اس میں کھانے پینے کی اشیاء بہت کثیر مقدار میں تھیں۔ ان میں کھجور کی ایک خاص قسم نرسیان بھی تھی۔ یہ بے انتہا لذیذ تھی اور اس میں ایک عجیب مہک تھی۔ ایرانی حکمرانوں نے اسے اپنے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ حضرت ابو عبیدؓ نے یہ کھجوریں نہ صرف مسلمانوں میں تقسیم کیں بلکہ عراق کے غریب کسانوں کو بھی کھلائیں اور ان

Marfat.com

کا خمس مدینہ منورہ بھی بھیجا۔ انہیں بھیجتے وقت حضرت ابو عبیدؓ نے حضرت عمرؓ فاروقؓ کو ایک خط روانہ کیا جس میں یہ الفاظ تحریر کیے:

"اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہاں نہایت مرغوب غذائیں عطا فرمائی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ بھی ان سے لذت اندوز ہوں اور اللہ کے فضل و انعام کو یاد کریں۔"

حضرت ابو عبیدؓ کے قیامِ سقاطیہ کے دوران میں ایک دن بارسماء اور زوابی کے ایرانی رئیسوں فرّخ اور فراونداد نے اظہارِ خلوص کے لیے نہایت پرتکلّف کھانے پکوائے اور انہیں لے کر حضرت ابو عبیدؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ یہ ہماری طرف سے آپ کی دعوت ہے۔ حضرت ابو عبیدؓ نے پوچھا' کیا ہماری تمام فوج کے لیے ایسے ہی کھانوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا' نہیں یہ صرف آپ کے لیے ہیں' جلدی میں ہم سارے لشکر کے لیے اہتمام نہیں کر سکے۔

حضرت ابو عبیدؓ نے ان کی دعوت قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا:

"مسلمانوں کو ایک دوسرے پر ترجیح نہیں' تُف ہے ابو عبیدؓ پر کہ وہ اکیلے یہ کھانے کھائے اور دوسرے مسلمانوں کو نہ پوچھے۔ خُدا کی قسم جب تک سارے مسلمانوں کے لیے ایسے کھانے مہیّا نہ ہوں گے میں ان کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔"

چنانچہ جب تک سارے اسلامی لشکر کے لیے اسی قسم کے کھانوں کا انتظام نہ ہو گیا' حضرت ابو عبیدؓ نے ان کھانوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

(۴)

ایران کے وزیرِ اعظم رستم نے نرسی اور جالینوس کی شکست کی خبر سنی تو وہ فرطِ غضب سے دیوانہ ہو گیا۔ اب اس نے اپنے ایک نہایت جہاندیدہ اور نامور افسر ذوالحاجب بہمن جادویہ کو بھاری لشکر دے کر اس شان سے روانہ کیا کہ ایران کا قومی جھنڈا

Marfat.com

"دِرفشِ کاویانی" اس کے سر پر لہراتا تھا اور تین سو کوہ پیکر جنگی ہاتھی اس کی فوج کے آگے آگے چل رہے تھے جن کے پاؤں کی دھمک سے زمین ہل رہی تھی۔ یہ لشکر دریائے فرات کے کنارے ایک مقام "قس الناطف" میں خیمہ زن ہوا۔ ادھر سے حضرت ابو عبیدؓ کسکر سے چل کر فرات کے دوسرے کنارے پر واقع ایک مقام مروحہ میں مقیم ہوئے۔ بہمن جادویہ نے انہیں پیغام بھیجا کہ تم اس پار اتر آؤ گے یا ہم آئیں؟ حضرت مثنیٰؓ، حضرت سلیطؓ اور دوسرے صائب الرائے مسلمانوں نے مشورہ دیا کہ ایرانی فوج کو اس طرف بلانا چاہیے' لیکن ابو عبیدؓ جو نشۂ شجاعت سے سرشار تھے' سمجھے کہ یہ بزدلی کی دلیل ہے۔ انہوں نے اپنے لشکر کے سرداروں سے کہا' ایرانی ہم سے زیادہ موت پر دلیر نہیں ہیں' دریا ہم عبور کریں گے۔ بہمن جادویہ کے قاصد نے جب دورانِ گفتگو میں کہا کہ ہمارے لشکر میں عام خیال ہے کہ عرب مردِ میدان نہیں ہیں تو حضرت ابو عبیدؓ کو اور بھی جوش آ گیا اور انہوں نے اسی وقت فوج کو کمر بندی کا حکم دے دیا۔ حضرت مثنیٰؓ کو حضرت ابو عبیدؓ کے اس طرزِ عمل سے سخت اختلاف تھا' لیکن اطاعت امیر سے انحراف ان کا شیوہ نہ تھا۔ بس اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے کہ دریا کے پار جا کر لڑنے سے مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے' مگر ہم بہرحال امیر کے پیچھے چلیں گے۔

مسلمانوں نے کشتیوں کا پُل باندھ کر دریا عبور کیا تو انہوں نے اپنے اور ایرانی لشکر کے درمیان بہت کم فاصلہ پایا۔ پھر یہ تنگ میدان ناہموار بھی تھا اس لیے مسلمان اپنی صف بندی مناسب طریقے سے نہ کر سکے۔ مقابلہ شروع ہوا تو ایرانیوں نے پہلے اپنے جنگی ہاتھی آگے بڑھائے۔ مسلمانوں کے گھوڑے ان کی مہیب صورتیں دیکھ کر بدکنے لگے۔ حضرت ابو عبیدؓ اور ان کے ساتھ کئی دوسرے جانباز اپنے گھوڑوں سے کود پڑے اور تلواریں سونت کر ہاتھیوں پر ہلّہ بول دیا۔ وحشی ہاتھیوں

Marfat.com

نے بہت سے مسلمانوں کو اپنے پاؤں کے نیچے کچل ڈالا۔ حضرت ابوعبیدؓ بڑھ بڑھ کر ان کی سونڈوں پر وار کرتے اور اپنے ساتھیوں کی ہمت بندھاتے تھے۔ ان کی بے پناہ جرأت دیکھ کر دوسرے مسلمان بھی دیوانہ وار ہاتھیوں پر ٹوٹ پڑے۔ عین اس وقت ایک مہیب سفید ہاتھی حضرت ابوعبیدؓ پر حملہ آور ہوا۔ انہوں نے اپنی تلوار کے ایک بھرپور وار سے اس کی سونڈ مستک سے الگ کر دی لیکن ہاتھی نے بھی آگے بڑھ کر اسلام کے اس شیر دل فرزند کو اپنے پاؤں کے نیچے کچل ڈالا۔ حضرت ابوعبیدؓ کی شہادت کے بعد ان کے بھائی حکمؒ بن مسعود ثقفی نے پرچم اپنے ہاتھ میں لے لیا' لیکن ایک ہاتھی نے انہیں بھی شہید کر دیا۔ غرض قبیلہ ثقیف کے چھ بہادر اسی طرح عَلم سنبھال کر آگے بڑھے اور شہید ہو گئے۔

آخر مُثنّیٰؓ بن حارثہ نے عَلم سنبھالا اور لوگوں کی ٹوٹی ہوئی ہمتیں بندھانے کی کوشش کی' لیکن ہاتھیوں کے خوفناک ریلے سے مسلمانوں کی صفیں ٹوٹ چکی تھیں اور وہ بے تحاشا پیچھے ہٹ رہے تھے۔ ایک مجاہد عبداللہ بن مرثد ثقفی نے غیرت کھا کر دریا کا پل توڑ دیا اور مسلمانوں کو للکار کر کہا:

"لوگو! ابوعبیدؓ کے نقشِ قدم پر چل کر جان دے دو یا دشمن پر فتح حاصل کرو۔"

عبداللہ کے اس جذباتی فعل سے مسلمانوں کو اور بھی نقصان پہنچا اور ان کی کثیر تعداد بدحواسی کے عالم میں پیچھے ہٹتی ہوئی غرقِ آب ہو گئی۔ اس وقت مُثنّیٰؓ کچھ دوسرے سرفروشوں کو ساتھ لے کر ایرانیوں کے سامنے دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کو دوبارہ پل تیار کرنے کی ہدایت کی اور بھاگنے والوں کو پکار کر کہا:

"لوگو! گھبراؤ نہیں' میں ہوں مُثنّیٰؓ بن حارثہ دشمن میری لاش پر سے ہی گزر کر تمہاری طرف آ سکتا ہے۔ تم اطمینان سے پل عبور کرو۔"

اسی اثنا میں مُثنّیٰؓ پر کسی ایرانی نے نیزے کا وار کیا جو ان کی زرہ پر لگا اور اس کی

Marfat.com

ایک کڑی ان کے جسم میں پیوست ہوگئی' لیکن ان کے قدم لمحہ بھر کے لیے بھی نہ ڈگمگائے اور وہ اس وقت تک میدان میں کوہِ استقلال بن کر ڈٹے رہے جب تک پُل دوبارہ تیار نہ ہوگیا' اب وہ باقی فوج کو ساتھ لے کر نہایت منظم طریقے سے دریا کی دوسری طرف اتر گئے۔

یہ افسوسناک واقعہ تاریخ میں ''معرکۂ جسر'' یا ''پُل کی لڑائی'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں تقریباً چھ ہزار مسلمانوں نے جامِ شہادت پیا' تاہم بہمن جادویہ کو مسلمانوں کا تعاقب کرنے کی ہمت نہ پڑی اور وہ اپنی فوج کو لے کر اسی مقام سے واپس مدائن چلا گیا۔

علامہ بلاذریؒ کے بیان کے مطابق واقعۂ جسر رمضان ۱۳ہجری میں پیش آیا۔ اگلے ہی سال رمضان ۱۴ہجری میں حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ نے بویب کے مقام پر ایرانیوں کو زبردست شکست دے کر معرکۂ جسر کا بدلہ لے لیا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ معرکۂ بویب میں ایک لاکھ ایرانی مقتولوں کے مقابلے میں صرف ایک سو مسلمان شہید ہوئے۔

معرکۂ جسر میں بلاشبہ حضرت ابوعبیدؓ سے تدبیر کی غلطی ہوئی اور اسی کے نتیجے میں انہیں اپنی جان کا نذرانہ دینا پڑا' تاہم انہوں نے اپنی شجاعت' استقامت' بے خوفی اور حُسنِ کردار کے جو نقوش صفحۂ تاریخ پر مُرتسم کیے وہ ان کے نام کو ابدالآباد تک زندہ رکھیں گے۔

حضرت ابوعبیدؓ کی ازواج و اولاد کے بارے میں اس کے سوا اور کچھ معلوم نہیں کہ ان کے بیٹے مختار نے سیّدنا حسینؓ اور دوسرے شہداءِ کربلا کے بیشتر قاتلوں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا اور اسی بنا پر تاریخ میں بڑی شہرت حاصل کی۔

Marfat.com

حضرت عُقبہؒ بن نافع فہری

(۱)

المغرب (شمالی افریقہ) پر اسلام کی بارانِ رحمت کا پہلا چھینٹا اس وقت پڑا جب حضرت عمرؓ فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں فتحِ مصر کے فوراً ہی بعد مجاہدینِ اسلام نے اس کی طرف پیش قدمی کی اور امیرِ مصر حضرت عمروؓ بن العاص کی فوجیں شمالی ساحل کے قبائل کو مغلوب کرتی ہوئی برقہ تک جا پہنچیں۔ خلیفہٗ ثالث حضرت عثمان ذوالنورینؓ کا دورِ خلافت آیا تو ۲۶ ہجری میں مسلمانوں نے والیِ مصر عبداللہؓ بن ابی سرح کی زیرِ قیادت طرابلس الغرب (لیبیا) پر چڑھائی کی۔ اس وقت افریقیہ (بشمول طرابلس) پر قیصرِ روم کی طرف سے جرجیر (گریگوریس) نامی ایک بطریق حکومت کر رہا تھا۔ مسلمانوں نے ایک خونریز جنگ کے بعد اسے شکست دی اور پھر سارے ملک میں پھیل گئے۔ رومیوں نے اپنی خیریت اسی میں دیکھی کہ مسلمانوں کی ابلتی ہوئی قوت کے مقابلہ کا خیال ترک کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے پچیس لاکھ دینار سالانہ پر مسلمانوں سے صلح کر لی اور اسلامی لشکر ایک سال تین مہینے بلادِ مغرب میں مقیم رہ کر واپس چلا گیا۔ مسلمانوں کی مراجعت کے بعد رومیوں کی باسی کڑھی میں پھر ابال آیا۔ انہوں نے اپنا عہد و پیمان توڑ ڈالا اور اسلامی حکومت کی اطاعت سے منحرف ہو گئے لیکن کچھ ایسے مواقع پیش آئے کہ مسلمان عرصہ تک اس طرف توجہ نہ کر سکے۔ یہاں

Marfat.com

تک کہ ۴۱ہجری میں امیر معاویہؓ کا دورِ حکومت شروع ہو گیا۔ انہوں نے ۴۵ہجری میں معاویہؓ بن خدیج کو ایک زبردست فوج دے کر شمالی افریقہ کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ انہوں نے رومیوں کو شکستوں پر شکستیں دے کر شمالی افریقہ کے کئی وسیع علاقے اور ساحلی مقامات فتح کر لیے لیکن وہ رومیوں اور سرکش بربریوں کی متحدہ قوت کا پوری طرح استیصال نہ کر سکے۔ فی الحقیقت ان کی جبلّت ہی ایسی تھی کہ جب تک ان کے سر پر فوجی قوت مسلّط رہتی وہ مطیع رہتے' ذرا سی ڈھیل بھی ملتی تو فوراً باغی ہو جاتے۔ ان کی سرکوبی کے لیے اب امیر معاویہؓ کی نظرِ انتخاب ایک ایسے مردِ مجاہد پر پڑی جس کی شجاعت و شہامت اور شوقِ جہاد کی شہرت مصر سے نکل کر مرکزِ حکومت دمشق تک آ پہنچی تھی۔ یہ مردِ مجاہد حضرت عقبہؓ بن نافع فہری تھے۔

(۲)

حضرت عقبہؓ بن نافع بن عبدِ قیس القرشی الفہری کا شمار پہلی صدی کے نامور سپہ سالاروں میں ہوتا ہے۔ وہ مشہور صحابی حضرت عمروؓ بن العاص فاتح مصر کے بھانجے تھے۔ ان کی ولادت عہدِ رسالت کے آخری سالوں میں ہوئی۔ انہیں کمسنی میں شرفِ صحابیت حاصل ہوا یا نہیں؟ اس کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ عام طور پر انہیں تابعین میں شمار کیا جاتا ہے۔ حضرت عقبہؓ کی پرورش اور تعلیم و تربیت نہایت پاکیزہ ماحول میں ہوئی۔ وہ جوان ہوئے تو اپنے اعلیٰ کردار' شجاعت' صالحیت' ذوقِ عبادت اور شوقِ جہاد کی بنا پر نہ صرف بنو فہر بلکہ دوسرے لوگوں میں بھی نہایت عزت و احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے' یہاں تک کہ لوگ انہیں ایک مستجاب الدعوات جوانِ صالح سمجھتے تھے۔ اہلِ سیَر کا بیان ہے کہ عنفوانِ شباب میں وہ جہاد فی سبیل اللہ کی خاطر اپنے ماموں حضرت عمروؓ بن العاص کے پاس مصر چلے گئے اور وہاں دشمن کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔

Marfat.com

مولوی محمد جمیل الرحمٰنؒ نے ''تاریخِ مغرب'' میں ''کتاب الاستبصار فی عجائب الامصار'' کے حوالے سے حضرت عقبہؓ کے قیامِ مصر کے زمانے کی ایک دلچسپ روایت بیان کی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمروؓ بن عاص کے زمانۂ ولایت میں حضرت عقبہؓ بن نافع مصر گئے اور وہاں کے کسی گاؤں میں قیام کیا' ان کے ساتھ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہؓ بھی تھے۔ ان میں جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص بھی شامل تھے۔ ایک دن ان سب کے سامنے دسترخوان بچھا ہوا تھا کہ اچانک ایک چیل نے کھانے پر جھپٹا مارا اور ایک ہڈی لے اُڑی۔ یہ دیکھ کر حضرت عقبہؓ نے کہا: ''خدا کرے اس کی گردن ٹوٹ جائے۔'' یہ کہنا تھا کہ چیل سر کے بل گری اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا۔ حضرت عقبہؓ نے پوچھا: ''اے ابوعبداللہ آپ کو کیا ہو گیا ہے؟'' حضرت عبداللہؓ نے فرمایا ''میں نے سنا ہے کہ اس جانب بعض لوگ لشکرکشی کریں گے اور سب کے سب شہید ہو جائیں گے۔'' حضرت عقبہؓ نے فوراً ہاتھ اٹھائے اور دعا کی ''یا اللہ میں بھی ان میں سے ایک ہوں۔'' حضرت عقبہؓ کی یہ دعا ان کے شوقِ شہادت کی مظہر تھی۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے اپنی وفات (۴۳ ہجری/۶۶۳ عیسوی) سے کچھ عرصہ پہلے حضرت عقبہؓ کو عساکرِ افریقیہ کا سپہ سالار مقرر کیا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اسی زمانے میں انہوں نے سوڈان پر یلغار کی اور کئی علاقوں کو فتح کرتے ہوئے غدامس تک پہنچ گئے۔ وہ پہلے مسلمان سپہ سالار ہیں جنہوں نے سوڈان پر پرچم اسلام بلند کیا۔ ۵۰ھ/۶۷۰ء میں امیر معاویہؓ نے انہیں شمالی افریقہ کی مہم کا قائد مقرر کیا تو انہوں نے دس ہزار سرفروشوں کے ساتھ ایسی زبردست یلغار کی کہ سارے بلادِ مغرب میں زلزلہ پڑ گیا۔ مجاہدینِ اسلام نے تیونس (قرطاجنہ) تک کا علاقہ فتح

Marfat.com

کرلیا اور رومیوں اور ان کے ساتھی بربریوں کی سخت گوشمالی کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس مہم کے دوران میں ایک مرتبہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ ایک لق و دق صحرا میں سے گزر رہے تھے کہ لشکر کے پاس پانی کا ذخیرہ ختم ہوگیا۔ دور دور تک پانی یا کسی آبادی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ لوگ پانی کی تلاش میں ادھر ادھر بہت دوڑے لیکن ناکام واپس آئے۔ یہ بڑا نازک وقت تھا کیونکہ ہزاروں آدمیوں اور جانوروں کی زندگیاں خطرے میں تھیں۔ اس وقت حضرت عقبہؓ بن نافع نے دو رکعت نماز پڑھ کر ایک طویل دعا کی۔ اللہ کی شان' اسی وقت حضرت عقبہؓ کے گھوڑے نے اپنے سُم سے زمین کو کریدنا شروع کیا۔ جب تھوڑی سی ریت ہٹ گئی تو ایک بڑا پتھر دکھائی دیا۔ حضرت عقبہؓ کے حکم سے اس پتھر کو ہٹایا گیا تو اس کے نیچے سے ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا ایک چشمہ نکل آیا۔ عقبہؓ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور بلند آواز سے پکارے۔ ''اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے پانی بھیج دیا۔'' اہلِ لشکر جو پیاس سے نڈھال تھے' فرطِ مسرّت سے بے خود ہوگئے۔ انہوں نے اس چشمے سے چھوٹی چھوٹی نالیاں مختلف سمتوں میں نکالیں اور مشکوں اور برتنوں میں پانی کا ذخیرہ کرلیا۔ اس کے بعد اس واقعہ کی نسبت سے اس مقام کا نام ''ماء الفرس'' (گھوڑے کا چشمہ) مشہور ہوگیا۔

بلادِ مغرب کی مہم سے فارغ ہوکر حضرت عقبہؓ نے سوچا کہ اس علاقے میں ایک ایسا شہر بسانا چاہیے جو اسلامی قوّت کا مرکز ہو اور نہ صرف سرکش بربریوں کی شورشوں کی روک تھام کرسکے بلکہ رومیوں کے بحری حملوں کا مؤثر دفاع بھی کرسکے۔ چنانچہ انہوں نے صوبہ بیزاسین (Byzacene) کے وسط میں القیروان کے مستحکم فوجی قلعے اور شہر کی بنیاد رکھی۔ علاّمہ ابن العذاری المراکشی نے ''البیان المغرب'' میں لکھا ہے کہ حضرت عقبہؓ نے جو جگہ شہر کی تعمیر کے لیے منتخب کی وہاں میلوں تک گھنا جنگل اور دلدلی علاقہ تھا جو حشرات الارض اور خونخوار درندوں کا مسکن تھا۔ جب انہوں نے

Marfat.com

ایسے خطرناک علاقے میں شہر کی تعمیر کا ارادہ ظاہر کیا تو ان کے ساتھیوں نے ان سے کہا:

''اے امیر آپ نے ایسے گھنے جنگل اور دلدلوں میں شہر تعمیر کرنے کا حکم دیا ہے جس میں کوئی انسان قیام کرنا پسند نہیں کرسکتا۔ ہمیں ڈر ہے کہ سانپ اور خونخوار درندے ہمیں نقصان پہنچائیں گے۔''

حضرت عقبہؓ کے لشکر میں اٹھارہ صحابہ کرامؓ اور باقی سب لوگ تابعین تھے۔ عقبہؓ نے صحابہ کرامؓ کو ساتھ لے کر بارگاہِ رَبُّ العزت میں بآواز بلند دعا کی ''الٰہی تو ہمیں اپنے فضل و کرم سے نواز اور ہمیں یہ شہر آباد کرنے کی توفیق عطا فرما۔'' دوسرے اہلِ لشکر نے بھی اس دعا میں نہایت خشوع و خضوع سے ان کا ساتھ دیا۔ پھر حضرت عقبہؓ جنگل کے قریب گئے اور پکار کر کہا:

''اے سانپو اور اے درندو! ہم رسولِ عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور تابعین ہیں۔ تم یہاں سے چلے جاؤ کیونکہ اس جگہ ہم اقامت اختیار کرنے والے ہیں۔ اگر تم یہاں سے نہ گئے تو ہم تمہیں ہلاک کرنے میں آزاد ہوں گے۔''

اس کے بعد چشمِ فلک نے یہ حیرت انگیز نظارہ دیکھا کہ تمام درندے اپنے بچوں کو اٹھائے جنگل سے بھاگ رہے تھے اور سانپ بچھو وغیرہ بھی ان کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔ اس طرح دیکھتے دیکھتے یہ علاقہ تمام وحوش اور حشرات الارض سے خالی ہوگیا۔ اس کے بعد درخت کاٹ کر شہر کی تعمیر کا آغاز کردیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد چالیس برس تک اہلِ افریقیہ نے اس علاقہ میں کسی بچھو، سانپ یا درندے کا نام و نشان نہ پایا۔''

حضرت عقبہؓ نے سب سے پہلے دارالامارۃ اور جامع مسجد کے لیے چاردیواری

Marfat.com

بنوائی۔ ابن العذاریؒ کہتے ہیں کہ اس موقع پر قبلہ کی سمت کے بارے میں لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا جس نے آہستہ آہستہ شدید صورت اختیار کر لی۔ حضرت عقبہؓ کو اس سے بہت تشویش ہوئی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس مشکل کے حل کی دعا مانگی۔ ایک دن اسی فکر میں سو گئے۔ خواب میں دیکھا کہ ایک نورانی صورت کے بزرگ آئے ہیں اور ان سے کہہ رہے ہیں ''صبح جب تم اٹھو تو جھنڈا ہاتھ میں لے کر اس کو اپنی گردن پر رکھ لو' تم اپنے آگے تکبیر کی آواز سنو گے' دوسرا کوئی شخص اس آواز کو نہ سن سکے گا۔ اس جگہ کا خیال رکھو جہاں یہ تکبیر تم کو سنائی نہ دے بس وہی مقام تمہارا قبلہ اور محراب ہے......'' اس کے بعد ان کی آنکھ کھل گئی۔ اسی وقت اٹھ کر وضو کیا اور نماز پڑھی پھر صبح کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ جب پو پھٹی تو پھر دو رکعت نماز پڑھی' اس وقت انہوں نے اپنے سامنے تکبیر کی آواز سنی۔ لوگوں سے پوچھا کہ جو کچھ میں سن رہا ہوں کیا تمہیں بھی سنائی دے رہا ہے؟ انہوں نے کہا ''نہیں'' اب انہیں یقین ہو گیا کہ قبلہ کی سمت متعین کرنے میں ان کی رہنمائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو رہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے جھنڈا اٹھایا اور اس کو گردن پر رکھ کر تکبیر کی آواز کے پیچھے پیچھے چلے۔ لوگوں کا ایک جمِ غفیر بھی ان کے ساتھ تھا۔ آخر اس محراب تک پہنچے جو جامع مسجد کی چاردیواری میں پہلے ہی موجود تھی یہاں تکبیر کی آواز بند ہو گئی۔ اس پر انہوں نے اسی مقام پر جھنڈا گاڑ دیا اور لوگوں سے کہا کہ یہ تمہاری محراب اور سمتِ قبلہ ہے۔ چنانچہ جامع مسجد اور شہر کی دوسری مسجدوں میں بھی قبلہ کا رخ اسی کے مطابق رکھا گیا۔

یہ قضیہ طے ہو جانے کے بعد شہر کی تعمیر تیزی سے شروع ہو گئی اور جلد ہی ''القیروان'' کا عظیم الشان شہر وجود میں آ گیا۔ اس کی جامع مسجد نہایت شاندار تھی۔ اس کا طول تین ہزار ذراع اور عرض چھ سو ذراع تھا (ذراع نصف گز انگریزی کے

Marfat.com

برابر ہوتا ہے) اسی طول وعرض سے مسجد کی وسعت اور شان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

القیروان کی تاسیس سے مسلمانوں کو ایک مضبوط فوجی مستقر مل گیا اور انہیں جمعیت خاطر بھی حاصل ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی افریقیہ میں اشاعتِ اسلام کا راستہ صاف ہوگیا۔

(۳)

حضرت عقبہؓ کو نو تعمیر شہر میں زیادہ عرصہ قیام کرنا نصیب نہ ہوا۔ القیروان کے آباد ہونے کے فوراً بعد ۵۵ ہجری/ ۶۷۵ء میں امیر معاویہؓ نے حضرت مسلمہؓ بن مخلد انصاری کو مصر اور افریقیہ کا والی مقرر کیا۔

(ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ تقرر ۵۳ ہجری/ ۶۷۵ء میں ہوا۔) حضرت مسلمہؓ نے حضرت عقبہؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ اپنے ایک غلام ابوالمہاجر کو افریقیہ کا والی مقرر کیا۔ ابوالمہاجر نے قیروان پہنچ کر حضرت عقبہؓ کے ساتھ ان کے شایانِ شان برتاؤ نہ کیا۔ اس سے ان کو سخت رنج ہوا اور انہوں نے دمشق جا کر امیر معاویہؓ سے ابوالمہاجر کی شکایت کی۔ امیر معاویہؓ نے ان کو دوبارہ افریقیہ کی ولایت پر بھیجنے کا وعدہ کیا لیکن اپنی زندگی میں انہیں یہ وعدہ پورا کرنے کا موقع نہ مل سکا کیونکہ ابوالمہاجر نے الجزائر کی طرف پیش قدمی شروع کر دی تھی۔ علّامہ ابنِ خلدونؒ کا بیان ہے کہ ابوالمہاجر الجزائر میں داخل ہو کر تلمسان تک بڑھتے چلے گئے' اس دوران میں انہوں نے ایک ممتاز بربری سردار کسیلہ برنسی کو شکست فاش دی۔ شکست کھانے کے بعد کسیلہ نے اسلام قبول کر لیا اور ابوالمہاجر نے اس کے مرتبے کا لحاظ کرتے ہوئے اسے اپنے مشیروں میں شامل کر لیا۔

امیر معاویہؓ کی وفات (۶۰ھ/ ۶۸۰ء) کے بعد یزید اوّل تختِ حکومت پر بیٹھا۔ اس نے ۶۲ھ/ ۶۸۰ء میں اپنے والدِ ماجدؓ کے وعدہ کو پورا کیا اور حضرت عقبہؓ بن نافع

Marfat.com

کو دوبارہ افریقیہ کا والی مقرر کر دیا۔ حضرت عقبہؓ فوراً عازمِ قیروان ہو گئے اور وہاں پہنچ کر ابوالمہاجر سے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ لے لی۔ چونکہ سرکش بربری اور رومی نت نئے فتنے اٹھاتے رہتے تھے حضرت عقبہؓ نے عزم بالجزم کر لیا کہ خواہ انہیں ساری عمر لڑنا پڑے وہ ان سرکش عناصر کی بیخ کنی کر کے رہیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے لڑکوں کو بلایا اور ان سے مخاطب ہو کر کہا ''میرے بچو! میں نے اپنی جان کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیچ دیا ہے۔ لہٰذا جب تک زندہ رہوں گا' کفار سے جہاد کرتا رہوں گا۔'' اس کے بعد وہ ایک مضبوط فوج کے ساتھ قیروان سے وسط المغرب کی طرف بڑھے اور باغہ (یا باغایہ) پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ وہاں بڑی تعداد میں رومی اور بربری جمع تھے۔ حضرت عقبہؓ نے ایک خونریز معرکہ کے بعد ان کے متحدہ لشکر کو شکست دی۔ یہ لوگ شکست کھا کر شہر میں محصور ہو بیٹھے۔ اسلامی لشکر کچھ عرصہ محاصرہ کیے رہا لیکن محصورین نے شہر سے باہر نکلنے کی ہمت نہ کی۔ حضرت عقبہؓ نے وہاں زیادہ ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور زاب کے علاقہ میں واقع رومیوں کے ایک بڑے مرکز لمبیس پر دھاوا بول دیا۔ لمبیس میں رومیوں کا ایک جرار لشکر موجود تھا لیکن اس نے بری طرح شکست کھائی۔ اب حضرت عقبہؓ نے آگے بڑھ کر فزان کو جا گھیرا۔ وہاں کے حکمران کو مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی اور اس نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ فزان کی تسخیر کے بعد حضرت عقبہؓ نے ودان' قفصہ اور قسطیلہ پر پرچمِ اسلام بلند کیا اور تھوڑے وقفہ کے بعد اربہ کے مقام پر رومیوں کے ایک زبردست لشکر کو شکست دیتے ہوئے تاہرت کا رُخ کیا۔ وہاں کے رومیوں کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو انہوں نے اپنی مدد کے لیے بربریوں کو بلا لیا۔ اس طرح رومیوں اور بربریوں کا ایک بہت بڑا لشکر جمع ہو گیا۔ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی لیکن انہوں نے اپنی جانیں راہِ حق میں وقف کر رکھی تھیں اس لیے دشمن کی کثرتِ تعداد کو مطلق

Marfat.com

خاطر میں نہ لائے اور سروں سے کفن باندھ کر کفّار کی مہیب طاغوتی قوت پر ٹوٹ پڑے۔ رومی اور بربری جنگجو جان توڑ کر لڑے لیکن مسلمان سرفروشوں کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ چلی اور بالآخر انہوں نے بری طرح شکست کھائی۔ تاہرت سے حضرت عقبہؓ نے طنجہ کا رُخ کیا جو بحرِ روم کے کنارے افریقیہ کا آخری شہر اور رومیوں کا ایک مضبوط مرکز تھا۔ وہاں کا حکمران جولیان (JULIAN) بڑے اثر و اقتدار کا مالک تھا اور مغرب کے بیشتر حکمران اس کے باجگزار تھے۔ اس نے باختلافِ روایت حضرت عقبہؓ سے شکست کھا کر یا خود ہی برضا و رغبت مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ حضرت عقبہؓ کا رادہ تھا کہ طنجہ سے آبنائے جبل الطارق کو عبور کر کے اندلس (SPAIN) پر حملہ آور ہوں لیکن جولیان نے انہیں مشورہ دیا کہ ایسا کرنا مناسب نہ ہوگا کیونکہ کوہِ اطلس کبیر اور سوس کے کافر بربریوں سے کسی بھی وقت اسلامی اقتدار کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عقبہؓ نے طنجہ سے سُوسِ ادنیٰ کا رخ کیا اور زرھون، یعلیٰ، نفیس، سُوسِ اقصیٰ اور درعہ کو مسخر کرتے ہوئے صحرائے لمتونہ تک پہنچ گئے وہاں سے بحرِ اوقیانوس کے شمالی ساحل کی طرف بڑھے اور بلادِ آسفی میں جبل درن (اطلس کبیر) کے مصمودہ بربر قبائل اور پھر تارودانت تک مقابل اطلس (ANTIATLAS) کے بربروں کو مطیع و منقاد کرتے ہوئے بحرِ اوقیانوس کے شمالی ساحل پر پہنچ گئے۔ اب وہ سارا شمالی افریقہ فتح کر چکے تھے لیکن جذبۂ جہاد کا یہ عالَم تھا کہ بحرِ اوقیانوس کی وسعتوں کو اپنے راستے میں حائل دیکھ کر بصد حسرت و یاس آسمان کی طرف نظر کی اور کہا:

"بارِ الٰہا! اگر یہ سمندر میرے راستے میں حائل نہ ہوتا تو جہاں تک زمین ملتی میں تیری راہ میں جہاد کرتا چلا جاتا۔"

پھر انہوں نے اپنے شبدیزِ صبا رفتار کو جست دے کر سمندر میں ڈال دیا اور

Marfat.com

جب پانی گھوڑے کی رانوں تک پہنچ گیا تو انہوں نے اسے روک لیا اور تلوار ہوا میں لہراتے ہوئے بڑے جوش اور جذبے سے یوں گویا ہوئے:

''خدائے قادر و توانا تو خوب جانتا ہے کہ تیرا یہ عاجز بندہ اس نیّت سے گھر سے نکلا تھا کہ تیرے ولی ذوالقرنین کی طرح زمین کی آخری حدوں تک تیرا نام بلند کرے تاکہ تیرے سوا کوئی دوسرا نہ پوجا جائے لیکن آج اس سمندر نے اس کا راستہ روک لیا ہے۔''

یہ کہہ کر وہ ساحل سے بڑی بیدلی کے ساتھ واپس آئے۔

(۴)

حضرت عقبہؓ کی فتوحات نے تمام شمالی افریقہ پر مسلمانوں کا سکّہ بٹھا دیا تھا اور بظاہر ان کی حریف کوئی بڑی قوت باقی نہ رہ گئی تھی لیکن دفعتہً کسیلہ برنسی کی غداری نے سارے افریقیہ میں انقلاب برپا کر دیا۔

کسیلہ برنسی، حضرت عقبہؓ کے پیشرو ابوالمہاجر سے شکست کھا کر مسلمان ہو گیا تھا اور ان کا مشیر بن گیا تھا۔ حضرت عقبہؓ نے ۶۲ھ میں دوسری مرتبہ افریقیہ کی عنانِ حکومت سنبھالی تو ابوالمہاجر نے ان سے کسیلہ کی سفارش کی اور اس کے مرتبہ کا لحاظ رکھنے کا مشورہ دیا۔ حضرت عقبہؓ ابوالمہاجر کو اپنا مخالف سمجھتے تھے اس لیے اس سفارش اور مشورہ نے ان کے دل میں کسیلہ کے بارے میں بھی کھٹک پیدا کر دی۔ چند دن بعد انہوں نے بعض شکوک کی بنا پر یا انتظامی اور احتیاطی تدبیر کے پیش نظر ابوالمہاجر اور کسیلہ دونوں کو گرفتار کر لیا اور اپنی مہمات کے دوران میں انہیں پابزنجیر کر کے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ انہوں نے صرف ابوالمہاجر کو گرفتار کیا اور کسیلہ کے خلاف صرف اتنی کارروائی کی کہ اس کو مجلسِ مشاورت سے خارج کر کے ایک عام سپاہی کی حیثیت دے دی۔ کسیلہ نے اسے اپنی توہین سمجھا

Marfat.com

اور بعد میں ایک موقع پر جب حضرت عقبہؓ نے اسے جانور ذبح کرنے پر مجبور کیا تو وہ دل میں ان کا جانی دشمن بن گیا اور ان سے بدلہ لینے کے لیے موقع میں کی تلاش میں رہنے لگا تاہم اس نے اپنے ظاہری رویہ میں کوئی فرق نہ آنے دیا۔

حضرت عقبہؓ بحرِ اوقیانوس کے شمالی ساحل سے واپس آتے ہوئے علاقہ زاب میں طنبہ کے مقام پر پہنچے تو اس اطمینان میں کہ اب کوئی مخالف و مزاحم باقی نہیں رہا اپنی فوج کو منتشر کر دیا۔ کہا جاتا کہ انہوں نے اپنے لشکر کو متعدد دستوں میں تقسیم کر کے قیروان کی جانب روانہ کر دیا اور اپنے ساتھ ایک مختصر سی جمعیت رکھی۔ اس اثناء میں کسیلہ ان کے لشکر سے فرار ہو گیا اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے فوج جمع کرنی شروع کر دی۔

حضرت عقبہؓ اپنی مختصر جمعیت کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے کہ صحرا کے کنارے تہودا کے مقام پر کسیلہ نے ایک جرار لشکر کے ساتھ انہیں آ گھیرا۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت عقبہؓ نے تہودا کے رومیوں کو اسلام کی دعوت دی لیکن وہ حضرت عقبہؓ کے ساتھ اتنے کم آدمی دیکھ کر مقابلہ پر آمادہ ہو گئے۔ انہیں کسیلہ کی حضرت عقبہؓ سے عداوت کا علم تھا۔ چنانچہ انہوں نے عین اس وقت جب مسلمانوں نے تہودا کا محاصرہ کر رکھا تھا' کسیلہ کو پیغام بھیجا کہ عقبہؓ سے انتقام لینے کا یہ بہترین موقع ہے کیونکہ ان کے پاس مٹھی بھر آدمی ہیں۔ کسیلہ یہ پیغام ملتے ہی ایک بڑے لشکر کے ساتھ تہودا پہنچ گیا اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا۔ مسلمانوں کی تعداد تین سو کے لگ بھگ تھی جبکہ کسیلہ کا لشکر چھ ہزار سے زیادہ بربری جنگجوؤں پر مشتمل تھا۔ لیکن حضرت عقبہؓ اور ان کے ساتھیوں کے دلوں میں تو شوقِ شہادت کے شعلے بھڑک رہے تھے ...... اپنے سے بیس گنا بربریوں کو مطلق خاطر میں نہ لائے۔ ان غیور مردانِ حق نے اپنی ڈھالیں اور تلواروں کے نیام توڑ پھینکے اور سروں سے کفن باندھ کر دشمن کی صفوں

Marfat.com

میں گھس گئے۔ بربریوں کی کثیر تعداد ماری گئی لیکن حضرت عقبہؓ اور ان کے تمام جانباز ساتھی بھی مردانہ وار لڑتے ہوئے ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ یوں حضرت عقبہؓ کے دل میں رتبۂ شہادت پر فائز ہونے کی جو آرزو مدت العمر سے مچل رہی تھی، وہ پوری ہوگئی۔ اس موقع پر ابوالمہاجر نے جو پابزنجیر حضرت عقبہؓ کے ساتھ تھے، عجیب مؤمنانہ کردار کا مظاہرہ کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے حضرت عقبہؓ نے انہیں آزاد کر دیا اور کہا کہ تم قیروان جا کر مسلمانوں کو منظم کرو، میں شہادت حاصل کرتا ہوں لیکن ابوالمہاجر نے کہا کہ میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا کیونکہ میرا مطلوب و مقصود بھی جامِ شہادت پینا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بھی حضرت عقبہؓ اور دوسرے مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو نہایت بہادری سے لڑ کر شہادت پائی۔ ان تمام شہیدانِ راہِ حق کی قبریں آج بھی اس مقام پر موجود ہیں جو اب ایک چھوٹے سے گاؤں کا مرکز بن گیا ہے اور زیارت گاہِ خواص و عوام ہے۔ یہ گاؤں حضرت عقبہؓ کے نام سے "سیدی عقبہ" کہلاتا ہے اور تہودا کی قدیم جائے وقوع کے قریب بسکرہ کے جنوب مشرق میں چند میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

حضرت عقبہؓ کی شہادت (۶۴ھ/۶۸۴ء) کے بعد کسیلہ نے قیروان پر قبضہ کر لیا لیکن پانچ سال بعد عبدالملک بن مروان کے عہدِ حکومت میں زہیرؒ بن قیس بلوی نے اس کو قیروان سے نکلنے پر مجبور کر دیا اور پھر ممش کے مقام پر ایک خونریز جنگ کے بعد اس کو عبرتناک شکست دی۔ اس لڑائی میں کسیلہ اور اس کے ساتھ بڑے بڑے بربری اور رومی سردار مارے گئے اور یوں حضرت عقبہؓ کا قاتل اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

حضرت سعیدؒ بن مُسَیَّبؒ

(رئیسُ التّابعینُ)

(۱)

حضرت سعیدؒ بن المُسَیَّبؒ اُس مقدّس جماعت کے گُلِ سر سبد ہیں جو علم و عمل میں سیّد المُرسَلین خَاتَمُ النَّبِیّین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرامؓ کا عکس و پرتو تھی۔ یہی وہ جماعت تھی جس نے ہادیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور صحابۂ کرامؓ کی علمی اور اخلاقی وراثت کو سارے عَالَم میں پھیلایا، ہماری مراد تابعینِ عظامؒ سے ہے۔ یوں تو ہر اس شخص کو تابعی کہا جا سکتا ہے جس نے کسی ایک صحابیؓ یا ایک سے زیادہ صحابۂ کرامؓ کا فیضِ صحبت اٹھایا ہو لیکن اہلِ سِیَر نے خالص دینی نقطۂ نگاہ سے صرف انہی اصحاب کو تابعین میں شمار کیا ہے جو علم و فضل اور سیرت و کردار کے اعتبار سے بھی صحابۂ کرامؓ کا نمونہ تھے۔ تابعینِ عظامؒ کی جماعت میں سات بزرگوں کو خاص امتیاز حاصل ہے اور وہ ''فقہاءِ سبعہ'' کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان کے اسماءِ گرامی یہ ہیں:

حضرت سعیدؒ بن المُسَیَّبؒ، حضرت عروہؒ بن زبیرؓ، حضرت خارجہ بن زیدؒ، حضرت عبید اللہ بن عبد اللہؒ، حضرت قاسمؒ بن محمد بن ابوبکر صدیقؓ، حضرت ابوبکر بن عبد الرحمنؒ، حضرت سلیمان بن یسارؒ

Marfat.com

یہ وہ عظیم المرتبت شخصیتیں ہیں جن کو علم و عمل کے اعتبار سے سارے عالَمِ اسلام نے امام و مقتدا تسلیم کیا اور جن کے ارشادات و فتاوٰی کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنایا۔ ''فقہاءِ سبعہ'' میں حضرت سعید بن میبؒ کو اتنا بلند مقام حاصل ہوا کہ سب نے انہیں بالاتفاق رئیس التّابعین قرار دیا اور ''فقیہ الفقہاء'' کے معزز لقب کا تاج ان کے سر پر رکھا۔

حضرت سعیدؒ بن میبؓ، سیدنا حضرت عمرِ فاروقؓ کے عہد خلافت کے تیسرے یا چوتھے سال مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ کنیت ابو محمد تھی اور قریش کے خاندان بنو مخزوم سے تعلق تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

سعیدؒ بن میبؓ بن حزنؓ بن ابی وہب بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مُرّہ بن کعب بن لُوّیؒ بن غالب۔

والدہ اُمّ سعیدؒ قبیلہ اسلم سے تھیں۔

حضرت سعیدؒ کے والد اور دادا دونوں کو شرفِ صحابیت حاصل تھا۔ والد حضرت میبؓ کو بیعتِ رضوان کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ ان سے سات احادیث مروی ہیں۔ دادا حزنؓ بن ابی وہب فتح مکہ کے دن مشرّف بہ اسلام ہوئے۔ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے پوچھا' تمہارا نام کیا ہے؟ عرض کیا' حُزن ...... چونکہ حُزن کے معنی غم کے ہیں' حضور ﷺ نے انہیں مشورہ دیا کہ یہ نام بدل کر سہل (یا بروایتِ دیگر سہیل) رکھ لو۔ حضرت حُزنؓ نے عرض کیا' یارسول اللہ یہ نام میرے والدین کا رکھا ہوا ہے اور لوگ سالہا سال سے مجھے اسی نام سے پکارتے ہیں اس لیے یہی رہنے دیں۔ حضور ﷺ نے انہیں اپنا نام برقرار رکھنے کی اجازت دے دی۔ ابنِ سعدؒ نے حضرت سعیدؒ سے یہ قول منسوب کیا ہے کہ (شاید اس نام اور واقعہ کی وجہ سے) ہمارے گھر میں ہمیشہ غمگینی چھائی رہی۔ حافظ ابنِ حجرؒ کا بیان ہے کہ

Marfat.com

حضرت حزنؓ جنگِ یمامہ (۱۱ہجری) میں بھی شریک ہوئے۔

(۲)

حضرت سعیدؒ گو اس وقت پیدا ہوئے جب رسالت کا مقدس اور پُر بہار عہد گزر چکا تھا' تاہم حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا سے اپنی آنکھیں روشن کرنے والے اکثر صحابہ کبارؓ ابھی حیات تھے۔ اس طرح حضرت سعیدؒ کو بہت سے جلیل القدر صحابہ کرامؓ و صحابیاتؓ سے کسبِ فیض کا موقع مل گیا۔ ان میں سے کچھ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت عُمرِ فاروقؓ، حضرت عثمان ذوالنّورینؓ، حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہ وَجْہَہٗ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص' حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت جبیرؓ بن مطعم' حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص' حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت مسورؓ بن مخرمہ' حضرت حکیمؓ بن حزام' حضرت ابوسعید خُدریؓ، حضرت زیدؓ بن ثابت' حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عثمانؓ بن ابی العاص' حضرت عتابؓ بن اسید' حضرت معمرؓ بن عبداللہ' حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ، حضرت ابوقتادہؓ، حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت حسّانؓ بن ثابت' حضرت مُسیّبؓ بن حُزنؓ (والد)

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہؓ، اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہؓ، حضرت اسماءؓ بنتِ عُمیس' حضرت اُمّ سُلیمؓ، حضرت خولہؓ بنتِ حکیم' حضرت فاطمہؓ بنتِ قیس۔

صحابہ کبار کے علاوہ حضرت سعیدؒ نے بعض تابعین سے بھی اکتسابِ فیض کیا۔ انہیں حصولِ علم کا بے پناہ شوق تھا اس لیے اس راہ میں دن رات ایک کر دیے اور مدینہ منورہ سے نکل کر بھی تحصیلِ علم سے گریز نہیں کیا۔ حافظ ابنِ کثیرؒ نے

Marfat.com

''البدایہ والنہایہ'' میں لکھا ہے کہ حضرت سعیدؒ نے ایک ایک حدیث کی طلب میں کئی بار دور دراز کا سفر کیا اور سفر کی صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ ان کی طلبِ صادق کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند سال کے اندر اندر وہ علم وفضل کا مجمع البحرین بن گئے اور اہلِ علم نے انہیں رئیس التابعین اور فقیہ الفقہاء تسلیم کیا۔ ان کے علم وفضل کو دیکھ کر فقیہ الامت حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ اپنے تلامذہ سے فرمایا کرتے تھے:

''اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سعیدؒ بن مسیبؒ کو دیکھتے تو خوش ہوتے۔''

ابنِ خلکانؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ، حضرت سعیدؒ بن مسیبؒ کو ایک نادرہ روزگار عالم کہا کرتے تھے۔

حافظ ابنِ حجرؒ کہتے ہیں کہ حضرت سعیدؒ بن مسیبؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے فیصلوں کے سب سے بڑے عالم تھے۔ امام نوویؒ کہتے ہیں کہ حضرت سعیدؒ بن مسیبؒ کی امامت، جلالتِ علمی اور تمام اعمالِ خیر میں اپنے معاصرین پر ان کے تفوّق پر سب علماء کا اتفاق ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے انہیں امام، شیخ الاسلام اور اجلّ تابعی کے القاب سے یاد کیا ہے۔ ابنِ عماد حنبلیؒ کا بیان ہے کہ حضرت سعیدؒ بن مسیبؒ کی ذات حدیث، تفسیر، فقہ، زہد وتقویٰ اور جملہ علمی اور عملی کمالات کی جامع تھی۔

حضرت قتادہؒ، امام مکحولؒ اور امام ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے سعیدؒ بن مسیبؒ سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا۔

میمون بن مہرانؒ کا بیان ہے کہ میں جب مدینہ گیا اور وہاں کے سب سے بڑے عالم کو پوچھا تو لوگوں نے سعید بن مسیبؒ کے گھر پہنچا دیا۔

سلیمان بن موسیٰؒ کا قول ہے کہ سعید بن مسیب افقہ التابعین تھے۔

حدیث اور فقہ حضرت سعیدؒ کے خاص فن تھے۔ حافظہ اتنا قوی تھا کہ جو بات

Marfat.com

ایک مرتبہ سن لیتے تھے اسے ہمیشہ یاد رکھتے تھے۔ خود فرماتے تھے کہ میں نے جو کچھ اپنے دل کے سپرد کیا اس نے اس میں کبھی میری خیانت نہیں کی۔ حضرت ابو ہریرہؓ ان کے خسر تھے۔ اس نسبت سے وہ سب سے بڑھ کر ان سے فیض یاب ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کی مرویات کا بڑا حصہ حضرت ابو ہریرہؓ ہی کی احادیث پر مشتمل ہے۔ ان کے تمام معاصرین ان کے کمالِ حفظِ حدیث کے معترف تھے اور ان کی مرویات کو بہت وقیع اور مستند سمجھتے تھے۔

فقہ میں ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ مدینہ منورہ کے شہرۂ آفاق فقہاءِ سبعہ کے رئیس سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے اکابر صحابہؓ کی موجودگی میں فتویٰ دینا شروع کر دیا تھا۔ ملک کے گوشے گوشے سے لوگ مختلف مسائل میں فتویٰ طلب کرنے کے لیے ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ بڑے بڑے علماء و اکابر تابعین بھی مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی ان کے پاس جانے کی تلقین کرتے تھے۔ حضرت قتادہؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سعیدؒ بن میبؒ سے زیادہ حلال اور حرام کا جاننے والا کوئی نہیں دیکھا۔

حضرت حسن بصریؒ جیسے بزرگ بھی مشکل مسائل میں ان سے مشورہ کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے نزدیک ان کی یہ قدر و منزلت تھی کہ ان سے پوچھے بغیر کوئی فیصلہ صادر نہیں کرتے تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ مدینہ منورہ کا ہر عالم اپنا علم لے کر خود میرے پاس آیا لیکن سعیدؒ بن میبؒ کا علم میرے پاس لایا جاتا تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جس زمانے میں مدینہ کے گورنر تھے' حضرت سعیدؒ کو اپنے پاس بلانا ان کی شانِ علمی کے خلاف سمجھتے تھے اور ہمیشہ کوئی قاصد بھیج کر ان سے مسئلہ دریافت کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان کا قاصد غلطی سے حضرت سعیدؒ کو ان کے پاس لے گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ انہیں دیکھتے ہی معذرت کرنے لگے کہ

Marfat.com

میرے قاصد نے غلطی سے آپ کو یہاں تشریف لانے کی زحمت دی۔ میں نے تو صرف آپ سے مسئلہ پوچھنے کے لیے بھیجا تھا۔

حضرت سعید بن مسیبؒ کے شاگردوں کا حلقہ نہایت وسیع تھا۔ چند مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں:

حضرت سالمؒ بن عبداللہ بن عمرؓ، امام زہریؒ، امام قتادہؒ، امام باقرؒ، امام یحیٰ بن سعید انصاریؒ، شعبہؒ، ابن منکدرؒ، عمرو بن مرہؒ، عبدالحمید بن جبیرؒ، داؤد بن ابی ہندؒ، عبدالخالق بن سلمہؒ، ہاشم بن عتبہؒ

(۳)

حضرت سعیدؒ جملہ دینی علوم میں درجۂ تبحر رکھنے کے علاوہ شعر و سخن کا بھی بڑا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ وہ خود تو شعر نہیں کہتے تھے لیکن شعر سننا پسند کرتے تھے۔

تعبیرِ رویاء میں بھی کمال درجے کی مہارت رکھتے تھے۔ بقول ابنِ سعدؒ یہ فن انہوں نے جلیل القدر صحابیہ حضرت اسماءؓ بنتِ ابی بکر صدیقؓ سے سیکھا تھا اور اور حضرت اسماءؓ نے اسے اپنے والدِ بزرگوار سے حاصل کیا تھا۔ اس سلسلہ میں ابنِ سعدؒ نے بہت سے واقعات بیان کیے ہیں جن سے تعبیرِ رویاء میں حضرت سعیدؒ کی مہارت اور بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔ ان میں سے چند واقعات یہ ہیں:

ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں سایہ میں بیٹھا ہوں پھر بعض لوگ مجھے زبردستی دھوپ میں لے گئے لیکن میں موقع پا کر بھاگ نکلا اور دوبارہ سایہ میں آ بیٹھا۔ حضرت سعیدؒ نے فرمایا' تم کسی دن کفر پر مجبور کیے جاؤ گے لیکن پھر اسلام کے دامن میں پناہ لو گے۔ کچھ عرصہ بعد یہ شخص ایک جنگ میں کافروں کے ہاتھ قید ہو گیا۔ انہوں نے اسے زبردستی کافر بنا لیا لیکن وہ موقع پا کر قید

Marfat.com

سے بھاگ نکلا اور کفر پر تین حرف بھیج کر مدینہ منورہ واپس آ گیا۔

ایک شخص نے اپنا خواب بیان کیا کہ ایک نر بکرا ثَنِیَّۃِ الوداع سے بھاگا آ رہا ہے اور کہہ رہا ہے ذبح کرو' ذبح کرو۔ ایک آواز آئی ذبح کر دیا ہے۔ حضرت سعیدؒ نے فرمایا' سمجھ لو کہ ابن صلاء مر گیا۔ اس پر زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ابنِ صلاء کی موت کی خبر موصول ہوئی۔ ابنِ صلاء اہلِ مدینہ کے غلاموں میں سے تھا۔ وہ حُکّام کے پاس لوگوں کی چغلیاں کھایا کرتا تھا اور انہیں پریشان کیا کرتا تھا۔

حصین بن عبیداللہؒ بے اولاد تھے۔ ایک رات انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ان کی گود میں ایک انڈا پڑا ہے۔ اپنا یہ خواب حضرت سعیدؒ کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے کہا' یہ انڈا عجمی مرغی کا ہے تم کسی عجمی عورت سے شادی کرو اللہ تمہیں اس سے اولاد دے گا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اللہ نے انہیں ایک لڑکا عطا کیا۔

جس زمانے میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور عبدالملک کے درمیان جنگ ہو رہی تھی' ایک شخص نے حضرت سعیدؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میں نے خواب میں عبدالملک کو منہ کے بل گرا کر اس کی پیٹھ میں چار میخیں گاڑ دی ہیں۔

حضرت سعیدؒ نے فرمایا' یہ خواب تم نے نہیں دیکھا۔ اس نے کہا میں نے ہی دیکھا ہے۔ حضرت سعیدؒ نے فرمایا' اگر تم سچ نہیں بتاتے تو میں اس کی تعبیر نہیں بتاؤں گا۔

اس شخص نے اقرار کیا کہ میں نے نہیں بلکہ یہ خواب عبداللہ بن زبیرؓ نے دیکھا ہے اور مجھے آپ کے پاس اس کی تعبیر پوچھنے کے لیے بھیجا ہے۔ فرمایا اگر تم نے ان کا خواب صحیح بیان کیا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ عبدالملک' ابنِ زبیرؓ کو قتل کر دے گا اور اس کی صُلب سے چار خلیفے پیدا ہوں گے۔

ایک اور شخص نے خواب میں دیکھا کہ عبدالملک نے چار مرتبہ مسجدِ نبوی کے

Marfat.com

سامنے پیشاب کیا ہے۔ اس نے حضرت سعیدؒ سے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ عبدالملک کی پشت سے چار خلیفے پیدا ہوں گے۔

ان دونوں خوابوں کی تعبیر بالکل درست نکلی۔ عبداللہ بن زبیرؓ عبدالملک کی فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے اور عبدالملک کے چار لڑکے ولید' سلیمان ہشام اور یزید ثانی خلیفہ ہوئے۔

ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ اپنے ہاتھ میں پیشاب کر رہا ہوں۔ حضرت سعیدؒ نے اس کی تعبیر یہ دی کہ تمہارے نکاح میں کوئی ایسی عورت ہے جس سے تمہارا نکاح ناجائز ہے۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعی اس کے نکاح میں ایسی عورت تھی جو دودھ شریک ہونے کی وجہ سے اس پر حرام تھی۔

ایک آدمی نے حضرت سعیدؒ کو بتایا کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو آگ میں گھستے دیکھا ہے۔ انہوں نے فرمایا تم سمندری سفر کرو گے اور تمہاری موت قتل کے ذریعہ سے ہوگی۔ عبدالرحمٰن بن سائبؒ کا بیان ہے کہ یہ تعبیر بالکل صحیح نکلی۔ اس شخص نے سمندر کا سفر کیا جس کے دوران میں وہ بمشکل بچا پھر قدید کی لڑائی میں قتل ہوا۔

شریک بن نمیر نے خواب میں دیکھا کہ اس کے دانت اس کے ہاتھوں میں گر گئے ہیں۔ اس نے حضرت سعیدؒ سے اس کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ تم اپنے خاندان کے اپنے ہم عمر لوگوں کو اپنے ہاتھوں سے دفن کرو گے۔

ایک شخص نے پوچھا' میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک کبوتری مسجد کے منارہ پر آ کر بیٹھ گئی۔ حضرت سعیدؒ نے فرمایا' اس کا مطلب یہ ہے کہ (بصرہ کا گورنر) حجاج بن یوسف' عبداللہ بن جعفرؓ کی بیٹی سے شادی کرے گا اور واقعی کچھ عرصہ بعد یہی ہوا۔

فرمایا کرتے تھے کہ خواب کی تعبیر زیادہ سے زیادہ چالیس سال تک ظاہر

Marfat.com

ہو جاتی ہے۔ پاؤں میں بیڑی دیکھنے کے خواب کو دین میں راسخ اور ثابت قدم ہونے کی علامت بتاتے تھے۔ خواب میں خُرماتر دیکھنے کی تعبیر یہ دیتے تھے کہ رزق میں برکت ہوگی۔

(۴)

حضرت سعید بن مسیبؒ کو عبادت و ذکرِ الٰہی سے بے انتہا شغف تھا۔ قائم اللّیل اور دائم الصّوم تھے۔ علّامہ شعرانیؒ اور ابنِ جوزیؒ کا بیان ہے کہ انہوں نے متواتر پچاس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی۔ اس سے ان کی شب بیداری کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ابنِ سعدؒ نے طبقات میں لکھا ہے کہ رات کو تنہائی میں اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرماتے:

"اے ہر برائی اور بدی کے منبع اٹھ میں تجھے اس اونٹ کی طرح تھکا کر چھوڑوں گا جو بھاری بوجھ اور کثرتِ سفر کی وجہ سے چلنے میں لڑکھڑاتا ہے۔"

یہ فرما کر تہجّد میں مشغول ہو جاتے اور فجر تک پڑھتے رہتے۔ اس دوران میں کھڑے کھڑے پاؤں سوج جاتے۔ صبح کو پھر اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہتے:

"تجھے یہی حکم ہے اور تو اسی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔"

نماز باجماعت کا یہ اہتمام تھا کہ باختلافِ روایت چالیس یا پچاس برس تک ایک وقت کی نماز باجماعت بھی ناغہ نہیں ہوئی۔ ہمیشہ وقت پر مسجد پہنچتے، پہلی صف میں جگہ لیتے اور تکبیرِ اولیٰ کبھی فوت نہ ہونے دیتے۔ کبھی ایسا نہ ہوا کہ لوگ نماز سے فارغ ہو کر واپس جا رہے ہوں اور وہ مسجد میں پہنچیں۔ واقعۂ حرّہ کے پُر آشوب زمانے میں بھی مسجد ہی میں جا کر نماز پڑھتے، حالانکہ اس وقت گھر سے نکلنے والے ہر شخص کو دارو گیر میں آنے کا خطرہ رہتا تھا...... اس خیال سے کہ کہیں نماز باجماعت سے ناغہ

Marfat.com

نہ ہو جائے۔ مدینہ منورہ سے باہر کسی ایسے مقام پر نہ جاتے تھے جہاں نماز باجماعت کا اہتمام نہ ہو۔

ممنوعہ دنوں کے سوا ہمیشہ روزہ سے رہتے تھے۔ حجِ بیت اللہ کا اس قدر شوق تھا کہ زندگی میں کم و بیش پچاس حج کیے۔ قرآنِ کریم کی بکثرت اور بلاناغہ تلاوت اپنے اوپر لازم کرلی تھی یہاں تک کہ سفر میں سواری پر بھی تلاوت کرتے رہتے تھے۔ زہد و ورع اور تقویٰ کی یہ کیفیت تھی کہ جس چیز کی حلّت میں ذرا بھی شک ہوتا اس کو اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دیتے تھے یہاں تک کہ مسجد میں آنے والے شربت سے روزہ بھی نہیں افطار کرتے تھے بلکہ اپنے گھر سے پانی یا شربت منگوا کر پیتے تھے۔ قرآنِ کریم اور مسجد کی اتنی تعظیم کرتے تھے کہ ان کی تصغیر بھی گوارا نہ تھی۔ حدیثِ رسول ﷺ کا اس قدر احترام تھا کہ علالت کی حالت میں بھی اس کو سناتے وقت اٹھ کر بیٹھ جاتے تھے۔ منہیات کے بارے میں اس قدر محتاط تھے کہ اپنی بچی کو ہاتھی دانت کی گڑیا سے کھیلنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔

حضرت سعیدؒ نے کسبِ معاش کے لیے تجارت کا پیشہ اختیار کیا تھا۔ زیتون کے تیل اور جانوروں کے چارے کی تجارت کیا کرتے تھے۔ اس سے خاصے آسودہ حال ہو گئے تھے اور امراء و عوام کے نذرانوں اور تحائف سے بالکل بے نیاز تھے۔

حافظ ابنِ کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ" میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے:

"اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے بخل و حرص کے داعیہ سے مجبور ہو کر مال جمع نہیں کیا اور نہ اسے حُبِّ دنیا اور حصولِ شہوات کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس سے میری ایک غرض تو یہ ہے کہ اپنے آپ کو بنو مروان کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے بچاؤں یہاں تک کہ تجھ سے آملوں اور تو میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کردے۔ دوسری یہ کہ اس سے اپنے اعزّہ و اقربا

Marfat.com

کی خبر گیری کروں اور وہ سارے حقوق ادا کروں جو میرے ذمہ ہیں۔
میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ اس مال سے فقیروں، مسکینوں، یتیموں اور پڑوسیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کروں۔''

شروع شروع میں انہیں حکومت کی طرف سے وظیفہ ملتا تھا لیکن پھر انہوں نے وظیفہ لینے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ ان کے نام پر ایک کثیر رقم بیت المال میں جمع ہو گئی۔ انہیں بار بار اس کے لینے کے لیے بلایا گیا لیکن انہوں نے یہ رقم لینے سے صاف انکار کر دیا۔

(۵)

حضرت سعیدؒ بن میسبؒ کی زندگی کا ایک واقعہ ایسا سبق آموز اور تحیّر خیز ہے کہ تاریخ میں شاذ ہی اس کی کوئی مثال ملتی ہے۔ یہ واقعہ حضرت سعیدؒ کی دینداری، ایثار، ہمدردی، سادگی اور غریب پروری پر دال ہے۔ تاریخ ابنِ خلِّکان اور طبقات ابنِ سعد میں ہے کہ حضرت سعیدؒ کی ایک صاحبزادی نہایت حسین و جمیل اور زیورِ تعلیم و تربیت سے آراستہ تھی۔ خلیفہ عبدالملک نے اس لڑکی کے حُسنِ صورت اور حُسنِ سیرت کا حال سن کر اپنے وَلی عَہد کے لیے حضرت سعیدؒ سے اس کا رشتہ مانگا۔ انہوں نے کمال بے نیازی سے اس کی درخواست ٹھکرا دی۔ عبدالملک نے اس سلسلہ میں ان پر بہت دباؤ ڈالا اور سختیاں بھی کیں مگر وہ رضامند نہ ہوئے۔ اس کے برعکس انہوں نے اس گوہرِ گرانمایہ کا نکاح ایک نادار مگر دین دار طالب علم کے ساتھ نہایت سادگی اور بے تکلفی سے کر دیا۔

کثیر بن ابی وداعہ قریش کا ایک معمولی اور غریب نوجوان تھا[1]۔ اسے حصولِ علم کا بہت شوق تھا۔ اس مقصد کے لیے وہ حضرت سعیدؒ کی خدمت میں پابندی سے حاضر رہتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ چند دن غیر حاضر رہا۔ جب آیا تو حضرت سعیدؒ نے پوچھا:

---

[1] بعض روایتوں میں اس کا نام ابی وداعہ آیا ہے۔

Marfat.com

''اتنے دن کہاں رہے؟''

اس نے عرض کیا' ''حضرت! میری اہلیہ فوت ہوگئی تھی اس لیے حاضر نہ ہوسکا۔'' حضرت سعیدؒ نے فرمایا۔ ''تم نے مجھے کیوں اطلاع نہ کی کہ میں بھی اس کی تجہیز و تکفین میں شریک ہوتا۔''

کثیر نے کہا' ''میں نے خیال کیا کہ آپ کو کیا زحمت دوں۔''

تھوڑی دیر کے بعد جب وہ جانے لگا تو حضرت سعیدؒ نے پوچھا' ''دوسری شادی کا کوئی انتظام ہوا ہے کہ نہیں۔''

ابنِ ابی وداعہ نے عرض کیا ''حضرت میں ایک غریب اور نادار آدمی ہوں' مجھے کون اپنی فرزندی میں قبول کرے گا۔''

حضرت سعیدؒ نے فرمایا ''اگر میں تمہیں رشتہ دے دوں تو تم راضی ہو؟''

کثیر نے کہا' ''حضرت اس سے بڑھ کر میری کیا خوش قسمتی ہوسکتی ہے۔''

حضرت سعیدؒ نے اسی وقت مجلسِ نکاح منعقد کی' گواہ بلائے' خطبہ مسنونہ پڑھا اور دو یا تین درہم پر کثیر سے اپنی لڑکی کا نکاح پڑھا دیا۔

کثیر کی مسرّت کی کوئی انتہا نہیں تھی مگر اب اس کو یہ فکر لاحق تھی کہ رخصتی کے لیے ضروری ساز و سامان کیسے فراہم کروں گا۔ لیکن حضرت سعیدؒ نے اس مشکل کو بھی حل کر دیا۔ شام کے وقت انہوں نے اپنی صاحبزادی کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ پہلے دو رکعت نماز خود پڑھی پھر دو رکعت صاحبزادی سے پڑھوائی۔ اس کے بعد اپنی لختِ جگر کو ہمراہ لے کر داماد کے گھر پہنچے۔ داماد کا بیان ہے کہ

''میں روزہ افطار کر کے اور مغرب کی نماز کے بعد کھانا کھانے بیٹھا ہی تھا کہ دروازہ پر دستک ہوئی' میں نے پوچھا' کون؟ جواب ملا سعید۔ میں سوچنے لگا کہ یہ کون سعید ہے' سعیدؒ بن مسیبؒ تو اپنے گھر اور مسجد کے سوا

Marfat.com

کہیں آتے جاتے نہیں۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ حضرت سعیدؒ بن مسیّب کھڑے ہیں۔ میں نے عرض کیا' حضرت مجھے طلب فرمالیا ہوتا خود تشریف آوری کی زحمت کیوں فرمائی۔''

حضرت سعیدؒ نے فرمایا' نہیں میرا ہی حق آنے کا تھا' میں نے سوچا تم نے شادی کی ہے اب تمہارا رفیقہ حیات کے بغیر رہنا مناسب نہیں ہے۔اس لیے تمہاری اہلیہ کو تمہارے پاس چھوڑنے آیا ہوں' لو یہ تمہاری اہلیہ ہے۔ وہ ان کے پیچھے کھڑی تھی۔ پھر لڑکی کو دروازے کے اندر کر کے کواڑ بند کر دیے اور تشریف لے گئے۔ میری بیوی شرم سے گر پڑی۔ میں اس کو لے کر اندر لایا اور پھر چھت پر چڑھ کر پڑوسیوں کو پکارا۔ وہ آئے تو میں نے ان کو بتایا کہ حضرت سعیدؒ بن مسیبؓ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح میرے ساتھ کر دیا ہے اور اب وہ کسی کو اطلاع دیے بغیر اپنی صاحبزادی کو میرے گھر چھوڑ گئے ہیں وہ اس وقت میرے مکان میں بیٹھی ہے۔اس پر ہمسایوں نے مسّرت کا اظہار کیا...... میری والدہ کو پتا چلا تو وہ دوڑی دوڑی آئیں اور کہنے لگیں کہ میں تین دن تک اپنی بہو کا بناؤ سنگھار کروں گی' اگر اس دوران میں تم اس کے قریب گئے تو میں کبھی تمہارا منہ نہ دیکھوں گی۔ چنانچہ جب میں تین دن کے بعد اپنی بیوی سے ملا تو اسے چندے آفتاب چندے ماہتاب' علم و فضل کے زیور سے آراستہ' قرآن کی حافظ' حدیث کی عالم اور حقوقِ شوہری سے بڑی باخبر پایا۔ شادی کے بعد میں ایک مہینا تک حضرت سعیدؒ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا اور نہ انہوں نے ہی میرے گھر میں قدم رنجہ فرمایا۔ پھر ایک دن ان کے حلقہ درس میں حاضر ہوا اس وقت وہ حدیث

Marfat.com

پڑھانے میں مشغول تھے۔ جب درس ختم ہوا اور سب لوگ چلے گئے تو حضرت سعیدؒ میری طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا' اس اللہ کی بندی کا کیا حال ہے۔ میں نے عرض کیا' حضرت بالکل ٹھیک ہے' خیر خواہوں کے لیے خوشی اور معاندین کے لیے حسد اور غصے کا باعث ہے۔ فرمایا' اگر کج روی دیکھو تو سختی سے پیش آنا۔ میں گھر واپس آیا تو انہوں نے (اپنی پاک کمائی میں سے) بیس ہزار روپے ہمارے لیے بھیج دیے۔"

(۶)

حضرت سعیدؒ نہایت راست باز اور حق گو تھے۔ کلمۃ الحق کہنے سے انہیں کوئی چیز باز نہیں رکھ سکتی تھی' نہ کسی قسم کی ترغیب وترہیب...... اور نہ کوئی خوف اور دباؤ۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جب مکّہ معظّمہ میں اپنی خلافت کا اعلان کیا تو جابر بن اسود کو مدینہ منورہ کا عامل بنایا اور اسے ہدایت کی کہ اہل مدینہ سے ان کی خلافت پر بیعت لے۔ دوسرے لوگوں نے تو بیعت کر لی لیکن حضرت سعیدؒ نے فرمایا کہ جب تک تمام مسلمانوں کا کسی ایک شخص پر اتفاق نہ ہو جائے میں کسی کی بیعت نہیں کروں گا۔ جابر بن اسود نے ان پر بڑا دباؤ ڈالا لیکن وہ نہ مانے۔ اس پر جابر کو طیش آ گیا اور اس نے حضرت سعیدؒ کو کوڑوں سے پٹوانے کا حکم دیا۔ اسی جابر نے اپنی چوتھی بیوی کو طلاق دے کر اس کی عدّت گزرنے سے پہلے ہی پانچویں شادی کر لی تھی جو شرعاً ناجائز ہے۔ حضرت سعیدؒ نے جابر کی اس حرکت کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی قرار دیا تھا' اسے اس بات کا بھی غصہ تھا۔ جب حضرت سعیدؒ کو کوڑے پڑ رہے تھے اس وقت بھی ان کی زبان اعلانِ حق میں مصروف تھی۔ وہ کہہ رہے تھے "کتاب اللہ کا حکم سنانے سے مجھے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔ تو نے چوتھی بیوی کی عدّت گزرنے سے پہلے پانچویں سے شادی کر کے اللہ تعالیٰ کی ایک حد سے تجاوز کیا

Marfat.com

ہے۔ میں یہ کہنے سے کبھی باز نہ آؤں گا جو تیرے دل میں آئے کر گزر لیکن یاد رکھ جلد ہی تجھ پر برا وقت آنے والا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سعیدؒ کے مرتبہ شناس تھے۔ انہیں جابر کی حرکت کا علم ہوا تو انہوں نے اس کو ایک سخت خط لکھ کر حضرت سعیدؒ سے بدسلوکی کرنے پر سخت ملامت کی اور حکم دیا کہ ان سے کوئی تعرض نہ کرو۔ کچھ عرصہ بعد حضرت ابنِ زبیرؓ عبدالملک کی فوج کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور جابر وغیرہ کو حکومت کے عتاب کا نشانہ بننا پڑا۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان سے بھی حضرت سعیدؒ کو شدید اختلاف پیدا ہو گیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ عبدالملک نے اپنے بیٹوں ولید اور سلیمان کو یکے بعد دیگرے ولی عہد مقرر کیا اور ہشام بن اسمٰعیل والیِ مدینہ کو حکم بھیجا کہ اہلِ مدینہ سے ان دونوں کی بیعت لو۔ حضرت سعیدؒ کی رائے تھی کہ ایک خلیفہ کی زندگی میں کسی اور کی بیعت درست نہیں۔ چنانچہ جب ہشام نے ان سے ولید اور سلیمان کی بیعت کا مطالبہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں عبدالملک کی زندگی میں دوسری بیعت نہیں کر سکتا۔ ہشام نے ان پر سخت دباؤ ڈالا یہاں تک کہ قتل کی دھمکی دی لیکن وہ اپنے مُوقف پر ڈٹے رہے۔ اس پر ہشام نے انہیں کوڑے لگانے کا حکم دیا اور ساتھ ہی اپنے سپاہیوں کو ہدایت کی کہ ان کی تشہیر کرتے ہوئے راس الثنیہ تک لے جاؤ۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں مجرموں کو سُولی دی جاتی تھی۔ حضرت سعیدؒ سُولی پانے کے لیے تیار ہو گئے اور جب سپاہیوں نے ان سے کہا کہ ابو محمد قتل کا وقت قریب ہے بے ستری سے بچنے کے لیے جانگھیا پہن لیں تو انہوں نے بخوشی جانگھیا پہن لیا۔ اس کے بعد سپاہی انہیں کوڑے مارتے راس الثنیہ کی طرف لے چلے' راستے میں ان کے ننگے بدن پر کوڑے برستے دیکھ کر ایک عورت بولی ''ہائے یہ کیسی رُسوائی کی بات ہے؟'' حضرت سعیدؒ نے فرمایا

Marfat.com

"یہ رسوائی نہیں، رسوائی تو آخرت کی رسوائی ہے جس سے بچنے کے لیے میں یہ ظلم سہہ رہا ہوں۔"

ہشام نے ان کے عزم و ثبات کو دیکھا تو واپس لا کر قید کرنے کا حکم دیا۔ جب انہیں قید خانے کی طرف لے جانے لگے تو فرمایا' اے حکومت کے اہل کارو! اگر مجھے اپنے قتل کیے جانے کا یقین نہ ہوتا تو میں کبھی جانگھیا نہ پہنتا...... قید خانے میں بھی انہیں کئی لوگوں کے ذریعے سمجھا بجھا کر رام کرنے کی کوشش کی گئی لیکن وہ اپنی بات پر نہایت سختی سے قائم رہے۔

عبدالملک کو ان حالات کا علم ہوا تو اس نے ایک طرف ہشام کو ملامت کا خط لکھا کہ خدا کی قسم سعید اس سلوک کے بجائے صلہ کے زیادہ مستحق ہیں' وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جن سے فتنہ انگیزی اور مسلمانوں کی بدخواہی کا ڈر ہو اس لیے ان کو مت ستاؤ۔ دوسری طرف اس نے اپنے ذاتی معتمد قبیصہ بن ذویب کے مشورہ پر حضرت سعیدؒ کو معذرت کا خط بھیجا جس میں لکھا کہ ہشام نے آپ کے ساتھ جو زیادتی کی ہے وہ میرے حکم اور مرضی کے بغیر کی ہے۔ حضرت سعیدؒ نے یہ خط پڑھ کر فرمایا "بہر حال جس نے مجھ پر ظلم کیا ہے اس کے اور میرے درمیان اللہ ہے وہ خوب واقف ہے۔" ہشام بھی خلیفہ کا خط پا کر سخت نادم ہوا اور حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ کو رہا کر دیا۔

حافظ ذہبیؒ نے "تذکرۃ الحفاظ" میں لکھا ہے کہ حضرت سعیدؒ ایک مرتبہ بازار میں بیٹھے تھے۔ اس وقت مُطّلب بن سائب بھی ان کے پاس موجود تھے۔ اتنے میں بنو مروان کا ایک قاصد ادھر سے گزرا۔ حضرت سعیدؒ نے اس سے پوچھا:

"تم بنی مروان کے ہرکارے ہو؟"

قاصد: "جی ہاں"

حضرت سعیدؒ: "تم نے انہیں کس حال میں چھوڑا ہے؟"

Marfat.com

قاصد: ''بہت اچھے حال میں ہیں۔''

حضرت سعیدؒ: ''تم اسے اچھا حال کہتے ہو' وہ انسانوں کو بھوکا رکھتے ہیں اور کتوں کا پیٹ بھرتے ہیں۔''

یہ سن کر قاصد کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور وہ آنکھیں نکالتا ہوا حضرت سعیدؒ کی طرف بڑھا۔ مُطَّلِب بن سائب نے سمجھا بجھا کر رخصت کیا اور حضرت سعیدؒ سے کہا ''خدا آپ کو معاف فرمائے آپ کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہیں۔''

حضرت سعیدؒ نے فرمایا ''بیوقوف آدمی خاموش رہو' جب تک میں خدا کے حقوق کی نگہداشت کرتا ہوں وہ مجھے ان ظالموں کے قبضے میں نہیں دے گا۔''

(۷)

حضرت سعیدؒ بن مسیّبؒ کے استغناء اور حکمرانوں سے بے نیازی کی بھی عجیب شان تھی۔ ایک مرتبہ خلیفہ عبدالملک مدینہ منورہ آیا اور اس نے حضرت سعیدؒ سے ملاقات کرنی چاہی وہ مسجدِ نبوی میں معمول کے مطابق مصروفِ عبادت تھے۔ عبدالملک نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر ایک شخص کو بھیجا کہ حضرت سعید کو بلا لائے۔ اس نے آ کر کہا ''امیر المؤمنین آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں اور اس وقت مسجد کے دروازے پر کھڑے ہیں۔''

حضرت سعیدؒ نے فرمایا ''نہ امیر المؤمنین کو مجھ سے کوئی حاجت ہے اور نہ مجھے امیر المؤمنین سے کوئی حاجت ہے' اگر ان کی کوئی ضرورت ہو بھی تو وہ پوری نہیں ہو سکتی۔''

عبدالملک نے یہ جواب سن کر دوبارہ آدمی بھیجا۔ حضرت سعیدؒ نے اس کے ساتھ جانے سے پھر انکار کر دیا۔ اس پر وہ شخص برافروختہ ہو کر بولا ''آپ عجیب آدمی ہیں کہ امیر المومنین بار بار بلا رہے ہیں اور آپ اس قسم کا خشک جواب دیتے ہیں۔

Marfat.com

اگر امیر المؤمنین نے منع نہ کر دیا ہوتا تو میں آپ کا سر قلم کر کے لے جاتا۔"

حضرت سعیدؒ نے بے پروائی سے جواب دیا "اگر خلیفہ کوئی بھلائی کرنا چاہتا ہے تو مجھے خوشی ہوگی کہ وہ بھلائی میری بجائے تمہارے ساتھ کرے اور اس کا ارادہ کچھ اور ہے تو خدا کی قسم میں اپنی نشست اس وقت تک نہیں بدلوں گا جب تک وہ جو کرنا چاہتا ہے نہ کر گزرے۔" عبدالملک نے یہ جواب سن کر صرف اتنا کہا "خدا ابو محمد پر رحم کرنے ان کی سختی بڑھتی ہی جاتی ہے۔" یہ کہہ کر حضرت سعیدؒ سے ملے بغیر چلا گیا۔

ایک اور موقع پر خلیفہ عبدالملک مدینہ منورہ آیا ہوا تھا۔ کسی سبب سے ایک رات اسے نیند نہ آتی تھی۔ اس نے حاجب کو حکم دیا کہ مسجد میں جا کر دیکھو اگر مدینہ کا کوئی داستان گو مل جائے تو اسے ساتھ لے آؤ تاکہ ذرا جی بہلے۔ حاجب مسجدِ نبوی میں آیا' کافی رات گزر چکی تھی اور مسجد خالی تھی' البتہ ایک گوشے میں حضرت سعیدؒ بن مسیبؓ ذکرِ الٰہی میں مشغول تھے۔ حاجب انہیں پہچانتا تھا۔ ان کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا' لیکن حضرت سعیدؒ نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ حاجب نے اشارے سے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا۔

حضرت سعیدؒ: "اپنی ضرورت بیان کرو' تم کیا چاہتے ہو؟"

حاجب: امیر المؤمنین جاگ رہے ہیں اور انہیں نیند نہیں آ رہی۔ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ کسی داستان گو کو لے آؤ اس لیے میرے ساتھ چلو۔

حضرت سعیدؒ: کیا انہوں نے مجھے بلوایا ہے؟

حاجب: نہیں بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ جا کر دیکھو اگر مدینہ کا کوئی داستان گو ہو تو لے آؤ۔ میں نے دیکھا کہ تم جاگ رہے ہو اس لیے تمہیں لے چلتا ہوں۔

حضرت سعیدؒ: امیر المؤمنین سے جا کر کہہ دو کہ میں ان کا داستان گو نہیں ہوں۔

Marfat.com

حاجب نے عبدالملک کو جا کر بتایا کہ ایک بوڑھا آدمی مسجد میں ملا تھا مگر وہ کوئی دیوانہ سا تھا' میں نے اسے اپنے ساتھ آپ کی خدمت میں لانا چاہا لیکن اس نے جواب دیا کہ میں امیرالمؤمنین کا قصہ خواں نہیں ہوں۔

عبدالملک حضرت سعیدؒ کے مزاج سے واقف تھے' بولا وہ سعیدؒ بن مسیبؒ ہیں' انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔

جس زمانے میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مدینہ منورہ کے گورنر تھے اور مسجد نبوی کی تعمیر نو ہو رہی تھی' خلیفہ ولید بن عبدالملک اس کام کے معائنہ کے لیے مدینہ منورہ آیا۔ دستور کے مطابق تمام لوگوں کو مسجد سے نکال دیا گیا۔ حضرت سعیدؒ دو معمولی چادریں زیب تن کیے ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے ذکر و فکر میں مشغول تھے۔ ان کو اٹھانے کی کسی کو ہمت نہ پڑی۔ ایک شخص نے ادب سے عرض کیا ''امیرالمؤمنین مسجد کا معائنہ کرنے تشریف لا رہے ہیں' بہتر ہے کہ آپ بھی تھوڑی دیر کے لیے مسجد سے باہر تشریف لے جائیں۔ انہوں نے فرمایا' میرے اٹھنے کا جو وقت ہے' بخدا اس سے پہلے نہیں اٹھوں گا۔''

اس نے کہا ''اچھا نہ اٹھیے مگر کم از کم اتنا تو کیجیے گا کہ جب امیرالمؤمنین ادھر سے گزریں تو انہیں سلام کرنے کے لیے کھڑے ہو جائیے گا۔''

بولے ''خدا کی قسم میں اس کے لیے کھڑا نہیں ہو سکتا۔''

اتنے میں خلیفہ مسجد میں آ گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ابن مسیبؒ کے مرتبہ شناس اور ان کی طبیعت سے بخوبی واقف تھے۔ وہ ولید کو دوسری سمتوں میں پھراتے رہے تاکہ اس کی نظر حضرت سعیدؒ پر نہ پڑے لیکن جب وہ دیوارِ قبلہ کی طرف بڑھا تو اس کی نظر حضرت سعیدؒ پر پڑ گئی۔ پوچھا' یہ شیخ کون ہیں' سعیدؒ بن مسیبؒ تو نہیں ہیں؟''

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بولے' جی ہاں وہی ہیں۔ پھر ان کی طرف سے عذر

Marfat.com

کرنے لگے' یہ اب بہت ضعیف ہو گئے ہیں' آنکھوں سے بھی کم دکھائی دیتا ہے' اگر آپ کو پہچان لیتے تو سلام کے لیے ضرور اٹھتے۔

ولید بولا ''ہاں میں ان کی حالت سے واقف ہوں' ان کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں میں خود ان پاس چلتا ہوں۔''

پھر وہ گھومتا گھامتا روضۂ اقدس کے پاس آیا۔ کچھ دیر وہاں ٹھہر کر حضرت سعیدؒ کے پاس پہنچا اور بولا ''فرمایئے شیخ مزاج کیسے ہیں؟''

حضرت سعیدؒ نے بیٹھے بیٹھے جواب دیا ''الحمدللہ بخیریت ہوں' آپ کے مزاج کیسے ہیں؟''

ولید نے کہا ''الحمدللہ اچھا ہوں۔''

یہ کہہ کر مسجد سے نکل گیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے کہا ''یہ پرانی یادگار ہیں۔''

(۸)

اخلاق و عادات میں حضرت سعیدؒ بن مسیبؒ صحابہ کرامؓ کا نمونہ تھے۔ طبعاً بڑے نرم اور صلح پسند تھے لیکن حق بات کہنے میں کسی کی پروانہیں کرتے تھے' ایک مرتبہ خلیفۂ وقت عبدالملک بن مروان نے ان سے کہا' ابو محمد اب میرا یہ حال ہو گیا ہے کہ نہ اچھا کام کرنے کی خوشی ہوتی ہے اور نہ کوئی برا کام کرنے کا رنج۔ فرمایا' تمہارا قلب بالکل مر چکا ہے۔ ان کی حق گوئی خودداری اور استغناء کے کچھ واقعات اوپر بیان کیا جا چکے ہیں۔ اُموی حکمرانوں سے بعض وجوہ کی بناء پر اختلاف تھا لیکن سختیاں جھیلنے کے باوجود ان کے بدخواہ نہیں تھے۔ ابن سعدؒ نے ابوبکر بن عبداللہؒ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ جب ابن مسیبؒ سے بنوامیہ کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ فرماتے' میں ان کے بارے میں وہی کہتا ہوں جو میرے رب نے کہنے کا حکم دیا ہے:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ

Marfat.com

فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَءُوْفٌ الرَّحِیْمٌ۔

(الحشر آیہ:۱۰)

(اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ اور حسد نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔)

لڑائی جھگڑے سے حضرت سعیدؒ کو سخت نفرت تھی۔ ان کے ایک ہمعصر عمران بن عبداللہ خزاعیؒ کا بیان ہے کہ اگر کوئی شخص ان کی چادر چھیننا چاہتا تو وہ خود چادر کو اس کی طرف پھینک دیتے۔

کثرتِ عبادت میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے لیکن ایک مرتبہ جب ان کے غلام برد نے بعض آدمیوں سے عبادت میں ان کے بے پناہ انہماک کا ذکر کیا تو فرمایا:

''برد! خدا کی قسم یہ عبادت نہیں ہے۔ عبادتِ الٰہی کہتے ہیں اُمورِ الٰہی میں غور کرنے اور اس کے محارم (جن اُمور سے اس نے منع کیا ہے) سے بچنے کو۔''

نہایت نیک دل اور مخلوقِ خدا کے خیر خواہ تھے۔ ابنِ سعدؒ نے عبدالرحمٰن بن حرملہؒ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ایک دن میں نمازِ فجر کے لیے گھر سے نکلا تو راستے میں ایک شخص کو شراب کے نشے میں مدہوش پایا۔ میں اسے کھینچ کر اپنے گھر لے گیا۔ اس کے بعد حضرت سعید بن مسیّبؒ سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے پوچھا ''ایک شخص نے کسی آدمی کو شراب کے نشہ میں مدہوش پایا' اس صورت میں وہ کیا کرے' اس کو حاکم کے سامنے پیش کر کے حد جاری کرائے یا نہیں؟ حضرت سعیدؒ نے فرمایا' اگر تم اس کو اپنے کپڑے سے چھپا سکتے ہو تو چھپا لو اور اس کی عیب پوشی کرو۔'' نماز سے

Marfat.com

فارغ ہو کر میں گھر میں واپس آیا تو وہ شرابی ہوش میں آ چکا تھا' مجھے دیکھ کر شرم سے نگاہیں نیچی کر لیں۔ میں نے کہا' تمہیں شرم نہیں آتی' اگر آج پکڑے جاتے اور تم پر حد جاری کی جاتی تو لوگوں کی نظروں میں تمہاری کیا عزت رہ جاتی؟ تم جیتے جی مر جاتے اور تمہاری شہادت ناقابلِ قبول ہوتی۔

اس شخص نے کہا: ''خدا کی قسم آئندہ کبھی شراب کو ہاتھ بھی نہ لگاؤں گا۔''

غرض اس پردہ پوشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شخص تائب ہو گیا۔

حضرت سعیدؒ بن مسیبؒ سے بہت سے حکیمانہ اقوال منقول ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ کوئی عالم' شریف اور باکمال ایسا نہیں ہے جس میں کوئی نہ کوئی عیب نہ ہو لیکن جس کی خوبیاں اس کی خامیوں سے زیادہ ہوں اس کی خامیوں کی تشہیر نہ کرنی چاہیے بلکہ اس کی خوبیوں کی وجہ سے درگزر کرنا چاہیے۔

۲۔ دنیا کی ایسی دولت میں کوئی خیر نہیں ہے جس کو انسان اس نیّت سے حاصل نہیں کرتا تا کہ اس کے ذریعے سے وہ اپنے دین اور اپنی شرافت کو بچائے اور صلۂ رحم کرے۔

۳۔ مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کی یہی مدد کافی ہے کہ وہ اپنے دشمن کو مصیبت میں مبتلا دیکھے جس سے وہ محفوظ ہے۔

۴۔ ظالموں اور ان کے حامیوں کو جب بھی دیکھو تو دل میں ان سے نفرت کرو تا کہ تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں۔

۵۔ بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی اطاعت جیسا حصولِ عزت کا دوسرا کوئی ذریعہ نہیں ہے اور اس کی نافرمانی سے بڑھ کر ذلیل کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کے اعمال پر پردہ ڈالتا ہے۔ جب کسی کو رسوا کرنا چاہتا

Marfat.com

ہے تو اس کو اپنے پردہ سے نکال دیتا ہے اور اس کے عیوب لوگوں کو معلوم ہو جاتے ہیں۔

۷۔ دنیا ذلیل ہے اور ہر ذلیل اس کی طرف مائل ہے جو اسے ناجائز ذرائع سے حاصل کرتا ہے اور بے محل صرف کرتا ہے۔

۸۔ جب انسان اللہ تعالیٰ پر بھروسا کر کے دوسروں سے بے نیاز ہو جائے تو لوگ اس کے محتاج ہو جاتے ہیں۔

(۹)

حضرت سعیدؒ بن میسبؒ ولید بن عبدالملک کے عہد میں بیمار پڑے۔ طویل علالت نے مرض الموت کی صورت اختیار کر لی۔ عبدالرحمٰن بن حرملہؒ کہتے ہیں کہ میں عیادت کے لیے گیا۔ اس وقت نماز پڑھنے کی طاقت بھی نہیں تھی۔ لیٹے لیٹے نماز پڑھنی شروع کی۔ میں نے سورۃ وَالشَّمس پڑھتے سنا۔ رکوع وسجود کے وقت اپنے سر کے ساتھ سینے کی طرف اشارہ کرتے تھے اور پیشانی کی طرف کوئی چیز نہیں اٹھاتے تھے۔ نماز سے فارغ ہو کر فرمایا' جب مریض میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی سکت نہ ہو تو (لیٹے لیٹے) اشارہ سے پڑھ لے اور اپنے سر کی طرف کوئی چیز (ہاتھ یا انگلی) نہ اٹھائے۔

وفات سے پہلے اپنے بیٹے محمدؒ کو وصیت کی کہ میری میت پر سرخ چادر نہ ڈالنا' جنازہ کے پیچھے آگ نہ لے جانا' کسی کو جنازہ کی اطلاع نہ دینا' صرف چار آدمی اٹھانے کے لیے کافی ہیں' کسی بَین کرنے والے کو ساتھ نہ لینا' بخور دینے کے لیے انگیٹھی ساتھ نہ لے جانا' قبر پر خیمہ نہ لگانا۔

حضرت نافع بن جبیرؒ بیمار پرسی کے لیے آئے تو محمدؒ نے کہا کہ بستر کو قبلہ رُخ کر دو۔ حضرت سعیدؒ نے سن کر فرمایا' اس کی ضرورت نہیں' میں قبلہ پر پیدا ہوا ہوں'

Marfat.com

اسی پر مروں گا اور اِن شاءَ اللہ اسی پر اٹھوں گا۔

تھوڑی دیر کے بعد بے ہوش ہو گئے۔ اس وقت حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا بستر قبلہ رُخ کر دیا۔ ہوش آیا تو پوچھا' بستر کو کس نے پھیرا۔ کسی کو جواب دینے کی ہمت نہ پڑی۔ پھر خود ہی فرمایا' نافع نے کیا ہو گا لیکن اس سے کیا حاصل؟ اگر میں مسلمان ہوں تو خواہ کسی سمت مروں میرا رُخ قبلہ ہی کی جانب ہو گا اور اگر اسلام کو تسلیم نہیں کرتا اور دل قبلہ کی جانب نہیں ہے تو رُخ کو قبلہ کی طرف پھیرنے کا کوئی فائدہ نہیں' جب میں مسلمان ہوں تو پھر جدھر بھی میرا منہ ہو وہ اللہ ہی کی طرف ہے۔

اس کے بعد ملّتِ اسلامیہ کے اس رَجُلِ عظیم نے (۹۴ھ ہجری میں) پیکِ اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اس وقت ان کی عمر باختلافِ روایت ۷۵ یا ۷۹ سال کی تھی۔ اولاد میں صرف ایک صاحبزادی اور ایک صاحبزادے محمدؒ کا پتہ چلتا ہے' محمد رحمۃ اللہ علیہ علم الانساب میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ ابن العماد حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ان کے علاوہ اور اولاد بھی تھی۔

حافظ ذہبیؒ نے "تذکرۃ الحفاظ" میں لکھا ہے کہ آخر عمر میں سر اور ڈاڑھی کے بال بالکل سفید ہو گئے تھے۔ کبھی کبھی داڑھی میں خضاب کر لیتے تھے۔ مونچھیں کبھی باریک اور کبھی ذرا موٹی کترواتے تھے۔ لباس عام طور پر سفید ہوتا تھا البتہ عمامہ اکثر سیاہ ہوتا تھا اور کبھی کبھار سفید بھی' کپڑے پورے پہنتے تھے' قمیص' لمبا کرتا' موزہ' عمامہ اور کبھی کبھی پاجامہ بھی۔ طیلسانی کپڑا بہت پسند کرتے تھے۔ چادر بالعموم باریک ابریشم کی ہوتی تھی۔

حضرت سعیدؒ بن مسیبؓ نے اپنے علم و فضل اور سیرت و کردار کے جو نقوش صفحۂ تاریخ پر ثبت کیے وہ ملّتِ اسلامیہ کے لیے تاابد مشعلِ راہ بنے رہیں گے۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

Marfat.com

حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

(۱)

ایمانی قوت، دینی حمیت اور علمی و عملی خدمت دین کے اعتبار سے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے بعد تابعین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کا درجہ ہے، حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اسی مقدس جماعت کے گلِ سرسبد تھے۔ وہ تاریخِ اسلام میں بڑی قد آور شخصیت کے مالک ہیں اور ان کی زندگی کا ہر پہلو خالص اسلامی طرزِ حیات کا آئینہ دار ہے۔ ان کے اقوال و ملفوظات اور خطبات و مواعظ اسلامی ادب کے شہ پارے ہیں اور ان کی سطر سطر میں اربابِ تسلیم و رضا کے لیے سکون و طمانیت کی وہ قدریں ہیں جو ایمان کو جِلا بخشتی ہیں اور قلوبِ مردہ میں زندگی کی حرارت پیدا کرتی ہیں۔

(۲)

حضرت ابو سعید حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا نام یسار تھا۔ مستند روایتوں کے مطابق وہ (یسار) جلیل القدر صحابی کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام تھے اور والدہ اُمّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کنیز تھیں۔ اسی گھر میں حضرت حسنؒ ۲۱ ہجری میں پیدا ہوئے اور حضرت اُمِّ سلمہؓ

Marfat.com

کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی۔ ان کی والدہ کسی کام سے گھر سے باہر جاتیں یا ننھے حسن کو چھوڑ کر گھر کے کسی کام میں مشغول ہو جاتیں اور وہ رونے لگتے تو حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا ان کو بہلانے کے لیے اپنی چھاتی ان کے منہ میں دے دیتیں۔ اس طرح ان کو اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا کی رضاعت کا عظیم شرف حاصل ہوگیا۔ ذرا بڑے ہوئے تو عہدِ طفلی میں دوسری ازواجِ مطہراتؓ کے گھروں میں بھی آتے جاتے رہتے تھے۔ اس زمانے میں صحابۂ کرامؓ کی بڑی تعداد موجود تھی اس لیے ہوش سنبھالنے پر خواجہ حسنؒ کو ایسے بزرگوں کی صحبت میسر آ گئی جو تعلیماتِ نبویؐ کا زندہ نمونہ اور اخلاقِ نبویؐ کی مجسم تصویر تھے۔ ان کے فیضِ صحبت اور اُمّ المؤمنین حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کی سرپرستی نے خواجہ حسن کو علوم دینی بالخصوص تفسیر حدیث اور فقہ کا بحرِ زخار اور اخلاقی و روحانی فضائل کا گوہرِ تابدار بنا دیا۔ علّامہ ابنِ سعد (کاتب الواقدی) کہتے ہیں کہ حسن بصری جامع کمالات تھے، عالم تھے، بلند مرتبت تھے، فقیہ تھے، عابد وزاہد تھے۔ وسیع العلم، فصیح و بلیغ اور حسین وجمیل تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے انہیں ظاہری اور باطنی ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا تھا۔

(طبقات ابنِ سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۱۵)

امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ میں نے اس ملک (عراق) میں کسی شخص کو بھی حسن بصری سے افضل نہیں پایا۔ (سیر الصحابہ ج: ۷)

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کو ہدایت کرتے تھے کہ تم لوگ حسن کی طرف مسائل میں رجوع کرو۔ وہ بہت بڑے عالم، امام اور مقتدا ہیں۔

(طبقات ابنِ سعد)

مختصر یہ کہ اس دَور بلکہ بعد کے اَدوار کے بھی تمام اربابِ علم وفضل نے خواجہ حسن بصریؒ کے فضل وکمال اور جلالتِ قدر کا برملا اعتراف کیا ہے۔

حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے جن بزرگوں سے خصوصی طور پر

Marfat.com

کسبِ فیض کیا ان میں حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ حضرت انس بن مالک اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسے جلیل القدر صحابہ شامل ہیں۔

(۳)

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ جامع العلوم تھے لیکن ان کے شب و روز زیادہ تر عبادت و ریاضت اصلاح و تبلیغ اور روحانی مشاغل میں گزرتے تھے۔ ارباب تصوف کے نزدیک تصوّف کے بیشتر بڑے بڑے سلسلے ان ہی کے واسطے سے حضرت علی کَرَّمَ اللہ وَجْہَہٗ تک منتہی ہوتے ہیں۔ ان کے فضائلِ اخلاق کے چمنستان میں سوز و گداز، خَشِیّتِ الٰہی، زُہد و وَرَع، کثرتِ عبادت، اخلاص فی العمل، شوقِ جہاد، حق گوئی اور شوقِ تبلیغ و اصلاح سب سے خوش رنگ پھول ہیں۔ سوز و گداز کا یہ حال تھا کہ قرآنِ حکیم کی آیات پڑھ کر شدّتِ تاثّر سے زار زار رویا کرتے تھے۔ خَشِیّتِ الٰہی کا اس قدر غلبہ تھا کہ ہر وقت محاسبۂ آخرت سے لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ زہد و ورع کی یہ کیفیت تھی کہ دنیا سے مطلق کوئی رغبت نہ تھی اور ان کی مجلس میں آخرت کے سوا کسی شے کا تذکرہ ہی نہ ہوتا تھا۔ عبادت سے اس قدر شغف تھا کہ فرائض و سنن کے علاوہ بیشتر وقت تنہائی میں نہایت خشوع و خضوع سے مصروفِ عبادت رہتے تھے۔ اخلاص فی العمل کا یہ حال تھا کہ جب تک خود ایک کام نہ کر لیتے تھے۔ اس وقت تک دوسروں کو اس کے کرنے کی ہدایت نہ کرتے تھے اور جب تک خود کسی کام کو چھوڑ نہ دیتے تھے، اس وقت تک کسی دوسرے کو منع نہ کرتے تھے۔ جہاد فی سبیل اللہ کے اس قدر مشتاق تھے کہ جب بھی موقع ملتا ایک عام سپاہی کی حیثیت سے اسلامی لشکر میں شریک ہو جاتے اور راہِ حق میں سر دھڑ کی بازی لگا کر دادِ شجاعت دیتے۔ حق بات کہنے میں کسی بڑی سے بڑی شخصیّت کی پروا نہیں کرتے تھے۔ تبلیغ و اصلاح کا یہ عالَم

Marfat.com

تھا کہ لوگوں کے سامنے حکمت وعظمت کے موتی ایسے بلیغ انداز میں بکھیرتے رہتے تھے کہ کوئی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ ایک مرتبہ بصرہ کے گورنر حجاج بن یوسف نے خالد بن صفوان سے پوچھا کہ اہلِ بصرہ کا سردار کون شخص ہے؟ خالد نے کہا' حسن بصری۔ یہ سن کر حجاج نے کہا کہ وہ تو غلام نسل سے ہیں' وہ کیسے اہل بصرہ کے سردار ہو سکتے ہیں؟ خالد نے جواب دیا' لوگ اپنے دین میں امام حسن بصریؒ کے محتاج ہیں اور وہ ان کی دنیا میں ان سے بے نیاز ہیں۔ آج مجھے بصرہ کے شرفا میں کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جو انؒ کے حلقۂ درس میں پہنچنے کی کوشش نہ کرتا ہو کہ وہاں پہنچ کر ان سے احادیث کا سماع کرے اور ان کا علم لکھے۔ یہ سن کر حجاج نے کہا ''واللہ یہ ہے سردار''

تکمیلِ علوم کے بعد خواجہ حسنؒ نے بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہ سرکاری عہدوں اور دنیوی جاہ وحشم سے یکسر بے نیاز تھے لیکن اپنے علم وفضل' زہد وورع اور بلندیِ سیرت وکردار کی بدولت اہلِ بصرہ کے سردار متصوّر ہوتے تھے۔ ان کے تقویٰ کی یہ کیفیت تھی کہ اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے امتیازی حیثیت دینا کسی صورت میں گوارا نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کپڑا خریدنے بازار گئے۔ دکاندار نے کہا کہ یہ کپڑا اتنی قیمت میں آپ کو مل جائے گا' خدا کی قسم کوئی دوسرا ہوتا تو میں اس قیمت پر ہرگز نہ دیتا۔ یہ سن کر فرمایا:

''اچھا اب تم لوگ یہ بھی کرنے لگے؟''

اس کے بعد مرتے دم تک کوئی چیز خریدنے بازار نہیں گئے۔

(۴)

حضرت خواجہ حسن رحمۃ اللہ علیہ کی پند وموعظت اور تبلیغ کی کیا شان تھی' اس کا اندازہ اُن کے ارشادات وملفوظات سے کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

Marfat.com

۱- دنیا میں کوئی سرکش گھوڑا نفس کے گھوڑے سے زیادہ سخت لگام دینے کے قابل نہیں۔
۲- جو شخص دوسروں کی باتیں تیرے پاس لاتا ہے وہ تیری باتیں بھی دوسرے کے پاس لے جا سکتا ہے۔
۳- دنیا درحقیقت تمہاری سواری ہے۔ اگر تم اس پر سوار ہو گئے تو وہ تم کو اپنی پیٹھ پر اٹھائے گی۔ اگر وہ تم پر سوار ہو گئی تو تم کو ہلاک کر ڈالے گی۔
۴- ایک شخص کی عداوت کے بدلے میں ہزار آدمیوں کی دوستی بھی نہ خریدو۔
۵- میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس نے دنیا چاہی ہو اور اسے آخرت ملی ہو اس کے برخلاف جو آخرت چاہتا ہے اسے دنیا بھی مل جاتی ہے۔
۶- جو شیخ شیخی میں آ گیا' اس سے بڑھ کر کوئی احمق نہیں ہے۔
۷- جس دل میں دنیا کی محبت ہے وہ دل زندہ نہیں بلکہ مُردہ ہے۔
۸- بدوں کی صحبت سے گریز کرو ورنہ اپنی تھوڑی بہت نیکیاں بھی گنوا بیٹھو گے۔
۹- متواضع ہونے کی شرط یہ ہے کہ گھر سے باہر کسی سے بھی ملے تو اس کو اپنے سے افضل اور برتر سمجھے۔
۱۰- جو شخص اللہ کی اطاعت کرتا ہے اس سے دوستی کرنا تمہارے لیے ضروری ہے کیونکہ جو صالح آدمی کو دوست رکھتا ہے وہ گویا اللہ کو دوست رکھتا ہے۔
۱۱- عالم وہ ہے جو دنیا سے بے نیاز ہو' آخرت میں بھلائی کا مشتاق ہو' دینی معاملات میں پوری بصیرت رکھتا ہو اور اپنے ربّ تبارک و تعالیٰ کی ہمیشہ عبادت کرتا ہو۔

(۵)

حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے باختلافِ روایت ۱۱۰ھ یا ۱۱۲ ہجری میں وفات پائی۔ وفات سے چند روز قبل ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ ایک

Marfat.com

پرندے نے مسجد کی سب سے خوبصورت کنگری اٹھا لی۔ اس نے مشہور معبرِ خواب، حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا: اگر تمہارا یہ خواب سچ ہے تو حسن بصری عنقریب فوت ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس خواب کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد خواجہ حسن بصری نے مختصر علالت کے بعد پیکِ اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔ وفات سے کچھ پہلے کاتب کو بلا کر لکھوایا کہ حسن اس کی شہادت دیتا ہے کہ جس نے موت کے وقت صدقِ دل سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی شہادت دی وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (طبقات ابنِ سعد ج ۷ ق ۱ ص ۱۲۶)

وفات کی خبر پھیلی تو ہر طرف کہرام مچ گیا۔ جنازہ اٹھا تو بقول ابنِ خلکانؒ بصرہ کی ساری خلقت اس میں شریک ہونے کے لیے ٹوٹ پڑی اور شہر اس طرح خالی ہو گیا کہ اس دن جامع بصرہ میں عصر کی نماز کے لیے ایک متنفّس بھی نہیں تھا۔ بصرہ کی تاریخ میں اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ خواجہ حسن بصریؒ نے اپنے پیچھے تلامذہ کی ایک کثیر تعداد چھوڑی۔ ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں۔

حمید الطّویلؒ قتادہؒ عطاء بن سائبؒ مجاہدؒ طاؤسؒ سماک بن حربؒ بکر بن عبداللہ مزنیؒ سعد بن ابراہیمؒ ابوالاشہبؒ مبارک بن فضالہؒ ہشام بن حسانؒ یونس بن عبیدؒ سعید بن ہلالؒ منصور بن زاذانؒ۔

اربابِ سیَر نے خواجہ حسن بصریؒ کے حسن و جمال، رعب و وجاہت اور خوش لباسی کی بہت تعریف کی ہے اور انہیں بصرہ کا عالم اجلّ اور شیخ الشیوخ ہونے کے علاوہ سب سے بارُعب اور حسین ترین انسان قرار دیا ہے۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے اپنے علم و عمل کے جو نقوش صفحۂ تاریخ پر ثبت کیے وہ آج بھی ہمارے لیے نشانِ راہ ہیں۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

Marfat.com

حضرت قتادہ بصریؒ

(۱)

حضرت قتادہ بصریؒ کا شمار تاریخِ اسلام کے ان اعاظم رِجال میں ہوتا ہے جو نُورِ بصارت سے محروم ہونے کے باوجود آسمانِ فضل وکمال پر مہرِ عالم افروز بن کر چمکے اور اپنے وقت کے امام تسلیم کیے گئے۔

ابو الخطاب قتادہ بن دعامہ بصرہ کے رہنے والے تھے اور بنو سدوس سے تعلق رکھتے تھے اس نسبت سے انہیں سدوسی بھی کہا جاتا ہے۔ نسب نامہ یہ ہے:

قتادہ بن دعامہ بن قتادہ بن عزیز بن عمرو بن ربیعہ بن عمرو بن حارث بن سدوس

حضرت قتادہؒ کا شمار اجلّہ تابعین میں ہوتا ہے۔ وہ ۶۰ھ مطابق ۶۷۹ عیسوی (یا بروایتِ دیگر ۶۱ ہجری مطابق ۶۸۰ عیسوی) میں بصرہ میں پیدا ہوئے۔ یہ معلوم نہیں کہ وہ پیدائشی نابینا تھے یا بعد میں کسی وقت نورِ بصارت سے محروم ہوئے۔ البتہ بعض روایات سے اتنا پتا ضرور چلتا ہے کہ تحصیلِ علم کے زمانے میں ان کی بینائی جا چکی تھی۔

(۲)

حضرت قتادہؒ کو حصولِ علم کا بے پناہ شوق تھا۔ یہ شوق بچپن سے لے کر بڑھاپے تک قائم رہا۔ انہوں نے متعدد جلیل القدر صحابہؓ اور تابعینؒ سے اکتسابِ فیض کیا۔ ان

Marfat.com

کے شیوخ اور اساتذہ میں حضرت انسؓ بن مالک' حضرت عمران بن حصینؓ حضرت ابوسعید خدریؓ حضرت حسن بصریؒ حضرت سعیدؒ بن المسیبؒ' حضرت عکرمہ مولیٰ ابنِ عباسؓ حضرت مجاہد بن جبیرؒ حضرت ابو بردہؒ بن ابی موسیٰؒ اور حضرت محمد بن سیرینؒ کے اسماءِ گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ حضرت قتادہؒ سب سے بڑھ کر حضرت حسن بصریؒ کے چشمۂ علم سے سیراب ہوئے۔ وہ ان کی خدمت میں پورے بارہ برس رہے اور تمام علومِ دینی میں درجۂ کمال حاصل کیا۔ خود فرماتے ہیں کہ میں نے بارہ برس تک حسن بصریؒ کے خوان علم سے ریزہ چینی کی اور تین برس تک نمازِ فجر اُن کے ساتھ پڑھی۔ (یہ اللہ کا خاص فضل ہے) کہ مجھ جیسے آدمی نے ان جیسے (عظیم المرتبت) شیخ سے علم حاصل کیا۔

امام نوویؒ نے ''تہذیب الاسماء'' میں ابوحاتم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حسن بصریؒ کے خاص شاگردوں میں قتادہ سب سے ممتاز تھے۔

(۳)

حضرت قتادہؒ کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی قوّتِ حافظہ عطا کی تھی جو سنتے تھے فوراً یاد ہو جاتا تھا۔ حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے جو حدیث ایک مرتبہ سن لی کسی محدث سے اس کو دوبارہ سننے کی کبھی خواہش نہیں کی کیونکہ وہ ان کے سینے میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتی تھی۔ امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ قتادہ ''احفظ اهل البصره'' (یعنی قتادہ اہلِ بصرہ میں سب سے بڑے حافظ) تھے۔ بعض دوسرے اربابِ علم نے انہیں ''احفظ النّاس'' (انسانوں میں سب سے بڑے حافظ) کے لقب سے یاد کیا ہے۔

حضرت قتادہؒ کے شوقِ علم اور زبردست قوّتِ حافظہ نے انہیں علم وفضل کے نہایت بلند مرتبے پر فائز کر دیا تھا۔ وہ نہ صرف بڑے پایہ کے مفسّر تھے بلکہ حدیث'

Marfat.com

فقہ، علمِ نساب، تاریخِ عرب، زبان، ادب اور لغت میں بھی ان کی جلالتِ شان مُسَلَّم تھی۔ ان کے علاوہ وہ اس عہد کے دوسرے مذہبی اور غیر مذہبی علوم میں بھی درجۂ تبحُّر رکھتے تھے۔ اس اعتبار سے اگر انہیں ایک مجموعۂ کمالات اور جامع العلوم ہستی قرار دیا جائے تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ بعض اہل سیر نے لکھا ہے کہ قتادہ عربی زبان اور لُغت کے مستند امام تھے اور لوگ روزانہ ان کے پاس علمی، ادبی اور لغوی مسائل پوچھنے کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ ابن العمادؒ نے ''شذرات الذہب'' میں لکھا ہے کہ کوئی دن ایسا نہ ہوتا کہ دمشق سے اُموی خلیفۂ وقت کے دربار کا شتر سوار (قاصد) ان کے دروازے پر نسب، شعر، فقہ یا دوسرے علوم سے متعلق کوئی بات دریافت کرنے نہ آتا ہو۔

(۴)

قرآنِ حکیم کے حافظ بھی تھے اور مفسّر بھی۔ حِفظِ قرآن کی یہ کیفیت تھی کہ طویل سے طویل سورتیں نہایت روانی سے پڑھ جاتے تھے اور ان میں ایک لفظ کی بھی غلطی نہ کرتے تھے۔ ایک دن سعید بن ابی عروبہؒ کو قرآن دے کر انہیں سورۂ بقرہ سنائی اور اس میں مطلق کوئی غلطی نہ کی۔ سنانے کے بعد سعیدؒ سے پوچھا کیا سورۂ بقرہ مجھے ٹھیک یاد ہے۔ انہوں نے کہا ''ہاں''۔ تفسیر میں ان کے کمال کا یہ عالم تھا کہ قرآنِ حکیم کی ایک ایک آیت پر ان کی نظر تھی۔ انہوں نے ان تمام آیات کے تفسیری نکات صحابۂ کرامؓ سے اخذ کیے تھے۔ حافظ ذہبیؒ نے ''تذکرۃ الحفّاظ'' میں خود ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ قرآنِ کریم میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے متعلق میں نے کچھ نہ کچھ نہ سنا ہو۔

امام احمد بن حنبلؒ نے تفسیرِ قرآن کے سلسلے میں حضرت قتادہؒ کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ تفسیر اور اختلافی مسائل کے بہت بڑے عالم تھے۔ (تذکرۃ الحفّاظ)

Marfat.com

حافظ ابنِ حجرؒ نے ''تہذیب التہذیب'' میں ابنِ حبانؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ قتادہؒ قرآن کے سب سے بڑے عالم تھے۔

ابنِ جریر طبریؒ اور دوسرے مفسّرین نے حضرت قتادہؒ کے تفسیری نِکات اور اقوال کی ایک کثیر تعداد اپنی تفسیروں میں محفوظ کر دی ہے۔ ان کو دیکھ کر تفسیرِ قرآن میں حضرت قتادہؒ کی ژرف نگاہی کا لامحالہ اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

(۵)

علمِ حدیث میں ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ اُس دَور کے بڑے بڑے مُحدِّثین سماعِ حدیث کیلئے ان کے پاس آتے تھے۔ ابنِ حبانؒ کہتے ہیں کہ وہ اپنے دَور کے سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔ حضرت سعیدؒ بن میسّبؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں قتادہ سے بڑا عراق کا کوئی حافظِ حدیث نہیں آیا۔ بکر بن عبداللہؒ کہتے تھے کہ جو شخص سب سے بڑے حافظ اور ایسے شخص کو دیکھنا چاہے جو حدیث کو بعینہٖ اسی طرح روایت کرتا ہے (بغیر کسی ادنیٰ لفظی تغیّر کے) جس طرح اس نے سنی ہے تو وہ قتادہ کو دیکھ لے۔ امام ذہبیؒ نے انہیں حافظ عَلاّمہ کے لقب سے یاد کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ قتادہؒ کے سامنے صحیفۂ جابرؓ پڑھا گیا تو انہوں نے ایک ہی دفعہ سن کر اس کو ازبر کر لیا۔

عَلاّمہ ابنِ سعدؒ کاتب الواقدی کہتے ہیں کہ قتادہؒ حدیث میں ثقہ' مامون اور حُجّت تھے۔ وہ جس مُحدّث کے پاس کسبِ فیض کیلئے حاضر ہوتے تھے' چند ہی دنوں میں اس کا سارا علم اپنے دامن میں سمیٹ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ رئیس التّابعین حضرت سعیدؒ بن میسّبؒ کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے اور ان سے اس قدر سوالات کیے۔ کہ وہ جواب دیتے دیتے تھک گئے۔ آٹھ ہی دن کے بعد ان سے

Marfat.com

فرمایا کہ اب جاؤ تم نے میرا سارا علم نچوڑ لیا۔

(۶)

حضرت قتادہؒ فقہ میں بھی نہایت بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور ابنِ حبانؒ نے ان کی فقاہت کی بہت تعریف کی ہے۔ بصرے میں ان کا فتویٰ چلتا تھا لیکن ان کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ جو مسئلہ معلوم نہ ہوتا' صاف کہہ دیتے کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ ابنِ سعدؒ نے ان کے ایک شاگرد ابو ہلالؒ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ قتادہ سے ایک مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے کہا مجھے اس کا علم نہیں۔ میں نے کہا اپنی رائے سے بتا دیجیے۔ انہوں نے جواب دیا' میں نے چالیس برس سے اپنی رائے سے کوئی جواب نہیں دیا ہے۔

حضرت قتادہؒ کو بصرہ کے گلی کوچوں سے اس قدر واقفیت ہوگئی تھی کہ ان میں بے تکلّف کسی رہبر کے بغیر گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ ایک دن پھرتے پھرتے ایک مسجد میں پہنچے۔ وہاں ابن عبید وغیرہ بیٹھے تھے۔ ان لوگوں نے اسی زمانے میں حضرت حسن بصریؒ کا حلقہ چھوڑ کر اپنا الگ حلقہ قائم کیا تھا۔ ان کی آواز سن کر قتادہؒ نے خیال کیا کہ یہ ان کے شیخ حسن بصری کا حلقہ ہے۔ قریب گئے تو معلوم ہوا کہ یہاں حسن بصریؒ کے مخالفین جمع ہیں۔ بے ساختہ زبان سے نکلا "هٰولآءِ" المعتزلة اس روز سے اس گروہ کا یہی لقب مشہور ہو گیا۔ (یعنی معتزلہ)

(۷)

حضرت قتادہؒ نے شہر واسط میں بعارضۂ طاعون ۱۱۷ھ مطابق ۷۳۵ عیسوی (یا بروایتِ دیگر ۱۱۸ھ مطابق ۷۳۶ عیسوی) میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ستاون یا اٹھاون برس کی تھی۔ انہوں نے اپنے پیچھے شاگردوں کی ایک کثیر تعداد

Marfat.com

چھوڑی جن میں سے بعض اپنے وقت کے بہت بڑے مُحدِّث اور امام تسلیم کیے گئے۔

چند ارشد تلامذہ کے اسماءِ گرامی ہیں۔

ایوب سختیانیؒ، سلیمان تیمیؒ، مسعر بن کدامؒ، سعید بن ابی عروبہؒ، شعبہؒ، شیبان نحوی، امام اوزاعیؒ، حماد بن سلمہؒ، جریر بن حازمؒ، عمران القطانؒ، ہمام بن یحییٰؒ، حصین بن ذکوانؒ، عمرو بن حارث المصریؒ، مطر الوراق، عمروؒ بن ابراہیم عبدی، ابانؒ بن یزید العطار، سلامؒ بن ابی المطیع۔

رحمۃ اللہ علیہ

حدیث نبوی ﷺ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لیے کھانا تیار کرے پھر وہ اس کے پاس لے آئے اور اس نے اس کے پکانے اور بنانے میں گرمی اور دھوئیں کی تکلیف اٹھائی ہے تو آقا کو چاہیے کہ کھانا تیار کرنے والے اس خادم کو بھی اپنے ساتھ بٹھائے اور وہ بھی کھائے۔ پس اگر (کبھی) وہ کھانا تھوڑا ہو (جو دونوں کے لیے کافی نہ ہو سکے) تو آقا کو چاہیے کہ اس کھانے میں سے ایک دو لقمے ہی اس خادم کو دے دے۔ (عن ابو ہریرہؓ) (صحیح مسلم)

Marfat.com

فقیہ الامت

حضرت قاسمؒ بن محمدؒ بن ابوبکر صدیقؓ

حضرت قاسمؒ بن محمدؒ بن ابوبکر صدیقؓ کے حسب ونسب کے بارے میں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ خلیفۃ الرسولؐ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور جلیل القدر صحابیہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے پوتے تھے اور قریش کی معزز شاخ بنوتیم سے تھے۔ ان کا شمار ان تابعین عظام میں ہوتا ہے جو اخلاص، للٰہیت، تبحرِ علمی اور سیرت وکردار کے اعتبار سے اتنے مقامِ رفیع پر فائز تھے کہ ان کے عہد کے فرزندانِ توحید ہر قسم کے دینی مسائل اور معاملات میں رہنمائی کے لیے ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ قاسم بن محمدؒ بڑے جلیل القدر تابعی ہیں اور ان کی جلالت، توثیق اور امامت پر سب کا اتفاق ہے۔

حضرت قاسمؒ کی کنیت ابو محمد تھی اور وہ ایک عظیم المرتبت تابعی ہونے کے علاوہ مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ کی جماعت کے بھی ایک ممتاز رکن تھے۔ اس مقدس جماعت کے دوسرے اراکین یہ تھے۔

حضرت سعیدؒ بن مسیبؒ، حضرت عروہؒ بن زبیرؒ، حضرت خارجہؒ بن زیدؒ، حضرت عبید اللہؒ بن عبد اللہؒ، حضرت ابوبکرؒ بن عبد الرحمٰنؒ اور حضرت سلیمان بن یسارؒ۔ یہ

Marfat.com

سارے بزرگ آسمانِ علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب تھے۔

(۲)

حضرت قاسم رحمۃ اللہ علیہ ۲۹ ہجری میں ایک فارسی النَّسل خاتون سودہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ (ابنِ خلّکانؒ کا بیان ہے کہ ان کی والدہ شاہِ ایران یزدجرد کی بیٹی تھیں۔ یزدجرد کی شکست اور فرار کے بعد اس کی تین بیٹیاں ایرانی قیدیوں میں شامل تھیں ان میں ایک سودہ تھیں جنہیں امیر المؤمنین حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے صدّیقِ اکبرؓ کے فرزند محمد کو ہبہ کر دیا تھا۔) حضرت قاسم ابھی کمسن تھے کہ امیر المؤمنین حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مَسند نشینِ خلافت ہوئے۔ محمد بن ابی بکرؓ حضرتِ علیؓ کے زبردست حامی تھے (کیونکہ حضرت ابوبکر صدّیقؓ کی وفات کے بعد اُمّ محمد حضرت اسماء بنتِ عُمَیس رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا تھا اور محمد بن ابی بکرؓ حضرت علیؓ کے سایۂ عاطفت میں جوان ہوئے تھے۔ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکرؓ کو مصر کا گورنر مقرر کر دیا۔ حضرت علیؓ کے آغازِ خلافت ہی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ والیِ شام اور ان (حضرت علیؓ) کے درمیان (قصاصِ عثمانؓ) کے سلسلے میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے اور نوبت جنگ و جدال تک پہنچ گئی۔ ۳۸ھ ہجری میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر پر فوج کشی کی۔ والیِ مصر محمد بن ابی بکرؓ ان کا مقابلہ کرتے ہوئے لڑائی میں کام آئے (مؤرّخ طَبَری کا بیان ہے کہ محمد بن ابی بکرؓ شکست کے آثار دیکھ کر روپوش ہو گئے تھے لیکن معاویہؒ بن خَدیج نے ان کو ڈھونڈ کر قتل کر دیا۔ اس کے بعد مصر پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قبضہ ہو گیا۔

Marfat.com

(۴)

والد کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوتے وقت حضرت قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی عمر تقریباً نو برس کی تھی۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اپنے بھائی کے قتل کی خبر ملی تو انہیں سخت صدمہ پہنچا اور انہوں نے یتیم بھتیجے حضرت قاسمؒ کو اپنی آغوشِ شفقت میں لے لیا اور بڑے لاڈ پیار سے ان کی پرورش اور تربیت کی۔

ابنِ سعد کا بیان ہے کہ حضرت قاسمؒ کو اس زمانے (یعنی زمانۂ لڑکپن) کے کئی واقعات یاد تھے اور وہ ان کو بڑے لطف وانبساط کے ساتھ لوگوں کو سنایا کرتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ ہماری پھوپھی جان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عرفہ کی شب کو ہم لوگوں کے سر منڈواتی تھیں اور ہمیں ٹوپی پہنا کر مسجد بھیجتی تھیں پھر دوسرے دن صبح کو ہم لوگوں کی طرف سے قربانی کرتی تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا علوم دین کا بحرِ زخّار تھیں۔ ان سے کسبِ فیض کرنے والے عام اصحاب وخواتین بھی علم وعمل کے وارث ہوئے اور قاسمؒ تو محبوب بھتیجے تھے۔ ان کی تعلیم وتربیت ایسی محبت اور توجہ سے کی کہ وہ علم وعمل کا مجمع البحرین بن گئے اور مدینہ منورہ کے اُن فقہاءِ سبعہ کی جماعت کے ممتاز رکن بن گئے جن کے علم وفضل کا شہرہ چار دانگِ عالم میں پھیلا ہوا تھا۔ اس زمانے میں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایک بڑی تعداد موجود تھی اور مدینہ طیبہ کی گلی گلی قال اللہ وقال الرّسولؐ کی آوازوں سے گونج رہی تھی۔ حضرت قاسمؒ نے اسی ماحول میں لڑکپن گزار کر شباب کی منزل میں قدم رکھا۔

حضرت قاسمؒ نہ صرف اپنی پیکرِ فضل وکمال پھوپھی اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چشمۂ علم سے پوری طرح سیراب ہوئے بلکہ انہوں

Marfat.com

نے متعدد دوسرے عظیم المرتبت صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بھی خوب خوب استفاضہ کیا۔ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ حضرت ابوہریرہ اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ اس طرح وہ علم وفضل کے اتنے بلند مقام پر پہنچ گئے کہ ان میں ہر طرح کی بڑی سے بڑی ذمہ داری سنبھالنے کی اہلیت واستعداد پیدا ہوگئی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ قاسم اس اُمّت کے فقہاء میں تھے۔ مشہور تابعی حضرت یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم نے مدینہ میں کوئی ایسا آدمی نہیں پایا جسے ہم علم وفضل میں قاسم بن محمد پر ترجیح دیں۔

حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ قاسم مدینہ منورہ میں سب سے افضل اور اپنے اہلِ زمانہ میں سب سے بڑے عالم تھے۔

ابنِ حبانؒ کا قول تھا کہ قاسم تابعین کے سردار ہیں اور علم، ادب اور فقہ میں اپنے اہلِ زمانہ پر گوئے سبقت رکھتے ہیں۔

علامہ ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قاسم محمد بن ابی بکرؓ لائقِ اعتماد عالمؒ عالی قدر فقیہ، کثیر الحدیث امام اور بڑے پرہیزگار تھے۔

(۵)

تحصیلِ علم کے بعد حضرت قاسم نے مسندِ درس وتدریس کو رونق بخشی اور ہمہ تن تبلیغِ اسلام اور اشاعتِ علم میں مشغول ہوگئے۔ ان کا حلقۂ درس مسجدِ نبوی میں تھا۔ شائقینِ علم دور دور سے آکر ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے۔ حضرت قاسمؒ ان کو بڑی محنت اور مستعدی سے درس دیتے۔ یہاں تک کہ وہ جملہ علوم میں طاق ہو

Marfat.com

جاتے پھر وہ واپس جا کر اس نورِ علم کو جو انہوں نے حضرت قاسمؒ سے حاصل کیا ہوتا آگے پھیلاتے۔ اس طرح چراغ سے چراغ جلنے لگتا۔ ان کے شاگردوں میں اپنے فرزند عبدالرحمٰن کے علاوہ امام شعبی، یحییٰ بن سعید، نافع مولیٰ ابن عمر، عبیداللہ بن عمر، امام زہری اور مالک بن دینار رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے اکابرِ اُمّت شامل ہیں۔ ان کا معمول تھا کہ صبح سویرے مسجدِ نبوی میں تشریف لے جاتے۔ پہلے دو رکعت نماز پڑھتے پھر حلقۂ درس میں بیٹھ کر علم کے موتی لٹانا شروع کر دیتے۔ حاضرین بڑے ذوق وشوق سے یہ موتی سمیٹتے اور جھولیاں بھر بھر کر لے جاتے۔ دن کا بیشتر حصہ اسی شغل میں گزرتا۔ عشاء کے بعد وہ اور ان کے ساتھی حدیث خوانی کرتے۔ حدیث بیان کرنے میں وہ اس قدر محتاط تھے کہ روایت میں الفاظ کی پابندی ضروری سمجھتے تھے۔

(۶)

حضرت قاسمؒ کو حدیث اور فقہ میں درجۂ کمال حاصل تھا لیکن طبیعت میں اس قدر انکسار تھا کہ اگر کسی مسئلہ کا علم نہ ہوتا تو بلا تامّل کہہ دیتے تھے کہ مجھے اس کے متعلق کوئی واقفیت نہیں ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے فرض احکام جان لینے کے بعد انسان کا جاہل رہنا اس سے بہتر ہے کہ وہ بغیر علم کے کوئی بات کسی کو بتائے۔ اپنے ہمعصر علماء کا بھی بے حد احترام کرتے تھے اور کسی موقع پر بھی ان کی زبان سے کوئی ایسا لفظ نہیں نکلتا تھا جس سے ان کے کسی معاصر کی ذرہ برابر بھی سبکی کا پہلو نکلتا ہو۔ دولت دنیا سے یکسر بے نیاز تھے اور اس کو پرکاہ کے برابر بھی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ ان کی خدمت میں ہزاروں دینار کے ہدیے پیش کیے جاتے لیکن وہ ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔

زہد و ورع کے اعتبار سے وہ ممتاز ترین تابعین میں سے تھے اور صحیح معنوں میں

Marfat.com

عالم باعمل تھے۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے "تہذیب التہذیب" میں لکھا ہے کہ قاسم بن محمد کی ذات جملہ فضائل اخلاق کی جامع تھی۔ وہ اپنے جدِّ بزرگوار حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مُثنّٰی تھے۔ حضرت زبیر بن عوّام رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے ابوبکرؓ کی اولاد میں اس نوجوان (یعنی قاسم بن محمد) سے زیادہ ان سے مشابہ کسی کو نہیں پایا۔

امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ حضرت قاسم رحمۃ اللہ کے کمالاتِ علمی، اعلیٰ صلاحیتوں اور محاسنِ اَخلاق کے اس قدر معترف تھے کہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر خلافت کا معاملہ میرے بس (اختیار) میں ہوتا تو میں قاسم کو خلیفہ بنا دیتا۔

(۷)

حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے باختلافِ روایت ۱۰۷ھ یا ۱۰۸ ہجری میں وفات پائی۔ وفات سے پہلے وصیّت کی کہ میں جن کپڑوں میں نماز پڑھتا ہوں انہی میں کفنایا جاؤں، ان میں قمیص ازار اور چادر وغیرہ کفن کے تمام کپڑے ہیں۔ صاحبزادے نے کہا، کیا ان میں دو نئے کپڑوں کا اضافہ نہ کر دیا جائے؟ فرمایا، نہیں، ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تین کپڑوں میں کفنائے گئے تھے، مُردوں کے مقابلے میں زندوں کو نئے کپڑوں کی زیادہ ضرورت ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی صاحب ایمان بندہ درخت کا پودا لگائے یا کاشت کرے پھر اس میں سے پرندے کھائیں یا آدمی یا کوئی جانور کھائے تو وہ اس کے حق میں صدقہ ہوگا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

Marfat.com

بحرِ علم

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بھرپور کسبِ فیض کرنے والے تابعینِ عُظّام کی مقدّس جماعت میں جن بزرگوں نے نمایاں مقام حاصل کیا اور اپنے زمانے میں امامِ وقت کہلائے حضرت ابو محمد عطاء بن ابی رباح رحمتہ اللہ علیہ کا شمار انہی میں ہوتا ہے۔ وہ یمن کے ایک قصبے جند میں سیّدنا امیر المومنین حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کے آغاز ۲۷ھ میں پیدا ہوئے لیکن نیرنگیِ زمانہ انہیں مکہ معظمہ کھینچ لائی اور وہیں انہوں نے نشوونما پائی۔ والد کا نام اسلم اور ابو رباح کنیت تھی۔ حضرت عطاءؒ کی کنیت ابو محمد تھی۔ حضرت عطاء بن ابی رباح رحمتہ اللہ علیہ بنو فہر کے غلام تھے اور ان کی ظاہری شکل وصورت کا یہ حال تھا کہ رنگ کوّے کی طرح سیاہ، ناک چپٹی، آنکھوں میں نقص اور پاؤں میں لنگ تھا لیکن اللہ کی شان دیکھیے کہ قرآن، حدیث، فقہ اور دوسرے متداولہ اسلامی علوم میں امامِ وقت اور مرجعِ خلائق بن گئے تھے۔ وہ جن صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دامانِ تربیت سے فیضیاب ہوئے ان میں حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت اسامہ بن زید، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابودرداء، ابوسعید خدری اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہم کے

Marfat.com

اسماءِ گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا سے بھی حدیث کی سماعت کی۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمتہ اللہ علیہ کو اگرچہ تمام علوم اسلامی پر عبور حاصل تھا لیکن قرآنِ حکیم اور حدیث سے ان کو خاص شغف تھا اور وہ ان کا مستقل درس دیتے تھے۔ ان کی درسگاہ ایک ایسی جوئے فیض تھی جس سے ہر طالبِ علم بقدر ظرف اپنی پیاس بجھا سکتا تھا۔ ان کے فیضِ صحبت سے معمولی حیثیت کے انسان بھی علماء کی صف میں شامل ہو جاتے تھے۔ ان کے بیسیوں شاگردوں میں امام زہری، امام اوزاعی، امام ابوحنیفہ، حضرت مجاہد بن جبیر، حضرت یزید بن ابی حبیب، حضرت قتادہ، حضرت عمرو بن دینار، اعمش اور ابن جُریج رحمہم اللہ تعالیٰ جیسی عظیم المرتبت شخصیتیں شامل ہیں۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عطاء علم وفضل کے اعتبار سے ساداتِ تابعین میں تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ علم کا خزانہ اسی کو دیتا ہے جسے وہ محبوب رکھتا ہے اگر علم کسی کے ساتھ مخصوص ہوتا تو اعلیٰ حسب ونسب رکھنے والے اس کے زیادہ حقدار تھے لیکن عطاء حبشی غلام تھے اور علم کا سمندر تھے۔

حضرت عطاء رحمتہ اللہ علیہ کو احادیثِ نبوی کا اس قدر احترام تھا کہ حدیث بیان کرتے وقت کوئی شخص بولتا تو وہ غضبناک ہو جاتے۔ علّامہ ابنِ سعدؒ نے طبقات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عطاء کی مجلس میں کوئی شخص حدیث بیان کر رہا تھا۔ درمیان میں ایک دوسرا شخص کچھ بولا۔ حضرت عطاء سخت برہم ہوئے اور فرمایا کہ یہ کیسا اخلاق اور کیسی طبیعت ہے۔ خدا کی قسم آدمی اس لیے حدیث بیان کرتا ہے کہ

Marfat.com

اس سے ہم کو علم حاصل ہو' اگر کوئی حدیث سناتا ہے تو خواہ وہ حدیث مجھ ہی سے سنی ہو میں اس کو اس طرح خاموشی سے سنتا ہوں کہ بیان کرنے والے کو یہ معلوم ہوتا ہے گویا میں نے اس سے پہلے نہیں سنی تھی۔ ایک صاحب نے حضرت عطاء کی یہ باتیں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ کو جا کر بتائیں تو انہوں نے مسکرا کر فرمایا کہ میں اس وقت تک جوتا نہ اتاروں گا جب تک خود جا کر اس مہدیؒ سے نہ سنوں گا۔

تَفَقُّہ فی الدّین میں اتنا کمال حاصل تھا کہ جب حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے اکابرِ اُمّت مکّہ تشریف لاتے اور لوگ ان سے مسائل پوچھنے جاتے تو وہ فرماتے' تم میں عطاء بن ابی رباح موجود ہیں پھر بھی تم ہمارے پاس آتے ہو۔ حضرت عطاء مناسکِ حج کے سب سے بڑے عالم تھے اور اس دور میں ان سے بڑھ کر مناسکِ حج کا جاننے والا کوئی نہیں تھا۔ فرمانروایانِ وقت بھی ان کے پاس مسائلِ حج دریافت کرنے آئے تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ارکانِ حج سے فارغ ہونے کے بعد میں نے سر منڈوانا چاہا۔ ایک حجام مل گیا میں نے اس سے پوچھا' کیا اجرت لو گے؟ اس نے کہا عبادت میں شرط نہیں ہوتی' بیٹھ جاؤ حجامت بن جائے گی۔ میں قبلہ رُخ ہونے سے ذرا ہٹ کر بیٹھ گیا۔ اس نے مجھ کو قبلہ رُخ ہو کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں نے بائیں جانب سے سر منڈوانا چاہا اس نے کہا' اپنی دائیں جانب ادھر کرو' میں نے اسی طرح کیا اور وہ سر مونڈنے لگا۔ میں خاموش تھا اس نے کہا تکبیر کہتے جاؤ۔ حجامت بنوانے کے بعد جب میں جانے لگا تو حجام نے پوچھا' کہاں جاتے ہو؟ میں نے کہا اپنی جائے قیام پر اس نے کہا' پہلے دو رکعتیں پڑھ لو پھر جاؤ۔

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کی باتیں سن کر میں نے خیال کیا کہ یہ سب مسائل مناسکِ حج کے کسی بڑے عالم سے دریافت کیے بغیر اس کو

Marfat.com

معلوم نہیں ہو سکتے تھے چنانچہ میں نے اس سے پوچھا کہ جن باتوں کی تم نے مجھ کو تلقین کی ہے یہ تم کو کہاں سے معلوم ہوئیں؟ اس نے کہا میں نے عطاء بن ابی رباح کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔

حافظ ذہبی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ زہد و تقویٰ اور تبحرِ علم کے اعتبار سے عطاء بن ابی رباح اپنی مثال آپ تھے۔

حضرت عطاء رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیم و تبلیغ خالص رضائے الٰہی کے لیے تھی اپنے علم سے انہوں نے کبھی کوئی دنیاوی فائدہ نہیں اٹھایا۔ عبادت کا یہ حال تھا کہ پورے بیس برس تک مسجد کا فرش ان کا بستر رہا۔ تہجد میں روزانہ دو سو یا اس سے زیادہ آیتیں پڑھتے تھے کثرتِ سجود سے پیشانی پر سجدہ کا نشان اس طرح نمایاں تھا کہ وہ

سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ط (الفتح:۲۹)

کا مصداق بن گئے تھے۔ ان کا کوئی وقت ذکرِ الٰہی سے خالی نہیں ہوتا تھا اور نماز نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ مستقل قیام مکّہ ہی میں تھا اس لیے ہر سال حج کرتے تھے چنانچہ انہوں نے زندگی میں ستّر حج کیے۔ نہایت کم گو اور تنہائی پسند تھے جب کوئی شخص ملنے آتا تو اس سے پوچھتے کس لیے آئے ہو؟ وہ کہتا آپ کی زیارت کے لیے تو فرماتے میرے جیسے شخص کی زیارت نہیں کی جاتی پھر کہتے کیسا برا زمانہ آگیا ہے جس میں میرے جیسے شخص کی زیارت کی جائے۔ گوشہ نشینی کے باوجود ایسی مجلسوں کو جن میں اللہ کا ذکر ہوتا پسند کرتے تھے اور ان میں شریک ہوتے تھے۔

حضرت عطاء رحمتہ اللہ علیہ نے مکّہ معظمہ میں ۱۱۴ ہجری میں بعمر اٹھاسی سال وفات پائی۔ مشہور تابعی حضرت میمون بن مہران ؒ نے ان کی وفات کی خبر سنی تو رو کر فرمایا! افسوس عطاء اپنے بعد کوئی اپنا مثل چھوڑ کر نہیں گئے۔

Marfat.com

حضرت سعید بن جُبیر رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابوعبداللہ سعیدؒ بن جُبیر کا شمار اُن جلیل القدر تابعین میں ہوتا ہے جو علم و عمل کا مجمع البحرین تھے۔ کوفہ کے رہنے والے تھے اور بنی والبہ بن الحارث بن ثعلبہ بن دودان کے غلام تھے۔ والبہ اسد بن خزیمہ کی ایک شاخ تھا۔ اس نسبت سے انہیں والبی والاسدی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابوسعید خُدریؓ، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت اُمّ المومنین عائشہ صدّیقہؓ جیسی بلند مرتبہ شخصیتوں کے فیضانِ علم سے پورا پورا استفاضہ کیا تھا اور علم و فضل کا بحرِ زخّار بن گئے تھے۔ تفسیر حدیث اور فقہ میں وحید العصر تھے۔ ان کے علم و فضل سے ایک دنیا فیض اٹھاتی تھی۔ حق گوئی کا یہ عالَم تھا کہ کسی بڑی سے بڑی شخصیّت سے مرعوب نہ ہوتے تھے اور بے دھڑک حق بات اس کے منہ پر کہہ دیتے تھے۔ بیحد عابد و زاہد تھے۔ خشیّتِ الٰہی اور سوز و گداز کا اتنا غلبہ تھا کہ ہر وقت آنکھیں اشکبار رہتی تھیں۔ قرآنِ کریم کے حافظ تھے اور عام طور پر دو رات میں پورا قرآن ختم کر لیتے تھے۔ حجِ بیت اللہ کے لیے اکثر جاتے تھے اور فرطِ ذوق و شوق میں کوفہ ہی سے احرام باندھ لیا کرتے تھے۔ لوگوں کی عیب جوئی اور غیبت سے سخت پرہیز کرتے۔ ان کی زبان پر ہر وقت یہ دعا جاری رہتی:

Marfat.com

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ صِدْقَ التَّوَکُّلُ عَلَیْکَ وَحُسْنَ الظَّنِّ بِکَ
(الٰہی میں تو اس چیز کا طالب ہوں کہ تجھ پر سچا توکّل اور حُسنِ ظنّ حاصل ہو۔)

اپنے نفس کو بیحد حقیر سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ کسی شخص کو گناہ میں مبتلا دیکھتا ہوں مگر جب اپنے آپ پر نظر ڈالتا ہوں تو اس کو ٹوکتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔

کسی نے پوچھا سب سے بڑا عابد کون ہے؟ فرمایا: ''جس نے گناہوں میں مبتلا ہو کر توبہ کرلی اور پھر یہ خیال کیا کہ میری سب نیکیاں گناہوں کے مقابلہ میں بے حقیقت ہیں۔

اسلام کو ایک مکمل ضابطۂ حیات سمجھتے تھے اور محض نماز و روزہ اور ذکر و شغل کو اسلام نہیں سمجھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے ''ذکر یہ ہے کہ آدمی زندگی کے ہر شعبے میں اللہ کی اطاعت کرے، جس نے اپنے ہر قول و فعل میں اللہ کے احکام کی اطاعت نہ کی، وہ خواہ کتنی ہی عبادت کرے اسے اللہ کی یاد رکھنے والا نہیں کہا جاسکتا۔ اللہ کی یاد تو یہ ہے کہ اس کا خوف گناہ کرنے کی طاقت ہی نہ چھوڑے۔''

نماز پڑھتے وقت سورۂ بقرہ کی اس آیت کو بار بار دہرایا کرتے تھے اور خوفِ خدا سے کانپا کرتے تھے۔

وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ (آیہ ۲۸۱)
(اس دن سے ڈرو جس دن خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو سعیدؒ بن جبیر کے فتووں پر اتنا اعتماد تھا کہ اگر کوفہ سے کوئی شخص ان سے فتویٰ لینے یا کوئی مسئلہ پوچھنے آتا تو معاً اس سے یہ سوال کرتے:

''کیا تمہارے شہر میں سعیدؒ بن جبیر نہیں ہیں؟''

Marfat.com

ایک مرتبہ حضرت ابنِ عباسؓ نے حضرت سعیدؒ سے کہا' حدیثیں سناؤ۔ انہوں نے عرض کیا' میں آپ کی موجودگی میں حدیث کس طرح سنا سکتا ہوں۔ ابنِ عباسؓ نے فرمایا: "کیا یہ خدا کی نعمت نہیں ہے کہ تم میرے سامنے حدیثیں بیان کرو' اگر صحیح بیان کرو گے تو بہتر ورنہ میں تصحیح کردوں گا۔"

(۲)

ایک دفعہ حضرت سعیدؒ بن جبیر کے علم وفضل کے اعتراف میں حجاج بن یوسف ثقفی نے انہیں جامع کوفہ کا امام اور کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔ جب کوفہ کے لوگوں نے مطالبہ کیا کہ ہمارا قاضی کوئی عربی النسل شخص ہونا چاہیے تو حجاج نے انہیں منصبِ قضا سے ہٹا دیا۔ سعیدؒ بن جبیر نے خلقِ خدا کو فیض پہنچانے کی غرض سے عہدۂ امامت وقضا قبول کرلیا تھا ورنہ حجاج بن یوسف کے مظالم کی وجہ سے اس سے سخت نفرت کرتے تھے۔ حجاج نے ہزار ہا بندگانِ خدا کا خون ناحق بہایا تھا۔ بیت اللہ پر سنگباری کر کے اس کی بے حرمتی کی تھی۔ حواریِ رسول ﷺ حضرت زبیرؓ بن العوام کے جلیل القدر فرزند اور صدیقِ اکبرؓ کے نواسے عبداللہ (ابنِ زبیرؓ) کو شہید کیا تھا اور ذات النطاقین اسماء بنتِ ابی بکر صدیقؓ کی توہین کی تھی۔ وہ رسولِ کریم ﷺ کی اس پیشگوئی کا مصداق تھا کہ قبیلہ ثقیف میں ایک کذاب اور ایک ظالم پیدا ہوگا۔ حضرت اسماءؓ کے قول کے مطابق کذاب مختار ثقفی تھا اور ظالم حجاج ثقفی ...... سعیدؒ بن جبیر حجاج کے مظالم اور سفاکیوں سے سخت نالاں تھے۔ چنانچہ جب اس کے ایک جرنیل ابنِ اشعث نے حکومت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا تو ابنِ جبیرؒ نے کھلم کھلا ابنِ اشعث کا ساتھ دیا۔ انہوں نے فتویٰ دے دیا کہ حکومتِ وقت کے خدا کے بندوں پر مظالم' نمازوں میں تاخیر اور مسلمانوں کی تذلیل وتحقیر پر اس کا مقابلہ کرو...... اس فتویٰ کی بناء پر حجاج اُن کا جانی دشمن بن گیا۔

Marfat.com

(۴)

ابنِ زبیرؓ کی شہادت کے بعد بنی امیہ کی قوت بہت بڑھ گئی تھی۔ ان کی بے پناہ عسکری طاقت نے ابنِ اشعث کو شکست دی اور وہ سیستان کی طرف نکل گیا۔ سعیدؒ بن جبیر مکہ چلے گئے وہاں بنی امیہ کی طرف سے خالد بن عبداللہ قسری حاکم تھا۔ اس نے سعیدؒ بن جبیر کو پکڑ کر حجاج کے پاس بھجوا دیا۔

حجاج انہیں دیکھتے ہی شعلہ جوالہ بن گیا۔ اس کی جفاجو اور خون آشام طبیعت کو ایک ضیافت ہاتھ آ گئی۔ سعیدؒ بن جبیر اور اس کے درمیان اس موقع پر جو گفتگو ہوئی تاریخ نے اسے اپنے صفحات میں محفوظ کر لیا ہے' اس کی تفصیل یہ ہے:

حجاج: (طنزاً) تمہارا نام کیا ہے؟

سعیدؒ: سعید بن جبیر (سعید کے معنی نیک بخت کے ہیں اور جبیر کے معنی اصلاح یافتہ چیز کے ہیں)

حجاج: (چیں بجبیں ہو کر) اَنْتَ لَشَقِیْ بْنُ کَسِیْر (تم شقی بن کسیر ہو......)
(شقی کے معنی بد بخت اور کسیر کے معنی ٹوٹی پھوٹی چیز کے ہیں۔)

سعیدؒ: میری ماں میرا نام تجھ سے بہتر جانتی تھیں۔

حجاج: شَقِیَتْ اُمُّكَ وَشَقِیْ اَنْتَ (تم بھی بد بخت ہو اور تمہاری والدہ بھی بد بخت)

سعیدؒ: غیب کا علم تیرے پاس نہیں' یہ کسی دوسری ذات کے پاس ہے۔

حجاج: میں تم کو دنیا کے بدلے بھڑکتی ہوئی آگ کے سپرد کروں گا۔

سعیدؒ: اگر میں یہ جانتا کہ ایسا کرنا تیرے اختیار میں ہے تو تجھے عبادت کے لائق سمجھتا۔

حجاج: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔

سعیدؒ: آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول تھے' ہمارے ہادی و رہبر تھے

Marfat.com

......اور رحمۃ للعلمین تھے۔

حجاج: علیؓ اور عثمانؓ کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے۔

سعیدؒ: علیؓ نوجوانوں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔ رسولِ کریم ﷺ کے چچازاد بھائی، سیدۃ النساءؓ کے سرتاج اور حسنینؓ کے باپ تھے..... عثمانؓ دامادِ رسول تھے، ذوالنورین تھے۔ اپنا گھر بار راہِ خدا میں لٹایا۔ ان کو ناحق قتل کیا گیا[1]

حجاج: خلفاء کی نسبت تمہارا کیا قول ہے؟

سعیدؒ: لَسْتُ عَلَیْهِمْ بِوَکِیْل (میں ان کا وکیل نہیں ہوں)

حجاج: ان میں کون سب سے بہتر تھا؟

سعیدؒ: اَرضَاهُمْ لِخَالِقِی جو میرے خالق کی رضا کا سب سے زیادہ پابند تھا۔

حجاج: خالق کی رضا کا کون سب سے زیادہ پابند تھا؟

سعیدؒ: عِلْمُ ذٰلِكَ عِنْدَالَّذِیْ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ۔ اس کا علم اس ذات کو ہے جو بھیدوں اور پوشیدہ باتوں سے واقف ہے۔

حجاج: امیر المؤمنین عبدالملک کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

سعیدؒ: اس کے عظیم گناہوں میں سے ایک گناہ تمہارا وجود ہے۔

حجاج: میرے متعلق کیا کہتے ہو؟

سعیدؒ: تمہارا قول و فعل کتابِ الٰہی کے خلاف ہے۔ تم اپنا رعب اور دبدبہ قائم کرنے کے لیے سفاکیاں کرتے ہو۔ یہ کام تمہیں برباد کر رہے ہیں۔ کل داورِ محشر کے سامنے حاضر ہو گے تو قدرِ عافیت معلوم ہو جائے گی۔

حجاج: تم پر ہلاکت ہو۔

---

[1] بعض روایتوں میں اس سوال و جواب کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ حجاج نے حضرت سعیدؒ سے پوچھا کہ علیؓ و عثمانؓ جنت میں ہیں یا دوزخ میں؟ حضرت سعیدؒ نے جواب دیا کہ میں وہاں گیا ہوتا تو مجھے معلوم ہوتا (یعنی غیب کا حال میں کیسے بیان کرسکتا ہوں)

Marfat.com

سعیدؒ: ہلاکت اس شخص پر ہے جس کو جنت سے الگ کر کے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔

حجاج: تم ہنستے کیوں نہیں؟

سعیدؒ: وہ کس طرح ہنس سکتا ہے جو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور مٹی کو آگ کھا جاتی ہے۔

حجاج: پھر ہم لوگ تفریحی مشاغل سے کیوں ہنستے ہیں؟

سعیدؒ: سب کے دل یکساں نہیں ہوتے۔

حجاج: تم نے تفریح کا سامان کبھی دیکھا بھی ہے؟

اب حجاج نے عود اور بانسری بجانے کا حکم دیا۔ سعیدؒ ان کی آواز سن کر رونے لگے۔ حجاج نے کہا' یہ رونے کا کیا موقع ہے' عُود اور بانسری کے نغمے تو تفریح بخش ہیں۔ سعیدؒ نے جواب دیا۔ نہیں' بانسری کی آواز نے مجھے وہ دن یاد دلایا جب صُور پھونکا جائے گا اور عُود ایک کٹے ہوئے درخت کی لکڑی ہے جو ممکن ہے ناحق کاٹی گئی ہو اور اس کے تار بکریوں کے پٹھوں کے ہیں جو ان کے ساتھ قیامت کے دن اٹھائی جائیں گی۔

اس گفتگو کے بعد حجاج بولا' سعید تمہاری حالت قابلِ افسوس ہے۔

حضرت سعیدؒ نے فرمایا: ''وہ شخص افسوس کے قابل نہیں ہے جو آگ سے نجات پا گیا ہو اور جنت میں داخل کر دیا گیا ہو۔

بعض روایتوں میں ہے کہ اس موقع پر حجاج نے بہت سے موتی زبرجد اور یاقوت منگوا کر اپنے سامنے رکھے۔ حضرت سعیدؒ نے انہیں دیکھ کر فرمایا:
''اگر تم نے انہیں اس لیے جمع کیا ہے کہ ان کے ذریعے یومِ قیامت کے

Marfat.com

خوف سے بچ جاؤ تو ٹھیک ہے ورنہ یاد رکھو کہ قیامت کا ایک جھٹکا دودھ پلانے والی عورتوں کو ان کے شیر خوار بچوں سے غافل کردے گا اور جو چیزیں دنیا کے لیے جمع کی جائیں ان میں صرف پاکیزہ اور طیب چیزیں ہی عمدہ اور پسندیدہ ہیں۔"

پھر حسبِ ذیل گفتگو ہوئی:

حجاج: کیا میں نے تمہیں کوفہ کا امام اور قاضی نہیں بنایا تھا؟

سعیدؒ: بیشک بنایا تھا۔

حجاج: کیا میں نے تمہیں ایک لاکھ کی رقم خیرات کرنے کے لیے نہیں دی تھی؟

سعیدؒ: بیشک دی تھی۔

حجاج: تو پھر تم میری مخالفت پر کیوں کمربستہ ہوئے؟

سعیدؒ: تمہارے مظالم اور بداعمالیوں نے مجھے اس پر مجبور کیا اور پھر مجھے ابنِ اشعث کی بیعت کا پاس بھی تھا۔

حجاج: خدا کی قسم میں تجھے قتل کیے بغیر یہاں سے نہ ہٹوں گا۔

سعیدؒ: کوئی بات نہیں تم میری دنیا خراب کروگے میں تمہاری آخرت برباد کردوں گا۔

حجاج: بتاؤ تم کس طریقے سے قتل ہونا پسند کروگے؟

سعیدؒ: تو خود ہی پسند کر۔ ربِ اکبر کی قسم جس طرح تو مجھ کو قتل کرے گا اسی طرح خدا تجھ کو آخرت میں قتل کرے گا۔

حجاج: کیا تمہارا جی چاہتا ہے کہ تمہیں معافی مل جائے؟

سعیدؒ: معافی دینا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ رہا تُو...... تو یہ تیری قدرت سے باہر ہے کہ کسی کو بری کرے یا کسی کا عذر قبول کرے۔

Marfat.com

حجاج: تو میں تم کو ضرور قتل کروں گا۔

سعیدؒ: ہر شخص کی موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ اگر میرا آخری وقت آ گیا ہے تو اسے کوئی ٹال نہیں سکتا، اگر ابھی وقت نہیں آیا تو کوئی مجھے مار نہیں سکتا۔

(۴)

اب حجاج فرطِ غضب سے بیتاب ہو گیا۔ جلّاد کو حکم دیا کہ اسے لے جاؤ اور قتل کر دو...... اس وقت حاضرین میں سے ایک شخص بے قابو ہو کر اس معدنِ علم و فضل کی مصیبت پر رونے لگا۔ حضرت سعیدؒ بن جبیر نے فرمایا: ''بھائی روتے کیوں ہو، ہر بات کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے'' پھر یہ آیت پڑھی:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا (الحدید آیۃ ۲۲)

(زمین میں جو مصیبتیں بھی پہنچتی ہیں یا تمہارے نفسوں پر وارد ہوتی ہیں ان کے پیدا ہونے سے قبل کتاب میں لکھی ہیں۔)

اس کے بعد اپنے لڑکے کو آخری بار دیکھنے کے لیے بلا بھیجا۔ وہ آئے تو بے اختیار رونے لگے۔ سعیدؒ نے انہیں صبر کی تلقین کی اور کہا: ''بیٹے اس سے زیادہ تیرے باپ کی زندگی تھی ہی نہیں، رونے سے کیا ہو گا۔''

اب جلّاد نے انہیں مقتل کی طرف کھینچا۔ حضرت سعیدؒ بن جبیر کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ حجاج نے کہا اسے واپس لاؤ۔

جب پھر حجاج کے سامنے آئے تو اس نے پوچھا: ''تم کس بات پر ہنسے؟''

سعیدؒ نے جواب دیا: ''عجبت من جرأتك على الله وحلم الله عليك''

(خدا کے مقابلے میں تیری جرأت اور تیری نسبت خدا کا عفو و حلم دیکھ کر مجھے تعجب ہوا)

Marfat.com

حجاج اس فقرے کو سن کر اور بھڑک اٹھا اور جلّاد کو حکم دیا اسے میرے سامنے قتل کرو۔

جلّاد نے چھرا اچھا دیا۔ حضرت سعیدؒ بھی سر کٹانے کے لیے مستعد ہو گئے اور قبلہ رُو ہو کر یہ آیت پڑھی:

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (الانعام آیۃ ۸۰)

(میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے تئیں اسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمان و زمین بنائے، ایک طرف کا ہو کر اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔)

حجاج نے حکم دیا اس کا منہ قبلے کی طرف سے پھیر دو۔

حضرت سعیدؒ کی زبان پر قرآنِ حکیم کے یہ الفاظ جاری ہو گئے:

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (سورہ بقرہ)

(جدھر رُخ کرو گے ادھر اللہ کی ذات ہے)

اب حجاج نے حکم دیا اسے منہ کے بل لٹا دو۔

سعیدؒ خود ہی اوندھے لیٹ گئے اور اس آیت کی تلاوت کی:

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی (طٰہٰ آیت ۵۵)

(ہم نے اسی (زمین) سے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور اسی سے ایک دفعہ پھر نکالیں گے)

حجاج اب سخت مشتعل ہو گیا۔ اس نے چلّا کر جلّاد کو حکم دیا "اس کا سر فوراً قلم کر دو۔"

Marfat.com

سعیدؒ نے اس وقت بارگاہِ رب العزت میں دعا مانگی "بارالہا میرے قتل کے بعد اس ظالم کو کسی اور کے قتل پر قادر نہ کرنا"...... پھر کلمۂ شہادت پڑھا اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ......
ابھی کلمۂ شہادت زبان پر جاری تھا کہ جلاد کی تلوار گردن پر پڑی اور سرِتن مبارک سے جدا ہو گیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

شہادت کے بعد جسم مبارک سے خون کے فوارے چھوٹنے لگے۔ حجاج کو اتنا خون نکلنے سے بہت تعجب ہوا' اپنے طبیبِ خاص سے اس کی وجہ دریافت کی' اس نے کہا:

دوسرے لوگوں کا خون قتل کا حکم سنتے ہی خشک ہو جاتا ہے لیکن سعیدؒ کی طبیعت بالکل مطمئن تھی اور قتل کا خوف مطلقاً ان کے دل میں نہ تھا۔ اسی لیے ان کے جسم سے خلافِ معمول زیادہ خون نکلا۔"

یہ المناک واقعہ شعبان ۹۴ھ ہجری میں پیش آیا' اس وقت حضرت سعیدؒ کی عمر بااختلافِ روایت ۴۹ یا ۵۷ سال کی تھی۔ ان کی شہادت سے لوگوں میں کہرام مچ گیا۔

خواجہ حسن بصریؒ نے فرمایا:

"خدایا ثقیف کے ظالم سے سعیدؒ کے قتل کا انتقام لے۔ خدا کی قسم دنیا کے تمام باشندے بھی سعیدؒ کے قتل میں شریک ہوتے تو خدا ان سب کو منہ کے بل نارِ جہنم میں جھونک دیتا۔"

اس واقعہ کے بعد حجاج تھوڑا ہی عرصہ زندہ رہا۔ اس کے معدے میں کیڑے پڑ

Marfat.com

گئے، جسم میں سردی سما گئی اور عجیب وغریب دماغی عارضہ ہوگیا۔ اکثر بے ہوشی کے دورے پڑتے تھے۔ بے ہوشی کی حالت میں یا رات کو خواب میں سعیدؒ بن جبیر اسے نظر آتے جو پوچھتے "فاسق تو نے مجھے کس جرم کی پاداش میں قتل کیا؟" چونک کر کہتا "میرا سعید سے کیا تعلق۔"

غرض اسی طرح نہایت کرب والم کے عالم میں ۹۵ ہجری میں راہیِ ملکِ عدم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مردِ صالح سعیدؒ بن جبیر کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور ان کی شہادت کے بعد حجاج کسی شخص کے قتل پر قادر نہ ہوسکا۔

علامہ دمیریؒ نے حیوٰۃ الحیوان میں لکھا:

"حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حجاج کو اس کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا کہ وہ بدبُودار مردار کی صورت میں ہے۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ اللہ نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اس نے کہا کہ اللہ نے مجھ کو ہر مقتول کے عوض میں جس کو میں نے قتل کیا تھا، ایک ایک دفعہ قتل کیا لیکن سعیدؒ بن جبیر کے بدلے میں مجھ کو ستّر مرتبہ قتل کیا گیا۔"

اس کے بعد عَلاّمہ دمیریؒ لکھتے ہیں:

"اگر کہا جائے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حجاج کو ہر اُس شخص کے بدلے میں جس کو اس نے قتل کیا، ایک مرتبہ قتل کیا اور سعیدؒ بن جبیر کے لیے ستر دفعہ قتل کیا، حالانکہ حجاج نے عبداللہ بن زبیرؓ کو بھی قتل کیا تھا جو صحابیؓ تھے اور سعیدؒ بن جبیر تابعی تھے اور صحابی تابعی سے افضل ہوتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حجاج نے جب عبداللہ بن زبیرؓ کو قتل کیا ہے تو عالَم میں ان کے مثل بہت سے صحابہ موجود تھے جیسے عبداللہ بن عمرؓ اور انسؓ بن مالک وغیرہم؛ لیکن جب سعیدؒ بن جبیر کو قتل کیا ہے تو کوئی

Marfat.com

نظیر ان کا موجود نہ تھا اور اکثر مصنفین نے ذکر کیا ہے کہ جب حضرت حسن بصریؒ کو سعیدؒ بن جبیر کی خبر ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ خدا کی قسم سعیدؒ بن جبیر دنیا سے ایسے وقت میں اٹھے کہ جب تمام دنیا مشرق سے لے کر مغرب تک ان کے علم کی محتاج ہے۔ یہ وجہ تھی کہ ان کے قتل کی وجہ سے حجاج پر زیادہ عذاب ہوا۔"

(حیوۃ الحیوان' مطبوعہ مصر' جلد اصفحہ: ۱۴۹)

حضرت سعیدؒ کو شہر واسط میں سپردِ خاک کیا گیا۔ انہوں نے اپنے پیچھے تین لڑکے چھوڑے' عبداللہ' محمد اور عبدالملک

ابنِ سعدؒ نے حضرت سعیدؒ کا حلیہ اس طرح لکھا ہے:

رنگ سیاہ' سر اور ڈاڑھی کے بال سفید' خضاب لگانا پسند نہ کرتے تھے۔ کسی نے وسمہ کے خضاب کے بارہ میں پوچھا' فرمایا' اللہ تو بندہ کے چہرے کو نور سے روشن کرتا ہے اور بندہ اس کو سیاہی سے بجھا دیتا ہے۔

حافظ ذہبیؒ نے "تذکرۃ الحفاظ" میں بیان کیا ہے کہ سعیدؒ بن جبیر عمامہ باندھا کرتے تھے اور پیچھے کی طرف ایک بالشت شملہ چھوڑ دیا کرتے تھے۔

ان کے ارشد تلامذہ میں دو صاحبزادوں عبداللہ اور عبدالملک کے علاوہ ابواسحٰق سبیعیؒ، عطاء بن سائبؒ، اشعثؒ بن ابی الشعثا' طلحہؒ بن مصرف' عبدالملک بن سلیمانؒ، ابوالزبیر مکیؒ اور آدم بن سلیمانؒ جیسے اکابرِ اُمّت شامل ہیں۔

رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

حضرت صفوان بن سُلَیم زُہریؒ

(۱)

تابعینِ عُظّام کی مقدّس جماعت میں جو حضرات زہد و ورع' کثرتِ عبادت' انفاق فی سبیل اللہ اور استغنا کے اعتبار سے آسمانِ شہرت پر آفتاب بن کر چمکے' حضرت ابوعبداللہ صفوان بن سُلَیمؒ (یا بروایتِ دیگر سلام) کو ان میں خاص امتیاز حاصل ہے۔ وہ پہلی صدی ہجری کے چوتھے یا پانچویں عشرے میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے' ان کا تعلّق قریش کے خاندان بنوزُہرہ سے تھا۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت انسؓ بن مالک اور حضرت ابواُمامہ باہلیؓ جیسے جلیل القدر صحابہ اور حضرت سعیدؒ بن مسیبؒ، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؒ، عبداللہ بن سلیمان الاغرؒ اور عطاء بن یسارؒ جیسے عظیم المرتبت تابعین سے اکتسابِ فیض کیا اور مدینہ منورہ کے ممتاز فقہاء میں شمار ہوئے۔ ابنِ عماد حنبلیؒ نے انہیں فقیہ القدوہ اور حافظ ذہبیؒ نے ثقہ حجۃ کے القاب سے یاد کیا ہے۔ حضرت صفوانؒ کے فیضانِ علمی سے اُس دور کے بہت سے اربابِ علم بہرہ یاب ہوئے۔ ان میں سے ابنِ منکدرؒ، موسیٰ بن عقبہؒ، یزید بن ابی حبیبؒ، زید بن اسلمؒ اور امام مالک بن انسؒ کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

(۲)

حضرت صفوانؒ کو عبادت و ریاضت سے بے انتہا شغف تھا اور وہ زہد و اِتّقا کے اعتبار

Marfat.com

سے اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ صفوان اللہ تعالیٰ کے بہترین بندوں میں سے تھے' ان کے وسیلہ سے لوگ بارانِ رحمت کی دعا کیا کرتے تھے۔

فرض نمازوں کے علاوہ سنن اور نوافل کا بھی خاص اہتمام تھا۔ ساری ساری رات عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ اس خیال سے کہ نیند انہیں یادِ الٰہی سے غافل نہ کردے' گرمیوں میں بند کمرے کے اندر اور سردیوں میں کھلی چھت پر عبادت کیا کرتے تھے۔ حافظ ذہبیؒ نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں لکھا ہے کہ نماز میں کھڑے کھڑے ان کے پاؤں پر ورم آجاتا تھا اور نڈھال ہوکر گر پڑتے تھے۔ سجدوں کی کثرت سے پیشانی زخمی ہوگئی تھی۔ ان کی سخت کوشی کی انتہا یہ تھی کہ ایک بار نرم بچھونے پر نہ سونے کا عہد کرلیا۔ اس عہد پر اتنی سختی سے کاربند رہے کہ تقریباً چالیس سال تک بستر کے قریب بھی نہ گئے۔ اللہ کی راہ میں بے دریغ خرچ کرتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ بدن کے کپڑے تک بھی اتار کر دے دیا کرتے تھے۔ ابنِ جوزیؒ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سخت سردی کے موسم میں مسجد سے باہر نکلے تو ایک برہنہ تن آدمی کو سردی میں ٹھٹھرتے پایا۔ انہوں نے اسی وقت اپنے کپڑے اتار کر اس شخص کو دے دیے اور خود ایک معمولی چادر سے اپنی ستر پوشی کی۔

(۴)

حضرت صفوانؒ کے استغناء اور دنیا سے بے رغبتی کی بھی عجیب شان تھی۔ دنیا ان کے پیچھے پیچھے پھرتی تھی اور وہ اس کی طرف مڑکر دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ سلاطین و امراء ان کی خدمت میں نذرانے پیش کرتے تھے لیکن وہ ان کو ٹھکرا دیتے تھے۔ ان کے نزدیک سب سے بڑی دولت یہ تھی کہ انہیں مسجدِ نبویؐ میں عبادت کرنے کا زیادہ سے زیادہ موقع مل جائے۔ ایک مرتبہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک مدینہ منورہ آیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہمراہ مسجدِ نبوی میں نمازِ ظہر پڑھنے گیا۔ نماز سے

Marfat.com

فارغ ہوکر مقصورہ کا دروازہ کھولا تو اس میں حضرت صفوان بن سلیمؒ کو مصروفِ عبادت دیکھا۔ سلیمان ان کا شناسا نہیں تھا۔ اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے پوچھا:

''یہ کون بزرگ ہیں' میں نے ایسا نورانی چہرہ کبھی نہیں دیکھا۔''

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا ''امیر المؤمنین یہ صفوان بن سُلیمؒ ہیں۔''

سلیمان نے حضرت صفوانؒ کا نام سن رکھا تھا اور ان کے زہد و تقویٰ اور علم و فضل کی شہرت بھی اس کے کانوں تک پہنچ چکی تھی۔ اس نے اپنے ایک غلام کو پانچ سو دینار کی ایک تھیلی دی اور حکم دیا کہ اسے لے جا کر حضرت صفوانؒ کی خدمت میں پیش کرو۔ غلام نے لے جا کر پیش کی اور کہا ''پانچ سو دینار کی یہ تھیلی امیر المؤمنین کی جانب سے آپ کی نذر ہے' وہ یہاں مسجد میں موجود ہیں۔''

حضرت صفوانؒ نے فرمایا ''میاں تمہیں دھوکا ہوا ہے کسی اور کے پاس بھیجی ہوگی۔''

غلام نے حیران ہوکر پوچھا ''کیا آپ صفوان بن سلیم نہیں ہیں؟''

فرمایا ''ہوں تو میں ہی صفوان بن سلیم''

غلام نے عرض کیا ''تو پھر آپ ہی کو دی ہے۔''

حضرت صفوانؒ نے فرمایا ''بھائی تم جا کر دوبارہ پوچھ آؤ۔''

جونہی غلام پوچھنے کے لیے مڑا حضرت صفوانؒ اپنا جوتا اٹھا کر مسجد سے نکل گئے اور پھر جتنی دیر تک سلیمان مسجد میں موجود رہا وہ مسجد سے غائب رہے۔ غلام نے ان کو بہتیرا تلاش کیا لیکن وہ نہ ملے' آخر اس نے مایوس ہوکر تھیلی سلیمان کو واپس کر دی۔

(۴)

حضرت صفوانؒ اس کثرت سے عبادت کرتے تھے کہ اس میں مزید کسی قسم کی گنجائش باقی نہ رہ گئی تھی۔ ابنِ جوزی نے ''صفوۃ الصفوۃ'' میں ابو حمزہؒ کا یہ قول نقل کیا

Marfat.com

ہے کہ میں نے صفوانؒ کو عبادت کے اس درجہ پر دیکھا کہ اگر ان سے کہا جاتا کہ کل قیامت برپا ہونے والی ہے تو وہ عبادت کی جس حد تک پہنچ چکے تھے اس میں مزید اضافہ کرنا ممکن ہی نہ تھا۔

حضرت صفوانؒ نے چالیس سال سے بسترِ استراحت کو ترک کر رکھا تھا۔ ۱۳۲ ہجری میں سخت بیمار ہو گئے یہاں تک کہ جانبری کی کوئی امید نہ رہی۔ اس حالت میں لوگوں نے عرض کیا:

''اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمت نازل کرے کیا اس حالت میں بھی آپ نہ لیٹیں گے۔''

فرمایا: ''اگر لیٹ گیا تو اللہ سے کیا ہوا میرا عہد ٹوٹ جائے گا'' ...... لیکن جب لوگوں کا اصرار حد سے بڑھا تو ذرا سی ٹیک لگالی' اسی حالت میں بیٹھے بیٹھے روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

ازواج واولاد کی تفصیل کسی کتاب میں نہیں ملتی۔

رحمۃ اللہ علیہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے کارندوں سے کہا کرتا تھا کہ اگر کوئی شخص تنگ دست ہو تو اس سے درگزر کیا کرو شاید (اس کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر فرمائے۔ جب وہ فوت ہوا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے درگزر فرمایا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

Marfat.com

امام ربیعۃ الرائیؒ

(۱)

پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں کی فتوحات کا سیلاب عرب سے نکل کر دنیا کے دور دراز ملکوں تک پھیل گیا۔ اس زمانے میں فوج میں بھرتی ہونا ہر مسلمان کے لیے بڑی عزّت کی بات تھی کیونکہ اس طرح اس کو اللہ کے راستے میں لڑنے کا موقع ملتا تھا۔ بنواُمیّہ کی حکومت کے ابتدائی دَور کا ذکر ہے کہ دمشق سے ایک لشکر خراسان کو فتح کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ اس لشکر میں ایک نوجوان مجاہد ابوعبدالرحمٰن فروخ بھی تھے جو مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے۔ فروخ اس لشکر میں شریک ہونے کے لیے جب گھر سے چلنے لگے تو ان کی بیوی اُمید سے تھی۔ وہ خاوند کی جدائی کے خیال سے کچھ بے چین سی ہوگئی اور ان سے پوچھنے لگی کہ آپ کب تک واپس آ جائیں گے؟

فروخ نے کہا کہ میری واپسی کا انحصار اس بات پر ہے کہ مہم میں کتنا عرصہ لگتا ہے اور پھر میں لڑائی میں زندہ بھی بچ جاتا ہوں‘ اگر بچ رہا تو ہوسکتا ہے کہ چند ماہ تک واپس آ جاؤں اور یہ بھی ممکن ہے کہ دو چار برس لگ جائیں۔ ہاں اگر لڑائی میں مارا گیا تو پھر جنّت ہی میں تم سے ملاقات ہوگی۔ بیوی نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا: نہیں‘ نہیں! ایسا مت کہیں‘ خدا آپ کو خیر و عافیت سے واپس لائے۔

Marfat.com

فروخ نے بیوی کو تسلی دی اور اس کو بتایا کہ فلاں صندوق میں تیس ہزار اشرفیاں رکھی ہیں۔ یہ میری کل پونجی ہے' اسے احتیاط سے رکھنا۔ میرا ارادہ ہے کہ جہاد سے فارغ ہو کر واپس آؤں تو اس رقم سے تجارت کروں۔ ہاں اگر میری غیر حاضری میں تمہیں کوئی ضرورت پیش آ جاتے تو تم اس رقم میں سے جتنی چاہو خرچ کر سکتی ہو اور میرے جانے کے بعد اللہ تمہیں لڑکا یا لڑکی دے تو اس کی پرورش عمدہ طریقے سے کرنا۔ یہ کہہ کر انہوں نے بیوی کو خدا حافظ کہا اور دمشق جا کر اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔

(۲)

اُس زمانے میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ مسلسل جاری تھا۔ ایک مہم کے بعد دوسری' دوسری کے بعد تیسری اور تیسری کے بعد چوتھی۔ یہاں تک کہ فروخ کو ان مہموں میں حصہ لیتے لیتے پورے ستائیس برس گزر گئے' لیکن جہاد میں مصروفیت نے انہیں گھر نہ لوٹنے دیا اور نہ گھر سے ان کا رابطہ ہی قائم ہو سکا۔

ادھر ان کے گھر سے نکلنے کے چار پانچ ماہ بعد اللہ نے ان کی بیوی کو چاند سا بیٹا دیا جس کا نام اس نے ربیعہ رکھا۔ یہ خاتون بڑی عقل مند اور دور اندیش تھی۔ گو شوہر کی لمبی جدائی سے اس کی زندگی سوگوار ہو گئی تھی لیکن اس نے بچے کی پرورش نہایت عمدہ طریقے سے کی اور اس کو پوری توجہ سے تعلیم و تربیت دلائی۔ یہاں تک کہ اپنے شوہر کی چھوڑی ہوئی اشرفیاں سب کی سب ربیعہ کی تعلیم پر خرچ کر دیں۔ لڑکا بھی ذہین اور محنتی تھا۔ اس نے بہت چھوٹی عمر میں قرآنِ پاک حفظ کر لیا اور پھر چند سال کے اندر اندر قرآن' حدیث' فقہ' ادب اور دوسرے تمام علوم پر ایسا عبور حاصل کر لیا کہ اس کے علمی کمالات کی سارے عرب میں دھوم مچ گئی اور وہ بیس بائیس برس کی عمر میں اپنے وقت کا امام تسلیم کیا گیا۔ لوگ اب نوجوان ربیعہ کو "امام ربیعۃ الرائے"

Marfat.com

کہتے تھے۔ امام ربیعہؒ کا یہ معمول تھا کہ روزانہ مسجدِ نبوی ﷺ میں بیٹھ کر لوگوں کو باقاعدگی سے درس دیتے تھے اور طلبہ دور دور سے آ کر ان کے حلقۂ درس میں شامل ہوتے تھے۔ ان طلباء میں کئی بعد میں خود اپنے وقت کے امام بنے۔ امام مالکؒ امام سفیان ثوریؒ، امام اوزاعیؒ اور کئی دوسرے مشاہیرِ وقت امام ربیعہؒ ہی کے شاگرد تھے۔

(۳)

ستائیس برس کے بعد فروخ کو جہاد سے فرصت ملی تو انہوں نے سیدھا وطن کا رُخ کیا۔ کئی دن کے سفر کے بعد وہ مدینے میں اس شان سے داخل ہوئے کہ گھوڑے پر سوار تھے۔ تلوار کمر سے بندھی ہوئی تھی اور ایک لمبا نیزہ ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے اپنے گھر کے دروازے پر پہنچ کر نیزے کی انی سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ امام ربیعہؒ دروازہ کھول کر باہر نکلے...... باپ بیٹا ایک دوسرے سے ناواقف تھے۔ فروخ بے تکلفی سے اندر جانے لگا تو امام ربیعہؒ نے انہیں ٹوکا:

''اے شخص! تو میرے مکان میں بلا اجازت کیوں داخل ہو رہا ہے؟''

فروخ نے برہم ہو کر کہا: ''او دشمنِ خدا یہ میرا اپنا گھر ہے تو اس میں کیوں گھسا ہوا ہے؟''

امام ربیعہؒ نے بھی بڑا تلخ جواب دیا۔ اس طرح بات بڑھ گئی اور دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ شور و غل سن کر ہمسائے جمع ہو گئے۔ ربیعہؒ فروخ سے کہہ رہے تھے کہ خدا کی قسم میں تجھے حاکمِ وقت کے پاس لے جائے بغیر نہ چھوڑوں گا اور فروخ کی زبان پر بھی اسی قسم کے الفاظ تھے۔ کسی نے امام مالکؒ کو بھی اس جھگڑے کی خبر دے دی۔ وہ اپنے استاد کا معاملہ سمجھ کر فوراً وہاں آ گئے اور بڑے نرم لہجے میں فروخ سے مخاطب ہو کر کہا:

''میاں آپ زبردستی غیر کے مکان میں کیوں گھسنا چاہتے ہیں؟ آپ

Marfat.com

کسی دوسری جگہ کیوں نہیں ٹھہر جاتے؟''

اس وقت فروخ نے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ میرا نام ابوعبدالرحمٰن فروخ ہے اور یہ میرا اپنا گھر ہے۔ ستائیس برس کے بعد میدانِ جہاد سے واپس آیا ہوں تو آپ میں سے کوئی مجھے پہچانتا ہی نہیں۔

فروخ کی آواز سن کران کی بیوی نے کواڑوں کے پیچھے سے جھانکا تو فوراً شوہر کو اندر بلا بھیجا اور پھر امام ربیعہؒ کو بتایا کہ یہ تمہارے والد ہیں۔ ساتھ ہی فروخ سے کہا کہ یہ نوجوان آپ کا فرزند ہے جو آپ کے جانے کے چند ماہ بعد پیدا ہوا تھا۔ اب دونوں باپ بیٹے گلے مل کر خوب روئے۔

کھانا کھانے اور آرام کرنے کے بعد فروخ نے بیوی سے اپنی بچائی ہوئی رقم (تیس ہزار اشرفیوں) کے بارے میں پوچھا۔ بیوی نے کہا آپ اطمینان رکھیے ساری رقم محفوظ ہے۔ اتنے میں نماز اور درس کا وقت ہوگیا۔ امام ربیعہؒ اذان سنتے ہی مسجدِ نبوی میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد بیوی نے شوہر سے کہا کہ آپ بھی مسجدِ نبوی میں جا کر نماز پڑھ آیئے۔ فروخ مسجد میں گئے تو دیکھا کہ ساری مسجد لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔ ان کے درمیان ایک صاحب بڑی شان اور وقار کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ تمام لوگ بڑے ادب اور احترام سے سر جھکائے ہوئے ہیں اور وہ صاحب ان کے سامنے درس دے رہے ہیں۔ یہ درس دینے والے صاحب امام ربیعہؒ تھے۔ چونکہ انہوں نے سر پر اونچی ٹوپی پہن رکھی تھی اس لیے فروخ انہیں دور سے پہچان نہ سکے۔ کسی سے پوچھا یہ بزرگ کون ہیں؟

اس نے حیران ہو کر کہا:

''آپ ان کو نہیں پہچانتے' یہ امام ربیعۃ الرائےؒ بن ابوعبدالرحمٰن ہیں۔

فروخ کو یہ سن کر اس قدر مسرت ہوئی کہ ان کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو

Marfat.com

چھلک پڑے اور بے اختیار ان کے منہ سے نکلا "اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے میرے بیٹے کا درجہ اتنا بلند کیا۔" خوشی خوشی گھر آئے اور بیوی کو بتایا کہ آج میں نے اپنے بیٹے کی جو عزت اور شان دیکھی ہے' اس سے پہلے کسی بڑے سے بڑے آدمی کی نہیں دیکھی تھی۔

بیوی نے کہا "آپ کو بیٹے کی یہ عظمت وشان پسند ہے یا تیس ہزار اشرفیاں؟"

فروخ نے جواب دیا: "خدا کی قسم تیس ہزار اشرفیاں اس مرتبے اور شان کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔"

بیوی نے کہا "تو پھر سن لیں کہ میں نے یہ تمام رقم اس کی تعلیم پر خرچ کر دی۔"

فروخ نے بے ساختہ جواب دیا: "خدا کی قسم ان اشرفیوں کا اس سے بہتر استعمال نہیں ہو سکتا تھا۔ تم نے بہت خوب کیا کہ ان اشرفیوں کو ٹھکانے لگا کر میرے بیٹے کو ایک ایسے خزانے کا مالک بنا دیا جس کو کبھی زوال نہیں۔"

(۴)

امام ابو عثمان ربیعۃ الرائی کا شمار ائمہ تابعین میں ہوتا ہے۔ ان کے والد ابو عبدالرحمٰن فروخ بنی تمیم بن جرہ کے غلام تھے لیکن اللہ کی شان' اس غلام کے فرزندِ سعادت مند کو علم و فضل کے اعتبار سے اتنا بلند مقام حاصل ہوا کہ نہ صرف اس دور کے سر آمدِ روزگار علماء و فقہاء بلکہ فرمانروایانِ وقت بھی اس کے سامنے سرِ عقیدت جھکاتے تھے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ربیعہؒ کی علمی و عقلی عظمت پر تمام علماء و محدثین کا اتفاق ہے۔ خطیب بغدادیؒ کا قول ہے کہ ربیعہؒ فقہ و حدیث کے حافظ تھے۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ فقہ و حدیث' اجتہاد اور رائے میں بصیرت کے اعتبار سے ربیعہؒ امام وقت تھے۔ علامہ ابنِ سعد کے نزدیک وہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔

Marfat.com

صحابہؓ میں امام ربیعہؒ نے خادمِ رسول اللہ حضرت انسؓ بن مالک اور حضرت سائبؓ بن یزید سے اور تابعین میں حضرت سعیدؒ بن مسیبؒ، قاسم بن محمدؒ، ابنِ ابی لیلیٰؒ اور محمد بن یحییٰ بن حبان وغیرہم جیسے جلیل القدر مُحدِّثین سے استفاضہ کیا تھا۔ ان کے شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ ان میں امام مالکؒ، یحییٰ بن سعیدؒ، سفیان ثوریؒ، اوزاعیؒ، شعبہؒ، لیثؒ اور ابنِ عینیہؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ علاّمہ خطیب بغدادیؒ نے "تاریخِ بغداد" میں لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی امام ربیعہؒ کی خدمت میں کسبِ فیض کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے اور ان کے اقوال و آرا کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔

اہلِ عراق میں غلط فہمی کی بنا پر مشہور ہو گیا تھا کہ ربیعہؒ قیاس اور رائے سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت امام ربیعہؒ کی رائے ہمیشہ سُنّتِ نبوی سے مستنبط ہوتی تھی اور وہ مسائل شریعت میں اپنی رائے اور قیاس کو دخل نہ دیتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ عبدالعزیز بن ابی سلمہ نے اہلِ عراق سے مخاطب ہو کر کہا' تم لوگ ان کو ربیعۃ الرائی کہتے ہو۔ خدا کی قسم میں نے ان سے بڑھ کر کوئی حافظِ سُنّت نہیں دیکھا۔

امام ربیعہؒ کو مبدءِ فیض نے کمال درجے کی ذہانت اور فراست عطا کی تھی اور فقہ میں وہ امامت اور اجتہاد کے درجے پر فائز تھے۔ حضرت یحییٰ بن سعیدؒ کہا کرتے تھے کہ "میں نے ربیعہؒ سے بڑھ کر زیادہ زیرک کوئی نہیں دیکھا" امام مالکؒ ان کے شاگردِ خاص تھے۔ ربیعہ کی وفات پر ان کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آ گئے "ربیعہؒ کے بعد فقہ کا مزہ جاتا رہا۔" امام ربیعہؒ کے علم و فضل نے انہیں مرجعِ خلائق بنا دیا تھا اور ان کے حلقۂ درس میں بڑے بڑے علماء و عمائد شریک ہوا کرتے تھے۔

فضائلِ اخلاق کے اعتبار سے بھی امام ربیعہؒ ایک مثالی شخصیت تھے۔ وہ نہایت عابد و زاہد، خوددار، مستغنی المزاج اور سخی تھے۔ ایک مرتبہ عباسی خلیفہ سفاح نے انہیں قضا

Marfat.com

کا عہدہ پیش کیا لیکن انہوں نے اس کے قبول کرنے سے معذرت کردی۔ ایک اور موقع پر سفاح نے ان کی خدمت میں ایک خطیر رقم بھیجی کہ اس سے اپنی خدمت کے لیے کوئی لونڈی خرید لیں لیکن انہوں نے یہ رقم بھی قبول کرنے سے انکار کردیا۔ دوسری طرف وہ خود خرچ کرنے میں بے حد فیاض اور سیر چشم تھے۔ ان کے جاننے والے کہا کرتے تھے کہ مدینہ میں ان سے بڑھ کر کوئی سخی نہیں ہے۔ وہ اپنا مال سائلوں، ضرورتمندوں، دوستوں، دوستوں کی اولاد اور شاگردوں پر بے دریغ لٹاتے رہتے تھے۔

امام ربیعہؒ بڑے لسّان تھے اور اپنی مجالس میں کسی دوسرے کو تقریر کا موقع کم ہی دیتے تھے۔ اس سلسلہ میں علاّمہ خطیب بغدادیؒ نے ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ ربیعہؒ اپنی مجلس میں تقریر کر رہے تھے کہ اتفاق سے وہاں ایک اعرابی آ گیا۔ وہ دیر تک ان کی تقریر خاموشی کے ساتھ سنتا رہا۔ امام ربیعہؒ نے سمجھا کہ وہ ان کے زورِ بیان اور فصاحت و بلاغت سے مسحور ہو گیا ہے۔ انہوں نے اس سے پوچھا، تم لوگوں کے نزدیک بلاغت کی کیا تعریف ہے؟

اس نے جواب دیا:
مختصر الفاظ میں صحیح صحیح معنی ادا کرنا۔"

امام ربیعہؒ نے پھر پوچھا: "اور عجز عن الکلام (عجزِ بیان) کیا ہے؟"

اعرابی نے کہا: "وہ جس میں آپ مبتلا ہیں۔"

علاّمہ خطیب بغدادیؒ اور ابنِ خلّکانؒ کے قول کے مطابق امام ربیعہؒ نے ۱۳۶ھ میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔

جائے وفات بعض نے انبار لکھی ہے اور بعض نے مدینہ منورہ..... وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ......فاروقِ ثانی

خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدّیق، حضرت عُمرِ فاروق، حضرت عثمان ذُوالنُّورین اور حضرت علی مرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد جس مسلمان فرمانروا کا نام تاریخِ اسلام کے اُفُق پر آفتاب کی طرح روشن اور تابناک ہے وہ حضرت ابوحفص عمرؒ بن عبدالعزیزؒ ہیں جو بنو امیّہ کے آٹھویں خلیفہ تھے جس زمانہ میں وہ سریر آرائے خلافت ہوئے، اسلامی سلطنت بے انتہا وسعت اختیار کر چکی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی نظامِ حکومت میں کئی خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں اور خلفائے راشدینؓ کا عہدِ باسعادت قصۂ پارینہ بن چکا تھا۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے اپنے مختصر دورِ حکومت میں ان خرابیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور اپنے مجددانہ کارناموں سے جسدِ ملّت میں اسلام کی حقیقی روح پھونک کر ایک بار پھر خلفائے راشدین کا بابرکت دَور واپس لے آئے۔ اسی لیے اربابِ سِیَر نے انہیں بھی بجا طور پر خلیفۂ راشد قرار دیا ہے اور فاروقِ ثانی کے لقب کا سزاوار ٹھہرایا ہے۔

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز قریش کی معزّز شاخ بنوامیّہ کے چشم و چراغ تھے۔

سلسلۂ نسب یہ ہے:

عمرؒ بن عبدالعزیزؒ بن مروان بن الحکم بن العاص بن امیّہ بن عبدِ شمس بن عبدِمناف بن قصیّ۔

Marfat.com

والدہ کا نام اُمّ عاصم تھا جو سیدنا حضرت عُمرِ فاروقؓ کی پوتی تھیں۔ اس طرح حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کی رگوں میں فاروقی خون بھی شامل تھا۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کی نانی ایک نہایت دیندار اور پاک طینت خاتون تھیں۔ حضرت عُمرِ فاروقؓ کے صاحبزادے حضرت عاصمؓ سے ان کی شادی کا قصہ بھی عجیب ہے۔ مُحدِّث ابنِ جوزی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عُمرِ فاروقؓ رات کو مدینہ طیبہ کی گلیوں میں گشت لگا رہے تھے کہ ایک گھر کی دیوار کے قریب تھک کر بیٹھ گئے۔ امیر المؤمنین نے گھر کے اندر ایک عورت کو اپنی لڑکی سے یہ کہتے سنا کہ بیٹی اٹھ کر جلدی سے دودھ میں پانی ملا دے۔ لڑکی نے ماں کو جواب دیا اماں! کیا تو نے امیر المؤمنین کا یہ حکم نہیں سنا کہ کوئی شخص دودھ میں پانی نہ ملائے۔ ماں نے کہا' اس وقت عمرؓ اور اس کے منادی یہاں کہاں' تو خواہ مخواہ ڈر رہی ہے' اٹھ اور جلدی سے دودھ میں پانی ملا دے۔ لڑکی نے کہا' خدا کی قسم ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم امیر المؤمنین کے سامنے تو ان کی اطاعت کا اقرار کریں اور ان کی عدم موجودگی میں ان کی نافرمانی کا داغ اپنے دامن پر لگائیں اگر ہمیں امیر المؤمنین نہیں دیکھ رہے تو نہ سہی' اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہا ہے۔

حضرت عُمرِ فاروقؓ نے یہ تمام گفتگو سنی تو لڑکی کی ایمانداری اور خوفِ خدا سے بہت متاثر ہوئے۔ غلام اسلم ساتھ تھے' ان سے فرمایا کہ اس دروازے اور اس جگہ کو یاد رکھو۔ صبح ہوئی تو انہیں یہ معلوم کرنے کے لیے بھیجا کہ اس مکان کا مالک کون ہے اور یہ کون عورتیں تھیں۔ انہوں نے واپس آکر بتایا کہ اس گھر میں ایک بیوہ عورت اپنی ناکتخدا لڑکی کے ساتھ رہتی ہے۔ حضرت عُمرِ فاروقؓ نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ اگر مجھے نکاح کی ضرورت ہوتی تو میں خود اس لڑکی سے نکاح کر لیتا لیکن تم میں سے اگر کسی کی خواہش ہو تو میں اس کا نکاح اس لڑکی سے کر سکتا ہوں۔

بیٹوں میں حضرت عاصمؓ کے سوا باقی سب شادی شدہ تھے۔ اس لیے حضرت

Marfat.com

عاصمؒ نے اپنے جلیل القدر والد کے ایما پر اس نیک طینت لڑکی سے نکاح کر لیا اور اسی لڑکی سے حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کی والدہ اُمّ عاصم پیدا ہوئیں۔

حافظ ذہبیؒ نے "تذکرۃ الحفاظ" میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ یزید بن معاویہؒ کے زمانۂ حکومت میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ سالِ وِلادت باختلاف روایت ۶۱ھ یا ۶۳ھ ہے۔

۶۵ ہجری میں مروان بن الحکم نے مصر پر قبضہ کیا تو عبدالعزیز کو وہاں کا گورنر مقرر کیا۔ کچھ عرصہ بعد عبدالعزیز نے مصر سے اپنی اہلیہ اُمّ عاصم کو لکھا کہ اپنے بچے عمر کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ سے مصر آ جائیں۔ اُمّ عاصم اپنے چچا حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے رخصت ہونے آئیں تو انہوں نے فرمایا کہ یہ بچہ ہم سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ اس لیے اسے ہمارے ہاں چھوڑ جاؤ۔ چنانچہ وہ بچے کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس چھوڑ کر اکیلی ہی مصر چلی گئیں۔ عبدالعزیز حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ تھے۔ انہیں یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ ایسی عظیم المرتبت ہستی نے ان کے فرزند کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا ہے۔ اس وقت ان کا بڑا بھائی عبدالملک اپنے والد مروان کی وفات کے بعد مَسندِ حکومت پر بیٹھ چکا تھا۔ انہوں نے عبدالملک کو اپنے فرزند عمرؒ کے بارے میں لکھا کہ وہ ابنِ عمرؓ کے پاس مدینہ منورہ میں ہیں تو اس نے ایک ہزار دینار ان کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ کچھ مدت کے بعد عبدالعزیز نے حضرت عمر کو مصر بلا لیا اور ان کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا لیکن جلد ہی انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے نونہال کی تعلیم و تربیت کے لیے مدینہ منورہ ہی مناسب جگہ ہے چنانچہ حضرت عمر کو پھر مدینہ بھیج دیا جہاں مشہور تابعی حضرت صالح بن کیسانؒ ان کے اتالیق مقرر ہوئے۔ صالح اس دور کے بلند پایہ مُحدّث اور عالم تھے۔ انہوں نے عمرؒ کو نہایت توجہ سے تعلیم دی اور انہیں کئی جلیل القدر صحابہ اور

Marfat.com

تابعین سے استفاضہ کرنے کے مواقع بھی بہم پہنچائے ان میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت انسؓ بن مالک، حضرت سائبؓ بن یزید، حضرت یوسفؓ بن عبداللہ بن سلام اور حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؓ کے اسماءِ گرامی قابلِ ذکر ہیں۔
حضرت صالحؒ نے جس دلسوزی سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے کردار اور سیرت کی تعمیر کی اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے نماز میں دیر کر دی۔ صالح بن کیسانؒ نے سبب پوچھا تو کہا' بال سنوارنے میں دیر ہو گئی۔ صالحؒ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا' اللہ اللہ' بالوں کے سنوارنے کو نماز پر مقدم سمجھتے ہو؟ چنانچہ ایک خط لکھ کر عبدالعزیز کو برخوردار کی اس حرکت کی اطلاع دی۔ انہوں نے فوراً ایک آدمی مدینہ منورہ روانہ کیا۔ اس نے عبدالعزیز کی ہدایت کے مطابق پہلے عمرؒ کے بال مونڈے اس کے بعد کسی سے بات چیت کی۔ غرض اس ماحول میں تعلیم وتربیت پا کر چند سال کے اندر اندر حضرت عمر بن عبدالعزیز ایک مُتبحّر عالم بن گئے۔
اسی زمانہ میں قرآن مجید بھی حفظ کیا اور تفسیر' حدیث' فقہ' عربی ادب اور شعروشاعری میں وہ کمال حاصل کیا کہ ان کے ہمعصر علماء مدینہ میں کوئی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔ حافظ ذہبیؒ نے ان کے علم وفضل کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

''وہ بڑے امام' بڑے فقیہ' بڑے مجتہد' حدیث کے بڑے ماہر اور معتبر' حافظ اور سَنَد تھے۔''

امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ میں تابعین میں سے بجز عمر بن عبدالعزیز کے کسی کے قول کو حجت نہیں سمجھتا۔

(۲)

تحصیلِ علم سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز اپنے والد کے پاس مصر چلے گئے۔ اب زمانۂ تعلیم کی پابندیاں ان سے اٹھالی گئیں۔ شاہی خاندان

Marfat.com

کے مُرکن ہور مصر کے حاکم اعلیٰ کے فرزند تھے اس لیے عُنفوانِ شباب میں بڑے نفاست پسند اور شہ خرچ ہو گئے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ لباس پہنتے اور عمدہ سے عمدہ خوشبویات استعمال کرتے تھے۔ داڑھی پر عنبر کا سفوف ملتے' اچھی سے اچھی غذائیں کھاتے اور نہایت جاہ وحشم سے رہتے تھے۔ ۸۶ھ میں ان کے والد عبدالعزیز نے وفات پائی تو اس وقت حضرت عمر کا سن چوبیس پچیس برس کا تھا۔ اسی سال ان کے چچا عبدالملک نے اپنی بیٹی فاطمہ کی شادی ان سے کر دی اور انہیں خناصرہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ اس کے جلد ہی بعد عبدالملک نے بھی وفات پائی اور ولید بن عبدالملک تختِ حکومت پر بیٹھا۔ اس نے ۸۷ھ میں حضرت عمر عبدالعزیز کو مدینہ منورہ کا گورنر مقرر کیا۔ حضرت عمر نے یہ منصب قبول کرنے سے پہلے یہ شرط رکھی کہ مجھے پہلے حُکّام کے ظلم وعدوان پر مجبور نہ کیا جائے۔ ولید نے یہ شرط منظور کر لی اور حضرت عُمرؒ تمیں اونٹوں پر اپنا ذاتی سامان لدوا کر نہایت تزک و احتشام سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اہلِ مدینہ ان کے مرتبۂ علمی سے واقف تھے اس لیے انہوں نے حضرت عمرؒ کی آمد پر بڑی مَسرّت کا اظہار کیا۔ مدینہ پہنچ کر حضرت عمرؒ نے وہاں کے دس اکابر فقہاء کو بلایا اور ان کے سامنے ایک پُراثر تقریر کی جس میں فرمایا کہ جب آپ کسی کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں یا آپ کو میرے کسی افسر کے ظلم کا حال معلوم ہو تو آپ کو خدا کی قسم مجھے ضرور اس کی خبر دیجیے' انسداد مظالم میں آپ میرا ہاتھ بٹائیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے گا اور آپ حامیِ حق قرار پائیں گے۔ میں اِن شاءَ اللہ آپ لوگوں کی رائے اور مشورہ کے بغیر کوئی کام سرانجام نہ دوں گا...... فقہا نے یہ تقریر سنی تو ان کو جزائے خیر کی دعا دیتے ہوئے رخصت ہوئے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ۸۷ھ سے ۹۳ھ تک نہایت عدل وانصاف سے مدینہ منورہ کی گورنری کی۔ اس دوران میں انہوں نے مسجدِ نبویؐ کو ازسرِنو تعمیر کرایا جن

Marfat.com

جن مسجدوں میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی' ان کو منقش پتھروں سے تعمیر کرایا اور رفاہِ عام کے متعدد دوسرے کام بھی انجام دیے۔

۹۳ھ میں حضرت عمرؓ مدینہ کی گورنری سے الگ ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق خلیفہ ولید نے انہیں حجاج بن یوسف کی شکایت پر معزول کر دیا۔ (طبری)

دوسرا بیان ہے کہ انہوں نے ولید کے حکم سے بنوامیّہ کے ایک مخالف خبیب بن عبداللہ بن زبیرؓ کو سزا دی جس کے صدمے سے وہ فوت ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کو اس پر اس قدر ندامت ہوئی کہ انہوں نے اپنے عہدے سے استعفا دے دیا۔

(سیرت عمر بن عبدالعزیز)

۹۶ ہجری میں ولید کی وفات کے بعد سلیمان بن عبدالملک تخت نشین ہوا تو اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اپنا مشیرِ خاص مقرر کیا اور تا دمِ مرگ ان کی غایت درجہ تعظیم و تکریم کرتا رہا۔ ۹۹ھ میں جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوا تو اُس دَور کے نامور تابعی حضرت رجاء بن حیوۃؒ سے اپنے جانشین کے بارے میں مشورہ کیا اور ان سے کہا کہ میں نے اپنے نابالغ فرزند ایوب کو ولی عہد نامزد کیا ہے۔ حضرت رجاء نے اس سے اختلاف کیا اور کہا...... "جانشین کسی صالح شخص کو بنانا چاہیے تاکہ قبر میں امن رہے......" سلیمان نے کہا' میں آپ کے مشورے پر غور کروں گا۔ دو دن غور کرنے کے بعد اس نے وصیّت نامہ چاک کر ڈالا اور حضرت رجاءؒ بن حیوۃ کو پھر بلا کر پوچھا' میرے لڑکے داؤد کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ انہوں نے فرمایا' وہ قسطنطنیہ کی مہم پر گئے ہوئے ہیں اور معلوم نہیں کہ زندہ ہیں یا شہید ہو گئے ہیں...... اس پر سلیمان نے پوچھا' عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں کیا رائے ہے؟ حضرت رجاءؒ نے جواب دیا:

"وہ نہایت متقی اور برگزیدہ مسلمان ہیں۔"

Marfat.com

سلیمان نے کہا ”خدا کی قسم وہ ایسے ہی ہیں۔“

یہ کہہ کر اس نے اپنے ہاتھ سے وصیّت نامہ لکھا جس میں اپنے بعد عمر بن عبدالعزیزؒ کو اور ان کے بعد اپنے بھائی یزید بن عبدالملک کو خلیفہ نامزد کیا۔ اس وصیّت نامہ کو ایک لفافہ میں بند کر کے سربمہر کیا اور حضرت رجاءؒ کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ جس شخص کو میں نے اپنا جانشین نامزد کیا ہے' میرے اہلِ خاندان سے اس سربمہر لفافہ پر اس کی بیعت لیں۔

حضرت رجاءؒ نے سلیمان کی خواہش کے مطابق کارروائی کی۔ اس کے بعد اُموی خاندان کے تمام لوگ سلیمان کی عیادت کے لیے قصرِ خلافت میں گئے تو سلیمان نے بھی ان سے اس شخص کی غائبانہ بیعت لی جسے اس نے خلیفہ نامزد کیا تھا۔

اس بیعت کے تین روز بعد سلیمان نے وفات پائی۔ حضرت رجاءؒ بڑے صاحبِ تدبیر بزرگ تھے۔ انہوں نے سلیمان کی موت کو پوشیدہ رکھا اور شاہی خاندان کے افراد کو جمع کر کے ایک بار پھر سلیمان کے وصیّت نامہ پر ان سے بیعت لی۔ جب سب نے فرداً فرداً بیعت کر لی تو حضرت رجاءؒ نے لفافہ چاک کیا اور سلیمان کی وصیّت پڑھ کر سنائی۔ ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ اس وقت ”اِنّا لِلّٰہ“ کی دو آوازیں بلند ہوئیں۔ ایک آواز عمر بن عبدالعزیزؒ کے منہ سے نکلی اور دوسری ہشام بن عبدالملک کے منہ سے۔

عمرؒ بارِ خلافت کی عظیم ذمہ داری سے لرز گئے تھے اور ہشام تختِ خلافت سے محروم ہو کر رنجیدہ ہو گیا تھا۔ پھر یکایک ہشام اٹھ کھڑا ہوا اور کہا:

”ہم عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہاتھ پر قیامت تک بیعت نہیں کر سکتے۔“

اس موقع پر حضرت رجاءؒ نے بے مثال جرأت اور بے خوفی کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے کڑک کر کہا ”خدا کی قسم ابھی اٹھ کر بیعت کرو ورنہ گردن اڑا دوں گا......“

Marfat.com

اس کے ساتھ ہی انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ہاتھ پکڑ کر منبر پر بٹھا دیا...... اب سب نے بلا چون و چرا ان کی بیعت کر لی۔

(۳)

خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے ہی حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کی زندگی میں یکسر انقلاب آ گیا۔ وہ عمر جو اس سے پہلے سب سے بڑھ کر خوش لباس، معطّر اور تبختر کی چال چلنے والے تھے اب فاروقِ ثانی بن گئے اور حضرت مصعبؓ بن عمیر، حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کے قالب میں ڈھل گئے۔ سلیمان کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر انہوں نے تمام شاہی سواریاں واپس کر دیں اور اپنے خچر پر سوار ہو کر گھر کی طرف چلے۔ افسر پولیس نیزہ لے کر آگے چلا تو اس کو ہٹا دیا اور فرمایا:

''میں بھی تمام مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں۔''

گھر پہنچے تو لونڈی نے ان کے چہرے کو متغیر دیکھ کر پوچھا' آپ پریشان اور ملول کیوں ہیں؟ فرمایا' آج دنیا میں کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جس کا مجھ پر حق نہ ہو اور بغیر مطالبہ کے اس کا حق پورا کرنا مجھ پر فرض نہ ہو۔ اس سے بڑھ کر پریشانی اور فکر کی کونسی بات ہو سکتی ہے...... اس کے بعد وہ مسجد میں آئے اور لوگوں کو جمع کر کے فرمایا:

''لوگو مجھ پر خلافت کا بار میری مرضی کے بغیر ڈال دیا گیا ہے اور عام مسلمانوں سے بھی مشورہ نہیں لیا گیا۔ میری بیعت کا جو قلادہ تمہاری گردن میں ہے اس کو میں خود نکال لیتا ہوں' تم جسے چاہو اپنا خلیفہ مقرر کر لو۔''

یہ تقریر سن کر تمام لوگوں نے بآوازِ بلند کہا کہ ہم نے آپ کو امیر المؤمنین منتخب کیا اور آپ کی خلافت پر راضی ہوئے۔

جب لوگ خاموش ہوئے اور کوئی آواز ان کی مخالفت میں نہ اٹھی تو انہوں نے

Marfat.com

حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

"لوگو! قرآنِ حکیم کے بعد کوئی ایسی کتاب نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ میں کسی چیز کو شروع کرنے والا نہیں ہوں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والا ہوں جو چیز اللہ نے حلال کر دی وہ قیامت تک حلال رہے گی اور جو حرام کر دی وہ ہمیشہ حرام رہے گی۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ خدا کی نافرمانی میں لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے۔ ہاں جو شخص خدا کی اطاعت کرے اس کی اطاعت واجب ہے۔ میں کسی صورت میں تم سے بہتر نہیں ہوں لیکن خدا نے مجھ پر تم سے زیادہ ذمہ داری ڈال دی ہے۔" (طبقات ابنِ سعد)

اس مرحلے سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اُمورِ خلافت کی طرف توجہ کی۔ ان کے مسند نشینِ خلافت ہونے تک تاریخ اسلام پر پوری ایک صدی گزر چکی تھی اور اس طویل مدت میں اسلام کا نظامِ سیاست، نظام معاشرت اور نظامِ اخلاق سخت زنگ آلود ہو گیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے مہتم بالشان تجدیدی اور اصلاحی کارناموں سے خلافتِ راشدہ کے نظم و نسق کو دوبارہ قائم کیا اور دنیا میں ایک بار پھر خلفائے راشدین کا عہدِ باسعادت لوٹ کر آ گیا۔ علامہ ابنِ خلدونؒ لکھتے ہیں "حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مروانی سلسلہ کی درمیانی کڑی تھے۔ انہوں نے اپنی تمام مساعی خلفائے راشدینؓ اور صحابہؓ کے دَور کے احیاء کے لیے وقف کر دیں۔"

اپنے مقصد کے حصول کے لیے حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے ہر قسم کے خطرات سے بے پروا ہو کر جو اقدامات کیے وہ صحیح معنوں میں اسلامی انقلاب کے آئینہ دار تھے۔ اسی بنا پر اربابِ سیَر نے انہیں اپنے عہد کا مجدّد قرار دیا ہے۔

(۴)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سب سے پہلے وہ تمام اموال اور جاگیریں ان

Marfat.com

کے اصل مالکوں اور حقداروں کو واپس کرنے کا ارادہ کیا جن پر آلِ مروان نے ناجائز طور پر قبضہ کر رکھا تھا۔ یہ کام اتنا دشوار اور خطرناک تھا کہ سارے خاندان کے برہم ہونے کا قوی اندیشہ تھا لیکن اس پیکرِ عزم و استقلال نے اس کی مطلق پروانہ کی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس طرح آپ کی اولاد مفلس ہو جائے گی...... فرمایا ''میں ان کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ پھر لوگوں کو مسجد میں جمع کر کے تقریر کی:

''لوگو! خلفائے بنو امیہ نے ہم کو عطایا اور جاگیریں دیں۔ سب اصل حقداروں کو واپس کرتا ہوں اور اپنی ذات اور خاندان سے آغاز کرتا ہوں۔''

یہ کہہ کر اپنی اور اپنے خاندان کی جاگیروں وغیرہ کی تمام اسناد اور دستاویزات منگائیں اور اپنے مولیٰ مزاحم کو حکم دیا کہ سب لوگوں کو ان کی عبارت پڑھ پڑھ کر سناتے جاؤ۔ وہ سناتے جاتے تھے اور حضرت عمرؒ ان کو قینچی سے کاٹتے جاتے تھے۔ صبح سے ظہر تک یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ اپنی اور پورے خاندان کی جاگیریں واپس کرا دیں۔ ان کی اہلیہ فاطمہ کے پاس ایک قیمتی نگینہ تھا جو انہیں اپنے والد عبدالملک کی طرف سے ملا تھا۔ حضرت عمرؒ نے اہلیہ سے فرمایا کہ تم کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے، اس نگینہ کو بیت المال میں داخل کر دو یا مجھے چھوڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اطاعت شعار بیوی نے وہ بیش قیمت نگینہ بلا چون و چرا بیت المال میں جمع کرا دیا۔

سب سے اہم معاملہ فدک کا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خالصہ تھا اور جس کی آمدنی آپؐ اپنی اور بنو ہاشم کی مختلف ضروریات پر صرف فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے آپؐ سے اس کو مانگا تھا لیکن آپؐ نے انکار فرما دیا تھا۔ باغ فدک کے وہی مصارف خلفائے راشدینؓ نے بھی قائم رکھے لیکن بنو مروان نے دیگر جائدادوں پر قبضہ کے ساتھ اسے بھی اپنی ذاتی ملکیت بنا لیا تھا۔

Marfat.com

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو ان کی اور ان کے اہل و عیال کی معاش کا تمام تر مدار باغِ فدک کی آمدنی پر تھا جو دس ہزار دینار سالانہ تھی لیکن وہ مردِ باخدا برضا و رغبت اس سے دست بردار ہو گئے اور آلِ مروان کو جمع کر کے فرمایا:

''فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خالصہ تھا تمہارا اس کو اپنی جاگیر بنا لینا سراسر ظلم و ناانصافی تھا۔ جو چیز حضورؐ نے اپنی بیٹی فاطمہؓ کو نہیں دی' اس پر میرا کوئی حق نہیں ہے۔ اب میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ فدک کی جو حالت عہدِ رسالت میں تھی میں اس کو اسی طرف لوٹاتا ہوں۔'' (ابوداؤد' ابنِ جوزی' امام سیوطیؒ)

اپنی اور اپنے خاندان کی جاگیروں کی واپسی کے بعد عام غصب شدہ مالوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے پہلے جو مال اور جائدادیں ظالمانہ طریقوں سے غصب کی گئی تھیں وہ سب ایک ایک کر کے ان کے اصل مالکوں ک واپس کرا دیں۔

ابن جوزیؒ نے ''سیرت عمر بن عبدالعزیز'' میں لکھا ہے کہ جب حضرت عمر نے اموالِ مغصوبہ کی واپسی شروع کی تو ایک ضعیف العمر ذِمّی نے اٹھ کر کہا: ''اے امیر المؤمنین! شہزادہ عباس بن ولید نے میری زمین پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔'' عباس وہیں مجلس میں موجود تھا۔ حضرت عمرؒ نے اس سے جواب طلب کیا تو اس نے کہا: ''یہ زمین مجھے میرے والد (ولید بن عبدالملک) نے جاگیر میں دی تھی اور میرے پاس اس کی سَنَد موجود ہے۔'' یہ جواب سن کر حضرت عمر نے مُدّعی بوڑھے کی طرف دیکھا تو اس نے کہا ''امیر المؤمنین آپ کتاب اللہ کے مطابق جو فیصلہ کریں گے مجھے منظور ہے۔''

حضرت عمرؒ نے فرمایا ''اللہ کی کتاب ولید کی سَنَد پر مقدم ہے' عباس! تم اس کی زمین چھوڑ دو۔''

ابنِ سعد کا بیان ہے کہ حضرت عمرؒ نے شام کے علاوہ سارے ممالکِ محروسہ کے عُمّال کے پاس تاکیدی احکام بھیجے کہ غصب شدہ مال و املاک واپس کرائیں۔

Marfat.com

عراق میں اس کثرت سے مال واپس کیا گیا کہ وہاں کا خزانہ خالی ہو گیا اور صوبہ کی حکومت کے اخراجات کے لیے دارالخلافہ سے روپیہ بھیجنا پڑا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ان فقید المثال عادلانہ اقدامات سے بنوامیہ میں سخت برہمی پیدا ہوئی اور انہوں نے خاندان کے چند سرکردہ آدمی بارگاہِ خلافت میں بھیجے کہ وہ خلیفہ کو اپنے ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔ حضرت عمرؓ نے ان کی باتیں سن کر فرمایا: ''خدا کی قسم اگر تم میرے کام میں مزاحم ہوئے تو میں تمہیں ذلیل اور رسوا کر ڈالوں گا۔ میرے پاس سے چلے جاؤ۔''

ایک دفعہ آلِ مروان نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی پھوپھی فاطمہ بنتِ مروان کو ان کے پاس سفارشی بنا کر بھیجا۔ فاطمہ نے ان سے کہا' بیٹا تمہارے اہلِ خاندان شکایت کرتے ہیں کہ تم نے ان سے غیر کی دی ہوئی روٹی بھی چھین لی ہے چہ جائیکہ خود انہیں کچھ دیتے۔''

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''پھوپھی جان' میں نے ان کا کوئی حق نہیں روکا۔''

فاطمہ نے کہا: ''سب لوگ شکایت اور واویلا کر رہے ہیں' مجھے ڈر ہے کہیں وہ تمہارے خلاف شورش نہ برپا کر دیں۔''

حضرت عمرؓ نے فرمایا ''اگر میں یومِ قیامت کے سوا کسی اور دن سے ڈروں تو اللہ تعالیٰ مجھے اس کی برائیوں سے نہ بچائے۔''

اس کے بعد انہوں نے گوشت کا ایک ٹکڑا' ایک اشرفی اور ایک انگیٹھی منگوائی اور اشرفی کو آگ میں ڈال دیا۔ جب وہ خوب سرخ ہو گئی تو اس کو گوشت کے ٹکڑے پر رکھ دیا جس سے وہ بھن گیا۔ اب پھوپھی سے مخاطب ہو کر کہا' پھوپھی جان کیا آپ اپنے برادرزادے کے لیے اس قسم کے عذاب سے پناہ نہیں مانگتیں۔''

ایک مرتبہ آلِ مروان نے ہشام بن عبدالملک کو اپنا نمائندہ بنا کر حضرت

Marfat.com

عمر بن عبدالعزیزؒ سے گفتگو کے لیے بھیجا۔ ہشام نے جا کر حضرت عمر سے کہا ''اے امیر المؤمنین جن معاملات کا تعلق آپ کے زمانے سے ہے ان کے متعلق اپنے طریقہ پر عمل کیجیے لیکن جو کچھ گزشتہ خلفاء کر گئے ہیں اس میں کوئی تبدیلی نہ کیجیے اور بنوامیہ کے قدیم حقوق کو برقرار رہنے دیجیے۔''

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا ''اگر ایک ہی معاملہ میں تمہارے سامنے دو دستاویزیں پیش کی جائیں ایک امیر معاویہؓ کی اور دوسری عبدالملک کی تو تم ان میں سے کس پر عمل کرو گے؟'' ہشام نے کہا ''میں امیر معاویہؓ کی دستاویز کو مقدم سمجھ کر اس پر عمل کروں گا۔''

اس موقع پر سعید بن خالد بن عمر بن عثمانؓ بھی موجود تھا۔ اس نے کہا' امیر المؤمنین جو معاملہ آپ سے تعلق رکھتا ہے اس میں آپ حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کیجیے لیکن گزشتہ خلفاء کی برائی یا بھلائی کو اپنے حال پر رہنے دیجیے۔ اس کے لیے وہ خود ذمہ دار ہیں آپ سے ان کے متعلق سوال نہ ہوگا۔''

حضرت عمرؒ نے فرمایا ''میں تم سے خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ اگر ایک شخص چھوٹے بڑے بچے چھوڑ کر مر جائے اور بڑے بچے چھوٹے بچوں کا حق دبا لیں تو تم اس وقت کیا کرو گے جب چھوٹے بچے اپنے حق کے لیے تمہارے پاس فریاد کریں۔

سعید نے کہا ''میں ان کے تمام حقوق واپس دلاؤں گا۔''

حضرت عمرؒ نے فرمایا ''میں بھی تو یہی کام کر رہا ہوں۔ مجھ سے پہلے بعض خلفاء' ان کے اہلِ خاندان اور امراء و وزراء نے کمزور لوگوں کے حقوق دبا لیے تھے۔ ان مظلوموں نے مجھ سے دادرسی چاہی۔ ایسی صورت میں میرے لیے اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا کہ قوی سے ضعیف کا اور ظالم سے مظلوم کا حق واپس دلاؤں۔''

سعید اس تقریر سے بہت متاثر ہوا اور بول اٹھا ''خدا امیر المؤمنین کو توفیق دے۔''

Marfat.com

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اگرچہ سراپا حلم تھے لیکن حق نافذ کرنے کے معاملے میں اگر کوئی انہیں ناشائستگی سے ٹوکتا تو ان کا مثالی حلم غیظ وغضب کی صورت اختیار کر لیتا تھا۔

ایک دفعہ شہزادہ عمر بن ولید بن عبدالملک نے ان کو ایک نہایت سخت خط لکھا جس میں ان پر یہ الزام عائد کیا کہ انہوں نے اپنے خاندان (آلِ مروان) کو ظلم و جور کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔ حضرت عمر نے بھی اس خط کا بہت سخت جواب دیا جس کے آخر میں لکھا:

''اگر مجھے فرصت ہوتی تو میں تجھ کو اور تیرے خاندان کو روشن راستے پر لاتا۔ ہم نے مدتوں سے حق کو چھوڑ دیا۔ اگر تم فروخت کیے جاؤ اور تمہاری قیمت یتیموں' مسکینوں اور بیواؤں پر تقسیم کی جائے تو کافی نہ ہوگی کیونکہ تم میں سب کا حق ہے۔

(سیرت عمرؒ بن عبدالعزیز)

(۵)

اِقامتِ عدل کسی بھی اچھی حکومت (بالخصوص اسلامی حکومت) کا بنیادی فریضہ ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہ فریضہ اس شان سے انجام دیا کہ ان کی حکومت ''شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں'' کا مصداق بن گئی۔ انہوں نے تمام مغصوبہ اموال اور جائدادیں ان کے اصل حقداروں کو واپس کرا دیں۔ شاہی خاندان کے ارکان کے غرور اور نخوت کو توڑ ڈالا اور انہیں عام رعایا کی سطح پر لے آئے۔ تمام حکام اور عمال کو ان کے فرائض کی تشریح کے سلسلے میں احکام جاری کیے جن میں انہیں ہدایت کی کہ ہر کام میں خدا اور خدا کے رسولؐ کی خوشنودی مدنظر رکھو۔ ظالم اور سفاک حکام کو موقوف کر دیا۔ وہ تمام انعامات جو خلیفہ کے اقربا اور منظورِ نظر لوگوں کو دیے جاتے تھے موقوف کر دیے۔ کسی سے بغیر اجرت و مزد بیگار لینا حکماً بند کر دیا۔

Marfat.com

ظن وتخمین کی بنا پر سزا دینے اور عورتوں کو مردوں کے بدلے میں گرفتار کرنے کی سختی سے ممانعت کر دی۔ نومسلموں سے جزیہ لینا بند کر دیا۔ عدالت میں کسی سے امتیازی سلوک کرنے کی ممانعت کر دی۔ عدل و انصاف کے معاملے میں تمام لوگوں کو بلا تفریق مذہب وملت برابر قرار دیا۔ ابنِ جوزیؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ شہزادہ مَسلَمہ بن عبدالملک جو خاندان بنوامیہ کا دست و بازو تھا اور حضرت عمر کا سالا تھا' اس نے ایک گرجا کے منتظمین کے خلاف دعویٰ دائر کیا۔ عیسائی فریقِ مقدمہ عدالت کے اجلاس میں کھڑے ہو کر اپنا بیان دے رہے تھے لیکن مَسلَمہ خاندانی زعم کی بنا پر بیٹھا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا:

''تمہارا فریقِ مخالف کھڑے ہو کر گفتگو کر رہا ہے اس لیے تمہیں بیٹھنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ تم بھی کھڑے ہو جاؤ۔''

پھر فریقین کے بیانات سن کر فیصلہ مَسلَمہ کےخلاف کیا اور زمین گرجا کے منتظمین کو دلا دی۔

ایک مرتبہ شہزادہ ہشام بن عبدالملک اور ایک عیسائی کے درمیان کسی بات پر تنازع ہو گیا۔ دونوں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سامنے پیش ہوئے تو انہوں نے دونوں کو برابر کھڑا کیا۔ ہشام نے شاہی خاندان کا فرد ہونے کے زعم میں عیسائی سے سخت کلامی کی۔ حضرت عمر نے اس کو سخت ڈانٹ پلائی اور سزا دینے کی دھمکی دی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے غیر مسلم رعایا (ذمیوں) کے حقوق کی جس حُسن و خوبی سے حفاظت کی اس کی مثال خلفائے راشدینؓ کے دَور کے سوا اور کسی دَور میں نہیں ملتی۔ ذمیوں کی جان و مال کی اسی طرح حفاظت کی جس طرح مسلمانوں کی۔ ان میں سرِ مُو فرق نہیں کیا۔ ان کے مذہب میں کسی قسم کی دست اندازی نہیں کی اور ان کی مذہبی عمارات کی پوری پوری حفاظت کی۔ ان سے جزیہ کی وصولی میں نرمی اور

Marfat.com

سہولت پیدا کی اور انہیں ہر قسم کی رعایتیں دیں۔ ذمّیوں کے حقوق کا وہ جس طرح خیال رکھتے تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی مسلمان نے حیرہ کے کسی ذمی کو قتل کر ڈالا۔ حضرت عمرؓ نے وہاں کے گورنر کو لکھا کہ قاتل کو مقتول کے وارث کے حوالے کر دو۔ چاہے وہ قتل کرے چاہے خون بہا لے لے یا معاف کر دے۔ چنانچہ گورنر نے قاتل کو مقتول کے وارث کے حوالے کر دیا۔ اس نے اس کو قتل کر دیا۔

ایک مرتبہ ربیعہ شوذی نے ایک ذمّی کا گھوڑا بیگار میں پکڑ لیا اور اس پر سواری کی۔ حضرت عمر کو معلوم ہوا تو انہوں نے ربیعہ کو چالیس کوڑے لگوائے۔

ایک دفعہ دمشق کے عیسائیوں نے حضرت عمر کے پاس ایک گرجے کا دعویٰ کیا جو خاندان بنونصر کی جاگیر میں آ گیا تھا۔ حضرت عمر نے یہ گرجا عیسائیوں کو واپس دلا دیا۔ عدل کے معاملہ میں انہوں نے اپنی حیثیتِ حاکمہ کی نفی کر دی تھی اور خود کو دوسرے (عام) لوگوں کے برابر سمجھتے تھے۔ ایک بار ان کے ایک عامل عبدالحمید بن عبدالرحمٰن نے ان کو لکھا کہ ایک شخص کو میرے سامنے اس جرم میں پیش کیا گیا ہے کہ وہ آپ کو گالیاں دیتا ہے۔ میں نے اس کو قتل کرنا چاہا تھا لیکن پھر اس خیال سے قید کر دیا کہ آپ سے استصواب کر لوں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جواب میں لکھا کہ اگر تم اس کو قتل کر دیتے تو میں تم سے قصاص لیتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو گالی دینے پر سزائے موت نہیں دی جا سکتی اگر تمہارا جی چاہے تو اس کو گالی دے لو ورنہ رہا کر دو۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے ایسی حرکت کی کہ ان کو غصہ آ گیا اور حکم دیا کہ اس کو برہنہ کر کے کوڑے لگائے جائیں لیکن جب کوڑے لگانے کا وقت آیا تو فرمایا' اس کو چھوڑ دو اگر میں غصہ میں نہ ہوتا تو اس کو سزا دیتا' پھر یہ آیت پڑھی۔

Marfat.com

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط

غرض حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عدل وانصاف کی حکمرانی اس طرح قائم کی کہ لوگوں میں ان کے دورِ حکومت کے بارے میں حیرت انگیز روایتیں مشہور ہو گئیں۔ مثلاً ابنِ جوزی اور امام سیوطیؒ نے موسیٰ بن اعین کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ ہم کرمان میں بکریاں چرایا کرتے تھے۔ بھیڑیے ہماری بکریوں کے ساتھ چلتے پھرتے رہتے تھے اور بکریوں کو نقصان نہیں پہنچاتے تھے۔ ایک روز ایسا ہوا کہ ایک بھیڑیے نے ایک بکری پر حملہ کیا۔ میں نے اسی روز کہہ دیا کہ آج خلیفۂ صالح ضرور اس دنیا سے کوچ کر گیا۔ چنانچہ جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ واقعی اسی روز حضرت عمر بن عبدالعزیز نے وفات پائی تھی۔

(سیرت عمر بن عبدالعزیز لابن جوزی' تاریخ الخلفاء للسیوطی)

امام سیوطیؒ نے "تاریخ الخلفاء" میں حضرت مالک بن دینارؒ سے روایت کی ہے کہ جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو چرواہے کہتے تھے کہ یہ کون صالح شخص خلیفہ ہوا ہے جس کے عدل کی بنا پر بھیڑیے ہماری بکریوں کو کچھ نقصان نہیں پہنچاتے۔

(۶)

اقامت عدل کے ساتھ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے شریعت کے احیاء بدعات کے استیصال اور فواحش و منکرات کے انسداد پر بھی خاص توجہ دی۔ وہ اپنے اعمال کو احیائے شریعت اور استیصال بدعت کی سختی سے تاکید کرتے رہتے تھے۔ جزیرہ کے عامل عدی بن ارطاۃ کو ایک فرمان بھیجا جس میں لکھا:

"ایمان چند عقاید' چند احکام اور چند سنن کا نام ہے جس نے ان اجزاء کی تکمیل کر لی اس نے ایمان کو مکمل کر لیا اور جس نے ان کو مکمل نہیں کیا اس نے ایمان کو مکمل نہیں کیا' میں اگر زندہ رہا تو ان تمام اجزاء کو تمہارے سامنے واضح کر دوں گا تاکہ تم

Marfat.com

لوگ ان پر عمل کرو اور اگر مر گیا تو مجھے تمہارے ساتھ رہنے کی حرص بھی نہیں ہے۔"

چنانچہ عقاید و عبادات و اخلاق وغیرہ میں جو رخنے پیدا ہو رہے تھے انہیں پوری شدت کے ساتھ روکا۔ عقاید میں معبد جہنی اور اس کے بعد غیلان دمشقی نے قضا و قدر کا پیچیدہ مسئلہ چھیڑ کر لوگوں کے ذہن پراگندہ کر دیے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس سے توبہ کرائی اور محدّثین و فقہاء کو لکھا کہ وہ اس کے خیالات کو قبول نہ کریں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کو معلوم ہوا کہ لوگ نماز کے وقت کی پابندی نہیں کرتے تو انہوں نے تمام عُمّال کے نام ایک فرمان بھیجا جس میں لکھا:

"نماز کے وقت تمام کام چھوڑ دو کیونکہ جس شخص نے نماز کو ضائع کیا وہ دوسرے فرائض کو سب سے زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔"

(سیرت عمر بن عبدالعزیز)

ان ہدایات کے علاوہ انہوں نے ملک میں ہر جگہ عملی طور پر نماز کا اہتمام کیا اور مؤذّنین کی تنخواہیں مقرر کیں۔ (طبقات ابنِ سعد)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ لوگوں کو دینی امور میں مُوشگافیاں کرنے سے روکتے تھے اور فرماتے تھے کہ مکتب کے بچوں اور صحرا کے بدّوؤں کا دین اختیار کرو اور اس کے سوا ہر چیز کو بھول جاؤ۔

دقیق مسائل میں الجھنا اور ایک دوسرے سے تکرار کرنا ان کو سخت ناپسند تھا؛ فرماتے تھے کہ جب کسی قوم کو دیکھو کہ وہ عامۃ النّاس کے سامنے اس قسم کے مسائل پر گفتگو کرتی ہے تو سمجھو کہ گمراہی کی بنیاد ڈالتی ہے۔

حضرت عمرؓ کی ان مساعی کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ احکام شریعت کی سختی سے پابندی کرنے لگے اور اخلاقی مسائل مین ایک دوسرے سے الجھنے کے بجائے دینی امور کی تفصیلات کے بارے مین پیار اور محبت سے گفتگو کرنے لگے۔

Marfat.com

حضرت عمرؒ لوگوں کو نہایت شدت کے ساتھ صدقات اور زکوۃ ادا کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ حجاج بن یوسف کے زمانے میں نظام زکوۃ میں کئی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ انہوں نے پوری قوت سے ان کی اصلاح کی اور اپنے عُمّال کو لکھا کہ زکوۃ صرف انہی لوگوں سے وصول کریں جن پر واجب ہے' اس کی وصولی کے لیے ناجائز ذرائع اختیار نہ کریں اور اس کو بے محل ہرگز صَرف نہ کریں۔ انہوں نے تمام خلافِ شرع ٹیکس منسوخ کر دیے اور تمام خلافِ شرع سزائیں بند کر دیں۔ بعض عُمّال مجرموں کو دو دو تین تین سو کوڑے لگواتے تھے۔ انہوں نے اس کی ممانعت کر دی اور فرمایا کہ ''مسلمانوں کی پیٹھ بجز حقِ شرعی کے ہر حالت میں محفوظ ہے۔'' حُکّام کو فرمان جاری کیا کہ کسی مسلمان قیدی کو اس طرح بیڑیاں نہ پہنائی جائیں کہ وہ نماز ادا نہ کر سکے' رات کو بیڑیاں اتار دی جائیں۔ قیدیوں سے بدسلوکی نہ کی جائے اور ان کو اچھی خوراک دی جائے۔

شراب نوشی کے انسداد کے لیے حکم دیا کہ کوئی غیر مسلم باہر سے شراب نہ لائے' شراب کی تمام دکانیں بند کر دی جائیں' نبیذ کے بہانے جو لوگ شراب پیتے تھے اس کو بھی بند کر دیا۔

ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو معلوم ہوا کہ بہت سے مسلمان لہو و لعب میں مشغول ہو گئے ہیں اور عورتیں جنازوں کے ساتھ بال بکھیرے نوحہ کرتی ہوئی نکلتی ہیں۔ انہوں نے تمام عُمّال کو ایک گشتی مراسلہ جاری کیا جس میں لکھا:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ سفہا کی عورتیں زمانہ جاہلیت کی طرح جنازوں کے پیچھے بال کھولے نوحہ کرتی ہوئی نکلتی ہیں حالانکہ جب سے عورتوں کو آنچل ڈالنے کا حکم دیا گیا' ان کو دوپٹہ اتارنے کی اجازت نہیں دی گئی پس اس قسم کے نوحہ و ماتم کو مناسب طریقے سے روکو' اہلِ عجم چند چیزوں سے جنہیں شیطان نے ان کی نگاہ میں محبوب کر

Marfat.com

دیا تھا' دل بہلاتے تھے' مسلمانوں کو اس لہو ولعب اور راگ باجے وغیرہ سے روکو اور جو نہ مانے اس کو اعتدال کے ساتھ سزا دو۔''

اہلِ عجم کے اثر سے مسلمانوں میں رواج ہو گیا تھا کہ عورتیں اور مرد حماموں میں بے باکانہ غسل کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عورتوں کو حمام میں جانے سے بالکل روک دیا اور مردوں کو حکم دیا کہ وہ تہبند کے بغیر حمام میں غسل نہ کریں۔

حماموں کی دیواروں پر خلاف شریعت تصویریں بنائی جاتی تھیں انہوں نے ایسی تصویریں بنانے کی ممانعت کر دی۔ ایک مرتبہ ایک حمام میں ایسی تصویر اپنے ہاتھ سے مٹا دی اور فرمایا اگر اس تصویر کے بنانے والے کا پتا چل جاتا تو میں اس کو سزا دیتا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے پہلے کے اُموی خلفاء نے جمعہ کے خطبہ میں حضرت علی کَرَّمَ اللہ وَجْہَہٗ کے لیے اہانت آمیز الفاظ شامل کر دیے تھے۔ حضرت عمر نے ان الفاظ کو نکال دیا اور ان کی جگہ کلام اللہ کی یہ آیت داخل کی جو آج تک خطبوں میں برابر پڑھی جا رہی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ

(اللہ تعالیٰ عدل اور احسان اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور فحش' برائی اور ظلم سے منع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ نصیحت اس لیے کرتا ہے کہ تم لوگ سمجھو۔)

(۷)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مَسندِ نشینِ خلافت ہونے کے بعد محسوس کیا کہ بیت المال کے مداخل اور مخارج میں شدید بدعنوانیاں پائی جاتی ہیں' جائز اور ناجائز ہر قسم کی آمدنی بیت المال میں جمع کر لی جاتی تھی پھر اسی بے عنوانی سے اسے صَرف

Marfat.com

کیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے دونوں قسم کی بدعنوانیوں کا تدارک کیا۔ انہوں نے شاہی خاندان کے تمام مخصوص وظائف بند کردیے۔ اپنا تمام ذاتی سامان امارت، لونڈی غلام، فرش فروش، لباس وعطریات وغیرہ فروخت کر کے ان کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی۔ شاہی اصطبل کے داروغہ نے خلیفہ کے لیے مخصوص سواریوں کے اخراجات مانگے تو حکم دیا کہ تمام سواریوں کو بیچ کر ان کی قیمت بیت المال میں داخل کردو، میرے لیے میرا خچر کافی ہے۔ مدحیہ قصائد کے سلسلے میں شعراء کو بیت المال سے جو انعامات ملتے تھے، انہیں موقوف کر دیا۔ خلیفہ کے شکوہ و تجمّل اور کرّوفر کے تمام مصارف بالکل اڑا دیے۔ ایک بار انہیں خبر ملی کہ عدی بن ارطاۃ شراب کا عُشر لے کر بیت المال میں داخل کرتے ہیں، ان کو لکھا کہ ایسی آمدنی حرام ہے، بیت المال میں صرف حلال مال داخل کرو۔

بیت المال کی آمدنی بڑھانے کے لیے حجاج بن یوسف نَومسلموں سے بھی جزیہ لیتا تھا۔ حضرت عمر نے حکم جاری کیا کہ جو لوگ مسلمان ہو جائیں ان کا جزیہ فی الفور ساقط کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ جزیہ تواز و میں رکھا جا چکا ہو اور اس حالت میں بھی کوئی ذِمّی اسلام قبول کر لے یا آغازِ سال سے ایک دن قبل (جبکہ پورے سال کا جزیہ عائد ہو جاتا ہے) اسلام لے آئے تو بھی جزیہ نہ لیا جائے۔ اس حکم پر اس قدر لوگ مسلمان ہوئے کہ جزیہ کی آمدنی گھٹ گئی۔ مصر کے عامل حیان بن شریح نے شکایت لکھ بھیجی کہ ذِمّیوں کے اسلام نے جزیہ کو اتنا نقصان پہنچایا کہ مجھے تیس ہزار اشرفیاں قرض لے کر مسلمانوں کے وظیفے دینے پڑے۔ حضرت عمرؒ نے ان کو نہایت سخت خط لکھا کہ اس کی کچھ پروا نہیں نَومسلموں سے جزیہ کی وصولی بہر صورت موقوف کردو۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہادی بنا کر بھیجا تھا نہ کہ مُحصّلِ خراج (تاریخ مقریزی)

Marfat.com

ایک مرتبہ انہیں اطلاع ملی کہ جراح بن عبداللہ حاکم خراسان نومسلموں سے یہ کہہ کر جزیہ لیتا ہے کہ یہ لوگ جزیہ کی ادائیگی سے بچنے کے لیے اسلام لائے ہیں صدقِ دل سے نہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسے لکھا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینِ مبین کا داعی بنا کر بھیجا گیا تھا ٹیکس وصول کرنے والا بنا کر نہیں' جو شخص نماز ادا کرے تمہیں اس سے جزیہ وصول کرنے کا کوئی حق نہیں۔''

جراح نے اس حکم پر عمل شروع کیا تو لوگ گروہ در گروہ مسلمان ہونے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر جراح کے بعض مشیروں نے اس کو بہکایا کہ ان نومسلموں کا ختنہ کرا کر ان کے اخلاص کا امتحان کرنا چاہیے۔

جراح نے حضرت عمرؓ سے اس کی اجازت چاہی تو انہوں نے جواب میں لکھا:

''اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو داعیِ اسلام بنا کر بھیجا تھا ختنہ کرنے والا بنا کر نہیں۔'' آخر کار انہوں نے جراح کو اس کے عہدہ سے معزول کر دیا۔

(البدایہ والنہایہ' حافظ ابنِ کثیرؒ)

خراج کی اصلاح کے متعلق انہوں نے عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کو یہ فرمان لکھا:

''زمین کا معائنہ کرو' بنجر زمین کا بار آباد زمین پر اور آباد زمین کا بنجر زمین پر نہ ڈالو۔ اگر بنجر زمینوں میں کچھ صلاحیت ہو تو اس صلاحیت کے مطابق خراج لو۔ کوشش کرو کہ وہ آباد ہو جائیں۔ جن آباد زمینوں میں پیداوار نہیں ہوتی' ان کا خراج نہ لو' جو زمینیں خشک سالی کا شکار ہو جائیں' ان کے مالکوں سے نرمی سے خراج وصول کرو' خراج میں صرف وزن سبعہ لو ٹکسال اور چاندی پگھلانے والوں سے' نوروز اور مہرجان کے ہدیے' عرائض نویسی' شادی اور گھروں کا ٹیکس نہ لو' جو ذمّی مسلمان ہو جائے اس پر خراج نہیں ہے۔'' (کتاب الخراج' امام ابو یوسفؒ)

Marfat.com

غرض انہوں نے بیت المال میں ہر قسم کے ناجائز مداخل بند کر دیے۔ ساتھ ہی بیت المال کی حفاظت کا نہایت کڑا انتظام کیا۔ ذرا سی بے احتیاطی پر سخت باز پُرس کرتے تھے۔ ایک مرتبہ یمن کے بیت المال سے ایک اشرفی گم ہوگئی۔ حضرت عمر نے وہاں کے افسر خزانہ کو لکھا کہ میں تمہاری امانت داری میں شک نہیں کرتا لیکن تمہیں لاپروائی کا مجرم قرار دیتا ہوں اور مسلمانوں کی طرف سے ان کے مال کا مدعی ہوں، تم پر فرض ہے کہ اپنی صفائی میں شرعی قسم کھاؤ۔

یزید بن مہلب بن ابی صفرہ والیِ خراسان کو خیانت کے جرم میں معزول کر کے قید کر دیا۔ تمام عُمّال کو ہدایات جاری کیں کہ اپنی ضروریات میں کفایت شعاری سے کام لیں یہاں تک کہ بڑے کاغذ پر جلی قلم سے بھی نہ لکھیں۔ بیت المال کی آمدنیوں اور مصارف کی علیٰحدہ علیٰحدہ مدّیں قائم کیں، زکوٰۃ، صدقہ، غنیمت، چنگی اور دوسرے محاصل کا الگ الگ حساب رکھے جانے کا قاعدہ مقرر کیا۔

غرض حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے اپنے اصلاحی اقدامات سے بیت المال کو پھر تمام مسلمانوں کی مشترکہ امانت بنا دیا اور اس کا کل روپیہ ان کی ضروریات کے لیے وقف کر دیا۔ تمام اہلِ سِیَر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام ناجائز آمدنیوں کے سدِّباب کے باوجود حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کے عہدِ بابرکت میں رعایا اس قدر خوشحال ہوگئی کہ خلفائے راشدینؓ کے دور کے سوا پوری تاریخِ اسلام میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

ابنِ جوزی کا بیان ہے کہ "عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں رعایا بڑی خوشحال ہو گئی۔ ملک کے طول و عرض میں افلاس و غربت کا نام و نشان مِٹ گیا، یہاں تک کہ صدقہ لینے والے نہ ملتے تھے۔" (سیرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ)

غرباء و مساکین کی اعانت کے لیے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مختلف طریقے

Marfat.com

اختیار کیے جن میں کچھ یہ ہیں:

۱:- بیت المال میں ایک خاص صیغہ قائم کیا جس سے ان قرضداروں کا قرض ادا کیا جاتا تھا جو ناداری کی وجہ سے ادا نہ کر سکتے تھے۔

۲:- ایک عام لنگر خانہ قائم کیا جس سے فقراء و مساکین کو کھانا ملتا تھا۔

۳:- شیر خوار بچوں کے وظیفے مقرر کیے۔

۴:- حاجت مند لوگوں کے لیے مساویانہ طور پر غلّہ مقرر کیا جو فی کس ساڑھے چار اروب بنتا تھا۔

۵:- غرباء کے پاس جو کھوٹے سکّے ہوتے تھے انہیں کھرے سکّوں سے بدلنے کے احکام جاری کیے۔

۶:- قیدیوں کا وظیفہ مقرر کیا۔

۷:- جن لوگوں کے وظائف کسی جرم یا کسی اور سبب سے روک دیے گئے ان کو تمام بقایا وظیفے دے دیے۔

۸:- شاہی فوج کے گزرنے سے کسی شخص کی کھیتی کو نقصان پہنچا تو اس کو تاوان دلایا۔

۹:- اپاہجوں کے وظائف مقرر کیے۔

اس فیّاضانہ طرزِ عمل سے بیت المال پر بہت بوجھ پڑا اور بعض عمّال نے ان کو اس طرف توجّہ دلائی' انہوں نے جواب میں لکھا کہ جب تک خزانے میں روپیہ ہے دیے چلے جاؤ جب خالی ہو جائے تو اس میں کوڑا کرکٹ بھر دو۔

یحییٰ بن سعید کا بیان ہے کہ مجھے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے صدقہ کی وصولی اور تقسیم کے لیے افریقہ بھیجا۔ میں نے صدقہ وصول کر کے فقراء کو بلایا کہ ان پر تقسیم کر دوں لیکن کوئی شخص صدقہ لینے کے لیے نہ آیا کیونکہ عمرؒ بن عبدالعزیز نے لوگوں کو غنی کر دیا تھا اس لیے میں نے صدقہ کی رقم سے غلام خرید کر آزاد کر دیے۔

Marfat.com

ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک شخص کو تقسیم مال کے لیے رقہ جانے کا حکم دیا۔ اس نے کہا، امیر المومنین رقہ میں میری کسی سے واقفیت نہیں ہے اس لیے میں امیر اور غریب میں تمیز نہ کر سکوں گا۔ فرمایا جو شخص تمہارے سامنے ہاتھ پھیلائے اس کو دے دو۔ (زرقانی شرح موطا)

محمد بن قیس سے روایت ہے کہ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے حکم دیا کہ مستحقین پر صدقہ تقسیم کیا جائے لیکن میں نے دوسرے سال دیکھا کہ جو لوگ صدقہ لیتے تھے وہ صدقہ دینے کے قابل ہو گئے۔ (طبقات ابنِ سعد)

ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد میں لوگ اس قدر آسودہ حال ہو گئے کہ ان کے عُمّال کو لوگوں کے کبر و نخوت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ عدی بن ارطاۃ نے ایک خط لکھ کر اپنا یہ اندیشہ ظاہر کیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کو جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جب اہلِ جنّت کو جنّت میں داخل کیا تو ان کے لیے یہ پسند کیا کہ وہ الحمد للہ کہیں، تم بھی لوگوں کو تلقین کرو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔

(۸)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مجسّم خَیر تھے۔ انہوں نے جس قدر اصلاحیں کیں ان میں بندگانِ خدا کی خَیر کا پہلو کسی نہ کسی صورت میں موجود تھا۔ ان کے علاوہ اصطلاحی معنوں میں بھی انہوں نے رفاہِ عام کے بہت سے کام کیے۔ مسافروں کے آرام کا اس قدر خیال تھا کہ تمام ممالکِ محروسہ میں جگہ جگہ سرائیں بنوائیں۔ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ انہوں نے خراسان کے گورنر کو فرمان بھیجا کہ وہاں کے تمام راستوں میں بہت سی سرائیں تعمیر کرائی جائیں۔

ابنِ جریر طبریؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر نے سمرقند کے گورنر سلیمان بن ابی السری

Marfat.com

کو حکم بھیجا کہ اس علاقہ کے تمام شہروں میں سرائیں تعمیر کراؤ' جو مسلمان ادھر سے گزریں ان کی ایک دن اور ایک رات مہمان نوازی کرو' ان کی سواریوں کی حفاظت کرو جو بیمار ہو اس کو دو دن اور دو رات مہمان رکھو۔ اگر کسی کے پاس گھر تک پہنچنے کے لیے زادِراہ نہ ہو تو وطن تک پہنچنے کے لیے زادِراہ مہیا کرو۔

طبقات ابنِ سعد میں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے نقیع کی چراگاہ کے سوا ملک کی تمام چراگاہوں کو عام کر دیا اور حکم دیا کہ ان سے کسی کو روکا نہ جائے۔ حضرت عمرؒ بڑی بڑی عمارتیں بنوانا پسند نہیں کرتے تھے تاہم انہوں نے بعض شہروں میں مسجدیں تعمیر کرائیں' مدینہ منورہ میں حدودِ حرم کی تجدید کرائی۔ ۱۰۰ھ میں رومیوں نے لاذقیہ کے ساحلی شہر کو برباد کر دیا تو انہوں نے اس کی از سرِ نو تعمیر اور قلعہ بندی کرائی۔

(فتوح البلدان' بلاذری)

۱۰۱ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے ایک عامل بشر بن صفوان کے ذریعے ملک میں مردم شماری کرائی۔ اندلس (سپین) میں ان کے حکم سے اسح بن مالک خولانی والیِ اندلس نے مردم شماری کا کام انجام دیا۔

(۹)

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حدودِ سلطنت میں توسیع کے بجائے اسلام کی توسیع و اشاعت کو اپنا مقصد قرار دیا اور اس کے لیے اخلاقی یا مادّی جو ذریعہ بھی ممکن تھا' اختیار کیا۔ علامہ بلاذریؒ نے ''فتوح البلدان'' میں لکھا ہے کہ

''انہوں نے اسماعیل بن عبداللہ بن ابی المہاجر کو مغرب کا گورنر مقرر کیا۔ اسماعیل نے بربروں کو نہایت احسن طریقے سے اسلام کی دعوت دی۔ اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خود ان کے نام دعوتِ اسلام کا خط لکھا۔ اسماعیل نے یہ دعوت نامہ انہیں پڑھ کر سنایا تو سب

Marfat.com

حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔"

انہوں نے ماوراءالنہر کے بادشاہوں کو بھی دعوتِ اسلام دی' ان میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا۔

سندھ کے حکمرانوں اور رئیسوں کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے تو ان میں سے اکثر اسلام لے آئے۔ راجہ داہر کا لڑکا جے سنگھ بھی انہی لوگوں میں تھا۔ ان سب کی زمینیں اور جائدادیں انہی کے قبضے میں رہنے دی گئیں اور انہیں مسلمانوں کے مساوی حقوق دیے گئے۔

جراح بن عبداللہ الحکمی والیِ خراسان کے ہاتھ پر چار ہزار ذِمّی مسلمان ہوئے۔ بعض عُمّال نے انہیں لکھا کہ لوگ اس کثرت سے اسلام قبول کر رہے ہیں کہ جزیہ کی آمدنی میں کمی واقع ہونے کا اندیشہ ہے۔ حضرت عمر نے جواب میں لکھا کہ میں چاہتا ہوں' سب ذِمّی مسلمان ہو جائیں اور ہماری اور تمہاری حیثیت محض کاشتکار کی رہ جائے کہ اپنے ہاتھ کی کمائی کھائیں۔

اسلام کی توسیع کی خاطر انہوں نے حکم دیا کہ جو ذِمّی اسلام قبول کر لے اس کا جزیہ فوراً ساقط کر دیا جائے اور جو حقوق مسلمانوں کے ہیں وہی اس کو دیے جائیں۔ ان کے اس حکم سے شاندار نتائج برآمد ہوئے اور بے شمار ذِمّیوں نے برضا و رغبت اسلام قبول کر لیا۔

ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے ایک پادری کو تالیفِ قلب کے لیے ایک ہزار اشرفیاں دیں' وہ ان کے حُسنِ خُلق سے اتنا متاثر ہوا کہ فوراً اسلام قبول کر لیا۔

ان کے عہد میں جو فوجیں رومیوں کے ساتھ جنگ میں مصروف تھیں' ان کے افسروں کو حکم بھیجا کہ وہ رومیوں کی کسی جماعت سے اس وقت تک نہ لڑیں جب تک

Marfat.com

ان کو اسلام کی دعوت نہ دے لیں۔

مؤرخ یعقوبی کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں سلیط بن عبداللہ کی قیادت میں مبلغین کا ایک وفد تبت بھی بھیجا گیا تھا۔ بعض روایتوں میں تبت کے بجائے چین آیا ہے لیکن تبت چین ہی کا حصہ تھا اس لیے ان روایتوں میں کوئی تضاد نہیں۔

غرض اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے اعتبار سے بھی حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کا دور مثالی حیثیت رکھتا تھا۔

(۱۰)

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے جس انہماک سے حکومت کے مختلف شعبوں میں دُور رس اصلاحات نافذ کیں اسی تندہی سے دینی تعلیم کی ترویج و اشاعت اور ارشاد ہدایت پر بھی خاص توجہ کی۔ قاضی ابوبکر بن حزمؒ کو لکھا کہ:

''لوگوں کو چاہیے کہ سرگرمی سے علم کی اشاعت کریں۔ تعلیم کے لیے حلقۂ درس میں بیٹھیں تاکہ جو لوگ نہیں جانتے وہ جان لیں کیونکہ علم اس وقت تک برباد نہیں ہوتا جب تک اسے مخفی نہ رکھا جائے۔''

ایک اور عامل کو لکھا کہ:

''اہلِ علم کو حکم دو کہ اپنی مسجدوں میں علم کی اشاعت کریں کیونکہ حدیثیں مردہ ہو رہی ہیں۔'' (ابن جوزی)

بدّوؤں کی تعلیم و تربیت کے لیے یزید بن ابی مالک دمشقیؒ اور حارث بن مجدالاشعریؒ کو مامور کیا۔ حضرت نافعؒ مولیٰ عبداللہ بن عمر کو جو مدینہ کے بڑے فقیہ تھے حدیث کی تعلیم دینے کے لیے مصر بھیجا۔ قاری جعثلؒ بن عامان کو قراءت کی تعلیم دینے کے لیے مصر اور شمالی افریقہ بھیجا۔ حلاج ابوکثیرؒ اموی کو اسکندریہ کا واعظ مقرر کیا اور حجا

Marfat.com

میں متعین واعظ کو حکم بھیجا کہ ہر تیسرے دن لوگوں کو وعظ و پند کریں۔ حضرت یزید بن ابی حبیبؒ کو یہ خدمت سپرد کی کہ وہ اہلِ مصر کو حدیث و فقہ کی تعلیم دیں۔

(حسن المحاضرہ......حافظ سیوطیؒ)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ایک عظیم کارنامہ تدوینِ حدیث ہے بقول ایک تذکرہ نگار اگر وہ تدوین حدیث کی طرف توجہ نہ کرتے تو بخاری، مسلم مؤطا اور حدیث کی دوسری کتابیں جو احادیثِ صحیحہ کا بہترین مجموعہ ہیں شاید وجود میں نہ آتیں۔

(سیرت عمر بن عبدالعزیز، عبدالسّلام ندوی)

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے جب دیکھا کہ اربابِ علم و فضل قانونِ قدرت کے مطابق روز بروز دنیا سے اٹھتے جا رہے ہیں تو انہوں نے علوم دینی کے مٹ جانے کا خدشہ محسوس کیا چنانچہ انہوں نے مدینہ منورہ کے گورنر قاضی ابوبکر بن حزمؒ کو لکھا کہ:

''احادیثِ نبویہ کی تلاش کر کے ان کو لکھ لو کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے فنا ہو جانے کا خوف معلوم ہوتا ہے اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث قبول کی جائے۔'' (صحیح بخاری، کتاب العلم)

یہی فرمان انہوں نے تمام صوبوں کے گورنروں کے نام ارسال کیا اور اس کی تعمیل میں احادیث کے مجموعے مرتّب و مدوّن کر کے تمام ممالکِ محروسہ میں تقسیم کیے گئے۔

(فتح الباری، ابن حجرؒ)

تدوینِ حدیث کے علاوہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مغازی اور مناقبِ صحابہؓ کی تعلیم پر بھی توجہ کی اور عاصمؒ بن عمرو بن قتادہ کو جو مغازی اور سیرت کے بہت بڑے عالم تھے، حکم دیا کہ وہ جامع دمشق میں مغازی اور مناقب کا درس دیا کریں۔

(ابنِ حجر عسقلانیؒ)

Marfat.com

اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا اصل مقصد دینی علوم کی اشاعت کرنا تھا لیکن انہوں نے مسلمانوں کو غیر قوموں کے علوم سے بھی نا آشنا نہیں رکھا۔ مروان بن الحکم کے زمانے میں ایک یونانی حکیم اہرن القس کی ایک مشہور طبی کتاب کا ترجمہ ماسر جویہ نے کیا تھا۔ حضرت عمر نے اس کی نقلیں کرا کے ملک میں انہیں شائع کیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جہاں تمام بے جا مصارف کے دروازے بند کر دیے تھے۔ وہاں علماء اور طلبہ کی سرپرستی اور کفالت کے لیے خزانوں کے منہ کھول دیے تھے۔ دور دور سے علماء اور فقہاء کو بلا کر ان کی قدر افزائی فرماتے اور اُمورِ خلافت و شریعت میں ان سے مشورہ لیتے جن اربابِ علم نے اپنے آپ کو تعلیم و تعلّم کے لیے وقف کر دیا' اُن کو فکرِ معاش اور ضروریاتِ زندگی سے بے نیاز کر دینا حضرت عمرؒ اپنا فرض سمجھتے تھے چنانچہ حمص کے گورنر کو لکھا ''جن لوگوں نے دنیا چھوڑ کر اپنے آپ کو فقہ کی تعلیم کے لیے وقف کر رکھا ہے' میرا یہ خط ملتے ہی ان میں سے ہر ایک کو بیت المال سے سَو سَو دینار دے دو تا کہ وہ تعلیم دینے کا سلسلہ جاری رکھ سکیں۔''

قاسم بن مُخیمرہ ایک مُحدّث تھے جو بڑی تنگی ترشی سے گزر بسر کرتے تھے۔ حضرت عمرؒ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ان کا پچاس دینار وظیفہ مقرر کر دیا۔ اس کے علاوہ ان کی جانب سے ستّر دینار قرض بھی ادا کر دیا اور سواری بھی دی۔

(تذکرۃ الحفاظ' الذہبیؒ)

ایک مرتبہ حضرت مجاہدؒ حضرت عمرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کو تیس درہم دیے اور فرمایا کہ یہ رقم میں نے اپنے عطیے سے دی ہے۔

علماء کے علاوہ انہوں نے طلبہ کے بھی وظائف مقرّر کر رکھے تھے۔ اس طرح تعلیم دینے والے اور تعلیم حاصل کرنے والے سبھی ان کی فیاضی سے متمتّع ہوتے تھے۔

Marfat.com

علمائے کرام کی ان کے دل میں بے حد قدر و منزلت تھی، ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے ایک شخص کو حضرت سعید بن مسیبؒ کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے کے لیے بھیجا۔ وہ شخص خود حضرت سعیدؒ ہی کو بلا لایا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے انہیں دیکھا تو سخت خفت اور ندامت کا اظہار کیا اور کہا ''قاصد نے غلطی سے آپ کو تکلیف دی، میں نے تو صرف یہ کہا تھا کہ آپ سے مسئلہ دریافت کر کے چلا آئے۔''

ایک بار انہوں نے فقہائے عراق سے درخواست کی کہ وہ ان کے پاس قدم رنجہ فرمائیں اور مجھے نصیحت فرمائیں۔ سب اصحاب آئے لیکن خواجہ حسن بصریؒ نے علالت کا عذر کیا اور ایک نصیحت آمیز خط بھیجا۔ حضرت عمرؒ نے یہ خط آنکھوں سے لگایا اور اس کو پڑھ کر رو پڑے۔

ایک مرتبہ حضرت سالم بن عبداللہؒ اور محمد بن کعبؒ ان کے پاس گئے۔ انہوں نے دونوں سے نصیحت کی درخواست کی جب ان کی نصیحتیں سنیں تو شدتِ تاثیر سے رونے لگے۔

(۱۱)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی توجہ حدودِ سلطنت کو وسیع کرنے کی طرف نہ تھی بلکہ وہ حکومت کی داخلی کمزوریوں کو دور کر کے ملک کو امن و امان اور عدل و انصاف سے معمور کرنا چاہتے تھے تاہم ان کا زمانہ حکومت فوجی ہنگاموں سے یکسر خالی نہیں رہا۔ ان کے پیشرو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے قسطنطنیہ کی تسخیر کے لیے ایک بڑا لشکر بھیجا تھا۔ یہ لشکر موسم کی ناسازگاری اور رسد کی کمی کی وجہ سے سخت مصیبت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو انہو نے کثیر مقدار میں اشیائے خورونوش اور سامانِ حمل و نقل بھیج کر اس لشکر کو واپس بلا لیا۔
(طبری)

Marfat.com

۹۹ھ میں ترکوں نے آذر بائیجان پر حملہ کیا اور بہت سے مسلمانوں کو شہید کر ڈالا۔ ان کے علاوہ بہت سے مسلمانوں کو گرفتار کر لیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حاتم بن نعمان باہلی کو ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ حاتم نے ان میں سے اکثر کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور پچاس کو اسیر کر کے روانہ کیا۔ (طبری)

علامہ بلاذری رحمۃ اللہ علیہ نے ''فتوح البلدان'' میں لکھا ہے کہ سندھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عامل عمرو بن مسلم باہلی نے ہندوستان کے بعض حصوں پر فوج کشی کی اور فتوحات حاصل کیں۔

۱۰۰ھ میں خوارج کے فرقہ حروریہ نے عراق میں شورش برپا کی۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے ان کے نمائندوں کو بلا کر بہتیرا سمجھایا لیکن وہ اپنے نامعقول مطالبات پر اڑے رہے۔ ان کا سب سے بڑا مطالبہ یہ تھا کہ حضرت عمر گزشتہ اُموی خلفاء پر لعنت بھیجیں لیکن حضرت عمر کا جواب یہ تھا کہ خدا نے مجھے لعنت بھیجنے کے لیے پیدا نہیں کیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؒ نے عبدالحمید والی کوفہ کو لکھا کہ اگر یہ لوگ کسی مسلمان یا ذمّی سے تعرض نہ کریں تو انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو تاہم انہیں نرمی کے ساتھ حق کی طرف بلاتے رہو۔ خود بھی ایک خط خوارج کو براہِ راست لکھا جس میں انہیں فتنہ و فساد سے باز رہنے کی تلقین کی لیکن وہ لوگ نہ مانے اور لوگوں کے مال و دولت پر دستِ تطاول دراز کیا۔ اب حضرت عمر نے ان شرائط کے ساتھ عبدالحمید کو ان سے لڑنے کی اجازت دے دی کہ عورتیں اور بچے قتل نہ کیے جائیں، بھاگنے والے اور زخمیوں کا تعاقب نہ کیا جائے اور فتح کے بعد جو مالِ غنیمت حاصل ہو وہ ان کے اہل و عیال کو واپس کر دیا جائے۔

عبدالحمید نے خارجیوں پر حملہ کیا لیکن شکست کھائی۔ اس پر حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے مَسلَمہ بن عبدالملک کو جو جزیرہ میں متعیّن تھے، حکم دیا کہ وہ اہلِ شام کی

Marfat.com

فوج مرتّب کر کے اس فتنہ کو دبائیں۔ مَسلَمہ نے حکم کی تعمیل کی اور خوارج کو شکستِ فاش دی۔ (طبقات ابنِ سعد)

(۱۲)

ابھی حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اصلاحات کا سلسلہ جاری تھا کہ وہ رجب ۱۰۱ھ کے آغاز میں مرض الموت میں مبتلا ہو گئے۔ اس سے متعلّق دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ علالت طبعی تھی۔ دوسری یہ کہ زہر کا نتیجہ تھی۔ اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آلِ مروان نے محسوس کیا کہ اگر مزید کچھ عرصہ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کی خلافت قائم رہی تو ان کا اقتدار کبھی واپس نہ آ سکے گا چنانچہ انہوں نے ایک غلام کو ایک ہزار دینار دے کر ان کو زہر دلوا دیا۔ حضرت عمر کو دورانِ علالت میں اس بات کا علم ہو گیا لیکن انہوں نے غلام سے کوئی انتقام نہیں لیا۔ صرف اتنا کیا کہ اشرفیاں اس سے لے کر بیت المال میں داخل کرا دیں اور غلام سے کہا کہ میں تمہیں آزاد کرتا ہوں تم یہاں سے ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں کوئی تمہیں دیکھ نہ سکے۔

ایک روایت میں ہے کہ طبیب نے بھی علالت کا سبب زہر خورانی کو قرار دیا اور اس کا علاج کرنا چاہا لیکن انہوں نے بوجوہ علاج کرانے سے انکار کر دیا۔

(ابنِ جوزیؒ)

ایک اور روایت میں ہے کہ تکلیف زیادہ ہوئی تو کسی شخص نے علاج کرانے کا مشورہ دیا۔ فرمایا' بھائی اگر مجھے یقین ہو کہ صرف اپنے کان چھو کر تندرست ہو سکتا ہوں تو اتنا بھی نہ کروں۔ اپنے پروردگار کے جوارِ رحمت سے بڑھ کر مجھے کیا چیز عزیز ہو سکتی ہے۔ (تاریخِ ملّت' قاضی زین العابدین میرٹھی)

اس بیماری سے جانبری کی امید نہ تھی اس لیے اپنے بعد ہونے والے خلیفہ یزید بن عبدالملک کے لیے یہ وصیّت نامہ لکھوایا:

Marfat.com

"میں تم کو اس حالت میں یہ وصیّت نامہ لکھ رہا ہوں کہ مرض نے بالکل لاغر کر دیا ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ خلافت کی ذمہ داریوں کے بارے میں مجھ سے سوال کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کا حساب لے گا اور میں اس سے اپنا کوئی کام پوشیدہ نہ رکھ سکوں گا۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَائِبِيْنَ (الاعراف آیت ۷)

(پھر ہم اپنے علم سے ان کے حالات بیان کریں گے اور ہم کہیں غائب تو نہیں تھے)

اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو گیا تو میں کامیاب ہوا اور ایک طویل عذاب سے نجات پائی اور اگر ناراض ہوا تو میرے انجام پر افسوس ہے۔ میں اُس وَحْدَہٗ لَاشَرِیک سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اپنی رحمت سے نارِ جہنّم سے نجات دے اور اپنی رضا سے جنّت عطا کرے۔ تم کو تقوٰی اختیار کرنا چاہیے اور رعایا کا خیال رکھنا چاہیے کیونکہ میری طرح تم بھی تھوڑے ہی دن زندہ رہو گے۔ تم کو اس سے بچنا چاہیے کہ تم سے غفلت میں کوئی ایسی لغزش سرزد ہو جائے جس کی تلافی نہ کر سکو۔

سلیمان بن عبدالملک اللہ کا بندہ تھا اللہ نے اس پر موت وارد کی۔ اس نے مجھ کو خلیفہ بنایا اور میرے لیے خود بیعت لی اور میرے بعد تم کو نامزد کیا۔ میں جس حال میں تھا اگر وہ اس لیے ہوتا کہ میں بہت سی بیویوں کا انتخاب کروں اور مال و دولت جمع کروں تو اللہ نے مجھے ایسے بہتر سامان دیے تھے جو وہ اپنے کسی بندے کو دے سکتا تھا لیکن میں سخت اور نازک سوال سے ڈرتا ہوں بجز اس کے کہ اللہ میری مدد فرمائے۔"

وفات سے کچھ پہلے ان کے برادرِ نسبتی مَسلمہ بن عبدالملک نے عرض کیا:

"امیر المؤمنین آپ نے اپنی اولاد کو مال و دولت سے ہمیشہ محروم رکھا اور انہیں بالکل

Marfat.com

تہی دست چھوڑے جا رہے ہیں ان کے بارے میں مجھے یا خاندان کے کسی اور شخص کو کچھ وصیّت کرتے جایئے۔"

یہ سن کر فرمایا:—

"تم کہتے ہو کہ میں نے اپنی اولاد کو مال و دولت سے ہمیشہ محروم رکھا' واللہ میں نے ان کا کوئی حق تلف نہیں کیا البتہ جس مال میں ان کا حق نہ تھا وہ ان کو نہیں دیا۔ تم کہتے ہو کہ ان کے متعلق کسی کو وصیّت کرتا جاؤں تو اس معاملہ میں میرا وصی اور ولی میرا اللہ ہے جو نیکو کاروں کا ولی ہوتا ہے۔ میرے لڑکے اگر اللہ سے ڈریں گے تو اللہ ان کے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکال دے گا اور اگر وہ گناہ میں مبتلا ہوں گے تو میں ان کو مال دے کر مصیبت پر زیادہ دلیر اور طاقتور نہ بناؤں گا۔"

اس کے بعد انہوں نے اپنی اولاد کو اپنے پاس بلایا اور چشم پُرآب ہو کر فرمایا:

"میری جان تم پر قربان جن کو میں خالی ہاتھ چھوڑے جا رہا ہوں لیکن اللہ کا شکر ہے کہ میں نے تمہیں ایسی حالت میں چھوڑا ہے کہ تم پر کسی مسلمان یا ذمّی کا کوئی حق نہیں ہے جس کا وہ تم سے مطالبہ کر سکے۔ میرے بچو! تمہارے باپ کے اختیار میں دو باتوں میں سے ایک بات تھی پہلی یہ کہ تم خوب دولت مند ہو جاؤ اور باپ دوزخ میں جائے۔ دوسری یہ کہ تم خالی ہاتھ رہو اور وہ جنّت میں جائے۔ پیارے بچو! تمہارے باپ نے دوسری بات پسند کی ہے۔ اٹھو اللہ تم کو اپنی حفاظت وامان میں رکھے۔"

بیس دن کی علالت کے بعد آخر وہ وقت آ پہنچا جو ہر ذی روح کے لیے مقدّر ہے۔ اس وقت حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے اپنے اہل و عیال سمیت دیر سمعان میں تھے۔ ۲۰ یا ۲۵ رجب ۱۰۱ھ کو ان پر نزع کی کیفیت طاری ہونے لگی تو سب لوگوں

Marfat.com

سے فرمایا ''مجھے تنہا چھوڑ دو''

سب لوگ اٹھ کر چلے گئے۔ ان کی اہلیہ فاطمہ اور برادرِ نسبتی مَسلمہ بن عبدالملک باہر دروازے کے قریب کھڑے رہے انہوں نے سنا کہ فرما رہے ہیں:

''کیا مبارک چہرے ہیں جو نہ آدمیوں کے ہیں نہ جنوں کے۔''

پھر بار بار یہ آیت پڑھنے لگے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ط وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (سورہ قصص آیت: ۸۳)

(یہ آخرت کا گھر ہم نے ان کے لیے تیار کر رکھا ہے جو زمین میں تکبّر اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے اور انجام (نیک) تو پرہیز گاروں ہی کا ہے۔)

اس کے بعد خاموش ہو گئے۔ مَسلمہ نے فاطمہ سے کہا کہ فوت ہو گئے' اندر جا کر دیکھا تو واقعی یہ آفتاب رُشد و ہدایت ہمیشہ کے لیے غروب ہو چکا تھا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن اس وقت بَاختلافِ روایت عمر کی ۳۹ یا ۴۰ منزلیں طے کی تھیں۔ دو سال پانچ مہینے چودہ دن مَسندِ خلافت پر مُتمکّن رہے۔ بروایتِ ابنِ سعد انہوں نے اپنی تجہیز و تکفین وغیرہ کے بارے میں یہ وصیتیں کی تھیں۔

حضرت رجاء بن حیوۃؒ میت کو غسل دیں' وہی کفن پہنائیں اور وہی قبر میں اتاریں' کفن میں پانچ کپڑے ہوں اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند موئے مبارک اور ناخنِ مقدّس رکھے جائیں۔ حنوط میں مشک نہ ملایا جائے اور قبر کو اینٹوں سے نہ بنایا جائے۔

ان کی وصیتوں پر پورا پورا عمل کیا گیا اور پھر ملّت اسلامیہ کے اس رَجُلِ عظیم کو دیرِ سمعان میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ تقوٰی کی انتہا یہ تھی کہ قبر کی جگہ بھی اپنی گرہ سے قیمت دے کر خریدی تھی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ان کی وصیت کے مطابق زمین

Marfat.com

کی قیمت ان کے ترکے میں سے ادا کی گئی۔ یہ زمین ایک ذمّی کی تھی۔ ابنِ جوزی نے ان کی ازواج واولاد کی تفصیل اس طرح دی ہے۔

۱۔ لمیس بنتِ علی بن حارث۔ ان کے بطن سے دو لڑکے عبداللہ اور بکر اور ایک لڑکی اُمِّ عمار پیدا ہوئے۔

۲۔ اُمِّ عثمان بنتِ شعیب بن زبان۔ ان کے بطن سے صرف ایک لڑکا ابراہیم پیدا ہوا۔

۳۔ فاطمہ بنتِ عبدالملک بن مروان۔ ان کے بطن سے تین لڑکے اسحاق' یعقوب اور موسیٰ پیدا ہوئے۔

۴۔ اُمِّ الولد یعنی صاحب اولاد لونڈی۔ ان کے بطن سے سات لڑکے عبدالملک' ولید' عاصم' یزید' عبداللہ' عبدالعزیز' زبان اور دو لڑکیاں امینہ اور اُمِّ عبداللہ پیدا ہوئیں۔

اولاد میں سے بعض نے بچپن میں وفات پائی۔ بقیہ میں سے صرف عبدالملک' عبدالعزیز اور عبداللہ نے تاریخ میں شہرت پائی۔ عبدالملک نے نوجوانی کے عالم میں باپ کے سامنے ہی وفات پائی' نہایت متقی اور عبادت گزار تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا حلیہ یہ تھا۔ رنگ گورا' چہرہ پتلا' آنکھیں گہری' چہرے کے نقوش میں دلکشی اور وجاہت' پیشانی پر زخم کا داغ' بچپن میں گھوڑے نے پیشانی پر لات ماردی تھی' اس کے زخم کا داغ عمر بھر رہا اس لیے ''اشج بنوامیہ'' کہلاتے تھے۔ خلافت سے پہلے عیش وتنعّم کی زندگی نے جسم کو نہایت شاداب اور تروتازہ بنا دیا تھا۔ خلافت کے بعد احساسِ ذمہ داری اور زہد وتقشف کی وجہ سے اتنے لاغر ہو گئے تھے کہ پسلیوں کی ہڈیاں بغیر چھوئے گنی جا سکتی تھیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنی اولاد کے لیے جو ترکہ چھوڑا اس کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ ان کا کل ترکہ ۱۷ دینار تھا' دوسری روایت کے مطابق ۲۱ دینار اور تیسری روایت کے مطابق ۱۴ دینار نقد اور ۶۰۰ دینار کی

Marfat.com

جائداد۔ بہت سے اربابِ سیر نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے۔

(۱۳)

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کی وفات کی خبر مشہور ہوئی تو عام و خاص' عالم و جاہل' مسلم و غیر مسلم سبھی کو سخت صدمہ ہوا۔ ایک قاصد ان کی وفات کی خبر لے کر بصرہ پہنچا تو بصرہ میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو بے اختیار اشک بار نہ ہو گیا ہو۔ خواجہ حسن بصریؒ نے یہ خبر سن کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا اور فرمایا ''اے ہر نیکی کے مالک''

عبدالملک بن عمیرؒ نے ان کی وفات کی خبر سنی تو بے اختیار ان کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہو گئے۔

''اے امیر المومنین اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے' آپ ہمیشہ اپنی نظریں نیچی رکھتے تھے' پاکباز تھے' حق کے ساتھ فیّاض اور بخل کے ساتھ بخیل تھے' نہ کسی پر عیب لگاتے تھے' نہ کسی کی غیبت کرتے تھے' غصہ کے وقت غصہ اور راضی ہونے کے وقت راضی ہوتے تھے۔''

محمد بن معبدؒ کا بیان ہے کہ میں شاہِ روم کے دربار میں گیا تو اسے سخت غمزدہ صورت بنائے زمین پر بیٹھے دیکھا' میں نے پوچھا' آپ کا کیا حال ہے؟ بادشاہ بولا' تمہیں معلوم نہیں کیا سانحہ ہوا؟ میں نے پوچھا' فرمایئے کیا ہوا؟ اس نے کہا' مردِ صالح کا انتقال ہو گیا۔ میں نے پوچھا' وہ کون؟ بولا' مسلمانوں کے امیر عمر بن عبدالعزیزؒ' تھوڑی دیر خاموش رہ کر پھر بولا' اگر عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے بعد کوئی شخص مُردوں کو زندہ کر سکتا تھا تو وہ عمر بن عبدالعزیزؒ ہی تھے۔ مجھے اس تارک الدُّنیا راہب کے حال پر کوئی حیرت نہیں جس نے اپنا دروازہ بند کر کے دنیا کو ترک کر دیا اور عبادت میں مشغول ہو گیا۔ میں تو اس شخص کا حال سن کر حیران ہوں جس کے قدموں کے نیچے دنیا تھی لیکن اس نے ٹھکرا کر راہبوں جیسی زاہدانہ زندگی اختیار کی۔

Marfat.com

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ میں سفر میں تھا۔ ایک نبطی مجھ سے ملا' تعارف کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا' کیا تم عمر بن عبدالعزیز کے انتقال کے وقت موجود تھے۔ میں نے کہا' ہاں۔ یہ سن کر وہ رونے لگا اور ان کے حق میں رحمت کی دعا کرنے لگا...... میں نے پوچھا' تم ان کے لیے رحمت کی دعا کیوں مانگتے ہو' وہ تو مسلمان تھے اور تم غیر مسلم...... اس نے جواب دیا' میں عمرؒ بن عبدالعزیز کو نہیں روتا' میں تو اس نور پر روتا ہوں جو زمین پر تھا اور اب بجھ گیا۔ (سیرت عمرؒ بن عبدالعزیز)

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے دَورِ خلافت میں قصیدہ گو شعراء کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں کی لیکن ان کی وفات پر اُس دَور کے بڑے بڑے شعراء نے نہایت دلدوز مرثیے لکھے جن میں سے جریر' فرزدق اور محارب بن وثار کے مرثیوں نے بڑی شہرت پائی۔

(۱۴)

علم و فضل کے اعتبار سے حضرت عمر بن عبدالعزیز امامِ وقت تھے۔ قرآن' حدیث' فقہ اور دوسرے تمام دینی علوم میں انہیں یکساں دست گاہ حاصل تھی۔ ان کی جلالتِ علمی پر تمام علماءِ سلف اور اہلِ سِیَر کا کامل اتفاق ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے جلیل القدر علماءِ اُمّت کی رائے ہے کہ عمر بن عبدالعزیز پہلی صدی ہجری کے مُجَدِّد تھے۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ ''عمر بن عبدالعزیز فقیہ' مجتہد' عالمِ سُنّت' حافظِ قرآن وحدیث' اللہ کے فرمانبردار' نرم دل اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔''

امام نوویؒ کا بیان ہے کہ ان کی جلالتِ شان' فضیلتِ علمی' صلاح' زہد و تقوی' عدل' شفقت علی المسلمین' حُسنِ سیرت' سُنّتِ نبوی کے اِتّباع اور خلفاءِ راشدینؓ کی پیروی پر سب کا اتفاق ہے۔

میمون بن مہرانؒ کا قول ہے کہ ہمعصر علماء عمر بن عبدالعزیز کے سامنے ان کے

Marfat.com

شاگرد معلوم ہوتے تھے۔

مشہور صاحبِ علم تابعی مجاہد بن جبیرؒ کا بیان ہے کہ ہم لوگ انہیں تعلیم دینے گئے تھے لیکن کچھ دنوں کے بعد ہم خود ان سے تعلیم حاصل کرنے لگے۔

امام مالکؒ اور ابن عینیہؒ کا قول ہے کہ "عمر بن عبدالعزیزؒ امامِ عصر تھے۔"

حفظِ حدیث کے اعتبار سے وہ نہایت بلند مقام پر فائز تھے اور جس قدر مرفوع احادیث ان کو یاد تھیں اتنی کسی دوسرے تابعی کے علم میں نہ تھیں۔ صحاح ستّہ کے علاوہ سنن، مسانید و معاجم میں بھی ان کی مرویات کثیر تعداد میں ملتی ہیں۔ محدث باغندیؒ نے مستقل طور پر ان کی مرویات جمع کی ہیں۔ مزید برآں ایک مختصر مگر جامع مجموعہ بھی "مُسندِ عمر بن عبدالعزیزؒ" کے نام سے موجود و مشہور ہے جو ۱۸۲۵ء میں ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (Asiatic Society Of Bengal) نے شائع کیا تھا۔

(محمد نعیم ندوی صدیقی، ماہنامہ فاران کراچی مئی ۱۹۶۸ء)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو شعر و شاعری سے چنداں لگاؤ نہیں تھا لیکن اس سے عاجز نہیں تھے کبھی کبھی خود بھی اخلاقی شعر کہہ لیتے تھے اور ایسے ہی اشعار دوسروں سے سن بھی لیتے تھے۔ وہ ایک اچھے خطیب بھی تھے اور ان کے خطبے نہایت پُرتاثیر ہوتے تھے۔ ابنِ جوزیؒ نے ان کے متعدّد خطبات و مواعظ جمع کیے ہیں۔ ابنِ جاحظ نے بھی "کتاب البیان والتبین" میں ان کے دو خطبے نقل کیے ہیں جو بلاغت کا بہترین نمونہ ہیں۔

(۱۵)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ یوں تو شروع ہی سے نماز، روزہ اور دوسرے فرائض دینی کے پابند تھے لیکن خلیفہ بننے کے بعد عباداتِ الٰہی سے ان کا شغف اس قدر بڑھ

Marfat.com

گیا کہ دیکھنے والے تعجب کرتے تھے۔ پانچوں وقت کی نماز مسجد میں باجماعت ادا کرتے تھے۔ اذان کی آواز سنتے ہی گھر سے نکل کھڑے ہوتے تھے اور تکبیرِ اولیٰ کو کبھی ضائع نہیں ہونے دیتے تھے۔ نماز بڑے خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھتے تھے اور اس میں سُنّتِ نبوی کا پورا پورا اِتّباع کرتے تھے۔ خادم رسول اللہ حضرت انسؓ بن مالک کا قول ہے کہ میں نے عمرؒ بن عبدالعزیز سے زیادہ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ فرض روزوں کے علاوہ دوشنبہ اور جمعرات کو ہمیشہ روزہ رکھتے۔ روزانہ صبح اٹھ کر قرآنِ کریم کی تلاوت ضرور کرتے۔ گھر میں ایک حجرہ عبادت کے لیے مخصوص کر رکھا تھا جس میں کمبل کے سِلے ہوئے کپڑے رکھ چھوڑے تھے۔ رات کے پچھلے پہر اس حجرے میں جا کر دن کا لباس اتار ڈالتے اور یہ کمبل کا لباس پہن کر عبادت اور گریہ وبکا میں مصروف ہو جاتے۔ نمازِ فجر کی اذان ہوتی تو ان کپڑوں کو تہہ کر کے صندوق میں رکھ دیتے اور مسجد چلے جاتے۔ نمازِ فجر کے بعد پھر اسی حجرے میں چلے جاتے اور دروازہ بند کر کے دیر تک مناجات اور تلاوت میں مشغول رہتے۔

(۱۶)

اخلاق و عادات کے اعتبار سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ گوناگوں اوصاف و محاسن کا پیکرِ جمیل تھے۔ ان کے گلشنِ اخلاق میں حُسنِ اخلاق، حُبِّ رسولؐ، حلم وتحمل، تواضع وانکسار، زہد وتقویٰ، صبر وشکر، خشیتِ الٰہی، عبادت وعزاداری، مسکین نوازی اور سادگی سب سے خوش رنگ پھول ہیں۔

اہلِ سِیَر نے ان کے فضائلِ اخلاق کے سلسلے میں بیسیوں واقعات بیان کیے ہیں جن کو پڑھ کر کوئی بھی مسلمان یہ اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز فی الواقع خلیفۂ راشد اور ایک مثالی حکمران تھے۔

Marfat.com

خلافت کا بارِ گراں اٹھانے سے پہلے نہایت فاخرہ لباس پہنا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جس لباس پر لوگوں کی نظر پڑ جائے دوبارہ اس کو نہ پہنتے تھے۔ دس دس پندرہ پندرہ اشرفی کی قیمت کا جُبّہ بھی ان کو سخت اور کرخت معلوم ہوتا تھا۔ عمدہ سے عمدہ خوشبو استعمال کرتے تھے جس راستے سے گزرتے وہ خوشبو سے مہک جاتا تھا۔ خود فرماتے تھے:

''مجھے لباس خوشبو اور عیش پرستی کا شوق پیدا ہوا تو میں نے اسے اتنا پورا کیا کہ نہ میرے خاندان میں اور نہ کسی دوسرے خاندان میں کوئی مجھ جیسی امیرانہ زندگی بسر کرتا تھا۔''

حضرت رجاء بن حیوۃؒ فرمایا کرتے تھے کہ (خلافت سے پہلے) عمر بن عبدالعزیزؒ سب سے زیادہ خوش لباس، سب سے زیادہ معطّر اور سب سے زیادہ تبختر کی چال چلنے والے تھے...... '' خلافت کے بعد عطریات اور اچھے لباس قصّہ پارینہ بن گئے۔ معمولی کپڑے کا صرف ایک ہی جوڑا زیبِ تن رہتا تھا اس میں بھی پیوند لگے رہتے تھے اور اسی کو دھو دھو کر پہنا کرتے تھے۔ ایک دن جمعہ کی نماز میں دیر سے پہنچے کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا، غلام کپڑے دھونے کو لے گیا تھا اور ان کے سوا کوئی دوسرا کپڑا نہ تھا۔ رجاء بن حیوۃؒ کہتے ہیں کہ دَورِ خلافت میں ایک مرتبہ ان کے لباس (عمامہ، قمیص، قباء، موزہ اور چادر) کی قیمت لگائی گئی تو وہ صرف بارہ درہم ٹھہری۔ یہ اس شخص کی حالت تھی جو پندرہ پندرہ اشرفی کے جُبّہ کو بھی حقیر جانتا تھا۔ مَسلَمہ بن عبدالملک کا بیان ہے کہ میں مرض الموت میں عیادت کو گیا تو دیکھا کہ ایک میلی سی پھٹی ہوئی قمیص پہنے ہوئے ہیں۔ میں نے اپنی بہن (حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کی اہلیہ فاطمہ) سے کہا کہ امیر المومنین کی قمیص بدل ڈالو۔ دوسرے دن گیا تو ان کے بدن پر پھر وہی قمیص نظر آئی۔ میں نے بہن سے کہا قمیص بدلوانے کو اس لیے کہا تھا کہ لوگ عیادت کے لیے

Marfat.com

آتے ہیں۔ بولیں، خدا کی قسم اس کے سوا دوسرا کپڑا نہیں ہے۔

بچے بھی اسی تنگی سے بسر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کی بچی امینہ کے پاس کپڑا نہ تھا۔ معلوم ہوا تو فرمایا کہ فرش پھاڑ کر ایک قمیص امینہ کے لیے تیار کر دی جائے۔ ان کی بہن اُمّ البنین کو خبر ہوئی تو انہوں نے ایک تھان کپڑا بھیج دیا اور کہلا بھیجا کہ عمر سے کچھ نہ مانگو۔

ایک مرتبہ ان کے صاحبزادے عبداللہ نے کپڑے مانگے۔ فرمایا، خیار بن رباح بصری کے پاس جا کر لے لو، ہمارے کپڑے ان کے پاس رکھے ہوئے ہیں، وہ گئے تو خیار نے گاڑھے کے کپڑے نکال کر ان کے سامنے رکھ دیے۔ انہوں نے کہا، ایسا معمولی اور موٹا کپڑا تو میں نہیں پہنتا۔ خیار نے کہا، میرے پاس تو امیر المؤمنین کے یہی کپڑے ہیں۔ عبداللہ نے والد کے پاس جا کر عرض کیا کہ خیار کے پاس گاڑھے کے کپڑے ہیں جو میرے پہننے کے لائق نہیں۔ انہوں نے فرمایا، ہمارے پاس تو ان کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہیں۔ وہ بددل ہو کر لوٹنے لگے تو فرمایا کہ اگر اپنے وظیفہ سے پیشگی لینا چاہو تو لے سکتے ہو۔ وہ راضی ہو گئے تو کچھ رقم دلوا دی اور جب وظیفہ تقسیم ہوا تو اس میں سے یہ رقم کاٹ لی۔

ایک دن انگور کھانے کو جی چاہا۔ بیوی سے پوچھا، تمہارے پاس ایک درہم ہے میں انگور کھانا چاہتا ہوں؟...... انہوں نے جل کر کہا، امیر المؤمنین ہو کر ایک درہم کی بھی استطاعت نہیں، فرمایا، یہ دوزخ کی زنجیروں سے میرے لیے زیادہ آسان ہے۔

ایک دفعہ عید الفطر سے چند دن پہلے ان کی اہلیہ نے کہا کہ عید کے دن سب لوگ عمدہ سے عمدہ لباس پہنیں گے لیکن ہمارے بچوں کے پاس معمولی کپڑے ہیں، مجھے نہایت شرم آتی ہے کہ امیر المؤمنین کی اولاد عید کے دن بھی اس قسم کے کپڑے پہنے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مہتمم بیت المال کو ایک رقعہ لکھا کہ میرا ایک ماہ کا

Marfat.com

وظیفہ پیشگی بھیج دیجیے۔ اس نے رقعہ کی پشت پر یہ الفاظ لکھ کر اسے واپس بھیج دیا "امیر المؤمنین کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ ایک مہینے تک زندہ رہیں گے۔" یہ الفاظ پڑھ کر اشکبار ہو گئے اور اہلیہ سے کہا' ہمارے بچوں کو بہشت میں عمدہ پوشاک ملے گی' اس لیے یہاں عمدہ لباس کی ضرورت نہیں۔

خلافت کے بعد اعلیٰ اور مرغن کھانے بھی ترک کر دیے۔ نہایت معمولی غذا کھاتے تھے اور وہ بھی کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔ ایک روز گھر کے خادم نے ان کی اہلیہ سے شکایت کی کہ ہر روز دال کھا کھا کر تنگ آ گیا ہوں۔ انہوں نے کہا "تمہارے آقا امیر المؤمنین کی بھی یہی غذا ہے۔"

ایک دن خلافِ معمول صبح کو گھر سے نکلنے میں بہت دیر کر دی۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا' رات کو مسور اور چنے کی دال کھائی تھی اس سے پیٹ میں درد ہونے لگا۔ ایک شخص نے کہا' امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے کہ ہم نے تم کو جو کچھ دیا ہے ان میں سے اچھی چیزیں کھاؤ۔ فرمایا' تم نے اس کے الٹے معنی لیے اس سے مراد حلال ذریعوں سے حاصل کیا جانے والا مال ہے نہ کہ لذیذ کھانا...... کبھی کبھی تو غذا میں روٹی کے سوکھے ٹکڑے اور رغن زیتون کے سوا اور کوئی چیز نہ ہوتی تھی۔ اہل و عیال کی گزران بھی اسی سادہ غذا پر تھی۔ ایک مرتبہ عشاء کی نماز کے بعد اپنی لڑکیوں کے ہاں گئے تو وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ان کے سامنے آئیں۔ اس کی وجہ پوچھی تو بچیوں نے کہا کہ شام کے کھانے میں مسور کی دال اور پیاز کے سوا اور کوئی چیز نہیں تھی اس لیے ہم نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا کہ آپ کو ان کی بُو نہ آئے۔ یہ سن کر رو پڑے اور فرمایا' میری بچیو کیا تم یہ پسند کرتی ہو کہ تم اچھے اچھے کھانے کھاؤ اور تمہارا باپ دوزخ کا ایندھن بنے...... اس پر بچیاں بھی رونے لگیں۔

ان کے پیشرو حکمرانوں نے حاکم و محکوم اور غلام و آقا کی جو تفریق پیدا کر دی تھی

Marfat.com

اس کو بالکل مٹا دیا اور شاہی امتیازات ختم کر دیے۔ خلفاء جب کسی جنازہ میں شرکت کے لیے جاتے تو ان کے لیے علیحدہ چادر بچھائی جاتی تھی۔ حسبِ معمول ان کے لیے بھی چادر بچھائی گئی تو اس کو پاؤں سے ہٹا کر زمین پر بیٹھ گئے۔ قصرِ خلافت کے تمام پردے ہٹوا دیے اور فرش قالین وغیرہ فروخت کر کے ان کی قیمت بیت المال میں جمع کرا دی۔ ملازمین کو تعظیم کے لیے اٹھنے سے منع کر دیا اور ان کے ساتھ برابر بیٹھنے لگے۔ دوسرے لوگوں کو بھی اپنے سامنے کھڑا ہونے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ تم کھڑے رہو گے تو میں بھی کھڑا رہوں گا۔ تم بیٹھو گے تو میں بھی بیٹھوں گا۔ ہم سب کو صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا چاہیے۔

جو لوگ خلیفہ میں شان و تجمل دیکھنے کے عادی تھے وہ انہیں مشکل سے پہچان سکتے تھے۔ حکم بن عمرو الرعینی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز ایک حلقہ سے اٹھ کر دوسرے حلقہ میں جا بیٹھتے تھے تو کوئی اجنبی یہ نہ جان سکتا تھا کہ امیر المؤمنین کس حلقہ میں ہیں تا آنکہ اسے اشارہ کر کے بتایا جاتا۔

لونڈی غلاموں کے ساتھ ان کا سلوک نہایت مشفقانہ تھا۔ وہ ان سے مساویانہ برتاؤ کرتے تھے اور اپنے آپ کو ان سے بالاتر نہیں سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ پنکھا جھلتے جھلتے ایک لونڈی کی آنکھ لگ گئی۔ انہوں نے خود پنکھا لے لیا اور اس کو جھلنا شروع کر دیا۔ اس کی آنکھ کھلی تو گھبرا کر چلائی۔ فرمایا' تم بھی میری طرح انسان ہو' تم کو بھی گرمی لگتی ہو گی اس لیے میں نے چاہا کہ جس طرح تم مجھے پنکھا جھل رہی تھی میں بھی تم کو جھل دوں۔

ایک مرتبہ حضرت رجاء بن حیوۃؒ سے گفتگو میں رات زیادہ گزر گئی اور چراغ جھلملانے لگا۔ پہلو میں خادم سویا ہوا تھا' حضرت رجاءؒ نے اس کو جگانا چاہا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا' اسے سونے دیں۔ حضرت رجاءؒ نے خود چراغ درست کرنے کا ارادہ کیا تو انہیں بھی روک دیا اور فرمایا' مہمان سے کام لینا مروّت کے

Marfat.com

خلاف ہے۔ پھر خود اٹھ کر تیل لیا اور چراغ کو ٹھیک کر کے فرمایا ''جب میں اٹھا تھا تب بھی عمر بن عبدالعزیز تھا اور جب پلٹا تب بھی عمر بن عبدالعزیز ہوں۔''

طبیعت میں انکسار اور فروتنی کے ساتھ انتہا درجے کا حلم وتحمل بھی تھا۔ ایک بار کسی شخص نے سخت گستاخی کی' فرمایا ''تو چاہتا ہے کہ حکومت کے پندار میں تیرے ساتھ میں بھی ایسا سلوک کروں کہ تو قیامت کے دن مجھ سے بدلہ لینے والا بن جائے۔'' یہ فرما کر اسے معاف کر دیا۔

ایک بار منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص نے اٹھ کر کہا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ تم فاسق ہو' چونکہ وہ شخص محض شرانگیزی کر رہا تھا' چاہتے تو اس کو سخت سزا دے سکتے تھے لیکن بڑی نرمی سے صرف اس قدر فرمایا ''تم جھوٹے گواہ ہو' میں تمہاری شہادت کو قبول نہیں کرتا۔''

ایک بار رات کو مسجد میں گئے۔ اندھیرے میں ایک لیٹے ہوئے شخص کو پاؤں کی ٹھوکر لگ گئی۔ اس نے غصے سے کہا ''کیا تم پاگل ہو'' بولے' نہیں۔ خادم نے اس کو سزا دینا چاہی لیکن اس کو روک دیا اور فرمایا ''اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ تم پاگل ہو' میں نے جواب دے دیا کہ نہیں' اس سے زیادہ کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔''

ایک بار ایک شخص کاغذ کا پلندا لیے ہوئے آیا اور یہ پلندا دور سے ان کی طرف پھینک دیا۔ اس سے ان کے گالوں پر زخم آ گیا جس سے خون رِسنے لگا لیکن انہوں نے نہایت تحمل سے اس کی عرضی پڑھی اور اس کی حاجت پوری کر دی۔

ایک بار کسی نے انہیں ناشائستہ الفاظ سے خطاب کیا لیکن انہوں نے سکوت اختیار کیا۔ لوگوں نے پوچھا' آپ خاموش کیوں ہیں؟ فرمایا' تقویٰ نے منہ میں لگام دے رکھی ہے۔

ایک دفعہ سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے۔ ایک پاپیادہ شخص سواری کی جھپٹ میں

Marfat.com

آ گیا۔ اس نے جھلا کر کہا' تو دیکھ کے نہیں چلتا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے معذرت کی پھر اس شخص نے کہا' کیا کوئی ہے جو مجھے اپنے پیچھے بٹھائے۔ انہوں نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ اس کو اپنی سواری پر بٹھا کر چشمہ تک لے چلو۔

ایک دفعہ ان کے ایک بچے کو کسی لڑکے نے مارا لوگ اس کو پکڑ کر حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کی اہلیہ کے پاس لے گئے۔ حضرت عمرؓ نے شور سنا تو اپنے کمرے سے نکل آئے۔ اتنے میں ایک عورت آئی اور کہا کہ یہ بچہ میرا ہے اور یتیم ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا' کیا اس کو وظیفہ ملتا ہے؟ عورت نے کہا' نہیں۔ اسی وقت حکم دیا کہ اس بچے کے نام وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔

(۱۷)

اہلِ حاجت کی مدد کرنا حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کا خاص شیوہ تھا۔ مسندِ خلافت پر فائز ہونے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ میں اس اُمّت کے چھوٹے بڑے اور سیاہ و سپید جُملہ اُمُور کا ذِمّہ دار ہوں اس لیے جب میں بے کس' غریب محتاج' فقیر' گمشدہ قیدی اور اسی طرح کے دوسرے افراد کا خیال کرتا ہوں جو ساری مملکت میں پھیلے ہوئے ہیں اور جن کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور یہ سوچتا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں مجھ سے سوال کرے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے متعلق مجھ پر داورِ حشر کی عدالت میں دعوٰی کریں گے تو میں کیا جواب دوں گا۔ اگر اللہ کے سامنے کوئی عذر اور شافعِ محشر کے سامنے کوئی جواب پیش نہ کر سکا تو میرا کیا انجام ہو گا۔ ان کے یہی احساسات تھے جن کی بنا پر انہوں نے اپنی ہمنشینی کے لیے جو شرطیں مقرر کی تھیں ان میں ایک شرط یہ تھی کہ میرے ہم نشینوں کا یہ فرض ہو گا کہ وہ مجھ تک ان لوگوں کی حاجتیں پہنچائیں جو خود مجھ تک پہنچنے کی مقدرت نہیں رکھتے۔

ایک بار ایک اعرابی ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی حاجت ان کے

Marfat.com

سامنے نہایت پُردرد الفاظ میں پیش کی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے گردن جھکالی اور رو پڑے۔ پھر سر اٹھا کر پوچھا کہ تم سب کتنے آدمی ہو؟ اس نے کہا ''نو ایک میں اور آٹھ بیٹیاں'' انہوں نے اسی وقت سو درہم اپنی جیب سے دیے اور سب کے وظیفے بیت المال سے مقرر کردیے۔

اپاہجوں اور اندھوں کا اس قدر خیال تھا کہ جب مالِ غنیمت میں غلام آتے تو ہر اپاہج اور ہر اندھے کو ایک ایک غلام عطا فرماتے۔

ایک مرتبہ ایک چور اُن کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس سے پوچھا تو نے چوری کیوں کی؟ چور نے جواب دیا کہ میں سخت غریب ہوں' فاقے پہ فاقہ گزر رہا تھا اس لیے تن اور روح کا رشتہ قائم رکھنے کے لیے اس فعلِ قبیح پر مجبور ہوگیا۔

حضرت عمرؓ نے اس کا عذر قبول کرلیا اور اس کو نہ صرف رہا کردیا بلکہ بیت المال سے دس درہم بھی دلوادیے۔

ایک بار مصر سے ایک غریب عورت نے خط لکھا کہ اس کے گھر کی دیوار اس قدر نیچی ہے کہ لوگ اس کو پھاند کر اس کی مرغیاں چُرا لے جاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حاکم مصر کو فرمان بھیجا کہ میرا فرمان ملتے ہی فوراً جاؤ اور اس عورت کے مکان کی دیوار اونچی کردو۔

ایک مرتبہ عراق کی ایک عورت اپنی یتیم بچیوں کے لیے وظیفہ مقرر کرانے کی غرض سے دمشق آئی۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے دروازے پر پہنچی تو لوگوں سے پوچھا: کیا امیر المؤمنین کے یہاں دربان بھی ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ یہاں کوئی دربان وغیرہ نہیں ہیں۔ تم جب چاہو ان کے گھر کے اندر جاسکتی ہو۔ عورت گھر میں گئی۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کی اہلیہ فاطمہ بیٹھی روئی پکارہی تھیں۔ عورت نے سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دے کر اسے اپنے پاس بٹھایا۔ عورت حیرت بھری

Marfat.com

نگاہوں سے امیر المؤمنین کے مکان کو دیکھنے لگی اور پھر کہنے لگی:

''میں تو یہاں اس لیے آئی تھی کہ اس گھر کے فیض سے اپنے گھر کی ویرانی کو دور کروں گی لیکن یہ تو خود ویران ہو رہا ہے۔''

فاطمہ بولیں: ''بہن تم جیسے لوگوں کے گھروں کو آباد کرنے کے لیے ہی یہ گھر ویران ہو رہا ہے۔''

اتنے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز باہر سے آئے اور کنوئیں سے پانی کھینچ کھینچ کر مکان کے سامنے پڑی ہوئی مٹی پر ڈالنے لگے اس دوران میں انہوں نے دو تین بار اپنی اہلیہ کی جانب دیکھا' نو وارد عورت نے فاطمہ سے مخاطب ہو کر کہا ''بی بی آپ پردہ میں ہو جائیں' یہ مزدور آپ کو بار بار گھور رہا ہے۔''

فاطمہ بولیں ''یہ مزدور نہیں ہیں' یہی امیر المؤمنین ہیں۔''

اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز سلام کر کے اندر آئے اور مکان کے اس حصہ میں چلے گئے جہاں عبادت کیا کرتے تھے۔ پھر اپنی اہلیہ کو پاس بلایا اور پوچھا: ''یہ کون عورت ہے؟'' انہوں نے کہا ''یہ ابھی آئی ہیں اور آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔''

حضرت عمرؓ نے نو وارد عورت کو بلایا اور دریافت فرمایا ''بی بی' تم کیا چاہتی ہو۔'' عورت نے کہا ''امیر المؤمنین میں عراق کی رہنے والی ہوں' خاوند فوت ہو گیا ہے اور بے سہارا ہوں' میری پانچ لڑکیاں ہیں اور پانچوں بڑی بے شعور اور بے پرواہیں' ان کی کفالت کے لیے آپ سے مدد کی التجا کرنے حاضر ہوئی ہوں۔''

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا ''یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تمہاری سبھی لڑکیاں بے شعور اور بے پرواہیں۔'' یہ کہتے ہوئے رو پڑے۔ پھر قلم دوات نکال کر حاکم عراق کے نام خط لکھنا شروع کیا۔ پوچھا ''تمہاری بڑی بیٹی کا کیا نام ہے؟ اس

Marfat.com

نے نام بتایا' امیر المؤمنین نے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ عورت نے کہا الحمدُ للہ پھر آپ نے دوسری بیٹی کا نام دریافت فرمایا۔ نام معلوم ہونے پر اس کا بھی وظیفہ مقرر کر دیا۔ عورت نے پھر الحمد للہ کہا۔ اس کے بعد تیسری اور چوتھی لڑکی کا نام دریافت کر کے ان کا بھی وظیفہ مقرر کر دیا اور عورت نے ہر مرتبہ الحمد للہ کہا۔ اب وہ اپنی خوشی ضبط نہ کر سکی اور حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کو دعائیں دینے لگی۔ انہوں نے اپنا قلم روک لیا اور فرمایا ''تم جب تک اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتی رہیں جو اس کا حقیقی سزاوار ہے میں تمہاری بیٹیوں کے لیے وظیفہ مقرر کرتا گیا لیکن اب تم نے یوں میری تعریف وتوصیف شروع کر دی ہے گویا یہ وظیفہ دینے والا میں ہوں۔ اس لیے اب میں پانچویں کے لیے وظیفہ مقرر نہیں کر سکتا۔ تم اپنی چاروں لڑکیوں سے کہنا کہ وہ اپنے وظائف میں سے تھوڑا تھوڑا اس کو بھی دے دیا کریں۔ وہ عورت حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کا فرمان لے کر عراق گئی اور اسے حاکم عراق کے سامنے پیش کیا۔ وہ فرمان کو دیکھ کر رو پڑا اور بولا ''اللہ اس فرمان کے لکھنے والے پر اپنی رحمت نازل کرے'' عورت نے گھبرا کر پوچھا ''کیا وہ فوت ہو گئے؟'' حاکم نے کہا ''ہاں'' یہ سن کر عورت کی چیخ نکل گئی۔ حاکم نے کہا ''بی بی تم کچھ فکر نہ کرو' میں اس فرمان کی تعمیل کروں گا۔'' چنانچہ اس نے فرمان کے مطابق عورت کی چاروں بیٹیوں کے وظیفے مقرر کر دیے۔

ایک دفعہ بارش کے دن ایک نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اتفاقاً ایک مسافر آ گیا جس کے بدن پر چادر نہ تھی۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے اس کو بلا لیا اور اپنی چادر کا ایک حصہ اس کو اڑھا دیا۔

(۱۸)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پر کوئی بڑی سے بڑی مصیبت بھی آ پڑتی' وہ صبر کا

Marfat.com

دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑتے۔ ان کا محبوب ترین فرزند عبدالملک' عزیز ترین بھائی سہیل بن عبدالعزیز اور نہایت وفادار خادم تھوڑے وقفے کے بعد وفات پا گئے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے ایسے صبر وضبط کا مظاہرہ کیا کہ لوگ تعجب کرتے تھے۔ عبدالملک کو دفن کرنے کے بعد اس کی قبر پر کھڑے ہو کر صرف اتنا کہا "اے فرزند اللہ تجھ پر رحم کرے' بچپن میں تم خوشی کا باعث تھے اور جوانی میں حقِ پدری ادا کرنے والے تھے۔ لیکن آج سے زیادہ میری آنکھوں کو کبھی آنسو خنک معلوم نہیں ہوئے۔" پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا "اللہ کی امانت تھی اس نے لے لی کوئی شخص نوحہ و بکا ہرگز نہ کرے۔" یہی حکم تمام ممالکِ محروسہ میں بھیج دیا کہ کوئی شخص میرے فرزند کا ماتم نہ کرے۔ لوگ ان کے پاس پُرسا دینے آتے اور بڑے رِقّت انگیز الفاظ استعمال کرتے لیکن وہ ہمیشہ صبر وشکر کا اظہار کرتے۔ ایک دفعہ ربیع بن سبرہ تعزیت کے لیے آئے اور کہا "امیر المؤمنین آپ کو اللہ تعالیٰ اجرِ عظیم دے کہ چند روز کے وقفہ میں آپ پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ خدا کی قسم آپ کے فرزند جیسا فرزند' آپ کے بھائی جیسا بھائی اور آپ کے غلام جیسا غلام نہیں دیکھا۔" حضرت عمر کچھ دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا' اس ذات کی قسم جس نے ان کی موت کا فیصلہ کیا' میں یہ پسند نہیں کرتا کہ یہ واقعات نہ ہوتے جو اس کی رضا وہ میری رضا۔

طبیعت میں بے انتہا شرم وحیا تھی یہاں تک کہ جن اعضاء کا نام لینے سے شرم محسوس ہوتی ہے ان کا نام نہیں لیتے تھے۔ ایک دفعہ کسی شخص نے ان کے سامنے کسی سے کہا: "تیری بغل کے نیچے" فرمایا "شائستہ طریقے سے گفتگو کیوں نہیں کرتے؟ لوگوں نے پوچھا "وہ کیسے؟" بولے "ہاتھ کے نیچے کہنا بہتر تھا۔"

ایک دفعہ خود ان کی بغل میں پھوڑا نکلا۔ لوگوں نے پوچھا کہ کہاں پھوڑا نکلا ہے چونکہ بغل کا نام لینا پسند نہ تھا فرمایا "میرے ہاتھ کے باطن میں۔"

Marfat.com

مزاج میں متانت اور سنجیدگی کی یہ کیفیت تھی کہ نہ بلند آواز سے گفتگو کرتے تھے اور نہ دوسروں کو بلند آواز سے گفتگو کرنے کی اجازت دیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ آواز بس اتنی ہونی چاہیے کہ دوسرا شخص آسانی سے سن لے۔

ہنسی مذاق کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک روز ان کے خاندان کے چند لوگ جمع ہوئے اور ہنسی مذاق کی باتیں شروع کر دیں۔ امیر المؤمنین نے تیز نظر سے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا' کیا تم لوگ ایسی یاوہ گوئی کے لیے جمع ہوئے ہو؟ تم کو چاہیے کہ مجلسوں میں قرآنِ کریم یا حدیثِ رسولؐ اللہ کے متعلق گفتگو کرو' ورنہ کم از کم تمہاری گفتگو شریفانہ تو ہونی چاہیے۔

نہایت شیریں کلام' خوش خُلق اور نرم دل تھے۔ کسی کو دُکھ یا مصیبت میں مبتلا دیکھتے تو اشکبار ہو جاتے اور اس کا دکھ درد دور کرنے کی ہر ممکن سعی کرتے۔ ان کی رحمدلی اور شفقت صرف انسانوں تک محدود نہیں تھی' جانوروں کو تکلیف دینا بھی گوارا نہ تھا۔ انہوں نے فرمان جاری کیا تھا کہ ڈاک کے جانوروں کے منہ میں بھاری لگام نہ دی جائے اور کوڑے کی نوک میں چبھنے والا لوہا نہ لگایا جائے۔ ایک دفعہ خبر ملی کہ مصر میں اونٹوں پر ہزار رطل کا بوجھ لادا جاتا ہے۔ فوراً حاکم مصر کو حکم بھیجا کہ کسی اونٹ پر چھ سو رطل سے زیادہ کا بوجھ نہ لادا جائے۔ دشمنوں کے ساتھ بھی ان کا سلوک نہایت فراخدلانہ تھا۔ خوارج نے سرکشی کی تو ان شرائط پر ان سے جنگ کرنے کی اجازت دی کہ عورتیں' بچے اور قیدی قتل نہ کیے جائیں' زخمیوں کا تعاقب نہ کیا جائے' جو مال غنیمت ہاتھ آئے وہ ان کے اہل وعیال کو واپس کر دیا جائے اور قیدی راہِ راست پر آجائیں تو ان کو فوراً رہا کر دیا جائے۔

جس غلام نے زہر دیا تھا اس کو نہ صرف معاف کر دیا بلکہ یہ تلقین بھی کی کہ ایسی جگہ چلا جائے جہاں سے گرفتار نہ ہو سکے۔

Marfat.com

دوست دشمن ہر ایک کی عیادت و تعزیت کے لیے بے تکلّف جاتے تھے اور ان کو تسلی دیتے تھے۔ توکّل علی اللہ کی یہ کیفیت تھی کہ کسی خطرے کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ پہرہ داروں سے صاف کہہ دیا تھا کہ میں تم سے بالکل بے نیاز ہوں اور تقدیرِ الٰہی پر شاکر ہوں جس کا جی چاہے چلا جائے۔

(۱۹)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فضائلِ اخلاق میں تقویٰ و تورّع اور دیانت و امانت داری سب سے نمایاں اوصاف تھے۔ اگر کبھی ذمّیوں کے ہاں مہمان بننے کا اتفاق ہوتا تو ان کی پیش کی ہوئی اشیائے خورونوش اس وقت تک استعمال نہ کرتے جب تک ان کو قیمت نہ دے لیتے اور یہ قیمت بھی بازار کے عام نرخ سے زیادہ ہوتی۔

رعیت یا خاندان کے کسی شخص سے کسی قسم کا ہدیہ قبول نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہدیہ قبول فرما لیتے تھے۔ بولے حضورؐ کے لیے ہدیہ بلاشبہ ہدیہ تھا لیکن یہ ہمارے اور ہمارے بعد والوں کے لیے رشوت ہے۔

بیت المال کو اللہ اور مسلمانوں کی امانت سمجھتے تھے اور اس سے معمولی سا فائدہ اٹھانا بھی گوارا نہ تھا۔ رات کو جب تک سرکاری کام کرتے تھے اس وقت تک بیت المال کی شمع جلاتے تھے لیکن جب اپنا کام کرنا ہوتا تو اس شمع کو گُل کر دیتے یا اٹھوا دیتے اور اپنا ذاتی چراغ منگوا کر کام کرتے۔

ایک مرتبہ بیت المال کا مُشک ان کے سامنے رکھا گیا تو فوراً اپنی ناک بند کر لی کہ اس کی خوشبو ناک میں نہ جانے پائے۔ اس پر ان کے ایک ہم نشین نے کہا کہ امیر المؤمنین خوشبو سونگھنے میں کیا حرج ہے؟ فرمایا' خوشبو سونگھنا بھی تو مشک سے فائدہ اٹھانے کے مترادف ہے اور میرے لیے جائز نہیں ہے کہ بیت المال کی کسی چیز سے بلا استحقاق فائدہ اٹھاؤں۔

Marfat.com

ایک دفعہ انہوں نے اپنے غلام مزاحم سے کہا کہ میرے لیے ایک رحل خرید کر لاؤ۔ وہ ایک رحل لائے جوان کو بہت پسند آئی۔ مزاحم سے پوچھا' اس کو کہاں سے خریدا؟ انہوں نے کہا' بیت المال کے توشہ خانے میں کچھ عمدہ قسم کی لکڑی پڑی تھی میں نے یہ رحل اسی سے بنوائی ہے۔ فرمایا' اسی وقت جاؤ اور بازار سے اس کی قیمت لگواؤ۔ وہ بازار گئے اور واپس آ کر بتایا کہ اس کی قیمت نصف دینار لگائی گئی ہے۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے تقوٰی یا غایت احتیاط کی بنا پر حکم دیا کہ بیت المال میں میری طرف سے دو دینار داخل کر دو۔

بیت المال کے مصارف سے فقراء و مساکین کے لیے جو مہمان خانہ قائم کیا تھا اس سے نہ خود فائدہ اٹھاتے تھے اور نہ خاندان کے کسی فرد کو فائدہ اٹھانے دیتے تھے۔ اس کے باورچی خانہ میں اپنے لیے غسل اور وضو کا پانی گرم کرانا بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کی لاعلمی میں ملازم ایک مہینا تک سرکاری باورچی خانے میں پانی گرم کرتا رہا۔ ان کو معلوم ہوا تو اتنی لکڑی خرید کر سرکاری باورچی خانے میں داخل کرا دی۔

ایک دفعہ غلام کو گوشت کا ایک ٹکڑا بھوننے کے لیے دیا۔ وہ سرکاری باورچی خانہ سے بھون لایا۔ انہوں نے اسے ہاتھ تک نہ لگایا اور غلام سے فرمایا' یہ تم ہی کھا لو' میری قسمت میں نہ تھا۔

ایک دن بیت المال میں بہت سے سیب آئے۔ انہیں عام مسلمانوں میں تقسیم کر رہے تھے کہ ان کا ایک کمسن بچہ وہاں آ گیا اور ایک سیب اٹھا کر کھانے لگا۔ انہوں نے اس کے منہ سے چھین لیا۔ وہ روتا ہوا ماں کے پاس گیا اور شکایت کی۔ ماں نے بازار سے سیب منگا دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز گھر آئے تو سیب کی خوشبو سونگھ کر بولے: بیت المال کا کوئی سیب تو ہمارے گھر میں نہیں آیا؟ اہلیہ نے سارا

Marfat.com

واقعہ بیان کیا تو فرمایا' خدا کی قسم میں نے سیب بچے کے منہ سے نہیں اپنے دل سے چھینا تھا لیکن مجھے یہ پسند نہ تھا کہ مسلمانوں کے حصہ کے ایک سیب کے بدلہ میں اپنے آپ کو برباد کر دوں۔

ایک مرتبہ اپنی اہلیہ فاطمہ کے سامنے لبنان کے شہد کا شوق ظاہر کیا۔ فاطمہ نے لبنان کے عامل ابنِ معد یکرب کو لکھ بھیجا۔ انہوں نے بہت سا شہد بھیج دیا لیکن جب یہ شہد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے فاطمہ سے مخاطب ہو کر کہا' معلوم ہوتا ہے کہ تم نے ابنِ معد یکرب سے فرمائش کر کے یہ شہد منگوایا ہے۔ فاطمہ نے اثبات میں جواب دیا تو اس کو چکھا تک نہیں اور فروخت کروا کر قیمت بیت المال میں داخل کرا دی۔ ساتھ ہی ابنِ معد یکرب کو ایک سخت خط لکھا کہ خدا کی قسم اگر تم نے آئندہ ایسا کیا تو اپنے منصب پر قائم نہیں رہ سکتے اور میں تمہارا منہ دیکھنا بھی پسند نہ کروں گا۔

ایک دفعہ ان کی اہلیہ نے ڈاک کی سرکاری سواری پر ایک آدمی کو روانہ کیا اور وہ دو دینار کا شہد خرید لایا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو معلوم ہوا تو انہوں نے اس کو فروخت کر ڈالا۔ اس کی قیمت دو دینار سے زیادہ وصول ہوئی۔ انہوں نے دو دینار بیوی کو واپس دے کر باقی رقم بیت المال میں جمع کرا دی اور بیوی سے کہا' تم نے عمر کے لیے مسلمانوں کے جانور کو ناحق تکلیف دی۔

ایک مرتبہ ان کی خدمت میں کچھ کھجوریں پیش کی گئیں جو ڈاک کے گھوڑوں پر لائی گئی تھیں۔ انہیں معلوم ہوا تو کھجوروں کو فروخت کر کے ان کی قیمت بیت المال میں جمع کرا دی۔

ایک دفعہ رات کو بیت المال کے چراغ کی روشنی میں سرکاری کام کر رہے تھے کہ گھر سے غلام آیا اور باتیں کرنے لگا۔ یہ باتیں اُمورِ خانہ داری سے متعلق تھیں۔

Marfat.com

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا:
"پہلے چراغ بجھا دو' پھر باتیں کرو اس لیے کہ چراغ میں تیل بیت المال کا ہے۔ اس کا استعمال صرف مسلمانوں کے مفاد ہی کے سلسلہ میں جائز ہو سکتا ہے۔"

اہلِ سیَر نے اس قبیل کے اور بھی بہت واقعات لکھے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے زہد و اتقا' امانت و دیانت اور احساسِ ذمہ داری کا جو نمونہ پیش کیا' خلفائے راشدینؓ کے دَور کے سوا تاریخ میں اس کی کوئی اور مثال مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔

(۲۰)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی محبت عشق کے درجے تک پہنچی ہوئی تھی۔ ہر کام میں اُسوۂ نبویؐ کو پیشِ نظر رکھتے اور آخرت کا ذکر کرتے وقت اکثر یہ بھی کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ جن صحابۂ کرامؓ کا فیضِ صحبت اٹھایا ان سے اور اپنے ہمعصر تابعین سے حضورؐ کے جو ارشادات سنتے انہیں اپنے حافظہ میں محفوظ کر لیتے پھر انہیں بڑے لطف و انبساط کے ساتھ لوگوں کو سناتے اور ان کے مطابق عمل بھی کرتے۔ ان کی مرویات کثیر تعداد میں کُتُبِ حدیث میں موجود ہیں۔

مرض الموت میں بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ آپ مدینہ منورہ میں سفرِ آخرت اختیار کرتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عُمرؓ فاروقؓ کے ساتھ آپ کی آخری آرام گاہ بنتی' روضۂ اطہر میں ایک قبر کی جگہ اور ہے۔ فرمایا' خدا کی قسم اگر اللہ تعالیٰ مجھے آگ کے سوا ہر قسم کے عذاب دے تو میں ان کو بخوشی برداشت کروں گا لیکن میں اس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم ہو کہ میں اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے مبارک میں دفن ہونے کے

Marfat.com

قابل سمجھتا ہوں۔

انہوں نے حضور پرُنور صلی اللہ علیہ وسلم کی چند متبرک یادگاروں (پلنگ' گدا' چادر' پیالہ' ترکش' عصا اور چکّی) کو ایک حجرے میں محفوظ کر دیا تھا اور ہر روز ان کی زیارت کر کے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے تھے۔ کبھی کبھی قریش کے لوگوں کو بھی ان کی زیارت کرواتے اور ان سے مخاطب ہو کر کہتے' یہ تبرکات اس ذاتِ گرامیؐ کی یادگار ہیں جن کی بدولت اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو معزز کیا۔

ان تبرکات کے علاوہ حضورؐ کی کوئی اور یادگار کہیں مل جاتی تو اس کو چومتے اور سر آنکھوں پر رکھتے۔ ایک مرتبہ ایک صاحبِ رسولؐ کی اولاد میں سے ایک شخص نے انہیں حضورؐ کا ایک فرمانِ مبارک دکھایا جس میں آپؐ نے ان صاحبِ رسول کو جاگیریں عطا فرمائی تھیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس فرمانِ مبارک کو چوم کر آنکھوں پر رکھ لیا۔ انتقال سے پہلے وصیّت کی کہ ان کے کفن میں رسول اللہ ﷺ کے چند موئے مبارک اور ناخن رکھ دیے جائیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کی بنا پر وہ حضور ﷺ سے انتساب وتعلّق کو بڑی اہمیّت دیتے تھے۔ انہوں نے حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کے بارے میں اہانت آمیز جملے خطبہ سے یکسر خارج کر دیے اور حضرت علیؓ کا ذکر ہمیشہ بڑی عزّت و احترام سے کیا۔ جس زمانے میں مدینہ منورہ کے گورنر تھے' ایک دن حضرت فاطمہ بنتِ علیؓ ان کے یہاں تشریف لائیں تو ان کی حد سے زیادہ تعظیم وتکریم کی۔ دورِ خلافت میں ایک دن حضرت علیؓ کے آزاد کردہ غلام زُریق ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ بیت المال کے رجسٹر میں میرا نام درج نہیں ہے حالانکہ میں مدینہ کا رہنے والا ہوں' قرآن مجید اور فرائض مجھے یاد ہیں' موالی بنی ہاشم میں سے ہوں اور حضرت علیؓ کی غلامی کا شرف حاصل کر چکا ہوں۔

Marfat.com

زُریق کی شکایت سن کر حضرت عمرؓ اشکبار ہو گئے اور فرمایا کہ میں خود علیؓ کا غلام ہوں۔ پھر اپنے مولیٰ مزاحم سے پوچھا کہ اس قسم کے لوگوں کا کتنا وظیفہ مقرر ہے؟ انہوں نے کہا' سَو یا دو سَو درہم۔ انہوں نے حکم دیا' حضرت علیؓ سے نسبت کی بنا پر زریق کا وظیفہ پچاس دینار مقرر کر دو۔

ایک دفعہ بنی امیہّ کے بہت سے لوگ دروازے پر ملاقات کے منتظر تھے ان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا غلام بھی تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے سب سے پہلے اس کو شرفِ باریابی بخشا اور اپنے خاندان کے لوگوں کی برہمی کی پروانہ کی۔

ایک مرتبہ محبوبِ رسول ﷺ (حبُّ النّبیؐ) حضرت اُسامہ بن زیدؓ کی بیٹی ان سے ملنے آئیں۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے آگے بڑھ کر ان کا پُرتپاک استقبال کیا' اپنی جگہ پر بٹھایا اور انہوں نے اپنی جو ضرورتیں بیان کیں ان کو پورا کیا۔

مدینۃ النّبیؐ سے بھی اس قدر محبت تھی کہ فرماتے تھے "میں یہ تو برداشت کر لوں گا کہ کوئی شخص اس جرم میں میرے سامنے پیش کیا جائے کہ وہ شراب لے جا رہا تھا لیکن میں یہ برداشت نہیں کروں گا کہ کوئی ایسا مجرم میرے سامنے لایا جائے جس نے حَرَمِ مدینہ سے کوئی چیز (درخت یا گھاس) کاٹی ہو۔"

مدینہ منورہ کی گورنری سے سبکدوش ہو کر وہاں سے چلنے لگے تو آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہو گیا۔ جب تک شہر کے درو دیوار نظروں سے اوجھل نہ ہو گئے بار بار مڑ کر ان کو دیکھتے رہے۔

(۲۱)

خشیتِ الٰہی جو تمام عبادات و اعمال کی روح ہے اس کا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

Marfat.com

پر اس قدر غلبہ تھا کہ ہر وقت محاسبۂ آخرت کے خوف سے لرزہ براندام رہتے تھے۔ معمول تھا کہ نمازِ عشا کے بعد مسجد میں یا اپنے حجرے میں بیٹھ کر رو رو کر دعائیں کرتے تھے۔ اسی حالت میں آنکھ لگ جاتی. بیدار ہوتے تو پھر یہی مشغلہ جاری ہو جاتا۔ غرض اسی طرح سوتے جاگتے رونے اور دعائیں کرنے میں ساری رات گزر جاتی تھی۔ جب کبھی رات کو فقہا ان کے پاس جمع ہوتے تو بیشتر وقت موت اور قیامت کے ذکر میں گزرتا۔ یہ ذکر سب پر گریہ طاری کر دیتا تھا۔

قرآن مجید کی جن آیات میں قیامت کا ذکر آتا ان کو سنتے تو بے اختیار رونے لگتے تھے۔ اگر کوئی شخص مؤثر نصیحت کرتا تو اکثر ان پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ ان کی اہلیہ فاطمہ بنتِ عبدالملک کا بیان ہے کہ ان سے زیادہ کوئی شخص خدا سے ڈرنے والا نہیں تھا۔ وہ اپنے بستر پر بھی خدا کو یاد کرتے تھے تو خوف کی شدّت سے کانپنے لگتے تھے۔ یزید بن حوشبؒ کا قول ہے کہ ''میں نے عمر بن عبدالعزیز اور حسن بصریؒ سے زیادہ کسی شخص کو قیامت سے ڈرنے والا نہیں دیکھا' معلوم ہوتا تھا گویا دوزخ صرف انہی دونوں کے لیے بنایا گیا۔''

جب لوگ ان سے گریہ و بکا کے متعلق کچھ کہتے تو فرماتے' تم لوگ رونے پر ملامت نہ کرو کیونکہ فرات کے کنارے اگر بکری کا ایک بچہ بھی ہلاک ہو جائے تو اس کے بدلہ میں عمر بن عبدالعزیز پکڑا جائے گا۔

اپنے عُمّال اور حُکّام کو بھی خط لکھ لکھ کر محاسبۂ آخرت سے ڈرایا کرتے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے یہی اوصاف و محاسن تھے جن کی بنا پر ائمۂ دین' علماءِ سلف اور اربابِ سِیَر نے انہیں عمر (فاروق) ثانی' پانچواں خلیفۂ راشد اور پہلی صدی ہجری کا مُجدّد قرار دیا ہے۔ ابوسلیمان دارانیؒ کا قول ہے کہ عمر بن عبدالعزیز زہد میں خیر التّابعین حضرت اویس قرنیؒ سے بھی آگے ہیں کیونکہ ان کے پاس دنیا پوری

Marfat.com

آن بان کے ساتھ آئی لیکن انہوں نے اس کو ٹھکرا دیا اور حضرت اویس قرنیؒ کو دنیا سے سابقہ ہی نہیں پڑا۔

حضرت مالک بن دینارؒ فرمایا کرتے تھے' لوگ کہتے ہیں کہ مالک زاہد ہے' مالک کا زُہد کیا؟ زاہد عمر بن عبدالعزیز ہیں کہ دنیا منہ کھولے ہوئے ان کے سامنے آئی اور انہوں نے اس سے منہ موڑ لیا۔

فی الحقیقت حضرت عمر بن عبدالعزیز کی سیرت و کردار کا احاطہ کرنے کے لیے ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔ مختصر یہ کہ وہ ایک مثالی حکمران اور حُسنِ کردار کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھے' اڑھائی سال کی مختصر مدّت میں انہوں نے جو عظیم کارنامے سرانجام دیے وہ رہتی دنیا تک ان کا نام زندہ و تابندہ رکھیں گے۔

رحمۃ اللہ علیہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:...... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آدم کا بیٹا (یعنی انسان) زمانہ کو برا کہہ کر مجھ کو تکلیف دیتا ہے حالانکہ زمانہ میں ہی ہوں' میرے ہی ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ میں ہی رات اور دن کو بدلتا رہتا ہوں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت یحییٰ بن یعمر لیثی رحمۃ اللہ علیہ

(۱)

بنوامیہ کے دورِ اقتدار میں جو ارباب فضل وکمال شہرت اور عظمت کے آسمان پر آفتاب بن کر چمکے، حضرت ابوسلیمان یحییٰ بن یعمرؒ ان میں سے ایک ہیں۔ ان کا نسبی تعلّق بنولَیث سے تھا اور دینی، علمی اور اخلاقی اعتبار سے وہ اس مقدّس جماعت کے رُکن تھے جو علم وعمل میں صحابہء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا عکس و پرَتو تھی۔ ہماری مراد تابعینِ والا مقام سے ہے۔ اہلِ سِیَر نے حضرت یحییٰ بن یعمرؒ کے سالِ ولادت کی تصریح نہیں کی لیکن قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرنِ اول کے دوسرے یا تیسرے عشرے میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے حضرت عثمان ذُوالنّورینؓ حضرت علی کَرَّمَ اللہ وَجہہٗ، اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہؓ، حضرت عمّار بن یاسرؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت سلیمانؓ بن صُرَدُالخزاعی جیسے اکابر صحابہ سے روایتیں کی ہیں۔ امام ذہبیؒ نے حُفّاظِ حدیث تابعین کے دوسرے طبقے میں ان کے حالات بیان کیے ہیں اور انہیں ایک بلند مرتبہ فقیہ بھی قرار دیا ہے۔

علّامہ ابنِ سعدؒ اور حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ کا بیان ہے کہ حضرت یحییٰ بن یعمرؒ

Marfat.com

قرآن، حدیث، فقہ، زبان و ادب اور دوسرے علوم کے جامع تھے۔ نحو کی تعلیم انہوں نے اپنے دَور کے مشہور ماہرِ نحو ابوالاَسوَدُ الدُّولی سے حاصل کی تھی اور اپنے ذہنِ رسا کی بدولت علمِ نحو اور عربی زبان و ادب میں درجۂ کمال پر پہنچ گئے تھے۔ زبان پر عبور کے ساتھ فصاحت و بلاغت میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔

حافظ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ قرآنِ حکیم جو ابتداء میں نُقطوں سے خالی تھا۔ اس پر سب سے پہلے حضرت یحییٰ بن یعمرؒ نے پڑھنے والوں کی آسانی کے لیے نقطے لگائے۔ یہ ان کا ایسا مہتم بالشّان کارنامہ ہے جو انہیں تابعینِ کرام میں امتیازی حیثیت کا مستحق ٹھہراتا ہے۔

ڈاکٹر صبحی صالح نے اپنی کتاب "عُلُوم القرآن" میں لکھا ہے کہ قرآنِ پاک پر نُقطے اور اِعراب لگانے کا آغاز (خلیفہ عبدالملک کے حکم سے) ابوالاَسوَدُ الدُّولی نے کیا تھا۔ حضرت یحییٰ بن یعمرؒ نے اس کام کو مزید آگے بڑھایا اور ان دونوں کے شاگرد نصرؒ بن عاصم اللّیثی نے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

حقیقتِ حال کچھ بھی ہو اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس عظیم کارِ خیر کا بیشتر حصہ حضرت یحییٰ بن یعمرؒ نے انجام دیا۔

(۲)

حکومتِ وقت نے حضرت یحییٰ بن یعمرؒ کے تَفَقُّہ فِی الدِّین اور دوسرے کمالاتِ علمی کا اعتراف یوں کیا تھا کہ انہیں خراسان کے دارالحکومت مرو (Merv) کا قاضی مقرر کر دیا تھا۔ اس منصب کے فرائض وہ جس دردمندی سے انجام دیتے تھے تاریخ میں شاذ ہی اس کی کوئی مثال ملتی ہے۔

علّامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ مرو میں باقاعدہ دارالقضا تھا لیکن حضرت یحییٰ بن یعمرؒ نے لوگوں کو اجازت دے رکھی تھی کہ وہ حصولِ عدل کے لیے ان کے پاس کسی بھی

Marfat.com

جگہ آسکتے ہیں یہاں تک کہ وہ بازار یا گلی میں جا رہے ہوں تو وہاں بھی ان کے سامنے مقدمے پیش کیے جا سکتے ہیں چنانچہ وہ چلتے پھرتے گلیوں اور بازاروں میں مقدموں کے فیصلے کر دیا کرتے تھے۔ ان کے ایک ہمعصر یحییٰ بن موسیٰ بن یسار کہتے ہیں کہ ''یحییٰ بن یعمر سواری پر کہیں جا رہے ہوتے اور راستے میں دو فریق اپنا کوئی تنازع لے کر ان کے سامنے آجاتے تو وہ سواری روک کر فریقین کے بیانات سنتے اور کھڑے کھڑے اپنا فیصلہ سنا دیتے۔ اس طرح میں نے انہیں بارہا گلیوں اور بازاروں میں فیصلہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔''

عدل و انصاف کے بارے میں حضرت یحییٰ بن یعمر کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اسے ''دارالقضا'' تک محدود نہیں رہنا چاہیے بلکہ لوگوں کو ہر جگہ اور ہر وقت اس سے بہرہ ور ہونے کی سہولت حاصل ہونی چاہیے۔

(۳)

حضرت یحییٰ بن یعمر کو خاندانِ رسالت سے گہری عقیدت تھی۔ ابنِ عساکر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ وہ حجاج بن یوسف ثقفی کے پاس تشریف رکھتے تھے۔ اتفاق سے سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ذکر چھڑ گیا۔ حجاج کہنے لگا کہ حضرت حسینؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریّت میں سے نہیں ہیں (کیونکہ صاحبزادی کی اولاد ہیں اور بیٹی کی اولاد کا نسب نانا کی طرف منسوب نہیں ہوتا۔)

حضرت یحییٰ نے غصہ کے ساتھ کہا ''اے امیر! تم نے جھوٹ بولا۔''

حجاج نے غضب ناک ہو کر کہا' آپ کی سلامتی اسی میں ہے کہ اس خیال سے باز آجائیں یا قرآن سے کوئی دلیل پیش کریں جس میں اولاد کا نسب نانا کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔

حضرت یحییٰ نے فوراً قرآنِ پاک کی یہ آیتیں پڑھیں۔

Marfat.com

وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ‌ؕ كُلًّا هَدَيۡنَا‌ ۚ وَنُوۡحًا هَدَيۡنَا مِنۡ قَبۡلُ‌ وَمِنۡ
ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيۡمٰنَ وَاَيُّوۡبَ وَيُوۡسُفَ وَمُوۡسٰى وَهٰرُوۡنَ‌ؕ وَكَذٰلِكَ
نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۙ‏ وَزَكَرِيَّا وَيَحۡيٰى وَعِيۡسٰى وَاِلۡيَاسَ‌ؕ كُلٌّ مِّنَ
الصّٰلِحِيۡنَ۔ (الانعام آیہ ۸۴۔۸۵)

ترجمہ: (ہم نے ان (ابراہیم) کو اسحٰق اور یعقوب بخشے اور سب کو ہدایت دی اور پہلے نوح کو بھی ہدایت دی تھی۔ ان (ابراہیم) کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو بھی (ہدایت بخشی) اور ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کو بھی یہ سب نیکوکار تھے۔)

اور پھر کہا کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذُرِّیّت میں شمار فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ ان کے نانا ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ ان کا نسب والدہ ہی سے چلا ہے...... عیسیٰ علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان اس سے بہت کم تعلّق ہے جتنا حسنؓ حسینؓ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ہے۔

حجاج خاموش ہو گیا لیکن پھر سوچ کر کہا کہ...... میرے سامنے میری تکذیب کرنے پر آپ کو کس چیز نے جری کر دیا؟ حضرت یحییٰؒ نے فرمایا، قرآنِ کریم کی اس آیت نے جس میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور ان کے متبعین سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ حق بات کو نہ چھپائیں گے...... حجاج اب بالکل لاجواب ہو گیا تاہم اس نے حضرت یحییٰؒ کا اپنے دارالحکومت میں رہنا پسند نہ کیا اور انہیں خراسان بھیج دیا۔

حضرت یحییٰ بن یعمرؒ نے باختلافِ روایت ۱۱۹ھ یا ۱۲۰ھ میں وفات پائی۔ ان کے ارشد تلامذہ میں حضرت سلیمان تیمیؒ، قتادہؒ، عکرمہؒ، عطاء خراسانیؒ، ازرق بن قیسؒ، عبداللہ سدوسیؒ اور اسحٰق بن نویدؒ کے اسماءِ گرامی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

Marfat.com

قُتَیبہؒ بن مُسلِم باہِلی

(۱)

اُمَوی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دَورِ حکومت (۸۶ھ تا ۹۶ھ) میں مجاہدینِ اسلام نے خراسان سے بخارا کی طرف پیش قدمی کی تو راستے میں دریائے جیحوں (OXUS) کو اپنے سامنے حائل پایا۔ مسلمانوں کی پیش قدمی کی اطلاع پا کر دشمن تمام کشتیاں دوسرے کنارے کی طرف لے گیا تھا اور جیحوں کے دریائے زخّار کو عبور کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اسلامی لشکر کے سپہ سالار نے یہ صورتِ حال دیکھی تو انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی اور پھر بڑے خشوع وخضوع کے ساتھ بارگاہِ رب العزت میں یہ دعا کی:

"الٰہی اگر تو جانتا ہے کہ میری غرض تیری راہ میں جہاد کرنا اور تیرے دین کو سربلند کرنا ہے تو مجھے اور میرے ساتھیوں کو اس دریا میں غرق نہ کرنا اور اگر میری نیّت اس کے سوا کچھ اور ہے تو مجھے اس دریا میں غرق کر دینا۔"

یہ دعا کر کے سپہ سالار نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور ان کے ساتھ ہی پورا لشکر پیادہ وسوار دریا میں اتر گیا۔ اللہ کی شان کسی مجاہد کو ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچا اور سارے مجاہدین دریا کو اس طرح عبور کر گئے جیسے خشک زمین پر چل رہے ہوں۔

Marfat.com

مسلمانوں کے یہ مستجاب الدعوات سپہ سالار جن کا اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی پر اس قدر پختہ ایمان تھا کہ ہر قسم کے مادّی اسباب سے بے نیاز ہو کر محض دینِ حق کی خاطر حدِ نظر تک پھیلے ہوئے دریائے زخّار میں کود پڑے قُتیبہ بن مُسلم باہلی تھے۔

(۲)

ابو حفص قتیبہ بن مسلم باہلی کا شمار تاریخِ اسلام کے نازشِ روزگار سپہ سالاروں اور فاتحین میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے جوشِ ایمان' عزم و ہمت' شجاعت و بسالت اور عظمت کردار کے جو نقوش صفحۂ تاریخ پر ثبت کیے وہ قیامت تک نہ مٹ سکتے ہیں اور نہ ماند پڑ سکتے ہیں۔ پوری دنیا کی تاریخ ہو یا صرف مسلمانوں کی' کوئی بھی مؤرّخ اس کو احاطۂ تحریر میں لاتے وقت قتیبہ بن مسلم کے نام اور کارناموں سے صَرفِ نظر نہیں کر سکتا۔ فی الحقیقت ایسا کرنا ممکن ہی نہیں۔ وہ بلاشبہ قرنِ اوّل کی ایک ایسی تابندہ شخصیت ہیں' جن پر ملّتِ اسلامیہ بجا طور پر ناز کر سکتی ہے۔

قتیبہ ایک فوجی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ کنیت باختلافِ روایت ابوالحفص یا ابوالحارث تھی۔ ان کے والد مسلم قبیلہ باہلہ کے سردار اور خلیفہ عبدالملک بن مروان کی فوج میں افسر تھے۔ ''دائرۂ معارفِ اسلامیہ'' کے مطابق قتیبہ ۴۹ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت کی تفصیل کسی کتاب میں نہیں ہے لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بہت عمدہ تعلیم و تربیت پائی کیونکہ عُنفوانِ شباب میں جب وہ منظرِ عام پر آئے تو ان کی شہرت ایک نڈر سپاہی اور صاحبِ کردار نوجوان کی تھی۔ انہوں نے خلیفہ عبدالملک کے عہد میں حجاج بن یوسف کی فوج میں شامل ہو کر عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کے خلاف کئی معرکوں میں بھرپور حصہ لیا اور اپنی شجاعت اور بے خوفی کی دھاک بٹھا دی۔ حجاج بن یوسف ان کی عسکری صلاحیتوں سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے خلیفہ سے منظوری لے کر ۸۵ھ (اور بروایتِ دیگر ۸۶ھ) میں

Marfat.com

قتیبہ کو خراسان کا والی مقرر کیا۔ اس منصب پر فائز ہونے کے بعد قتیبہ کی اس شاندار زندگی کا آغاز ہوا جس نے انہیں دنیا کے عظیم ترین فاتحین کی صف میں لا کھڑا کیا۔

قتیبہ نے خراسان کے دارالحکومت مرو (MERV) پہنچ کر سب سے پہلے اپنی فوج کو خاص قسم کی تربیت دینے کا اہتمام کیا کیونکہ ان کے نزدیک کامیابی کے لیے جذبۂ ایمان کے ساتھ اعلیٰ حربی صلاحیت بھی بہت ضروری تھی۔ انہوں نے اپنی زندگی کے اچھے نمونے سے پوری فوج میں اولوالعزمی اور شجاعت اور جرأت کا بے پناہ جذبہ پیدا کر دیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ فوج کی تنظیمِ نو اور تربیت تسلی بخش طور پر ہو چکی ہے تو ایک دن ساری فوج کو جمع کر کے اس کے سامنے جہاد کی اہمیّت اور فضیلت پر ایک ولولہ انگیز خطبہ دیا۔ اس خطبہ نے سپاہیوں کے دلوں میں شوقِ شہادت کے شعلے بھڑکا دیے اور وہ راہِ حق میں سر دھڑ کی بازی لگانے کے لیے تیار ہو گئے۔ اب وقت آ گیا تھا کہ جوشِ جہاد سے سرشار ان مجاہدین کو میدانِ جہاد میں سرگرمِ عمل کر دیا جائے۔ چنانچہ ۸۶ھ میں قتیبہؒ نے ترکستان پر یلغار کر دی۔ ترکستان کے بعض حصوں پر اگرچہ پہلے ہی مسلمانوں کا تسلّط قائم ہو چکا تھا لیکن وہاں کے حکمران وقتاً فوقتاً عَلَمِ بغاوت بلند کرتے رہتے تھے اور اس زمانے میں بھی ان کا رَوِیّہ باغیانہ تھا۔ اس کے علاوہ بعض علاقوں نے ابھی تک اسلامی حکومت کی اطاعت قبول نہ کی تھی۔ حُسنِ اتفاق سے اس وقت ترکستان کے حکمرانوں میں باہم منافست تھی۔ قتیبہ طالقان پہنچے تو بلخ کے سردار بھی اطاعت قبول کر کے ان سے آ ملے۔ اس کے بعد قتیبہ نے دریائے جیحوں کو چکر کاٹ کر عبور کیا اور صغانیاں کی طرف بڑھے۔ شاہِ صغانیاں کو مقابلہ کی ہمت نہ پڑی؛ اس نے تحائف و ہدایا کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور سونے کی کنجی ان کی خدمت میں پیش کر کے اپنا مہمان بنایا۔ صغانیاں سے قتیبہؒ نے طخارستان (علاقۂ بدخشاں) کا رُخ کیا۔ شاہ اخرون و شومان (طخارستان) کو

Marfat.com

جب اپنے حریف شاہ صغانیاں کی اطاعت کا حال معلوم ہوا تو اس نے بھی ایک کثیر رقم خراج کے طور پر دے کر اطاعت قبول کر لی۔ ان دونوں کو مطیع کرنے کے بعد قتیبہ اپنے بھائی صالح بن مسلم کو مفتوحہ علاقوں کے انتظام و نگرانی کے لیے چھوڑ کر مرو واپس آ گئے۔ ان کی واپسی کے بعد صالح نے اپنے ساتھی' آزمودہ کار جرنیل نصر بن سیار کی مدد سے کاشان اور فرغانہ میں واقع شہر خشک (اخشکیت) بنجراو اور ست فتح کیے۔

مرو واپس پہنچ کر قتیبہ کو معلوم ہوا کہ بادغیس کے تورانی حکمران نیزک کے پاس عرصہ سے کچھ مسلمان قید ہیں۔ قتیبہؒ نے نیزک کو ان مسلمانوں کی رہائی کے لیے لکھا۔ اس نے انہیں فوراً رہا کر دیا اور اس شرط پر اطاعت قبول کر لی کہ مسلمان بادغیس پر حملہ نہیں کریں گے۔ اس کے بعد وہ ترکستان کے معرکوں میں قتیبہ کا معاون و مددگار بن گیا۔

(۳)

۸۷ھ میں قتیبہؒ نے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے بھروسے پر دریائے جیحوں کو عبور کیا اور ماوراء النہر (یا بلادِ بخارا) کے اہم شہر بیکند کی طرف پیش قدمی کی۔ بیکند بت پرستوں کا نہایت مضبوط گڑھ تھا اور وہاں ایشیا بھر میں سب سے عمدہ اسلحہ تیار ہوتے تھے۔ اہلِ بیکند کو قتیبہ کی پیش قدمی کی خبر ملی تو انہوں نے صغد اور قُرب و جوار کے دوسرے باشندوں سے مدد مانگی۔ ان باشندوں نے ہر طرف سے مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا اور سارے راستے روک لیے۔ دو مہینے تک یہ کیفیت رہی کہ نہ قتیبہ کا کوئی قاصد اسلامی علاقے میں جا سکتا تھا اور نہ اسلامی حکومت کا کوئی قاصد ان سے رابطہ قائم کر سکتا تھا۔ حجاج بن یوسف والیِ بصرہ اس صورتِ حال سے بہت پریشان ہوا اور اس نے تمام مسجدوں میں قتیبہ اور ان کے لشکر کی سلامتی کی دعائیں

Marfat.com

کرائیں۔ ادھر قتیبہؒ نے اس خطرناک صورتِ حال کا بڑے عزم اور حوصلے کے ساتھ مقابلہ کیا۔ نہ دشمن کی کثرتِ تعداد نے ان کو ہراساں کیا اور نہ دشمن کی اڑائی ہوئی اس جھوٹی افواہ نے کہ حجاج فوت ہوگیا' ان کے پائے استقلال میں جنبش آنے دی۔ ایک دن مسلمان سروں سے کفن باندھ کر دشمنوں پر اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ ان کا گھیرا ٹوٹ گیا اور وہ شہر کی طرف بھاگے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور ایک کثیر تعداد کو موت کے گھاٹ اتار ڈالا۔ پھر بھی بہت سے بھگوڑے شہر میں داخل ہوگئے اور دروازے بند کر لیے۔ قتیبہ نے نہایت سختی سے شہر کا محاصرہ کرلیا۔ ایک روایت کے مطابق یہ محاصرہ پچاس دن تک جاری رہا۔ اس اثناء میں قتیبہ نے فصیلِ شہر کو گرانے کے لیے اس پر کاری ضربیں لگانی شروع کردیں۔ اہلِ بیکند کو جب یقین ہوگیا کہ فصیل ٹوٹنے کی صورت میں ان کا زیادہ نقصان ہوگا تو انہوں نے اطاعت قبول کرلی اور شہر کے دروازے کھول دیے۔ قتیبہ نے شہر میں داخل ہوکر چند دن وہاں قیام کیا اور پھر ورقہ بن نصر کو بیکند کا عامل مقرر کرکے مرو کو واپسی کا عزم کیا۔ ابھی وہ پانچ فرسخ ہی گئے تھے کہ اہلِ بیکند نے بغاوت کردی اور ورقہ بن نصر کو شہید کر ڈالا۔ قتیبہ کو ان لوگوں کی غدّاری کی اطلاع ملی تو وہ غضب ناک شیر کی طرح واپس آئے اور شہر کو بزورِ شمشیر مسخّر کرکے تمام فتنہ پردازوں کا قلع قمع کر ڈالا۔ ساتھ ہی شہر پناہ کو بھی منہدم کرا کے زمین کے برابر کردیا۔ ایک یک چشم بیکندی جو بغاوت کا سرغنہ تھا' جب گرفتار ہوکر قتیبہ کے سامنے پیش ہوا تو اس نے اپنی جان کے فدیہ میں ریشمی کپڑے کے پانچ ہزار تھان دینے کی پیشکش کی۔ ان کی قیمت دس لاکھ درہم بنتی تھی لیکن قتیبہ نے اس کی پیشکش کو ٹھکرا دیا اور یہ کہہ کر اس کو قتل کرادیا کہ مومن ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں ڈسا جاسکتا۔ بیکند سے مسلمانوں کو کثیر مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ اس میں ہیرے جواہرات' اسلحہ اور سونے چاندی کے لاتعداد برتن

Marfat.com

بھی شامل تھے۔ مؤرخین نے بیکند کے ایک بُت کدے کا ذکر کیا ہے جس میں کئی بت ٹھوس خالص سونے کے تھے اور چالیس ہزار درہم کی چاندی تھی۔ ایک بت کی آنکھوں کی جگہ دو ہیرے تھے جو کبوتر کے انڈوں جتنے تھے۔ قتیبہ نے یہ دونوں ہیرے مع دیگر سامان حجاج بن یوسف کو بھیج دیے۔ اس نے ایک خط میں ان کا شکریہ ادا کیا اور ان کی شجاعت و بسالت کی تعریف کی۔

بیکند نہ صرف ایک بارونق اور متموّل شہر تھا بلکہ فوجی نقطۂ نظر سے بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ اسے ماوراء النہر (وسطِ ایشیا) کا جنوبی دروازہ سمجھا جاتا تھا۔ بیکند میں تیار ہونے والے اسلحہ کی بھی سارے ایشیا میں بڑی دھوم تھی۔ کہا جاتا ہے کہ وہاں سے مالِ غنیمت میں حاصل ہونے والے ہتھیار اگرچہ سپاہیوں میں بانٹ دیے گئے تھے پھر بھی ان کی اس قدر مانگ تھی کہ ایک ایک نیزہ ستر درہم میں بکا۔ تلوار دوسَو درہم میں اور سپر اس سے بھی زیادہ قیمت پر فروخت ہوئی۔ بیکند پر مکمل تسلّط جمانے کے بعد قتیبہ واپس مرو آ گئے۔

(۴)

۸۸ ہجری کے موسم بہار میں قتیبہؒ پھر مناسب تیاریوں کے ساتھ مرو سے بلادِ بخارا کی جانب روانہ ہوئے اور نومشکث کو فتح کرتے ہوئے رامِثنہ (یارامثنہ) پہنچے۔ وہاں کے باشندوں نے صلح کی درخواست کی جو قتیبہؒ نے منظور کر لی۔ ان مہمات سے فارغ ہو کر انہوں نے مرو کو واپسی کا ارادہ کیا۔ راستے میں صغدی، ترکی، فرغانی اور چینی فوجوں نے مُتحِّد ہو کر اسلامی لشکر کے پچھلے حصے (ساقہ) پر حملہ کر دیا۔ دشمنوں کے متحدہ لشکر کی قیادت خاقانِ چین کا بھتیجا (یا بروایتِ دیگر بھانجا) کر رہا تھا۔ قتیبہ اپنے لشکر کے ساتھ آگے نکل چکے تھے۔ امیرِ ساقہ عبدالرحمٰن بن مسلم نے اپنی مختصر جمیعت کے ساتھ بڑی بہادری سے دشمن کے لشکرِ جرّار کو روکا اور اپنے بھائی

Marfat.com

قُتَیبہ کو اس حملہ کی اطلاع دی۔قتیبہؒ یہ اطلاع ملتے ہی پلٹ پڑے اور دشمنوں کے ٹڈی دَل پر قہرِ خدا بن کر ٹوٹ پڑے۔دو لاکھ دشمن جنگجوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی لیکن انہوں نے اپنے جوشِ ایمان کی بدولت دشمن کے متحدہ لشکر کو شکستِ فاش دی۔ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ اس لڑائی میں بادغیس کے حکمران نیزک نے مسلمانوں کو قابلِ قدر امداد دی اور خود بھی اسلامی لشکر میں شامل ہو کر بڑی بہادری سے لڑا۔اس معرکے سے فارغ ہو کر قُتَیبہ ترمذ کے راستے واپس مرو آ گئے۔

۸۹ ہجری میں قتیبہؒ نے پھر بخارا کے قصد سے دریائے جیحوں کو عبور کیا۔خرقانہ سفلی کے مقام پر پہنچے تو دشمن کا ایک بڑا لشکر ان کے مزاحم ہوا۔قتیبہ نے اس لشکر کو شکست دی اور بخارا کے قریب پہنچ گئے۔علّامہ بلاذُری کا بیان ہے کہ شاہِ بخارا نے صلح کر کے اطاعت قبول کر لی لیکن ابنِ اثیر کہتے ہیں کہ بعض مشکلات کی بناء پر قتیبہؒ بخارا پر قبضہ نہ کر سکے۔انہوں نے حجاج بن یوسف کو سارے حالات لکھ بھیجے۔اس نے بخارا کا نقشہ مانگ بھیجا اور اسے دیکھ کر پیش قدمی اور جنگ کے متعلق مفصل ہدایات بھیجیں یہاں تک کہ بخارا پر یلغار کرنے کی سمت بھی متعیّن کر دی اور راستہ میں پڑاؤ ڈالنے کے مقامات بھی مقرر کر دیے۔قتیبہؒ نے حجاج کی ہدایات کے مطابق تیاری کی اور ۹۰ھ میں دوبارہ بخارا پر حملہ آور ہونے کے لیے مرو سے چل پڑے۔

اگر بلاذُریؒ کا یہ بیان درست تسلیم کر لیا جائے کہ شاہِ بخارا نے ۸۹ھ میں مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی تھی تو ۹۰ھ میں بخارا پر قتیبہؒ کی لشکر کشی کی یہ توجیہ کی جا سکتی ہے کہ شاہِ بخارا نے بغاوت کر دی تھی اور مسلمانوں کے حلقۂ اطاعت کو توڑ ڈالا تھا۔

(۵)

شاہِ بخارا کو قتیبہ کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو اس نے بڑے زور شور سے

Marfat.com

مقابلے کی تیاری کی اور اپنی مدد کے لیے ترکوں اور اہلِ صغد کو بھی بلا بھیجا لیکن ابھی یہ مدد پہنچنے نہ پائی تھی کہ قتیبہ نے بخارا کا محاصرہ کرلیا۔ جب ترکوں اور صغدیوں کا لشکر مدد کے لیے پہنچا تو اہلِ بخارا کی ہمت قوی ہوئی اور وہ بڑے جوش وخروش سے مقابلہ کے لیے نکلے۔ اس طرح اسلامی فوجیں دونوں طرف سے دشمنوں کے بیچ میں گھر گئیں۔ ترکوں نے مسلمانوں پر اس زور کا حملہ کیا کہ ان کا ایک حصہ پیچھے ہٹتا ہٹتا عورتوں کے خیموں تک پہنچ گیا۔ یہ دیکھ کر عورتوں نے للکارا اور اپنے مَردوں کے گھوڑوں کو مار مار کر میدانِ جنگ کی طرف دھکیل دیا۔ عورتوں کے اس اقدام سے مردوں کو بڑی غیرت آئی۔ انہوں نے سنبھل کر ایسا تندوتیز حملہ کیا کہ ترکوں اور صغدیوں کو دھکیل کر قریبی نہر کے پار پہنچا دیا جہاں انہوں نے ایک اونچے ٹیلے پر پناہ لی۔ اس موقع پر قتیبہؒ نے للکار کر کہا ''آج کون قبیلہ ہے جو دشمن کو اس ٹیلہ سے ہٹا دے۔'' ان کی للکار سن کر بنو تمیم کے دو سرداروں وکیع بن الاسود اور ہریم نے اپنے قبیلہ کے جوانوں کو ساتھ لے کر مردانہ وار نہر کو عبور کیا اور دشمن پر جا پڑے۔ وکیع نے حملہ کے وقت کہہ دیا تھا کہ جو شہادت کا آرزومند ہے وہی میرے ساتھ چلے' دوسرا کوئی شخص ہرگز میرا ساتھ نہ دے۔ کہا جاتا ہے کہ آٹھ سَو جانبازوں نے وکیع کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی اور نہر عبور کرنے کے بعد دشمنوں پر برقِ بے امان بن کر گرے۔ یہاں تک کہ ان کے قدم اکھڑ گئے۔ شاہِ بخارا نے بھی راہِ فرار اختیار کی اور قتیبہؒ نے فوراً بخارا پر پرچمِ اسلام بلند کر دیا۔ مسلمانوں کی اس شاندار فتح نے صغدیانہ (SOGHDIANA) کے حکمران کو دہشت زدہ کر دیا اور اس نے صلح کر کے اطاعت قبول کر لی۔ پروفیسر آرمینس ویمبرے نے ''تاریخ بخارا'' میں لکھا ہے کہ قتیبہ نے عین لڑائی کے دوران میں صغدیانہ کے حکمران کو ایک قاصد کے ذریعے خفیہ پیغام بھیجا جس میں اس کو اس کے اتحادیوں سے بدظن کر دیا اور اس نے قتیبہ سے

Marfat.com

خفیہ صلح کر لی اور بیس لاکھ درہم ہر سال بطور خراج دینے منظور کر لیا۔ چونکہ اتحادی لشکر میں اس کے آدمیوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی اس لیے اس کے میدانِ جنگ سے ہٹ جانے پر اہلِ بخارا اور ترک بھی پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔ حقیقتِ حال کچھ بھی ہو' قتیبہؒ نے مظفر و منصور مرو کو مراجعت کی اور وہاں سے حجاج کو تسخیرِ بخارا کی خوشخبری بھیجی۔

(٦)

قتیبہؒ کو مرو واپس آئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ انہیں بادغیس کے حکمران نیزک کی بغاوت کی اطلاع ملی۔ نیزک نے اب تک ہر معرکے میں مسلمانوں کا ساتھ دیا تھا لیکن ترکستان میں ان کی بڑھتی ہوئی قوت کو دیکھ کر اس کو قتیبہؒ کی طرف سے خوف پیدا ہو گیا اور وہ ان سے خار کھانے لگا۔ مہم بخارا کے بعد وہ قتیبہؒ سے اجازت لے کر بادغیس آ گیا۔ یہاں پہنچتے ہی اس نے کابل' بلخ' طالقان' فاریاب' جوزجان وغیرہ کے تمام حکمرانوں کو اپنے ساتھ ملا کر علمِ بغاوت بلند کر دیا اور طخارستان سے مسلمان حاکم کو نکال دیا۔ اس وقت موسمِ سرما کی آمد آمد تھی اس لیے کسی بڑی مہم کا بھیجنا ممکن نہیں تھا' تاہم قتیبہ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن مسلم کو بارہ ہزار فوج دے کر طخارستان (بروایتِ دیگر بلخ یا بردقان) روانہ کیا اور ہدایت کی کہ وہاں پہنچ کر ان کا انتظار کیا جائے۔ جاڑوں کا موسم ختم ہوتے ہی ۹۱ھ میں قتیبہ خود اپنے لشکر کے ساتھ باغیوں کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔ سب سے پہلے طالقان کو ایک خونریز لڑائی کے بعد مسخر کیا اور باغیوں کو قرار واقعی سزا دی۔ ایک اور روایت کے مطابق اہلِ طالقان نے مقابلہ کے بغیر ہی ہتھیار ڈال دیے۔ اس لیے قتیبہ نے ان کو معاف کر دیا۔ اس کے بعد وہ فاریاب کی طرف بڑھے' وہاں کے فرمانروا نے بھی اطاعت قبول کر لی اس لیے قتیبہ نے درگزر سے کام لیا۔ فاریاب سے انہوں نے جوزجان کا

Marfat.com

رُخ کیا۔ وہاں کا حکمران پہاڑوں کی طرف بھاگ گیا اور اہلِ شہر نے اطاعت قبول کرلی۔ قتیبہ نے عامر بن مالک کو جوز جان چھوڑا اور خود نیزک کی تلاش میں بلخ سے ہوتے ہوئے خلم کی گھاٹی میں اپنے بھائی عبدالرحمٰن سے جا ملے جو وہاں قتیبہ کے انتظار میں خیمہ زن تھے۔ یہ ایک پُرپیچ اور دشوار گزار گھاٹی تھی اور نیزک نے اسی کے اندر اپنا اڈا قائم کر رکھا تھا۔ گھاٹی کے دہانہ پر بہت سے مسلّح جنگجو اس کی حفاظت پر متعیّن تھے اور پُشت پر ایک مستحکم قلعہ تھا جس تک پہنچنے کا بظاہر کوئی راستہ نہیں تھا۔ حُسنِ اتفاق سے قتیبہ کو وہاں کے ایک پہاڑی باشندے نے وہ پوشیدہ راستہ بتادیا جو پہاڑی کی پشت پر جا کر قلعہ میں نکلتا تھا۔ قتیبہؒ نے ایک دستۂ فوج اس پہاڑی باشندے کے ساتھ کردیا۔ ان لوگوں نے یکایک اہلِ قلعہ کو جالیا۔ بہت سے مارے گئے اور جو زندہ بچ گئے وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ نیزک وہاں سے بھاگ کر وادیِ فرغانہ کے قلعہ الکرز میں قلعہ بند ہو گیا۔ یہ قلعہ بہت محفوظ تھا اور کسی فوجی دستے کا اس کے اندر داخل ہونا سخت محال تھا۔ قتیبہ نے دو ماہ تک اس قلعے کا محاصرہ کیے رکھا لیکن اس کی تسخیر کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی۔ ادھر موسم سرما قریب آرہا تھا اور مسلمانوں کا سامانِ رسد بھی تیزی سے ختم ہو رہا تھا۔ آخر قتیبہؒ کو ایک تدبیر سوجھی۔ انہوں نے نیزک کے ایک پرانے بااعتماد ساتھی سلیم نامی کو اس کے پاس روانہ کیا کہ جیسے بھی بن پڑے نیزک کو سمجھا بجھا کر ان کے پاس لے آئے۔ سلیم نیزک کو جان بخشی کی امید دلا کر قتیبہ کے پاس لے آیا۔ قتیبہ نے اس کو قید کر دیا اور پھر اس کے بارے میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے حجاج بن یوسف سے بھی اس کے بارے میں استصواب کیا۔ سب نے اس کے قتل کا مشورہ دیا کیونکہ اس نے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا تھا۔ چنانچہ انہوں نے نیزک کو اس کے سات سو ساتھیوں سمیت قتل کرادیا۔

Marfat.com

نیزک کے فتنہ کے خاتمہ کے بعد قتیبہؒ نے شومان کا رُخ کیا جہاں کے حکمران نے کش اور نسف کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر ان کے خلاف بغاوت کی تھی۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ قتیبہؒ نے پہلے دو قاصد بھیج کر فرمانروائے شومان کو اطاعت قبول کرنے کی ترغیب دی لیکن اسے اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا۔ اس نے ایک قاصد کو قتل کر دیا اور دوسرا جان بچا کر بھاگ آیا۔ اب قتیبہؒ کو مجبور ہو کر اس پر چڑھائی کرنی پڑی۔ قریب پہنچ کر قتیبہ کے بھائی صالح بن مسلم نے ایک مرتبہ پھر اس کو سمجھایا لیکن وہ ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہ ہوا اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ قتیبہؒ نے منجنیقوں سے پتھر برسا کر قلعہ کی دیواروں میں شگاف ڈال دیے۔ فرمانروائے شومان نے قلعہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا لیکن مسلمانوں نے ایک ہی جھڑپ میں اسے اور اس کے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ شومان پر قبضہ کرنے کے بعد قتیبہؒ نے کش اور نسف کو تسخیر کیا اور اپنے بھائی صالح کو بھیج کر صغدیانہ کے حکمران سے خراج وصول کیا۔ ان مہمات سے فارغ ہو کر قتیبہؒ نے مرو کو مراجعت کی۔ ۹۲ھ میں انہوں نے سجستان پر لشکر کشی کی لیکن وہاں کے فرمانروا نے کسی مزاحمت کے بغیر اطاعت قبول کر لی اور قتیبہؒ واپس مرو آ گئے۔

(۷)

۹۳ ہجری میں خوارزم (خیوا) کے فرمانروا "خوارزم شاہ" نے قتیبہ کی اطاعت قبول کی۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ اس زمانے کا خوارزم شاہ ایک کمزور حکمران تھا۔ اس کا بھائی خرزاد اس کو عضوِ معطّل بنا کر تمام اُمورِ سلطنت پر حاوی ہو گیا تھا۔ وہ ایک سفّاک اور بدکردار آدمی تھا اور اس نے ساری رعیّت کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ خوارزم شاہ اس کے مقابلے میں بے بس تھا اور مطلق دم نہ مار سکتا تھا' تاہم اس کو خرزاد سے دلی نفرت تھی اور وہ اس کے پنجۂ ستم سے نجات حاصل کرنے کے لیے موقع کا منتظر

Marfat.com

تھا۔ جب ترکستان میں قتیبہؒ کی فتوحات اور قوت کا شہرہ ہوا تو خوارزم شاہ نے ان کو خفیہ پیغام بھیجا کہ اگر وہ اس کو خرزاد کے پنجۂ ستم سے نجات دلا دیں تو وہ ان کی اطاعت قبول کر لے گا۔ قتیبہ نے اس کی درخواست قبول کر لی اور خرزاد پر لشکرکشی کر کے اس کو شکست دی اور پھر قتل کرا دیا۔ ایک اور روایت کے مطابق انہوں نے خرزاد اور اس کے حواریوں کو گرفتار کر کے خوارزم شاہ کے حوالے کر دیا جس نے سب کو قتل کرا دیا۔ قتیبہؒ نے وعدہ کے مطابق سلطنت خوارزم شاہ کے حوالے کر دی۔ اس نے اپنے عہد کے مطابق قتیبہؒ کی اطاعت قبول کر لی اور بہت سا نقد و جنس ان کی نذر کیا۔ علاّمہ بلاذری نے ''فتوح البلدان'' میں لکھا ہے کہ اس واقعہ کے بعد خوارزم شاہ کو بھی زیادہ عرصہ حکومت کرنا نصیب نہ ہوا کیونکہ اس کی کمزوری اور نااہلی کی وجہ سے رعایا اس سے جلد ہی بیزار ہو گئی اور شورش برپا کر کے اس کو قتل کر دیا۔ قتیبہؒ کو اس کے قتل کی خبر ملی تو انہوں نے اپنے بھائی عبیداللہ بن مسلم کو خوارزم کا حاکم مقرر کر دیا۔

(۸)

خوارزم (خیوا KHEWA) پر استیلا کے بعد قتیبہ سمرقند کی تسخیر کے ارادہ سے روانہ ہو گئے۔ سمرقند جس کا قدیم نام مارکنڈا تھا' اس زمانے میں وسط ایشیا میں تجارت کا بہت بڑا مرکز تھا۔ اس کی تجارت تبت' چین اور ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھی اور اس وجہ سے یہ دور دور تک مشہور تھا۔ اسی تجارت کے سبب سمرقند اپنے دور کا نہایت پُررونق شہر تھا۔ اہلِ سمرقند یعنی صغد 'نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی تھی لیکن پھر اپنے عہد سے منحرف ہو گئے تھے اور مسلمانوں کے خلاف ترکستان کے باغی حکمرانوں کی مدد کی تھی۔ سمرقند پر قتیبہؒ کی لشکرکشی کا مقصد یہ تھا کہ صغد کی فتنہ پردازیوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا جائے۔ پہلے انہوں نے اپنے بھائی صالح (یا بروایتِ دیگر عبدالرحمٰن) کو ایک دستۂ فوج کے ساتھ سمرقند کی طرف روانہ کیا اور تین

Marfat.com

چار دن کے بعد خود بھی ایک جرّار لشکر کے ساتھ اس کے پیچھے روانہ ہوئے۔ اس لشکر میں بخارا اور خوارزم کے بیس ہزار سپاہی بھی شامل تھے۔ سمرقند کے قریب پہنچ کر دونوں لشکر یکجا ہو گئے۔ اہلِ سمرقند کو کھلے میدان میں مسلمانوں کے مقابل ہونے کی ہمت نہ پڑی اور وہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ قتیبہؒ نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ جب محاصرے کو ایک مہینا گزر گیا تو اہلِ سمرقند نے اپنے پڑوسی حکمرانوں' بادشاہِ شاش' حاکمِ فرغانہ اور خاقانِ چین وغیرہ کو لکھا کہ اگر آج عربوں نے ہمیں مغلوب کر لیا تو کل تم بھی اس انجام سے نہ بچ سکو گے اس لیے ہماری جو مدد بھی کر سکتے ہو' کرو......

یہ حکمران پہلے ہی قتیبہؒ کی روز افزوں قوت سے خطرہ محسوس کر رہے تھے۔ انہوں نے اہلِ سمرقند کا پیغام ملتے ہی اپنی اپنی فوجیں ان کی مدد کے لیے روانہ کر دیں۔ ان میں شاہی خاندانوں کے افراد' بڑے بڑے امراء اور نامور بہادر شامل تھے اور ان سب کی قیادت خاقانِ چین کا بیٹا کر رہا تھا۔ قتیبہؒ کو اس امدادی لشکر کے آنے کی خبر ملی تو انہوں نے صالح کو چھ سو منتخب شہسوار دے کر اس امدادی لشکر کو روکنے پر مامور کیا۔ صالح نے آگے بڑھ کر اپنی فوج کے تین حصے کیے۔ دو حصوں کو دائیں بائیں گھاٹیوں کے اندر گھات میں بٹھا دیا اور خود امدادی فوج کے راستے میں پڑاؤ ڈال دیا۔ رات گئے جونہی دشمن کا لشکر ادھر سے گزرا صالح نے اس پر حملہ کر دیا اور دوسرے مجاہدین بھی کمین گاہوں سے نکل کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ اس ناگہانی حملہ نے دشمنوں کو حواس باختہ کر دیا۔ انہوں نے کچھ دیر مقابلہ کیا لیکن بری طرح شکست کھائی۔ ان کے بہت سے نامور بہادر اور شہزادے مارے گئے۔ جو زندہ بچ گئے وہ بھاگ نکلے یا مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔

امدادی فوج کی شکست کی خبر سمرقند پہنچی تو صغد کو سخت دھچکا لگا تاہم انہوں نے مقابلہ جاری رکھا۔ ادھر قتیبہ نے محاصرہ کو اور سخت کر دیا اور منجنیقوں سے فصیلِ شہر پر

Marfat.com

لگا تار پتھر برسانے شروع کردیے۔ یہاں تک کہ اس میں شگاف پڑ گیا۔ مسلمان سرفروشوں کی ایک جماعت تیروں کی بارش میں ڈھالوں کو اپنے چہروں کی آڑ بناتے ہوئے اس شگاف کے سامنے پہنچ کر جم گئی۔ اب اہلِ سمرقند کی ہمت بالکل جواب دے گئی اور انہوں نے ان شرائط پر صلح کر کے شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔

۱۔ اہلِ سمرقند بارہ لاکھ (بروایتِ دیگر بائیس لاکھ) درہم سالانہ خراج ادا کریں گے۔

۲۔ تین دن تک مسلمانوں کی دعوت کریں گے۔

۳۔ بُت خانوں پر مسلمانوں کو اختیار حاصل ہوگا۔

۴۔ مسلمان شہر میں فاتحانہ داخل ہوں گے اور ان کے داخلہ کے وقت مسلّح آبادی شہر سے نکل جائے گی۔

۵۔ مسلمان شہر میں مسجد بنا کر نماز پڑھا کریں گے اور خطبہ دیا کریں گے۔

اس معاہدے کے مطابق مسلمان شہر میں فاتحانہ داخل ہوئے لیکن مقررہ خراج کے علاوہ انہوں نے کسی چیز کو ہاتھ تک نہ لگایا اور ہر شخص کو اپنے مال اور جائداد پر قابض رہنے دیا' البتہ قتیبہ بتوں کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے ان کے بتوں کو نذرِ آتش کرنے کا ارادہ کیا تو اہلِ سمرقند نے ان سے کہا کہ یہ ہمارے دیوتا ہیں' ہم آپ کو خیر خواہانہ مشورہ دیتے ہیں کہ انہیں ہاتھ نہ لگائیں ورنہ یہ آپ کو برباد کر دیں گے۔ قتیبہؒ ان کی توہم پرستی اور مشرکانہ عقیدے پر ہنس پڑے اور انہیں بڑی نرمی سے سمجھایا کہ یہ بت کسی کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ کہہ کر اپنے ہاتھ سے ان بتوں کو آگ لگا دی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب یہ بت پگھل گئے تو ان میں سے ۵۰ ہزار مثقال سونا نکلا۔ علامہ بلاذری نے "فتوح البلدان" میں لکھا ہے کہ جب اہلِ سمرقند نے دیکھا کہ بتوں کو نذرِ آتش کرنے کے بعد قتیبہ کا بال بھی بیکا نہیں ہوا تو ان کی ایک بڑی تعداد اسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گئی۔ ان کے بعد قتیبہؒ نے شہر میں مسجد

Marfat.com

تعمیر کر کے اس میں باجماعت نماز ادا کی اور خطبہ دیا۔

بعض مؤرخین نے فتح سمرقند کے سلسلے میں ایک عجیب کہانی بیان کی ہے۔ اس کہانی کا خلاصہ یہ ہے کہ قُتَیبہؒ نے کسی حیلہ سے چار ہزار صندوق شہر کے اندر پہنچا دیے۔ ان صندوقوں میں مسلح آدمی بٹھا دیے گئے تھے۔ رات کو ان زرہ پوش مسلح جنگجوؤں نے صندوقوں سے نکل کر تہلکہ برپا کر دیا اور محافظوں کو ہلاک کر کے شہر کے دروازے کھول دیے اس کے ساتھ ہی قتیبہ اپنے لشکر کے ساتھ شہر میں داخل ہو گئے اور اہلِ سمرقند کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ بظاہر یہ کہانی لغو معلوم ہوتی ہے۔

سمرقند کی تسخیر کے بعد قتیبہؒ نے عبداللہ بن مسلم کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور کچھ فوج اس کے پاس چھوڑ کر مرو واپس آ گئے۔

(۹)

۹۴ھ میں قتیبہؒ نے اُن حکمرانوں کی گوشمالی کا ارادہ کیا جنہوں نے اہل سمرقند کی مدد کی تھی۔ سب سے پہلے انہوں نے ایک لشکر الشاش کی طرف روانہ کیا جس نے اس کو چند دن کے اندر فتح کر لیا۔ پھر وہ خود فرغانہ کی طرف بڑھے۔ راستے میں خوجندی ان کے مزاحم ہوئے قتیبہ نے انہیں عبرت ناک شکست دی اور یلغار کرتے ہوئے فرغانہ کے دارالسلطنت کاشان تک پہنچ گئے۔ اس شہر کو فتح کر کے وہ اسبیجاب تک بڑھتے چلے گئے جہاں سے چین کی حدود شروع ہو جاتی تھیں۔ اسی زمانے میں حجاج بن یوسف فوت ہو گیا۔ قتیبہ کو اس کی وفات کی خبر ملی تو وہ سرحدِ چین سے واپس مرو آ گئے۔

۹۶ھ میں قتیبہ نے بڑے اہتمام سے چین پر فوج کشی کی تیاری کی کیونکہ خاقانِ چین نے اہلِ سمرقند کی مدد کے لیے اپنا بیٹا بھیجا تھا اور اس سے پہلے بھی وہ مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد کر چکا تھا۔ قتیبہ نے مجاہدین کے اہل و عیال کی حفاظت

Marfat.com

کے خیال سے ایک مضبوط فوج کی نگرانی میں سمرقند چھوڑ دیا اور خود پیش قدمی کرتے ہوئے فرغانہ پہنچ گئے۔ وہاں سے انہوں نے ایک لشکر چین روانہ کیا جو کاشغر کو تسخیر کرتا ہوا چین کے علاقے میں دور تک بڑھتا چلا گیا۔ قتیبہ بھی آگے بڑھ کر کاشغر میں خیمہ زن ہو گئے۔

خاقانِ چین کو مسلمانوں کی یلغار کی خبر ہوئی تو وہ گھبرا گیا کیونکہ یلغار کرنے والی وہ قوم تھی جس نے سارے وسطِ ایشیا کو زیروزبر کر ڈالا تھا۔ خاقانِ چین نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ مسلمانوں کے سپہ سالار سے گفت و شنید کرے۔ چنانچہ اس نے ایک قاصد یہ پیغام دے کر قتیبہ کے پاس بھیجا کہ میرے پاس اپنے کسی معتبر آدمی کو سفیر بنا کر بھیجو تاکہ میں اس سے تمہارے مقاصد کے بارے میں معلومات حاصل کروں۔

خاقانِ چین کا سفیر قتیبہ کے پاس آیا تو وہ کاشغر سے باہر اپنے پڑاؤ کے کھلے میدان میں زمین پر چادر بچھائے دوسرے مسلمانوں کے شانہ بشانہ نمازِ عصر پڑھ رہے تھے۔ جب سفیر کو اشارہ کر کے بتایا گیا کہ مسلمانوں کا سپہ سالار وہ شخص ہے تو وہ ورطۂ حیرت میں پڑ گیا کیونکہ قتیبہ" اور دوسرے مسلمانوں کے لباس میں کوئی فرق نہ تھا وہ تو اپنے فرمانرواکے دربار کی شان و شوکت اور جاہ و جلال دیکھنے کے عادی تھے۔ اس کے تصوّر میں خاقان کے عظیم الشّان محلّات، سنہری مرصّع تخت اور زرق برق لباس پہنے ہوئے چوبدار آنے لگے۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ مسلمانوں کا سپہ سالار اور حاکمِ اعلیٰ اس قدر سادگی پسند ہوگا۔ وہ بے ساختہ پکار اٹھا:

"جس فوج کا امیر ایسا ہو وہ کبھی مات نہیں کھا سکتی۔"

سفیر نے خاقان کا پیغام قتیبہ کو دیا تو انہوں نے ہبیرہ بن مشرج (یا مشمرج) کلابی کی قیادت میں دس عقلمند اور خوش بیان آدمیوں کی ایک سفارت خاقانِ چین

Marfat.com

کے دربار میں بھیجی اور اسے خاقان کے نام یہ پیغام دیا کہ میں جب تک سرزمینِ چین کو پامال کر کے تم سے خراج وصول نہ کرلوں گا واپس نہ جاؤں گا۔

یہ سفارت خاقانِ چین کے دربار میں پہنچی اور وہاں کئی روز تک قیام کیا۔ اس دوران میں اراکینِ سفارت کی خاقان سے بار بار ملاقاتیں ہوئیں۔ آخری ملاقات میں خاقان نے ہبیرہ سے کہا:

''تم معقول آدمی نظر آتے ہو' جاؤ اور اپنے سردار سے کہہ دو کہ اس کی خیر لوٹ جانے ہی میں ہے۔ مجھے تمہارے لشکر کی قلّتِ تعداد کا علم ہو چکا ہے اگر تم لڑنے پر اصرار کرتے رہے تو میں ایسی فوجِ گراں تمہارے مقابلے پر بھیجوں گا جو تمہارا نام و نشان تک مٹا دے گی۔''

ہبیرہ نے جواب دیا:

''اے بادشاہ! اس لشکر کو تھوڑا کون کہہ سکتا ہے جس کا ایک سرا چین میں ہو اور دوسرا ملک شام میں' ہم لوگ موت کو کھیل سمجھتے ہیں' اس سے ہرگز نہیں ڈرتے' ہمارا عقیدہ ہے کہ موت کا ایک دن مقرر ہے اور میدانِ جنگ میں تو موت کو ہم سعادت سمجھتے ہیں۔''

ہبیرہ کے بے باکانہ جواب سے خاقان مرعوب ہو گیا اور اس نے پوچھا:

''تمہارا سپہ سالار کن شرائط پر صلح کر سکتا ہے۔''

ہبیرہ نے کہا: ''وہ قسم کھا چکا ہے کہ جب تک وہ تمہاری زمین کو روند کر تم سے خراج وصول نہ کر لے واپس نہیں جائے گا۔''

خاقان کو مسلمانوں کی قوّت کا پورا پورا اندازہ تھا اور وہ ان سے جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے کہا' ہم تمہارے سردار کی قسم پوری کر دیں گے۔ پھر اس نے چند طشتوں میں کچھ مٹی اور بہت سے قیمتی ہدایا و تحائف قتیبہؒ کے پاس بھیجے۔

Marfat.com

ساتھ ہی ایک خطیر رقم خراج کے طور پر بھیجی اور صلح کی درخواست کی۔ قُتَیبَہؒ نے مٹی کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا اور صلح کی پیشکش منظور کر کے مرو کو مراجعت کی۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ قتیبہ کا مقصد چین پر قبضہ کرنا نہ تھا بلکہ وہ صرف خاقانِ چین کے خطرے کا انسداد کرنا چاہتے تھے۔ چونکہ خاقان نے صلح جویانہ رَوِیّہ اختیار کیا اس لیے انہوں نے اس سے خراج وصول کرنے پر اکتفا کیا اور واپس مرو چلے گئے۔

(۱۰)

جس زمانے میں قُتَیبَہؒ چین کی مہم میں مصروف تھے' خلیفہ ولید بن عبدالملک نے وفات پائی اور سلیمان بن عبدالملک مَسندِ خلافت پر بیٹھا۔ سلیمان ولید کے دور کے تمام عُمّال بالخصوص حجاج بن یوسف اور اس کے ماتحت حُکّام کے سخت خلاف تھا۔ قتیبہ بھی ان میں شامل تھے۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ولید نے کسی بات پر ناراض ہو کر سلیمان کی ولی عہدی منسوخ کرنی چاہی تھی تو حجاج اور قُتَیبَہ دونوں نے اس کی تائید کی تھی' اس بناء پر سلیمان کے دل میں ان دونوں کے خلاف کھٹک تھی۔ حجاج تو ولید کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا تھا' اب صرف قُتَیبَہ باقی تھے' تاہم سلیمان نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد قُتَیبَہ سے مطلق کوئی تعرض نہ کیا اور انہیں خراسان کی حکومت پر بحال رکھا لیکن خود قُتَیبَہ کو سلیمان کی جانب سے سخت بدگمانی تھی اور انہیں یقین تھا کہ سلیمان جلد ہی ان کے حریف یزید بن مہلب کو خراسان کا گورنر مقرر کر دے گا۔ چنانچہ انہوں نے سلیمان کو اپنے خطوں میں جہاں اپنی وفاداری کا یقین دلایا وہاں وسطِ ایشیا میں اپنی خدمات کا ذکر کر کے یہ دھمکی بھی دی کہ اگر ان کی جگہ یزید بن مہلب کو خراسان کی ولایت پر مامور کیا گیا تو وہ سلیمان کے حلقہ اطاعت سے نکل جائیں گے۔ سلیمان نے ابھی ان کے دھمکی والے خط کا جواب نہیں بھیجا تھا کہ قُتَیبَہؒ کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور انہوں نے سلیمان کی بیعت کرنے سے انکار

Marfat.com

کر دیا۔ قُتیبہؒ نے اپنے ماتحتوں کو بھی ایسا ہی طرزِ عمل اختیار کرنے کے لیے کہا لیکن خلافِ توقع انہوں نے ایسا کرنے میں تامّل کیا۔ اس پر قتیبہؒ نے قبیلہ بنوتمیم کے بارے میں کچھ سخت الفاظ کہے کیونکہ وہی سلیمان کی سب سے بڑی حمایت کر رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وکیع بن الاسود تمیمی تمام بنوتمیم کو ساتھ لے کر قُتیبہؒ کے مقابلہ پر آ گیا۔ ہزاروں عجمیوں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ فریقین میں خونریز لڑائی ہوئی جس میں خلیفہ سلیمان کے حامیوں کا پلّہ بھاری رہا اور قُتیبہؒ اپنے بھائیوں اور لڑکوں سمیت مردانہ وار لڑتے ہوئے میدانِ جنگ میں کام آئے۔ کامیاب فریق نے ان کا سر کاٹ کر سلیمان کے پاس بھجوا دیا۔ یہ واقعہ ۹۶ھ کا ہے۔

قُتیبہؒ بن مسلم جیسے عظیم فاتح کے اس انجام پر جس قدر بھی افسوس کیا جائے، کم ہے۔ ایک ایسا سپہ سالار جس کی عسکری صلاحیتوں نے بڑے بڑے طاقتور حکمرانوں کو اسلامی حکومت کی اطاعت قبول کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور جس نے خراسان سے لے کر چین تک سارے وسطِ ایشیا کو ہلا ڈالا تھا، صرف آپس کی بدگمانی اور مخالفت کی نذر ہو گیا۔ ابنِ اثیرؒ نے لکھا ہے کہ ایک خراسانی نے ان کے قتل کی خبر سنی تو بے ساختہ اس کی زبان پر یہ الفاظ آ گئے:

"خدا کی قسم اگر قُتیبہ جیسا فاتح ہم (اہلِ عجم) میں ہوتا تو ہم اس کی لاش محفوظ رکھتے اور دشمنوں سے نبرد آزما ہوتے وقت اُس کے تابوت کی برکت سے فتح طلب کرتے۔"

رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ مروزی

(فقیہ المشرق والمغرب)

(۱)

خلیفہ ہارون الرشید عباسی (۱۷۰ھ تا ۱۹۳ھ) کے عہد میں مسلمانوں اور رُومیوں کے درمیان سرحدوں پر وقتاً فوقتاً معرکہ آرائی ہوتی رہتی تھی۔ ایک دفعہ ایسے ہی ایک معرکے میں رُومی اور اسلامی لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو رومی لشکر سے ایک زِرہ پوش جنگجو نے اپنی صف سے نکل کر مسلمانوں کو مقابلے کے لیے للکارا۔ اسلامی لشکر سے ایک مجاہد جس نے اپنے چہرے پر ڈھاٹا باندھ رکھا تھا' جھپٹ کر اس کی طرف بڑھا اور ایک ہی وار میں رومی جنگجو کا کام تمام کر دیا۔ پھر ایک اور رومی سپاہی بنکارتا ہوا میدان میں آیا۔ نقاب پوش مجاہد نے اس کو بھی ڈھیر کر دیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے کئی رومی جنگجو مقابلے کے لیے آئے۔ نقاب پوش مجاہد نے اپنی تلوار یا نیزے کے وار سے سب کو جہنّم رسید کر دیا۔ مسلمانوں نے فرطِ مسرّت میں نعرۂ تکبیر بلند کیا اور دوڑ کر اس مجاہد کو یہ دیکھنے کے لیے گھیر لیا کہ آخر یہ شیر بیشۂ شجاعت کون ہے جس کو اپنی شناخت کرانا بھی پسند نہیں۔ انہوں نے بڑے زور اور اصرار سے اس کے چہرے سے ڈھاٹا ہٹایا تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ وہ کوئی عام لشکری نہیں

Marfat.com

تھا بلکہ علم و فضل کے مجمع البحرین ...... فقیہ المشرق والمغرب حضرت عبداللہ بن مبارکؒ تھے...... وہی عبداللہ بن مبارکؒ جن کے فضل و کمال کے تمام دنیائے اسلام میں ڈنکے بج رہے تھے اور جن کے مرجوعۂ خلائق ہونے کی یہ کیفیت تھی کہ ایک دفعہ رقّہ تشریف لے گئے تو ہزاروں لوگ استقبال کے لیے دیوانہ وار اٹھ دوڑے۔ اس قدر ہنگامہ ہوا کہ لوگوں کی جوتیاں ٹوٹ گئیں اور ساری فضا غبار آلود ہو گئی۔ اتفاق سے خلیفہ ہارون الرشید بھی ان دنوں رقّہ آیا ہوا تھا۔ اس کے حرم کی ایک خاتون نے شاہی محل (قصر الخشب) کے برج سے یہ نظارہ دیکھا تو ملازموں سے پوچھا' یہ ازدحام کیسا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ''خراسان کے ایک عالم آ رہے ہیں جن کا نام عبداللہ بن مبارک ہے۔ یہ سب لوگ ان کے استقبال میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کے لیے کشمکش کر رہے ہیں۔'' بے ساختہ بولی ...... ''واللہ بادشاہ تو حقیقت میں یہ ہیں' بھلا ہارون الرشید کیا بادشاہ ہے جو لوگوں کو سپاہیوں' چوبداروں' کوڑوں اور ڈنڈوں کی مدد سے اپنے گرد جمع کرتا ہے۔''

(۲)

حضرت ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن مبارکؒ تبع تابعین کی اُس مقدّس جماعت کے گلِ سر سبد ہیں جس کا ہر فرد اپنی ذات میں دین کا ستون اور زمانہ کا امام تھا۔ ان کے والد مبارک بن واضح تُرک' بنو حنظلہ کے ایک رئیس کے غلام تھے وہ نہایت ہی نیک اور دیندار آدمی تھے اور زہد و تقویٰ' دیانت و امانت اور خوفِ خدا کے اعتبار سے فی الواقع اسم بامسمّٰی تھے۔ حنظلی رئیس نے اپنے باغ کی نگرانی ان کے سپرد کر رکھی تھی۔ ایک مرتبہ اس نے مبارکؒ کو حکم دیا کہ باغ سے ایک شیریں انار توڑ کر لاؤ۔ وہ گئے اور ایک انار لا کر پیش کر دیا۔ مالک نے اسے چیر کر چکھا تو ترش نکلا۔ اس نے خفا ہو کر کہا' میں نے میٹھا انار مانگا' تم نے کھٹا لا کر دے دیا جاؤ کوئی اچھا سا شیریں انار

Marfat.com

لاؤ۔ وہ گئے اور دوسرے درخت کا انار لا کر پیش کیا۔ بدقسمتی سے وہ بھی کھٹا نکلا۔ آقا کا غصہ اب اور بھڑک اٹھا اور اس نے انہیں ڈانٹتے ہوئے تیسری مرتبہ پھر انار لانے کے لیے بھیجا۔ اب کی بار بھی انار ترش نکلا تو اس نے برافروختہ ہو کر کہا ''کیا تمہاری قوت ذائقہ ترش و شیریں کی تمیز نہیں کر سکتی؟ مبارک نے کہا ''نہیں''

آقا نے سبب پوچھا تو انہوں نے کہا ''آپ نے مجھے انار کھانے کی اجازت نہیں دی ہے اس لیے میں آج تک باغ کے کسی انار کو چکھا تک نہیں۔ میرا کام تو باغ کی دیکھ بھال کرنا ہے اس سے کوئی غرض نہیں کہ کس درخت کے انار میٹھے ہیں اور کس کے کھٹے۔''

آقا نے اپنے طور پر حالات کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ مبارک نے جو کچھ کہا تھا وہ بالکل صحیح تھا۔ اسے ان کی غیر معمولی دیانتداری اور خوف خدا پر بڑی حیرت ہوئی اور وہ ان کی بہت عزت و تکریم کرنے لگا۔

اس رئیس کی ایک نا کتخدا لڑکی تھی جس کے لیے اونچے اونچے گھرانوں کی طرف سے پیغام پر پیغام آرہے تھے۔ دنیاوی ثروت کے لحاظ سے پیغام دینے والوں میں ایک سے ایک بڑھ کر تھا اس لیے رئیس فیصلہ نہیں کر پاتا تھا کہ کون سا پیغام قبول کرے اور کونسا رَد کرے۔ اسی شش و پنج میں ایک دن اس نے مبارک سے بھی اس بارے میں مشورہ کیا۔ انہوں نے بڑے اخلاص کے ساتھ کہا کہ:

''زمانہ جاہلیت میں لوگ اعلیٰ حسب نسب والا داماد تلاش کرتے تھے۔ یہودیوں کے نزدیک داماد کے لیے مالدار ہونا ضروری تھا اور عیسائی حسن و جمال کو اہمیت دیتے تھے لیکن اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کے نزدیک دیندار ہونا وجہ ترجیح ہے۔ آپ جو طریقہ مناسب سمجھیں اختیار کریں۔''

آقا کو مبارک کا یہ مخلصانہ مشورہ بے حد پسند آیا۔ اس مشورے پر غور و فکر کے

Marfat.com

بعد ایک دن اس نے اپنی بیوی سے کہا:

"مجھے اپنی لختِ جگر کا شوہر بننے کے لیے مبارک سے بہتر کوئی شخص نظر نہیں آتا۔"

بیوی نے پہلے تو مبارک کے افلاس اور کم حیثیتی کا عذر پیش کیا لیکن بالآخر وہ بھی شوہر سے متفق ہوگئی اور اپنی بیٹی کی شادی مبارک سے کر دی' ساتھ ہی انہوں نے مبارک کو آزاد کر دیا۔

حضرت عبداللہؒ اسی رئیس زادی کے بطن اور مبارک جیسے صاحب تقوٰی باپ کی صُلب سے ۱۱۸ھ میں مرو (MERV) میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے مشہور ہوئے۔

(۳)

حضرت عبداللہؒ کے والد مبارکؒ بن واضح نہ صرف ایک مُتّقی آدمی تھے بلکہ علم کی قدر و قیمت سے بھی بخوبی آشنا تھے۔ انہوں نے اپنے فرزندِ دلبند کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا اور پوری کوشش کی کہ ان کا بیٹا علم کے آسمان پر سورج بن کر چمکے۔

اس وقت صحابۂ کرامؓ کا دور گزر چکا تھا البتہ ہزاروں تابعین و تبع تابعین اور دوسرے اربابِ علم و فضل دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے تھے۔ کوئی معروف شہر اور قصبہ ایسا نہیں تھا جو اہل فضل و کمال سے خالی ہو۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی ابتدائی تعلیم و تربیت مرو میں ہوئی اس کے بعد وہ حصولِ علم کے لیے مَرو سے نکل کھڑے ہوئے اور سالہا سال تک شہر شہر اور قصبہ قصبہ میں گھوم پھر کر جواہرِ علم اپنے دامن میں سمیٹتے رہے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے فاصلہ دیکھا نہ اس زمانہ کے سفر کی صعوبتیں' جہاں بھی کسی صاحب علم کا پتہ چلا' اس کی خدمت میں پہنچے اور مقدور بھر اکتسابِ فیض کیا۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:

"ابن المبارکؒ کے زمانہ میں ان سے زیادہ علم کا حریص اور علم کی جستجو کرنے

Marfat.com

والا کوئی نہ تھا۔ طلبِ علم کے لیے انہوں نے دور دراز ملکوں اور شہروں کا سفر کیا تھا مثلاً شام' عراق' یمن' مصر' کوفہ و بصرہ وغیرہ۔"

حضرت ابو اسامہؒ گواہی دیتے ہیں کہ:

"میں نے عبداللہ بن مبارکؒ سے بڑھ کر کسی کو ملک در ملک گھوم کر طلب علم کرنے والا نہیں دیکھا۔" (تذکرۃ الحفاظ حافظ ذہبیؒ)

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

"ابن المبارک کے دَور میں ان سے زیادہ علم کی تلاش کرنے والا کوئی دوسرا نہیں تھا۔" (تہذیب التہذیب)

حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں:

"تحصیلِ علم کے شوق میں عبداللہ بن مبارکؒ کو اپنی حیثیت کی پروا بھی نہیں ہوتی تھی وہ اپنے سے چھوٹے اور فروتر لوگوں سے بھی معلومات حاصل کرتے تھے۔" (تہذیب الاسماء)

خود حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا بیان ہے کہ "میں نے (مختلف دیار و امصار) کے چار ہزار شیوخ و اساتذہ سے کسبِ فیض کیا ان میں سے ایک ہزار کی روایتوں کو میں نے لکھ لیا ہے۔"

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے جن شیوخ و اساتذہ سے جملہ دینی علوم حاصل کیے' ان میں سرِفہرست حضرت امام اعظم حضرت ابو حنیفہؒ حضرت امام سفیان ثوریؒ اور حضرت امام اوزاعیؒ ہیں۔ دوسرے شیوخ و اساتذہ میں سے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں:

"امام مالکؒ بن انسؒ مدنی' امام اعمشؒ' ہشام بن عروہؒ' حمیدؒ بن ابی حمید الطویلؒ' موسیٰ بن عقبہ صاحب المغازیؒ' یحییٰ بن سعید الانصاریؒ' سلیمان التیمیؒ' عبداللہ بن یزیدؒ' اسماعیل بن ابی خالدؒ احمسی' سفیان بن عیینہؒ' لیث بن سعدؒ' مسعرؒ بن کدام کوفی'

Marfat.com

شعبہ بن حجاجؒ' ابن جریجؒ' سعید بن ابی عروبہ' مہران بصریؒ' حماد بن سلمہؒ' ابن ابی ذیبؒ' صالح بن صالحؒ' عمرو بن میمونؒ جزری' معمر بن راشدؒ بصری' عبداللہ بن عونؒ بصری' ابیملت زائدہ بن قدامہ کوفیؒ' برید بن عبداللہ بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ اشعریؒ' عاصم بن سلمان الاحولؒ' داؤد بن قیس فرا قرشی مدنیؒ' ابو سعید ابراہیم بن طہمان خراسانیؒ' زکریا بن ابی زائدہ کوفیؒ' وغیرہم۔''

امام ابوحنیفہؒ اور امام سفیان ثوریؒ سے ابن مبارکؒ کو بے حد عقیدت و محبت تھی۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے ''تہذیب التہذیب'' میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے:

''اگر اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوری کے ذریعہ میری مدد نہ کرتا تو میں عام آدمیوں کی طرح ہوتا۔''

حافظ ذہبیؒ نے بھی ''مناقب'' میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا اسی سے ملتا جلتا قول نقل کیا ہے۔ البتہ اس میں ''تو میں عام آدمیوں کی طرح ہوتا (کنت کسائر الناس)'' کے بجائے ''تو میں ایک بدعتی شخص ہوتا (کنت بدعیا)'' کے الفاظ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ امام ابوحنیفہؒ کا ذکر ہمیشہ بڑے احترام اور عقیدت سے کرتے۔ انہوں نے ان کی شان میں بہت سے اشعار بھی کہے۔

(تاریخ بغداد خطیب بغدادی)

حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ابنِ مبارکؒ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے چشمۂ علم سے پوری طرح سیراب ہونے کے بعد امام سفیان ثوریؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اس ضمن میں انہوں نے خود حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

''میں سفیان ثوریؒ کے ساتھ اس وقت تک وابستہ نہیں ہوا جب تک میں نے امام ابوحنیفہؒ کے علوم پر پوری دسترس حاصل نہ کر لی۔'' (دسترس کی وضاحت انہوں نے ہاتھ کی مٹھی بند کر کے کی)

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ تحصیلِ علم کے سلسلے میں امام اوزاعیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عجیب واقعہ پیش آیا۔ علامہ خطیب بغدادیؒ نے اسے 'تاریخ بغداد' میں ''ابنِ مبارک'' کی زبانی یوں نقل کیا ہے:

''میں طلبِ علم کے لیے شام گیا اور بیروت (جو اس زمانہ میں شام کا ایک حصہ تھا) جا کر امام اوزاعیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا' اے خراسانی' کوفہ میں یہ کون بدعتی ابوحنیفہ نامی پیدا ہوا ہے؟ یہ سن کر میں گھر واپس آیا' امام ابوحنیفہؒ کی کتابیں نکالیں اور ان میں سے چیدہ چیدہ مسائل چھانٹ کر نکالے (اور انہیں ایک کتاب کی صورت میں مرتب کیا) اس میں تین دن لگ گئے۔ تیسرے روز یہ کتاب ہاتھ میں لیے ان کے پاس پھر گیا...... وہ مسجد کے مُؤذّن بھی تھے اور امام بھی۔ میرے ہاتھ میں کتاب دیکھ کر کہا' یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا' یہ لیجیے ملاحظہ فرمایئے۔ انہوں نے ایک مسئلہ پر نظر ڈالی جس پر لکھا تھا' قَالَ النُّعْمَان' اذان کہہ کر کھڑے کھڑے کتاب کا پہلا حصہ پڑھ لیا۔ پڑھ کر کتاب آستین میں رکھ لی۔ پھر تکبیر کہہ کر نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر کتاب نکالی اور سب پڑھ لی۔ اس کے بعد مجھ سے دریافت فرمایا' اے خُراسانی! یہ نعمان بن ثابت کون ہیں؟ میں نے کہا' ایک شیخ ہیں' عراق میں ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ امام اوزاعیؒ نے فرمایا' بڑی شان کے شیخ ہیں' جاؤ اور ان سے بہت سا فیض حاصل کرو۔ میں نے کہا یہ وہی ابوحنیفہ ہیں جن سے مجھ کو آپ نے روکا تھا''۔

اس طرح ابنِ مبارکؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں امام اوزاعیؒ کی غائبانہ غلط فہمی کو نہایت خوبصورت انداز سے دور کر دیا اور پھر امام اوزاعیؒ کے فیضانِ علمی سے بھی خوب بہرہ یاب ہوئے۔

Marfat.com

(۴)

اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو غیر معمولی قوّتِ حافظہ عطا کی تھی اور وہ نہایت ذہین اور ذکی تھے۔ اپنے بے پناہ شوقِ علم، محنت، جستجو، قوت حافظہ، ذہانت، ذکاوت اور بڑے بڑے ائمہ، عصر کے فیضِ صحبت کی بدولت چند سال کے اندر اندر وہ مَسندِ علم وفن کے صدر نشین بن گئے۔ یہاں تک کہ ان کے شیوخ اور اساتذہ نے بھی ان کے کمالاتِ علمی کا برملا اعتراف کیا۔ امام سفیان ثوریؒ سے ایک مرتبہ کسی خراسانی نے کوئی مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے فرمایا "تمہارے پاس مشرق ومغرب کے سب سے بڑے عالم عبداللہ بن مبارک موجود ہیں ان سے کیوں دریافت نہیں کرتے؟"

ایک اور روایت میں ہے کہ کسی شخص نے امام سفیان ثوریؒ کے سامنے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو یا "عالم المشرق" کہہ کر خطاب کیا۔ امام سفیان ثوریؒ نے فرمایا، کیا کہہ رہے ہو وہ تو "عالم المشرق والمغرب" ہیں۔ (خطیب بغدادی)

عبداللہ بن سنانؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے تو حضرت سفیان بن عیینہؒ اور حضرت فضیل بن عیاضؒ ان کو رخصت کرنے دور تک ساتھ گئے۔ اثنائے راہ میں ان میں سے ایک نے کہا، یہ فقیہ اہلِ مشرق ہیں تو دوسرے نے ٹوکتے ہوئے کہا، اہلِ مشرق ہی کے نہیں اہلِ مغرب کے بھی فقیہ ہیں۔

(تذکرہ الحفاظ ذہبیؒ)

ابنِ حبانؒ کا قول ہے کہ ابنِ مبارک میں اہلِ علم کے اتنے خصائل جمع ہو گئے تھے کہ ان کے عہد میں تمام کرہ ارض پر کسی میں مجتمع نہیں ہوئے تھے۔

(تہذیب التہذیب ابن حجرؒ)

علی بن المدینیؒ عثمان بن طالوتؒ سے روایت کرتے ہیں کہ کمال علم دو آدمیوں پر ختم ہو گیا، عبداللہ بن مبارکؒ اور یحییٰ بن معینؒ پر۔ (تاریخ خطیب بغدادی)

Marfat.com

امام نوویؒ فرماتے ہیں ''عبداللہ بن مبارکؒ کی امامت وجلالت پر سب کا اتفاق ہے۔ وہ تمام چیزوں میں امام تھے۔ ان کے ذکر سے نزولِ رحمت ہوتا تھا اور ان کی محبت کی وجہ سے بخشش کی امید کی جاتی تھی۔ (تہذیب الاسماء جلدا)

امام ذہبیؒ ان کا تعارف یوں کراتے ہیں:

''ابن المبارک' امام حافظ' علّامہ' شیخ الاسلام' فخر المجاہدین اور قدوۃ الزاہدین''

(تذکرۃ الحفاظ)

اسماعیل بن عیاشؒ فرماتے ہیں ''روئے زمین پر ابن مبارکؒ کی مثال موجود نہیں۔''

امام نسائیؒ کا قول ہے کہ میں ابنِ المبارک کے زمانے میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو مرتبے میں ان سے زیادہ ہو اور جس کے اندر تمام خصائلِ حمیدہ اس جامعیت کے ساتھ پائے جاتے ہوں۔

امام مالک بن انسؒ فرمایا کرتے تھے ''ابن المبارک خراسان کے فقیہ ہیں''

ابواسحاق الفزاریؒ کا قول ہے ''حضرت عبداللہ بن مبارکؒ تمام مسلمانوں کے امام ہیں۔'' (تاریخ خطیب بغدادی)

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں ''ابن المبارکؒ ماہر حدیث اور حافظ الحدیث ہیں۔''

(تہذیب التہذیب)

یحیٰی بن معینؒ کے سامنے کسی نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا ''وہ مسلمانوں کے سرداروں میں سے ایک سردار تھے'' (سید المسلمین)

(تاریخ خطیب بغدادی)

علّامہ ابنِ سعدؒ لکھتے ہیں:

''ابن المبارکؒ نے علم کی تحصیل کا حق ادا کرنے کے لیے کثیر روایات بیان کیں، علم کے مختلف ابواب واقسام پر متعدد کتابیں تصنیف کیں، زہد اور ترغیبِ جہاد

Marfat.com

میں اشعار کہے' وہ معتبر تھے' حجت تھے' کثیر الحدیث تھے اور اس قابل تھے کہ ان کے قول کو سند تعلیم کیا جائے...... (تہذیب الاسماء)

حسن بن عیسیٰؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ علماء کے ایک اجتماع میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے اوصاف و خصائل کا ذکر چھڑ گیا تو سب نے بالاتفاق تسلیم کیا کہ وہ ایک جامع الصفات ہستی ہیں' علمِ دین' فقہ' ادب' نحو' لغت' شعر' فصاحت' زہد' تقویٰ' کم گوئی' قیام اللیل' عبادت' حج' جہاد' شہسواری' شجاعت' صحت مندی' شہزوری' کم آمیزی' مہمل گوئی سے اجتناب وغیرہ صفات ان کی ذات میں جمع ہو گئی تھیں۔...... (تذکرۃ الحفاظ)

غرض حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے ہمعصر اور بعد کے علماءِ سلف سبھی نے ان کے کمالاتِ علمی اور سیرت و کردار کی بڑے مؤثر الفاظ میں تعریف و توصیف کی ہے ابنِ مبارکؒ کے ہمعصر علماء جن میں سے بعض امامِ وقت تھے' نہ صرف ان کی تعریف زبان سے کرتے تھے بلکہ عملی طور پر بھی ان کی بے حد تعظیم و تکریم کرتے تھے۔

یحییٰ بن یحییٰ اندلسیؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم امام مالک بن انسؒ کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ ابن المبارکؒ تشریف لائے۔ امام مالکؒ جو کبھی کسی کے لیے نہ اٹھتے تھے اور نہ اپنی نشست تبدیل کرتے تھے' اٹھ بیٹھے اور اپنی نشست بدل کر ابن المبارکؒ کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ (تہذیب التہذیب' ابن حجرؒ)

حافظ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امام مالک بن انسؒ حدیث کا درس دے رہے تھے۔ اتفاق سے عبداللہ بن مبارکؒ بھی پہنچ گئے۔ ایک شاگرد نے ابن المبارکؒ سے مخاطب ہو کر کہا' اس مسئلہ کے بارے میں آپ لوگوں یعنی اہلِ خراسان کے پاس کوئی حدیث یا اثر ہو تو پیش کیجیے۔ ابن المبارک غایت احترام میں اور ازراہِ حُسنِ ادب بہت آہستہ آہستہ جواب دیتے رہے۔ امام مالکؒ کو ان کا حُسنِ ادب اور

Marfat.com

اندازِ تکلم بہت پسند آیا۔ جب وہ چلے گئے تو انہوں نے اہلِ مجلس سے مخاطب ہو کر فرمایا' یہ عبداللہ بن مبارک' خراسان کے فقیہ ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ)

احمد بن سنانؒ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مبارکؒ پہلی مرتبہ حماد بن زیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دریافت کیا' آپ کہاں سے آرہے ہیں؟ جواب دیا' خراسان سے' پوچھا' خراسان کے کس شہر سے' عرض کیا مرو سے۔ اب حمادؒ نے پوچھا' وہاں کے ایک صاحب عبداللہ بن مبارک کو بھی آپ جانتے ہیں؟ عرض کیا' جانتا ہوں پوچھا وہ کیسے ہیں؟ بولے' عبداللہ بن مبارک ہی تو آپ کے سامنے حاضر ہے۔ حماد یہ سن کر بے قرار ہو گئے سلام کیا اور مرحبا کہتے ہوئے گلے لگا لیا۔

(تاریخ خطیب بغدادی)

(۵)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ قرآن' حدیث' فقہ' سیرت و مغازی اور دوسرے دینی علوم کے علاوہ دینی علوم' زبان و ادب' نحو و بلاغت' لغت و شاعری وغیرہ کے بھی بحرِ زخار تھے گویا ان کی ذات دینی و دنیوی علوم کی جامع تھی یہاں تک کہ علمِ طب بھی ان کی دسترس سے باہر نہیں تھا۔ حافظ ذہبیؒ نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں حسنؒ سے روایت کی ہے کہ ابنِ مبارکؒ ایک دن امام سفیان ثوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ وہ شدتِ کرب سے کراہ رہے ہیں۔ دریافت کیا' آپ کو کیا تکلیف ہے؟ انہوں نے اپنے مرض کی کیفیت بیان کی۔ حضرت عبداللہؒ نے اسی وقت پیاز کی ایک گنٹھی منگوائی اور اسے کاٹ کر حضرت سفیان ثوریؒ سے کہا' اسے سونگھیے۔ انہوں نے تھوڑی دیر اس کو سونگھا تو ایک چھینک آئی اور طبیعت بالکل بحال ہو گئی۔ اس وقت حضرت امام ثوریؒ کی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ آ گئے:

''سبحان اللہ آپ فقیہ بھی ہیں اور طبیب بھی۔''

Marfat.com

شعروشاعری کا ذوق نہایت پاکیزہ تھا' خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں ان کے جو اشعار نقل کیے ہیں ان پر اخلاقی تعلیمات کی گہری چھاپ ہے۔

فقہ میں اتنا بلند مقام حاصل تھا کہ ان کی موجودگی میں بڑے بڑے علماء وفقیہ مسئلہ بتانے سے احتراز کرتے تھے۔ اگرچہ فقہ واجتہاد میں وہ اپنے جلیل القدر استاد حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مرتبے کو نہیں پہنچے تاہم امام مالکؒ' امام نوویؒ' امام ذہبیؒ' ابن حماد حنبلیؒ' ابن شماسؒ اور حافظ ابن حجرؒ بھی نے ان کے تَفَقُّہ کا اعتراف کیا ہے۔

علمِ حدیث سے حضرت عبداللہؒ کو خاص شغف تھا اسی لیے کہ وہ ایک یگانہ روزگار محدث اور امام العصر تسلیم کیے گئے۔ علمِ حدیث میں ان کے مرتبہ کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ان کے ہمعصر مُحَدِّثین میں اگر کسی حدیث کے بارے میں اختلاف ہوتا تو وہ فیصلہ کے لیے ان کی طرف رجوع کرتے کیونکہ تمام کے نزدیک ابنِ مبارکؒ حفظ حدیث کے اعتبار سے حکم فی الحدیث کی حیثیت رکھتے تھے۔ علم حدیث کے لیے جس قوتِ حافظہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابنِ مبارک کو اس سے وافر حصہ عطا کیا تھا۔ خطیب بغدادی نے ان کے ایک دوسرے معاصر صخر کی زبانی اپنی تاریخ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ میں اور ابنِ مبارک نے خطیب کا طویل خطبہ سنا۔ خطبہ ختم ہوا تو ابنِ مبارکؒ نے فرمایا' مجھ کو یہ تمام خطبہ یاد ہو گیا پھر انہوں نے ایک شخص کی فرمائش پر اسی وقت وہ تمام خطبہ شروع سے اخیر تک سنا دیا۔

حافظ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ ایک دن عشاء کی نماز کے بعد علی بن الحسن بن شفیق سے ایک حدیث کے بارے میں گفتگو چھڑ گئی۔ ساری رات اسی گفتگو میں مسجد کے دروازے پر کھڑے گزر گئی لیکن ابن المبارکؒ کو احساس بھی نہ ہوا۔

(تذکرۃ الحفاظ)

Marfat.com

امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ ابن المبارکؒ صاحب الحدیث اور حافظ الحدیث تھے۔ (تہذیب التہذیب ابنِ حجرؒ)

حدیث سے اپنے والہانہ شغف کی بنا پر گھر سے بہت کم باہر نکلتے تھے۔ نعیم بن حمادؒ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا' آپ کو مکان میں ہر وقت تنہا بیٹھے رہنے سے وحشت نہیں ہوتی؟ فرمایا ''وحشت کیسے ہو سکتی ہے جبکہ اس تنہائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے فیض صحبت سے شرف یاب ہوتا ہوں۔''

(تاریخِ بغداد' خطیب بغدادی)

کُتُب حدیث میں حضرت ابن المبارکؒ سے مروی روایات کی تعداد بیس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ اپنی روایات کے بارے میں اسناد کا خاص خیال رکھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ روایت کو ہر مرحلہ میں ثِقَۃ عَن ثِقَۃ ہونا چاہیے۔ (یعنی معتبر شخص' معتبر شخص سے روایت کرے) .... (تذکرۃ الحُفّاظ ذہبیؒ)

اپنے تبحّرِ علمی اور زبردست قوّتِ حافظہ کے باوجود اس قدر محتاط تھے کہ محض حافظہ سے روایت نہیں کرتے تھے بلکہ کتاب دیکھ کر بیان کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے ''ابن المبارک صاحبِ حدیث اور حافظ الحدیث تھے اور کتاب سے حدیث بیان کرتے تھے۔'' (تہذیب التہذیب)

حدیثِ نبویؐ کا ان کے دل میں حد سے زیادہ احترام تھا۔ روایت وسماع کے خاص اوقات مقرر کر رکھے تھے۔ صرف سماعِ حدیث کے اہل حضرات کے سامنے ہی حدیث بیان کرتے تھے۔ وہ ایسی بات کو برداشت نہیں کرتے تھے جس سے حدیث کی شان اور وقار میں ذرا بھی تخفیف کا پہلو نکلتا ہو۔

ایک مرتبہ ایک شخص طویل مسافت طے کر کے سماعِ حدیث کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور آتے ہی روایتِ حدیث کی درخواست کی۔ انہوں نے

Marfat.com

انکار کر دیا۔ اس نے اپنے ملازم سے کہا "چلو" اور سواری پر بیٹھ کر چلنے لگا۔ حضرت عبداللہؒ نے فوراً اٹھ کر رکاب تھام لی۔ اس شخص نے کہا' آپ نے حدیث تو سنائی نہیں لیکن میری سواری کی رکاب تھام رہے ہیں۔ فرمایا' ہاں میں یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ تمہارے لیے اپنی ذات کو ذلیل کر دوں لیکن حدیثِ نبویؐ کی توہین مجھے گوارا نہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ)

ایک اور موقع پر کسی شخص نے راستہ میں ان سے روایتِ حدیث کی درخواست کی۔ فرمایا "یہ موقع حدیث کی روایت وسماع کا نہیں ہے۔" (تبع تابعین)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اگرچہ علم و فضل کے بحرِ بے کراں بن گئے تھے لیکن ان کے سینے میں تحصیلِ علم کے شوق کی شمع عمر بھر فروزاں رہی۔ حافظ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن المبارکؒ سے پوچھا گیا کہ آپ کب تک علم حاصل کرتے رہیں گے تو انہوں نے جواب دیا' موت تک اِن شاءَ اللہ۔

ایک اور موقع پر اسی قسم کے سوال کے جواب میں فرمایا:

"شاید وہ کلمہ اب تک میں نے نہ سنا ہو جو میرے کام آئے۔"

(العلم والعلماء)

چنانچہ جہاں ایک دنیا ان کے خوانِ علم کی ریزہ چین تھی وہ خود بھی زندگی کے کسی دَور میں بھی دوسروں کے فیوضِ علمی سے بہرہ یاب ہونے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔

(۶)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی زندگی کا بیشتر حصہ سفروں میں گزرا۔ لڑکپن سے جوانی تک کے زمانے میں تحصیلِ علم کے سلسلے میں سفر کرتے رہے۔ اس کے بعد وہ اکثر تجارت' حج' جہاد فی سبیل اللہ' دعوت و تبلیغ اور ارشاد و اصلاح کے لیے پابرِکاب

Marfat.com

رہتے۔ یہی سبب تھا کہ وہ کسی خاص مقام پر مجلس درس قائم نہیں کر سکے لیکن ان کے کمالات علمی نے ایک دنیا کو مسخر کر لیا تھا جہاں بھی جاتے لوگ جوق در جوق ان کے گرد جمع ہو جاتے اور مقدور بھر اکتساب فیض کرتے تھے۔ حافظ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ ممالک اسلامیہ کے اس قدر لوگوں نے ان سے استفاضہ کیا کہ ان کا شمار کرنا ممکن نہیں۔

طبعاً شہرت سے متنفّر تھے اور گمنام رہنا پسند کرتے تھے یہاں تک کہ اگر انہیں معلوم ہو جاتا کہ کسی شاگرد نے ان کا قول نقل کرتے ہوئے قال عبداللّٰہ بن المبارك لکھا ہے تو اس کے پاس چاقو بھیجتے تھے کہ اس سے میرا نام تصنیف میں سے چھیل دو، میری کیا حقیقت ہے کہ کسی قول کو میری طرف منسوب کیا جائے لیکن خدا کی قدرت، جس قدر بھی انہوں نے گمنام رہنے کی کوشش کی اسی قدر شہرت بڑھتی گئی اور وہ مرجعِ خلائق بن گئے۔

آج کل سفر کے لیے جس قدر آسانیاں اور سہولتیں میسر ہیں ابن المبارکؒ کے زمانے میں ان کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ آج جو سفر چند ساعتوں میں طے ہو جاتا ہے اس زمانے میں ہفتوں اور مہینوں میں طے ہوتا تھا اور پھر راستے میں جو دشواریاں اور مصیبتیں پیش آتی تھیں ان کی تفصیل جان کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے لاتعداد سفروں پر نظر ڈالیں تو لامحالہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان کی زندگی بالکل مجاہدانہ تھی۔ کبھی مرو میں ہیں تو کبھی بغداد میں، کبھی بصرہ میں ہیں تو کبھی رقّہ میں، کبھی شام میں ہیں تو کبھی مصر میں، کبھی حجاز میں ہیں تو کبھی یمن میں۔ انہوں نے تجارت میں لاکھوں روپے پیدا کیے اور لاکھوں ہی راہِ خدا میں صرف کیے۔ فی الحقیقت ان کے سفر کا عنوان "تجارت" ہوتا تھا لیکن اس کی روح علمی افادہ و استفادہ اور مخلوقِ خدا کی خدمت ہوتی تھی۔

Marfat.com

حضرت ابن المبارکؒ کے چند خاص تلامیذ اور رُواۃ کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(ان میں ایسی عظیم المرتبت ہستیاں بھی ہیں جن کی روایات کو صحاح ستّہ کے محدّثین نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور ایسی بھی کہ جن کو درجۂ امامت حاصل ہوا اور خلقِ کثیر نے ان سے کسبِ فیض کیا۔)

امام احمد بن حنبلؒ، یحییٰ بن معینؒ، فضیل بن عیاضؒ، اسحاق بن راہویہؒ، ابوداوٗد الطیالسیؒ، یحییٰ بن سعید القطانؒ، نعیم بن حماد الخزاعی مروزیؒ، محمد بن العلاء کوفیؒ، ابوبکر بن عیاشؒ، علی بن الحسن بن شقیق مروزیؒ، سلیمان المروزیؒ وغیرہ۔

ابنِ مبارکؒ کے رُواۃ میں امام سفیان ثوریؒ، معمر بن راشدؒ، سفیان بن عیینہؒ، عبدالرحمٰن بن مہدی بصریؒ اور ابواسحاق الفزاریؒ بھی شامل ہیں۔ یہ اصحاب ابن مبارکؒ کے استاد بھی تھے۔

(۷)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے گلشنِ اخلاق میں خشیتِ الٰہی، شجاعت، شوقِ جہاد، تواضع و انکسار، جود و سخا، خدمتِ خلق، اِکرامِ ضیف، رِقّتِ قلب، زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت، خودداری اور اربابِ حکومت سے گریز، سب سے خوشرنگ پھول ہیں۔ ان کی سیرت و کردار میں صحابۂ کرامؓ کی پُرعظمت اور پاکیزہ زندگی کی جھلک نظر آتی تھی۔

حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں:

"میں نے صحابۂ کرامؓ کے حالات پر غور کیا اور عبداللہ بن المبارکؒ کے حالات بھی دیکھے تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ صحابۂ کرامؓ کو اس بنا پر ابن المبارکؒ پر فضیلت حاصل ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا سے اپنی آنکھیں روشن کیں اور آپؐ کی صحبت اور غزوات میں ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔"

(تاریخ خطیب بغدادی)

Marfat.com

گویا مخصوص فضائل کے سوا عادات و اخلاق میں ابن المبارکؒ صحابۂ کرامؓ کا نمونہ تھے۔ فی الحقیقت ان کو صحابۂ کرامؓ سے اس قدر عقیدت اور محبت تھی کہ اپنے طور طریقوں کو انہی کے سانچہ میں ڈھال لیا تھا۔ اصحابِ رسولؐ کا ان کے نزدیک جو بلند مقام تھا اس کا اندازہ اس روایت سے کیا جا سکتا ہے جو ابنِ خلّکانؒ نے ابوعلی غسانی سے نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کسی نے ابن المبارکؒ سے پوچھا حضرت معاویہؓ بن ابوسفیان اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (تابعی) میں سے کون افضل ہے۔ ابن المبارکؒ نے جواب دیا' واللہ وہ غبار راہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں حضرت معاویہؓ کی ناک میں داخل ہوا ہے وہ بھی عمر بن عبدالعزیزؒ پر ہزار درجہ فضیلت رکھتا ہے۔ حضرت معاویہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے اور جب حضورؐ نے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ فرمایا تو جواب میں حضرت معاویہؓ نے رَبَّنَا لَکَ الْحَمْد کہا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی اس سوال کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ (وفیات الاعیان)

خشیتِ الٰہی کی یہ کیفیت تھی کہ ہر وقت اللہ کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ نعیم بن حمادؒ سے روایت ہے کہ جب وہ (اپنی تالیف) "کتاب الزُّہد والرقائق" طلبہ کے سامنے پڑھتے تو ان پر سخت رِقّت طاری ہو جاتی تھی اور (جوشِ گریہ میں) ان کے منہ سے اس طرح آواز نکلتی تھی جیسے ذبح کی ہوئی گائے کے منہ سے۔ اس وقت وہ بات کرنے کے قابل نہیں رہتے تھے۔ (تاریخ خطیب بغدادی)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے کہ عبداللہ بن مبارکؒ کو اللہ تعالیٰ نے جو اونچا مرتبہ دیا وہ اس بنا پر تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرتے تھے۔

(صفوۃ الصفوۃ' ابن جوزی)

ابن المبارکؒ کے ایک ہمعصر عالم قاسم بن محمدؒ سے روایت ہے کہ میں اکثر سفر

Marfat.com

میں عبداللہ بن مبارکؒ کے ساتھ رہتا تھا۔ کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا تھا کہ آخر ان میں وہ کونسی خوبی ہے جس کی بنا پر ان کی اتنی قدر ہے اور مخلوق خدا ان کی راہ میں آنکھیں بچھاتی ہے' نماز وہ بھی پڑھتے ہیں ہم بھی پڑھتے ہیں' روزے وہ رکھتے ہیں تو ہم بھی رکھتے ہیں' وہ حج کو جاتے ہیں تو ہم بھی جاتے ہیں' وہ خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں تو ہم بھی جہاد میں شریک ہوتے ہیں لیکن جہاں دیکھیں ہر ایک کی زبان پر عبداللہ بن مبارکؒ ہی کا نام ہے۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ہم لوگ شام کی طرف سفر کر رہے تھے۔ راستے میں رات آ گئی۔ ایک جگہ قیام کیا۔ کھانے کے لیے جب سب دستر خوان پر بیٹھے تو اتفاقاً چراغ بجھ گیا اور اندھیرا ہو گیا۔ ایک آدمی نے اٹھ کر چراغ جلایا جب روشنی ہوئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ عبداللہ بن مبارکؒ کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہے۔ میں سمجھ گیا کہ اندھیرے میں ان کو قبر کا اندھیرا یاد آ گیا اور ان پر رقت طاری ہو گئی۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ یہی خوفِ خدا ان کے فضل و شرف کا باعث ہے۔

(صفوۃ الصفوۃ' ابن جوزی)

ابن المبارکؒ اگر خالق اور مخلوق کے معاملہ میں انتہائی رقیق القلب تھے تو باطل کے مقابلے میں شیرِ ژیاں تھے جب بھی موقع ملتا جہاد میں شریک ہوتے اور میدانِ جنگ میں شجاعت و بسالت کا حق ادا کر دیتے۔ ایک دفعہ کچھ لوگوں کو شبہ پیدا ہوا کہ وہ عزلت پسند ہیں اور جہاد سے کوئی رغبت نہیں رکھتے لیکن جب رومیوں کے خلاف ایک لڑائی میں ایک نقاب پوش مجاہد نے کئی رومیوں کو یکے بعد دیگرے ڈھیر کر دیا تو اس مجاہد کے چہرے سے کپڑا اٹھانے کے بعد وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ مجاہد عبداللہ بن مبارکؒ تھے۔ اہل سِیَر کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہؒ اکثر مصیصہ اور طرطوس وغیرہ کا سفر کرتے تھے اور یہ سفر محض شرکت جہاد کے لیے ہوا کرتا تھا۔

Marfat.com

ایک دفعہ کسی مجوسی سے مقابلہ پیش آ گیا۔ لڑائی کے دوران میں مجوسی کی عبادت کا وقت آ گیا۔ اس نے ان سے مہلت چاہی کہ میں عبادت سے فارغ ہو لوں اس کے بعد تم سے نبرد آزما ہوں گا۔ وہ مان گئے۔ مجوسی نے سورج کے سامنے سجدہ کیا تو ان کو سخت غصہ آیا اور اس کو قتل کرنا چاہا لیکن پھر حکم الٰہی کا خیال آیا کہ عہد کی باز پُرس ہوگی تو ضبط سے کام لیا۔ مجوسی عبادت سے فارغ ہوا تو ان کی پاسداریِ عہد سے اتنا متاثر ہوا کہ اسی وقت حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔

دینی و دنیوی وجاہت اور جلالت قدر کے باوجود حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی طبیعت میں عجز و انکسار اور فروتنی کا مادہ حد سے زیادہ تھا۔ اپنی تعریف سننا گوارا نہیں کرتے تھے اور اپنی تعظیم و تکریم کے مظاہرے بھی پسند نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ابو وہب مروزی نے پوچھا کہ تکبر کی تعریف کیا ہے؟ فرمایا ''تکبر یہ ہے کہ دوسروں کو حقیر اور خود کو باعزت سمجھا جائے۔'' پھر فرمایا ''تکبر میں یہ بھی داخل ہے کہ تم اپنی کسی چیز کی نسبت یہ خیال کرو کہ یہ کسی اور کے پاس نہیں ہے۔''

فرمایا کرتے تھے ''جس شخص نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس کی علامت یہ ہوگئی کہ وہ اپنے آپ کو کُتّے سے بھی ذلیل سمجھنے لگا۔''

ایک مرتبہ کسی سبیل پر پانی پینے کے لیے گئے۔ وہاں بھیڑ تھی لوگوں کا ریلا جو آیا تو دھکا لگنے سے دور جا گرے۔ جب وہاں سے واپس چلنے لگے تو حسنؒ سے جو ان کے ساتھ تھے کہنے لگے ''زندگی ایسی ہی ہو کہ نہ لوگ ہمیں پہچانیں اور نہ ہماری توقیر کریں۔''

مرو میں ان کے پاس ایک وسیع مکان تھا جس میں ہر وقت عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا۔ ان کو یہ عقیدت مندی ناپسند تھی کچھ عرصہ تو اسے برداشت کیا لیکن جب دیکھا کہ اس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے تو مرو سے کوفہ چلے گئے اور وہاں ایک

Marfat.com

تنگ و تاریک مکان میں قیام پذیر ہوئے۔ لوگوں نے پوچھا' حضرت اتنا کشادہ مکان چھوڑ کر اس تنگ و تاریک مکان میں رہنے سے آپ کی طبیعت نہیں گھبراتی؟ فرمایا' لوگ عقیدت مندوں کے ہجوم میں رہنا پسند کرتے ہیں لیکن میں اس کو ناپسند کرتا ہوں اسی لیے تو مرو سے کوفہ بھاگ آیا ہوں۔

عام لوگوں کے ساتھ تو ان کے عجز و انکسار کی یہی کیفیت تھی لیکن حاکموں اور امیروں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور ان کے پاس جانا وقارِ علم کے منافی سمجھتے تھے۔ ابراہیم موصلی کا بیان ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید ''عین ذربہ'' آیا تو اس نے دو تین مرتبہ عبداللہ بن مبارکؒ سے ملنے کی خواہش کی لیکن میں نے کسی نہ کسی حیلے سے ٹال دیا...... کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ ان کے سامنے دین و شریعت کے خلاف کوئی بات ہو گی تو وہ خلیفہ کو سختی سے روکیں گے اور یہ بات اسے ناگوار گزرے گی۔ اتفاقاً ایک دن عبداللہ بن مبارکؒ خود ہی خلیفہ سے ملنے تشریف لے آئے۔ ملاقات کے بعد کسی نے ان سے پوچھا' آپ تو ہارون الرشید کی ملاقات سے گریز کرتے تھے اب کیسے آ گئے؟ فرمایا' میں اپنے دل کو موت پر راضی کرنا چاہتا تھا مگر وہ نہیں ہوتا تھا اب جبکہ وہ راضی ہو گیا تو میں ہارون سے ملنے آ گیا۔ گویا وہ ہارون الرشید کے سامنے حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتے تھے اور اس کا نتیجہ ان کے قتل کی صورت میں بھی نکل سکتا تھا جب ان کا نفس اپنی موت پر راضی ہو گیا تو وہ بے دھڑک خلیفہ کے پاس آ گئے۔ کسی دنیوی غرض کے لیے تو حکمرانوں سے ان کے ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ان کو نہ صرف خود امراء و سلاطین سے ملنا ناپسند تھا بلکہ وہ اپنے احباب و اقربا کو بھی اس سے منع کیا کرتے تھے۔ ان کے ایک نہایت عزیز دوست اور شاگرد اسماعیل بن علیہؒ تھے وہ بھی بہت بڑے عالم اور محدّث تھے اور کاروبار میں بھی ان کے شریک تھے۔ انہوں نے بعض حاکموں اور امیروں کے پاس آنا جانا شروع کر دیا۔ بعض روایتوں میں ہے

Marfat.com

کہ امراء وحکّام کے ساتھ ان کا یہ اٹھنا بیٹھنا اس سبب سے تھا کہ انہوں نے زکوٰۃ و صدقات کی تحصیلداری کا عہدہ قبول کرلیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے سخت ناگواری کا اظہار کیا۔ ایک دن اسماعیلؒ ان کی مجلس میں آئے تو ان سے مخاطب نہیں ہوئے، اسماعیل کو بہت رنج ہوا گھر جا کر ابن المبارکؒ کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں ان کی بے توجّہی اور ناراضی پر اپنے رنج وغم اور ندامت کا اظہار کیا اور نہایت لجاجت کے ساتھ ان کی ناراضی کا سبب دریافت کیا۔ اس خط کے جواب میں حضرت عبداللہؒ نے چند اشعار لکھ بھیجے جن کا مطلب یہ تھا ''تم نے علمِ دین کو ایسا باز بنادیا ہے جو غریبوں کا مال سمیٹ کر کھاجاتا ہے۔ تم نے دنیا اور اس کی لذّتوں کے لیے ایسی تدبیر اختیار کی ہے جو تمہارے دین کو پھونک کر رکھ دے گی۔ تمہاری وہ روایتیں کیا ہوئیں جو تم خود بیان کیا کرتے تھے اور جن میں دنیادار حاکموں سے میل جول رکھنے کی وعید آئی ہے، دیکھو دنیا پرست پادریوں کی طرح دین سے دنیا نہ کماؤ۔''

اسماعیلؒ یہ اشعار پڑھ کر رونے لگے اور اسی وقت اپنے عہدے سے مستعفی ہوگئے۔

(۸)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے نزدیک علم دین کو دولت کمانے کا ذریعہ بنانا جائز نہیں تھا۔ اس لیے انہوں نے تجارت کو اپنا ذریعۂ معاش بنایا تھا۔ وہ عموماً خراسان سے قیمتی سامان لاتے اور حجاز میں فروخت کرتے تھے۔ اللہ نے تجارت میں خوب برکت دی تھی لاکھوں ہی کماتے تھے اور لاکھوں ہی رضائے الٰہی کی خاطر کارہائے خیر میں صَرف کرتے تھے۔ ان کی تجارت کا مقصد سرمایہ دار بن کر اپنی ذات کے لیے سامانِ عیش وراحت جمع کرنا نہیں تھا بلکہ اس ذریعے سے ایک تو وہ اپنی معیشت میں دوسروں کی دست نگری سے بے نیاز ہونا چاہتے تھے اور دوسرے

Marfat.com

مخلوقِ خدا کی خدمت کرنا چاہتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے شاگرد حضرت فُضَیلؒ بن عیاض نے پوچھا' حضرت آپ ہمیں تو نصیحت کرتے ہیں کہ دنیا میں دل نہ لگاؤ اور آخرت کی فکر کرو لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ خود خراسان سے بیش قیمت سامانِ تجارت لاتے ہیں اور اسے بلد الحرام میں فروخت کرتے ہیں؟ فرمایا:

''اے ابو علی! یہ میں اس لیے کرتا ہوں کہ مصائب سے بچ سکوں اور اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کر سکوں اور اس کی مدد سے اللہ کی اطاعت زیادہ سے زیادہ کروں اور اللہ کی طرف سے اپنوں پرایوں کے جو حقوق مجھ پر عائد ہوتے ہیں ان کی طرف سبقت کر کے اچھی طرح ادا کر سکوں۔''

ایک اور موقع پر حضرت فضیلؒ سے فرمایا: ''اگر تم اور تمہارے ساتھی نہ ہوتے تو میں تجارت کی کھکھیڑ نہ اٹھاتا۔''

حضرت ابن المبارکؒ کی آمدنی کے مصارف کی بڑی بڑی مدّیں یہ تھیں۔

ا۔ مہمان نوازی

دسترخوان بہت وسیع تھا' سفر میں ہوں یا حضر میں مہمان نوازی کا خاص التزام تھا۔ دوست احباب ہوں یا اعزّہ واقارب' فقراء ہوں یا امراء' پڑوسی ہوں یا اجنبی' مسافر ہوں یا مقامی' ان کے دسترخوان پر سب کو دعوتِ عام تھی۔ کم از کم دو بچھڑوں کا گوشت روزانہ مہمان نوازی میں خرچ ہوتا تھا۔ مرغیوں اور بکریوں کا گوشت بھی پکتا تھا۔ ابو اسحٰق طالقانیؒ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سفر کر رہے تھے تو ان کے ساتھ دو اونٹنیوں پر بھنی ہوئی مرغیاں لدی ہوئی تھیں۔ یہ ان مسافروں کے لیے تھیں جو ان کے ہم سفر تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ سفر میں ان کے دسترخوان کا سامان ایک یا دو گاڑیوں پر لادا جاتا تھا۔

اگر کوئی چیز کھانے کو دل چاہتا تو تنہا کبھی نہ کھاتے۔ کسی نہ کسی مہمان یا مہمانوں

Marfat.com

کے ساتھ بیٹھ کر تناول کرتے اور فرمایا کرتے کہ مہمان کے ساتھ جو کھانا کھایا جاتا ہے آخرت میں اس کا محاسبہ نہیں ہوگا۔

خود روزے کثرت سے رکھتے تھے لیکن اپنے ساتھیوں کو فالودہ اور حلوا بنوا کر کھلایا کرتے تھے۔

۲۔علماء اور طلبہ کی اعانت

علماء اور طلبہ کی اعانت کے لیے ابن المبارکؒ اپنا مالِ بے دریغ لٹاتے رہتے تھے۔اس معاملے میں ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ علماء اور طلبہ کو فکرِ معاش سے آزاد کر دیا جائے تاکہ یکسوئی سے اشاعتِ علم اور تحصیلِ علم کر سکیں۔وہ ایسے علماء اور طلبہ کی ڈھونڈ ڈھونڈ کر مدد کرتے تھے جو معاشی لحاظ سے پریشان حال ہوتے۔اس مقصد کے لیے وہ جتنا روپیہ اپنے شہر کے علماء وطلبہ پر خرچ کرتے تھے اس سے کہیں زیادہ مال دوسرے شہروں کے علماء وطلبہ میں تقسیم کرتے تھے۔خطیب بغدادیؒ نے حبانِ بن موسیٰؒ سے روایت کی ہے کہ بعض لوگوں نے ان سے شکایت کی کہ آپ اپنے اہلِ شہر پر اتنا مال تقسیم نہیں کرتے جتنا دوسرے شہروں میں تقسیم کرتے ہیں۔اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا:

''جن علماء وطلبہ پر میں اپنا مال خرچ کرتا ہوں' میں ان کے علم وفضل اور صدق و دیانت سے بخوبی واقف ہوں۔یہ لوگ علمِ دین کی اشاعت وطلب میں لگے ہوئے ہیں۔آخر ان کی ذاتی (خانگی) ضرورتیں بھی تو وہی ہیں جو دوسروں لوگوں کی ہیں۔اگر یہ لوگ بھی اپنی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے میں لگ جائیں تو علم ضائع ہو جائے گا۔اگر ہم نے انہیں فکرِ معاش سے بے نیاز کر دیا تو یہ یکسوئی کے ساتھ علم کی اشاعت کریں گے اور میرے نزدیک نبوّت کے ختم ہونے کے بعد علم کی اشاعت

Marfat.com

سے افضل دوسرا کوئی کام نہیں ہے۔"

ایک مرتبہ ان سے کہا گیا کہ اہلِ علم (یعنی طالبینِ علم) کی ایک جماعت لوگوں سے اموالِ زکوٰۃ لیتی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ پھر ہم کیا کریں، اگر ہم ان کو اس سے منع کر دیں تو وہ طلبِ علم سے رک جائیں گے جبکہ معاش کا کوئی ذریعہ ان کے پاس نہیں ہے اور اگر ہم ان کو اس کے لیے اجازت دے دیں تو وہ یکسوئی کے ساتھ حصولِ علم میں لگے رہیں گے اور یہ کام دوسرے سب کاموں سے افضل ہے۔

۳۔ حُجّاج کی امداد

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا معمول تھا کہ جب حج کے لیے روانہ ہونے لگتے تو اپنے تمام رفقائے سفر سے فرماتے کہ تم لوگ اپنا اپنا سفر خرچ میرے پاس جمع کرا دو۔ جب وہ اپنی رقمیں ان کے حوالے کر دیتے تو وہ ہر ایک کی رقم کو الگ الگ تھیلیوں میں بند کر کے ہر تھیلی پر اس کے مالک کا نام لکھ دیتے پھر ان سب تھیلیوں کو ایک صندوق میں رکھ کر اس کو مقفل کر دیتے۔ پورے سفر میں جو کچھ خرچ ہوتا اس کو خود برداشت کرتے۔ ان لوگوں کو عمدہ عمدہ کھانے کھلاتے اور ہر طرح کی آسائشیں مہیا کرتے۔ فریضۂ حج سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ منورہ پہنچتے تو ان سے پوچھ پوچھ کر سب کے اہل وعیال کے لیے حسبِ منشا تحفے تحائف خرید کر دیتے۔ سفرِ حج ختم کر کے گھر واپس آتے تو اس زمانہ کے حجاج کے دستور کے مطابق ان کے مکانات پر سفیدی وغیرہ کراتے۔ تین دن کے بعد تمام رفقائے سفر اور ان کے اعزّہ واقارب کی پُرتکلّف دعوت کرتے اس سے فارغ ہو کر صندوق کھول کر ہر ایک کی تھیلی جس پر اس کا نام لکھا ہوتا تھا اس کے حوالے کر دیتے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ زندگی بھر ان کا یہی شعار رہا۔

Marfat.com

۴۔ جُودوسخا اور اہلِ حاجت کی امداد

خطیب بغدادی نے ''تاریخِ بغداد'' میں علی بن حسن بن شقیقؒ سے روایت کی ہے کہ ابن المبارکؒ ہر سال فقراء پر ایک لاکھ درہم خرچ کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی کتاب سیرت میں متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بے حد فیاض اور سیر چشم تھے اور اہلِ حاجت کی امداد کے لیے ہر وقت کمر بستہ رہتے تھے۔

ایک مرتبہ (غالباً) جہاد میں شریک ہونے کے لیے بغداد سے مصیصہ کی جانب روانہ ہوئے تو کچھ صوفیہ بھی ان کے شریکِ سفر ہو گئے۔ انہوں نے ان حضرات سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ حضرات کے نفوسِ قانع اس بات پر انقباض تو محسوس کریں گے کہ آپ کی خدمت میں کوئی سفر خرچ پیش کیا جائے پھر بھی زادِراہ کی ضرورت سے بے نیاز رہنا ممکن نہیں۔ یہ کہہ کر ایک ملازم کو حکم دیا کہ ایک طشت لائے۔ وہ طشت لایا تو انہوں نے اس میں ایک معقول رقم رکھ دی اور اس کو ایک رومال سے ڈھانپ دیا۔ پھر ان حضرات سے فرمایا کہ ہر صاحب باری باری اس رومال کے نیچے ہاتھ ڈال کر جو کچھ مٹھی میں آئے لے لیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا' کسی کو دس درہم مل گئے کسی کو بیس یا اس سے کم و بیش۔ مصیصہ پہنچ کر فرمایا کہ یہ پردیس ہے اور ضروریات باقی ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ باقی رہ گیا ہے اسے بھی تقسیم کر لیا جائے یہ کہہ کر ہر ایک کو بیس بیس دینار عطا کیے۔

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت ابن المبارکؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ سات سو درہم کا مقروض ہوں' مجھے اس قرض سے نجات دلائیے۔ انہوں نے اسی وقت اپنے منشی کو لکھا کہ اس شخص کو سات ہزار درہم دے دیے جائیں۔ وہ آدمی یہ خط لے کر

Marfat.com

منشی کے پاس پہنچا۔ اس نے پوچھا' تم پر کتنا قرض ہے اور تم نے کتنی رقم ابن المبارکؒ سے طلب کی تھی۔ اس نے کہا ''سات سَو درہم''منشی نے سمجھا کہ ابن المبارکؒ سے سہوِ قلم ہو گیا ہے اور وہ سات سَو کے بجائے سات ہزار لکھ گئے ہیں چنانچہ اس نے ابن المبارکؒ کو لکھ بھیجا کہ یہ شخص تو صرف سات سَو درہم کا مقروض ہے اور آپ نے سات ہزار دینے کا حکم دیا ہے کہیں سہوِ قلم تو نہیں ہو گیا؟ ابن المبارکؒ نے جواب میں لکھا کہ جس وقت میرا یہ خط تم کو ملے اسی وقت اس شخص کو چودہ ہزار درہم دے دو۔ منشی اور بھی حیران ہوا اور اس نے ازراہِ ہمدردی ان کو دوبارہ لکھا کہ آپ اس طرح اپنا سرمایہ بے دریغ لٹاتے رہے تو یہ بہت جلد ختم ہو جائے گا۔ منشی کا خط پڑھ کر ابن المبارکؒ سخت برہم ہوئے اور اس کو سخت الفاظ میں لکھا کہ میں نے جو حکم دیا ہے اس پر عمل کرو ورنہ میری جگہ پر آ بیٹھو تم جو حکم دو گے میں اس پر عمل کروں گا۔ میرے نزدیک دولتِ دُنیوی سے زیادہ قیمتی سرمایہ ثوابِ آخرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کو غیر متوقع طور پر خوش کر دے گا اللہ اس کی مغفرت کر دے گا۔ میں نے دانستہ سات سَو کے بجائے سات ہزار درہم لکھے تھے تاکہ یہ شخص اتنی خطیر رقم اچانک پا کر خوش ہو جائے۔ دوسری مرتبہ میں نے اپنے خط میں چودہ ہزار بھی سوچ سمجھ کر لکھے وہ اس لیے کہ سات ہزار کی بھنک اس شخص کے کان میں پڑ چکی تھی چودہ ہزار اس کے لیے یقیناً غیر متوقع ہوں گے اور یوں میں حضورؐ کے ارشاد کے مطابق اجرِ آخرت کا حقدار ٹھہروں گا۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اکثر طرطوس آتے جاتے رہتے تھے۔ راستہ میں رقّہ پڑتا تھا وہاں کی ایک سرائے میں قیام کیا کرتے تھے۔ سرائے میں مقیم ایک نوجوان نہایت اخلاص سے ان کی خدمت کیا کرتا تھا اور ان سے حدیث کا درس بھی لیتا تھا۔ ایک مرتبہ حسبِ معمول رقّہ کی اس سرائے میں ٹھہرے تو اس نوجوان کو نہ

Marfat.com

دیکھا۔ لوگوں سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس پر فلاں شخص کا دس ہزار درہم کا قرضہ تھا اسے ادا نہ کرسکا تو قرض خواہ نے دعویٰ کردیا اور اس نوجوان کو قرض کی عدم ادائیگی کی پاداش میں قید خانے بھیج دیا گیا۔ حضرت ابن المبارکؒ نے قرض خواہ کو رات کے وقت تنہائی میں بلایا اور اسے دس ہزار درہم دے کر کہا کہ بھائی اس نوجوان کو رہا کرادو۔ ساتھ ہی اس سے قسم لی کہ وہ اس بات کا تذکرہ کسی سے نہ کرے گا۔ نوجوان کی رہائی کا انتظام کر کے ابن المبارکؒ اسی رات سرائے سے روانہ ہو گئے۔ نوجوان رہا ہو کر سرائے میں آیا تو اسے ابن المبارکؒ کی آمد اور روانگی کی اطّلاع ملی۔ اس کو حضرتؒ سے شرفِ نیاز حاصل نہ کرنے کا اتنا قلق ہوا کہ اسی وقت طرطوس کی طرف روانہ ہو گیا۔ تین چار منزل کے بعد ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اس کا حال احوال پوچھا۔ اس نے عرض کیا ''جناب میں قید میں تھا۔ ایک نامعلوم شخص نے میرا قرض اپنی طرف سے ادا کر کے مجھے رہا کرادیا معلوم نہیں وہ فرشتۂ رحمت کون تھا۔'' حضرت ابن المبارکؒ نے فرمایا ''بھائی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے اس نامعلوم شخص کو تمہیں اس مصیبت سے نجات دلانے کی توفیق بخشی۔''

راوی (محمد بن عیسیٰ) کا بیان ہے کہ ابن المبارکؒ کی وفات کے بعد قرض خواہ نے یہ واقعہ لوگوں کو بتایا۔

(۹)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ عبادت و ریاضت، زہد و ورع، امانت و دیانت اور حُسنِ معاشرت کے اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ تھے۔ حافظ ذہبیؒ نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں اسماعیل بن عیاشؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ روئے زمین پر عبداللہ بن مبارکؒ جیسی کوئی شخصیت نہیں ہے اور میری دانست میں کوئی اچھی خصلت ایسی نہیں ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات میں ودیعت نہ کردیا ہو۔

Marfat.com

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرمایا کرتے تھے ”ربِ کعبہ کی قسم میری آنکھوں نے ابن المبارکؒ جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا۔“

عبادت و ریاضت سے بہت شغف تھا' پنجگانہ باجماعت فرض نمازوں کے علاوہ سنن و نوافل کا بھی خاص اہتمام تھا' بعض اوقات ساری ساری رات عبادت میں گزر جاتی تھی۔ کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ حج بیت اللہ کے لیے بھی اکثر تشریف لے جاتے تھے۔ دیانت و امانت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ قیام شام کے دوران میں کسی شخص سے قلم عاریتاً لیا۔ واپسی پر اسے قلم لوٹانا بھول گئے اور اسے اپنے ساتھ مرو لے آئے۔ گھر آ کر دیکھا تو یاد آیا۔ افسوس کیا اور مرو سے شام تک طویل سفر دوبارہ صرف اس لیے کیا کہ وہ قلم اس کے مالک کے حوالے کر سکیں۔

حُسنِ ادب کی یہ کیفیت تھی کہ ان کے سامنے کوئی شاگرد قراءتِ حدیث کرتا تو وہ اس سے کسی عبارت کو دوبارہ نہیں پڑھواتے تھے بلکہ توجہ اور خاموشی کے ساتھ سنتے رہتے تھے۔ ایک بار مجلس میں ایک شخص کو چھینک آ گئی۔ اس نے الحمد للہ نہیں کہا۔ حضرت ابن المبارکؒ نے کچھ دیر انتظار کیا۔ پھر اس سے پوچھا' جب کسی کو چھینک آئے تو اس کو کیا کہنا چاہیے۔ اس نے کہا الحمدُ للہ' اس پر انہوں نے فوراً کہا ”یَرْحَمُکَ اللہ“

زندگی نہایت محتاط اور زاہدانہ تھی' ابو اُسامہؒ اور شعیب بن حربؒ کہا کرتے تھے کہ ہم سال بھر میں تین دن بھی ابن المبارکؒ کی طرح نہیں گزار سکتے۔

ان کے زہد و ورع کی بنا پر اہلِ سیر نے انہیں زُہّاد تبع تابعین میں شمار کیا ہے۔

اسی طرح بعض اربابِ سیر نے انہیں اولیاء اللہ میں شامل کیا ہے اور ان کی بہت سی کرامات بیان کی ہیں۔ علامہ خطیب بغدادی نے ”تاریخ بغداد“ میں ابو وہبؒ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ابن المبارکؒ کا گزر ایک نابینا پر ہوا تو اس نے بڑی لجاجت سے عرض کیا کہ میری لیے بینائی کی دعا کیجیے۔ چنانچہ انہوں نے نہایت خشوع و

Marfat.com

خضوع سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی بحال کر دی۔

وعظ و نصیحت اور ارشاد و اصلاح کا طریقہ نہایت بلیغ اور حکیمانہ ہوتا تھا۔ تذکروں میں ان کے سینکڑوں پر معارف اقوال ملتے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

☆ بہت سے چھوٹے عمل ایسے ہوتے ہیں جن کو نیّت بڑا بنا دیتی ہے اور بہت سے بڑے عمل ایسے ہوتے ہیں جن کو نیّت چھوٹا بنا دیتی ہے۔

☆ سب سے سِفلہ اور کمینہ وہ شخص ہے جو دین کو عیاشی کا ذریعہ بنائے۔

☆ عالم ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ دنیا کی محبت سے اس کا دل ہمیشہ خالی رہے۔

☆ دنیا کے مال پر کبھی غرور نہ کرو۔

☆ حق پر جمے رہنا سب سے بڑا جہاد ہے۔

☆ ہر کام میں ادب اور تہذیب کا خیال رکھو۔ دین کے دو حصے ادب اور تہذیب ہیں۔

☆ ایسا دوست ملنا بہت مشکل ہے جو صرف اللہ کے لیے محبت کرے لیکن دوست فی الحقیقت یہی ہے۔

☆ آدمی اس وقت تک عالم رہتا ہے جب تک یہ سمجھتا رہے کہ شہر میں اس سے زیادہ علم رکھنے والے بھی موجود ہیں مگر جب وہ یہ سمجھنے لگ جائے کہ میں ہی سب سے بڑا عالم ہوں تو یوں سمجھ لو کہ اب وہ جاہلوں کی صف میں جا کھڑا ہوا۔

☆ گمنامی کو پسند کرو اور شہرت سے دور رہو مگر یہ ظاہر نہ کرو کہ تم گمنامی کو پسند کرتے ہو اس لیے کہ اس سے بھی غرور پیدا ہو گا۔

☆ سب سے گرے ہوئے لوگ وہ ہیں جو قرض پر زندگی بسر کرتے ہیں اور ہاتھ پیر نہیں ہلاتے۔

تواضع یہ ہے کہ اغنیا کے مقابلہ میں خودداری کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔

☆ حُسنِ خُلق یہ ہے کہ غصہ نہ کیا جائے۔

Marfat.com

☆ شریف وہ ہے جسے اطاعتِ الٰہی کی توفیق ہوئی اور رذیل وہ جس نے بے مقصد زندگی گزار دی۔

(۱۰)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ ۱۸۱ھ میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے شام گئے۔ اثنائے سفر میں ہیت کے مقام پر طبیعت خراب ہوگئی یہاں تک کہ جانبری کی کوئی امید نہ رہی۔ انتقال سے پہلے غلام سے فرمایا' میرا سر زمین پر رکھ دو۔ غلام یہ سن کر رونے لگا۔ پوچھا' روتے کیوں ہو۔ اس نے عرض کیا' مجھے آپ کے مقام بلند کا خیال آ گیا کہ اللہ اللہ اپنے وقت کی عظیم ترین ہستی اس طرح جان دے رہی ہے۔ فرمایا' بھائی اس میں رنج کی کوئی بات نہیں' میں نے خود بارگاہِ الٰہی میں دعا کی تھی کہ میں بے کسی اور فروتنی کی حالت میں جان دوں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ مرض الموت میں آواز بیٹھ گئی تھی اس لیے اندیشہ ہوا کہ مرتے وقت کلمۂ شہادت پڑھنے سے محروم نہ رہ جاؤں' اپنے شاگرد حسن بن ربیعؒ سے جو ساتھ تھے' فرمایا کہ دمِ نزع تم میرے سامنے کلمۂ شہادت بلند آواز سے پڑھنا جب تم ایسا کرو گے تو میری زبان پر بھی کلمۂ شہادت خود بخود جاری ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے اسی حالت میں ۱۳ رمضان المبارک ۱۸۱ھ (۸ نومبر ۷۹۷ء) کو بروز چہارشنبہ وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۶۳ برس کی تھی۔ مقامِ وفات ہیت اگرچہ ان کے وطن سے سینکڑوں میل دور تھا لیکن مخلوقِ خدا کے دلوں پر ان کی حکمرانی کا یہ عالم تھا کہ وفات کی خبر پھیلتے ہی لوگ جوق در جوق اس دور افتادہ قصبے کی طرف دوڑ پڑے۔ جنازے پر اس قدر ہجوم ہوا کہ ہیت کے حاکم کو اس واقعہ کی اطلاع بغداد بھیجنی پڑی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے یہ خبر سنی تو اس کی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ آ گئے "افسوس علماء کے سردار کا انتقال ہو گیا"۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ نے

Marfat.com

فرمایا' ابن المبارک فوت ہو گئے لیکن افسوس اس کا ہے کہ جو باقی رہ گئے' ان میں کوئی بھی ان کا مثل نہیں ہے۔

سفیان بن عیینہؒ بولے' اللہ عبداللہ بن مبارک کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے' انہوں نے خراسان میں اپنا کوئی ثانی نہیں چھوڑا۔

اسی طرح دوسرے تمام علماءِ عصر نے بھی شاندار الفاظ میں انہیں خراج تحسین پیش کیا اور ان کی وفات پر اپنے دلی کرب کا اظہار کیا۔

مختلف تذکروں میں حضرت ابن المبارکؒ کو بہت سی کتابوں کا مصنّف بتایا گیا ہے لیکن ان میں سے بیشتر کتابیں نایاب ہو چکی ہیں۔ خوش قسمتی سے چند سال پہلے ان کی ایک معرکہ آرا تصنیف ''کتاب الزُّہد والرقائق'' بھارت میں چھپ کر منظرِ عام پر آ گئی۔ اس کتاب کے گیارہ حصے ہیں اور اس میں ۲۰۶۳ روایات ہیں۔ اسے مجلس احیاء المعارف مالیگاؤں (ناسک/ بھارت) نے شائع کیا ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ بندے جو میری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے آپس میں الفت اور محبت رکھتے تھے؟ آج جب کہ میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہے میں اپنے بندوں کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا۔ (صحیح مسلم)

Marfat.com

قاضی اَسد بن فُراتؒ

فاتحِ صقلیّہ

(۱)

خاندانِ عباسیہ کے گُلِ سَرسَبد خلیفہ ہارون الرشید کے دَورِ حکومت (۱۷۰ھ/ ۷۸۶ء تا ۱۹۳ھ/ ۸۰۹ء) میں بغداد علم وفن کا مرکز بن گیا تھا۔ خلیفہ خود بھی علم پرور تھا اور اس کے اعزّہ واقارب بھی۔ اربابِ علم وہنر اور اہلِ کمال کی عزّت وتکریم اور دلجوئی ان کا خاص شیوہ تھا۔ یہی سبب تھا کہ بغداد میں سرآمدِ روزگار علماء اور اربابِ فضل وکمال نے ہر طرف علم وفن اور رُشد وہدایت کی شمعیں روشن کر رکھی تھیں جن سے کسبِ نور کے لیے عالَمِ اسلام کے گوشے گوشے سے شائقینِ علم بغداد کی طرف کھِنچے چلے آتے تھے۔ وہ علماء جن کے دَم قدَم سے بغداد بقعۂ نور بنا ہوا تھا' ان میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ارشد تلامذہ بھی تھے۔ ایک محلّے میں اگر امام ابویوسفؒ نے مَسندِ درس بچھا رکھی تھی' تو دوسرے میں امام اَسَد بن عمروؒ نے' اسی طرح امام محمد بن حسنؒ جنہوں نے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ دونوں سے کسبِ فیض کیا تھا' بغداد کے ایک محلّے میں رونق افروز تھے اور مرجعِ خلائق بنے ہوئے تھے۔

اسی زمانے کا ذکر ہے کہ امام محمد بن حسنؒ کے حلقۂ درس میں ایک غریب الدّیار

Marfat.com

طالبِ علم شامل ہوا۔ اس کی پیشانی نورِ سعادت سے درخشاں تھی اور وہ نہایت ذہین و فطین تھا۔ حدیث و فقہ سے اس کا غیر معمولی شغف دیکھ کر امام محمدؒ اس پر بہت مہربان ہو گئے اور سعادت مند شاگرد کو خصوصی توجہ سے تعلیم دی یہاں تک کہ تھوڑے ہی عرصے میں اس کی علمی استعداد کو اوجِ کمال پر پہنچا دیا۔

جب وہ حنفی مکتبِ فکر کے اس عظیم منبعِ علم سے پوری طرح سیراب ہو چکا' تو اس نے بغداد سے اپنے وطن کو مراجعت کا ارادہ کیا۔ سفر بڑا طویل اور کٹھن تھا اور اس کے لیے کثیر زادِ راہ درکار تھا۔ ادھر غریب طالبِ علم کے پاس لے دے کے کل چالیس درہم تھے اور وہ مصارف سفر کے لیے سخت پریشان تھا' لیکن اس کی طبعی غیرت کسی کے سامنے دستِ طلب پھیلانے میں آڑے آتی تھی۔ امام محمدؒ کو کسی طرح شاگرد عزیز کی پریشانی کا علم ہو گیا۔ انہوں نے اسے بلا کر فرمایا کہ چند روز یہاں اور ٹھہرو' شاید اللہ تعالیٰ تمہارے لیے معقول زادِ راہ مہیا کرنے کا کوئی سامان پیدا کر دے۔ سعادت مند شاگرد نے استاد کے ارشاد کے سامنے سر جھکا دیا اور ارادۂ سفر ملتوی کر دیا۔ اسی دوران میں شفیق استاد ایک دن ولی عہدِ سلطنت شہزادہ امین الرشید کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے سامنے پردیسی طالبِ علم کا علمی شغف اور دوسرے اوصاف و محاسن کچھ ایسے پیرائے میں بیان کیے کہ شہزادہ امین کے دل میں اس سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہو گیا۔ چنانچہ اس نے ایک دن غریب الوطن طالب علم کو بلا بھیجا۔ طالب علم ولی عہد کے محل میں پہنچا' تو ایک خادم خاص نے اس کا استقبال کیا اور اس کو ایک کمرے میں بٹھا دیا' کچھ دیر بعد اس کے سامنے دستر خوان بچھایا اور اس پر ڈھکا ہوا ایک خوان لا کر رکھ دیا۔

طالبِ علم نے پوچھا "یہ دعوت تمہاری جانب سے ہے یا تمہارے آقا کی طرف سے؟"

خادم نے جواب دیا: "آقا کے حکم سے لایا ہوں"۔

Marfat.com

طالبِ علم نے کہا ''تمہارے آقا کو یہ بات ہرگز پسند نہ ہو گی کہ اس کا مہمان میزبان کے بغیر کھانا کھائے' یہ خوان اٹھالو اور میری طرف سے یہ حقیر انعام قبول کرو۔''

یہ کہہ کر اس نے اپنی جیب سے چالیس درہم نکال کر خادم کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

خادم پردیسی طالب علم کی عالی ظرفی سے بڑا متاثر ہوا۔ اس نے اندر جا کر سارا واقعہ امین الرشید کے گوش گزار کیا' تو اس نے طالبِ علم کو فوراً اندر بلا لیا اور اپنے سامنے بچھے ہوئے ایک تخت پر جگہ دی۔

اب جو دونوں کے درمیان گفتگو شروع ہوئی' تو شہزادہ نو وارد طالبِ علم کا تبحّرِ علمی دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ جب وہ شہزادے سے رخصت ہونے لگا' تو شہزادے نے اسے ایک رقعہ دیا جس میں صاحب دیوان کے نام یہ حکم درج تھا کہ اس طالب علم کو دس ہزار درہم فوراً ادا کیے جائیں۔ ساتھ ہی دوبارہ ملنے کو کہا کہ اِن شاءَ اللہ تمہیں یہاں آنے سے مسّرت ہو گی۔

پردیسی طالب علم کے مصارف سفر کے لیے دس ہزار درہم بہت کافی تھے۔ وہ چاہتا' تو شہزادے سے دوبارہ مل کر اور بہت کچھ حاصل کر سکتا تھا' لیکن یہ اس کی شانِ علم کے خلاف تھا' چنانچہ اس نے دس ہزار درہم ہی پر قناعت کی اور رقم وصول کر کے عازم مصر ہو گیا۔

یہ پردیسی طالب علم' جن کی خودداری اور جلالتِ علمی نے ربع مسکون کی سب سے بڑی سلطنت کے ولی عہد کو چند لمحوں میں مسخّر کر لیا' قاضی اسد بن فرات فاتح سِسلی (صقلیہ) تھے۔

(۲)

ابو عبداللہ اسد بن فرات بن سنان کا شمار تاریخِ اسلام کے ان نامور فرزندوں میں ہوتا ہے جو اگر ایک طرف علم و فضل کے اعتبار سے فقہائے اُمّت کی صفِ اوّل

Marfat.com

میں تھے تو دوسری طرف راہِ حق کے ایک سرفروش مجاہد بھی تھے۔ وہ خود ازراہِ تفنّن کہا کرتے تھے کہ میں اسد (شیر) ہوں جو وحشی جانوروں میں سب سے بہتر ہے میرے والد فرات ہیں جو دریاؤں میں سب سے بہتر ہے اور میرے دادا ''سنان'' (نیزے کی انی) ہیں جو ہتھیاروں میں سب سے بہتر ہے۔ ان کے مُورثِ اعلیٰ بنوسُلیم بن قیس کے غلام تھے۔ بنوسُلیم نے آزاد کر دیا' تو وہ نیشاپور (خراسان) میں آ کر مقیم ہو گئے۔ اسد ابھی ماں کے پیٹ ہی میں تھے کہ ان کے والد فرات بن سنان جو ایک مردِ سپاہی تھے' اپنے وطن سے ہجرت کر کے دیارِ بکر چلے گئے اور اسد وہیں حرّان کے مقام پر ۱۴۲ھ/۷۵۹ء میں پیدا ہوئے۔ اسی زمانے میں فرات بن سنان' بنوعباس کے ایک جرنیل محمد بن اشعث خزاعی کی فوج میں شامل ہو گئے ۱۴۴ھ/۷۶۱ء میں عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے محمد بن اشعث کو خارجیوں اور بربریوں کی بغاوت فرو کرنے کے لیے افریقہ بھیجا' تو فرات بھی اپنے اہل و عیال سمیت اس کی فوج کے ہمراہ قیروان آ گئے اور پانچ سال تک وہاں مقیم رہے۔ اس کے بعد انہوں نے تیونس کا رخ کیا اور وہیں کے ہو رہے۔ اسد نے اپنی تعلیم کے ابتدائی مراحل تیونس ہی میں طے کیے۔ اس ضمن میں ایک دلچسپ روایت بیان کی جاتی ہے کہ اسد نے قرآنِ حکیم کی تعلیم اٹھارہ برس کی عمر میں تیونس کے ایک گاؤں میں مکمل کی۔ اسی زمانے میں ان کی والدہ نے اپنے فرزند (اسد) کو خواب میں اس حالت میں دیکھا کہ ان کی پیٹھ پر گھاس اگی ہوئی ہے اور مویشی اس کو چر رہے ہیں۔ صبح اٹھ کر انہوں نے یہ خواب اپنے شوہر کو سنایا' تو وہ دوڑتے ہوئے تعبیرِ رویا کے ایک ماہر کے پاس گئے اور اس سے اس خواب کی تعبیر پوچھی۔ اس نے بتایا' یہ لڑکا ایک دن نادرۂ روزگار عالم بنے گا اور علم کے بھوکے اس کے خوانِ علم سے ریزہ چینی کریں گے۔

قرآنِ پاک کی تعلیم کے بعد اسد نے تیونس کے نامور عالم علی بن زیادؒ کے

Marfat.com

سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور ان سے حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ یہاں سے فارغ ہوکر ۱۷۲ھ/۷۸۸ء میں مدینہ منورہ کا رخ کیا جہاں امام مالکؒ بن انس مسندِ علم وفضل پر متمکن تھے اور تمام دنیائے اسلام کے شائقینِ علم کا مرجع بنے ہوئے تھے۔ اسد بھی امام موصوف کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے اور ''موطا'' ان سے سبقاً سبقاً پڑھی۔ جب وہاں اپنی تعلیم مکمل کر چکے تو عراق جا کر فقۂ حنفی کی تحصیل کا ارادہ کیا اور امام مالکؒ سے رخصت ہونے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے بڑی محبت اور شفقت سے رخصت کیا اور فرمایا ''میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے تقویٰ، قرآن اور اس اُمّت کی خیر خواہی کی وصیّت کرتا ہوں۔''

اس کے بعد اسد عراق پہنچے اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ارشد تلامذہ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ بن حسن، اسدؒ بن عمرو اور کئی دوسرے ممتاز فقہائے احناف سے فقۂ حنفی کی تحصیل کی۔ امام محمدؒ بن حسن ان کی ذہانت اور شوق دیکھ کر اتنے مہربان ہوئے کہ دن کے علاوہ رات کو بھی انہیں درس حدیث دیا کرتے۔ خود اسد بن فرات کا بیان ہے کہ میں نے امام محمدؒ سے اپنی غریب الوطنی کا واسطہ دے کر خصوصی توجہ کی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا کہ تم عراقی طلبہ کے ساتھ دن کے وقت درس میں شریک رہو اور پھر رات میرے مکان میں گزارو، میں تمہیں اس وقت بھی درسِ حدیث دیا کروں گا' چنانچہ میں رات کو امام محمدؒ کے گھر چلا جاتا۔ وہ بالا خانے میں رہتے اور میں نچلی منزل میں۔ میری خاطر وہ نیچے تشریف لاتے اور مجھ کو حدیث کا درس دیتے۔ جب رات زیادہ گزر جاتی اور مجھے اونگھ آنے لگتی' تو وہ میرے منہ پر پانی چھڑک دیتے جس سے میں ہوشیار ہو جاتا اور پھر پوری توجہ سے درس لینے میں مشغول ہو جاتا۔ میرے قیام بغداد کے دوران میں ان کا یہ مشفقانہ برتاؤ مسلسل قائم رہا یہاں تک کہ میں ان کے چشمۂ علم سے پوری طرح سیراب ہو گیا۔

Marfat.com

اسدؒ کہتے ہیں کہ امام محمدؒ اپنے علمی فیوض و برکات سے متمتّع کرنے کے علاوہ میری مالی امداد بھی کیا کرتے تھے۔ اسی زمانے میں امام مالکؒ نے مدینہ منورہ میں وفات پائی‘ تو پوری اسلامی دنیا میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ اب لوگوں کی نظریں امام مالکؒ کے شاگردوں پر پڑنے لگیں اور وہ امام موصوف کی روایتیں سننے کے لیے ان کی طرف رجوع کرنے لگے۔ اسدؒ بن فرات بھی امام مالکؒ کے عقیدت مندوں اور مدّاحوں کا مرجع بن گئے۔ اس سلسلے میں انہیں یہ قابلِ فخر اعزاز حاصل ہوا کہ فقہ حنفی میں ان کے اساتذہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمد بن حسنؒ نے خود ان سے ’’موطا امام مالک‘‘ کا درس لیا۔

اسد بن فراتؒ بغداد سے چلے گئے‘ مگر امام محمدؒ کے دل سے ان کی یاد کبھی نہ گئی۔ جب بھی ان کا ذکر آتا وہ ان کی بے حد تعریف اور ستائش کیا کرتے۔ عبدالرحمٰن بن محمد دباغ نے اپنی کتاب ’’معالم الایمان فی معرفۃ اہل القیروان‘‘ میں لکھا ہے:

’’امام محمدؒ مکّہ معظّمہ میں اسد بن فرات کی تعریف کرتے اور ان کے طریقِ درس‘ مناظرہ اور علم حدیث کو بہت سراہتے تھے۔‘‘

(۳)

عراق سے نکل کر اسدؒ مصر پہنچے جہاں امام مالکؒ کے ارشد تلامذہ عبداللہؒ بن وہب‘ اشہبؒ اور عبدالرحمٰنؒ بن قاسم نے مسندِ درس بچھا رکھی تھی۔ اسد نے اگرچہ خود بھی براہِ راست امام مالکؒ سے استفادہ کیا تھا‘ لیکن ان کی علمی پیاس کسی طرح بجھنے میں نہ آتی تھی۔ مصر پہنچ کر پہلے عبداللہؒ بن وہب اور اشہبؒ کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے‘ لیکن ان دونوں سے اختلاف پیدا ہو گیا۔ اس لیے عبدالرحمٰنؒ بن قاسم کی مجلسِ درس میں شامل ہو گئے۔ عبدالرحمٰن فقہ مالکی کے نہایت بلند پایہ فقیہ تھے اور زہد و اتّقا

Marfat.com

میں اپنی مثال آپ تھے۔ انہوں نے اسد بن فرات کو بے انتہا فیض پہنچایا اور انہی کے فیضِ صحبت کے نتیجے میں اسد بن فرات نے فقہ مالکی کی سب سے پہلی کتاب ''الاسدیہ'' مرتب کی۔

۱۸۱ھ/۷۹۷ء میں اسد واپس قیروان آئے' تو اس وقت ان کے علم و فضل کی شہرت تمام دنیائے اسلام میں پھیل چکی تھی۔ قیروان میں ان کی ذات شائقینِ علم کا مرجع بن گئی اور ہر طرف سے مخلوقِ خدا ان سے فیضیاب ہونے کے لیے امڈ پڑی۔ اسد نے ''موطا'' اور ''الاسدیہ'' کا درس جاری کر دیا۔ عام لوگ تو ایک طرف رہے' افریقیہ اور مغرب کے مشاہیر علماء نے بھی اس درس میں شامل ہونا اپنے لیے باعثِ افتخار سمجھا اور یوں ''اسد بن فرات'' قیروان میں ایک منارۂ نور کی حیثیت اختیار کر گئے۔ ساتھ ہی ان کی کتاب ''الاسدیہ'' کی شہرت بھی چاردانگِ عالم میں پھیل گئی۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اسد بن فرات کے حلقۂ درس میں فقہ مالکی کے مشہور عالم سحنون بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے استاد کی لاعلمی میں ''الاسدیہ'' کی نقل کسی طرح حاصل کر لی (یا خود اسے نقل کر لیا) اور اسے اپنے ساتھ مصر لے گئے۔ وہاں ابھی عبدالرحمٰنؒ بن قاسم حیات تھے اور ضعیفی کے باوجود انہوں نے درس و افتاء کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔ سحنونؒ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے' تو انہوں نے اپنے تلمیذِ رشید اسدؒ بن فرات کا حال دریافت کیا۔ سحنون نے کہا ان کا علم سارے ممالک میں پھیل گیا ہے۔ ابنِ قاسمؒ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد سحنونؒ نے روزانہ ''الاسدیہ'' کا متن ابنِ قاسمؒ کے سامنے پڑھنا شروع کیا۔ اس متن میں سوالات اسد بن فرات کے تھے اور جوابات خود ابنِ قاسمؒ کے۔ دورانِ قراءت میں ابنِ قاسمؒ نے اپنے بعض فتووں (یا جوابات) سے رجوع کر لیا اور بعض جوابات میں ترمیم کر دی۔ غرض اسی طریقے سے سحنونؒ نے پوری ''الاسدیہ'' کی قراءت مکمل کی۔

Marfat.com

جب سحنون' ابنِ قاسم سے رخصت ہونے لگے' تو انہوں نے اسد کے نام ایک خط لکھ کر ان کے حوالے کیا کہ تمہاری مرتّب کی ہوئی ''الاسدیہ'' میں کہیں کہیں میں نے ترمیم کردی ہے' تم اپنے نسخے کی سحنون کے نسخے سے ملا کر تصحیح کرلو۔

اسدؒ کو شفیق استاد کا مکتوبِ گرامی ملا تو وہ بخوشی سحنون کے نسخے سے اپنے نسخے کا مقابلہ کرنے پر تیار ہو گئے' مگر ان کے شاگردوں نے مشورہ دیا کہ اس طرح آپ (اس زمانے کے دستور کے مطابق) اپنے شاگرد سحنون کے شاگرد بن جائیں گے اور یہ بات آپ کی شان کے خلاف ہے کیونکہ آپ نے براہِ راست امام مالکؒ سے حدیث وفقہ کا علم حاصل کیا ہے۔

اسدؒ نے شاگردوں کا مشورہ قبول کرلیا اور اپنا نسخہ اصل حالت میں رہنے دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ اسی زمانے میں قیروان کے ایک فقیہ شیخ معمرؒ اسدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے' تو انہیں روتے ہوئے پایا۔ معمرؒ نے رونے کا سبب پوچھا' تو انہوں نے کہا ''بھائی' کیا پوچھتے ہو؟ میرے پاس اپنے شیخ عبدالرحمٰنؒ بن قاسم کا خط آیا ہے جس میں انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنی مرتّب کی ہوئی ''الاسدیہ'' کو سحنون کے مرتّب کیے ہوئے نسخے کے مطابق کرلوں' حالانکہ سحنون نے خود مجھ سے تربیت حاصل کی ہے۔ اس ناگوار قضیے کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب سحنونؒ نے اپنی مَسندِ درس بچھائی' تو لوگ جوق در جوق ان کے حلقۂ درس میں شامل ہونے کے لیے ٹوٹ پڑے' کیونکہ تمام افریقیہ (تیونس) اور اقصائے مغرب (مراکش) میں اسد کے نام ابنِ قاسمؒ کے خط کی شہرت ہو چکی تھی اور سحنونؒ کے مرتّب کیے ہوئے نسخے کے سامنے اسدؒ کی ''الاسدیہ'' ایک حد تک بے وقعت ہو گئی تھی۔ سحنونؒ کے ترمیم شدہ نسخے نے ''المدونۃ الکبریٰ'' کے نام سے شہرت پائی اور اسی کی بدولت وہ امام کے لقب کے مستحق ٹھہرائے گئے۔ ''المدونۃ الکبریٰ'' آج تک فقہ مالکی کی سب سے ضخیم اور مستند

Marfat.com

کتاب سمجھی جاتی ہے۔ یہ زمانے کی ستم ظریفی ہے کہ جس شخص نے حدیث و فقہ کی اس عظیم الشان عمارت کا ڈھانچہ کھڑا کیا' اس کا نام پس منظر میں چلا گیا اور اس کی کاوشوں کا ثمرہ اس کے شاگرد کو مل گیا۔

اس واقعے کے بعد اسدؒ بن فرات اکثر مسائل میں فقۂ حنفی کے مطابق فتوی دینے لگے' کیونکہ ان کے نسخہ ''الاسدیہ'' کے بعض مقامات مشکوک ہو گئے تھے اور وہ ان پر کامل بھروسا نہ کر سکتے تھے۔ اس طرح چند سال کے اندر اندر اسدؒ بن فرات افریقہ میں فقۂ حنفی کے سب سے بڑے علمبردار بن گئے۔ ایک مورخ جعفر القصری نے لکھا ہے:

''اسد بن فرات' قیروان میں احناف کے امام تھے' علم و فضل و اور تدیّن میں ان کی بڑی شہرت تھی اور وہ سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عامل تھے۔''

اسدؒ امامِ احناف ہونے کے باوجود بڑے وسیع النظر اور روادار تھے اور ان کے درس میں مالکی مذہب کے طلبہ بھی خاصی تعداد میں موجود رہتے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اسدؒ بن فرات کے فتاوی کے علی الرغم انہیں ہمیشہ مالکی فقیہ سمجھا گیا ہے اور فقہائے احناف کے طبقات کی کتابوں میں ان کا نام درج نہیں۔ حق یہ ہے کہ اسد بن فرات فقۂ حنفی میں درجۂ تبحّر رکھتے تھے اور ہر اعتبار سے فقہائے احناف میں پہلی صف میں جگہ پانے کے مستحق ہیں۔

جس زمانے میں اسد بن فرات تحصیلِ علوم سے فارغ ہو کر قیروان (تیونس) واپس آئے اور اپنی مسندِ درس بچھائی' تو وہ تقریباً چالیس برس کے پیٹے میں تھے۔ اس وقت قیروان کے قاضی القضاۃ عبداللہ بن غانم تھے جنہیں خود خلیفہ ہارون الرشید نے اس عہدے پر مامور کیا تھا عبداللہ بن غانم' اسد بن فرات کے علمی تبحّر اور کمالات کے بے حد مدّاح تھے اور ان کی بہت تعظیم و تکریم کرتے تھے۔

Marfat.com

صاحبِ ''معالم الایمان'' کا بیان ہے کہ عبداللہ بن غانم اہم دینی مسائل و معاملات میں اسد بن فرات سے مشورہ بھی کیا کرتے تھے۔

اسدؒ کے قیروان میں وُرُود کے تین سال بعد ۱۸۴ھ/ ۸۰۰ء میں افریقیہ پر اغالبہ کا پرچمِ اقبال بلند ہوا۔ یہ لوگ بڑے علم دوست اور علماء و فضلا کے قدر دان تھے۔ پہلے اغلبی فرمانروا ابراہیم بن اغلب نے عبداللہ بن غانم کو ان کے عہدے پر برقرار رکھا۔ انہوں نے ۱۹۱ھ/ ۸۰۷ء میں وفات پائی' تو ابراہیم بن اغلب نے ان کی جگہ ایک دوسرے عالم ابو محرز کو قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ ۲۰۱ھ/ ۸۱۶ء میں ابو محمد زیادۃ اللہ بن ابراہیم نے افریقہ کی عنانِ حکومت سنبھالی تو افریقہ کے علماء و مشائخ نے اس کو ترغیب دی کہ وہ اسد بن فرات کو قاضی القضاء کے عہدے پر مقرر کرے' کیونکہ وہ علم و فضل کے اعتبار سے ابو محرز پر فوقیت رکھتے ہیں۔ زیادۃ اللہ بڑا بیدار مغز حکمران تھا۔ اس نے علماء و مشائخ کی رائے سے اتفاق تو کیا' لیکن ابو محرز کو سبکدوش کرنا پسند نہ کیا' کیونکہ ان کا تقرّر خود دولتِ اغالبہ کے بانی ابراہیم بن اغلب نے کیا تھا البتہ اس نے دو سال بعد ۲۰۳ھ/ ۸۱۸ء میں اسد بن فرات کو مساوی اختیارات کے ساتھ دوسرا قاضی القضاۃ مقرر کر دیا اور ابو محرز کو بھی اس عہدے پر بحال رکھا۔ ابو محرز کو قدرتاً قاضی اسد کا تقرّر ناگوار گزرا' تاہم انہیں سلطان کے سامنے دَم مارنے کی مجال نہ تھی۔ سات آٹھ سال تک کسی نہ کسی طرح وہ قاضی اسد کے ساتھ مل کر اپنے فرائض ادا کرتے رہے۔

۲۰۹ھ/ ۸۲۴ء میں منصور طنبذی نامی ایک شخص نے زیادۃ اللہ کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کیا اور اس کو بیشتر مقبوضات سے محروم کر کے دارالحکومت قیروان پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس کے آغازِ حکومت میں قاضی ابو محرز اور قاضی اسد دونوں اس کے دربار میں گئے۔ اس وقت بہت سے فوجی افسر اور اکابرِ حکومت بھی منصور کی خدمت میں

Marfat.com

حاضر تھے۔ منصور نے ان کے سامنے زیادۃ اللہ کو ظالم ٹھہرایا اور کئی ظالمانہ کارروائیاں اس سے منسوب کیں۔ ابومحرز نے بربنائے مصلحت اس کی ہاں میں ہاں ملائی' لیکن ان کے برعکس قاضی اسدؒ نے منصور کی باتوں کو غلط قرار دیا اور اس کو ظالم ٹھہرایا۔ اس پر ایک فوجی افسر شمشیر برہنہ سونت کر ان کے سر پر کھڑا ہو گیا' مگر کچھ دانا آدمیوں نے بیچ میں پڑ کر معاملہ رفع دفع کرا دیا اور دونوں قاضیوں کو واپس بھیج دیا۔ ۲۱۱ھ/ ۸۲۷ء میں زیادۃ اللہ کا ستارۂ اقبال پھر چمکا اور وہ منصور کو شکست دے کر حسبِ سابق قیروان پر قابض ہو گیا۔ جب اسے منصور کے دربار میں ابومحرز اور قاضی اسد کی گفتگو کا علم ہوا' تو اس نے ابومحرز کو عہدۂ قضا سے سبکدوش کر دیا۔ اب قاضی اسدؒ بن فرات تنہا حکومتِ اغالبہ کے قاضی القضاۃ تھے۔

(۴)

اغالبہ کا دورِ حکومت (۱۸۴ھ/ ۸۰۰ء تا ۲۹۶ھ/ ۹۰۸ء) تاریخ اسلام کا ایک سنہری باب ہے۔ اس خاندان کے بیشتر حکمران بڑے جیوٹ اور بیدار مغز تھے۔ وہ اگرچہ رسمی طور پر خلافتِ عباسیہ کے ماتحت تھے لیکن فی الحقیقت بالکل خودمختار تھے' ان کی بحری قوت اتنی زبردست تھی کہ بڑی بڑی یورپی حکومتوں کے بحری بیڑے اس کے سامنے خم کھاتے تھے۔ ایک سو گیارہ سال کے عرصے میں اغالبہ تمام شمالی افریقہ پر چھا گئے اور ان کے حدودِ حکومت سواحلِ بحیرہ روم کا احاطہ کرتے ہوئے حدودِ مصر تک جا پہنچے۔ اغالبہ کو اپنے عہدِ حکومت کے آغاز ہی میں سسلی (صقلیہ) کے مسئلہ کا سامنا کرنا پڑا۔ تقریباً دس ہزار مربع میل پر محیط بحیرۂ روم کا یہ جزیرہ اپنی وسعت' زرخیزی اور افریقی و یورپی سواحل سے قربت کی بنا پر بڑی اہمیّت کا حامل تھا۔ اس پر بیزنطینی حکومت (حکومتِ روم شرقی) کا تسلّط تھا۔ سسلی کے رومی غارت گر آئے دن شمالی افریقہ کے ساحلوں پر چھاپے مارتے اور مسلمانوں کے بحری جہازوں پر بھی

Marfat.com

حملے کرتے رہتے۔ ان کے جواب میں مسلمانوں کے بحری بیڑے بھی وقتاً فوقتاً ان پر حملہ آور ہوتے اور سردانیہ اور کارسیکا تک پہنچ جاتے۔ غرض ان جھڑپوں کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کے مطابق دوسرے اغلبی فرمانروا عبداللہ بن ابراہیم اور سسلی کی عیسائی حکومت کے درمیان ۱۹۸ھ/۸۱۳ء میں دس برس کے لیے معاہدۂ صلح ہو گیا۔ اس کی رُو سے قرار پایا کہ دونوں حکومتیں ایک دوسرے پر حملے کرنے سے باز رہیں گی اور اگر سسلی میں کوئی مسلمان قیدی پہنچ جائے تو اسے فوراً اغلبی حکومت کو لوٹا دیا جائے گا۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاہدہ دس سال سے زیادہ مدت کے لیے تھا یا کم از کم اس میں یہ شق ضرور موجود تھی کہ اگر اس معاہدے پر دس برس تک کامیابی سے عمل ہوا، تو سمجھا جائے گا کہ اس میں خود بخود توسیع ہو گئی ہے۔

ابنِ خلدون، ابنِ اثیر اور بعض دوسرے عرب مؤرخین نے لکھا ہے کہ تیسرے اغلبی حکمران زیادۃ اللہ کے دورِ حکومت میں رومیوں نے نہایت بے حیائی سے یہ معاہدہ توڑ دیا اور سسلی کے ایک فوجی سردار فیمی **Auphamius** نے ۲۱۱ھ/۸۲۶ء میں ایک طاقتور بحری بیڑے کے ساتھ شمالی افریقہ کے ساحل پر حملہ کر دیا۔ اس نے کئی ساحلی شہروں کو اپنی غارت گری کا نشانہ بنایا۔ بہت سے مسلمان تاجروں کو قیدی بنالیا اور ایک مدت تک افریقہ میں مقیم رہا۔ زیادۃ اللہ اس زمانے میں منصور طنبذی کی شورش رفع کرنے میں مشغول تھا اس لیے رومیوں کی شرارتوں کا سدِّباب نہ کر سکا۔ ستم بر ستم یہ کہ سسلی کے رومی طالع آزماؤں نے بحیرۂ روم میں مسلمان تاجروں کے بحری جہازوں پر بھی چھاپے مارنے شروع کر دیے۔ وہ جہازوں کو لوٹ لیتے اور مسافروں کو قیدی بنا کر سسلی لے جاتے۔ اسی پُرآشوب دَور میں ایک ایسا دردناک واقعہ پیش آیا جس نے افریقی مسلمانوں کا پیمانۂ صبر وضبط لبریز کر دیا۔ یہ واقعہ ایک

Marfat.com

عظیم المرتبت سن رسیدہ عالم دین شیخ زید بن محمد جمحیؒ کی شہادت کا تھا۔ وہ ۲۱۲ھ/۸۲۷ء میں افریقہ سے مسلمانوں کے ایک بیڑے کے ساتھ طلیطلہ جا رہے تھے کہ سسلی کے رومی بیڑے نے اسلامی جہازوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا لیکن رومیوں کی تعداد کے سامنے ان کی جمعیت بہت مختصر تھی۔ سب ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ ان میں شیخ جمحیؒ بھی تھے۔ افریقی مسلمانوں نے ان کی شہادت بڑی شدت سے محسوس کی اور اس سنگین صورت حال کا مقابلہ کرنے کے بارے میں سوچنے لگے۔ ادھر زیادۃ اللہ بھی اپنے اندرونی جھگڑوں سے فارغ ہو چکا تھا اور سسلی کے رومیوں کی شرارتوں کا سدِباب کرنے کی تدبیروں پر غور کر رہا تھا۔ اسی اثناء میں ایک عجیب اتفاق پیش آیا۔ وہی فیمی جس نے ۲۱۱ھ/۸۲۶ء میں افریقہ کے ساحلی شہروں کو تاخت و تاراج کیا تھا' شہنشاہ قسطنطنیہ سے باغی ہو کر اپنی فوج کے ہمراہ شمالی افریقہ آ گیا۔ اس نے زیادۃ اللہ کے دربار میں حاضر ہو کر اپنی گزشتہ حرکتوں پر ندامت کا اظہار کیا اور اس کو سسلی پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی۔ بعض مؤرخین نے فیمی کے اس طرزِ عمل کا پس منظر یہ بیان کیا ہے کہ وہ ایک خوبصورت راہبہ کے دامِ الفت میں گرفتار ہو گیا تھا اور اسے گرجے سے لے اڑا تھا۔ رومی شہنشاہ میکائل ثانی کو اس کی اس حرکت کا علم ہوا' تو اس نے فیمی کی ناک (یا بروایتِ دیگر زبان) کاٹ دینے کا حکم دیا۔ فیمی کو شہنشاہ کے حکم کی اطلاع ملی تو اس نے اپنی حامی فوج کے ہمراہ سسلی کے دارالحکومت سرقوسہ (سیراکوز) پر حملہ کر دیا اور قسطنطین گورنر سسلی کو شکست دے کر سرقوسہ پر قابض ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے سسلی کے دوسرے شہروں کو بھی مطیع کر لیا اور شاہِ سسلی کا لقب اختیار کر کے خود مختار حکومت قائم کر لی لیکن یہ حکومت دیرپا ثابت نہ ہوئی۔ فیمی کے ایک گورنر بلاطہ نامی نے علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ اس کی امداد کے لیے شہنشاہِ قسطنطنیہ نے بھی ایک زبردست فوج بھیج دی۔

Marfat.com

فیمی شاہی فوج کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اس کے لشکر کا بہت سا حصہ لڑائی میں کام آیا اور وہ شکست کھا کر باقی ماندہ فوج کے ساتھ افریقہ آ گیا۔ دربارِ قیروان میں پہنچ کر فیمی نے زیادۃ اللہ سے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ سسلی کی حکمرانی سے کوئی سروکار نہ رکھے گا اور صرف بلاطہ سے انتقام لینے کی خاطر مسلمانوں سے تعاون کرے گا۔

فیمی کی تحریک نے زیادۃ اللہ کو سسلی کا معاملہ بلاتاخیر نبٹانے کا احساس دلایا' چنانچہ اس نے فوراً مجلسِ مشاورت طلب کی جس میں ممتاز امراء واکابر کے علاوہ ملک کے بڑے بڑے فقہا اور علماء بھی شامل تھے۔ زیادۃ اللہ نے یہ مسئلہ مجلس کے سامنے رکھا' تو اس کے ارکان دو فریقوں میں بٹ گئے۔ ایک فریق کی رائے یہ تھی کہ حکومتِ سسلی کے ساتھ معاہدۂ صلح ابھی تک قائم ہے اور اس کی تنسیخ کے لیے جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ ثبوت کی محتاج ہیں۔

دوسرے فریق کا مَوقف یہ تھا کہ رومیوں کے نقضِ عہد کی وجہ سے معاہدۂ صلح کالعدم ہو چکا ہے اور اب ہم اس کے پابند نہیں رہے۔

قاضی ابو محرز پہلے فریق کی جانب تھے اور قاضی اسدؒ بن فرات دوسرے کی طرف' اس سلسلے میں زیادۃ اللہ کے سامنے ان دونوں کے درمیان یہ گفتگو ہوئی:

ابو محرز: امیر (زیادۃ اللہ) کا یہ بیان کہ رومیوں نے معاہدے کی دھجیاں بکھیر دی ہیں' تحقیق اور گہرے غور کا محتاج ہے۔

قاضی اسدؒ: یہ تحقیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ ہم رومی قاصدوں سے دریافت کریں کہ سسلی میں مسلمان قیدی ہیں یا نہیں۔ (یہ قاصد سسلی کے رومی گورنر نے زیادۃ اللہ کو یہ پیغام دے کر بھیجے تھے کہ فیمی کی مدد نہ کی جائے)

ابو محرز: اس معاملے میں ایلچیوں کے بیان پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

قاضی اسدؒ: یہ ایلچی ہی تھے جن کی وساطت سے معاہدہ ہوا تھا ان سے کیوں

Marfat.com

صَرفِ نظر کیا جائے؟

اس گفتگو کے بعد زیادۃ اللہ نے رومی قاصدوں سے حقیقتِ حال دریافت کی تو انہوں نے تصدیق کی کہ فی الواقع بہت سے مسلمان سِسلی میں مقید ہیں۔ ان کے اسی بیان کی بنیاد پر زیادۃ اللہ نے رومیوں کو فسخِ معاہدہ کا مرتکب قرار دیا اور سِسلی پر لشکر کشی کا اعلان کر دیا۔

اب مجلس مشاورت میں یہ سوال پیدا ہوا کہ سِسلی کو فتح کرنے کے بعد کیا کیا جائے؟ مسلمان رومی حکومت پر خراج عائد کر کے واپس آ جائیں یا وہاں مستقل اسلامی حکومت قائم کی جائے۔ مجلس نے کثرتِ رائے سے یہ فیصلہ صادر کیا کہ فتح کے بعد سِسلی میں مستقل اسلامی حکومت قائم کی جائے۔

اس فیصلے کے بعد زیادۃ اللہ نے اپنا بحری بیڑا از سرِ نَو منظم کیا اور زور شور سے سِسلی پر حملہ آور ہونے کی تیاریوں میں مشغول ہو گیا۔ ساتھ ہی اس نے فیمی کو اطلاع بھیج دی کہ وہ سوسہ میں افریقی بیڑے کا انتظار کرے۔

(۵)

جب سِسلی پر لشکر کشی کی تیاریاں مکمل ہو گئیں تو زیادۃ اللہ کے سامنے اس اہم ترین مہم کی قیادت کا مسئلہ آیا۔ بڑے غور و فکر کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کام کے لیے قاضی اسد بن فُرات ہی موزوں ترین آدمی ہیں چنانچہ اس نے اعلان کر دیا کہ سِسلی پر یلغار کرنے والے بحری بیڑے اور لشکر کے سپہ سالار اسدؒ بن فرات ہوں گے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ زیادۃ اللہ کی نظرِ انتخاب قاضی اسد بن فرات پر کیوں پڑی حالانکہ وہ ستر برس کے پیٹے میں تھے اور ملک کے سب سے بڑے دینی منصب پر فائز تھے۔ مؤرخین نے مختلف توضیحات کی ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ قاضی اسد اس سے پہلے بھی کئی بحری مہموں کی قیادت کر چکے تھے۔ ابنِ خَلدُون نے

Marfat.com

اپنے مقدمے میں صراحت سے بیان کیا ہے کہ چند سال پہلے قاضی اسد نے قوصرہ فتح کیا تھا۔ (یہ ایک چھوٹا سا جزیرہ تھا جو تیونس اور سسلی کے درمیان واقع تھا) بعض نے یہ قیاس آرائی بھی کی ہے کہ عبداللہ بن ابراہیم اغلبی کے عہدِ حکومت (۱۹۶ھ/۸۱۱ء تا ۲۰۱ھ/۸۱۶ء) میں قاضی اسدؒ نے ایک مرتبہ جزیرہ کارسیکا کو بھی ہنگامی طور پر فتح کیا تھا۔ چنانچہ بحری مہموں میں اپنے تجربے کی بنا پر وہ سسلی کی مہم کے قائد منتخب کیے گئے۔

کچھ تذکرہ نگار اس طرف گئے ہیں کہ قاضی اسدؒ نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ اگرچہ علم کی تحصیل اور اشاعت میں گزارا تھا لیکن ان کا آبائی پیشہ سپہ گری تھا اور ان کے مزاج میں عسکریت اس حد تک موجود تھی کہ وہ بڑے نڈر اور جی دار آدمی تھے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سپاہی باپ نے انہیں سپاہیانہ فنون سے بھی ضرور آراستہ کیا ہوگا۔ ''اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ'' میں ان کے انتخاب کے بارے میں یہ قیاس آرائی کی گئی ہے:۔

''ان (اسد) کے جذبات معتقدات اور شاید ان کی مخاصمت پسند قوتِ عمل ان کے امیر مقرر کر دیے جانے کا باعث بن گئی یعنی انہیں اس مہم کا قائد بنا دیا گیا جو ۲۱۲ھ/۸۲۷ء میں بوزنطی صقلیہ پر حملے کی غرض سے سُوس سے روانہ ہوئی۔''

جہاں تک قاضی اسد کے معمر ہونے کا سوال ہے تو تمام مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ بڑے نیک سیرت، پاکباز اور ارکانِ اسلام کی پابندی کرنے والے تھے۔ اس لیے ستر برس کی عمر میں بھی بڑے صحت مند اور توانا تھے اور اس مہم کی قیادت کرنے کے پوری طرح اہل۔

قاضی اسدؒ کو جب زیادۃ اللہ کے فیصلے کا علم ہوا تو وہ اس بارِ گراں کو اٹھانے میں کچھ متذبذب ہوئے اور سلطان کے پاس جا کر کہا ''مجھے قاضی القضاۃ کے دینی

Marfat.com

منصب سے الگ کر کے لشکر کا امیر کیوں بنایا جا رہا ہے؟'' زیادۃ اللہ نے جواب دیا ''آپ قضا کے منصب پر بھی فائز رہیں گے اور لشکر کے قائد بھی ہوں گے۔ آیندہ آپ کو ''قاضی امیر'' سے خطاب کیا جائے گا۔'' اس کے بعد اس نے منصبِ قضا اور امارتِ لشکر کا تحریری فرمان لکھ کر اسدؒ بن فرات کے حوالے کیا۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ قاضی اسدؒ بن فرات افریقہ میں پہلے شخص تھے جو قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) اور امارتِ فوج (سپہ سالار) جیسے بلند اور اہم عہدوں پر بیک وقت فائز ہوئے۔

قاضی اسدؒ کی قیادت میں جانے والی یہ مہم کوئی چھوٹے موٹے فوجی دستوں پر مشتمل نہ تھی بلکہ اس میں نو سو سوار اور دس ہزار پیادے جہاز رانوں کے علاوہ شریک تھے۔ علماء اور صوفیہ کو قاضی اسدؒ بن فرات کی امارتِ فوج کا علم ہوا' تو وہ بھی ان کی قیادت میں شریکِ جہاد ہونے کے لیے بے تاب ہو گئے اور ان کی ایک کثیر تعداد اپنے حجروں اور خانقاہوں سے نکل کر لشکرِ اسلام میں شامل ہو گئی۔ لشکر کی روانگی کا دن آیا' تو امیر زیادۃ اللہ سمیت تمام شہر اس کی مشایعت کے لیے اُمڈ آیا۔ یہ سب لوگ بڑے جوش و خروش سے تکبیر کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ اس لشکر کی پہلی منزل افریقیہ کا ساحلی شہر سوسہ تھی۔ اسی بندرگاہ میں سَو جنگی جہازوں پر مشتمل مسلمانوں کا بحری بیڑا تیار کھڑا تھا۔ قاضی اسد اپنا لشکر لے کر جہازوں پر سوار ہوئے تو اعیانِ حکومت اور عوام نے انہیں بڑے پُر جوش انداز میں تکبیر کے نعروں اور دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ اس وقت قاضی اسد عرشۂ جہاز پر آئے اور ایک ولولہ انگیز خطبہ دیا جس میں انہوں نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

''اے لوگو! میرے آباؤ اجداد میں سے کبھی کوئی امارت کے منصب پر فائز نہیں ہوا۔ اگر آج مجھے یہ بلند عہدہ ملا ہے' تو صرف اس لیے کہ میں نے اپنی زندگی علم کی

Marfat.com

تحصیل اور اشاعت میں کھپا دی۔ گویا میری یہ عزت محض علم کی مرہونِ منّت ہے، اس
لیے میں تم کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ علم کے حصول میں اپنی جانیں لڑا دو۔ اگر اس میں
مصائب اور تکالیف کا سامنا ہو تو ان کا جرأت اور ہمت سے مقابلہ کرو۔ یہی بات
دین اور دنیا میں تمہاری سرفرازی کا باعث ہوگی۔"

قاضی اسدؒ کی الوداعی تقریر کے بعد ۱۵ ربیع الاول ۲۱۲ھ/ ۸۲۷ء کو جہازوں نے
لنگر اٹھایا اور اپنے جیالے سواروں کو لے کر سسلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ فیمی بھی
اپنے جہازوں اور فوج کے ساتھ اسلامی بیڑے کے پیچھے ہو لیا۔

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ اسلامی بیڑا تین دن کے بعد سسلی (صقلیہ) کے ساحلی
شہر مازر (Mazzara) کے قریب لنگر انداز ہوا اور اسلامی لشکر نے جہازوں سے اتر
کر کسی مزاحمت کے بغیر مازر پر قبضہ کر لیا یہاں دو چار دن قیام کے بعد قاضی اسد
نے ابوذکی کنانی کو مازر کا گورنر مقرر کیا اور خود فوج کو لے کر مرج کی طرف بڑھے
جہاں رومیوں کا ایک زبردست لشکر بلاطہ کی قیادت میں مسلمانوں کے مقابلے کے
لیے جمع تھا۔ یہ لشکر ڈیڑھ لاکھ جنگجوؤں پر مشتمل تھا۔ اس میں بلاطہ کی اپنی فوج کے
علاوہ قسطنطنیہ اور وینس کی فوجیں بھی شامل تھیں جو ان ملکوں کی حکومتوں نے کمک کے
طور پر سسلی بھیجی تھیں۔ اس کثیر التعداد متحدہ لشکر کے مقابلے میں قاضی اسد بن فرات
کے پاس کل دس ہزار سوار اور پیادے تھے کیونکہ انہوں نے کچھ فوج مازر میں چھوڑ
دی تھی۔ اس موقع پر فیمی بھی اپنی فوج کے ساتھ موجود تھا لیکن رومیوں کا عظیم الشان
لشکر دیکھ کر وہ دہشت زدہ ہو گیا اور مسلمانوں کی مختصر سی جمعیت کا ساتھ دینے میں
اس کو اپنی بربادی نظر آئی، تاہم اس نے بادلِ نخواستہ قاضی اسد بن فرات کو اپنا
تعاون پیش کیا۔ قاضی اسد بڑے مدبّر اور دور اندیش آدمی تھے۔ انہوں نے اس
نازک صورتِ حال میں فیمی پر اعتماد کرنا مناسب نہ سمجھا، کیونکہ عین معرکہ کارزار میں

Marfat.com

اس کی غدّاری مسلمانوں کے لیے تباہ کن ثابت ہوسکتی تھی چنانچہ فیمی سے صاف کہہ دیا کہ انہیں اس سے مدد لینے کی ضرورت نہیں' مجاہدینِ اسلام خود ہی رومی لشکر سے نبرد آزما ہوں گے اور اس دوران میں فیمی اور اس کے سپاہی اپنے خیموں میں مقیم رہیں گے۔ اس کے بعد قاضی اسد نے اپنی فوج کو لڑائی کے لیے تیار ہونے کا حکم دیا۔

(۶)

مقام مرج میں جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے آئیں تو قاضی اسدؒ نے بڑے عمدہ طریقے سے اپنی فوج کی صفیں مرتّب کیں اور پھر عَلَم اپنے ہاتھ میں لے کر آگے بڑھے۔ اس وقت ان کا چہرہ جوشِ جہاد سے تمتما رہا تھا اور وہ سورۂ یٰسین کی تلاوت کر رہے تھے جب تلاوت ختم ہوئی تو انہوں نے اپنے لشکر کے سامنے ایک پرزور خطبہ دیا جس میں جہاد کے فضائل بیان کیے اور رومیوں کو بھگوڑے اور نامراد قرار دیا۔ ان کی ولولہ انگیز تقریر نے مسلمانوں کے دلوں میں شوقِ شہادت تیز تر کر دیا اور وہ اپنے جیوٹ امیر کے پیچھے پیچھے رجز پڑھتے ہوئے مردانہ وار رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ رومی لشکر بھی آزمودہ کار جنگجوؤں پر مشتمل تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کا حملہ بڑی پامردی سے روکا لیکن مسلمانوں کا جوش کم ہونے میں آیا نہ حملے کی شدت میں کمی آئی یہاں تک کہ رومیوں کی صفیں بے ترتیب ہو گئیں۔ اب انہوں نے پوری قوّت سے مسلمانوں کے اس دستۂ فوج پر حملہ کیا جس میں قاضی اسدؒ دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ قاضی اسدؒ اور ان کے ساتھیوں نے رومیوں کو منہ توڑ جواب دے کر پیچھے ہٹا دیا لیکن وہ بار بار ان پر حملے کرتے تھے۔ قاضی اسدؒ ان حملوں میں زخم پہ زخم کھاتے رہے یہاں تک کہ ان کے جس ہاتھ میں جھنڈا تھا وہ بھی زخمی ہو گیا لیکن انہوں نے ایک لحظے کے لیے بھی پرچمِ اسلام سرنگوں نہ ہونے دیا۔ ضعیف العمر قاضی اسدؒ کی شجاعت اور پامردی نے مسلمانوں کے حوصلے دوچند کر دیے۔ انہوں نے رومیوں پر

Marfat.com

ایسا بلاخیز حملہ کیا کہ ان کی صفیں درہم برہم ہوگئیں اور وہ اپنے ہزاروں آدمی کٹوا کر میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے۔ مسلمانوں کے ہاتھ بے شمار مالِ غنیمت آیا جس میں کثیر مقدار میں سامانِ رسد، لاتعداد مویشی اور بہت سے قیدی بھی تھے۔ مسلمانوں کی یہ عظیم الشّان فتح سسلی میں اسلامی حکومت کے قیام کی تمہید تھی۔ اس میں قاضی اسد بن فرات نے جو نمایاں کردار ادا کیا اس کی بنا پر عرب مؤرّخین نے انہیں بجا طور پر فاتحِ صقلیہ (سسلی) کا خطاب دیا جو آج تک ان کے نام کا لازمہ ہے۔ اس فتح کی خبر زیادۃ اللہ کو بھیجی گئی، تو اس نے بے پایاں مسرّت کا اظہار کیا اور خلیفہ مامون الرشید کو بھی اس کی اطلاع بھیجی۔ بغداد اس وقت سیاسی لحاظ سے عالَمِ اسلام کا مرکز تھا۔ وہاں سے یہ خبر دنیا بھر کے مسلمانوں میں پھیل گئی اور ان کے لیے شادمانی کا باعث ہوئی۔

مرج کی فتح کے بعد قاضی اسدؒ نے آگے بڑھ کر اندرونِ سسلی کے متعدد قلعوں پر قبضہ کر لیا اور پھر وہ یلغار کرتے ہوئے سسلی کے دارالحکومت سرقوسہ (Syracuse) کے حفاظتی قلعے الکرات (کلٹا چیرونی) تک جا پہنچے۔ الکرات کے باشندوں کو مقابلے کی ہمت نہ پڑی۔ وہ اپنے پادریوں کی سرکردگی میں قلعے سے نکل کر قاضی اسدؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر امان کے طالب ہوئے۔ قاضی اسد نے ان کے سامنے جزیے کی شرط پیش کی جسے انہوں نے قبول کر لیا اور یوں مسلمانوں اور اہلِ کرات کے درمیان صلح کا معاہدہ طے پا گیا۔ اس موقع پر فیمی نے غداری کی، کیونکہ وہ اس جزیرے میں مسلمانوں کی فاتحانہ پیش قدمی سے خائف ہو گیا تھا۔ اس نے درپردہ اہلِ کرات کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا اور لڑائی کی ترغیب دی۔ اہلِ کرات نے اس کا مشورہ قبول کر لیا اور زور شور سے جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ قاضی اسدؒ کو اہلِ کرات کی بدعہدی کی اطلاع ملی، تو انہوں نے کرات کا محاصرہ کر لیا

Marfat.com

اور جزیرے کے اطراف میں فوجی دستے پھیلا دیئے پھر سرقوسہ کے آس پاس کا علاقہ فتح کر کے صدر مقام کی طرف پیش قدمی کی اور خشکی اور سمندر دونوں طرف سے اس کا محاصرہ کرلیا۔ اثنائے محاصرہ میں افریقہ سے امدادی فوج بھی پہنچ گئی جس سے مسلمانوں کو اطمینان ہو گیا لیکن ان کا یہ اطمینان عارضی ثابت ہوا' کیونکہ جلد ہی بلرم (پلرمو) سے رومی فوج اہلِ سرقوسہ کی امداد کے لیے آ پہنچی اور اسلامی لشکر کے جس حصے نے خشکی کی طرف سے سرقوسہ کا محاصرہ کر رکھا تھا اس کو پشت کی طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ قاضی اسدؒ اس خطرناک صورتِ حال سے اس طرح عہدہ برآ ہوئے کہ انہوں نے اپنے لشکر کے اردگرد ایک وسیع خندق کھدوائی اور اس سے آگے بڑھ کر ایک بہت بڑی کھائی تیار کرائی یوں اسلامی لشکر حملہ آوروں کی براہِ راست زد میں آنے سے بچ گیا۔ ان لوگوں نے کئی مرتبہ خندق اور کھائی عبور کرنے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں نے ہر مرتبہ بے پناہ تیر باری کر کے ان کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ آخر وہ تھک ہار کر بیٹھ گئے۔ قاضی اسدؒ نے اب شہر کا محاصرہ اور سخت کر دیا یہاں تک کہ اہلِ سرقوسہ صلح پر آمادہ ہو گئے لیکن اسلامی لشکر کے بیشتر افسروں نے ان سے صلح کرنے کی مخالفت کی چنانچہ محاصرہ طول پکڑ گیا۔ اس دوران میں محصورین اور محاصرین دونوں رسد کی کمی اور حالتِ جنگ کے تسلسل سے سخت مشکلات میں مبتلا ہو گئے لیکن قاضی اسدؒ بڑے بلند حوصلہ اور مستقل مزاج آدمی تھے وہ ان مشکلات کو خاطر میں نہ لائے اور مسلمانوں کو آخری دم تک ڈٹے رہنے کی تلقین کرتے رہے۔ تاہم ان کی تلقین کے باوجود مسلمانوں کی ایک جماعت اس صورتِ حال سے دلبرداشتہ ہو گئی اور اس نے ابو یحییٰ احمد بن قادم کے ذریعے قاضی اسدؒ سے محاصرہ اٹھا لینے اور افریقہ کو مراجعت کا مطالبہ کیا۔ ابو یحییٰ احمد ایک ممتاز عالم دین تھے اور مالکی اور حنفی فقہ دونوں پر عبور رکھتے تھے۔ وہ اسلامی لشکر کے ساتھ سسلی آئے تھے اور کئی

Marfat.com

معرکوں میں دادِ شجاعت دے چکے تھے' بدقسمتی سے وہ محاصرے کی سختیوں سے گھبرا گئے اور قاضی اسدؒ سے ایسا مطالبہ کر بیٹھے جس نے انہیں امتحان میں ڈال دیا۔ یہ مطالبہ ماننے کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان اب تک سسلی میں اپنی سرفروشی کی بدولت جو کامیابیاں حاصل کر چکے تھے' ان سب پر پانی پھیر ڈالا جائے۔ قاضی اسدؒ کسی صورت میں بھی اپنی مہم کو اس انجام تک نہ پہنچانا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ابویحییٰ کو جواب دیا ''میں مسلمانوں کی عسکری قوت کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔ موجودہ حالات افریقہ کو مراجعت کا جواز نہیں بن سکتے' بفضلِ خدا ابھی اسلامی لشکر خیر و برکت سے محروم نہیں ہوا۔''

اسدؒ کے اس جواب سے ابویحییٰ اور ان کے ہمنواؤں کی تشفی نہ ہوئی اور وہ بدستور اپنے مطالبے پر اڑے رہے۔ ادھر قاضی اسدؒ بھی اصول کے معاملے میں جھکنا جانتے ہی نہ تھے۔ انہوں نے کھُلے لفظوں میں ابویحییٰ اور ان کے ساتھیوں کو تنبیہ کی کہ اگر تم نے اپنی ضد ترک نہ کی' تو میں جہازوں کو جلوا دوں گا اور پھر یہ دیکھوں گا کہ تم یہاں سے کیسے بھاگتے ہو۔ ابویحییٰ اگرچہ قاضی اسدؒ کے شاگرد اور ماتحت تھے لیکن انہوں نے بے جا ہٹ دھرمی سے کام لیا اور قاضی اسدؒ کی تنبیہ کے جواب میں گستاخانہ طرزِ عمل اختیار کیا۔ صاحبِ ''معالم الایمان'' کا بیان ہے کہ جب ابویحییٰ نے اپنے جواب میں یہ الفاظ کہے:

''اس سے بہت چھوٹے معاملے پر عثمانؓ بن عفّان قتل کر دیے گئے تھے۔''

تو قاضی اسدؒ کا حلم و تحمل قہر و غضب میں بدل گیا اور انہوں نے ایک سخت گیر فوجی جرنیل کی حیثیت اختیار کر لی' کیونکہ ابویحییٰ کا اٹھایا ہوا فتنہ تمام فوج میں بے چینی اور شورش پیدا کر سکتا تھا چنانچہ انہوں نے ابویحییٰ کو فوراً گرفتار کرنے اور نظم و ضبط توڑنے کے جرم میں انہیں کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ ان کے حکم کی تعمیل

Marfat.com

میں ابو یحییٰ گرفتار کر لیے گئے لیکن جب انہیں سزائے تازیانہ دی جانے لگی تو قاضی اسدؒ کو ان کے علمی مرتبے کا خیال آ گیا اور انہوں نے ہدایت کی کہ صرف چند تازیانے آہستہ آہستہ لگائے جائیں۔ ابو یحییٰ کے لیے یہی سرزنش کافی ثابت ہوئی۔ وہ اور ان کے ہمنوا اپنے مطالبے سے دست بردار ہو گئے۔ اس طرح یہ فتنہ جو مہلک ثابت ہو سکتا تھا' قاضی اسدؒ نے اپنے عزم اور حوصلے سے دبا کر ختم کر دیا۔

غرض سرقوسہ کا محاصرہ مسلسل جاری رہا۔ اس دوران میں اہلِ سرقوسہ اور مسلمانوں کے درمیان جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ ایک دفعہ اسی قسم کی ایک جھڑپ میں قاضی اسدؒ بن فرات بھی شدید زخمی ہو گئے اور زخموں کی تاب نہ لا کر عین میدانِ جہاد میں ملکِ بقا کی طرف سدھار گئے۔ یہ سانحہ ربیع الآخر (۲۱۳ھ/۸۲۸ء) کی کسی تاریخ کو پیش آیا اور سرزمینِ سسلی کو ان کا مدفن بننے کا شرف حاصل ہوا۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ اثنائے محاصرہ میں اسلامی لشکر میں وبا پھیل گئی اور قاضی اسدؒ نے اسی وبا میں انتقال کیا' لیکن اس معاملے میں ابنِ اثیرؒ کو تسامح ہوا ہے' کیونکہ دوسرے تمام ثقہ مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ قاضی اسدؒ نے ان سخت زخموں سے وفات پائی جو انہیں محاصرۂ سرقوسہ میں لگے تھے۔ اسلامی لشکر میں وبا ان کی وفات کے بعد پھیلی تھی۔

قاضی اسد بن فراتؒ کی وفات کی خبر اہل افریقیہ پر بجلی بن کر گری اور ہر شخص فرطِ غم سے نڈھال ہو گیا۔ امیر زیادۃ اللہ کو تو اس قدر صدمہ پہنچا کہ اس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ اس نے اس بزرگ صاحبِ علم اور صاحبِ سیف کی یاد تازہ رکھنے کے لیے قیروان میں ایک مسجد تعمیر کروائی جس کی پیشانی پر ''اسد بن فرات'' کے الفاظ کندہ کرائے۔

سسلی میں قاضی اسد بن فراتؒ کا زمانہ امارت صرف ایک سال اور کچھ دنوں پر

Marfat.com

محیط ہے، لیکن اس مختصر عرصے میں اس عظیم المرتبت فقیہ، قاضی اور بہادر قائد و امیر البحر نے جس طرح جنگی بیڑوں کی قیادت کر کے فتوحات کا سکّہ جمایا وہ ابدالآباد تک ان کا نام زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔ انہوں نے صرف دس ہزار مجاہدوں کے ساتھ ڈیڑھ لاکھ رومیوں کے ٹڈی دل کو شکستِ فاش دی اور مازر کو دارالحکومت بنا کر جس (مسلم) حکومت کی داغ بیل ڈال دی وہ بعد میں سارے سسلی پر قابض ہوئی اور تین صدیوں تک تہذیب و علوم کا گہوارہ بنی رہی۔ قاضی اسد بن فرات ؒ نے اپنے عزم و ہمت اور شجاعت و بسالت کے جو نقوش صفحۂ تاریخ پر ثبت کیے۔ ان کی آب و تاب آج بھی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔ حکیم الاُمّت حضرت علّامہ اقبال ؒ یورپ جاتے ہوئے سسلی سے گزرے تو اس پر غیروں کی حکومت دیکھ کر ان کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ انہیں تین صدیوں پر محیط مسلمانوں کا وہ بابرکت دَورِ حکومت یاد آ گیا جس کی بنیاد قاضی اسد بن فرات نے رکھی تھی اور ان کے جذبات نے ان اشعار کی صورت اختیار کر لی۔

رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خوں نابہ بار
وہ نظر آتا ہے تہذیبِ حجازی کا مزار
تھا یہاں ہنگامہ ان صحرا نشینوں کا کبھی
بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی
زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے
بجلیوں کے آشیانے جن کی تلواروں میں تھے
اک جہانِ تازہ کا پیغام تھا جن کا ظہور
کھا گئی عصرِ کہن کو جن کی تیغِ ناصبور
مُردہ عالَم زندہ جن کی شورشِ قُم سے ہوا

Marfat.com

آدمی آزاد زنجیرِ توہّم سے ہوا

غلغلوں سے جس کے لذّت گیراب تک گوش ہے
کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہے

آہ اے سِسلی سمندر کی ہے تجھ سے آبرو
رہنما کی طرح اس پانی کے صحرا میں ہے تو
زیب تیرے خال سے رُخسارِ دریا کو رہے
تیری شمعوں سے تسلّی بحر پیا کو رہے
ہو سبک چشمِ مسافر پر ترا منظر مدام
موج رقصاں تیرے ساحل کی چٹانوں پر مدام

تو کبھی اس قوم کی تہذیب کا گہوارہ تھا
حُسنِ عَالَم سوز جس کا آتشِ نظارہ تھا

رحمۃ اللہ علیہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا (یارسول اللہ!) مجھے کوئی وصیت فرمائیے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا' غصہ مت کیا کرو۔ اس شخص نے پھر اپنی وہی بات کئی بار دہرائی۔ آپ انے اس کے جواب میں ہر بار یہی فرمایا کہ غصہ مت کیا کرو۔ (صحیح بخاری)

Marfat.com

شمس الائمہ سرخسیؒ

امام ابوبکر محمد بن ابی سہل احمد السرخسیؒ معروف بہ شمس الائمہ سرخسیؒ کا شمار پانچویں صدی ہجری کے سرآمدِ روزگار حنفی فقہا میں ہوتا ہے۔ اکثر اربابِ سیَر نے ان کو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے نامور تلامذہ قاضی ابویوسفؒ اور امام محمد شیبانیؒ (صاحبین) کے بعد تمام فقہاءِ احناف سے برتر قرار دیا ہے۔ یہ درجہ علمی قابلیّت کے لحاظ سے ہے ورنہ علمی پیداوار کے لحاظ سے وہ شاید سب فقہائے احناف سے آگے ہیں۔ ان کی صرف ''کتاب المبسوط'' ہی تیس جلدوں میں بڑی تقطیع کے چھ ہزار تین پینتیس (۶۳۳۵) صفحات پر محیط ہے۔ اس کے علاوہ دوسری کئی تصانیف بھی ہیں۔ علّامہ شہاب بن فضل اللہ العمریؒ نے شمس الائمہ سرخسیؒ کو اپنی کتاب ''مسالک الابصار'' میں ''ماہِ تمام، فقیہ، اصولی، متکلّم، مناظر اور ''صدر نشین بزمِ علم'' کے القاب سے یاد کیا ہے۔ علّامہ عبدالقادر القرشیؒ صاحبِ ''الجواہر المضیہ'' نے انہیں سَنَد، حُجّت اور اپنے دَور کا سب سے زیادہ صاحبِ نظر عالم قرار دیا ہے۔

مولانا عبدالحیؒ لکھنوی نے مقدمۃ الہدایہ میں اور مولانا فقیر محمد جہلمیؒ نے ''حدائق الحنفیہ'' میں امام سرخسیؒ کا سالِ ولادت (۴۰۰ھ/۱۰۰۹-۱۰۱۰ء) لکھا ہے۔ وہ

Marfat.com

خراسان کے قدیم شہر سرخس میں پیدا ہوئے جو مشہد اور مرو کے درمیان دریائے ہری رود پر واقع ہے۔ دس سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ تجارت کے سلسلہ میں بغداد آئے۔ وہاں سے بخارا گئے جہاں شمس الائمہ عبدالعزیز بن احمد حلوانی کی درسگاہ مرجعِ انام تھی۔ امام سرخسیؒ سالہا سال تک اسی درسگاہ میں شمس الائمہ حلوانی کے زیرِ تربیت رہے یہاں تک کہ جملہ علوم وفنون میں درجۂ کمال پر پہنچ گئے۔ وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر نکلے تو ان کے تبحرِ علمی کی شہرت دُور دُور تک پھیل چکی تھی۔ (۴۴۸ھ/۱۰۵۶ء) میں استاد کی وفات کے بعد ان کی مسندِ درس پر بیٹھے اور ان کے لقب شمس الائمہ کے بھی وارث قرار پائے کیونکہ شمس الائمہ حلوانیؒ کے شاگردوں میں علمی قابلیت کے اعتبار سے کوئی دوسرا ان کا ہم پایہ نہ تھا۔ فی الحقیقت وہ شمس الائمہ ثانی ہیں لیکن شمس الائمہ کا نام سن کر اہلِ علم کا ذہن امام سرخسیؒ ہی کی طرف منتقل ہوتا ہے جب تک کہ دوسرے صاحبِ لقب کی صراحت نہ ہو۔

چند سال کے اندر اندر شمس الائمہ سرخسیؒ کے کمالاتِ علمی اور اَخلاقِ حَسنہ نے ایک دنیا کو مسخّر کر لیا اور طالبانِ علم دنیائے اسلام کے گوشے گوشے سے کھنچ کر ان کی خدمت میں آنے لگے۔ ان کی غیر معمولی ہر دلعزیزی اور مقبولیت بعض لوگوں کو گوارا نہ ہوئی اور وہ حکمرانوں کے کان ان کے خلاف بھرنے لگے یہاں تک کہ مملکتِ بخارا کے ایک قراخانی فرمانروا نے برافروختہ ہو کر انہیں گرفتار کر لیا۔ تذکرہ نگاروں نے یہ وضاحت نہیں کی کہ کس حکمران نے انہیں گرفتار کیا اور ان کا جرم کیا تھا۔ خود شمس الائمہ سرخسیؒ نے کتاب المبسوط اور بعض دوسری تصنیفات میں اپنی گرفتاری اور قید کے اسباب کی طرف مبہم اشارے کیے ہیں۔ مثلاً بادشاہ کو کلمۂ خیر کی تلقین، زندیق اور بدقماش لوگوں کی بادشاہ کے پاس ان کی جھوٹی چغلی وغیرہ۔ بعض تذکرہ نگاروں نے صرف اتنا کہا ہے کہ امام سرخسیؒ کے عہد کے حکمرانوں نے

Marfat.com

ان کو حق گوئی کی بنا پر جھوٹا مقدمہ بنا کر قید میں ڈال دیا اور بعض نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس زمانے میں مالی ابتری پر قابو پانے کے لیے حکومت آئے دن نئے نئے ٹیکس عائد کرتی رہتی تھی جن سے مخلوقِ خدا سخت پریشان ہو گئی تھی۔ شمس الائمہ سرخسیؒ نے ان ٹیکسوں کے خلاف آواز بلند کی اور ان کو ناجائز قرار دے کر لوگوں سے کہا کہ ان کی ادائیگی واجب نہیں اس طرح وہ عدم ادائیگیِ محاصل کی تحریک کے ''سرغنہ'' قرار پائے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے باقاعدہ کوئی فتویٰ جاری کیا یا نہیں؟ اس کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا البتہ ''کتاب المبسوط (جلد دہم)'' میں اُن کے نقطۂ نظر کی وضاحت موجود ہے وہ صاف صاف کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے کے اکثر محصول ناجائز ہیں جو ان کی مخالفت کرے اور ادا نہ کرے وہ ثواب کا مستحق ہے۔

قراخانی حکمران نے شمس الائمہ سرخسیؒ کو گرفتار کرنے کے بعد بخارا میں رکھنا خطرے سے خالی نہ سمجھا اس لیے اوزکند (اوزجند) کے دور دراز قلعے میں نظر بند کر دیا۔ (اوزکند ماوراء النہر میں فرغانہ کے نواح میں واقع ہے) ظالم حکمران نے صرف نظر بندی ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ انہیں ایک اندھے کنوئیں (یا کنواں نما تہہ خانے) میں مقید کر دیا۔ اس زمانے میں ایسے قید خانوں میں انتہائی خطرناک قیدیوں کو رکھا جاتا تھا۔ گویا شمس الائمہ سرخسیؒ حکومتِ وقت کے نزدیک انتہائی خطرناک مجرم تھے۔ امام موصوفؒ پورے گیارہ برس (اور بروایتِ دیگر تقریباً بارہ برس) تک نہایت صبر و استقامت کے ساتھ اس خوفناک قید کی مصیبتیں جھیلتے رہے۔ ''کتاب المبسوط'' میں انہوں نے اس قید کے بارے میں کسی کسی جگہ سرسری سا ذکر کیا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

''دنیا کے ایک دُور دراز کونے میں مجھے قید کیا گیا ہے۔''

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

Marfat.com

"بیوی بچوں سے ملنے کی ممانعت ہے اور نہ کوئی کتاب منگوانے کی اجازت ہے۔"

ایک مقام پر قید خانہ کو "ملول کرنے اور تھکا دینے والی جگہ" قرار دیا ہے۔

کچھ عرصہ تو امام صاحبؒ کو قیدِ تنہائی میں رکھا گیا اس کے بعد طَلَبہ کو ان کے کنوئیں (قید خانے) کی جگت (منڈیر) پر جانے کی اجازت مل گئی۔ امام صاحبؒ کا فقید المثال کارنامہ یہ ہے کہ وہ سالہا سال تک کنوئیں کے اندر سے طالبانِ علم کو درس دیتے رہے جو اس کی منڈیر پر بیٹھ جاتے تھے اور پہرے داروں کی نگرانی میں مظلوم استاد سے مقدور بھر استفاضہ کرتے تھے۔ امام صاحبؒ کو علمی استفسارات اور کتابی مطالب کی تشریح کے سوا کوئی بات کرنے کی اجازت نہ تھی لیکن ان کی وسعتِ علم اور قوّتِ حافظہ کا یہ عالَم تھا کہ کوئی کتاب پاس نہ ہونے کے باوجود کئی ضخیم کتابیں نہایت صحت اور جامعیت کے ساتھ شاگردوں کو املا کرادیں۔ ان میں سے شرح المبسوط' شرح السیر الکبیر' اور نکت زیادات الزیادات خصوصیّت سے قابل ذکر ہیں۔ یہ کتابیں جابجا قرآن و حدیث کے حوالوں سے مملو ہیں۔ بعض علماء نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ اپنی ان مہتم بالشّان (امالی) کتابوں کی بدولت شمس الائمہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

بالآخر رحمتِ الٰہی نے دستگیری کی اور ۲۰ صفر (بروایتِ دیگر ربیع الاول ۴۸۰ھ) جمعتہ المبارک کو شمس الائمہ سرخسیؒ کو قید و بند کی طویل مصیبت سے نجات ملی۔ رہائی کے چند دن بعد وہ مرغینان چلے گئے اور وہاں امام سیف الدین بن ابراہیم بن اسحٰق (بعض مخطوطوں کے مطابق سیف الدین ابو ابراہیم اسحٰق بن اسماعیل) کے گھر قیام کیا اور وہیں شرح سیر الکبیر کے باقی حصے کو املا کرایا اور دس دن میں اس کو مکمل کر دیا۔ قیامِ مرغینان کے دوران میں ہی امام سرخسیؒ نے اپنا وہ مشہور فتویٰ صادر کیا جس کے بارے میں بعض تذکرہ نگاروں کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ اسی فتویٰ کی بنا پر وہ معتوب اور

Marfat.com

مقیّد ہوئے تھے حالانکہ یہ فتوی انہوں نے قید سے رہائی کے بعد دیا تھا اور والیِ مرغینان (امیر البلد) یہ فتوی دیکھ کر خفا ہونے کے بجائے ان کے تبحّرِ علمی کا معترف ہوگیا تھا۔

واقعہ یہ تھا کہ والیِ مرغینان نے اپنی اُمّ وُلد لونڈیاں (وہ لونڈیاں جن کی اولاد ہو) کا اپنے خادمانِ خاص سے نکاح پڑھوا دیا تھا۔ امام سرخسیؒ نے فتویٰ دیا کہ نکاح سے قبل ان لونڈیوں کو آزاد کرنا ضروری تھا۔ والیِ مرغینان نے اس فتویٰ کے مطابق لونڈیوں کو آزاد کر دیا اور فوراً نکاحوں کی تجدید کرائی۔

طویل قید و بند نے امام سرخسیؒ کی صحت پر بہت برا اثر ڈالا تھا۔ کبرسنی کے عوارض اور قید کے مصائب نے انہیں نڈھال کر دیا تھا۔ رہائی کے بعد صرف تین سال آزادی کی فضا میں سانس لینا نصیب ہوا اور ۴۸۳ھ میں تراسی سال کی عمر میں یہ آفتابِ فضل و کمال ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ انہوں نے اپنے پیچھے اپنی گرانقدر تصنیفات کے علاوہ بہت سے نامور شاگردوں کی ایک جماعت یادگار چھوڑی جنہوں نے ان کے کاموں کو آگے بڑھایا اور ان کے فیوض و برکات کو آیندہ نسلوں تک پہنچایا۔

شمس الائمہ سرخسیؒ کے علمی کارناموں کی قدر و قیمت کا اندازہ اس حقیقت سے کیا جا سکتا ہے کہ اس وقت سے آج تک تمام فقہائے احناف انہی کے خوشہ چیں ہیں۔ ان کی مشہور تصانیف کے نام یہ ہیں:

(۱) شرح کتاب المبسوط (تیس جلدیں ۶۳۳۵ صفحات) یہ کتاب الحاکم الشہید ابو الفضل محمد بن احمد المروزیؒ کی کتاب "المختصر الکافی" کی شرح ہے اور "المختصر الکافی" امام محمد شیبانیؒ (تلمیذ امام ابو حنیفہؒ) کی "کتاب المبسوط" کا خلاصہ ہے جس میں انہوں نے تکرار کو حذف کر کے طلبہ کے لیے سہولت پیدا کی۔

(۲) شرح سیر الکبیر (۳) نکت زیادات الزیادات (۴) اصول الفقہ

Marfat.com

(۵)شرح الجامع الکبیر (۶) شرح الجامع الصغیر (۷) شرح مختصر الطحاوی
(۸)اشراط الساعۃ و مقامات القیامۃ (۹) شرح کتاب النفقات للخصاف
(۱۰)شرح ادب القاضی للخصاف (۱۱)الفوائد

ان میں سے پہلی چار کتابیں چھپ چکی ہیں۔ باقی میں سے بعض کے مخطوطے مل چکے ہیں اور بعض کی تلاش جاری ہے۔

شمس الائمہ سرخسیؒ نے اپنی تصانیف میں جو مسئلہ بھی بیان کیا ہے' اس کے حکم کی دلیل بھی بیان کردی ہے۔ انہوں نے جابجا اپنے ملک اور اپنے زمانے کے حالات کا ذکر بھی کیا ہے۔ ان کی تصانیف میں کئی جگہ فارسی جملے بھی ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فارسی بھی جانتے تھے۔

شمس الائمہ سرخسیؒ نے اپنی وسعتِ علم' بےمثل قوّتِ حافظہ' صبر و تحمّل' تقویٰ' حق گوئی اور راہِ حق میں بَلاکَشی کے جو نقوش صفحۂ تاریخ پر ثبت کیے وہ اُن کا نام ابدالآباد تک مہرِ عالم افروز کی طرح روشن رکھیں گے۔

رحمۃ اللہ علیہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو میری خوشی یہی ہوگی کہ مجھ پر تین راتیں بھی ایسی نہ گزریں کہ میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی ہو سوائے اس کے کہ قرض کی ادائیگی کے لیے اس میں سے کچھ روک لوں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

Marfat.com

ابونصر فارابی

ابونصر محمد فارابی کا شمار ان حکمائے اسلام میں ہوتا ہے جو اپنی حکمت و دانش، علم و فکر، نکتہ رسی، دقتِ نظر اور تحیّر خیز ذہانت میں اپنی مثال آپ تھے۔ الفارابی ان اوصاف و خصائص کا حامل ہونے کے علاوہ علومِ فلسفہ میں اختراعی صلاحیتوں کے اعتبار سے نہ صرف یونان کے اکابر فلسفیوں کے برابر، بلکہ بعض پہلوؤں میں ان سے بھی بڑھ گیا تھا۔ فلسفہ سے متعلّق جتنے بھی عُلوم ہو سکتے ہیں، ان میں سے ہر علم پر ماہرانہ انداز میں قلم اٹھانا اور بلند ترین معیار کی سَو سے زیادہ کتابیں لکھ دینا ایسا مہتم بالشّان کارنامہ ہے جس میں کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ نامور مستشرق جارج سارٹن کے بقول فارابی ایک ہمہ دان عالم تھا جو اپنے زمانہ کے تمام سائنسی تصوّرات اور علوم سے پوری طرح آگاہ تھا۔

ابونصر محمد بن محمد بن اوزلغ بن ترخان اصلاً ایرانی نژاد تھا لیکن اس کے آباؤ اجداد کافی عرصہ پہلے ایران سے ترکِ سکونت کر کے تِرکستان چلے گئے تھے اور وہیں مستقلاً آباد ہو گئے تھے۔ چنانچہ ۲۵۹ ہجری مطابق ۸۷۰ عیسوی میں ابونصر ترکستان ہی کے ایک شہر فاراب سے متصل ایک قصبے میں پیدا ہوا اور اسی نسبت سے فارابی کہلایا۔ اس کا والد ایک بڑا فوجی افسر تھا۔ فارابی کے زندگی کے ابتدائی حالات پردۂ خفا میں ہیں لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ اسے اپنے آبائی پیشے سپہ گری سے کوئی

Marfat.com

دلچسپی نہیں تھی بلکہ اس کا دل و دماغ علوم وفنون کی طرف راغب تھا چنانچہ اپنی خداداد غیر معمولی صلاحیتوں کی بدولت اس نے ابتداہی میں متعدد زبانیں سیکھ لی تھیں بقول ابنِ خلِکان وہ پچاس ساٹھ زبانیں جانتا تھالیکن خود اس کا بیان ہے کہ وہ ستّر سے زیادہ زبانیں جانتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ فارابی غیر معمولی ذہن کا مالک تھا۔ اس نے جس کثرت سے زبانیں سیکھی تھیں ان میں وہ بِلا مبالغہ بالکل منفرد تھا۔

فارابی کے زمانے میں علوم وفنون کا سب سے بڑا مرکز بغداد تھا جہاں دنیا بھر کے اہلِ کمال جمع ہو گئے تھے۔ فارابی بھی پچیس سال کی عمر میں اپنے وطن سے بغداد آیا۔ یہاں سے وہ حُرّان گیا اور وہاں حکمت وفلسفہ کے ایک بہت بڑے عیسائی عالم یوحنا بن خیلان سے اکتسابِ علم کیا۔ حرّان سے پلٹ کر وہ پھر بغداد آیا اور وہاں فلسفہ کی تکمیل اور ارسطو کی تمام کتابوں میں مہارت حاصل کی۔ اس نے مشہور نحوی ابوبکر محمد بن السراج سے نحو کی کتابیں بھی پڑھیں۔ علاوہ ازیں اس نے علمِ موسیقی میں بھی زبردست مہارت حاصل کر لی۔ بغداد آنے سے پہلے وہ عربی زبان سے ناآشنا تو نہیں تھا لیکن اس پر ماہرانہ دستگاہ اس نے بغداد ہی میں حاصل کی اور عربی زبان ہی کو اپنے خیالات وافکار کا ذریعۂ اظہار بنایا..... عربی میں اس کی تحریریں حُسنِ ادا اور دلآویزیٔ بیان کی آئینہ دار ہوتی تھیں۔ وہ دقیق مسائل کو سبک اور ستھرے الفاظ میں اس حسن وخوبی سے بیان کرتا تھا کہ وہ پانی ہو جاتے تھے۔ فارابی نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ بغداد ہی میں گزارا۔ شغل درس وتدریس کے ساتھ وہ تصنیف وتالیف میں بھی مصروف رہتا تھا۔ اپنی بیشتر کتابیں اس نے بغداد ہی میں تصنیف کیں۔ فارابی کی آزاد فطرت کسی خاص جگہ یا مقام کی پابند نہیں تھی۔ اگرچہ بغداد کو کم وبیش اس کے مستقر کی حیثیت حاصل رہی لیکن یہاں آنے سے پہلے بھی اور یہاں آنے کے بعد بھی وہ جستجوئے علم میں قریہ قریہ اور ملک ملک گھومتا رہا کبھی شام جا نکلتا کبھی مصر اور

Marfat.com

کبھی خراسان گھوم پھر کر واپس بغداد آ جاتا تھا۔ آخر کار سیاسی اگاڑ پچھاڑ اور بعض دوسری وجوہ کی بنا پر فارابی بغداد سے دِل برداشتہ ہو کر شام کے حکمران سیف الدّولہ ابوالحسن علی کے دربار میں حلب جا پہنچا۔ سیف الدولہ بڑا فیاض اور علم دوست حکمران تھا۔ اس کا دربار علماء' ادبا شعراء اور دوسرے اہلِ کمال کا مرجع بن گیا تھا۔ سَیفُ الدَّولہ کے دربار میں فارابی عجیب حکیمانہ شان سے پہنچا۔ ابنِ خُلِّکان کا بیان ہے کہ اپنی عادت کے مطابق ترکی وضع قطع کا نہایت معمولی لباس پہنے وہ سیف الدَّولہ کے دربار میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ سیف الدّولہ نے اس سے کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ فارابی نے کہا' کہاں جہاں میں ہوں یا جہاں آپ ہیں؟ سیف الدّولہ نے کہا' جہاں تم ہو۔ یہ سن کر فارابی صفوں کو چیرتا ہوا سیف الدّولہ کی مَسند تک پہنچا اور اس کو وہاں سے ہٹانا چاہا۔ یہ بات سیف الدّولہ کو سخت ناگوار گزری اور اس نے ایک مخصوص زبان میں اردگرد کھڑے اپنے غلاموں سے کہا' اس بڈھے نے بےادبی کی ہے میں اس سے چند سوالات کروں گا اگر وہ ان کے خاطر خواہ جواب نہ دے سکا تو تم اسے بے وقوف بنانا۔ فارابی سیف الدولہ کی بات سمجھ گیا اور اسی زبان میں کہا' اے امیر صبر کیجیے کیونکہ تمام چیزیں ان کے نتائج پر موقوف ہیں۔ فارابی کے اس جواب پر سیف الدّولہ حیران رہ گیا اور اس نے کہا کہ تم اس زبان کو جانتے ہو؟ فارابی نے جواب دیا' میں ستّر سے زیادہ زبانیں جانتا ہوں۔ اب سَیفُ الدّولہ کے دل میں اس کی بڑی قدر و منزلت پیدا ہو گئی۔ اس کے بعد فارابی نے دربار میں موجود علماء سے ہر فن میں گفتگو شروع کی اور ان پر اس طرح چھا گیا کہ سب خاموش ہو گئے اور وہ مسلسل بولتا رہا۔ مجلس برخاست کرنے کے بعد سَیفُ الدّولہ نے تنہائی میں فارابی سے پوچھا' آپ کچھ کھانا چاہتے ہیں؟ فارابی نے انکار کیا۔ سیف الدّولہ نے پھر پوچھا آپ کچھ لینا (یا پینا) چاہتے ہیں فارابی نے اس کا جواب بھی نفی میں دیا۔ اب

Marfat.com

امیر نے پوچھا' آپ کچھ سننا چاہتے ہیں۔ فارابی نے کہا ہاں' سیف الدّولہ نے اسی وقت گانے والی لونڈیوں کو طلب کیا۔ موسیقی میں ماہران لونڈیوں نے مختلف قسم کے ساز بجائے تو فارابی نے سب میں فنی غلطیاں نکالیں۔ اس پر سیف الدّولہ نے کہا' کیا آپ اس فن سے بھی واقف ہیں؟ فارابی نے اثبات میں جواب دیا پھر اس نے اپنی ہتھیلی سے چند لکڑیاں نکالیں اور انہیں جوڑ کر بجانا شروع کیا جس سے تمام حاضرینِ محفل ہنستے ہنستے بے حال ہو گئے پھر لکڑیوں کو کھول کر دوسرے طریقے سے بجایا تو سب لوگوں کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ پھر ان کو تیسرے طریقے سے جوڑ کر بجایا تو سب لوگ گہری نیند سو گئے۔ اس واقعہ کے بعد فارابی نے حلب ہی میں اقامت اختیار کر لی۔ امیر سیف الدّولہ نے اس کی قدر دانی اور تعظیم و تکریم میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن فارابی نے صوفیانہ وضع قطع میں زاہدانہ زندگی گزاری۔ وہ سیف الدّولہ سے صرف چار درہم یومیہ لیتا تھا اور اپنی ضروریاتِ زندگی اسی قلیل رقم میں پوری کرتا تھا۔ اس نے عمر بھر شادی نہیں کی اور نہ زر و مال سے کوئی دلچسپی رکھی۔ فارابی امیر سیف الدولہ کے ساتھ دمشق گیا اور وہیں ۳۳۹ھ (۹۵۰ء) میں اسّی سال کی عمر میں وفات پا گیا۔ محققّین نے اب تک فارابی کی ایک سو سترہ تصانیف کا سراغ لگایا ہے جن میں سے بیشتر چھپ چکی ہیں۔ ان کے علاوہ اس کی بہت سی تصانیف دستبردِ زمانہ سے ضائع ہو گئیں۔ فارابی پہلا مسلمان مفکّر تھا جس نے یونان کے مفکّرین کے افکار اور نظریات کی تشریح و توضیح کی۔ ارسطو کے افکار پر اس نے اس قدر توجہ دی کہ مُعلّمِ ثانی کے لقب سے مشہور ہوا جبکہ مُعلّمِ اوّل خود ارسطو ہے۔ فارابی کی تصانیف کے موضوعات میں فلسفہ اور تاریخِ فلاسفہ کے علاوہ الٰہیات طبعیات' اخلاقیات' سیاسیات' موسمیات' فلکیات' ریاضی' موسیقی' نفسیات' کیمیا اور طب بھی شامل ہیں۔ فارابی کے بعض افکار و نظریات سے اختلاف تو ضرور کیا جا سکتا ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا

Marfat.com

سکتا کہ وہ ایک ایسا یگانہ روزگار عبقری تھا کہ بعض خصائص میں جس کا کوئی ہمسر اس کے بعد پیدا نہیں ہوا۔

اس کا زمانہ ایک ہزار سال سے زائد پہلے کا ہے لیکن اس کی تصانیف میں اخلاقی سیاسی اور معاشرتی موضوعات پر عصرِ حاضر کے جدید اور نئے رجحانات اس کثرت سے پائے جاتے ہیں کہ پڑھنے والا انگشت بدنداں ہو جاتا ہے اور لامحالہ اس کی عبقریت اور بالغ نظری کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ

میزبانِ رسول

سیرت حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ

مؤلف: طالب الہاشمی

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ انصار مدینہ کے سابقون الاولون میں سے تھے اور حضرت ابوایوب انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آنے پر میزبان رسول بنے۔ وہ ۳۱۳ مجاہدین بدر میں سے ایک تھے۔ وہ ان چودہ سو اصحاب الشجرہ میں شامل تھے جنہوں نے حدیبیہ کے مقام پر بیعت رضوان کی سعادت حاصل کی۔

ملنے کا پتا

طٰہٰ پبلی کیشنز

19-ملک جلال دین (وقف) بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

Ph:042-36120422 Mob:0333-4470509

Marfat.com

ابوالقاسم زہراوی

ابوالقاسم زہراوی کا شمار تاریخ اسلام کے ان اربابِ علم و دانش میں ہوتا ہے جن کے کمالِ علم و ہنر نے ہفت افلاک کی رفعتوں کو چھو لیا تھا اور صفحہٴ تاریخ پر ثبت کیے ہوئے جن کے لافانی نقوش ابدالآباد تک پوری تابانی سے جگمگاتے رہیں گے۔

ابوالقاسم زہراوی ۹۳۶ عیسوی میں اندلس یعنی ہسپانیہ یا سپین میں پیدا ہوئے۔ یہ آٹھویں اُموی حکمران الناصر عبدالرحمٰن ثالث کا دورِ حکومت تھا اس وقت دارالحکومت قرطبہ کی شان و شوکت کا دنیا بھر میں شہرہ تھا۔ دس لاکھ سے اوپر کی آبادی کے اس شہر میں ساٹھ ہزار سر بفلک عمارتیں، دو لاکھ مکانات، تین ہزار سے زیادہ مسجدیں اور پچاس سرکاری شفاخانے تھے۔ قرطبہ سے چار میل کے فاصلے پر الناصر نے ایک نہایت عالیشان محل تعمیر کرایا تھا اور اپنی ملکہ کے نام پر اس کا نام قصرِ زہرا رکھا تھا جلد ہی عوام و خواص نے اس محل کے آس پاس بہت سے مکانات تعمیر کر لیے اس طرح مدینۃ الزّہرا کے نام سے ایک بہت ہی خوبصورت شہر آباد ہو گیا جو قرطبہ ہی کی طرح علوم و فنون کا مرکز بن گیا۔ ابوالقاسم نے اسی شہر میں آنکھیں کھولیں اور اسی کے علمی اور فنی ماحول میں تعلیم پائی۔ اپنی جائے ولادت مدینۃ الزّہرا کی نسبت سے وہ زہراوی کہلائے۔

ابوالقاسم کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی ذہن عطا کیا تھا اور پھر ایک بہترین علمی اور

Marfat.com

اسلامی ماحول میں اپنے عہد کے بہترین دارالعلوم یا یونیورسٹی میں انہوں نے تعلیم حاصل کی۔ اس کے نتیجے میں جملہ علوم وفنون بالخصوص علم طب میں ان کو درجہ تبحرُ حاصل ہو گیا۔ طِبّ میں اپنی غیر معمولی دسترس کی بدولت جلد ہی قرطبہ کے شاہی شفاخانے میں ان کا بحیثیت طبیب تقرر ہو گیا۔ یہاں انہوں نے دواؤں کے ذریعے علاج کے ساتھ علم جراحت یعنی سرجری پر بھی خاص توجہ دی اور اس میں وہ کمال حاصل کیا کہ اس سے پہلے کسی کو نصیب نہیں ہوا تھا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ ایک اچھے معالج کے لیے ضروری ہے کہ علاج بِالدَّوا اور علاج بِالیَدْ دونوں میں مہارت رکھتا ہو تا کہ جہاں دوا سے کام نہ چلے وہاں نشتر سے کام لے چنانچہ انہوں نے انسانی جسم کے مختلف حصوں کے نہایت پیچیدہ آپریشن نہایت کامیابی سے کیے۔ پھر انہوں نے جراحت میں اپنے بے شمار تجربوں کی روشنی میں ایک مہتم بِالشّان کتاب ''التصریف'' لکھی جو علاج بذریعہ ادویہ اور علاج بذریعہ جراحت دونوں شعبوں کا احاطہ کرتی تھی۔

دوائی علاج پر تو اس سے پہلے بھی کئی اچھی کتابیں لکھی جا چکی تھی لیکن سرجری پر یہ اپنی نوعیت کی اوّلین کوشش تھی جس نے حکیم ابوالقاسم کو علمِ جراحت کا مُوجِد اور دنیا کا نامور سرجن بنا دیا۔ یہ عظیم کتاب فی الحقیقت علمِ طِبّ کی قاموس یعنی انسائیکلو پیڈیا ہے۔ اس کا وہ حصہ جو جرّاحی سے متعلق ہے اس کا ترجمہ لاطینی میں کیا گیا اور اس ترجمے نے جراحی یعنی سرجری میں صدیوں یورپ کی رہنمائی کی۔ قرطبہ جرّاحی کے لیے یورپ میں مشہور تھا جو مشکل آپریشن ہوتے وہ قرطبہ ہی میں مریض کو لا کر کرائے جاتے تھے۔

مختلف آپریشنوں میں جن آلات کی ضرورت پڑتی ہے ''التصریف'' میں ان کے خاکے بھی دیے گئے ہیں ان کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی بہت سے آلات وہی ہیں جن کے خاکے یا تصویریں زہراوی کی کتاب میں

Marfat.com

ہیں مثلاً کیتھٹر، اینما پاٹ، کان کا معائنہ کرنے کا آلہ، زخم کی گہرائی معلوم کرنے یا پیشاب کی نالی کے اندرونی حصے کا معائنہ کرنے کا آلہ، دانت نکالنے کا آلہ، مختلف قسم کی قینچیاں اور نشتر وغیرہ وہی ہیں جو آج کل بھی استعمال ہو رہے ہیں۔ زہراوی نے سرجری میں جس انداز سے مسیحائی کی وہ حیرت انگیز ہے۔ مریضوں کا آپریشن کرتے وقت انہوں نے جو تجربے حاصل کیے ان کو ''التصریف'' میں اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ وہ آسانی سے ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ اسی خوبی کی وجہ سے لاطینی کے علاوہ التصریف کا ترجمہ یورپ کی کئی دوسری زبانوں میں بھی ہو چکا ہے یہاں تک کہ ایک نہایت قدیم زبان عبرانی زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہو گیا ہے۔

زہراوی کی بے مثل حذاقت کا وقت کے حکمرانوں کو بھی اعتراف تھا اور انہوں نے ان کو اپنا طبیب مقرر کر رکھا تھا۔ زہراوی نے ستر سال کی شاندار زندگی گزارنے کے بعد ۱۰۰۶ عیسوی میں قرطبہ ہی میں پیک اجل کو لبیک کہا اور اسی شہر میں ان کی آخری آرام گاہ بنی۔

علم جراحت کے متعلق عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ یہ یورپ کی ایجاد ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جس زمانے میں یورپ پر جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اس وقت زہراوی اور ان کے جانشینوں نے اناٹومی اور سرجری کو ایک مستقل فن بنا کر بڑے اونچے مقام پر پہنچا دیا۔ یہ دیکھ کر حسرت ضرور پیدا ہوتی ہے کہ آج علم و ہنر نے مغرب کو جس مقام پر پہنچا دیا ہے وہ کبھی مشرق کے اسلامی ممالک کا خاصہ تھا۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ یورپ میں آج سرجری کی جو شان و شوکت نظر آ رہی ہے وہ بڑی حد تک زہراوی ہی کے علم و فن کی مرہون منت ہے۔ منصف مزاج مستشرقین نے اس کا برملا اعتراف کیا ہے مثلاً رابرٹ بریفو اپنی موقر تصنیف تعمیر انسانیت (Making Of Humanity) میں لکھتا ہے:

Marfat.com

''یہ صحیح نہیں کہ یورپ کی نشاۃِ ثانیہ پندرہویں صدی میں ہوئی دراصل وہ عرب اور بربری مسلمانوں کے زیرِ اثر یورپ کی تہذیب کا احیاء تھا۔ اٹلی نہیں بلکہ سپین جہاں مسلمانوں کی حکومت تھی یورپ کی حیاتِ نَو کا گہوارہ تھا۔ زمانۂ وُسطیٰ میں جب یورپ جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اس وقت بغداد، قاہرہ اور قرطبہ وغیرہ تہذیب وتمدّن اور علوم وفنون کے مرکز تھے، وہیں وہ زندگی رونما ہوئی جس نے انسانی ارتقا کو ایک نئے دور سے رُوشناس کیا۔''

اسی طرح جارج کیمبل نے اپنی کتاب ''عربی طِبّ کی تاریخ'' میں لکھا ہے

''زہراوی کے طبی اصولوں نے جالینوس کے طریقوں کو ماند کر دیا اور زمانۂ وسطیٰ کے یورپ پر پانچ سَو سال تک ان کا گہرا اثر رہا۔''

اللہ کا شکر ہے کہ اب ہماری نئی نسل میں بھی سائنسی علوم کی اہمیّت کا احساس پیدا ہو گیا ہے۔ یہ احساس برقرار رہا تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک دن ہم اپنی عظمتِ رفتہ کو پھر حاصل نہ کر لیں۔

رحمۃ اللہ علیہ

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:
...... پہلوان اور طاقت ور وہ نہیں ہے جو مدِ مقابل کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان اور شہ زور حقیقت میں وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

Marfat.com

ابوریحان البیرونی

اسلام کے دریائے رحمت کا سیلاب پہلی صدی ہجری میں وادیِ بطحا سے نکلا تو اس نے دیکھتے ہی دیکھتے لاکھوں مربع میل پر محیط بہت سے خطہ ہائے ارض کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ان خطّوں میں وسطِ ایشیا کی وسیع وعریض سرزمین بھی تھی۔ اسلام کے وُرُود کے بعد اس مردم خیز سرزمین میں ایسے ایسے اصحابِ فضل وکمال اور اربابِ ہنر ودانش پیدا ہوئے جن کے علمی اور تحقیقی کمالات نے ایک دنیا کو مسخّر کر لیا اور آج بھی دنیا بھر کے اہلِ علم و دانش ان کی تحقیق اور انکشافات کے معترف اور خوشہ چین ہیں۔ وسطِ ایشیا کے ان فرزندانِ جلیل میں ایک معروف نام ابوریحان محمد بن احمد البیرونی کا ہے۔ مشہور امریکی مؤرّخ ول ڈیوران نے اپنی گرانقدر تصنیف (The History of Civilization) یعنی ''تاریخ تہذیب و تمدّن'' میں اسے مسلمانوں کا سب سے بڑا جغرافیہ دان قرار دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ البیرونی ایک عظیم جغرافیہ دان ہی نہیں بلکہ ریاضی، نجوم، فلکیات، منطق، طبیعیات، تاریخ، فلسفہ اور طب وغیرہ میں بھی کمال درجے کی مہارت رکھتا تھا۔ نامور مستشرق جارج سارٹن نے لکھا ہے:

''سائنس میں البیرونی کے کارنامے اس قدر شاندار ہیں کہ وہ ہر زمانے کے عظیم ترین سائنسدانوں میں جگہ پانے کا مستحق ہے۔ اس کے تنقیدی مزاج،

Marfat.com

اس کی رواداری' اس کی حقیقت پسندی اور اس کی مفکرانہ جرأت کی مثال زمانہ وسطیٰ میں نہیں ملتی۔''

(مقدمہ تاریخ سائنس)

مشہور ہندوستانی مورخ سرجادوناتھ سرکار کا بیان ہے:

''چند ہی لوگ ایسے گزرے ہیں جو علم طبیعیات اور علم مابعد الطبیعیات میں کامل دستگاہ رکھتے ہوں اور ان چند میں سے برِاعظم ایشیا میں سب سے مشہور البیرونی ہوا ہے جو فلسفی ہونے کے ساتھ سائنسدان بھی تھا اور دونوں متضاد علوم میں ماہرِ کامل اور شہرہ آفاق تھا۔''

(تاریخ ہند از سرجادوناتھ سرکار)

ابوریحان محمد بن احمد البیرونی ۳۶۲ھ/۹۷۳ء میں ازبکستان کے شہر خوارزم (خیوا) کے کسی مضافاتی گاؤں میں پیدا ہوا چونکہ اہلِ خوارزم خاص خوارزم شہر سے باہر کے رہنے والوں کو ''انبیرک'' یعنی بیرونی کہتے تھے' اس لیے وہ بیرونی کے لقب سے مشہور ہوگیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ شہر خوارزم میں پیدا ہوا اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے والدین خوارزم سے باہر کے رہنے والے ہوں گے اور بیرونی کہلاتے ہوں گے۔

البیرونی کے خاندان' بچپن اور تعلیم و تربیت کے بارے میں کسی تاریخ یا تذکرے سے کچھ معلوم نہیں ہوتا' البتہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ایسے اربابِ علم و کمال سے تعلیم پائی جو مختلف علوم و فنون میں یدِطولیٰ رکھتے تھے۔ کچھ البیرونی کا اپنا ذہنِ رسا اور اس کے اساتذہ کی توجہ اور محنت کہ عنفوانِ شباب تک پہنچتے پہنچتے اس کو مختلف النوع علوم و فنون میں درجۂ تبحر حاصل ہوگیا اور تھوڑے ہی عرصے میں اس کی شہرت کوچہ و بازار سے نکل کر شاہی درباروں تک جا پہنچی۔ سب سے پہلے وہ جرجان کے (زیاری) فرمانروا شمس المعالی قابوس بن وشمگیر کے دربار سے کئی

Marfat.com

سال تک وابستہ رہا۔ یہ ۳۸۸ھ/۹۹۸ء سے ۴۰۰ھ/۱۰۰۹ء تک کا درمیانی زمانہ تھا۔ بعض تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ شاہی دربار میں آنے سے پہلے البیرونی بہت تنگدست اور شکستہ حال تھا۔ سلطان قابوس ایک معارف پرور حکمران تھا۔ اس نے البیرونی کو فکرِ معاش سے بے نیاز کر دیا تا کہ وہ دلجمعی کے ساتھ اپنی علمی سرگرمیوں میں مشغول رہے' چنانچہ اسی کے دَورِ حکومت میں اس نے اپنی معرکہ آرا کتاب ''آثار الباقیہ عن قرون الخالیہ'' تصنیف کی۔ یہ اس کی سب سے پہلی اہم تصنیف تھی جس میں اس نے قدیم ایران کے بادشاہوں کے نام' القاب اور حالات نہایت تفصیل کے ساتھ لکھے' نیز ایران اور وسطِ ایشیا کے قدیم باشندوں کے مذہبی عقائد اور رسوم سے متعلق نہایت قیمتی معلومات فراہم کیں۔ یہ معلومات اس کتاب کے سوا کسی دوسرے ذریعے سے حاصل نہیں ہو سکتیں۔ اس سلسلے میں اس نے ان لوگوں سے متعلق بہت سی بے سروپا کہانیوں اور دُور از کار باتوں پر بھرپور تنقید بھی کی ہے۔ یوں اس کتاب کو بقول مولانا عبدالسلام ندویؒ (صاحب حکمائے اسلام) دَورِ گزشتہ کے اہم تاریخی' مذہبی اور علمی مسائل کی ایک تنقیدی تاریخ کہا جا سکتا ہے۔

۴۰۰ھ/۱۰۰۹ء سے ۴۰۷ھ/۱۰۱۶ء کے درمیانی زمانے میں البیرونی' جُرجان سے اپنے وطن خوارزم واپس آ گیا اور وہاں کے حکمران ابوالعباس مامون بن مامون خوارزم شاہ کے دربار سے وابستہ ہو گیا۔ خوارزم شاہ بھی سلطان قابوس کی طرح ایک علم دوست حکمران تھا اور اہلِ علم کا بے حد قدردان تھا۔ اس نے البیرونی کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کی عزت و احترام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ مشہور مؤرخ یاقوت حموی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ خوارزم شاہ اپنی سواری پر البیرونی کے مکان کے پاس سے گزرا تو اس نے البیرونی کو بلا بھیجا۔ اس کو باہر آنے میں کچھ دیر ہوئی تو خوارزم شاہ نے سواری کی باگ چھوڑی اور خود اتر کر البیرونی کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ اتنے میں

Marfat.com

البیرونی باہر نکل آیا اور قسم دے کر بادشاہ سے درخواست کی کہ آپ سواری سے اترنے کی تکلیف نہ کریں۔ اس پر خوارزم شاہ نے یہ شعر پڑھا:

العلم من اشرف الولایات
یاتیہ کل الوریٰ ولا یاتی

(یعنی علم سب ملکوں سے افضل ملک ہے کہ تمام اہلِ دنیا اس کے پاس آتے ہیں مگر وہ خود کسی کے پاس (چل کر) نہیں آتا۔

پھر کہا کہ اگر دنیاوی ادب آداب کا پاس نہ ہوتا تو میں کبھی آپ کو نہ بلواتا کیونکہ علم بلند ہوتا ہے اور اس کے اوپر بلندی نہیں حاصل کی جاتی۔ (معجم الادباء جلد ۶)

۴۰۷ ہجری میں سلطان محمود غزنوی نے خوارزم پر لشکرکشی کی اور اس کو مسخّر کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ ۴۰۸ھ میں وہ غزنی کو واپس جانے لگا تو خوارزم شاہی دربار کے تمام اہلِ فضل و کمال کو اپنے ساتھ غزنی لے گیا۔ ان میں البیرونی بھی تھا۔ اس کے بعد البیرونی کی زندگی کا بیشتر حصہ غزنی ہی میں گزرا۔ اس دوران میں اس نے کئی بار اپنے وطن خوارزم کا سفر کیا۔ سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر جو حملے کیے ان میں سے اکثر میں وہ سلطان محمود کے ساتھ رہا۔ مولانا عبدالسّلام ندوی نے حکمائے اسلام میں لکھا ہے کہ:

"(البیرونی نے) ہندوستان کے علماء حکماء سے میل جول پیدا کر کے زبان سنسکرت سیکھی اور تاریخ، ہیئت، ریاضی، جغرافیہ اور علوم طبعیہ میں ان کے میل جول سے اپنی معلومات کو وسیع کیا۔ انہی سفروں میں ابوریحان نے اپنی مشہور کتاب "کتاب الہند" کا مواد ہندوؤں کے علوم، مذاہب اور اخلاق و عادات کے متعلق جمع کیا۔" (ج۔۱ص۔۲۵۴)

حقیقت یہ ہے کہ البیرونی نے نہ صرف ان سفروں میں ہندوؤں کے بارے

Marfat.com

میں معلومات فراہم کیں جو اس نے سلطان محمود کی معیت میں کیے بلکہ اس نے اس مقصد کے لیے ان سفروں کے علاوہ بھی بطورِ خاص "ہند" کا تحقیقی سفر کیا اور ۴۰۸ھ/۱۰۱۷ء سے ۴۲۳ھ/۱۰۳۱ء کے درمیان طویل عرصے تک سرحد، پنجاب اور کشمیر کے علاقوں میں قیام کر کے اور گھوم پھر کر ہندوؤں کی تہذیب و ثقافت یا معاشرت کا بچشمِ خود مشاہدہ کیا۔ ایک روایت کے مطابق اس نے اپنی تحقیق کے سلسلے میں سندھ کی سیاحت بھی کی۔ اس زمانے میں ان علاقوں کی تقریباً تمام آبادی ہندو یا بدھ تھی اور یہ علاقے ہندو مذہب اور ہندوؤں کے علوم کے بہت بڑے مرکز تھے۔ گویا البیرونی کے مشاہدات اور اس کی تحقیقی کاوشوں کی جولان گاہ بالعموم وہی علاقے تھے جو اب پاکستان کا حصہ ہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف "عرب و ہند کے تعلقات" میں سرزمینِ ہند میں البیرونی کی تحقیق و تجسس کے بارے میں یوں اظہارِ خیال کیا ہے:

"البیرونی ہندوستان میں اس وقت داخل ہوا جب ہندوستان کی سرزمین سلطان محمود کے حملوں سے زیر و زبر ہو رہی تھی، مگر عین اسی وقت علم و فن کا دوسرا سلطان تنِ تنہا نہایت اطمینان اور چین سے ہندوستان کی علمی فتوحات میں مصروف تھا۔ البیرونی نے کتاب الہند لکھ کر ایک طرف مسلمانوں کو یہ فخر بخشا کہ ان کے ایک فرد نے ایک ایسی کتاب لکھی جس نے یونانی سفیروں اور چینی سیاحوں کے ہندوستان سے متعلق بیانات کو تقویمِ پارینہ بنا دیا۔ دوسری طرف ہندوستان پر یہ احسان کیا کہ اس کے پرانے تمدن، پرانے علوم اور پرانے خیالات کو دنیا میں قائم اور باقی رکھا۔"

پاکستان میں شامل علاقوں کے دوران قیام میں البیرونی نے بڑی تحقیق کے بعد یہ انکشاف کیا کہ وادیِ سندھ یا دریائے سندھ کا طاس ہزاروں سال پہلے سمندر کا

Marfat.com

ایک حصہ تھا جسے دریاؤں کی لائی ہوئی مٹی نے آہستہ آہستہ پاٹ دیا اور یوں وادیٔ سندھ کا وسیع و عریض خطہ معرض وجود میں آیا۔ البیرونی کی اس تحقیق یا انکشاف پر دورِ حاضر کے ماہرینِ طبقات الارض نے بھی مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔

ایک اور عظیم کارنامہ جو اس نے یہاں انجام دیا' یہ تھا کہ چوہاسیدن شاہ ضلع چکوال کے قریب ایک میدان میں (جس سے متصل ایک پہاڑ ہے) اپنے حسابی قاعدے کے مطابق زمین کے دَور کی پیائش کی۔ اس میدان کے قریب ہی کسی قدیم ہندو حکمران کا بنایا ہوا ایک قلعہ تھا۔ اس قلعے کے کھنڈر آج بھی موجود ہیں اور ان سے مذکور تاریخی میدان کی آسانی سے نشاندہی ہو جاتی ہے۔ اس پیائش کی تفصیل البیرونی نے اپنی تصنیف ''قانونِ مسعودی'' میں دی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ زمین کے محیط کی جدید ترین سائنسی پیائش اور البیرونی کی پیائش میں نہایت معمولی فرق ہے۔

مختلف علوم وفنون میں حیرت انگیز مہارت کی بدولت البیرونی کو سلطان محمودؒ کا قُرب حاصل ہو گیا تھا اور اس کو اکثر سلطان سے گفتگو یا مکالمے کا شرف حاصل ہوتا رہتا تھا۔ سلطانؒ صاف ستھرے عقائد رکھنے والا ایک سچا مسلمان تھا اور علمِ نجوم پر زیادہ یقین نہیں رکھتا تھا لیکن البیرونی جس کو علمِ نجوم میں اپنے وقت کا امام ہونے کا دعوٰی تھا' بعض اوقات ایسی پیشن گوئیاں کرتا تھا جو بالکل سچ ثابت ہوتی تھیں اور سلطان محمود رحمہ اللہ کو حیرت میں ڈال دیتی تھیں۔ ایک دفعہ سلطان محمودؒ اپنے ایک محل میں بیٹھا تھا جس میں چار دروازے تھے۔ البیرونی بھی اس کی خدمت میں حاضر تھا۔ سلطان نے ازراہِ تفنّن (یا البیرونی کا امتحان لینے کے لیے) اس سے پوچھا: ''ابوریحان! کیا تم بتا سکتے ہو کہ میں کس دروازے سے باہر جاؤں گا؟'' البیرونی کچھ دیر سوچتا رہا پھر ایک کاغذ پر حساب لگا کر کچھ لکھا اور کاغذ کو تہہ کر کے سلطان محمودؒ

Marfat.com

کے ہاتھ میں دیتے ہوئے عرض کیا' حضور میں نے اس پر آپ کے سوال کا جواب لکھ دیا ہے' اسے آپ مکان کے باہر تشریف لے جا کر کھولیں۔

سلطان نے کہا: ''مجھے منظور ہے۔''

پھر اس نے حکم دیا کہ دیوار توڑ کر ایک نیا دروازہ نکالا جائے۔ سلطانی حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ سلطان اسی نئے دروازے سے باہر نکلا۔ اب جو اس نے کاغذ کو کھول کر دیکھا تو اس پر البیرونی نے یہ عبارت لکھ رکھی تھی: ''سلطانِ معظّم محل میں موجودہ دروازوں میں کسی سے بھی باہر نہیں جائیں گے بلکہ ایک نیا دروازہ نکلوا کر اس میں سے برآمد ہوں گے۔''

سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ کو البیرونی کی پیش گوئی پر حیرت تو ہوئی لیکن نجوم کے بارے میں اس کے خیالات میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔

سلطان محمود رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ناصر الدین مسعود غزنوی مَسندِ حکومت پر بیٹھا۔ (۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) تو اس نے البیرونی کی قدردانی سلطان محمود رحمہ اللہ سے بھی زیادہ کی۔ البیرونی نے اس قدردانی پر اپنی ممنونیت کا اظہار یوں کیا کہ سلطان مسعود کے نام پر متعدد بلند پایہ کتابیں لکھیں۔ ان میں سب سے اہم کتاب ''قانون المسعودی فی الہیت والنجوم'' تھی جو علمِ ہیئت اور نجوم کا ایک لافانی انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اس کتاب کی تصنیف پر سلطان نے خوش ہو کر حکم دیا کہ اس کے معاوضے میں البیرونی کو ہاتھی کے برابر وزن کی چاندی تول کر دی جائے لیکن البیرونی نے یہ کتاب کسی معاوضے کے لالچ میں نہیں لکھی تھی اس لیے اس نے یہ معاوضہ قبول کرنے سے معذرت کر دی۔ یہی اس کی عالی حوصلگی اور اس کے استغنا کا تقاضا تھا۔

اس کتاب کی تصنیف کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان مسعود کو علم

Marfat.com

ریاضی اور علمِ ہیئت یا فلکیات سے بہت دلچسپی تھی۔ اس کے ایما پر البیرونی نے غزنی کے نواح میں ایک رصدگاہ قائم کی تھی۔ اس رصدگاہ میں اس نے علمِ ہیئت کے جو تجربے کیے ان سب کی روداد کتاب میں شامل کر دی۔ اس کے علاوہ برِّکوچک کے متعدد شہروں کے طول البلد اور عرض البلد بھی کتاب میں درج کیے گئے۔ ایک جرمن مستشرق ڈاکٹر ہارووِلس کا بیان ہے کہ اس کتاب میں علمِ فلکیات سے متعلق بہت سی ایسی معلومات بھی ہیں جن کی نسبت عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ انہیں اہلِ یورپ نے سترہویں صدی عیسوی میں دریافت کیا۔

(تاریخ پاکستان کے بڑے لوگ از ثروت صولت)

سلطان محمود غزنوی کے بعد اس کا بیٹا شہاب الدّولہ مودود غزنوی تختِ حکومت پر بیٹھا (۴۳۲ھ/۱۰۴۰ء) تو البیرونی نے اس کے دربار سے بھی اپنا تعلق قائم رکھا اور اس کے نام پر "کتاب الدستور" لکھی۔

دوسرے علوم کے علاوہ البیرونی ادبی علوم کا بھی ذوق رکھتا تھا۔ یاقوت حموی نے "معجم الادباء" میں اس کا اسی حیثیت میں تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ "وہ ایک بلند پایہ ادیب اور لغوی تھا اور ان علوم میں اس کی متعدد تصانیف ہیں جن کو میں نے خود دیکھا ہے۔ اس نے ایک مؤرّخ کی حیثیت سے بھی بڑا نام پایا۔ سلطان محمود غزنوی کے عہد کی تاریخ کے علاوہ اس نے خوارزم کے حالات پر بھی ایک مبسوط کتاب لکھی۔

البیرونی کے تمام سوانح نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ نہایت بھرپور زندگی گزارتا تھا۔ تحقیق و تفکّر اور تصنیف و تالیف اس کی زندگی کا لازمہ بن چکے تھے۔ اس کا ہاتھ قلم کو، اس کی آنکھ مطالعے کو اور اس کا دل و دماغ غور و فکر کو صرف کھانے کے اوقات میں چھوڑتا تھا یا عید اور نوروز کے دنوں میں۔ اس کے اخلاق و عادات

Marfat.com

کے بارے میں تذکرہ نگار خاموش ہیں' صرف یاقوت حموی نے ''معجم الادباء'' میں اس قدر لکھا ہے کہ اس کی معاشرت پاکیزہ تھی' اس کے الفاظ بے باکانہ ہوتے تھے لیکن افعال پاکبازانہ تھے۔

مولانا عبدالسلام ندوی رحمہ اللہ نے ''حکمائے اسلام'' میں شہرزوری کے حوالے سے اس کا حلیہ اس طرح بیان کیا ہے کہ وہ گندم گوں اور پست قامت تھا۔ اس کی ڈاڑھی بڑی اور سفید تھی اور اس کا پیٹ بڑا تھا۔

البیرونی کے عقائد اور مشرب کے بارے میں دو رائیں ہیں۔ ایک رائے تو یہ ہے کہ اس کا مذہب اسلام کے ٹھیٹ عقائد کے مطابق نہ تھا بلکہ وہ ''لاادری'' (Agnostic) نظریہ رکھتا تھا۔

(مسلمان اور سائنس کی تحقیق از ''حبیب احمد صدیقی)

''لاادری'' کا مطلب ہے لاأعلم یا مجھے معلوم نہیں۔ گویا نظریہ اللہ تعالیٰ کی ہستی (یا وجودِ باری تعالیٰ) پر یقینِ کامل نہ رکھنے کا دوسرا نام ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا اقرار اور نہ انکار۔

لیکن ہمیں یہ رائے قبول کرنے میں بایں وجہ تامل ہے کہ سلطان محمود غزنویؒ جیسا راسخ العقیدہ فرمانروا ''لاادری'' عقیدہ کے کسی شخص کو ہرگز برداشت نہ کر سکتا تھا چہ جائیکہ وہ خود اور اس کے جانشین بھی اس کی سالہا سال تک سرپرستی کریں۔ سلطان محمود رحمہ اللہ نے تو البیرونی کے ایک استاد عبدالصمد بن عبدالصمد کو باطنیت اور کفر پھیلانے کے جرم میں قتل کرا دیا تھا۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ سلطان محمودؒ کے دربار کا مشہور مؤرخ بیہقی ان الفاظ میں البیرونی کا تعارف کراتا ہے:

''ابوریحان لاثانی تھا اور طرزِ تحریر اور علمی قابلیت میں اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے افضل تھا۔ وہ حقیقت پسند تھا اور ہر چیز میں حقیقت اور

Marfat.com

سچائی کا متلاشی تھا۔"

(مشہور مسلمان سائنس دان از خواجہ جمیل احمد)

ابوالفضل محمد بن حسین بیہقی (ولادت ۳۸۶ھ/۹۹۶ء) (وفات ۴۷۰ھ/۱۰۷۷ء) نے غزنوی عہد کی تاریخ "تاریخ آلِ سبکتگین" کے نام سے لکھی اور (اسے "تاریخ بیہقی" بھی کہتے ہیں۔) یہ تیس ضخیم جلدوں میں پوری ہوئی۔ اس کتاب میں دربارِ غزنوی کے حالات اور سبکتگین اور محمود کے اصولِ حکومت کے بارے میں بڑی گفتگو کی گئی ہے۔

(نگار لکھنؤ علوم اسلامی وعلماء اسلام نمبر)

البیرونی کے عقیدے اور مشرب کے بارے میں دوسری رائے یہ ہے:

"ابوریحان صرف حقیقت پرست تھا اور کسی چیز کو دنیا میں اس پر ترجیح نہیں دیتا تھا اور اس نے حقیقت کو کسی دوسری غرض سے نہیں چھپایا اور توہمات وخرافات کے ابطال میں مطلق دریغ نہیں کیا۔ وہ مسلمان تھا اور شیعیت کی طرف مائل تھا لیکن متعصب، متشدد اور خشک مسلمان نہ تھا۔ اہلِ عرب سے جنہوں نے ساسانیوں کے مجد وشرف کا خاتمہ کیا، نفرت رکھتا تھا اور ایرانی قوم کے ساتھ جو چیزیں تعلق رکھتی تھیں ان کا بے اختیارانہ شیدائی تھا۔ (حکمائے اسلام حصہ اول ص ۳۵۵)

البیرونی کی تصنیفات کی روشنی میں یہ دوسری رائے ہی درست معلوم ہوتی ہے۔ مستند روایات کے مطابق البیرونی نے ۴۴۰ھ/۱۰۴۸ء میں غزنی میں وفات پائی۔ اس وقت قمری حساب کے مطابق اس کی عمر ساڑھے ستر برس اور شمسی حساب کے مطابق تقریباً پچھتر برس کی تھی۔ اس نے اپنے پیچھے تصنیفات کی ایک کثیر تعداد اپنی یادگار چھوڑی۔ یہ تعداد دو سَو سے تین سَو تک ہے لیکن ان میں سے بیشتر کتابیں ناپید ہو چکی ہیں اور کچھ یورپ اور دنیا کے دوسرے کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ یہ تمام کتابیں عربی اور فارسی زبانوں میں ہیں۔ عربی اور فارسی کے علاوہ وہ سنسکرت،

Marfat.com

عبرانی اور سریانی زبانوں سے بھی واقفیت رکھتا تھا۔ اس کی چند معرکہ آرا کتابیں جو دستیاب ہیں یا جن کے ترجمے دنیا کی مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں' ان کے نام یہ ہیں:

۱- آثار الباقیہ عن القرون الخالیہ

اس کا ذکر پیچھے آ چکا ہے۔ یہ کتاب بھارت میں چھپ چکی ہے۔

۲- القانون المسعودی فی الہیئۃ والنجوم:

اس کا ذکر بھی آ چکا ہے۔ یہ کتاب دائرہ المعارف حیدر آباد دکن بھارت سے ۱۹۶۰ء میں تین جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

۳- کتاب التفہیم لاوائل صناعۃ التنجیم

یہ کتاب بھی دائرہ المعارف النعمانیہ حیدر آباد (دکن) سے شائع ہو چکی ہے۔ اس میں البیرونی نے دھاتوں کی کثافت نوعی (Specific Gravity) تحقیق کی ہے اور اٹھارہ دھاتوں اور جواہر کی کثافت بالکل صحیح معلوم کی ہے۔

۴- کتاب الصیدلہ:

یہ کتاب علم طِبّ پر ہے۔

۵- کتاب الجماہر فی معرفۃ الجواہر

یہ کتاب جواہرات اور قیمتی پتھروں کے خواص اور اعمال کے بارے میں ہے۔

۶- کتاب الہند:

برّ کوچک پاک و ہند کے حوالے سے یہ البیرونی کی سب سے اہم تصنیف ہے۔ اسے اس کی سالہا سال کی تحقیق' سیاحت اور جان گسل محنت کا نچوڑ کہنا چاہیے۔ اس کتاب کا (جو عربی زبان میں لکھی گئی) نہ صرف انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں

Marfat.com

ترجمہ ہو چکا ہے بلکہ اس کا اردو ترجمہ بھی دو جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔ یہ کتاب پانچویں صدی ہجری (گیارہویں صدی عیسوی) کے ہندوستان یا (برِصغیر پاک وہند) کے طبعی، تاریخی اور جغرافیائی حالات کے علاوہ ہندو قوم کے عقائد علوم وفنون اور رسوم ورواج کے بارے میں ہے اور مصنّف کے ذاتی مشاہدے اور گہرے مطالعہ پر مبنی ہے۔ اس کتاب کا مواد جمع کرنے کے لیے سنسکرت زبان کا سیکھنا ناگزیر تھا، چنانچہ اس نے دن رات محنت کر کے یہ زبان سیکھی۔ اس سلسلے میں اس کو جو مشکلات پیش آئیں ان کا ذکر اس نے اس طرح کیا ہے:

۱۔ ہندوؤں کی علمی کتابیں زیادہ تر نظم میں تھیں اور نظم کے تکلّفات سے ان کے مطالب ومفہوم کو سمجھنا بہت مشکل تھا۔

۲۔ ہندو اپنے سوا دوسری قوموں کو نجس سمجھتے تھے اس لیے ان کے ساتھ کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے اور میل جول کے گہرے تعلّقات قائم کرنا ناممکن تھا۔

۳۔ محمد بن قاسم رحمہ اللہ سے لے کر محمود غزنوی رحمہ اللہ کے زمانے تک ہندوستان میں مسلمانوں کو جو فتوحات حاصل ہوئیں ان کی وجہ سے ہندو، مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھتے تھے۔

۴۔ ہندو اپنی معاشرت، رسوم و رواج میں مسلمانوں سے بالکل مختلف تھے۔ وہ مسلمانوں کی وضع قطع سے اپنے بچوں کو ڈراتے تھے اور ان کو شیطان سمجھتے تھے۔

۵۔ وہ دنیا میں ہندوستان ہی کو واحد ملک اور ہندو قوم کو دنیا کی واحد قوم سمجھتے تھے اور یہ تسلیم نہیں کرتے تھے کہ دنیا میں ان کے علاوہ اور ملک اور قومیں بھی ہیں اور کسی دوسری قوم کے پاس بھی علم ہے۔

البیرونی نے اپنی سیاحت کے دوران میں ایسا طرزِ عمل اختیار کیا جس کی بدولت وہ ہندو پنڈتوں سے ہندو فلسفہ اور دوسرے علوم ونظریات سے آگاہی حاصل

Marfat.com

کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہی نہیں بلکہ ہندو پنڈتوں کو اس نے اتنا متاثر کیا کہ خود انہوں نے اس سے کئی علوم میں استفادہ کیا اور اس کو ''علم کا بحرِ زخار'' کا لقب دیا۔ البیرونی کی رائے میں ہندو معاشرے میں تقریباً ہر معاملے میں توہم پرستی کو بڑا دخل تھا' بالخصوص اپنے مذہب میں انہوں نے ایسی ایسی باتیں شامل کر رکھی تھیں جن کی عقلی توجیہ کرنا دشوار ہی نہیں ناممکن ہے نیز ہندو لوگ سائنس اور منطق سے کم اور واہمہ سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ ''کتاب الہند'' میں البیرونی نے جہاں ہندوؤں کی اصل کتابوں کو پیشِ نظر رکھ کر ان کے اوہام و خرافات کا پردہ چاک کیا ہے وہاں ریاضی اور ہیئت کے مسائل پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس نے اپنی سیاحت کے دوران میں ہندوؤں کو مسلمانوں کے علوم و فنون سے بھی واقف کرانے کی بھرپور کوشش کی چنانچہ اس نے بعض عربی کتابوں کا سنسکرت میں ترجمہ کیا۔ اسی طرح مسلمانوں کو ہندوؤں کے علوم و فنون سے واقف کرانے کے لیے ان کی بعض کتابوں کا سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کیا۔ البیرونی نے ''کتاب الہند'' میں یہ بھی بتایا ہے کہ جس طرح اسلام نے عرب میں زمانۂ جاہلیت کی برائیوں کو مٹایا۔ اسی طرح ہندوستان کے جن علاقوں میں لوگوں نے اسلام قبول کیا' انہوں نے ان برائیوں کو مٹایا جو ہندوؤں میں پائی جاتی تھیں۔

البیرونی کے بڑے بڑے انکشافات اور کارناموں میں سے کچھ یہ ہیں:

یہ بات آج سب کو معلوم ہے کہ روشنی کی رفتار آواز کی رفتار سے بہت تیز ہے۔ یہ بات قرونِ وسطیٰ میں سب سے پہلے البیرونی نے دریافت کی۔ اس نے لوگوں کو زمین کی کشش (Gravitation) کے نظریے سے آگاہ کیا اور ان کو بتایا کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ زمین اپنے محور کے گرد ایک چکر لگاتی ہے اور سال بھر میں ایک مرتبہ سورج کے گرد طواف کرتی ہے تب ہی ہیئتی معلومات کی ٹھیک ٹھیک توضیح کی جا

Marfat.com

سکتی ہے۔

اس نے قدرتی چشموں اور کنوئیں کے پانی کے اخراج کے جس ماء سکونی اصول (Hydrostatic Principle) کا انکشاف کیا اُسے آج بھی صحیح تسلیم کیا جاتا ہے۔

اس نے مختلف مقامات کے عرض البلد اور طول البلد ٹھیک مقرر کیے۔

اس نے زمین کے دَور کی پیائش کی۔ اس کا نصف قطر اور محیط معلوم کیا۔

اس نے علم ہندسہ یا ریاضی میں حیرت انگیز اضافے کیے اور کئی اشکالات کا حل تلاش کیا۔ اس نے ہندوستانی ہندسوں کی جس خوبی سے تشریح کی، کسی اور نے نہیں کی۔

اس نے مختلف شہروں کے درمیان طول بلد کا فرق معلوم کرنے کے قاعدے بیان کیے۔ ان قواعد میں کروی ٹرگونومیٹری (Spherical trignometry) کے مسائل کا اِطلاق کیا۔ اس نے غزنی شہر کے ساتھ دیگر شہروں کے طول بلد کا فرق معلوم کیا۔ اس نے اٹھارہ مختلف دھاتوں کی کثافت کی نہایت صحیح پیائش کی اور اسے ایک رسالے میں درج کیا۔

(نامور مسلمان سائنسدان حمید عسکری)

شطرنج کی بساط کے ۶۴ خانوں میں اس طرح رکھی جانے والی چیز کی جو ہر خانے میں پچھلے خانے سے دوگنی ہوتی جائے، مقدار معلوم کرنا سخت محال تھا۔ البیرونی نے یہ مقدار معلوم کرنے کا نہایت آسان طریقہ دریافت کیا۔

شیخ الرئیس بوعلی سینا، البیرونی کا ہمعصر تھا۔ بعض علمی مسائل میں ان دونوں نامور ہستیوں میں مباحث اور مناظرات ہوتے رہے۔ ان سے بعض تذکرہ نویسوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ بیشتر علوم حکمیہ میں بوعلی سینا کو البیرونی پر فوقیت حاصل تھی،

Marfat.com

البتہ ریاضی اور فلکیات میں البیرونی کا پلّہ بھاری تھا۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ ان دونوں باکمال ہستیوں کا اپنا اپنا مقام ہے۔ ہمارے لیے ان کا موازنہ کرنا مناسب نہیں۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ البیرونی تاریخِ عالَم کی ان ہمہ گیر شخصیتوں میں سے ایک ہے جنہوں نے زندگی کا ہر لمحہ علوم وفنون کی خدمت اور اشاعت میں گزارا۔ عالَمِ اسلام بجا طور پر اس پر فخر کر سکتا ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ

خلق خیر الخلائق ﷺ

☆ خطیبوں، واعظوں اور مقرروں کے لیے ایک تحفۂ گراں بہا
☆ طلبہ اور طالبات کے لیے مشعلِ راہ
☆ محبانِ رسول ﷺ کے لیے نشاطِ روح کا سامان
☆ آفتابِ رسالت ﷺ کے

خلق عظیم

کے مختلف پہلوؤں کے زیرِ عنوان بے شمار ایمان افروز واقعات ایسے دلنشیں پیرائے میں کہ دلوں میں عشقِ رسول کی شمع روشن ہو جائے اور اسوۂ خیر البشر ﷺ کے اتباع کی تڑپ پیدا ہو جائے

سدا بہار

پاکیزہ پھولوں کا ایسا گلدستہ جو مشامِ جان کو معطر کر دیتا ہے۔

خود پڑھیے بچوں کو پڑھایئے

ملنے کا پتا

طٰہٰ پبلی کیشنز

19۔ ملک جلال دین (وقف) بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

Ph:042-36120422 Mob:0333-4470509

Marfat.com

شیخ الرئیس بُو علی سینا

(۱)

دورِ حاضر کو سائنس کا دَور کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ سائنسی اعتبار سے دنیا ترقی کر کے انتہائی عروج پر جا پہنچی ہے یہاں تک کہ چاند پر رسائی حاصل کرنے کے بعد اب دوسرے سیارگانِ فلک سے رابطہ پیدا کرنے اور کائنات کی وسعتوں کو کھنگالنے میں دن رات کوشاں ہے۔ اہلِ مغرب تمام سائنسی علوم و فنون، ایجادات اور اکتشافات کا سہرا اپنے سر باندھتے ہیں۔ ان کے فنی اور علمی کمالات اور سائنس میں ان کا غیر معمولی انہماک بجا لیکن جب ہم تاریخِ عالَم کا بنظرِ تعمق مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو کر ہمارے سامنے آتی ہے کہ عہدِ حاضر کی تقریباً تمام سائنسی فنی اور علمی ترقی قرونِ اولیٰ اور قرونِ وسطیٰ کے مسلمان علماء، حکماء اور دانش وروں کی ژرف نگاہی اور عرق ریزی کی مِنّت پذیر ہے بلکہ دراصل انہی کی تحقیق و تدقیق کے نتائج کی پیش رفت اور تکملہ ہے۔ اگر معروضی اعتبار سے غور کیا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ یونانیوں نے سائنس کی ابتدائی کڑی فراہم کی ہے اور مغرب نے موجودہ کڑی، لیکن درمیان میں جو رابطہ دونوں کڑیوں کو ملاتا ہے وہ مسلمانوں ہی کا طرّۂ امتیاز ہے۔ سائنس کے میدان میں یونانی مفکرین کی کاوشیں محض نظریاتی اور تخیلی تھیں۔ ان میں تجرباتی عنصر یکسر مفقود تھا۔ یہ مسلمان ہی تھے

Marfat.com

جنہوں نے سائنس کے اصولوں کو پرکھنے اور قوانینِ قدرت کو سمجھنے کے لیے مشاہدہ اور تجربہ کو اپنا رہنما اور ذریعہ بنایا اور دنیائے سائنس میں تحیّر خیز انقلاب برپا کر دیا۔ مغربی دنیا میں عام طور پر راجر بیکن کو یورپ کا پہلا سائنسدان مانا جاتا ہے لیکن راجر بیکن خود دانش گاہِ قرطبہ کا طالب علم تھا اور اس نے اپنا تمام تر علم مسلمانوں ہی سے حاصل کیا تھا۔ یوں ہم بلا تامل کہہ سکتے ہیں کہ سائنس کا چراغ یورپ میں مسلمانوں نے جلایا اور یہ وہی چراغ ہے جس سے آج ساری دنیا روشن ہے۔ مشہور مستشرق رابرٹ بریفو (Robert Briffault) اپنی شہرۂ آفاق تصنیف (The Making of Humanity) میکنگ آف ہیومینٹی (یعنی تعمیرِ انسانیت'') میں رقمطراز ہے کہ ''ہماری سائنس صرف اس بات کے لیے ہی عربوں کی مرہونِ منّت نہیں کہ انہوں نے چونکا دینے والے اکتشافات یا انقلابی نظریے پیش کیے بلکہ اس سے کہیں زیادہ وہ عربوں کی زیر بارِ احسان ہے۔ اس لیے کہ سائنس کا وجود ہی ان کی بدولت ہے۔ تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ جن مسلمان علماء و حکماء کی مختلف سائنسی علوم میں تحقیق و تدقیق یورپ کی نشاۃِ ثانیہ کی بنیاد بنی' ان میں ابو نصر فارابی' ابنِ مسکویہ' ابنِ ہیثم' ابوبکر محمد بن زکریا رازی' جابر بن حیان' ابوالقاسم الزہراوی' عمر خیّام' البیرونی وغیرہ کے علاوہ ایک عظیم شخصیت بوعلی سینا کی ہے۔ اہلِ مغرب اس کو Avicena کے نام سے پکارتے ہیں اور وہ ''ابنِ سینا'' کے نام سے بھی مشہور ہے۔

دنیائے علم و تحقیق میں بوعلی سینا کو اس اعتبار سے منفرد مقام حاصل ہے کہ وہ ایک ہمہ دان عالم' مفکّر اور محقّق تھا۔ شاید ہی کوئی علم ایسا ہو جس میں وہ یدِ طولیٰ یا درجۂ تبحّر نہ رکھتا ہو۔ اس نے علومِ طبّ' ریاضی' اقلیدس' ہیئت' فلسفہ اور منطق وغیرہ میں بیسیوں لافانی تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں جن میں سے کئی لاطینی ترجموں کی صورت میں مدتوں تک یورپ کی اکثر قدیم درسگاہوں کے نصاب میں داخل رہیں۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مطابق وہ ایک ایسا ہمہ دان مفکّر اور مصنّف تھا جس نے مستقبل کی

Marfat.com

کئی صدیوں کے لیے علوم وفنون کا نظام متعیّن کیا۔

(۲)

شیخ بوعلی سینا کا اصل نام حسین بن عبداللہ (بن حسن بن علی بن سینا) تھا لیکن اس نے اپنی کنیت ابوعلی (بوعلی) سے شہرت پائی۔ اپنے جدِّ اعلیٰ سینا کی نسبت سے وہ ابنِ سینا کے نام سے بھی مشہور ہے۔ شیخ کا والد عبداللہ بلخ کا رہنے والا ایک سرکاری ملازم یا عہدیدار تھا۔ امیر نوح بن منصور سامانی فرمانروائے بخارا۔ (۳۶۶ھ/۹۷۶ء تا ۳۸۷ھ/۹۹۷ء) کے عہدِ حکومت میں عبداللہ بلخ سے بخارا آ گیا اور سرکاری ملازم ہو کر خرشین پہنچا جو بخارا کا ایک قصبہ تھا اور جسے اس کی جائے ملازمت قرار دیا گیا تھا۔ خرشین کے قریب افشنہ نام کا ایک گاؤں تھا۔ عبداللہ نے اس گاؤں کی ایک خاتون ستارہ سے شادی کر لی اور شادی کے بعد اسی گاؤں میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ بوعلی سینا یہیں ۳۷۰ ہجری/۹۸۰ عیسوی میں پیدا ہوا۔ چند سال کے بعد عبداللہ نے افشنہ کی سکونت ترک کر دی اور اپنے پورے خاندان کو ساتھ لے کر شہر بخارا میں آ گیا اور وہیں مستقلاً آباد ہو گیا۔"

(۳)

بوعلی سینا نے ابتدائی تعلیم بخارا میں پائی۔ اپنی غیر معمولی ذہانت اور حافظہ کی بدولت دس سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے اس نے قرآنِ حکیم اور علمِ ادب کا بڑا حصہ ازبر کر لیا۔ اس کے بعد اس نے مختلف اساتذہ سے ریاضی، فقہ، منطق، اقلیدس اور طب وغیرہ مختلف علوم حاصل کیے اور سترہ اٹھارہ برس کی عمر میں ان علوم کی تعلیم سے فارغ ہو گیا۔ اس کے اساتذہ میں محمود مساح، علامہ اسماعیل زاہد، ابوسہیل عیسیٰ جرجانی، ابوعبداللہ الناتلی فیلسوف اور طبیبُ العصر ابومنصور الحسن بن نوح القمری کے نام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ علم الابدان یا طب میں تو اس نے عنفوانِ شباب ہی

Marfat.com

میں اتنا کمال حاصل کرلیا کہ بڑے بڑے اطبا کہنہ اور پیچیدہ امراض میں دُور دراز مقامات سے مشورہ کے لیے اس کے پاس آنے لگے۔ اُسی زمانے میں فرمانروائے بخارا نوح بن منصور کسی پیچیدہ مرض میں مبتلا ہوگیا۔ دربار کے تمام اطبا اس کے علاج سے عاجز آ گئے تو اس نے بوعلی سینا کی طرف رجوع کیا۔ اُس کے علاج سے وہ بہت جلد صحت یاب ہوگیا۔ اس طرح وہ امیرِ بخارا کا منظورِ نظر بن گیا اور امیر نے نوجوان ابن سینا کو اپنے نادرہ روزگار کتب خانہ سے استفادہ کی اجازت دے دی۔ اس کتب خانے سے شیخ نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ یوں اس کی معلومات اور صلاحیتوں میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔ چنانچہ اس نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا تاکہ اپنی تحقیق اور علم سے دنیا کو بھی روشناس کرائے۔ شیخ کی عمر کا بائیسواں سال تھا کہ اس کے والد کا انتقال ہوگیا۔ اسی زمانے میں ولایتِ بخارا بھی شدید سیاسی انتشار میں مبتلا ہوگئی۔ ان اسباب کی بنا پر وہ بخارا سے نکلنے پر مجبور ہوگیا۔ اس کے بعد شیخ کی زندگی میں بڑے بڑے نشیب و فراز آئے جن کی تفصیل کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ یہاں ہم اختصار کے ساتھ ان نشیب و فراز (حالات) کا ذکر کریں گے۔

(۴)

بخارا سے نکل کر بوعلی سینا خوارزم پہنچا اور وہاں کے فرمانروا علی بن مامون کے دربار سے وابستہ ہوگیا۔ وہاں اس کا ماہانہ وظیفہ مقرر ہوگیا لیکن چند سال خوارزم میں گزارنے کے بعد اس نے وہاں سے بھی رختِ سفر باندھا اور نساء طوس، سمنگان اور جاجرم وغیرہ سے ہوتا ہوا جُرجان (گورگان) پہنچا کچھ عرصہ وہاں مقیم رہ کر عازمِ دہستان ہوا۔ وہاں پہنچ کر سخت بیمار ہوگیا لیکن زندگی باقی تھی کچھ عرصہ بعد صحت یاب ہوگیا اور واپس جرجان آ گیا۔ یہاں چند سال مقیم رہ کر بہت سی معرکہ آرا (چھوٹی بڑی) کتابیں تصنیف کیں۔ اس کے بعد وہ جرجان سے نکل کر رَے پہنچا۔ اور وہاں

Marfat.com

السیّدہ اور اس کے بیٹے مجدُالدّولہ کے دربار سے تعلق پیدا کیا۔ اس وقت مجدُالدّولہ مالیخولیا کے مرض میں مبتلا تھا۔ شیخ نے اس کا علاج کیا اور وہیں ''کتاب المعاد'' تصنیف کی۔ کچھ مدت کے بعد وہ رَے سے نکل کر قزوین ہوتا ہوا ہمدان پہنچا اور وہاں کے حکمران شمس الدّولہ کے دربار میں ملازمت اختیار کرلی۔ اسی زمانے میں شمس الدّولہ دردِ قولنج میں مبتلا ہوا اور شیخ کے علاج سے شفایاب ہوگیا۔ اس پر شمس الدّولہ نے اس کو بہت سے خلعتِ فاخرہ دیے اور اپنا ندیم خاص بنالیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد اس نے شیخ کو منصبِ وزارت پر فائز کر دیا لیکن اس کے فوجیوں کو یہ بات ناگوار گزری اور انہوں نے ابنِ سینا کا گھر تباہ کر دیا اور اس کا مال اسباب لُوٹ کر اسے گرفتار کرلیا۔ پھر شمس الدولہ سے اس کو قتل کرنے کا مطالبہ کیا۔ شمس الدّولہ نے یہ مطالبہ تو نہ مانا لیکن باغیوں کو خوش کرنے کے لیے شیخ کو اپنی سلطنت سے نکل جانے کا حکم دیا۔ شیخ چالیس دن تک اپنے ایک دوست شیخ ابوسعید کے گھر میں چھپا رہا۔ اسی دوران میں شمس الدّولہ کو پھر دردِ قولنج کا دورہ پڑا۔ اس نے کسی ذریعے سے شیخ کو ڈھونڈ نکالا اور اس سے سابقہ سلوک کے لیے معذرت کے بعد درخواست کی کہ میرا علاج کرو۔ شیخ نے اس کا علاج کیا اور وہ تندرست ہوگیا۔ اب اس نے دوبارہ شیخ کو وزیر بنا دیا۔ اب حالات تبدیل ہو چکے تھے کسی کو اس کی مخالفت کی جرأت نہ ہوئی۔ شیخ نے وزارت کے فرائض انجام دینے کے ساتھ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ قیامِ ہمدان کے زمانے میں نہ صرف بیسیوں طالبانِ علم نے اس سے کسبِ فیض کیا بلکہ بہت سی کتابیں بھی اس نے تصنیف کیں۔ کچھ عرصہ بعد شمس الدّولہ ایک مہم پر روانہ ہوا۔ راستے میں وہ دردِ قولنج کے شدید دورے سے انتقال کر گیا۔ اس کے بعد شمس الدّولہ کا بیٹا بادشاہ ہوا۔ اس کے وزیر تاج الملک نے بعض الزامات لگا کر شیخ کو قید کر دیا لیکن چار مہینے کے بعد سیاسی اکھاڑ پچھاڑ کے نتیجے میں شیخ قید سے رہا

Marfat.com

ہوگیا۔ چند ماہ بعد وہ صوفیانہ بھیس بدل کر اصفہان پہنچا۔ وہاں کے امیر علاؤالدولہ نے اس کا نہایت خوشدلی سے استقبال کیا اور اس کو اپنے دربار سے وابستہ کرلیا۔ اصفہان میں شیخ کو خاطر خواہ سکون اور اطمینان نصیب ہوا اور اس نے اپنی بیشتر لافانی تصانیف یہاں مکمّل کیں۔

(۵)

جسمانی لحاظ سے بوعلی سینا خاصا طاقتور تھا مگر لگاتار سفر، سخت دماغی محنت اور غیر محتاط زندگی نے اس کی صحت کو آہستہ آہستہ گھن کی طرح چاٹ لیا اور وہ دردِ قولنج کے تکلیف دِہ مرض میں مبتلا ہوگیا۔ وقفے وقفے سے اس مرض کے دَورے پڑتے تھے اور بعض اوقات قولنجی درد کے بعد صرع (مرگی) کا دَورہ بھی پڑ جاتا تھا۔ شیخ نے خود بھی اپنا علاج کیا اور دوسرے طبیبوں نے بھی اس کی صحت بحال کرنے کی مقدور بھر کوشش کی لیکن شیخ کی سخت بے احتیاطی اور بدپرہیزی کی وجہ سے کوئی علاج کامیاب نہ ہوا اور اس کی آنتوں میں زخم پڑ گئے۔ اسی حالت میں وہ علاؤالدّولہ کے ساتھ ہمدان کے سفر پر روانہ ہوا۔ اثنائے راہ میں دردِ قولنج کا اتنا شدید دورہ پڑا کہ ہمدان پہنچ کر اس کو جانبری کی کوئی امید نہ رہی اور اس نے علاج سے یکسر ہاتھ اٹھالیا۔ وفات سے کچھ روز پہلے جسمانی طہارت کا اہتمام کیا پھر بارگاہِ رَبّ العزّت میں توبہ کی اور جو زر و مال وغیرہ پاس تھا، اسے مساکین اور حاجت مندوں میں تقسیم کردیا، اپنے تمام غلام آزاد کردیے اور تلاوتِ قرآن میں اس طرح منہمک ہوگیا کہ ہر تیسرے دن ایک قرآنِ پاک ختم کرتا رہا۔ اسی حالت میں چند دن گزرے اور پھر وہ وقت آگیا جو ہر ذی روح کا مقدّر ہے۔ رمضان المبارک ۴۲۸ ہجری (مطابق جون ۱۰۳۷ عیسوی) میں اس عظیم مفکّر، محقّق اور مُصنّف نے وفات پائی۔ اُس وقت اس کی عمر باختلافِ روایت ۵۳ یا ۵۸ سال کی تھی۔ جائے وفات اور جائے تدفین کے

Marfat.com

بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض روایتوں کے مطابق وہ ہمدان میں فوت ہوا اور وہیں دفن ہوا۔ ایک روایت کے مطابق اس نے ہمدان میں انتقال کیا اور اس کی میّت اصفہان میں لا کر دفن کی گئی۔ کچھ روایتوں میں ہے کہ وہ اصفہان میں فوت ہوا اور وہیں دفن ہوا۔

(۲)

بوعلی سینا کے مذہب اور اخلاق و عادات کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ وہ خفیہ طور پر ان صوفیوں کے گروہ میں شامل تھا جو بڑی رازداری سے شعوبیہ' قرامطہ اور باطنیوں کے لیے کام کر رہے تھے۔
(ماہنامہ فاران کراچی اپریل ۱۹۸۴ء مقالہ ابنِ سینا کی علمی خیانت از شہیر نیازی)

دوسری روایت یہ ہے کہ وہ ابتدا ہی سے نہایت راسخ العقیدہ مسلمان تھا اور اپنی وفات تک راسخ العقیدہ رہا۔ اس کے باپ اور بھائی دونوں اسماعیلی تھے اور شیخ کو بھی اس مذہب کی دعوت دیتے تھے لیکن وہ ان کے عقیدہ اور ان کی دعوت سے (تادمِ آخر) بالکل متاثر نہیں ہوا۔ تعلیم کے ابتدائی زمانے میں اسے جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو وہ سیدھا جامع مسجد جاتا' نماز پڑھتا اور بارگاہِ خداوندی میں تضرّع اور زاری کرتا کہ اس کا یہ پیچیدہ مسئلہ حل ہو جائے۔ وفات سے کچھ دن پہلے اس نے جو کچھ کیا' خوشی اور مسرّت کے مواقع پر وہ اسی قسم کے مذہبی اعمال کے ذریعہ خدا کا شکر بجالاتا تھا۔ (حکمائے اسلام حصہ اول ص ۳۲۱-۳۲۲)

جہاں تک ابنِ سینا کے اخلاق و عادات کا تعلق ہے' اس کے اقوال اور افعال میں یکسانی دکھائی نہیں دیتی۔ وہ اپنے دوستوں کو اس نوع کی نصیحتیں کرتا تھا کہ سب سے بہتر حرکت نماز' سب سے بہتر سکون روزہ' سب سے مفید نیکی صدقہ اور سب سے رائگاں کوشش ریاکاری ہے۔ بحث و مباحثہ میں مشغول رہنے سے نفس کا زنگ دور

Marfat.com

نہیں ہوسکتا۔ بہترین عمل وہ ہے جو خُلوصِ نیّت سے کیا جائے اور بہترین نیّت وہ ہے جو علم سے پیدا ہو' لذتوں کا استعمال صرف اس غرض سے کرنا چاہیے کہ طبیعت کی اصلاح ہو' آدمی کا وجود قائم رہے یا نوع کو بقا حاصل ہو۔ اس کے ساتھ قواعدِ شرعیہ کی پابندی میں خلل نہ آنے دینا چاہیے اور جسمانی عبادات کا ہمیشہ پابند رہنا چاہیے۔

شیخ کے ایسے خیالات کے ساتھ اس میں چند دینی اور اخلاقی کمزوریاں بھی تھیں۔ ایک یہ کہ وہ شراب پیتا تھا۔ دوسری یہ کہ گانا سننے کا شوقین تھا۔ تیسری یہ کہ جنسی تعلّقات میں غیر معتدل تھا۔

خود اس کا اپنا بیان ہے کہ جب وہ راتوں کو مطالعہ میں مصروف ہوتا تھا اور اس حالت میں اس پر نیند یا ضعف کا غلبہ ہوتا تھا تو تقویت کے لیے ایک پیالہ شراب (بروایت شہر زوری نبیذ) پی لیتا تھا۔ رات کو درس سے فراغت کے بعد مختلف قسم کے گویے حاضر ہوتے تھے اور شراب کا دَور چلتا تھا جس میں استاد کے ساتھ شاگرد بھی شریک ہوتے تھے۔ (یہ الگ بات ہے کہ شیخ کے نزدیک لذّت پرستی کے لیے شراب پینا درست نہیں اور یہ صرف تسکینِ قلب اور دوا کے طور پر پینی چاہیے۔)

(حکمائے اسلام حصہ اوّل: ۳۲۲-۳۲۴)

(۷)

بوعلی سینا نے بے شمار شاگرد اور کثیر التّعداد تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں۔ اس کے چند مشہور (خاص) شاگردوں کے نام یہ ہیں:

ابوعبداللہ المعصومی' ابوعبیدہ عبدالواحد جوزجانی' ابوالحسن بہمن یار' ابوعبداللہ محمد بن یوسف شرف الدین ابلاقی' ابومنصور الحسین بن طاہر' ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن علی بن احمد بن ابی صادق (عرف سقراطِ ثانی)۔

ابنِ سینا کے حالات' اس کی علمی تصانیف اور فنی کمالات پر مشرق اور مغرب میں

Marfat.com

اس کثرت سے لکھا گیا ہے کہ اس کی زندگی کے کسی ایک پہلو کا احاطہ کرنے کے لیے بھی ایک بڑا دفتر درکار ہے۔ اس کی تصانیف کی تعداد کے بارے میں تذکرہ نگاروں میں خاصا اختلاف ہے لیکن جدید تحقیق کے مطابق شیخ کی جو تصانیف دنیا کے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ ان کی تعداد تین سو چھتیس (۳۳۶) ہے۔ موضوع یا علم وفن کے اعتبار سے ان کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے۔

تفسیر القرآن: ۶، حکمت: ۲۴، تصوّف: ۳۱، منطق: ۲۱

علم طِب: ۴۲، علم النفس: ۳۲، لغت: ۳، طبیعیات: ۳، مابعد طبیعیات: ۳۱

کیمیا: ۶، ریاضیات: ۱۴، اخلاق، سیاست، نبوۃ: ۱۱

رسائل شخصیہ: ۴، متفرقات: ۷

اس کی چند مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں۔

کتاب الحاصل والحصول ۲۰ جلدیں، کتاب الشفاء ۱۸ جلدیں

کتاب لسان العرب ۱۰ جلدیں،

کتاب الانصاف: ۲۰ جلدیں، کتاب القانون: ۱۴ جلدیں

الحکمۃ المشرقیہ، عیون الحکمۃ، الموجز الکبیر، تحقیق الانسان، کتاب النجاۃ،

کتاب المعاذ المسائل العشرۃ، احوال النفس، فی معرفۃ النفس الناطقۃ واحوالہا،

المبداء والمعاذ الفیض الالٰہی وغیرہ

آخر میں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ بوعلی سینا صرف ایک خشک فلسفی، جید عالم، اور اونچے درجے کا سائنسدان ہی نہ تھا بلکہ ایک خوشگو شاعر بھی تھا اور عربی و فارسی میں نہایت عمدہ شعر بھی کہتا تھا۔ اس کے عربی اور فارسی اشعار کے کئی مجموعے استنبول (ترکی) کے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

Marfat.com

حکیم عمر خیّام

مسلم ایران نے زمانۂ وُسطیٰ میں ایسے متعدّد عظیم علماء، حکماء، اطباء، ادباء، شعراء، فلاسفر اور سائنسدان پیدا کیے جنہوں نے علوم وفنون کی ترقی میں ایسا تحیّر خیز حصہ لیا کہ ان کا نام ابدالآباد تک زندہ رہے گا۔ انہی زندۂ جاوید شخصیتوں میں حکیم عمر خیّام کا بھی شمار ہوتا ہے اس کا لقب غیاث الدین تھا اور کنیت ابوالفتح تھی۔ وہ اپنے دَور کا ایک سرکردہ ہیئت دان، نامور ستارہ شناس، ماہر ریاضی دان، بلند پایہ فلسفی، باکمال طبیب، مُتبحّر عالم دین اور نغز گو شاعر تھا لیکن حالات کی ستم ظریفی دیکھیے کہ ایران کے سوا باقی تمام دنیا بالخصوص یورپ اور امریکہ میں وہ صرف ایک بلند پایہ رباعی گو شاعر کی حیثیت سے مشہور ہے جبکہ ایران میں اس نے ایک اونچے درجے کے فلسفی بلکہ زیادہ تر ایک ریاضی دان کی حیثیت سے شہرت پائی۔

عمر خیام کا سالِ ولادت ایک روایت میں ۴۱۰ھ/ ۱۰۱۹ء بیان کیا گیا ہے لیکن سید سلیمان ندویؒ کی تحقیق کے مطابق وہ ۴۴۰ھ/ ۱۰۴۸ء یا ۴۴۱ھ/ ۱۰۴۹ء میں ایران کے صوبہ خراسان کے صدر مقام نیشاپور میں پیدا ہوا۔ اس کا والد عثمان (بروایتِ دیگر ابراہیم) خیمہ دوزی یا خیمہ سازی کا کام کرتا تھا اسی نسبت سے وہ ابراہیم خیام یا خیامی مشہور ہو گیا۔ عمر نے خود تو آبائی پیشے کو ذریعۂ معاش نہیں بنایا البتہ اس کی نسبت

Marfat.com

سے وہ بھی خیام کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ اس کی ابتدائی زندگی کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہیں ہیں البتہ اس کی بعد کی زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تعلیم و تربیت نہایت اعلیٰ پیمانے پر ہوئی ہو گی کیونکہ بو علی سینا کے بعد فلسفہ حکمت اور ریاضیات میں تو کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے، علمِ طِب میں بھی وہ کمال کا درجہ رکھتا تھا۔ ان علوم کے علاوہ وہ علومِ فقہ، تاریخ، قراءت، تفسیر اور لغت میں بھی کماحقُّہ، دسترس رکھتا تھا۔ بعض روایات کے مطابق اس نے جن اساتذہ سے کسبِ فیض کیا، ان میں بو علی سینا کے شاگرد بہمنیار، یگانۂ روزگار عالم دین امام موفق نیشاپوری، ہیئت اور ہندسہ کے اجلؒ عالمِ ابوالحسن انباری جیسی شخصیتیں شامل تھیں ایک روایت میں تو یہ بھی ہے کہ اس نے خود بو علی سینا سے براہِ راست تعلیم حاصل کی تھی۔ عمر خیام کو اللہ تعالیٰ نے حیرت انگیز قوتِ حافظہ اور ذہانت عطا کی تھی اس لیے عالمِ شباب تک پہنچتے پہنچتے تمام علوم معقول و منقول میں اس نے درجہ تبحُّر حاصل کر لیا۔

بعض مُورّخین نے لکھا ہے کہ جس زمانے میں عمر خیام، امام موفقؒ کی درسگاہ میں تعلیم حاصل کرتا تھا، دو مشہور تاریخی شخصیتیں خواجہ نظام الملک طوسی (الپ ارسلان اور ملک شاہ سلجوقی کا وزیر اعظم) اور حسن بن صباح (مذہب باطنیہ یا اسمٰعیلیہ کا داعی، قلعہ الموت کا مالک، اور مملکتِ اسمٰعیلیہ مشرقیہ و دہشت گرد گروہ حشیشین کا بانی) اس کی ہم سبق تھیں۔ ایک دن یہ تینوں اکٹھے بیٹھے تھے کہ حسن بن صباح نے ان دونوں سے کہا کہ یہ بات مشہور ہے اور دیکھنے میں بھی آیا ہے کہ امام موفق کے (اکثر) شاگرد بڑے رتبے پر پہنچتے ہیں اگر ہم سب نہیں تو ہم میں سے کوئی ایک تو ضرور کسی دن کسی بڑے مرتبے پر پہنچے گا آؤ آپس میں معاہدہ کریں کہ ہم میں سے جو کوئی بھی کسی بڑے رتبے پر پہنچ جائے تو اس پر فرض ہو گا کہ وہ اپنے دوسرے (دونوں) دوستوں کو بھی اپنی دولت میں شریک کرے۔ نظام الملک اور عمر خیام نے بھی

Marfat.com

حسن بن صباح سے اتفاق کیا اور یہ معاہدہ معرضِ تحریر میں لا کر اس پر تینوں نے دستخط کر دیے۔ تینوں دوست چار سال تک امام موفقؒ سے تعلیم حاصل کرتے رہے اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد دنیا کے دوسرے کام دھندوں میں مشغول ہو گئے۔

حُسنِ اتفاق سے چند سال کے بعد خواجہ نظام الملک (سلجوقی فرمانروا الپ ارسلان کا اور پھر) ملک شاہ سلجوقی کا وزیر بن گیا۔ وہ بڑا عالم فاضل اور معارف پرور انسان تھا۔ اربابِ علم وفن کی قدردانی میں بھی وہ اپنی مثال آپ تھا اس زمانے میں عمر خیّام کا والد وفات پا چکا تھا اور وہ تلاش معاش میں سرگرداں تھا۔ اسے خواجہ نظام الملک کی وزارت اور معارف پروری کا علم ہوا تو وہ اس کے پاس مرو (MERV) پہنچا۔ خواجہ نے نہایت خوشدلی سے اس کا خیر مقدم کیا اور اس کا معقول وظیفہ مقرر کر دیا تاکہ وہ یکسوئی کے ساتھ اپنے علمی مشاغل جاری رکھ سکے۔ بعد میں وہ سلطان ملک شاہ سلجوقی کا ندیم خاص بن گیا۔

سلطان ملک شاہ سلجوقی اپنے دَور میں دُنیا کا سب سے بڑا (طاقتور) فرمانروا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس کا فرزند سنجر عمر خیام کا ہم سن اور ہم درس تھا اور دونوں نے اپنی طالبعلمی کے زمانے میں آیندہ زندگی میں ایک دوسرے کا خیال رکھنے کا عہد کیا تھا۔ یہ روایت زیادہ مشہور تو نہیں ہے پھر بھی بعض مؤرّخین نے تحقیق کیے بغیر اسے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

"(عمر خیام) با سلطان سنجر نہایت محرمیت داشتہ۔ گویند در دبستان ہم درس بودند و در رعایتِ یکدیگر بما گاہ معاہدہ نمودند"

یعنی عمر خیام سلطان سنجر (بن ملک شاہ) کا گہرا دوست (ہمراز) تھا کہتے ہیں کہ مدرسے میں دونوں ہم درس تھے اور دونوں نے ایک دوسرے کا خیال رکھنے کا معاہدہ کیا تھا۔

Marfat.com

مولانا سید سلیمان ندوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تالیف ''خیام'' میں لکھا ہے کہ اوپر کی دونوں روایتیں سرتاپا موضوع (من گھڑت) ہیں اور ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ عمر خیام نہ خواجہ نظام الملک اور حسن بن صباح کا ہم عمر تھا اور نہ ہم درس۔ نظام الملک عمر میں اس سے ۳۰۔۳۲ برس اور حسن بن صباح گیارہ بارہ برس بڑا تھا۔ یہ تینوں شخصیتیں اپنے فکر و عمل اور زندگی کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھیں اور اپنے اپنے دائرہ میں بڑی حیثیت اور شہرت کی مالک تھیں۔

جہاں تک سلطان سنجر کا تعلق ہے تو اس کا سنِ ولادت ۴۷۱ھ ہے اور وہ خیام سے تیس اکتیس برس چھوٹا تھا۔ خیام سے اس کے ہم درس ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس سلسلے میں کچھ اور روایتیں بھی ہیں اور یہ ایک دوسرے میں اس طرح گڈمڈ ہو گئی ہیں کہ حقیقت (یعنی خیام ملک شاہ سلجوقی کے دربار میں کس طرح پہنچا) کا پتا چلانا بہت مشکل ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان ملک شاہ سلجوقی اپنے والد سلطان الپ ارسلان کی شہادت کے بعد ۴۶۵ ہجری مطابق ۱۰۷۲ء میں تخت نشین ہوا تو اس وقت عمر خیام ایک اونچے درجے کے طبیب، ریاضی دان، ہیئت دان، ستارہ شناس، فلسفی وغیرہ کی حیثیت سے خاصا مشہور ہو چکا تھا۔ وہ ملک شاہ کی تخت نشینی کے جلد ہی بعد اس کے دربار سے منسلک ہو گیا اور انیس سال تک سلطان کا مصاحب خاص رہا (ملک شاہ سلجوقی کا کل عرصہ حکومت بیس سال ہے ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء سے ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء تک)

عمر خیام ملک شاہ کے دربار میں کس طرح پہنچا؟ اس سوال کا جواب بہت سے مؤرخین نے یہ دیا ہے کہ یہ خواجہ نظام الملک طوسی وزیر سلطنت ہی تھا جس نے سلطان کو خیام کے علم و فضل اور علوم ریاضی، طب، نجوم، فلسفہ، ہیئت وغیرہ میں اس کی خصوصی مہارت کا حال بتایا تو اس نے خیام کو نیشاپور سے اصفہان (دارالحکومت) بلا بھیجا۔

Marfat.com

خیام ملک شاہ کے دربار میں پہنچا تو معارف پرور فرمانروا نے اس کی قدردانی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور اس کو اپنا مصاحب خاص بنالیا۔ سلطان کے فرزند شہزادہ سنجر کو بچپن میں چیچک نکل آئی۔ عمر خیام ایک حاذق طبیب بھی تھا۔ اس نے شہزادے کا علاج کیا اور وہ تندرست ہو گیا۔ اس سے عمر خیام کی وقعت سلطان کی نظروں میں دوچند ہو گئی[1]۔ سلطان کے نزدیک عمر خیام کی جو غیر معمولی قدر و منزلت تھی اس میں تو کوئی کلام نہیں مؤرّخین نے لکھا ہے کہ خواجہ نظام الملک جو جیّد علماء اور دوسرے اہلِ کمال کا قدر شناس اور سرپرست تھا، وہ بھی عمر خیام کا قدر دان تھا اور اس کو اپنی عنایات اور داد و دہش سے نوازتا رہتا تھا۔

سلطان ملک شاہ کے دَورِ حکومت کی ابتداء میں سرکاری مالیہ وغیرہ سہ شمسی کے حساب سے وصول کیا جاتا تھا اور خرچ کا حساب قمری مہینوں کے مطابق کیا جاتا تھا۔ اس کی وجہ سے حساب کتاب میں سخت دشواری پیش آتی تھی اور بعض اوقات ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی تھی جس سے عہدہ برآ ہونا حکومت کے لیے محال ہو جاتا تھا ۴۶۷ھ/۱۰۷۵ء میں اس قاعدے کے نتیجے میں عجیب صورتِ حال پیدا ہوئی وہ یہ کہ سرکاری خزانے میں خرچ کے لیے کچھ بھی باقی نہ رہا۔ سلطان کے علم میں یہ بات آئی تو اس کو سخت تشویش ہوئی اور اس نے ایک ایسے کیلنڈر (تقویم) کی ضرورت محسوس کی جس سے مروّجہ طریقِ کار کی خرابیوں کا خاتمہ ہو جائے۔ ایسا

---

[1] ایک روایت میں ہے کہ عمر خیام ملک شاہ کے دربار میں پہلے طبیب کی حیثیت سے آیا اس نے شہزادہ سنجر کا علاج کیا اور کچھ دنوں کے بعد سلطانی ندیم ہو گیا لیکن اس روایت میں شہزادہ سنجر کا سالِ ولادت ۴۷۱ھ/۱۰۷۸ء بیان کیا گیا ہے جبکہ عمر خیام اس سے کئی سال پہلے (۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء یا ۴۶۶ھ/۱۰۷۳ء میں) ملک شاہ کے دربار سے وابستہ ہو چکا تھا۔ اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں کہ عمر خیام شہزادے کے علاج کے بعد سلطان ملک شاہ کا مصاحب خاص یا ندیم بنا۔ ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ شہزادہ سنجر ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء سے پہلے پیدا ہوا تو پھر یہ روایت درست تسلیم کی جا سکتی ہے کہ وہ شہزادے کے علاج کے لیے دربار میں بلایا گیا۔

Marfat.com

کیلنڈر تیار کرنے کے لیے اس کی نگاہ عمر خیام پر پڑی جس کے علم و فضل اور نجوم و ہیئت وغیرہ میں اس کی غیر معمولی دستگاہ کا وہ بخوبی اندازہ کر چکا تھا چنانچہ اس نے خیام کو مناسب ہدایات دینے کے بعد اس کام پر مامور کر دیا۔ عمر خیام نے اس کام کی انجام دہی کے لیے ایک مجلسِ مشاورت منعقد کی اس کے ارکان یہ تھے۔

عمر خیام، خواجہ ابو حاتم المظفر اسفرازی، ابوالفتح عبدالرحمٰن خازنی، حکیم ابوالعباس لوکری، میمون بن نجیب واسطی، محمد بن احمد معموری بیہقی، ابوالفتح ابن کوشک

اس مجلس کے زیرِ نگرانی ۴۶۷ ہجری میں اصفہان میں ایک عظیم الشان رصد گاہ (Observatory) کی بنیاد رکھی گئی اس کا مقصد یہ تھا کہ نظامِ شمسی کے اجرام کی گردشوں کا حساب رکھا جائے اور ایک ایسے شمسی سال کا تعیّن کیا جائے جس سے مروّجہ کیلنڈر کی خرابیوں کا انسداد ہو جائے۔ خیام نے چار سال کی محنت شاقّہ کے بعد یہ کٹھن کام نہایت احسن طریقہ سے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ یعنی زیچ ملک شاہی مرتّب کر کے سلطان کے حوالے کر دی۔ بلاشبہ اس کام کی انجام دہی میں اس کے مشیروں نے بھی اس کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ مولانا محمد عبدالرزاق کانپوری اپنی تالیف ''نظام الملک طوسی'' میں لکھتے ہیں:

''عمر خیام کی تحقیقات کا نتیجہ یہ تھا کہ آفتاب اپنا سالانہ دورہ تین سو پینسٹھ دن پانچ ساعت (گھنٹے) اور انچاس دقیقہ (منٹ) میں طے کرتا ہے اس لیے خیام نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ ہر چوتھے سال پر ایک دن بڑھایا جائے اور سات دوروں کے ختم ہونے پر آٹھویں دور پر بجائے چار کے پانچویں سال ایک دن زیادہ کیا جائے۔ اس حساب سے شمسی و قمری سال کا فرق پورے تیئس سال میں نکل جاتا ہے۔''

(نظام الملک طوسی ص ۲۶۹ نامی پریس کانپور)

سلطان ملک شاہ نے عمر خیام کے کام کو بہت سراہا اور ۴۷۱ ہجری مطابق ۱۰۷۹ء

Marfat.com

میں تمام ممالکِ محروسہ میں اس تقویم کو "سنہ جلالی" کے نام سے رائج کرنے کا حکم دیا۔

سلطان موصوف جب تک زندہ رہا' اس نے خیام کے اعزاز و اکرام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان خیام کو اپنی نجی (ذاتی' پرائیویٹ) مجلسوں میں بھی شریک کرتا تھا۔ خود خیام نے سلطان کی ایک ایسی ہی محفل کا ذکر اس طرح کیا ہے:-

"ایک دفعہ میں بادشاہ کے پاس بیٹھا تھا کہ امرائے دربار کے بچوں میں سے کوئی کمسن بچہ نہایت متانت و وقار کے ساتھ آیا اور اس نے کوئی کام بڑے سلیقہ اور ہوش مندی سے انجام دیا جس سے ہم کو تعجّب ہوا۔ بادشاہ نے ہمارے استعجاب پر کہا' تعجّب نہ کرو' تم نے دیکھا ہوگا کہ مرغی کا بچہ انڈے سے نکلنے کے ساتھ ہی دانہ چگنے لگتا ہے لیکن اپنے دڑبے کو نہیں پہچانتا بخلاف اس کے کبوتر کا بچہ اس وقت دانہ نگلتا ہے جب اس کی ماں اس کے منہ میں دانہ ڈال دیتی ہے لیکن چھوڑ دو تو مکّہ سے بغداد آجائے گا۔ (خیام کہتا ہے کہ) میں بادشاہ کی اس دانشمندانہ بات پر بہت زیادہ متعجب ہوا اور دل میں کہا کہ ہر بڑے آدمی کو الہام ہوتا ہے۔"

سلطان کی وفات (رمضان ۴۸۵ھ مطابق نومبر ۱۰۹۲ء) کے بعد خواجہ نظام الملک شہید (جو چند دن پہلے ایک باطنی کے ہاتھ سے شہید ہو چکا تھا) کے فرزند خواجہ فخر الملک نے خیام کو اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ اس کے بعد سلطان محمد بن ملک شاہ بھی خیام کا قدر دان رہا۔ سلطان سنجر سلجوقی کے عہد (۵۱۱ھ/۱۱۱۷ء تا ۵۵۲ھ/۱۱۵۷ء) میں اس کا تعلق سلجوقی دربار سے منقطع ہو گیا تاہم وہ آخر تک اپنی زندگی خوشحالی سے بسر کرتا رہا۔ اکثر مؤرخین نے لکھا ہے کہ عمر خیام نے ساری زندگی تجرّد میں گزاری اور بال بچوں کے جھنجھٹ سے آزاد رہا لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے شادی کی تھی اور اس کی ایک بیٹی بھی تھی اور داماد بھی۔

Marfat.com

عمر خیام نے باختلافِ روایت ۵۷۱ھ/۱۱۳۲ء یا ۵۲۶ھ/۱۱۳۱ء میں وفات پائی اور نیشاپور کے قبرستانِ حیرہ میں دفن ہوا۔ یہاں اس مشہور روایت کا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا جس میں بتایا گیا ہے کہ جس دن خیام کی وفات ہوئی وہ وفات سے چند گھنٹے پہلے بوعلی سینا کی کتاب ''الشفا'' کا مطالعہ کر رہا تھا۔ جب وحدت و کثرت کی بحث پر پہنچا تو طلائی خلال جس کو وہ ہر وقت اپنے پاس رکھتا تھا اسی ورق پر رکھ کر کتاب بند کر دی اور شہر کے چند داناؤں (معزّزین) کو بلوایا جب وہ آگئے تو ان کے سامنے اپنی جائداد وغیرہ کے بارے میں وصیّت کی۔ پھر وضو کر کے نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اس وقت سے پھر نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ رات کو عشاء کی نماز پڑھ کر سر سجدے میں رکھا اس وقت (بروایت دیگر عشاء کی نماز کے سجدے میں) اس کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہو رہے تھے ''بارِ الٰہی! تو جانتا ہے کہ میں نے اپنی لیاقت اور سمجھ کے مطابق تجھ کو جانا (پہچانا) تو مجھے معاف فرما' تیرے حضور یہی معرفت میرا وسیلۂ مغفرت ہے...... یہی کہتے کہتے اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔''

(نظام الملک طوسی بحوالہ تاریخ الحکماء)

اس سلسلے میں ایک اور عجیب روایت بھی بیان کی جاتی ہے۔ نظامی عروضی سمرقندی نے اپنی تالیف ''چہار مقالہ'' میں لکھا ہے[1] کہ ۵۰۶ھ میں شہر بلخ کے کوچہ بردہ فروشاں میں عمر خیام اور خواجہ مظفر اسفرازی امیر ابوسعید کے مہمان تھے میں ان

---

[1] نجم الدین احمد (المعروف نظامی عروضی سمرقندی) بن عمر بن علی نظامی سمرقندی کا شمار چھٹی صدی ہجری کے نامور ادباء' شعراء' اطباء اور منجمین میں ہوتا ہے چونکہ عروض میں خاص مہارت رکھتا تھا اس لیے عروضی مشہور ہوا۔ وہ غوری سلاطین کے دربار سے ۴۵ سال تک وابستہ رہا پھر کئی سال تک مختلف دیار و امصار کی سیاحت میں مشغول رہا۔ سمرقند' بلخ' ہرات' نیشاپور' طوس وغیرہ جا کر وہاں کے مشہور شعراء کے حالات فراہم کیے۔ کچھ عرصہ خیام کا شاگرد بھی رہا۔ پھر سلطان سنجر کے دربار میں حاضر ہوا اور اعزاز و اکرام سے نوازا گیا۔ چہار مقالہ اس کی مشہور تصنیف ہے جس سے بعد کے تمام تذکرہ نویسوں اور مؤرخوں (مثلاً عوفی' جامی' مستوفی' قزوینی' اسفندیار وغیرہم) نے استفادہ کیا۔ (نگار علوم اسلامی و علماء اسلام نمبر ۱۹۵۵ء)

Marfat.com

سے ملنے گیا تو حجتہ الحق عمر خیام نے باتوں باتوں میں فرمایا کہ میری قبر ایسی جگہ بنے گی جہاں موسم بہار میں بادِ شمال اس پر پھول برسایا کرے گی۔ خیام کا یہ کہنا مجھے محال نظر آیا مگر یہ بھی جانتا تھا کہ خیام جیسا شخص واہی تباہی نہیں کہہ سکتا۔ اس کے ۲۴ برس کے بعد ۵۳۰ھ میں مجھے نیشاپور جانے کا اتفاق ہوا تو معلوم ہوا کہ خیام کو دنیا سے رخصت ہوئے کئی سال گزر چکے ہیں اور وہ یہیں پیوندِ خاک ہے۔

چونکہ میں خیام کا شاگرد تھا (اور مجھ پر اس کی استادی کا حق تھا) اس لیے جمعہ کے دن ایک رہنما کے ہمراہ گورستانِ حیرہ میں قبرِ خیام کی زیارت کے لیے گیا۔ میں نے دیکھا کہ (قبر کے قریب) امرود اور زرد آلو کے درخت ہیں اور ان کے پھولوں کی پتیاں اتنی گری ہیں کہ قبر ان سے ڈھک گئی ہے اس وقت مجھے یاد آیا کہ ۲۴ سال پہلے خیام نے بلخ میں یہی پیش گوئی کی تھی۔ یہ واقعہ یاد کر کے میں رونے لگا کیونکہ میری نظر میں دنیا میں کوئی شخص خیام کی مثل نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ (چہار مقالہ)[9]

عروضی سمرقندی نے ایک اور واقعہ خیّام کی علمِ نجوم میں مہارت کے بارے میں بھی لکھا ہے وہ کہتا ہے کہ ۵۰۸ھ کے موسم سرما میں سلطان ملک شاہ نے خواجۂ بزرگ صدر الدین محمد بن المظفر رئیسِ مرو (MERV) کو پیغام بھیجا کہ عمر خیام میرے شکار کھیلنے کے لیے کوئی ایسا دن مقرر کرے جو بارش اور برفباری سے محفوظ ہو۔ (ان دنوں عمر خیام مذکورہ رئیسِ مرو کے پاس مقیم تھا) خواجۂ بزرگ نے خیام کو سلطان کا پیغام پہنچایا تو اس نے دو دن کے غور و فکر کے بعد ایک خاص دن سلطان کے شکار کھیلنے کے لیے تجویز کر دیا۔ سلطان اس دن شکار کے لیے نکل پڑا۔ خیام بھی مرو سے آ کر اس کے ہم رکاب تھا۔ ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ آسمان پر بادل چھا گئے۔ اس پر سلطان کے دوسرے ہمراہی خیام کے مشورے کا مضحکہ اڑانے لگے اور سلطان سے

Marfat.com

واپس جانے کے لیے التجا کرنے لگے۔ خیام نے عرض کیا' حضور مطمئن رہیں' ابھی مطلع صاف ہو جائے گا اور پانچ دن تک ایک بوند بھی نہیں پڑے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس کے مشورے کا مذاق اڑانے والے شرمندہ ہو گئے۔[1] (چہار مقالہ)

عمر خیام نے مختلف علوم (بالخصوص ریاضیات' طبیعیات اور الٰہیات) میں متعدد بلند پایہ تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں:

(ریاضیات) رسالہ جبر و مقابلہ' رسالۃ شرح ما اشکل من مصادرات اقلیدس' زیج ملک شاہی' کتاب البرہان علیٰ طرق استخراج اضلاع المربعات والمکعبات

(طبیعیات) میزان الحکمۃ' رسالہ مختصر در طبیعیات یا لوازم الامکنہ

(الٰہیات) رسالہ کون و تکلیف و رسالہ مسائلِ ثلاثہ' رسالہ فی کلیات الوجود' رسالہ الضیاء العقلی فی موضوع العلم الکلی' رسالہ اوصاف یا رسالۃ الوجود' الترتیب

(متفرق) نوروز نامہ

کچھ عربی اشعار فارسی کے دو قصیدے' مکاتبات اور بیسیوں' فارسی رباعیات ان تصانیف کے علاوہ ہیں۔ خیام کی فارسی رباعیات یورپ میں اتنی مقبول ہوئیں کہ ان کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے اور وہ لاکھوں کی تعداد میں فروخت ہو چکی ہیں یہ رباعیاں اگرچہ فارسی ادب کے نقطۂ نگاہ سے بڑی اہمیت رکھتی ہیں لیکن فارسی کے گھر ایران میں یہ رباعیاں خیام کی شہرت کا باعث نہیں بنیں بلکہ وہاں اسے ایک عظیم ریاضی دان' ہیئت دان اور فلسفی سمجھا جاتا ہے۔ ان رباعیات میں کئی دوسرے

---

[1] تمام اہل ایمان کا عقیدہ ہے کہ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ علم نجوم کے ذریعے جو حکم لگایا جاتا ہے وہ ایک خاص صنعت کا نتیجہ ہے ایسے احکام قابل اعتماد نہیں ہوتے اور ہر واقعہ قضا و قدر کے مطابق ظہور پذیر ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض اوقات علم نجوم کے ذریعے کی گئی پیش گوئی سچ ثابت ہوتی ہے کیونکہ تقدیر میں ایسا ہی لکھا ہوتا ہے۔ بہر صورت نجومی کو لازم ہے کہ حکم لکھ کر قضا و قدر کے سپرد کر دے اور یہ دعویٰ نہ کرے کہ وہ نجوم کے ذریعے غیب کی باتیں جان سکتا ہے۔

Marfat.com

شاعروں کی کہی ہوئی رباعیاں بھی شامل ہوگئی ہیں یعنی ''رباعیاتِ خیام'' میں خاصی تعداد الحاقی رباعیوں کی بھی ہے اس لیے اس کی اپنی رباعیوں کی صحیح تعداد کے بارے میں مستشرقینِ یورپ اور نقادانِ مشرق کے درمیان بڑا اختلاف ہے۔ خیام نے چند شاگرد بھی اپنی یادگار چھوڑے ان میں سے یہ تین بہت مشہور ہیں:-

(۱) ابوالمعالی عبداللہ بن محمد میانجی عین القضاہ (۲) حکیم علی بن محمد حجازی قائنی (۳) احمد بن عمر بن علی نظامی عروضی سمرقندی

عمر خیام کے عقائد و افکار کے بارے میں مؤرخین یا تذکرہ نویسوں نے مختلف آرا کا اظہار کیا ہے۔ بعض نے اس کو علامۂ زماں، امامِ خراسان، عالمِ بے مثل اور ایک عظیم صوفی قرار دیا ہے اور بعض نے اس کو ملحد، مذہبِ باطنیہ کا پیرو یا ایک آزاد خیال رندِ بلانوش بتایا ہے جہاں تک مختلف علومِ فلسفہ، لغت، فقہ، تاریخ، قراءت، تفسیر بالخصوص ریاضیات، نجوم، فلکیات، ہیئت اور طب میں اس کے تبحرِ علمی اور کمالِ فن کا تعلّق ہے اس سے انکار کرنا ممکن نہیں۔ اس کے ہمعصر مؤرخین نے اس کو اپنے دور کی ایک نادرۂ روزگار شخصیت قرار دیا ہے البتہ اس سے منسوب بعض رباعیات میں احتیاط کا دامن اس سے چھوٹتا ہوا نظر آتا ہے اور ان میں وہ گمراہ کن فلاسفی اور آزاد خیالی کی تعلیم دیتا معلوم ہوتا ہے لیکن یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ رباعیات واقعی خیام کی کہی ہوئی ہیں یا الحاقی ہیں۔ مجموعی طور پر اس کی رباعیات سے جو تاثّر پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ خیام ایک فلسفی اور مفکر شاعر ہے جو اپنے افکار اور جذبات کو رباعی کا لبادہ پہنا کر نہایت شگفتہ اور رنگین پیرایہ میں پیش کرتا ہے۔ ان رباعیات میں شراب و شاہد کے ذکر کو خیام کے مداح رنگِ مجاز قرار دیتے ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ خیام کی تصنیفات اور رباعیات سے اس کے عقائد پر استدلال کرنا صحیح نہیں اسی طرح اس پر الحاد، زندقہ، شراب نوشی اور مذہبِ باطنیہ (اسمٰعیلیہ) کا پیرو ہونے کا الزام لگانے کی

Marfat.com

کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی جس بادشاہ نے خواجہ نظام الملک طوسی جیسے متدیّن اور دردمند مسلمان کو اپنی سلطنت کے سیاہ وسفید کا مالک بنایا' وہ ایک ملحد زندیق باطنی کو اپنا مصاحبِ خاص کیسے بنا سکتا تھا اور اس پر انعام واکرام کی بارش کیسے کر سکتا تھا۔

خیام کے دینی عقائد کے بارے میں تمام روایات کا جائزہ لینے کے بعد علاّمہ سید سلیمان ندوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی معرکہ آرا تصنیف ''خیام'' میں یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ خیام متکلّمین' فلاسفہ اور گروہِ باطنیہ کے دلائل کو غیر تسلّی بخش پاتا تھا۔ وہ صوفیہ اور حکمائے اشراقییّن کے زہد وریاضت سے جو علوم حاصل ہوتے تھے' ان کو صحیح سمجھتا تھا لیکن اس کا تصوّف حکیمانہ تھا' مذہبی نہ تھا' بایں ہمہ وہ عبادت بھی کرتا تھا اور اس نے حج بھی کیا تھا۔ جس روایت میں خیّام کے دنیا سے رخصت ہونے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اس کے پیشِ نظر اگر خیّام کے سفرِ آخرت کو حُسنِ خاتمہ سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو ارشاد ہے کہ تم دوسروں پر خرچ کرتے رہو میں تم پر خرچ کرتا رہوں گا۔ (یعنی اللہ تعالیٰ اپنے خزانہ غیب سے ان کو عطا فرماتا رہے گا۔) (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

Marfat.com

ابنِ رُومیہ

یگانہ روزگار ماہرِ نباتیات وعلمِ طب

ہسپانیہ (اسپین) پر مسلمانوں کے جاہ وجلال کا عَلم آٹھ صدیوں تک لہراتا رہا۔ یہ طویل زمانہ عبرت و موعظت کی بے شمار داستانیں اپنے دامن میں پنہاں کیے ہوئے ہے۔ ہسپانیہ کے اسلامی عہدِ حکومت کی سیاسی تاریخ کے متعلق دو رائیں ہو سکتی ہیں لیکن ایک بات جس پر سب کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ ذہنی ترقی کے لحاظ سے ہسپانیہ کا مسلم دورِ حکومت ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ ہسپانیہ کے مسلمانوں نے اپنے دورِ حکومت میں علوم وفنون کی ترویج واشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ نہ لیا ہوتا تو یورپ نشاۃِ ثانیہ سے یکسر محروم رہتا۔ ہسپانوی مسلمانوں کو علم سے عشق تھا۔ انہوں نے نہ صرف پرانے علوم وفنون کو زندہ کیا بلکہ انہیں ترقی دے کر بامِ کمال تک پہنچا دیا۔ خاکِ ہسپانیہ سے ابنِ باجہ' ابنِ حزم' ابنِ الخطیب' زہراوی' ابنِ بشکوال' ابنِ زیدون' ابنِ عربی' ابنِ جبیر' ابنِ میمون' البکری' ادریسی' ابنِ طفیل' ابنِ رومیہ' ابنِ بیطار اور غافقی جیسی عظیم المرتبت ہستیاں پیدا ہوئیں' جنہوں نے تفسیر' حدیث' فقہ' منطق' فلسفہ' کیمیا' ریاضی' ہیئت' شاعری' طب' نباتات وعقاقیر غرض علم وفن کے ہر شعبے میں ایسے محیرالعقول کارنامے انجام دیے کہ آج کی دنیائے

Marfat.com

تہذیب و تمدن بھی ان سے نقل و استفادے کی محتاج ہے۔ گو اپنے باہمی تشتت و افتراق کی وجہ سے مسلمان ہسپانیہ سے ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئے، لیکن علم و فن کے میدان میں جو تابناک آثار انہوں نے چھوڑے وہ رہتی دنیا تک ان کا نام زندہ رکھیں گے۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوامِ ما

مسلم دورِ حکومت کے ہسپانوی اربابِ کمال میں ابنِ رومیہ ایک عجیب و غریب اور سر آمدِ روزگار شخصیت ہے۔ وہ علمِ ادیان اور علمِ ابدان کا ایک حیرت انگیز امتزاج تھا۔ فقہا اور اطبا دونوں گروہ اپنے اپنے فن میں اس سے فتویٰ لیتے تھے۔ علومِ دینیہ میں اس کی مہارت اور تبحّر کا یہ عالم تھا کہ حدیث اور فقہ پر کئی معرکہ آرا کتابیں تصنیف کیں اور ہزارہا لوگوں کو اپنے چشمۂ علم سے سیراب کیا۔ اس کے ساتھ ہی علمِ طب اور بالخصوص اس کی شاخ علم الادویہ میں اس کو ایسا کمال حاصل تھا کہ بعد کے آئمۂ فن اس کے اقوال کو سند کے طور پر پیش کرتے تھے۔ فنِ طب اور فنِ دواشناسی میں بھی اس نے کئی بلند پایہ تصنیفات اپنی یادگار چھوڑیں۔ ہسپانیہ کا شہرۂ آفاق ماہر نباتیات ''ابنِ بیطار' ابنِ رومیہ'' ہی کا شاگرد تھا[1]۔ اس نے اپنی تصنیفات میں جابجا ''ابنِ رومیہ'' کا ذکر کیا ہے اور اس کے فضل و کمال کی بے حد تعریف کی ہے۔ اسی طرح علامہ مقری نے اپنی ''تاریخِ اندلس'' (نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب و

---

[1] ابو محمد عبداللہ بن احمد ضیاء الدین ابن البیطار ساتویں صدی ہجری کا مشہور ماہر نباتیات و عقاقیر ہے۔ اپنے استاد کی طرح اس نے بھی جڑی بوٹیوں کی تلاش میں طویل سیاحت کی اور سالہاسال تک الملک الکامل اور ملک الصالح کے عہد حکومت میں مصر کے محکمۂ نباتیات کا افسر اعلیٰ رہا۔ ۶۴۶ھ میں وفات پائی۔ اس کی تصنیفات میں ''کتاب الافعال الغریبہ و الخواص العجیبہ'' ''کتاب الجامع فی الادویۃ المفردہ'' اور ''کتاب المغنی فی ادویۃ المفردہ'' بہت مشہور ہیں۔

Marfat.com

ذکر وزیرنا ابن الخطیب) میں "ابنِ رومیہ" کا ذکر خصوصیّت کے ساتھ کیا ہے اور نہایت تفصیل کے ساتھ اس کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ علاّمہ مقری کے نزدیک ابنِ رومیہ بلاشبہ اپنے دَور کی ایک یگانہ ہستی تھی اور علمِ طب اور دواشناسی سے اس کا لگاؤ جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا' کیوں کہ علم وفن کی تکمیل کی خاطر وہ سال ہا سال تک جنگلوں اور بیابانوں کی خاک چھانتا رہا۔

علاّمہ ابن ابی اُصیبعہ[1] اپنی مشہور کتاب "عیون الانبافی طبقات الاطبا" میں ابنِ رومیہ کے متعلق لکھتے ہیں:

"ابن رومیہ طب کے علمی اور عملی حصوں پر کامل عبور رکھتا تھا' بالخصوص علم الادویہ میں تو اس کو ایسا کمال حاصل تھا کہ اس دور کے بڑے بڑے ماہرینِ فن اس کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرتے تھے۔"

مشہور فرانسیسی عالم ڈاکٹر لوسین لرک اپنی کتاب "تاریخ طب عربی" میں ابنِ رومیہ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"ابنِ رومیہ کا شمار تیرھویں صدی عیسوی کے ممتاز اطبا میں ہوتا ہے۔ اس کو طب کی تمام علمی اور عملی شاخوں میں کامل مہارت تھی اور نباتات کی تحقیق میں تو اپنے ہم عصروں سے وہ بہت آگے نکل گیا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ علم دواشناسی میں بہت کم اطبا اس کی ہم سری کا دعوٰی کر سکتے ہیں۔"

عربوں میں وہ پہلا شخص ہے جس نے دیسقوریدوس' جالینوس اور دوسرے قدیم

---

[1] علاّمہ ابن ابی اُصیبعہ ۶۰۰ ہجری (۱۲۰۳ء) میں دمشق میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے طب اور تذکرہ نویسی میں بڑی شہرت پائی۔ فن طب میں وہ ابن بیطار کے شاگرد تھے۔ مشہور اطبا کے حالات میں ان کی کتاب "عیون الانبائی طبقات الاطباء" بے مثل خیال کی جاتی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے صرف ان اطبا کے حالات درج کیے ہیں جو علمِ طِب میں درجہ تبحّر رکھتے تھے۔ ابنِ اصیبعہ نے ۶۶۸ ہجری (۱۲۷۰ء) میں وفات پائی۔

Marfat.com

اطبا کے طریقۂ تحقیقات کو یکسر ترک کر دیا' اور دواؤں کی خاصیّت اور ماہیّت معلوم کرنے کے لیے نئے طریقے ایجاد کیے۔ بہت سی نباتات کو جو آج کل ہمارے شفاخانوں میں مستعمل ہیں۔ ان سے ابنِ رومیہ ہی نے دنیا کو روشناس کرایا۔ ان کے بعد کے زمانے میں کئی اطبا نے مفرد دواؤں کے خواص ماہیت اور بدل وغیرہ کے متعلق بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھیں' لیکن وہ سب نقال تھے' مجتہد نہ تھے۔"

ڈاکٹر لرک نے یہ بھی لکھا ہے کہ وجع المفاصل کی خاص دوا سورنجان کو پہلے پہل ابن رومیہ ہی نے دریافت کیا۔ اسی طرح اس نے اٹلی کی ایک بندرگاہ میں ایک خاص قسم کی گھاس دریافت کی جس سے کاغذ بنایا جاتا ہے' ٹیونس میں اس نے ایک ایسی سیپی دریافت کی جو آنکھوں کے متعدد امراض میں نہایت مفید ثابت ہوئی ہے۔

ابن رومیہ کا اصل نام "احمد" اور کنیت "ابوالعباس" تھی۔ وہ ۵۶۱ ہجری میں اشبیلیہ میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم اشبیلیہ ہی میں حاصل کی اور اس کے بعد اُندلس کے دوسرے شہروں میں جا کر اس دور کے نامور علماء سے علم حاصل کیا۔ اس کے اساتذہ میں ابنِ زرقون ابنِ غفیر' ابوذر حبشی اور ابن الجد کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان لوگوں کا شمار اندلس کے سربرآوردہ علماء میں ہوتا تھا۔ ابن رومیہ نے سال ہا سال تک علم وادب' فقہ اور طِب کا نہایت سرگرمی سے مطالعہ کیا' یہاں تک کہ سَندِ فضیلت حاصل کی۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ چند سال ابن حزم کے شاگردوں میں بھی شامل رہا اور اس کے مذہبِ ظاہری کا پُرجوش مؤیّد اور داعی بن گیا' لیکن ہمارے نزدیک یہ روایت صحیح نہیں ہے کیوں کہ ابنِ حزم ۴۵۶ ہجری میں وفات پا گیا تھا اور ابنِ رومیہ اس کی وفات کے سَو سال بعد پیدا ہوا البتہ یہ درست ہے کہ شروع شروع میں وہ بالواسطہ ابنِ حزم کے خیالات سے ضرور متاثر ہوا لیکن بعد میں اس کے خیالات میں اعتدال پیدا ہو گیا۔ اندلس میں علمِ فقہ اور طِب کی تکمیل کے

Marfat.com

بعد ابن رومیہ نے علم حدیث کی تکمیل اور نباتات وعقاقیر کی تحقیق کے لیے مشرقی ممالک کی سیاحت کے لیے رختِ سفر باندھا اور سال ہا سال تک مختلف بلاد وامصار کی سیاحت میں مشغول رہا۔ دمشق اور بغداد میں اس نے ابنِ عطار' ابنِ ملاعب' ابنِ خرستانی وغیرہ جیسے مشاہیر علمائے وقت سے علمِ حدیث کی تکمیل کی اور ایک زبردست فقیہ اور مُحدِّث کی حیثیت سے تمام عالمِ اسلام میں مشہور ہو گیا۔ اس کے حلقۂ درس میں شریک ہونے کے لیے دور دور سے طلبہ آنے لگے۔ اپنے علمی مشاغل کے ساتھ ساتھ ابنِ رومیہ نے مختلف دواؤں اور جڑی بوٹیوں کی تلاش اور تحقیق جاری رکھی اور جہاں کہیں بھی کسی نادر دوا یا بوٹی کا سراغ ملا پُرصعوبت اور دشوار گزار راستوں کو خیال خطرے میں نہ لایا۔ چند سال کے اندر اس کی شہرت صرف ایک عالمِ دین ہونے تک محدود نہ رہی بلکہ وہ ایک عظیم طبیب اور ماہرِ نباتیات کی حیثیت سے بھی مشہور ہو گیا۔ شام میں چند سال قیام کرنے کے بعد وہ مصر پہنچا۔ وہاں بھی شہرت اور اقبال نے اس کے قدم چومے۔ اس وقت مصر پر سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کا بھائی ملک العادل ابوبکر بن ایوب حکمران تھا۔ اس کی صحت اکثر خراب رہتی تھی۔ اس نے ابنِ رومیہ کو اپنا ذاتی معالج مقرر کیا۔ ابنِ رومیہ کے علاج سے ملک العادل کو چند ہی دنوں میں کامل صحت ہو گئی اور ابنِ رومیہ کی عزت اس کی نگاہوں میں دوچند ہو گئی چنانچہ جب تک ابنِ رومیہ کا قیام مصر میں رہا ملک العادل اس پر حد درجہ مہربان رہا۔ چند سال کے بعد ابنِ رومیہ حجِ بیت اللہ کے لیے حجاز گیا اور حج سے فارغ ہو کر اپنے وطن اشبیلیہ کو مراجعت کی۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت وہ عمر کی ستّر منزلیں طے کر چکا تھا جن میں چالیس سال سیر و سیاحت اور نباتات وادویہ کی تلاش و تحقیق میں بسر ہوئے تھے۔ اشبیلیہ پہنچ کر ابنِ رومیہ نے درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا اور روزی کمانے کے لیے جڑی بوٹیوں کی ایک دکان کھول لی۔ اس

Marfat.com

کا حلقۂ درس بڑا وسیع اور ہزار ہا طلباء پر مشتمل تھا۔ ہر طالبِ علم خواہ وہ فقہ و حدیث کی تکمیل کرنا چاہتا یا طب اور دواشناسی کی تعلیم حاصل کرنا چاہتا' ابنِ رومیہ کے تبحرِ علمی سے پوری طرح فیض یاب ہوتا۔ علم و فن کی انتہائی بلندیوں پر پہنچنے کے باوجود ابنِ رومیہ نے اپنی درویشانہ وضع قطع ترک نہ کی اور جس بوریے پر پہلے دن بیٹھا آخری دَم تک اس سے جدا نہ ہوا۔ اہلِ ثروت نے بارہا اس کی امداد کرنی چاہی لیکن اس نے ایک شانِ استغنا کے ساتھ اسے ٹھکرا دیا اور ہمیشہ اپنی قوّتِ بازو سے قُوتِ لَایَمُوت کا سامان فراہم کیا۔ درس و تدریس اور دکان کے کام سے فرصت ملتی تو تصنیف و تالیف میں مشغول ہو جاتا۔ اسپین کے اس فرزندِ جلیل نے چھہتر سال کی عمر میں ۶۳۷ ہجری میں پیکِ اجل کو لبیک کہا۔ اس کی وفات کی خبر سن کر اشبیلہ میں کہرام مچ گیا۔ علاّمہ مقری کا بیان ہے کہ اس کے جنازے پر اس قدر آدمیوں کا ہجوم تھا کہ چشمِ فلک نے اس سے پہلے شاذ ہی دیکھا ہوگا۔

ابنِ رومیہ نے جو عظیم تصنیفات اپنی یادگار چھوڑیں' ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

<u>فقہ و حدیث:</u>

۱۔ کتاب الحج' ۲۔ کتاب المعلم (اس میں بخاری اور مسلم کی احادیث پر بہت سی حدیثیں اضافہ کی ہیں) ۳۔ کتاب الانساب ۴۔ کتاب الصدقہ ۔ ۵۔ کنز الاخبار ۶۔ تلخیص کتاب دار قطنی' ۷۔ کتاب البر فی الفقہ ۸۔ اختصار کتاب کامل بن عدی۔ ۹۔ کتاب الحافل فی تکملۃ الکامل۔ ۱۰۔ بحر الآثار ۱۱۔ عیون الاخبار

علمِ طِبّ و دواشناسی

۱۔ کتاب جامع

یہ ایک بےنظیر کتاب ہے اور ابن رومیہ کی تصنیفات میں شاہ کار کا درجہ رکھتی

Marfat.com

ہے۔اس کتاب میں اس نے مفرد دواؤں کے نام حروف تہجّی کی ترتیب سے درج کیے ہیں اور ان کی ماہیّت اور خواص کو ذاتی تجربوں کی روشنی میں بیان کیا ہے۔علاّمہ مقری، ابنِ بیطار اور برزالی نے اس کتاب کی بے حد تعریف کی ہے اور یورپ کے علماءِ طب نے بھی اس سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے۔

۲-کتاب المجر بات

اس کتاب میں ابنِ رومیہ نے اپنے مجرباتِ خصوصی درج کیے ہیں۔

۳- کتابِ طِب نظری وعملی

۴- کتابِ معالجات

۵- کتابِ ادویہ مرکبہ

۶- کتابِ منافع زیتون

۷-کتاب الادویہ الاطفال

اس کتاب میں شیر خوار بچوں کے علاج کے لیے دوائیں درج ہیں۔

۸- کتاب امراض الصدر

9-کتاب الادویہ

اس کتاب میں صرف وہ دوائیں درج ہیں جن کو سب سے پہلے ابن رومیہ نے دریافت کیا۔

۱۰-کتاب الصیدلہ

اس میں دواسازی کے طریقے درج ہیں

۱۱-کتاب المسافرۃ فی الشرق

اس کتاب میں ابنِ رومیہ نے اپنی سیاحت کے حالات کے ساتھ مفرد دواؤں

Marfat.com

کے خواص بیان کیے ہیں۔

ابنِ رومیہ کی مذکورہ تصنیفات میں سے کچھ نایاب ہیں اور کچھ یورپ کے کتب خانوں کی زینت ہیں۔ان کو وہاں دیکھ کر زبان پر بے اختیار حکیم الاُمتؒ علامہ اقبالؒ کا یہ شعر جاری ہو جاتا ہے ؎

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات آدمی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا جبکہ اس کے سوا اور کہیں سایہ موجود نہ ہوگا' وہ سات آدمی یہ ہیں:

۱- بادشاہِ عادل (یعنی انصاف کرنے والا بادشاہ یا خلیفہ)

۲- وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت کرتے ہوئے پلا بڑھا۔

۳- وہ آدمی جس کا دل مسجد میں لگا ہوا ہو۔

۴- وہ آدمی جو اللہ ہی کے لیے محبت کریں اور اللہ ہی کے لیے ایک دوسرے سے جدا ہوں۔

۵- وہ آدمی جس کو کوئی خوبصورت اور خاندانی عورت اپنی طرف بلائے مگر وہ یہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں (یعنی یہ کہہ کر اس کے پاس جانے سے انکار کردے۔)

۶- وہ آدمی جو اپنے صدقہ کو اس قدر پوشیدہ رکھے کہ بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلے کہ دائیں نے کیا خرچ کیا۔

۷- وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرکے رونے لگے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

Marfat.com

شیخ عبداللہ بن یٰسین جزولیؒ

شمالی افریقہ صدیوں تک اسلامی تہذیب و تمدّن کا مرکز رہا ہے' وہاں کے بلند ہمت فرمانرواؤں نے نہ صرف بُرِّاعظم افریقہ کی تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کیے بلکہ اپنے دَور کے اسلامی اندلس (سپین و پرتگال) کی حفاظت بھی کی اور بارہا وہاں کے مسلمانوں کے سروں سے مصائب کے دَل بادَل بھی دُور کیے۔ شمالی افریقہ قرنِ اوّل سے لے کر آج تک اسلام کا حلقہ بگوش ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اب وہ کئی آزاد اور خودمختار ملکوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ (مراکش' تیونس' الجزائر اور لیبیا) لیکن بہرصورت یہ تمام ممالک الگ الگ بھی اسلام کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہیں۔ قدیم زمانے میں یہ علاقے بربری قبائل کا مسکن تھے جو مملکتی حدود سے بے نیازانہ زندگی گزارتے تھے۔ ۸۳ ق م میں فینیقیوں نے تیونس کے علاقے میں باقاعدہ حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ اس کا صدر مقام کارتھیج (قرطاجنہ) تھا۔ تقریباً چھ صدیوں تک یہ حکومت بڑی شان و شوکت کے ساتھ قائم رہی' پھر اس کو رومیوں سے صدسالہ جنگ لڑنی پڑی جس میں بالآخر اہلِ روما کو اس سرزمین پر غلبہ حاصل ہو گیا۔ پانچویں صدی عیسوی میں "ونڈال" نامی ایک وحشی قوم نے رومیوں کو شکست دے کر اس علاقے پر قبضہ کر لیا' لیکن چھٹی صدی عیسوی میں اہلِ روما نے دوبارہ اس خطّے کو

Marfat.com

فتح کرلیا اور حسبِ سابق وہاں اپنی شان وشوکت کے ڈنکے بجانے لگے۔

شمالی افریقہ پر اسلام کی بارانِ رحمت کا پہلا چھینٹا اس وقت پڑا جب حضرت عُمَرِ فاروقؓ کے عہدِ خلافت (۱۳ھ تا ۲۲ھ) میں فتح مصر کے فوراً ہی بعد مجاہدینِ اسلام کا سیلِ رواں شمالی افریقہ کی طرف بڑھا اور چند ماہ کے اندر اندر برقہ تک جا پہنچا۔ حضرت عثمانؓ کے دَورِ خلافت میں مسلمانوں نے طرابلس کو بھی فتح کرلیا۔ لیکن اس ملک پر ان کا قبضہ زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکا کیونکہ انہوں نے جونہی رومیوں سے اطاعت اور باجگزاری کا عہد لے کر طرابلس سے مراجعت کی رومیوں نے اپنا عہد و پیمان توڑ ڈالا اور مسلمانوں کے خالی کیے ہوئے علاقوں پر پھر قبضہ کرلیا۔ امیر معاویہؓ نے اپنے دَورِ حکومت میں شمالی افریقہ کی طرف خاص توجہ دی اور اس خِطّۂ ارض کے متعدد مقامات پر پرچمِ اسلام بلند کردیا۔ آیندہ چند سال کے اندر اندر مشہور سپہ سالار عُقبہ بن نافع الفہریؒ نے قریب قریب سارے شمالی افریقہ کو مسخّر کرلیا لیکن بدقسمتی سے وہ ۶۴ھ میں اپنے تین سَو ساتھیوں سمیت دشمن کے نرغے میں آکر شہید ہوگئے اور شمالی افریقہ کے حالات پھر دگرگوں ہوگئے۔ ۶۹ھ میں عبدالملک بن مروان نے زہیر بن قیس کی سرکردگی میں ایک لشکر شمالی افریقہ بھیجا۔ اس لشکر نے اگرچہ بربریوں کو زیر کرلیا لیکن زہیر اور ان کے ساتھی اہلِ روما سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے اور شمالی افریقہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ۷۴ھ میں مسلمان پھر اس طرف متوجہ ہوئے اور چار سال کے قلیل عرصے میں ازسرِنو شمالی افریقہ کو مسخّر کرلیا۔ ۹۲ھ میں اندلس بھی مسلمانوں کے قبضے میں آگیا اور بنواُمیّہ کی حکومت کے خاتمے یعنی ۱۳۲ھ تک اس علاقے میں اُمویوں کی طرف سے مختلف امیر مقرر ہوتے رہے۔ اس کے بعد بنوعبّاس کی حکومت کا آغاز ہوا۔ ۱۳۸ھ میں ایک اُموی شہزادے عبدالرحمٰن نے اندلس میں اپنی آزاد حکومت قائم کرلی البتہ شمالی افریقہ پر

Marfat.com

۱۷۳ھ تک بنو عباس کا تسلط رہا۔ اسی سال بنو ادریس نے مراکش میں اپنی آزاد مملکت قائم کر لی اور بنو عباس کے قبضے میں صرف تیونس' الجزائر اور طرابلس رہ گئے لیکن وہاں بھی حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے تا آنکہ ۱۸۴ھ میں ابراہیم بن اغلب تمیمی نے خلیفہ ہارون الرشید کی اجازت سے وہاں ایک مضبوط حکومت کی بنیاد رکھی جو تاریخ میں دولت اغالبہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ اغلبیوں کا دورِ اقبال تقریباً ایک صدی پر محیط ہے۔ ۲۹۶ھ میں دولتِ فاطمیہ نے ان کی جگہ لے لی۔ فاطمیوں نے کچھ عرصے بعد مراکش اور مصر کو بھی فتح کر لیا۔ چوتھی صدی ہجری کے آخر میں فاطمی حکومت میں اضمحلال کے آثار نمایاں ہوئے تو تیونس' مراکش' الجزائر' طرابلس وغیرہ سب ایک ایک کر کے ان کے قبضے سے نکل گئے اور جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی آزاد حکومتیں قائم ہو گئیں۔ پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں تقریباً سارا شمالی افریقہ طوائف الملوکی کی لپیٹ میں آ گیا۔ سیاسی خلفشار کے ساتھ ساتھ بے دینی اور الحاد کا سیلاب بھی امڈ آیا اور فواحش و منکرات کی آگ نے حمیتِ دینی کو یکسر خاکستر بنا ڈالا تاہم اس راکھ میں دبی ہوئی کچھ چنگاریاں پھر بھی باقی رہیں۔ یہ وہ اہلِ حق تھے جن کو اس مسموم ماحول نے متاثر نہیں کیا تھا اور وہ برابر جادۂ مستقیم پر گامزن تھے۔ وہ ملک کی سیاسی' معاشرتی اور دینی ابتری پر دل ہی دل میں کڑھتے رہتے تھے' اس کے سوا وہ اور کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تھی۔ برائی اتنی پھیل چکی تھی کہ اس کی اصلاح ان چند گنے چنے مردانِ حق کے بس سے باہر تھی۔ ان میں سے کچھ تو بددل ہو کر پڑوسی ممالک میں جا بسے تھے اور بعض اپنی جگہ رہ کر اصلاحِ احوال کی تدبیریں سوچتے رہتے تھے۔ ایسے ہی مردانِ حق میں بربریوں کے قبیلے صنہاجہ کی ایک شاخ کدالہ (یا جدالہ) کے امیر یحییٰ بن ابراہیم بھی تھے۔

امیر یحییٰ بن ابراہیم ایک دردمند اور متدیّن مسلمان تھے' اہلِ مغرب کی حالت

Marfat.com

دیکھ کر وہ دن رات ماہیِ بے آب کی طرح تڑپتے رہتے تھے۔ ۴۲۷ھ میں انہوں نے قبیلے کی امارت اپنے بیٹے ابراہیم کے سپرد کی اور خود اپنے قبیلے کے چند ممتاز لوگوں کے ساتھ حجِ بیت اللہ کے لیے حجازِ مقدس روانہ ہو گئے۔ حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد وہ بلادِ اسلامیہ کی سیاحت میں مشغول ہو گئے۔ اثنائے سیاحت (یا واپسی کے سفر کے دوران میں) وہ تیونس کے شہر قیروان پہنچے۔ وہاں ان کی ملاقات ایک نامور عالم شیخ ابوعمران موسیٰ بن ابوحجاج فاسی سے ہوئی۔ شیخ موصوف فقہ مالکی کے امامِ وقت تھے۔ قرآن، حدیث اور دوسرے علوم دینی میں درجۂ تبحّر رکھتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی وہ نہایت عابد و زاہد اور حق گو بھی تھے۔ فواحش و منکرات کی علی الاعلان نکیر کرتے تھے اور کوئی بڑی سے بڑی شخصیت انہیں حق بات کہنے سے باز نہ رکھ سکتی تھی۔ ان کی یہی حق گوئی اور بے باکی مغرب اقصیٰ کے اربابِ حکومت کے لیے ناقابلِ برداشت ثابت ہوئی تھی اور انہوں نے شیخ موصوف کو جلاوطن کر دیا تھا۔ وہ اپنے وطن سے نکل کر قیروان آ گئے تھے اور وہاں ایک عظیم الشان درس گاہ قائم کی تھی۔ یہ درس گاہ تشنگانِ علم کے لیے چشمۂ رحمت ثابت ہوئی۔ ہزاروں لوگ اس سے فیض یاب ہوئے جن میں کئی سرآمدِ روزگار علماء میں شمار ہوئے اور اپنے اپنے علاقوں میں واپس جا کر انہوں نے ہدایت و اصلاح کی شمع روشن کی۔ شیخ ابوعمران مغرب کے حالات سے پوری طرح باخبر تھے اور ان کی دلی تمنا تھی کہ اللہ تعالیٰ اصلاح کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ امیر یحییٰ بن ابراہیم سے ان کی ملاقات فی الحقیقت دو دردمند دلوں کی ملاقات تھی۔ دونوں کئی دن تک مغرب کے حالات کی اصلاح کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ بالآخر امیر یحییٰ نے شیخ ابوعمران سے درخواست کی کہ وہ ان کے ساتھ کوئی ایسا عالم دین بھیجیں جو ان کی قوم کے جاہل اور کندہ ناتراش لوگوں کو قرآن و سنّت کی تعلیم سے بہرہ ور کرے اور ہر قسم کے نامساعد حالات کا

Marfat.com

جرأت اور ہمت کے ساتھ مقابلہ کرے۔ شیخ کی اپنی درسگاہ میں اس وقت ان اوصاف کا حامل کوئی شخص نہ تھا۔ انہوں نے اپنے ایک نامور شاگرد شیخ محمد دجاج بن زلوا للمطی کو جو وادیِ نفیس میں واقع ایک رباط (خانقاہ) میں درس و تدریس اور تبلیغ و ہدایت کا کام انجام دیتے تھے' ایک خط لکھ دیا کہ وہ اپنی رباط سے مطلوبہ اوصاف کے حامل کسی شخص کو امیر یحیٰی کے ساتھ بھیج دیں' چنانچہ ۴۳۰ھ میں امیر یحیٰی شیخ دجاج کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے اپنے عظیم المرتبت استاد کا خط پڑھ کر اسے چوما اور کہا کہ میں اپنے استاد محترم کے حکم کی تعمیل بہ دل و جان کروں گا۔ انہوں نے اپنے ایک شاگرد عبداللہ بن یاسین جزولی کو اس مقصد کے لیے منتخب کیا اور انہیں اپنی پُرخلوص دعاؤں کے ساتھ امیر یحیٰی کے ساتھ مغرب روانہ کر دیا۔

ابو محمد عبداللہ بن یاسین مراکش کے صحرائے سُوس سے مُتّصِل علاقے کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کی والدہ جزولہ قبیلے سے تعلّق رکھتی تھیں جو مراکش اور صحرا کی حدود پر آباد تھا۔ اسی نسبت سے وہ بھی جزولی مشہور ہو گئے تھے۔ ان کی ابتدائی زندگی کے متعلق صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ پانچویں صدی ہجری کے آغاز میں تحصیلِ علم کے لیے اندلس گئے اور سات سال سے زیادہ عرصے تک قرطبہ میں قیام کیا۔ اس دوران میں انہوں نے وہاں کے نامور علماء سے اکتسابِ علم کیا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے وطن کو مراجعت کی اور سُوس ہی کے یگانۂ روزگار عالم شیخ محمد دجاج بن زلوا للمطی کی شاگردی اختیار کی۔ تھوڑے ہی عرصے میں انہوں نے تمام دینی علوم میں درجہ تبحُّر حاصل کر لیا اور اپنی ذہانت و فطانت اور اعلیٰ سیرت و کردار کی بدولت استاد کی آنکھوں کا تارا بن گئے۔ یہی سبب تھا کہ شیخ دجاج نے مغرب میں تبلیغ و اصلاح کے عظیم کام کے لیے انہیں منتخب کیا۔ عبداللہ بن یاسین حقیقی معنوں میں اس کام کے اہل تھے۔ وہ نہ صرف ایک جیّد عالم تھے بلکہ زہد و اتّقا میں بھی

Marfat.com

اپنی مثال آپ تھے۔ اس کے ساتھ ہی وہ جذبۂ جہاد سے بھی سرشار تھے۔ ان اوصاف کے علاوہ ان کو بربری زبان پر زبردست عبور حاصل تھا اور وہ مختلف بربری قبائل کی عادات وخصائل سے بھی خوب واقف تھے۔ انہوں نے مغرب پہنچ کر بڑی تندہی سے دعوت واصلاح کا کام شروع کر دیا۔ سب سے پہلے امیر یحییٰ نے خود ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر ان کی مستقل معیّت اختیار کر لی۔ ابنِ یاسینؒ مختلف قبائل کے پاس جاتے اور انہیں قرآن وسُنّت کی تعلیم دیتے' دین کے احکام سمجھاتے اور منکرات وبدعات کو ترک کرنے کی ہدایت کرتے۔ ان قبائل کے امراء اور عوام کے عقائد اور اعمال میں حد درجہ بگاڑ پیدا ہو چکا تھا۔ وہ اسلام کا نام تو جانتے تھے لیکن اس کی حقیقت سے بالکل نا آشنا تھے۔ ابنِ یاسینؒ نے جہاں عوام کے عقائد' اعمال اور اخلاق کی درستی کی طرف توجہ کی' وہاں انہوں نے امراء کو بھی راہِ راست پر لانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ یہ امراء اپنے محکوموں پر بے پناہ مظالم ڈھاتے تھے اور ان کے ساتھ حیوانوں کا سا سلوک کرتے تھے۔ ابنِ یاسینؒ اس تاریک ماحول میں ایک شمعِ نور کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ ان لوگوں کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ پر کاربند ہونے کی تلقین کرتے تھے۔ امراء کو خلفائے راشدینؓ کا طرز عمل اپنانے کی ہدایت کرتے اور ہر قسم کے استحصال' لوٹ کھسوٹ اور حرام خوری سے منع کرتے۔ یہ لوگ جو گلے گلے تک گمراہی کی دلدل میں دھنس چکے تھے' ابنِ یاسینؒ کی دعوت وتبلیغ سے بھڑک اٹھے اور ان کے راستے میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالنے لگے۔ ان بدبختوں نے ابنِ یاسینؒ کو جسمانی اذیتیں پہنچانے سے بھی گریز نہ کیا تاہم امیر یحییٰ کے اثر ورسوخ اور حمایت کی وجہ سے ان کی جان محفوظ رہی۔ بدقسمتی سے اسی زمانے میں امیر یحییٰ وفات پا گئے۔ ان کے انتقال کے بعد ابنِ یاسینؒ کی مخالفت بہت بڑھ گئی اور مشتعل قبائل نے ان پر جینا دوبھر کر دیا۔ ایسے

Marfat.com

حالات میں تبلیغ و اصلاح کا کام مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا' چنانچہ ابنِ یاسینؒ سنّتِ نبوی پر عمل کرتے ہوئے اس مقام سے ہجرت کر کے زیریں سینیگال کے ایک جزیرے نائیجر میں مقیم ہو گئے۔ ان کا ساتھ صرف سات آدمیوں نے دیا جو دل و جان سے ان کی دعوت قبول کر چکے تھے۔ ان میں قبیلہ لمتونہ کے ایک بااثر اور دیندار رئیس یحییٰ بن عمر بھی تھے۔ وہ آگے چل کر ابنِ یاسینؒ کے نہایت قوی دست و بازو بنے۔

ابنِ یاسینؒ نے نائیجر میں ایک رباط (خانقاہ) کی بنیاد رکھی' اسے انہوں نے اور ان کے رفقاء نے اپنا مرکز بنایا اور اس میں بیٹھ کر کامل یکسوئی کے ساتھ عبادت اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ اسی رباط کی نسبت سے ابنِ یاسینؒ کی دعوت قبول کرنے والے ''مرابطین'' کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ اس رباط نے شمالی افریقہ میں کیا کارنامہ سرانجام دیا' اس کی تصویر ایک عرب ادیب سعید اعراب نے ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

''ابنِ یاسینؒ کی یہ رباط گویا ایک منارۂ نور تھی جس کی ضیا پاشی نے حدِ نظر تک پھیلے ہوئے ظلمت بدوش صحرا کو منور کر دیا۔ خانقاہ کے مکینوں کے علم و فضل' اخلاص فِی الدّین اور زہد و ورع کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی اور لوگ جوق در جوق آ کر ابنِ یاسینؒ کی جماعت میں شامل ہونے لگے۔ اس کے علاوہ ابنِ یاسینؒ نے مختلف قبیلوں میں اپنے تبلیغی وفود بھیجے جو وہاں جا کر ہمہ تن درس و تدریس' اصلاح و ارشاد اور دعوت اِلیٰ اللہ میں مشغول ہو گئے۔ اس طرح ابنِ یاسین کی جماعت روز بروز بڑھتی ہی گئی۔ یہاں تک کہ اس کی تعداد ایک ہزار سے اوپر پہنچ گئی۔ جب ان کی حیثیت مضبوط ہو گئی تو انہوں نے ارادہ کر لیا کہ اب برائی کے خلاف جہاد بالسّیف بھی کریں گے' لیکن اس کے لیے بڑی تیاری' اتحاد و تنظیم اور سخت مشق کی ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ ارکانِ جماعت کے لیے لازم تھا کہ وہ قوّتِ ایمانی' خلوص' سخت کوشی اور زُہد و تقویٰ جیسے

Marfat.com

اوصاف کے حامل ہوں۔ یہ سب باتیں ابنِ یاسین کے پیشِ نظر تھیں۔ چنانچہ وہ اس وقت تک کسی شخص کو جماعت مرابطین میں شامل نہ کرتے جب تک وہ اسلام سے قولاً وفعلاً کامل وفاداری کا عہد نہ کرتا' اپنا تزکیۂ نفس نہ کر لیتا اور اپنی گزشتہ زندگی کی لغزشوں کا محاسبہ نہ کر لیتا۔ جماعتِ مرابطین میں شامل ہونے کے ہر خواہشمند سے ان کا پہلا مطالبہ یہ ہوتا کہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرے اور سابقہ زندگی کے گناہوں کے لیے اپنے اوپر حد جاری کرائے۔ اگر وہ یہ مطالبہ مان لیتا تو پھر اس پر حد قائم کی جاتی۔ اس میں خاص اور عام یا امیر اور غریب میں مطلق کوئی امتیاز نہ روا رکھا جاتا جو شخص برضاؤ رغبت اس حد کو اپنے اوپر جاری کروالیتا اسے ابنِ یاسینؒ اپنی دعوت وتحریک کی مشقتیں برداشت کرنے کا اہل قرار دیتے اور اس کی تعلیم وتربیت کا ذمہ لیتے۔ وہ اسے قرآن وحدیث پڑھاتے اور احکام دین کی تعلیم دیتے۔ اس کی کڑی نگرانی کی جاتی اور اسے لہو ولعب کا کوئی موقع نہ دیا جاتا۔ مرابطین کو نماز باجماعت پڑھنے پر مجبور کیا جاتا۔ جو جماعت ترک کرنے کا مرتکب ہوتا' اسے پانچ کوڑے مارے جاتے۔ ہر نماز باجماعت کے ساتھ ایک اور نماز ادا کی جاتی جو پہلی فوت شدہ نمازوں کی قضا کے طور پر محسوب ہوتی۔ جو مسجد میں شور کرتا' اسے اس کی سزا ملتی۔ اسی طرح اور بھی سزائیں مقرر تھیں جو زیادہ تر احکام فقہ کے مطابق تھیں۔ یہ سب اس لیے تھا کہ ابنِ یاسینؒ اپنی جاہل قوم کو تہذیب سکھانا چاہتے تھے اور اسے انتشار اور اخلاقی آوارگی سے بچا کر اسلام کا سچا پیرو بنانا چاہتے تھے۔''

مختلف مؤرخین نے ابنِ یاسینؒ کی خانقاہ کے جو حالات وکوائف بیان کیے ہیں' ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس خانقاہ کے قیام سے ان کا مقصد تارک الدنیا راہبوں کی کوئی جماعت تیار کرنا نہ تھا بلکہ فی الحقیقت وہ اپنے رفقاء کو اصحابِ صفہؓ کے طریق پر گامزن کر کے ایک عظیم مقصد یعنی جہاد فی سبیل اللہ کے لیے تیار کر رہے تھے۔ صحرائی

Marfat.com

قبائل میں ایک تو وہ قبائل تھے جو اگرچہ مسلمان کہلاتے تھے لیکن ان کے عقاید اور اعمال مشرکین اور کُفّار سے بھی بدتر تھے۔ دوسرے قبائل کُھلّم کُھلّا بُت پرست اور کافر تھے۔ ان قبائل کے درمیان اپنے طویل قیام کے دوران میں ابنِ یاسینؒ بخوبی سمجھ گئے تھے کہ ؎

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

سالہا سال کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں صرف گنتی کے چند افراد کے ہدایت قبول کرنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ بدمزاج اور مغرور قبائل صرف قُوّت کی زبان ہی سمجھ سکتے ہیں چنانچہ نائیجر کی خانقاہ ابن یاسینؒ نے اسی قُوّت کی فراہمی کے لیے قائم کی تھی جب انہیں یہ قُوّت میسر آ گئی تو وہ

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبّیری

پر عمل پیرا ہو گئے۔ انہوں نے اپنے ایک ہزار تربیت یافتہ مجاہدین کو جمع کیا اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''تمہاری تعداد اب کافی ہو گئی ہے تم اللہ کا شکر بجا لاؤ کہ اس نے تمہاری اصلاح کی اور تمہیں راہ ہدایت پر چلنے کی توفیق دی اگر تم نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھا تو تمہیں کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جانوں کی بازی لگا کر جہاد کا آغاز کیا جائے۔ کیا تم اس کے لیے تیار ہو؟''

سب مرابطین نے بیک آواز کہا ''ہم حاضر ہیں...... ہم حاضر ہیں۔ اگر اللہ کی راہ میں ہمیں اپنے اعزّہ و اقارب کے خلاف بھی تلوار اٹھانا پڑی تو ہم اس سے ہرگز دریغ نہیں کریں گے۔''

یہ جواب سن کر ابنِ یاسینؒ بشاش ہو گئے۔ انہوں نے بصد تضرّع مجاہدین کی فتح و نصرت کے لیے دعا کی اور پھر ان کو ساتھ لے کر سب سے پہلے قبیلہ جدالہ میں

Marfat.com

پہنچے۔ یہ ایک بڑا قبیلہ تھا اور اہلِ قبیلہ کو اپنی کثرتِ تعداد پر بڑا ناز تھا۔ ابنِ یاسینؒ نے بڑی دلسوزی اور دردمندی کے ساتھ ان لوگوں کو راہِ ہدایت پر چلنے کی تلقین کی لیکن انہوں نے بڑی حقارت کے ساتھ ان کی دعوت کو رَدّ کر دیا۔ اب ان کے خلاف لڑنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ مرابطی سرفروشوں نے ایک ہی ہلّے میں ان کے سارے کَس بل نکال دیے اور انہیں اطاعت قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ جدالہ کے بعد لمتونہ کی باری آئی۔ یہ ایک طاقتور اور جنگجو قبیلہ تھا۔ اس کے دو سردار یحیٰی بن عمر اور ابوبکر بن عمر اگرچہ شروع سے ابنِ یاسینؒ کے ساتھ تھے لیکن لمتونیوں نے بھی مسلّح مزاحمت کا راستہ اختیار کیا۔ پُرجوش مرابطیوں نے ان کو بھی جلد ہی گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد سے وہ سچے دل سے ابنِ یاسینؒ کی تحریکِ اصلاح و جہاد میں شامل ہو گئے اور اس کے بازوئے شمشیر زن ثابت ہوئے۔

علّامہ ابنِ خلّکان کا بیان ہے کہ لمتونی اپنے چہرے پر ڈھاٹے باندھا کرتے تھے' اس لیے ان کو ملثمین (نقاب پوش) کہا جاتا تھا چونکہ بعد میں مرابطین کی عنانِ قیادت لمتونیوں کے ہاتھ میں آ گئی اس لیے مرابطین کو ملثمین بھی کہنے لگے۔

مشہور مستشرق پروفیسر فلپ کے حتی نے اپنی کتاب ''ہسٹری آف عربز'' میں مرابطین یا ملثمین کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے:

''دراصل مرابطین کسی جماعت ایک مذہبی اور سیاسی برادری تھی جس کو گیارہویں صدی (عیسوی) کے وسط میں ایک پاکباز شخص (ابنِ یاسینؒ) نے قائم کیا تھا۔ رباط کی مناسبت سے یہ مرابطین کہلاتے تھے۔ رباط ایک قلعہ بند خانقاہ تھی جو زیریں سینیگال کے قریب ایک جزیرے میں واقع تھی۔ پہلے مریدین یا اخوان زیادہ تر قبیلہ لمساء سے تعلق رکھتے تھے جو قبیلہ صنہاجہ کی ایک شاخ تھا اور جس کے افراد صحرا کے بنجر علاقوں میں خانہ بدوشی کی زندگی گزارتے تھے اور جیسا کہ ان کے اخلاف

Marfat.com

جنوبی صحرا کے طوارق آج تک اس پر عامل ہیں' وہ آنکھوں کے نیچے کے حصے کو نقاب سے ڈھانکتے تھے۔ ان کے مَردوں میں یہ عجیب رسم دوسرے نام یعنی ملثمین (نقاب پوش) کا باعث بنی۔ ایک ہزار مجاہد درویشوں سے شروع ہو کر ان اخوان نے چند ہی برسوں میں دوسرے صحرائی قبائل میں بھی اسلام پھیلایا اور شمال مغربی افریقہ اور سپین کے حکمران بن گئے۔ ان کے واقعات تاریخِ اسلام میں ایک اور مثال اس امر کی پیش کرتے ہیں کہ جب مذہبی دعوت کے ساتھ فوجی قوت بھی شریک ہو جائے' تو اس کے کیا ثمرات ہوتے ہیں۔''

جدالہ اور لمتونہ کے بعد دوسرے قبائل بھی ایک ایک کر کے ابنِ یاسینؒ کے حلقہ اطاعت میں آ گئے۔ اس طرح ابنِ یاسینؒ کے پاس ہزاروں سرفروشوں پر مشتمل ایک جرّار لشکر جمع ہو گیا۔ یہ لوگ بڑے پکّے اور مخلص مسلمان تھے اور قرنِ اوّل کے مجاہدینِ اسلام کی طرح ان کے سینوں میں بھی اسلام کی خاطر کٹ مرنے کا جذبہ موجزن تھا۔ ابنِ یاسینؒ کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں ان لوگوں میں ایسی باہمی اخوت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے۔ خود ابنِ یاسینؒ ایک درویش صفت انسان تھے۔ ان کے استغنا' سادگی' زہد و اِتقا اور ایثار و خلوص کو دیکھ کر صحابہ کرامؓ کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ انہوں نے یحییٰ بن عمر لمتونی کو مرابطین کا امیر مقرر کیا تھا اور خود ایک عام سپاہی کی طرح جہاد میں حصہ لیتے تھے' لیکن مرابطین کا بچہ بچہ ان کی جلالتِ قدر کا معترف اور مدّاح تھا اور ان کے ایک اشارے پر جان قربان کرنا اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھتا تھا۔ فی الحقیقت وہ مرابطین کے دلوں پر حکومت کرتے تھے اور امیر المرابطین یحییٰ بن عمران کی اجازت اور مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے۔

۴۴۷ھ/۱۰۵۴ء میں سلجماسہ اور درعہ کے فقہاء نے ابنِ یاسینؒ اور یحییٰ بن عمر کے پاس پیام بھیجا کہ یہاں کے امراء سخت فاسق اور بدعتی ہو گئے ہیں اور مخلوقِ خدا

Marfat.com

ان کے ظلم و ستم سے عاجز آ گئی ہے۔ خدا کے لیے آپ ہمیں ان سے نجات دلائیں۔ یحییٰ اور ابن یاسینؒ نے ان کی دعوت بلا تامّل قبول کر لی اور ایک لشکرِ گراں لے کر سلجماسہ پر یلغار کر دی۔ سلجماسہ کے حکمران مسعود بن دانو دن المغردی نے مجاہدین کی زبردست مزاحمت کی لیکن جذبۂ جہاد سے سرشار مجاہدین نے اس کی فوج کے پرخچے اڑا کر رکھ دیے اور وہ خود بھی لڑتے ہوئے مارا گیا۔ اس طرح وادی الدرعہ اور سلجماسہ پر مرابطین کا قبضہ ہو گیا۔ ابنِ یاسینؒ نے چند دن وہاں قیام کیا اور اس عرصے میں وہاں احکامِ شرع کو مکمل طور پر نافذ کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے وطن کو معاودت کی۔

۴۴۸ھ/۱۰۵۵ء میں امیر یحییٰ بن عمر نے وفات پائی تو ابنِ یاسینؒ نے ان کی جگہ ان کے بھائی ابوبکر بن عمر کو مرابطین کا حکمران اور سپہ سالار مقرر کیا۔ وہ ایک پُرجوش مجاہد اور نہایت پرہیزگار آدمی تھا۔ اس نے بیک وقت شمال اور جنوب دونوں طرف اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور اپنی فتوحات کے سلسلے کو وسیع سے وسیع تر کرتا چلا گیا۔ اسی سال خبر ملی کہ گھانا میں بت پرستوں نے سخت طوفان بدتمیزی برپا کر رکھا ہے اور شمالی گھانا کا وہ علاقہ جس پر کچھ عرصہ پہلے مسلمان قابض ہو گئے تھے' اس پر پھر بت پرستوں کا استیلا ہو گیا ہے۔ ابوبکر بن عمر طوفانِ برق و باد کی طرح گھانا کی طرف بڑھا اور کئی زوردار معرکوں کے بعد بت پرستوں کا سر کچل کر گھانا پر پرچمِ اسلام بلند کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے خطّۂ سُوس' تارودنت' اغمات وغیرہ بھی یکے بعد دیگرے فتح کر لیے۔ یہ ساری فتوحات ابنِ یاسینؒ کی رہنمائی میں ہوئیں۔ تسخیر و توسیع کا یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ جو قبیلے ان کی اطاعت میں آتے' وہ ان سے کتاب و سنّت کی فرمانبرداری کا حلف لیتے۔ اس طرح وہ قبائلِ ملثمین کی ایک ایسی وحدت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کی اساس احیائے دین اور سربلندیِ

Marfat.com

اسلام تھی۔ اب وہ صرف صحرا میں نہیں بلکہ پورے مغرب میں ایک مُؤثّر قوّت کی حیثیت رکھتے تھے۔ مراکشی مورخ سعید اعراب لکھتے ہیں:

''مرابطین ابنِ یاسینؒ کا بڑا احترام کرتے تھے اور انہیں ولی کا درجہ دیتے تھے۔ وہ ان کے فتاویٰ کو حفظ کرتے اور ان پر عمل کرتے۔ ابنِ یاسینؒ نے ان تمام ظالمانہ محصولوں کو منسوخ کر دیا جن کے ذریعے حاکم اور والی عوام کا خون چوستے تھے۔ انہوں نے صرف قرآن وسُنّت کے تجویز کردہ زکوٰۃ اور عشر کے محصول عائد کیے۔ انہوں نے بیت المال بھی قائم کیا جس کی آمد وخرچ کا باقاعدہ حساب رکھا جاتا تھا۔ بیت المال سے علماء قاضیوں اور محتاجوں کی مدد بھی کی جاتی تھی۔ دعوت واصلاح کے ابتدائی دَور کے بعد ابنِ یاسینؒ نے مختلف قبائل کے مجاہدین کو ایک باقاعدہ فوج کی صورت میں منظم کر دیا تھا اور اسے ہدایت دے رکھی تھی کہ جس علاقے پر قبضہ کرے' وہاں نہایت سختی کے ساتھ احکامِ شریعت نافذ کرے۔ خود ابنِ یاسینؒ ایک نہایت جری اور نڈر مجاہد تھے۔ ان کا معمول تھا کہ جب ان کا لشکر میدانِ جنگ میں اترتا تو وہ آگے آگے ہوتے اور ان کے پیچھے سپہ سالار اور دوسرے امیر ہوتے۔ اس طرح ہر معرکے کی قیادت وہ بہ نفسِ نفیس کرتے' اپنے لشکر کو دادِ شجاعت دیتے' اس کا حوصلہ بلند کرتے اور لڑائی کے لیے ابھارتے تھے۔''

۴۵۱ھ/۱۰۵۹ء میں ابنِ یاسینؒ نے برغواطہ کی طرف توجہ کی جہاں ایک جھوٹے مدّعیِ نبوّت صالح بن طریف کے پیروؤں نے بڑا زور پکڑ لیا تھا اور اپنے مقبوضات بحرِ اوقیانوس کے ساحلی علاقوں میں دور دور تک وسیع کر لیے تھے۔ صالح بن طریف ایک یہودی الاصل شخص تھا۔ وہ پہلی صدی ہجری کے اواخر میں اندلس میں پیدا ہوا۔ عہدِ شباب میں مشرق کا رخ کیا اور عبید اللہ معتزلی کے سامنے زانوئے تلمّذ تہہ کیا۔ پھر جادو اور شعبدہ بازی میں دستگاہ حاصل کی۔ وہاں سے نہایت عسرت اور ناداری کے

Marfat.com

عَالَم میں تامستا پہنچا جو مغربِ اقصیٰ میں سمندر کے کنارے واقع ہے۔ وہاں کے جنگجو بربری باشندے سخت جاہل اور سادہ لوح تھے۔ صالح ایک مکّار شخص تھا وہ ان لوگوں میں گھُل مل گیا اور ان کی زبان پر عبور حاصل کر کے اپنی شعبدہ بازیوں سے ان کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ ۱۲۵ھ میں اس بدبخت نے نبوّت کا دعویٰ کیا اور اپنا ایک من گھڑت قرآن لوگوں کے سامنے پیش کیا جس میں اسّی سورتیں تھیں۔ ان میں سے بعض کے نام یہ تھے: سورۂ غرائب الدنیا، سورۂ نحل، سورۂ ہاروت و ماروت، سورۂ ابلیس، سورۂ فرعون، سورۂ دیک، سورۃ الاسباط، سورۂ آدم...... ان نام نہاد سورتوں کی زبان نہایت بے ڈھنگی اور مضحکہ خیز تھی۔ وہ اپنے آپ کو مہدیِ اکبر بھی کہتا تھا اور ''وار با'' بھی جس کے معنی بربری زبان میں ''خاتم النبیین'' کے ہیں۔ اس نے اپنا لقب صالح المومنین قرار دیا تھا اور ایک عجیب و غریب شریعت وضع کر کے اپنے پیرووں میں نافذ کر دی تھی۔ اس شریعت کی رُو سے چچا کی بیٹی کے سوا ہر عورت سے نکاح جائز تھا اور بیویوں کی تعداد پر کوئی قید نہ تھی۔ نماز اشاروں سے پڑھی جاتی تھی۔ البتہ آخری رکعت کے اخیر میں پانچ سجدے کیے جاتے تھے۔ غسلِ جنابت صرف زنا کے بعد ضروری تھا۔ مرغ کا گوشت حرام تھا اور چوری کی سزا موت تھی۔ ۲۱ محرّم کو ہر شخص پر قربانی واجب تھی۔ غرض اسی قسم کی بے شمار خرافات کا نام اس نے شریعت رکھ دیا تھا۔ اس شخص نے چند سال کے اندر اندر زبردست طاقت حاصل کر لی اور بربریوں کا دینی و دنیاوی فرمانروا بن گیا۔ ۱۷۴ھ میں وہ اپنے بیٹے الیاس کو اپنا جانشین بنا کر گوشہ نشین ہو گیا اور کچھ عرصے بعد مر گیا۔ الیاس نے ۲۲۴ھ تک حکومت کی اس کے بعد یونس، ابوغفیر محمد بن معاذ ملک، ابوالانصار عبداللہ، ابومنصور عیسیٰ اور ابوحفص عبداللہ یکے بعد دیگرے برغواطہ کے حکمران بنے۔ ابوحفص عبداللہ کے عہد میں برغواطہ کے شجرِ اقبال کو گھن لگ گیا اور تامستا پر مسلمانوں نے لگاتار حملے شروع کر دیے۔ اس طرح

Marfat.com

برغواطی حکمرانوں کے قصرِ اقتدار میں دراڑیں پڑ گئیں' لیکن وہ پوری طرح ختم نہ ہوئے۔ جونہی مجاہدینِ اسلام واپس جاتے' وہ پھر پر پرزے نکال لیتے تھے۔ ۴۵۱ھ/ ۱۰۵۹ء میں ابنِ یاسینؒ نے پہلی بار ان کا مکمل استیصال کرنے کی ٹھانی اور اسی مقصد کے لیے برغواطہ پر چڑھائی کی۔

برغواطہ پر حملے سے ابنِ یاسینؒ کا مقصد کوئی علاقہ فتح کرنا نہیں تھا' بلکہ وہ صالح بن طریف کے مذہب پر کاربند گمراہ اور سرکش بربریوں کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے۔ یہ لوگ نہ صرف زبان سے اپنے فاسد عقاید کی تبلیغ کرتے تھے بلکہ صحیح العقیدہ مسلمانوں کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ ابنِ یاسینؒ نے برغواطہ پر حملہ کیا' تو ان کے لشکر کی قیادت ابوبکر بن عمر اور ابوبکر کے چچازاد بھائی یوسف بن تاشفین کے ہاتھ میں تھی تاہم ابنِ یاسینؒ معمول کے مطابق ان کی رہنمائی کر رہے تھے۔ برغواطی بربروں نے مرابطی مجاہدین کا جم کر مقابلہ کیا اور قدم قدم پر اپنی لاشیں بچھا کر اہلِ حق کے کاروان کو روکنے کی کوشش کی۔ ۲۴ جمادی الاولیٰ ۴۵۱ھ/ ۱۰۵۹ء کو کریفلہ (یازعیر) کے مقام پر اسی سلسلے کے ایک خونریز معرکے میں ابنِ یاسینؒ مردانہ وار لڑتے ہوئے رتبۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔ ان کا خونِ شہادت رائیگاں نہیں گیا' امیر المرابطین ابوبکر بن عمر نے ان کے چھوڑے ہوئے کام کو برابر جاری رکھا اور چند ماہ کے اندر برغواطہ کے بدمذہب بربریوں کو خاکِ نامرادی چاٹنے پر مجبور کر دیا۔ مشہور مسلمان فاتح یوسف بن تاشفین مرابطی اسی ابوبکر بن عمر کا جانشین تھا۔ اس کے عہد میں تحریکِ مرابطین جس کی بنیاد ابنِ یاسینؒ جیسے مردِ درویش نے رکھی تھی' عروج و اقبال کی انتہائی منزل تک پہنچ گئی۔ اس نے نہ صرف مغربِ وسطیٰ و اقصیٰ کے وسیع علاقوں پر مرابطین کا اقتدار قائم کر دیا بلکہ معرکۂ زلّاقہ میں عیسائیوں کی زبردست قوت کو پاش پاش کر کے اندلس پر بھی قبضہ کر لیا۔ یہ ابنِ یاسینؒ ہی کے فیض

Marfat.com

صحبت کا نتیجہ تھا کہ یوسف بن تاشفین ایک بیدار مغز اور قابل حکمران ہونے کے ساتھ نہایت خدا ترس' سادہ مزاج' پابندِ شرع' مُتقی' عادل اور کشادہ دست مسلمان تھا۔ اس کی سلطنت کا رقبہ بنو اُمیہ اور بنو عباس کی مشترکہ سلطنتوں کے برابر تھا۔ ہر جمعہ کو تین لاکھ مسجدوں میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا اور تیرہ بادشاہ اس کی اطاعت کا دم بھرتے تھے۔ امام یافعیؒ نے اس کی نسبت لکھا ہے کان اکبر ملوك الدنيا في عصره وہ دنیا کے بادشاہوں میں اپنے عہد کا سب سے بڑا بادشاہ تھا۔

عبداللہ بن یاسینؒ جن کی سادہ سی قبر آج بھی زعیر کے مقام پر موجود ہے' بلاشبہ ان مصلحینِ اُمت میں سے ہیں جنہوں نے اپنے علم وعمل' اصلاح وارشاد اور زہد وتقویٰ کی بدولت لاکھوں بندگانِ خدا کو صراطِ مستقیم پر گامزن کر دیا اور ایک ایسی اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی جس کا مقصودِ حقیقی' اسلام کی سربلندی' کتاب وسُنت پر عمل' معاشرے کی اصلاح' مفاسد کا خاتمہ' نیکیوں کی ترویج اور علوم و معارف کی نشر و اشاعت تھا۔ وہ اگر اپنے دَور کے مُجددّ نہیں تو کم از کم تاریخِ اسلام کی ایک مہتم بالشان شخصیت ضرور ہیں' ایسی شخصیت کہ جس پر ملت اسلامیہ بجا طور پر ناز کر سکتی ہے......

ابنِ یاسینؒ کی برپا کی ہوئی دعوت اِلیٰ اللہ (اسلام کی طرف لوٹو) اور تحریکِ پاکستان میں ایک گونہ مماثلت نظر آتی ہے۔ سلطنتِ مرابطین کی تاسیس میں جو جذبہ کارفرما تھا' بعینہٖ وہی جذبہ مملکتِ خداداد پاکستان کی اساس تھا۔ لیکن جہاں مرابطین نے اپنے اخلاصِ عمل کی بدولت ہفت افلاک کی رفعتوں کو چھولیا' وہاں پاکستان کے فرزندانِ اسلام' نظریۂ پاکستان کو فراموش کر کے جس المناک صورتِ حال سے دوچار ہوئے' وہ عبرت کا مقام ہے۔ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَار

اب بھی وقت ہے کہ ہم برائے نام نہیں' بلکہ حقیقی اسلام کی طرف لوٹیں اور اپنی زندگیوں کو کتاب وسُنت کے سانچے میں ڈھالیں' ورنہ (خاکم بدہن)

''ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں''

Marfat.com

شیخ العصر علّامہ ابو اسحاق شیرازیؒ

ابو اسحٰق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی الملقّب بہ جمال الدین ۳۹۳ھ میں فیروز آباد (صوبہ فارس کے ایک قصبہ) میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں شیراز چلے گئے جو اس وقت ایک عظیم الشّان علمی مرکز تھا۔ شیخ نے شیراز کے تمام نامور علماء سے علم حاصل کیا۔ ان کے اساتذہ میں ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بیضاوی اور ابو احمد عبدالوہاب جیسے یگانۂ روزگار علماء بھی شامل تھے۔ شیراز سے فارغ التحصیل ہو کر بصرے گئے اور وہاں کے مشاہیر علماء سے کسبِ فیض کیا' وہاں سے بغداد گئے اور علامۂ زمان قاضی ابو طیّب طبری سے تمام علوم کی تکمیل کی۔ جلد ہی ان کے فضل و کمال کی شہرت ہر طرف پھیل گئی اور وہ تمام عالَم اسلام میں شیخ الشیوخ اور استادِ کُل کی حیثیت سے تسلیم کیے گئے۔ فقۂ شافعی' حدیث اور علمِ کلام میں ان کو جو بصیرت حاصل تھی اس کی بنا پر علمائے عصر انہیں اپنا امام کہتے تھے۔ بے حد عبادت گزار' نیک طینت اور مُتّقی تھے' کثرتِ ذکر اور زہد و وَرَع کی وجہ سے طبقۂ صوفیہ میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔

علامہ ابنِ خَلِکّانؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

وَكَانَ فِيْ غَايَةٍ مِنَ الْوَرَعِ وَالتَّشَدُّدِ فِي الدِّيْنِ

(یعنی وہ غایت درجہ کے پرہیزگار اور دین کے معاملہ میں بہت سخت تھے۔)

Marfat.com

علاّمہ ابو اسحٰق کے علمی مرتبہ کا اندازہ صرف اسی بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ۴۵۹ھ/ ۱۰۶۷ء میں جب بغداد کے مشہورِ عالم مدرسۂ نظامیہ کا آغاز ہوا تو اس کے اوّلین استاد یا شیخ الجامعہ (پرنسپل) کی حیثیت سے علامہ ابو اسحٰقؒ ہی کو منتخب کیا گیا۔ یہ کوئی معمولی منصب نہیں تھا۔ علامہ شبلیؒ نے ''الغزالی'' میں لکھا ہے کہ ''مدرسۂ نظامیہ کی مُدرّسی کا منصب ایسا عظیم الشان رتبہ تھا کہ بڑے بڑے اہلِ کمال نے اس کی آرزو میں عمریں صَرف کر دیں اور یہ حسرت دل کی دل ہی میں لے گئے۔''
فخر الاسلام شاشی (محمد بن احمد) جو بہت بڑے پایہ کے فاضل تھے جب ۵۰۵ھ میں نظامیہ کے مدرس مقرر ہوئے اور مَسنَدِ درس پر جا کر بیٹھے تو بے اختیار ان پر رِقّت طاری ہوئی بار بار یہ شعر پڑھتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔

خلت الدیار فسدت غیر مسود　　ومن الشقاء تفردی باالسودد

(ملک بڑوں سے خالی ہو گیا تو میں ہی سردار بنا　　اور میرا سردار بننا درحقیقت ملک کی بدنصیبی ہے)

علاّمہ نے مدرسۂ نظامیہ میں درس و تدریس کی ہامی تو بھر لی لیکن تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جب مدرسہ کی رسم افتتاح ادا کرنے کے لیے جا رہے تھے تو راستے میں ایک لڑکے نے کہہ دیا کہ ''اے شیخ کیا آپ اس مدرسہ میں درس دیں گے جو غصب کی ہوئی زمین پر تعمیر ہوا'' بس اتنا سنتے ہی کہیں روپوش ہو گئے۔ ادھر رسم افتتاح دیکھنے کے لیے سارا بغداد اُمڈ آیا تھا اور لوگ بڑی بے تابی سے علاّمہ کی تشریف آوری کا انتظار کر رہے تھے۔ جب انتظار کرتے کرتے دوپہر کا وقت ہو گیا اور علامہ نہ آئے تو مجبور ہو کر انہیں امام ابو نصر بن صباغ سے درخواست کی کہ وہ مَسنَدِ درس پر رونق افروز ہوں اور پہلا درس دے کر مدرسہ کا افتتاح فرمائیں۔[1] امام ابو نصرؒ نے لوگوں کی

---

[1] امام ابونصر عبدالسید بن محمد المعروف بہ ابن صباغ مشہور فقیہ و محدث تھے اور علاّمہ ابو اسحٰق کے ہمعصر تھے۔ رسم افتتاح دیکھنے کے لیے وہ بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ یہ محض اتفاق تھا کہ یہ رسم انہیں خود ادا کرنی پڑی۔

Marfat.com

خواہش پوری کردی اور پھر بیس دن تک مدرسہ میں مسلسل درس دیتے رہے۔ اس اثنا میں ابومنصور بن یوسف اور عمید ابوسعد نے جو اعیانِ بغداد میں سے تھے تحقیقات کر کے علامہ ابواسحٰق کو یقین دلا دیا کہ مدرسہ مغصوبہ اراضی پر تعمیر نہیں ہوا۔ چنانچہ وہ بیس دن کے بعد مدرسہ تشریف لے گئے اور امام ابونصر کی جگہ درس و تدریس کا کام سنبھال لیا۔

علامہ ابواسحٰقؒ کو خواص اور عوام سبھی بے حد محترم جانتے تھے۔ ۴۶۷ھ/۱۰۷۴ء میں خلیفہ قائم بامراللہ نے وفات پائی تو اس کی جانشینی کا جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا۔ علامہ نے المقتدی بامراللہ کے حق میں رائے دی۔ سب نے ان کی رائے کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور المقتدی مسندِ خلافت پر بیٹھ گیا۔ وہ علامہ کا اس قدر احترام کرتا تھا کہ ۴۷۵ھ/۱۰۸۲ء میں جب اسے سلطان ملک شاہ کے پاس سفارت بھیجنے کی ضرورت پیش آئی تو اس مہتم بالشان خدمت کے لیے اس کی نظر علامہ ابواسحٰق ہی پر پڑی۔ مؤرخین نے اس سفارت کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے[1]۔ علامہ کے ہمراہ اس سفارت میں امام ابوبکر شاشیؒ اور کئی دوسرے نامور علماء بھی تھے۔ جب علامہ بغداد سے روانہ ہوئے تو سارے عالمِ اسلام میں غلغلہ پڑ گیا جس جس شہر سے وہ گزرتے تھے شہر کا شہر ان کے استقبال کے لیے امنڈ پڑتا تھا۔ ہر ہر پیشہ والے اپنے اپنے پیشوں کی مناسبت سے علامہ کی سواری پر چیزیں نچھاور کرتے تھے۔ صراف اگر روپے اور اشرفیاں ان کے قدموں پر نثار کرتے تھے تو نانبائی اور حلوائی روٹیاں اور مٹھائیاں لٹا رہے تھے۔ حد یہ کہ کفش دوز سینکڑوں جوتیاں بچوں کے پاؤں کی بنا کر ساتھ لاتے تھے اور علامہ کے قدموں پر نثار کر دیتے تھے۔ کثرتِ ازدحام کا یہ عالم تھا کہ تل رکھنے کو جگہ نہ ملتی تھی۔ لوگ علامہ کی رکاب کو چھوتے تھے اور ان کے گھوڑے

---

[1] ابنِ اثیر کا بیان ہے کہ سلطان ملک شاہ اس زمانے میں نیشاپور میں مقیم تھا اور یہ سفارت نیشاپور گئی تھی لیکن ابنِ خلدون کی روایت کے مطابق یہ سفارت اصفہان گئی۔

Marfat.com

کے قدم کی مٹی تبرکاً اٹھا لیتے تھے غرض ہر جگہ ایک جشن کا سماں تھا اور لوگ جوشِ مسرت میں دیوانے ہو گئے تھے۔ علامہ اس جوش مسرت کو تعجب کی نگاہوں سے دیکھتے جاتے تھے اور دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کی تحمید و تمجید کر رہے تھے۔ جب یہ سفارت نیشاپور (یا اصفہان) پہنچی تو سارا شہر خیر مقدم کے لیے باہر آ گیا۔ خود امام الحرمین جوینیؒ علّامہ کا غاشیہ اپنے کندھوں پر رکھ کر ان کی رکاب میں چلے۔

سلطان ملک شاہ نے خاص دربار منعقد کر کے علّامہ کو بلا بھیجا۔ جب وہ دربار میں تشریف لائے تو ملک شاہ نے ان کی بے حد تعظیم و تکریم کی۔ علّامہ جس مقصد کے لیے سفیر ہو کر آئے تھے انہوں نے اسے نہایت احسن طریقے سے سلطان کے سامنے پیش کیا اور سلطان نے ان کی تمام باتیں خوشدلی سے مان لیں۔ خواجہ نظام الملک نے سلطان سے بھی بڑھ کر علّامہ کی تعظیم و تکریم کی۔ جب تک علّامہ کا وہاں قیام رہا وہ اکثر خواجہ کے ہاں تشریف لے جاتے تھے۔ خواجہ اپنی مسند سے اٹھ کر استقبال کرتا تھا اور اہم معاملات میں ان سے مشورہ کرتا تھا۔ خواجہ کے دربار میں دوسرے علماء سے بھی علمی گفتگو اور مناظرے ہوتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد جب انہوں نے بغداد واپس جانے کی تیاری کی تو سلطان اور اعیانِ سلطنت نے انہیں نہایت احترام سے رخصت کیا۔

علّامہ بڑے عالی ظرف اور بلند حوصلہ آدمی تھے۔ امام وقت تھے لیکن دینی معاملات میں کبھی بیجا ضد نہیں کرتے تھے۔ اگر کسی مسئلہ میں اپنی غلطی واضح ہو جاتی تو اس کو فوراً تسلیم کر لیتے تھے۔ ایک دفعہ کسی استفتا کے جواب میں کوئی غلط بات لکھ گئے۔ امام ابنِ صباغؒ نے ان کا فتویٰ دیکھا تو فوراً غلطی کی نشاندہی کی اور اسے نظرِ ثانی کے لیے علّامہ کے پاس واپس بھیج دیا۔ علّامہ نے غور کیا تو ابنِ صباغؒ کی رائے درست معلوم ہوئی۔ اپنے قلم سے فتوے کی تصحیح کی اور اس کے نیچے یہ عبارت

Marfat.com

بھی لکھ دی:

اَلْحَقُّ مَا قَالَهُ الشَّيْخ بن صَبّاغ وَ اَبُو اِسْحٰق مُخْطِیٌّ

یعنی ابنِ صباغ نے درست کہا ہے اور ابو اسحٰق غلطی پر ہے۔

حق گوئی میں بھی نہایت جری اور بے باک تھے۔ بیجا خوشامد سے نفرت تھی۔ خواجہ نظام الملک نے ایک دفعہ ایک محضر تیار کیا جس میں لکھا تھا کہ نظام الملک نے کبھی کوئی ظلم اور زیادتی نہیں کی ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ علماء امراء اور عوام ہر طبقے کے زیادہ سے زیادہ لوگوں سے اس محضر پر دستخط کرا لے تا کہ آخرت میں یہ اس کے کام آئے۔ بہت سے علماء اور دوسرے لوگوں نے اس پر اپنے تصدیقی دستخط کر دیے لیکن جب یہ محضر علامہ ابو اسحٰقؒ کے پاس پہنچا تو انہوں نے بِلا جھجک اس پر یہ الفاظ لکھ دیے:

خَيْرُ الظَّلَمَةِ حَسَنٌ

یعنی سب ظالموں میں حسن (خواجہ نظام الملک کا اصلی نام) اچھا ہے۔

جب خواجہ نے علامہ کی تحریر دیکھی تو بے اختیار رونے لگا اور کہا کہ واللہ ابو اسحٰقؒ سے بڑھ کر کسی عالم نے سچ نہیں لکھا۔

علامہ ابو اسحٰق پہلی بار ۴۵۹ھ/۱۰۶۷ء میں مدرسۂ نظامیہ بغداد سے متعلق ہوئے اور عرصہ تک درس دیتے رہے۔ پھر ان کی بعض دوسری مصروفیات کی وجہ سے کچھ مدت کے لیے یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ دوبارہ ۴۷۶ھ/۱۰۸۳ء میں مدرس مقرر ہوئے لیکن اس مرتبہ زیادہ دیر یہ خدمت انجام نہ دے سکے کیونکہ اسی سال ان کا آخری وقت آ پہنچا اور ۲۱ جمادی الاولیٰ ۴۷۶ھ/۱۰۸۲ء کی رات کو فوت ہو گئے۔ ان کی وفات کی خبر سن کر سارے بغداد میں حشر برپا ہو گیا اور لوگ جوق در جوق جنازہ میں شریک ہوئے۔ دو مرتبہ نماز ہوئی جس میں خلیفہ مقتدی بامر اللہ اور تمام اکابر سلطنت بھی شریک ہوئے۔ "باب آبِ زر" میں سپردِ خاک کیے گئے۔ عالم اسلام

Marfat.com

میں ان کی وفات کی خبر مشتہر ہوئی تو لوگوں نے سخت رنج اور دکھ کا اظہار کیا اور شاعروں نے بڑے پُردرد مرثیے لکھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ خواجہ مُوَیّدُ الملک بن خواجہ نظام الملک نے علاّمہ کے سوگ میں مدرسہ نظامیہ بغداد تین دن کے لیے بند کر دیا۔ جب نظام الملک نے سنا تو بیٹے پر ناراض ہوا کہ علاّمہ جیسی شخصیت کے سوگ میں مدرسہ کو ایک سال تک بند رکھنا چاہیے تھا۔

علاّمہ نے بہت سی تصنیفات اپنی یادگار چھوڑیں ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:
طبقات الفقہا' المہذب فی المذہب' تنبیہ فی فروع الشافعیہ' لمع' تبصرہ' النکت' المعونہ' التلخیص

علاّمہ نے کوئی صُلبی اولاد نہیں چھوڑی البتہ معنوی اولاد کی صورت میں ان کے ہزاروں شاگرد موجود تھے جن میں سے بعض کا شمار اپنے دَور کے اکابر عُلما میں ہوا۔

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:......
میری اس مسجد (یعنی مدینہ منورہ کی مسجد نبوی) میں ایک نماز دوسری تمام مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

Marfat.com

ابوالمعالی امام الحرمین عبدالملک جوینیؒ

امام الحرمین ضیاء الدین ابوالمعالی عبدالملک بن شیخ ابومحمد عبداللہ بن ابویعقوب یوسف بن عبداللہ بن محمد بن حیویہ جُوَینی کا شمار سلجوقی دَور کے سرآمدِ روزگار علماء میں ہوتا ہے۔

۱۸ محرم ۴۱۹ھ/ ۱۰۲۸ء کو قصبہ جوین میں پیدا ہوئے۔ خاندان مدتوں سے علم و فضل کا مرکز تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، ان کی وفات کے بعد نیشاپور جا کر مدرسہ بیہقیہ میں داخل ہو گئے اور وہاں کے مُدَرِّسِ اعظم شیخ ابوالقاسم اسکافی کے شاگرد ہوئے اور علم اصول میں کمال حاصل کیا۔ اس کے بعد بغداد گئے اور وہاں کے نامور علماء کے فیضِ صحبت سے تمام علوم متداولہ میں درجہ تبحّر حاصل کیا۔ بغداد سے واپس آ کر نیشاپور میں مسندِ درس و افتاء پر بیٹھے، تھوڑی ہی مدت میں ان کے علم و فضل کا چرچا ہر طرف پھیل گیا۔ اسی زمانے میں وزیر عمید الملک کندری کی تحریک سے سلطان طغرل بیگ نے حکم دے دیا کہ مساجد میں امام ابوالحسن اشعری اور ان کے متبعین پر خطبوں میں لعنت پڑھی جائے۔ امام الحرمینؒ سلسلۂ اشعریہ کے حامی تھے۔ انہوں نے اس حکم کو ناجائز قرار دیا اس پر عمید الملک نے ان کی گرفتاری کا حکم دے

Marfat.com

دیا۔ امام موصوف راتوں رات کرمان کے راستے حجاز تشریف لے گئے' وہاں ان کی بڑی قدر و منزلت ہوئی۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں کئی سال تک ان کی مَسندِ درس و اِفتا ملجائے عام بنی رہی اور عَالَم اسلام میں وہ اِمَامُ الحَرَمَین کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ سلطان الپ ارسلان کے عہد میں عمید الملک کندری کے قتل کے بعد جب خواجہ نظام الملک طُوسی وزیر مقرر ہوا تو اس نے اشعریوں پر لعنت پڑھنے کا حکم منسوخ کر دیا اور امام الحرمین حجازِ مقدس سے واپس نیشاپور آ گئے۔ خواجہ نظام الملک نے ان کا حد سے زیادہ اعزاز و اکرام کیا اور نیشاپور میں ان کے لیے ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کرایا جو ''نظامیہ نیشاپور'' کے نام سے مشہور ہوا۔ امام الحرمینؒ اسی مدرسے میں مُدَرِّسِ اعظم کی حیثیت سے اخیر تک درس دیتے رہے۔ درس و تدریس کے علاوہ وہ حکومت کے تمام مذہبی صیغوں کے افسر بھی تھے اور وعظ' خطابت' امامت اور اوقاف انہی کے سپرد تھے۔ سحر البیان خطیب تھے اور ان کی مجلسِ وعظ میں بڑے بڑے نامور علماء حاضر ہوتے تھے۔ کبھی خواجہ نظام الملک کے دربار میں جانے کا اتفاق ہوتا تو وہ اپنی مَسنَد سے اٹھ کر استقبال کرتا۔ حق گوئی کا یہ عالم تھا کہ بادشاہانِ وقت تک کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ سلطان طغرل کے حکم کے خلاف فتویٰ جاری کرنے کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ سلطان ملک شاہ کے عہد میں پیش آیا۔ سلطان نے ایک بار انتیس رمضان المبارک کو کچھ غیر ثقہ لوگوں کی شہادت پر حکم جاری کر دیا کہ دوسرے دن عید ہو گی۔ چونکہ سلطان کا حکم شرعی تقاضوں کے مطابق نہیں تھا' امام الحرمینؒ نے اعلان کرا دیا کہ سلطان کا حکم غلط ہے اور کل روزہ ہو گا۔ اس سے بڑی سنگین صورت حال پیدا ہو گئی لیکن بالآخر سلطان کو اپنی غلطی تسلیم کرنی پڑی اور اس نے اعلان کرا دیا کہ میرا حکم غلط تھا اور امام الحرمین کا فتویٰ صحیح ہے۔

امام الحرمینؒ کا حلقۂ درس بڑا وسیع تھا اس میں چار سو طلبہ تعلیم پاتے تھے ان کے

Marfat.com

شاگردوں میں حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کیا ہراسیؒ اور احمد بن محمد خوافیؒ جیسی یگانہ روزگار شخصیتیں بھی شامل تھیں۔

امام الحرمینؒ نے ۲۵ ربیع الآخر ۴۷۸ھ/۱۰۸۵ء کو بعد نمازِ عشا وفات پائی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی وفات پر ماتم کا جو منظر قائم ہوا' مسلمانوں کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس دن نیشاپور کے تمام بازار بند ہو گئے۔ جامع مسجد کا منبر توڑ دیا گیا۔ ان کے شاگردوں نے اپنے قلم توڑ دیے اور دوائیں پھوڑ دیں۔ سال بھر کے لیے ممالکِ محروسہ سلجوقیہ کے تمام مدارس بند کر دیے گئے۔ اس دوران میں طلبہ ملک میں گھوم کر امام الحرمین کی وفات پر نوحہ کرتے پھرتے تھے اور شعرا کے مرثیوں کی تو کوئی حد ہی نہ رہی تھی۔

امام الحرمینؒ نے اپنی زندگی میں بے شمار کتابیں تصنیف کیں۔ چند کے نام یہ ہیں:
کتاب البرہان فی اصول الفقہ' کتاب الورقات فی اصول الفقہ' تلخیص التقریب' مدارک العقول' غیاث الامم' غنیۃ المسترشدین' عقیدہ النظامیہ' نہایۃ المطلب' شامل' ارشاد' مغیث الخلق وغیرہ۔

علامہ سبکیؒ نے پہلی دو تصانیف کا ذکر بڑے اہتمام سے کیا ہے اور لکھا ہے کہ جوینیؒ کی تصانیف کا سمجھنا کرامت سے کم نہیں۔ افسوس کہ امام الحرمین جوینیؒ کی ایک دو کتابوں کے سوا باقی نایاب ہیں۔

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے مہمان کی عزت کرنی چاہیے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

Marfat.com

شیخ الاسلام امام عزّالدّین دمشقیؒ

(۱)

مجاہدِ کبیر سلطان صلاح الدین ایوبیؒ فاتحِ بیت المقدس ملّتِ اسلامیہ کا وہ مایۂ ناز فرزندِ جلیل ہے جس کے مجاہدانہ کارناموں سے تاریخِ اسلام کے اوراق آج تک جگمگا رہے ہیں اور تا ابد جگمگاتے رہیں گے۔ سلطان موصوف جہاں اسلام کا ایک سرفروش سپاہی تھا وہاں علماء و مشائخ کی قدر دانی اور دینی علوم و معارف کی ترویج و اشاعت سے بھی بے انتہا شغف رکھتا تھا۔ یہ اسی کی مساعی کا نتیجہ تھا کہ چھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں جابجا دینی مدارس کے قیام، عُلومِ دینی کی تحصیل اور ان میں کمال پیدا کرنے کا عمومی رُجحان پیدا ہوا۔ اسی دَور میں متعدد ایسی عظیم المرتبت شخصیتیں منظرِ عام پر آئیں جنہوں نے اپنے اپنے دائرہ میں لومۃ لائم سے بے نیاز ہو کر دعوت و اصلاح کا عظیم الشّان فریضہ انجام دیا اور حکومتِ وقت اور زمانہ کی غلط روش کا نہایت جرأت اور ہمت سے مقابلہ کیا۔ شیخ الاسلام امام عزّ الدّین دمشقیؒ کا شمار علماءِ حق کی اسی مقدّس جماعت میں ہوتا ہے۔ وہ علم و فضل، زہد و وَرَع، حق گوئی و بے باکی اور جرأت و استقامت کے اعتبار سے حقیقی معنوں میں شیخ الاسلام اور قرونِ اُولیٰ کی ایک نادرۂ روزگار یادگار تھے۔

Marfat.com

امام عز الدینؒ بن عبدالسلام ۵۷۸ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے اور اس دور کے سرآمدِ روزگار علماء سے تعلیم حاصل کی۔ ان میں علامہ سیف الدین آمدیؒ، حافظ ابومحمد القاسمؒ اور فخر الدین بن عساکرؒ جیسے اکابر علماء شامل تھے۔ انہوں نے سنِ بلوغت کو پہنچنے سے پہلے ہی قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ اور دوسرے علومِ دینی میں درجۂ تبحّر حاصل کر لیا اور پھر چند سال کے اندر اندر ان کی شمیمِ علم کی عطر بیزیوں سے تمام عالمِ اسلام مہک اٹھا اور ان کو ''سلطان العلماء'' اور امامِ وقت تسلیم کیا گیا۔ ان کے ہم عصر علامہ شیخ جمال الدین بن حاجبؒ (متوفّٰی ۶۴۶ھ) کا قول ہے کہ فقہ میں عز الدین بن عبدالسلام کا پایہ حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ کے برابر ہے۔ حافظ الذہبیؒ (متوفّٰی ۷۴۸ھ) ''کتاب العبر'' میں لکھتے ہیں کہ:

''عز الدین علمِ فقہ اور زُہد و وَرَع میں درجۂ کمال پر پہنچے ہوئے تھے اور درجۂ اجتہاد ان کے رتبہ کے لائق تھا۔''

(۲)

امام عز الدینؒ کئی سال تک دمشق کے زاویۂ غزالیہ میں درس دیتے رہے اس کے ساتھ ہی وہ جامعِ اُموی میں خطابت اور امامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ الملک الکامل فرمانروائے شام نے ان کو دمشق کا عہدۂ قضا باصرار پیش کیا لیکن انہوں نے اس عہدہ سے بیزاری ظاہر کی البتہ خلیفۂ بغداد کے دربار میں شام کی ایوبی حکومت کا سفیر بننا قبول کر لیا۔ کچھ عرصہ یہ خدمت انجام دینے کے بعد دمشق واپس آ گئے اور حسبِ سابق درس و افتاء اور وعظ و ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ عوام کے اصرار پر انہوں نے دمشق کا عہدۂ قضا بھی قبول کر لیا۔

امام عز الدینؒ بڑے خوددار، باوقار اور بارُعب بزرگ تھے اور اپنے تبحّرِ علم زہد و ریاضت اور حق گوئی کی بنا پر شام کی سب سے بڑی دینی شخصیت متصوّر ہوتے

Marfat.com

تھے یہاں تک کہ سلاطینِ وقت بھی ان کا احترام کرتے تھے۔ وہ درباداری کے جھنجھٹوں سے بالکل آزاد تھے اور بادشاہوں کے درباروں میں حاضری دینا ان کو قطعاً پسند نہیں تھا البتہ کبھی کسی حکمران نے بغرض مشاورت ان سے تشریف لانے کی درخواست کی تو تشریف لے گئے اور اس کو صحیح مشورہ دیا۔ انہوں نے اس بات کی کبھی پروانہ کی کہ ان کا مشورہ بلانے والے حکمران کو پسند آتا ہے یا نہیں کیونکہ ان کے پیشِ نظر ہمیشہ مسلمانوں اور حکمران کی خیر خواہی ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ الملک الاشرف اور الملک الکامل کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ اسی زمانے میں الملک الاشرف شدید علیل ہو گیا۔ اس نے اپنے سب سے بڑے عہدیدار کو امام عزّ الدینؒ کی خدمت میں یہ پیغام دے کر بھیجا کہ الملک الاشرف آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے اور عیادت و دعا کی درخواست کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو کوئی نصیحت فرمائیں جو آخرت میں اس کے کام آسکے۔

امام موصوف کو یہ پیغام ملا تو باوجود اس کے کہ ایک دفعہ الملک الاشرف ان سے بدسلوکی کر چکا تھا' انہوں نے فرمایا' عیادت ایک افضل عبادت ہے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سُنّت پر ضرور عمل کروں گا۔ چنانچہ وہ الملک الاشرف کے پاس تشریف لے گئے۔ سلطان ان کی تشریف آوری سے بہت خوش ہوا' ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا' اپنے کردہ و ناکردہ گناہوں کی معافی چاہی اور دعا و نصیحت کی درخواست کی۔ شیخ نے فرمایا جہاں تک معاف کرنے کا تعلق ہے تو میں روزانہ سونے سے پہلے اللہ کے بندوں کو اپنی طرف سے معاف کر دیتا ہوں۔ باقی رہی دعا تو میں عادل بادشاہ کے لیے ہمیشہ دعا کرتا رہتا ہوں' رہی نصیحت تو وہ یہ ہے کہ آپ الملک الکامل سے پنجہ آزمائی کرنے کے بجائے خدا کے دشمن تاتاریوں سے نبرد آزما ہوں جنہوں نے اسلامی ممالک پر یلغار کر رکھی ہے۔ تاتاریوں کو اس بات سے شہ ملی ہے کہ آپ

Marfat.com

ان کی طرف سے غافل ہیں اور اپنے بھائیوں کے سینوں کو اپنے نیزوں کا ہدف بنا رکھا ہے اگر اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرماتا ہے تو ہم اللہ سے کُفّار پر آپ کے غلبہ کی امید رکھتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ آپ کے نامۂ اعمال میں یہ سعادت لکھی جائے۔

الملک الاشرف شیخؒ کی تقریر سے بڑا مُتاثّر ہوا اور کہا' اللہ تعالیٰ اس مخلصانہ نصیحت کا آپ کو اجر عطا کرے اور اپنے فضل و کرم سے مجھے جنّت میں آپ کی معیّت نصیب کرے۔

پھر اس نے خزانچی کو حکم دیا کہ ایک ہزار درہم شیخؒ کی نذر کیے جائیں لیکن شیخ نے یہ رقم قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا' میری یہ ملاقات صرف اللہ کی رضا کے لیے تھی میں اس میں دنیا کی آمیزش نہیں کرنا چاہتا۔ اس پر الملک الاشرف نے اسی وقت حکم دیا کہ فوج کا رخ الملک الکامل کے بجائے تاتاریوں کی طرف کر دیا جائے اور فوج اس مقام سے کوچ کر کے قیصرہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالے تاکہ تاتاریوں پر ضرب لگائی جا سکے۔ سلطان کے اس اقدام سے مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور سب لوگ امام عزّ الدّینؒ کو دعائیں دینے لگے کہ انہوں نے سلطان کا ذہن بدل ڈالا۔

(۳)

الملک الاشرف کے جانشین الملک الصالح اسماعیل والیِ دمشق نے ۶۲۷ھ میں اپنے حریف الملک الصالح نجم الدین ایوب شاہِ مصر کے خلاف فرنگیوں سے دوستانہ معاہدہ کر لیا اور ان کو نہ صرف صیداء شقیف اور چند دوسرے قلعوں کا پروانہ لکھ دیا بلکہ کُھلے بندوں دمشق میں گھومنے پھرنے کی اجازت بھی دے دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فرنگی بے دھڑک دمشق میں داخل ہوتے تھے اور یہاں سے ہتھیار خرید کر لے جاتے تھے۔

Marfat.com

امام عزالدینؒ کو اسماعیل کی بے حمیتی سے سخت صدمہ پہنچا اور انہوں نے فتویٰ جاری کر دیا کہ فرنگیوں کے ہاتھ ہتھیار بیچنا حرام ہے کیونکہ وہ اسلام کے دشمن ہیں اور یہی ہتھیار مسلمانوں کے خلاف استعمال کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے خطبہ سے بادشاہ الملک الصالح اسماعیل کا نام خارج کر دیا اور اس کے لیے دعا ترک کر دی اس کے بجائے وہ خطبہ سے فارغ ہو کر بڑے جوش اور تضرع کے ساتھ یہ دعا مانگتے تھے:

اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَّصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ وَاجْعَلْنَا مِنْھُمْ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ ﷺ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنْھُمْ

(اے اللہ! اسلام اور دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ بگوشوں کی مدد اور نصرت فرما اور اعدائے اسلام کو ذلیل فرما اور ہمیں ایسے بے دین گروہ سے بچا)

الملک الصالح اسماعیل کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو وہ سخت غضبناک ہوا اور شیخ کو عہدۂ قضا اور دوسرے دینی مناصب سے معزول کر دیا۔ اسماعیل کی ناراضی کے باوجود شیخؒ اپنے موقف پر برابر ڈٹے رہے لیکن جب اسماعیل کی بے حمیتی میں المنصور ابراہیم والیِ حمص بھی شریک ہو گیا اور دمشق وحمص کے مسلمانوں کی بے حسی حد سے گزر گئی تو شیخؒ سخت بددل ہوئے اور انہوں نے دمشق کی سکونت ترک کر کے مصر جانے کا عزم کیا۔ لوگوں کو ان کے ارادے کا علم ہوا تو ان میں سخت اضطراب پیدا ہو گیا چنانچہ امراء اور اکابرِ شہر کا ایک وفد شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے درخواست کی کہ آپ مصر جانے کا ارادہ ترک کر دیں ہم والیِ دمشق کو راضی کر لیں گے آپ صرف اتنا کریں کہ ملک اسماعیل کے پاس جا کر اس کی دست بوسی کر لیں۔ شیخؒ نے فرمایا:

"صاحبو! مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ بادشاہ میرے ہاتھ کو بوسہ دے چہ جائیکہ

Marfat.com

میں اس کی دست بوسی کروں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اس آفت سے آزاد رکھا ہے جس میں تم گرفتار ہو' لوگو تم کسی اور عالَم میں ہو اور میں کسی اور عالَم میں۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ امام عزُ الدّینؒ نے یہ جواب بادشاہ کے اس قاصد کو دیا تھا جو اس کا یہ پیغام لایا تھا کہ آپ دربار میں حاضر ہو جائیں تو آپ کو سابقہ خدمات و مناصب پر پورے اعزازات کے ساتھ بحال کر دیا جائے گا...... قاصد نے اس پیغام کے ساتھ اپنی طرف سے انہیں بادشاہ سے اظہارِ نیازمندی کے لیے اس کی دست بوسی کرنے کا مشورہ دیا جب اس نے واپس جا کر بادشاہ کو شیخ کے جواب سے آگاہ کیا تو اس نے حکم دیا کہ شیخ کو گرفتار کر لیا جائے اور انہیں میرے خیمے کے پہلو میں ایک دوسرے خیمے میں محبوس رکھا جائے۔ اس زمانے میں اسماعیل نے والیِ حمص اور فرنگیوں کی معیّت میں بیت المقدس میں پڑاؤ ڈال رکھا تھا اور مصر پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ شیخ نظر بندی کی حالت میں ہر وقت قرآنِ حکیم کی تلاوت میں مصروف رہتے اور بادشاہ کے کان میں اکثر تلاوت کی آواز پڑتی رہتی۔ ایک دن فرنگیوں کا سردار بادشاہ سے ملنے آیا۔ اس وقت شیخ بآوازِ بلند تلاوت کر رہے تھے۔ بادشاہ نے فرنگی قائد سے پوچھا' جانتے ہو یہ کون قرآن پڑھ رہا ہے؟ اس نے لاعلمی کا اظہار کیا تو بادشاہ نے بڑے فخر سے کہا یہ مسلمانوں کا سب سے بڑا پادری ہے اور میں نے اسے اس لیے نظر بند کیا ہے کہ یہ فلاں فلاں قلعے تمہیں دینے کے خلاف تھا۔ میں نے اسے دوسرے عہدوں سے بھی معزول کر دیا ہے۔ عیسائی قائد نے بادشاہ کی باتیں سن کر بے ساختہ کہا' اگر یہ ہمارا پادری ہوتا تو ہم اس کے پاؤں دھو دھو کر پیتے۔

چند دن بعد مصری افواج نے اسماعیل اور اس کے حلیفوں کو شکست دے کر شام پر قبضہ کر لیا اور امام عزُ الدّین صحیح و سلامت مصر تشریف لے گئے۔ بعض مؤرّخین نے لکھا ہے کہ وہ اسماعیل کی شکست سے پہلے ہی مصر چلے گئے تھے۔

Marfat.com

(۴)

والیِ مصر الملک الصالح نجم الدین ایوب نے امام عزُّ الدّین کے مصر تشریف لانے پر بڑی مَسَرّت کا اظہار کیا۔ اس نے امام موصوفؒ کو مصر کا قاضی القضاۃ اور محکمہ اوقاف کا سربراہ مقرر کیا اور ساتھ ہی جامع عمروؓ بن العاص کی خطابت بھی ان کے سپرد کی۔ سلطان نے جب مدرسہ صالحیہ کی بنیاد رکھی تو شیخ کو اس مدرسہ کا استادِ اعلیٰ (پرنسپل) مقرر کیا۔ دوسرے فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ وہ اس منصب کی ذِمّہ داری بھی پورے انہماک سے نباہتے تھے۔ نجم الدین ایوب اگرچہ اسماعیل والیِ دمشق کو شکست دے کر ولایتِ شام کو بھی اپنے حیطۂ اقتدار میں لا چکا تھا لیکن شیخ نے دمشق واپس جانا پسند نہ کیا اور مصر ہی میں مقیم رہ کر بندگانِ خدا کو مستفیض کرتے رہے۔ یہاں بھی انہوں نے اپنا شیوۂ حق گوئی قائم رکھا اور کسی دینی معاملہ میں کبھی مداہنت یا سکوتِ مصلحت آمیز سے کام نہ لیا۔

ایک دفعہ سلطانی حاجب امیر فخر الدین نے ایک مسجد کی چھت پر طبل خانے کی عمارت بنوائی جس میں نوبت بجائی جاتی تھی۔ شیخ کو علم ہوا تو انہوں نے بحیثیت قاضی و مہتمم مساجد اس عمارت کو فوراً گرانے کا حکم دیا اور امیر فخر الدین کو اس کی تعمیر کے جرم میں ساقِطُ الشّہادۃ قرار دیا' اس کے ساتھ ہی انہوں نے عہدۂ قضا سے استعفا دے دیا اور عدالت سے اٹھ کر گھر آ گئے۔ ملک الصّالح کو خبر ہوئی تو اس نے خود جا کر بالاخانہ کو منہدم کروا دیا اور شیخ کو راضی کر کے دوبارہ مَسندِ عدالت پر لایا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ سلطان نے عہدۂ قضا پر شیخ کا دوبارہ تقرّر بوجوہ مناسب نہ سمجھا تاہم اس کی نگاہ میں ان کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی۔ ادھر امیر فخر الدین کا خیال تھا کہ اس کے ساقِطُ الشّہادۃ ہونے کے بارے میں شیخ کے اعلان کا اس پر کیا اثر پڑ سکتا ہے لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ اسی زمانے میں سلطانِ مصر نے خلیفۂ بغداد مستعصم باللہ

Marfat.com

کے پاس ایک سفارت بھیجی۔ سفیر نے خلیفہ کی خدمت میں باریاب ہو کر سلطانِ مصر کا پیغام دیا تو اس نے پوچھا' یہ پیغام تم نے خود سلطان کی زبانی سنا ہے یا کسی اور سے؟ اس نے کہا میں نے یہ پیغام حاجبِ سلطانی امیر فخر الدین کی زبانی سنا ہے۔

خلیفہ نے فوراً کہا:

''فخر الدین کی زبان کا کہا ہوا معتبر نہیں کیونکہ شیخ عزّ الدّین نے اس کو ساقِطُ الشَّہادۃ قرار دیا ہے۔''

چنانچہ سفیرِ مصر واپس آیا اور براہِ راست سلطان سے پیغام لے کر دوبارہ بغداد آ گیا۔ اب خلیفہ نے یہ پیغام قبول کر لیا۔

ایک دفعہ الملک الصالح پورے تزک و احتشام کے ساتھ دربار میں بیٹھا تھا کہ شیخ وہاں پہنچے اور بڑے جاہ و جلال کے ساتھ بادشاہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اے ایُّوب! تم خدا کے سامنے کیا جواب دو گے جب پوچھا جائے گا کہ ہم نے تمہیں سلطنت اس لیے دی تھی کہ اس میں آزادی سے شراب پی جائے؟''

بادشاہ نے پوچھا: ''کیا مطلب؟''

شیخ نے فرمایا ''فلاں جگہ شراب آزادی سے بِک رہی ہے اور دوسرے فواحشات و منکرات ہو رہے ہیں اور تمہیں خبر ہی نہیں۔''

بادشاہ نے کہا ''یہ سب کچھ میرے والد کے زمانے سے ہو رہا ہے' میرا اس میں کچھ دخل نہیں۔''

شیخ نے کڑک کر فرمایا ''تو پھر تم بھی انہی لوگوں میں سے ہو جو بت پرستی اور فواحش و منکرات سے باز آنے کی تلقین کے جواب میں کہا کرتے تھے کہ یہ سب کچھ ہمارے باپ دادا کے زمانے سے ہوتا چلا آ رہا ہے۔''

بادشاہ یہ سن کر تھرّا اٹھا اور اس نے اسی وقت شراب خانہ کی بندش کا حکم جاری کر

Marfat.com

دیا۔ شیخ اپنی قیامگاہ پر واپس آئے تو ایک شاگرد نے پوچھا حضرت آپ نے بھرے دربار میں بادشاہ کو اس طرح ٹوکا' کیا آپ کو کچھ خوف محسوس نہیں ہوا؟

شیخ نے فرمایا "بادشاہ کی شان وشوکت اور لوگوں کو اس کے سامنے سر جھکاتے دیکھ کر مجھ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ تکبّر کا شکار نہ ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے' اس کا علاج میرے نزدیک یہی تھا کہ اس کو بھرے دربار میں اس کی کوتاہی پر متنبّہ کیا جائے۔ اس وقت ہیبتِ الٰہی مجھ پر اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ بادشاہ مجھ کو ایک بلّی سے بھی حقیر معلوم ہوتا تھا۔"

اس قسم کے متعدد واقعات شیخ کے صحیفۂ حیات کی زینت ہیں۔ فی الحقیقت وہ ایک منارۂ نور تھے جس کی ضیا پاشیوں نے مسلمانانِ شام ومصر کے قلوب کو برسوں تک منور رکھا۔ مسلمانوں پر جب کبھی اعدائے اسلام کی یورش ہوئی' شیخ کی ذاتِ بابرکات نے ہمیشہ ان کے لیے ایک مضبوط ڈھال کا کام دیا کیونکہ ان کے ولولہ انگیز مواعظ وخطبات مسلمانوں کے دلوں میں شوقِ جہاد کے شعلے بھڑکا دیتے تھے اور وہ دشمن کے مقابلے میں جان کی بازی لگا دیتے تھے۔

ایک دفعہ فرنگی فوجیں یلغار کرتی ہوئی مصر کے شہر منصورہ تک پہنچ گئیں۔ شیخ نے اپنے پُرتاثیر خطبات سے مسلمانوں کی غیرتِ دینی کو اس طرح بیدار کیا کہ وہ دشمن کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے اور اس کو عبرتناک شکست دی۔

ایک مرتبہ تاتاریوں کی یورش مصر کے قریب آ پہنچی اور اہلِ مصر پر ہیبت طاری ہو گئی۔ شیخ نے دارالحکومت کے لوگوں کو جمع کر کے ان کے سامنے ایک ولولہ انگیز خطبہ دیا جس میں اسلاف کی فتح مندیوں اور کامرانیوں کا ذکر کر کے فرمایا' تم اللہ کا نام لے کر میدان میں نکلو فتح کی ضمانت میں دیتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا' میرے خزانے میں روپیہ کم ہے میں تاجروں سے قرض لینا چاہتا ہوں۔ شیخ نے فرمایا' پہلے اپنے محل کے جواہرات

Marfat.com

اور اپنی بیگمات کے زیورات نکالو اور ارکینِ سلطنت و امرائے دربار بھی اپنی اپنی بیگمات کے وہ زیورات پیش کریں جو ضرورت سے زیادہ ہیں۔ ان کے سکّے ڈھلوائے جائیں اور فوج میں تقسیم کیے جائیں۔ بادشاہ نے اسی کے مطابق عمل کیا جس سے لشکر کے حوصلے بلند ہو گئے اور اس نے تاتاریوں کو تباہ کن شکست دے کر پیچھے دھکیل دیا۔

(۵)

امام عزّ الدّینؒ فتویٰ دینے میں بہت محتاط تھے اور جب تک کسی مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا نہایت غور و فکر سے جائزہ نہیں لے لیتے تھے فتویٰ صادر نہیں کرتے تھے۔ ان کے زمانے میں ایک مرتبہ ایک شخص نے خواب میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ حضورؐ نے اس سے فرمایا کہ فلاں جگہ جاؤ اور زمین کھودو وہاں خزانہ ہے وہ تم لے لو اور اس میں سے پانچواں حصّہ بھی (جو حکمِ شریعت کے مطابق مدفون خزانے کی زکوٰۃ ہوتی ہے) تمہارے ذِمّہ نہیں۔

صبح ہوئی تو وہ شخص اس مقام پر پہنچا' زمین کھودی تو وہاں سے خزانہ مل گیا۔ اب اس شخص نے علماءِ وقت سے استفتا کیا کہ حکمِ شریعت کے مطابق مجھے اس میں سے پانچواں حصہ صدقہ کرنا چاہیے لیکن خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ تمہارے ذِمّہ نہیں اب میں کیا کروں؟

عموماً علماء نے فتویٰ دیا کہ حضورؐ نے یہ حکمِ شرعی تمہارے حق میں ساقط فرما دیا ہے اب تمہارے ذمہ اس کا خُمس واجب الادا نہیں ہے لیکن امام عزّ الدّینؒ نے فرمایا کہ نہیں اس شخص کو خزانہ کا پانچواں حصہ نکالنا چاہیے۔ (بنظرِ احتیاط) کیونکہ خواب میں اس نے جو کچھ سنا ہے اس کا درجہ زیادہ سے زیادہ اس حدیث کے برابر ہوگا جو صحیح اسناد کے ساتھ روایت کی گئی ہو لیکن یہاں اس سے زیادہ اصح روایت اس کی معارض ہے کیونکہ صحیحین (بخاری و مسلم) کی حدیث میں ہے:

Marfat.com

فی الرکاز الخمس

اور یہ حدیث یقیناً اس خواب کی حدیث سے اصح ہے اور جب صحیح و اصح میں تعارض ہو تو عمل اصح پر کیا جائے گا۔ (سراج المنیر شرح جامع صغیر عزیزیؒ)

(۶)

ایوبیوں کے بعد مملوک برسرِ اقتدار آئے تو انہوں نے بھی امام عزّ الدینؒ کی عزت و احترام میں کوئی کمی نہ کی اور وہ بدستور مصر کی سب سے بلند دینی شخصیت تسلیم کیے جاتے رہے۔ ۶۵۸ھ میں الملک الظاہر سلطان رکن الدین بیبرس نے تختِ حکومت پر قدم رکھا تو شیخ اسّی برس کی عمر کو پہنچ چکے تھے اور برابر اہلِ مصر کے دلوں پر حکومت کر رہے تھے۔ اس سے پہلے صلیبیوں اور تاتاریوں سے معرکہ آرائیوں کے دوران میں بیبرس نے جو نمایاں کارنامے انجام دیے تھے ان کی بنا پر وہ شیخ کی دلی دعاؤں کا مستحق بن گیا تھا۔ چنانچہ شیخ نے اس کے سریر آرائے حکومت ہونے کا خیر مقدم کیا۔ سلطان پہلے ہی شیخ کا عقیدت مند تھا اب وہ ان کا پہلے سے کہیں زیادہ احترام کرنے لگا یہاں تک کہ کوئی کام ان سے مشورہ کیے بغیر نہ کرتا تھا۔ ۶۶۰ھ میں اس نے مصر میں خلافتِ عباسیہ کا احیاء کیا تو جب تک شیخ نے نئے خلیفہ المستنصر باللہ کی بیعت نہ کی کسی دوسرے نے اس کی بیعت کے لیے ہاتھ آگے نہ بڑھایا۔

امام عزّ الدینؒ نے ۶۶۲ھ میں پیکِ اجل کو لبیک کہا۔ اس وقت ان کی عمر ۹۴ برس کی تھی۔ ان کی موت کی خبر سن کر سارے عالمِ اسلام میں کہرام مچ گیا۔ الملک الظاہر بیبرس بھی کئی دن تک ان کی موت کے صدمے سے نڈھال رہا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ شیخ عز الدین کی زندگی میں حکومت کے سربراہ وہی تھے۔ ان کی وفات کے بعد میں نے محسوس کیا کہ ایک پہاڑ میرے سر پر رکھ دیا گیا۔ حقیقت میں میری حکومت ان کی موت کے بعد شروع ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

حضرت شمس تبریزیؒ

مولوی ہر گز نہ شُد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزی نشُد

(۱)

ملتان میں ایک مزار حضرت شمس تبریزیؒ کے نام سے منسوب ہے یورپین مؤرخین اسے حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کے مرشد شمس تبریزی کا مزار بتاتے ہیں اور عوام میں بھی یہی خیال مشہور ہو گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ملتان والے شمس تبریزی اور ہیں اور مولانا رومؒ کے مرشدِ شمس تبریزیؒ اور۔ ملتانی شمس کو تین سَو برس کا عرصہ گزرا ہے اور مرشدِ مولانا رومؒ شمس تبریزیؒ ساتویں صدیِ ہجری کے بزرگ ہیں۔ شمس تبریزیؒ سے متعلق اپنے ایک مضمون میں خواجہ حسن نظامی دہلوی مرحوم یوں رقمطراز ہیں کہ

"ملتانی شمس تبریزی کو تین سَو برس کا عرصہ گزرا۔ یہ اسماعیلی فرقہ کے داعی بن کر ہندوستان میں آئے' ان کے ہمراہ دو شخص اور تھے' ایک کا نام پیر صدر الدین تھا اور دوسرے کا پیر امام الدین۔ صدر الدین نے اضلاعِ سندھ و بمبئی میں دعوت شروع

Marfat.com

کی اور امام الدین نے گجرات و کاٹھیاواڑ میں۔ شمس الدین سیدھے پنجاب چلے آئے اور یہاں اپنا مشن جاری کیا۔ سندھ و بمبئی میں جس قدر آغا خانی خوجے ہیں وہ سب صدر الدین کی کوشش سے مسلمان ہوکر آغا خانی (اسماعیلی) جماعت میں شامل ہوئے ہیں۔ امام الدین نے اوّل اوّل تو بحیثیت اسماعیلی داعی کے کام کیا مگر چند روز کے بعد خود مختار ہوکر اپنا ایک علیٰحدہ طریقہ امام شاہی جاری کر دیا۔

شمس الدّین تبریزی نے جن کا مزار ملتان میں ہے پنجاب کے کہاروں اور سناروں میں اپنا طریقہ رائج کیا اور ان لوگوں کو شمسی ہندو کا لقب دیا۔ یہ شمسی ہندو براہِ راست آغا خاں کے معتقد بنائے گئے ہیں اور سالانہ نذر و نیاز اب تک آغا خاں ہی کو دیتے ہیں۔ ان کی تعداد تین لاکھ کے قریب صوبہ پنجاب میں ہے۔

ملتانی شمس تبریزی نے کن طریقوں سے اپنا عقیدہ پھیلایا اور کیسے کیسے عجیب و غریب واقعات عوام کی زبانوں پر ان کی نسبت مشہور ہیں ان کے لکھنے کو ایک علیٰحدہ مضمون کی ضرورت ہے۔ بالفعل یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت شمس تبریزیؒ کو اسماعیلی گروہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اسماعیلی شمس تبریز ملتان میں اور مولانا والے شمس تبریز سے سینکڑوں برس بعد ہوئے ہیں۔

ملتانی شمس تبریزی کی نسبت یہ معلوم کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ معتبر ذرائع سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ پنجابی سوداگروں کے بزرگ بھی انہیں شمس کی کوشش سے مسلمان ہوئے تھے۔ شمس تبریز ملتانی کی تحریک سے ان میں اسلامی میلان پیدا ہوا اور مابعد کے فقراء نے اس میلان کو استوار کر دیا۔ اگر شمسی ہندوؤں کے لیے بھی کوشش کی جاتی تو آج وہ اور حالت میں نہ رہتے کہ نہ ہندو ہیں نہ مسلمان۔ اب بھی مشائخ و فقراء کو موقع ہے کہ اس ضروری کام کی جانب توجہ کریں۔"

(نظام المشائخ دہلی ستمبر ۱۹۱۰ء)

Marfat.com

(۲)

شمس تبریز گر خدا خواہی　　　　خوش بخواں لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ

صاحبِ مثنوی مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے مرشدِ گرامی حضرت شیخ شمس الدین محمد تبریزیؒ کو دنیائے تصوف میں لازوال شہرت حاصل ہے۔ وہ ساتویں صدی ہجری کے مشائخ کبار سے تھے۔ تذکرہ نگاروں نے ان کو شیخ الاسلام' مرجعِ خاص و عام' قطب المحققین' امام السالکین' برہان راہِ طریقت' شاہِ میدان حقیقت' ہادیِ راہِ یقیں وغیرہ جیسے عظیم القاب...... سے یاد کیا ہے۔

حضرت شمس تبریزیؒ کی زندگی کے گرد عجیب و غریب روایات کا ایسا تانا بانا بنا ہوا ہے کہ اصل حقیقت کا پتا چلانا مشکل ہو گیا ہے۔ تاہم مختلف تذکروں میں ان کے جو حالات درج ہیں ان کا خلاصہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت شمس تبریزی کا اصلی نام شمس الدین محمد تھا۔ تذکرہ دولت شاہ کی روایت کے مطابق ان کے والد کا نام "خاوند جلال الدین" تھا۔ جو فرقہ اسماعیلیہ (ملاحدہ باطنیہ) "کیا بزرگ" کی اولاد سے تھے۔ انہوں نے اپنا آبائی مذہب ترک کر دیا تھا اور ملاحدہ کی تمام کتب و رسائل کو نذرِ آتش کر دیا تھا۔ انہوں نے تحصیلِ علم کے لیے اپنے فرزند کو تبریز بھیجا۔[1]

بعض دوسری روایات میں ہے کہ شمس تبریزی "کیا بزرگ" کے خاندان سے نہیں تھے بلکہ خاص تبریز کے رہنے والے تھے اور ان کے والد کا نام علی بن مالک تھا جو بزازی کا پیشہ کرتے تھے۔

علومِ ظاہری کی تکمیل کے بعد حضرت شمس مرشدِ کامل کی تلاش میں سرگرداں ہو گئے۔ یہ مرشد انہیں بابا کمال جندیؒ کی ذات میں مل گیا۔ بعض نے ان کے مرشد کا

---

[1] "سوانح مولوی روم" میں علامہ شبلیؒ نے حضرت شمس تبریزیؒ کے والد کا نام علاؤ الدین لکھا ہے۔

Marfat.com

نام شیخ الشیوخ عارف رکن الدین سنجابیؒ اور ابوبکر سلہ باف تبریزی بھی لکھا ہے۔ مرشد نے انہیں راہِ سلوک کی تمام منازل طے کرا کر درجۂ کمال تک پہنچا دیا۔ حضرت شمس تبریزیؒ اپنی زندگی کے اس دَور کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں۔

''اس وقت مَیں عشقِ رسولؐ میں اس قدر محو تھا کہ کئی کئی دن کا فاقہ گزر جاتا اور مجھے مُطلَق بھوک محسوس نہ ہوتی۔ کبھی میرے والدین اور عزیز و اقارب مجھے کچھ دینا چاہتے تو میں اشارے سے منع کر دیتا تھا۔''

عُلُومِ باطنی میں تکمیل کے بعد شمس تبریزیؒ نے سیاحت اختیار کی۔ ان کا لباس محض ایک سیاہ کمبل ہوتا تھا۔ جہاں جاتے سرائے میں قیام کرتے اور اپنی کوٹھڑی کا دروازہ بند کر کے سارا وقت یادِ الٰہی میں گزارتے۔ گزر اوقات کے لیے کسی وقت چند ازار بند بن لیتے اور انہیں فروخت کر دیتے۔ اپنی طویل سیاحت کے دوران میں وہ مختلف ممالک میں گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے مرشد بابا کمال جندیؒ بغداد میں اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ شمس تبریزیؒ بغداد میں ایک مدت تک ان کی خدمت میں مقیم رہے۔ یہاں ان کی حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کے مریدِ خاص اور داماد صوفی شاعر شیخ فخر الدین عراقیؒ سے خوب صحبتیں رہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت شمس تبریزیؒ ہمیشہ ایک ایسے ظرف والے مرید کی جستجو میں رہتے تھے جو ان کی صحبت کا متحمل ہو سکے۔ چنانچہ ایک دفعہ انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں نہایت خشوع و خضوع سے ایک ایسے مرید کے ملنے کی دعا مانگی۔ الہام ہوا کہ روم جاؤ وہاں تمہاری مراد بر آئے گی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق وہ اپنے مرشد کے حکم سے ایک دل سوختہ کو گرم کرنے کے لیے روم کی طرف روانہ ہوئے۔

(۳)

حضرت شمس تبریزیؒ اشارۂ غیبی یا مرشد کے حکم کے مطابق سیدھے ارضِ روم کے مرکزی شہر قونیہ پہنچے اور وہاں شکر فروشوں کی سرائے میں قیام کیا۔ مولانا جلال الدین

Marfat.com

رومیؒ کو ان کی تشریف آوری کا حال معلوم ہوا تو عُلما وفُضلا اور اپنے شاگردوں کی ایک جماعت کے ساتھ ان کی ملاقات کے لیے چلے۔ شمسؒ سرائے کے باہر ایک چبوترے پر بیٹھے تھے۔ ان کی نظر مولانا رومؒ پر پڑی تو سمجھ گئے کہ یہی وہ دل سوختہ ہے جس کی نسبت مجھے اشارہ ہوا ہے۔ دونوں بزرگ بڑے تپاک سے ایک دوسرے سے ملے۔ دورانِ گفتگو میں حضرت شمسؒ نے مولانا رومؒ سے فرمایا کہ ''شیخ بایزید بسطامیؒ کو ایک طرف تو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کی پابندی کا یہ التزام تھا کہ ساری عمر میں انہوں نے خربوزہ اس خیال سے نہیں کھایا کہ معلوم نہیں حضورؐ نے اس کو کس طرح کھایا ہے لیکن دوسری طرف وہی بایزید بسطامیؒ اپنی نسبت فرماتے تھے سبحانی ما اعظم شانی یعنی اللہ اکبر میری شان بہت بڑی ہے حالانکہ خود سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم جو باعثِ تکوین روزگار ہیں فرماتے ہیں کہ میں دن میں ستّر بار استغفار کرتا ہوں' آپ حضرت بایزید کی زندگی کے ان دونوں پہلوؤں کی کیا توجیہ کرتے ہیں۔''

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ اس سوال کی ہیبت سے مجھے یوں محسوس ہوا کہ ہفت افلاک ایک دوسرے سے جدا ہو کر زمین پر گر پڑے ہیں اور ایک شعلہ میرے دل سے نکل کر دماغ تک پہنچا ہے اور دھواں میرے سر سے نکل کر عرش تک جا رہا ہے۔ تاہم میں نے دل کڑا کر کے جواب دیا کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء و اولیاء کے سردار ہیں ان کے سامنے حضرت بایزید بسطامیؒ کی کیا ہستی ہے۔ فی الحقیقت حضرت بایزیدؒ کی پیاس ایک یا دو گھونٹ کی محتاج تھی وہ اسی سے بُجھ گئی اور وہ ایک خاص مقام پر پہنچ کر ٹھہر گئے۔ اس مقام کی رِفعتِ شان ان کی زبان سے سبحانی ما اعظم شانی جیسے الفاظ نکلوا دیتی تھی لیکن خیر البشر احمد مجتبیٰؐ کے مقامِ رفیع کے سامنے حضرت بایزیدؒ کے مقام کی کیا حقیقت ہے۔ حضورؐ تو جوں جوں معرفت و حقیقت کا پانی پیتے تھے تشنگی بڑھتی جاتی تھی۔ حضورؐ کی عظمت و شان کی کوئی حد نہ تھی۔ آپؐ

Marfat.com

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ کا مصداق تھے جب حضورؐ ایک منزل سے دوسری منزل پر پہنچتے تو پہلی منزل اس قدر پست نظر آتی تھی کہ آپ اس سے استغفار کرتے تھے۔

یہ جواب سن کر حضرت شمس تبریزیؒ کو یقین ہو گیا کہ مولانا ان کا مرید بننے کی پوری پوری اہلیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے مولانا رومؒ کو سینے سے لگا لیا اور اپنے فیوضِ باطنی سے اس طرح نوازا کہ ان کی حالت میں تغیرِ عظیم پیدا ہو گیا اور وہ ''قال'' سے ''حال'' میں آ گئے۔

حضرت شمس تبریزیؒ اور مولانا رومؒ کی پہلی ملاقات کی نسبت دو روایتیں اور ہیں۔ ایک یہ کہ مولانا رومؒ جب علما وفضلا کے ایک جمِ غفیر کے ہمراہ حضرت شمسؒ کی قیام گاہ پر پہنچے تو انہوں نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور پوچھا:

''مولانا مجاہدہ وریاضت کا مقصود کیا ہے؟''

مولانا نے فرمایا ''خدا اور رسول کے احکام کی پابندی''

شریعت را مقدم دار اکنوں حقیقت از شریعت نیست بیروں

حضرت شمسؒ نے فرمایا ''یہ تو عام بات ہے۔ اصل مقصد بتاؤ؟''

مولانا نے کہا ''مجھے اس کے سوا اور کوئی مقصد معلوم نہیں ہوتا۔''

حضرت شمسؒ نے فرمایا ''اس کا مقصد یہ ہے کہ تم کو منزل تک پہنچا دے۔ اس کے بعد حکیم سنائی کا یہ شعر پڑھا

علم کز تو ترا نہ بستاند جہل ازاں علم بہ بود بسیار

مولانا رومؒ حضرت شمس تبریزؒ کے ارشادات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اسی وقت ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ مولانا رومؒ ایک دن ایک حوض کے کنارے بیٹھے تھے۔ پاس ہی کچھ کتابیں رکھی تھیں۔ حضرت شمسؒ پھرتے پھراتے ادھر آ نکلے اور مولانا سے

Marfat.com

پوچھا ''یہ کیسی کتابیں ہیں؟''

مولاناؒ نے فرمایا ''یہ قیل وقال کا سامان ہے۔ آپ کو اس سے کیا سروکار؟''

حضرت شمس تبریزیؒ نے معاً ساری کتابیں اٹھا کر اس حوض میں پھینک دیں۔

مولانا رومؒ کتابوں کو اس طرح ضائع ہوتے دیکھ کر نہایت دلگیر ہوئے اور متاسفانہ لہجہ میں فرمایا ''آپ نے یہ کیا غضب کیا کہ ایسی نادر و نایاب کتابوں کو برباد کر دیا۔ ان میں علم و حکمت کے نایاب موتی بکھرے پڑے تھے۔''

شمس تبریزؒ مولانا رومؒ کا غیظ و غضب اور رنج والم دیکھ کر مسکرا دیے اور پھر حوض میں ہاتھ ڈال کر ساری کتابیں باہر نکال دیں۔ ان کا ایک ورق تک نہیں بھیگا تھا اور پانی میں ڈالنے سے پہلے کی طرح خشک تھیں۔

مولانا رومؒ یہ واقعہ دیکھ کر دم بخود ہو گئے اور کہنے لگے:

''یہ عجیب معاملہ ہے۔''

حضرت شمس تبریزؒ نے فرمایا:

''مولانا یہ حال کی باتیں ہیں، تم کو ان سے کیا سروکار۔''

مولانا رومؒ نے بے اختیار حضرت شمسؒ کے قدم چوم لیے اور ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی۔[1]

(۴)

حضرت شمس تبریزیؒ سے بیعت کے بعد مولانا رومؒ نے اپنے تمام اشغال ترک کر دیے۔ مرشد کے ساتھ انہیں ایسا حُسنِ عقیدت اور اخلاص پیدا ہوا کہ ہر وقت ان کی خدمت میں رہنے لگے۔ درس و تدریس اور وعظ و ارشاد کو یکسر موقوف کر دیا۔ اس عالم میں انہوں نے حضرت شمسؒ کے ساتھ ایک حجرہ میں باختلافِ روایت چھ ماہ

---

[1] سوانح مولوی روم میں علامہ شبلیؒ نے ان دونوں روایتوں کو صحیح ماننے سے انکار کیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ یہ روایتیں نہایت مستند کتابوں میں درج ہیں۔

Marfat.com

یا تین ماہ تک چلہ کشی کی۔ اس عرصہ میں مرشد اور مرید دونوں صائم رہے۔ حجرہ میں سوائے شیخ صلاح الدین زرکوب کے اور کسی کو جانے کی اجازت نہ تھی[1]۔ حضرت شمسؒ کی صحبت سے پہلے مولانا رومؒ کو سماع سے مطلق دلچسپی نہ تھی لیکن اب مرشد کی صحبت کا یہ اثر ہوا کہ سماع سے حد درجہ کا شغف پیدا ہو گیا۔ مرشد کے ارشاد کی تعمیل میں انہوں نے لوگوں سے گفتگو بھی ترک دی۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں میں حضرت شمسؒ کے خلاف چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ کوئی انہیں ساحر کہتا اور کوئی گمراہ اور دیوانہ۔ یہاں تک کہ مولانا کے خاص شاگرد اور مرید بھی حضرت شمسؒ سے برہم ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ ان کی طرف سے مولانا کی بے توجہی کا باعث صرف شمسؒ کا وجود ہے۔ اگر وہ یہاں سے چلے جائیں تو وہ پھر مولانا کی صحبتوں سے مستفیض ہوں گے۔ حضرت شمسؒ کو لوگوں کی برہمی کا حال معلوم ہوا تو ایک دن وہ چپکے سے قونیہ کی سکونت ترک کر کے دمشق چلے گئے۔

مولانا کے لیے مرشد کی جدائی ناقابلِ برداشت ثابت ہوئی۔ انہوں نے مریدوں شاگردوں اور دوسرے لوگوں سے یکسر قطع تعلق کر لیا اور گوشۂ تنہائی میں دن رات فراق مرشد میں ماہیِ بے آب کی طرح تڑپا کرتے۔

اس زمانہ میں انہوں نے حضرت شمسؒ کی یاد میں ایسے پُر درد اشعار کہے جنہیں سن کر پتھروں کا کلیجا بھی پانی ہوتا تھا۔ عرصۂ دراز کے بعد حضرت شمسؒ نے مولانا کو دمشق سے خط لکھا۔ اس خط نے مولانا کی آتشِ شوق و محبت کو اور بھڑکا دیا اور ان کی حالت دگرگوں ہو گئی۔

---

[1] شیخ صلاح الدین زرکوبؒ مولانا رومؒ کے ہمعصر تھے۔ وہ مولانا رومؒ کے استاد سید برہان الدین محقق کے شاگرد تھے اور مقام ولایت پر فائز تھے۔ مولانا رومؒ اور ان کے درمیان شروع ہی سے رشتۂ اخلاص و مودت تھا۔ شمس تبریزیؒ کی گمشدگی کے بعد وہی مولانا روم کے محرم راز اور رفیق تھے۔ مولانا نے اپنے متعدد اشعار میں شیخ صلاح الدین کا ذکر نہایت محبت و احترام کے ساتھ کیا ہے۔ شیخ زرکوبؒ کی وفات پر مولانا نے نہایت پُر درد مرثیے اور غزلیں کہیں۔

Marfat.com

قونیہ کے لوگ اب سخت نادم اور پشیمان ہوئے۔ جو کچھ انہوں نے سوچا تھا' نتیجہ اس کے بالکل برعکس نکلا جن لوگوں نے حضرت شمسؒ کی مخالفت میں خاص حصہ لیا تھا وہ دست بستہ مولانا روم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عفوِ تقصیر کے خواہاں ہوئے اور بقول سلطان ولد (پسرِ مولانا روم) یوں گویا ہوئے۔

ہمہ گریاں بہ توبہ گفتہ کہ وائے عفو ماکن ازیں گناہ خدائے
قدرِ او از عمیٰ ندا نستیم کہ بدو پیشوا ندا نستیم
توبہ ہاے کنیم رحمت کن گر دگر ایں کنیم لعنت کن

مولانا نے فرمایا کہ میرے دل کو صرف اسی صورت میں قرار آ سکتا ہے کہ تم لوگ دمشق جا کر حضرت شمسؒ سے معافی مانگو اور نہایت عزت و احترام سے انہیں قونیہ لاؤ۔

مولانا کی خواہش کے مطابق بیس آدمیوں کا ایک قافلہ سلطان ولد کی سرکردگی میں حضرت شمس کو لانے کے لیے عازم دمشق ہوا۔ مولانا نے شمسؒ کے نام ایک منظوم خط لکھا اور سلطان ولد کو ہدایت کی کہ اسے خود اپنے ہاتھ سے حضرت شمسؒ کی خدمت میں پیش کریں۔ اس منظوم خط کے پُرسوز اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

بہ خدائیکہ در ازل بودہ ست حیّ و دانا وقادر و قیّومؒ
نورِ او شمعہائے عشق افروخت تابشد صد ہزار سر معلوم
از یکے حکمِ اُو جہاں پُرشد عاشق و عشق و حاکم و محکوم
در طلسماتِ شمس تبریزیؒ گشت گنجِ عجائبش مکتوم
کہ ازاں دم کہ تو سفر کردی ازحلاوت جدا شدیم چو موم
ہمہ شب ہمچو شمع مے سوزیم زاتشے جفت و انگبیں محروم
در فراقِ جمالِ تو مارا جسم ویران و جان ہمچوں موم
آں عناں رابدیں طرف برتاب زفت کن پیلِ عیش راخر طوم

Marfat.com

بے حضورت سماع نیست حلال　　　ہمچوں شیطاں طرب شدہ مرجوم
یک غزل بے توہیچ گفتہ نشد　　　تارسد آں بہ مشرقہ مفہوم
بس بذوقِ سماع نامۂ تو　　　غزلے پنج وشش بشد منظوم
شام از نورِ صبح روشن باد　　　اے بتو فخرِ شام وارمن وروم

اس خط کے ساتھ ایک غزل بھی لکھ کر بھیجی اور ایک ہزار دینار سرخ حضرت شمسؒ کی نذر کے لیے بھیجے۔ یہ قافلہ دمشق جا کر حضرت شمسؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مولانا روم کا خط' غزل اور نذر پیش کی۔

حضرت شمسؒ نے مسکرا کر فرمایا:

بہ دام و دانہ نگیرند مرغِ دانا را

پھر فرمایا ''مولانا کا خط ہی کافی ہے اس نذر کی ضرورت نہیں۔''

اس کے بعد اس قافلہ کو چند دن اپنے پاس مہمان رکھا اور پھر سب کو ساتھ لے کر قونیہ کے لیے روانہ ہوئے۔ سلطان ولد ان کی سواری کے ساتھ پا پیادہ قونیہ تک آئے۔ مولانا کو ان کی تشریف آوری کی اطلاع ملی تو انہوں نے اپنے تمام مریدوں' شاگردوں اور دوستوں کو ساتھ لیا اور شہر سے باہر جا کر نہایت دھوم دھام سے حضرت شمسؒ کا استقبال کیا۔ کہتے ہیں کہ اُس دن قونیہ مردوں سے خالی ہو گیا تھا۔ مولانا روم اور حضرت شمسؒ دیر تک بغل گیر رہے۔ دونوں کی آنکھوں سے اشکِ مسرّت رواں تھے۔ اس کے بعد قوال اور خُدّام غزلیں گاتے اور چرخ لگاتے شہر کی طرف روانہ ہوئے۔

عالم از تو زندہ گشت و بر فروز
اے عجب آں روز روز افروز روز

حضرت شمسؒ کی مراجعت سے مولانا رومؒ کو گویا حیاتِ تازہ مل گئی پھر وہی راز و نیاز کی صحبتیں گرم ہو گئیں۔

Marfat.com

(۵)

مولانا رومؒ نے کیمیا خاتون نامی ایک لڑکی پالی تھی۔ انہوں نے اس لڑکی کا نکاح حضرت شمسؒ سے کرادیا اور اپنے مکان کے سامنے حضرت شمسؒ اور ان کی زوجہ کے لیے ایک خیمہ نصب کرا دیا۔ مولانا رومؒ کے ایک صاحبزادے علاؤ الدین محمد حضرت شمسؒ سے خار کھاتے تھے۔ وہ جب مولانا سے ملنے آتے تو خواہ مخواہ اس خیمہ کے اندر سے ہو کر گزرتے۔ حضرت شمسؒ کو ان کی یہ حرکت ناگوار گزرتی۔ انہوں نے علاؤ الدین محمد کو تنبیہ کی کہ اس حرکت سے باز رہیں۔ اس پر وہ حضرت شمسؒ کے سخت دشمن بن گئے اور دوسرے لوگوں کو بھی ان کے خلاف بھڑکایا۔ حاسدانِ تیرہ بخت میں حضرت شمسؒ کے خلاف طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ وہ لوگ حضرت شمسؒ کے سامنے بھی گستاخیاں کرنے لگے۔ مولانا اس صورت حال سے سخت آرزدہ ہوئے۔

مندرجہ ذیل شعران کی دلیل کیفیت کے آئینہ دار ہیں۔

باز گستاخاں ادب بگذاشتند — تخمِ کفران و حسد ہا کاشتند

خویش راکشتند وکشتند از ہوس — آنچہ کشتند آں چناں برداشتند

جب حضرت شمسؒ کے خلاف مخالفت کی آگ خوب بھڑک اٹھی تو ایک دن وہ دفعتہً غائب ہو گئے۔ ہر چند ان کی تلاش کی گئی لیکن کوئی سراغ نہ ملا۔ آخر مولانا اپنے چند خاص مریدوں کے ہمراہ مرشد کی تلاش میں دمشق تشریف لے گئے۔ ایک مدت تک وہاں مقیم رہے۔ صبح و شام حضرت شمسؒ کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے لیکن گوہرِ مقصود ہاتھ نہ آیا۔ اس عرصہ میں انہوں نے نہایت پُر درد فراقیہ اشعار کہے مثلاً

خبر رسید بشام است شمس تبریزیؒ — چہ صبح ہا کہ نماید اگر بشام رود

یا

ما عاشق وسرگشتہ وشیدائے دمشقیم — جاں دادہ ودل بستہ سودائے دمشقیم

Marfat.com

اہلِ قونیہ مولانا رومؒ کی غیر حاضری سے سخت مضطرب تھے۔ آخرانہوں نے ایک محضرنامہ تیار کیا اور ایک وفد مولانا کو بلانے دمشق بھیجا۔ مولانا ان لوگوں کی منت وسماجت اور اصرار سے مجبور ہوکر واپس قونیہ تشریف لے آئے۔

حضرت شمسؒ کو اس واقعہ کے بعد پھر کسی نے نہیں دیکھا۔ ان کی گمشدگی آج تک اسرار کے دھندلکوں میں مستور ہے لیکن اکثر تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ حضرت شمسؒ کو بعض حاسدوں نے موقع پاکر شہید کرڈالا اور ان کی نعش غائب کردی۔

مولانا جامیؒ نے ''نفحات الانس'' میں لکھا ہے کہ حضرت شمسؒ کو مولانا کے صاحبزادے علاؤالدین محمد نے شہید کیا۔ مولاناؒ کو بھی اس پر شک ہوگیا تھا چنانچہ کچھ عرصہ بعد جب وہ سخت بیمار ہوکر فوت ہوگیا تو مولانا نہ تو اس کی عیادت کے لیے گئے اور نہ اس کے جنازے میں شرکت کی۔ حضرت شمسؒ کی شہادت یا گمشدگی کا واقعہ ۶۴۵ھ میں پیش آیا۔

''مراۃ جہاں نما'' میں ان کی تاریخِ وفات (یا گمشدگی) اس طرح درج ہے۔

زبعدِ آہ شمس الدین والحق — دگر تاریخ شد بوداو زِ تبریز

۶۴۵

ایک دیوان جس میں تقریباً پچاس ہزار اشعار ہیں شمس تبریزی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ مسٹر آر اے نکلسن نے اس دیوان کی بہت سی غزلوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ اہلِ یورپ اس دیوان کو بڑی قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یورپ کی کئی دوسری زبانوں میں بھی اس کے ترجمے شائع ہوچکے ہیں لیکن محققین کے نزدیک یہ دیوان فی الحقیقت مولانا رومؒ کا کلام ہے۔ مولانا نے مرشد سے والہانہ محبت کی وجہ سے مقطع میں جگہ جگہ ان کا نام لیا ہے۔ اس لیے لوگ غلطی سے اسے حضرت شمس تبریزیؒ کا کلام سمجھنے لگے۔

رحمتہ اللہ علیہ

Marfat.com

مولانا جلال الدین محمد رومیؒ

''تاریخِ اسلام میں جن شخصیتوں نے عالَمِ اسلام پر بہت گہرا اور دیرپا اثر ڈالا ہے اور افکار و خیالات، علم و ادب اور قلب و دماغ کو صدیوں متاثر رکھا ہے، ان میں مولانا جلال الدین رومیؒ کا خاص مقام ہے۔ ان کی زندۂ جاوید ''مثنوی'' درحقیقت ساتویں صدی کے عقلی بحران کے خلاف قلب و روح کی ایک دلکش صدائے احتجاج ہے۔ وہ صرف تصوّف کی کتاب نہیں ہے (جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے) بلکہ علم کلام کی ایک مجتہدانہ تصنیف ہے بلکہ نئے علم کلام اور نئے طرزِ استدلال کی بنیاد ہے جو متکلّمین کے علمِ کلام کے مقابلہ میں کہیں زیادہ دلنشین اور یقین آفریں ہے اور اس سے اسلامی فکر و ادب میں نئے رجحانات پیدا ہوتے ہیں۔'' (سید ابوالحسن علی ندوی)

نام ولقب

نام محمد لقب جلال الدین اور عرف مولانائے روم تھا۔

جائے ولادت

مولانا رومؒ کی جائے ولادت بالاتفاق بلخ ہے۔

سالِ ولادت

مولانا کا سال ولادت تمام تذکرہ نگاروں نے ۶۰۴ھ مطابق ۱۲۰۸ء لکھا ہے۔

Marfat.com

ایک روایت کے مطابق وہ اس سال ۶ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔

خاندان

مولانا رومؒ کا شجرۂ نسب سات واسطوں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جا ملتا ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے:

جلال الدین محمد (مولانا رومؒ) بن بہاؤ الدین محمد بن جلال الدین حسین خطیب البلخی بن احمد بن قاسم بن میسّب بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیقؓ

مولانا رومؒ کے والد کا نام بھی محمد تھا اور لقب بہاؤ الدین' ان کا وطن بلخ تھا۔ اپنے علم وفضل اور تقویٰ کی وجہ سے ان کا شمار اُس دَور کے سرآمدِ روزگار پیشوایانِ دین میں ہوتا تھا۔ بہاؤ الدین کی والدہ سلطان محمد خوارزم شاہ کی بیٹی تھیں[1]۔اس لحاظ سے مولانا رومؒ کے خون میں شاہی خون بھی شامل ہو گیا تھا۔تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ مولانا کے دادا حسین بھی ایک صاحبِ حال بزرگ تھے اور یہی وجہ ہے کہ سلطان محمد خوارزم شاہ جیسے پُر ہیبت اور صاحبِ جاہ وجلال بادشاہ نے ان کو اپنا داماد بنانے میں فخر محسوس کیا۔مولانا بہاؤ الدینؒ ایک سحر البیان خطیب تھے۔سلطان محمد خوارزم شاہ یوں تو مولانا بہاؤ الدینؒ کا معتقد تھا اور گاہے گاہے ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا لیکن عوام النّاس میں ان کی بے پناہ مقبولیت کو دیکھ کر اس کے دل میں کچھ بدظنی سی پیدا ہو گئی۔مولانا اس کے وسوسہ کو بھانپ گئے اور بلخ سے ہجرت کر کے ۶۱۰ھ میں نیشا پور پہنچے اور پھر وہاں سے بغداد تشریف لے گئے۔وہاں مدتوں قیام رہا اور ہزارہا لوگ ان کے علم وفضل سے مستفیض ہوئے۔چند سال بعد ان کا دل

---

[1] محمد خوارزم شاہ بڑا با اقتدار بادشاہ تھا۔خراسان سے لے کر ایران' ماوراء النہر' کاشغر اور عراق تک اس کے زیرِ نگین تھے۔بدقسمتی سے اس نے ۶۱۶ھ میں تاتاریوں سے شکست کھائی اور بالآخر ناکامی کی حالت میں ۶۱۷ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

بغداد سے اچاٹ ہو گیا اور وہاں سے براہِ حجاز شام و زنجان "آق شہر" پہنچے۔ یہاں ایک سال قیام کیا اور پھر لارندہ جا کر سکونت اختیار کر لی۔ وہاں ان کے قیام کو سات برس گزر گئے تو ارض روم (ایشیائے کوچک) کے سلجوقی فرمانروا علاؤ الدین کیقباد نے ان کو باصرار قونیہ آنے کی دعوت دی۔ شیخ نے اس کی دعوت قبول کر لی اور لارندہ سے قونیہ کو روانہ ہوئے۔ قونیہ کے باہر سلطان علاؤ الدین کیقباد نے بڑی شان و شوکت اور گرمجوشی سے ان کا استقبال کیا اور ان کے گھوڑے کے ساتھ پیادہ پا چل کر شہر کے اندر لایا پھر ایک عظیم الشان مکان ان کی رہائش کے لیے وقف کر دیا اور آرام و فراغت کے تمام لوازم مہیا کر دیے۔ سلطان اکثر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور فیضِ صحبت اٹھاتا تھا۔ جب شیخ بہاؤ الدینؒ کو قونیہ میں قیام کیے تین برس گزر گئے تو وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور ۱۸ ربیع الثانی ۶۲۸ھ کو جمعہ کے دن داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ اس وقت مولانا روم کی عمر چوبیس برس کی تھی۔ چھ سات برس پہلے جب وہ اپنے والد کے ساتھ لارندہ میں مقیم تھے' ان کی شادی ہو چکی تھی۔ بیوی کا نام کرا خاتون تھی جو لارندہ کے ایک معزز امیر خواجہ شرف الدین سمرقندی کی صاحبزادی تھیں۔ ایک سال بعد ان کے بطن سے مولانا کے فرزند سلطان ولد پیدا ہوئے۔ گویا والد کی وفات کے وقت مولانا رومؒ عیالدار ہو چکے تھے۔

تعلیم و تربیت

مولانا رومؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے عظیم المرتبت والد شیخ بہاء الدینؒ سے حاصل کی۔ پھر والد نے مولانا کو اپنے ایک مرید سید برہان الدین محقق ترمذیؒ کے سپرد کر دیا۔ وہ ایک بلند پایہ عالم اور صاحبِ طریقت بزرگ تھے۔ انہوں نے چند سال کے اندر اندر مولانا کو تمام علوم و فنون میں طاق کر دیا۔

Marfat.com

شیخ بہاؤ الدینؒ نے جس سال وفات پائی اس سے اگلے سال ۶۲۹ھ میں مولانا رومؒ حلب اور دمشق تشریف لے گئے جو اس زمانے میں ہر قسم کے علوم وفنون کے مرکز تھے۔ مولانا وہاں کئی برس تک مقیم رہ کر تحصیلِ علم کرتے رہے یہاں تک کہ قرآن، حدیث، تفسیر، معقول، منطق، فلسفہ اور دوسرے تمام علوم میں درجۂ کمال تک پہنچ گئے۔ تکمیل علوم کے بعد مولانا وطن واپس تشریف لائے۔ ان کے استاد سید برہان الدینؒ بھی اپنے وطن ترمذ سے قونیہ آ گئے تھے۔ انہوں نے مولانا کو سینے سے لگا لیا اور پھر نو برس تک ان کو طریقت اور سلوک کی تعلیم دیتے رہے۔ بعض تذکروں میں ہے کہ مولانا ان کے حلقۂ ارادات میں بھی داخل ہو گئے تھے تاہم ان پر ظاہری علوم کا رنگ غالب تھا۔ سماع سے پرہیز کرتے تھے اور اپنا اکثر وقت درس وتدریس، وعظ وہدایت اور فتویٰ نویسی میں صرف کرتے تھے تا آنکہ ان کی زندگی میں ایک عجیب انقلاب رونما ہوا۔

شمس تبریزیؒ سے ملاقات

۶۴۲ھ میں حُسنِ اتفاق سے حضرت شمس تبریزیؒ قونیہ تشریف لائے۔ مولانا رومؒ کی ان سے ملاقات ہوئی تو وہ ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ ان کے ساتھ ایک حجرہ میں مولانا کی چلہ کشی، حضرت شمس تبریزیؒ کا قونیہ چھوڑ کر دمشق چلے جانا، دمشق سے ان کی قونیہ کو واپسی اور دائمی مفارقت، یہ سب حالات حضرت شمس تبریزیؒ کے تذکرہ میں بیان کر دیے گئے ہیں..... یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

صلاح الدین زرکوبؒ کی رفاقت

حضرت شمسؒ کے بعد مولانا نے شیخ صلاح الدین زرکوبؒ کو اپنا محرمِ راز اور رفیقِ خاص بنا لیا۔ وہ ابتدا سے صاحبِ حال تھے اور مولانا کے پیر بھائی تھے۔ کہتے

Marfat.com

ہیں کہ ایک دن وہ اپنی دکان میں چاندی کے ورق کوٹ رہے تھے کہ مولانا دکان کے سامنے سے گزرے۔ ہتھوڑی کی آواز نے ان پر سماع کا اثر کیا اور وہ بے خود ہو کر وہیں رقص کرنے لگے۔ گھنٹوں یہ کیفیت جاری رہی۔ پھر شیخ زرکوبؒ دکان سے باہر نکل آئے۔ مولانا ان سے بغل گیر ہو گئے اور عالم بے خودی میں دن ڈھلنے تک یہ شعر پڑھتے رہے۔

یکے گنجے پدید آمد درآں دکانِ زرکوبی
زہے صورت زہے معنی زہے خوبی زہے خوبی

شیخ زرکوبؒ نے اسی وقت ساری دکان لٹوادی اور اپنے آپ کو ہمہ تن مولانا کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ اس دن کے بعد وہ مرتے دم تک دکان پر نہ بیٹھے اور مسلسل دس برس تک مولانا کے ہم جلیس وہمراز رہے۔ اس دوران میں مولانا نے اپنے صاحبزادے سلطان ولد کا عقد شیخ صلاح الدین کی صاحبزادی سے کر دیا اور اس طرح ان دونوں میں سمدھیانے کا رشتہ بھی قائم ہو گیا۔ ۶۶۴ھ/۱۲۶۶ء میں حضرت زرکوبؒ دنیائے فانی سے عالم بقا کو سدھارے۔ مولانا کو ان کی وفات پر سخت صدمہ پہنچا۔ اسی حالت میں ایک دلدوز غزل لکھی جس کے چند اشعار یہ ہیں:

اے زہجراں در فراقت آسماں بگریستہ
دل میانِ خوں نشستہ عقل و جاں بگریستہ
چوں بعالم نیست یک کس مرمکانت راعوض
درعزائے تو مکان و لامکاں بگریستہ
جبرئیل و قدسیاں را بال و پر ارزق شدہ
انبیاء و اولیا را دیدگاں بگریستہ

مولانا سر برہنہ ہو کر بچوں کی طرح دہاڑیں مار مار کر روتے۔ جنازہ اٹھا تو

Marfat.com

قوالوں کی آٹھ جوڑیاں اس کے آگے سماع کر رہی تھیں اور مولانا عالَمِ وجد میں چرخ لگاتے اس کے ساتھ جا رہے تھے۔ انہوں نے اپنے محبوب رفیق کو شیخ بہاؤ الدینؒ کی قبر کے پہلو میں دفن کیا اور کئی دن تک سخت ملول و محزون رہے۔

شیخ حسام الدین چلپیؒ کی رفاقت

شیخ زرکوبؒ کی وفات کے بعد مولانا کو پھر ایک ایسے محرمِ راز اور رفیقِ خاص کی ضرورت محسوس ہوئی جس میں ان کو شمس تبریز کا جلوہ نظر آئے۔ ایسا محرمِ راز ان کو شیخ حسام الدین حسنؒ بن محمد بن حسن چلپی کی صورت میں مل گیا۔ شیخ حسام الدین چلپیؒ پہلے ہی مولانا کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ شیخ زرکوبؒ کے بعد مولانا نے ان کو اپنا خاص ہمدم و ہمراز بنا لیا۔ انہوں نے بھی پورے دس برس تک اس تندہی اور حُسنِ عقیدت کے ساتھ مولانا کی خدمت کی کہ دونوں یک جان دو قالب ہو گئے۔ شیخ چلپیؒ مولانا کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ دس برس میں انہوں نے ایک مرتبہ بھی مولانا کے وضو خانہ میں وضو نہیں کیا۔ گرمی ہو یا جاڑا، آندھی ہو یا طوفان وہ ہمیشہ گھر جا کر وضو کر آتے۔ یہ شیخ حسام الدین چلپیؒ ہی کی تحریک اور ترغیب تھی جس نے مولانا کو اپنی شہرۂ آفاق مثنوی لکھنے پر آمادہ کیا۔ مثنوی شریف میں مولانا نے جا بجا حسام الدین کا ذکر بڑے حسین انداز میں کیا ہے مثلاً:

اے ضیاء الحق حسام الدین توئی — کہ گزشت از مہ بنورت مثنوی
ہمتِ عالیِ تو اے مرتجی — می کشد ایں را خداداند کجا
گردن ایں مثنوی را بستۂ — می کشی آنسو کہ تو دانستۂ
زاں ضیاء گفتم حسام الدین ترا — کہ تو خورشیدی وایں دو وصفہا
شمس را قرآن ضیا خواند اے پدر — واں قمر را نور خواند ایں را نگر
ہمچناں مقصودِ من زیں مثنوی — اے ضیاء الحق حسام الدیں توئی

Marfat.com

شہ حسام الدین کہ نورِ انجم ست | طالبِ آغاز سفرِ پنجم ست
اے حیاتِ دل حسام الدین بسی | میل می جو شد بہ قسم سادسی
پیشکش می آرمت اے معنوی | قسم سادس درتمام مثنوی
اے ضیاء الحق حسام الدین فرید | دولت پائندہ فقرت برمزید

علالت اور وفات

۶۷۲ھ میں مولانا شدید بیمار ہو گئے۔ اچھے سے اچھے طبیبوں نے علاج میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

لوگ جب ان کی زندگی سے مایوس ہو گئے تو پوچھا کہ آپ کی نماز جنازہ کون پڑھائے گا؟ فرمایا مولانا صدر الدین...... وہ شیخ محی الدین اکبر (ابنِ عربی) کے شاگرد اور علم و فضل کے اعتبار سے نہ صرف قونیہ بلکہ روم و شام کے تمام علماء میں یگانہ مانے جاتے تھے۔ جانشین کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا حسام الدّین چلپی میری جگہ سنبھالے گا۔ یہ وصیتیں کر کے ۵ جمادی الآخر ۶۷۲ھ کی شام کو وفات پائی۔

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

مولانا کی رحلت کی خبر اہلِ قونیہ پر بجلی بن کر گری۔ گھر گھر میں ماتم برپا ہو گیا۔ صبح کو جنازہ اٹھا تو انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اس کے ساتھ تھا۔ اس میں ارضِ روم کا فرمانروا، امرائے سلطنت جوان، بوڑھے، عالم، جاہل، اغنیاء، فقراء ہر طبقہ کے لوگ شامل تھے۔ حد یہ کہ یہود اور نصاریٰ بھی توریت اور انجیل کی آیتیں پڑھتے اور گریہ و زاری کرتے جنازہ کے ساتھ تھے۔ ایک طرف قوالوں کی بیس جوڑیاں سماع میں

Marfat.com

مشغول تھیں تو دوسری طرف بے شمار حفاظ اور قراء قرآنِ حکیم کی تلاوت کرتے ہوئے جنازہ کے ساتھ آگے چل رہے تھے۔ راستے میں تابوت کا صندوق کئی بار بدلنا پڑا اور اس کے تختے تبرک کے طور پر تقسیم کیے گئے۔ جنازہ صبح چلا تھا لیکن شام تک بمشکل قبرستان تک پہنچ سکا۔ حسبِ وصیّت شیخ صدر الدینؒ نمازِ جنازہ پڑھانے کھڑے ہوئے لیکن فرطِ اَلَم سے غش کھا کر گر پڑے اور قاضی سراج الدینؒ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ تدفین کے بعد مزار پر چالیس دن تک لوگوں کا تانتا بندھا رہا۔

سات صدیاں گزر چکی ہیں لیکن مزار مبارک آج تک قونیہ میں مرجع خاص و عام ہے۔ مولانا کے فرزند سلطان ولد نے اپنے عظیم المرتبت والد کی وفات اور جنازہ کی مختصر کیفیت ان اشعار میں بیان کی ہے۔

پنجم ماہ درجماد آخر | بود نقلانِ آں شہِ فاخر
سال ہفتا دو دو بدہ بعدد | شش صداز عہد حضرت احمدؐ
چشم زخمی چناں رسیدآں دم | گشت نالاں فلک دراں ماتم
مردم شہراز صغیر و کبیر | ہمہ اندر فغاں آہ و نفیر
دیہیان ہم زرومی و اتراک | کردہ از درد او گریباں چاک
بہ جنازہ ہمہ شدہ حاضر | از سر مہر عشق تریے بر
کردہ ادرا مسیحیان معبود | دیدہ اور اجہود خوب چو ہود
عیسوی گفت اوست عیسیٰ ما | موسوی گفت اوست موسیٰ ما
ہمہ کردہ زِغم گریباں چاک | ہمہ از سوز کردہ برسر خاک
ہمچناں ایں کشید تا چہل روز | ہیچ سا کن نشد مے تف و سوز
بعد چہل روز سوئے خانہ شدند | ہمہ مشغولِ ایں فسانہ شدند

Marfat.com

اولاد

مولانا کے دو فرزند تھے سلطان ولد اور علاؤ الدین محمد، مُؤخَرُ الذِّکر کا نام حضرت شمس تبریزیؒ کے قاتلوں میں لیا جاتا ہے۔ وہ مولانا کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ سلطان ولدؒ علومِ ظاہری و باطنی میں درجۂ کمال پر پہنچے ہوئے تھے۔ مولانا کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق شیخ حسام الدین چلپیؒ مَسندِ خلافت پر بیٹھے۔ جب انہوں نے ۶۸۴ھ میں وفات پائی تو سلطان ولدؒ اتفاقِ عام سے پدرِ بزرگوار کے جانشین بنے۔ پورے اٹھائیس سال مخلوقِ خدا کو فیض پہنچانے کے بعد انہوں نے ۷۱۲ھ میں بعمر چھیانوے برس پیکِ اجل کو لبیک کہا۔ ان کے چار بیٹے تھے چلپی عارف، چلپی عابد، چلپی زاہد، چلپی واجد، فرزندِ اکبر چلپی عارف مولانا رومؒ کی زندگی ہی میں پیدا ہوئے تھے اور مولانا کو بے حد عزیز تھے۔ سلطان ولدؒ کی وفات کے بعد وہ سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے بعد چلپی عابدؒ مَسندِ خلافت پر رونق افروز ہوئے اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔

مولانا کا روحانی سلسلہ آج بھی جاری ہے اور یہ جلالیہ اور مولویہ کے نام سے مشہور ہے۔

تصانیف

تذکرہ نگاروں نے مولانا رومؒ کی تین تصانیف کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا ہے۔

ا۔ دیوان

اس میں تقریباً پچاس ہزار اشعار ہیں۔ اس کو لوگوں نے غلطی سے شمس تبریزؒ سے منسوب کر دیا۔

Marfat.com

۲۔ مثنوی

اس کے چھ دفتر ہیں۔ بقول مولانا شبلیؒ یہی وہ کتاب ہے جس نے مولانا کے نام کو آج تک زندہ رکھا ہے اور جس کی شہرت اور مقبولیت نے ایران کی تمام تصنیفات کو دبالیا ہے۔

اس مثنوی کو دنیائے تصوف میں جو بے مثال مقام حاصل ہے وہ ارباب فکرونظر سے مخفی نہیں۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کے بے شمار ترجمے اور شرحیں لکھی جا چکی ہیں اور سینکڑوں سال سے اس کے جذب و گداز اور تاثیر نے دلوں کو مسخر کر رکھا ہے۔ مولانا رومؒ سراپا عشق تھے اور ان کے کلام میں اول تا آخر عشق ہی کا پیغام ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر انسان کا دل عشق سے خالی ہے تو وہ انسان نہیں پتھر کا بت ہے اور اگر کوئی قوم عشق سے تہی دامن ہے تو وہ محض راکھ کا ڈھیر ہے۔ انہوں نے اپنے پیغام کو حکایتوں اور تمثیلوں کے پیرائے میں اس خوبی سے سمویا ہے کہ اہلِ دل پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔ تصوّف اور اخلاق ونفسیات کے دقیق مسائل اور اسرار و رموز کا ایک دریا ہے کہ امڈا چلا آتا ہے۔ علامہ شبلیؒ سوانح مولانا رومؒ میں لکھتے ہیں:

''فارسی زبان میں جس قدر کتابیں نظم ونثر میں لکھی گئی ہیں کسی میں ایسے دقیق، نازک اور عظیم الشّان مسائل اور اسرار نہیں مل سکتے جو مثنوی میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ فارسی پر موقوف نہیں اس قسم کے نِکات اور دقائق کا عربی تصنیفات میں بھی مشکل سے پتا لگتا ہے۔ اس لحاظ سے اگر علماء اور اربابِ فن نے مثنوی کی طرف تمام اور کتابوں کی نسبت زیادہ توجہ کی اور یہاں تک مبالغہ کیا کہ (مصرع) ''ہست قرآں در زبانِ پہلوی'' تو کچھ تعجب کی بات نہیں۔''

مثنوی مولانا رومؒ میں اس سے پہلے لکھی گئی کتابوں کی طرح کوئی ترتیب و تبویب نہیں ہے اور مختلف حکایات وقصص کو اخلاق وتصوّف کے جداگانہ عنوان قائم

Marfat.com

کر کے قلمبند نہیں کیا گیا۔ لوگوں نے اس پر طرح طرح کے اعتراض کیے اور یہاں تک کہا کہ اس میں محض طفلانہ قصے بھر دیے ہیں۔ مولانا رومؒ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ قصص و حکایات نفسِ مضمون اور مقصودِ کلام نہیں ہیں بلکہ ان کی غرض و غایت یہ ہے کہ جو لوگ تصوّف کے باریک مسائل اور روکھے پھیکے علمی مضامین کی طرف عام حالات میں متوجہ نہیں ہوتے وہ ان دلچسپ حکایات' مطائبات و محاضرات کی کشش سے اس طرف توجہ کریں اور ان کے کلام و پیغام کے مغز اور حقیقت کو سمجھیں جو لوگ ان کو محض تفریح اور وقت گزاری کے لیے پڑھیں گے ان کو کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ اس حقیقت کو مولانا رومؒ اس طرح بیان کرتے ہیں:

"کیا تو سمجھتا ہے کہ مثنوی کے پڑھتے وقت تجھ کو کچھ غور نہیں کرنا چاہیے اور محض اس کے الفاظ کو دہرا لینا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص پُرحکمت کلام اور مخفی بھید کو سرسری طور پر پڑھ کر سمجھ لے ہاں سمجھ تو لے گا لیکن محض قصے کہانی کی طرح۔ اُس کو صرف چھلکا ہی حاصل ہوگا اور مغز اور دانوں سے محروم رہے گا۔ اُس کو محبوب کی جھلک تو ضرور نظر آئے گی۔ لیکن اس طرح کہ اس کا چہرہ چھپا ہوا ہوگا۔ اے سرکش تیرے نزدیک تو شاہنامہ یا کلیلہ ومنہ بھی ویسے ہی ہیں جیسا قرآن لیکن حقیقت اور مجاز کا فرق تجھ کو اسی وقت معلوم ہو سکتا ہے جب سرمۂ عنایت تیری چشمِ بصیرت کو صاف کر چکا ہو۔

اُس کے نزدیک مینگنیاں اور مشک دونوں یکساں ہیں۔ ایسے لوگ کلامِ الٰہی کو محض دل کے بہلاوے کے طور پر پڑھتے ہیں۔ کچھ اور نہ پڑھا قرآن کھول لیا۔ جب مقصد یہ ہو کہ تفریح حاصل کی جائے اور وقتی افکار سے نجات حاصل کی جائے تو آگ بجھانے کے لیے خواہ پاک پانی ہو یا گندہ پیشاب دونوں یکساں ہیں۔"

مثنوی میں جو حکایات بیان ہوئی ہیں ان میں سے اکثر "حکایت در حکایت"

Marfat.com

اور ''مسائل در مسائل'' کی سلکِ مروارید میں پروئی ہوئی ہیں۔

ان حکایات میں درسِ اخلاق بھی ہے اور مزاح کی چاشنی بھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہر ایک حکایت میں تصوّف اور عشق کا کوئی نہ کوئی نکتہ بھی ضرور پوشیدہ ہے۔ ان حکایات کی حقیقت اصل میں یہ ہے۔

خوشتر آں باشد کہ سِرِّ دلبراں　　گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

مثنوی میں ایک خاص پیغام جو مولانا رومؒ نے مِلّتِ اسلامیہ کو دیا ہے' یہ ہے کہ رہبانیت اور ترکِ دنیا اسلام کی روح کے منافی ہے' مسلمان کو سراپا عمل ہونا چاہیے کیونکہ کسب و جہد اور سعی و عمل سُنّتِ انبیاء و اولیاء اور خدا کی مرضی ہے۔ اس سلسلہ میں ان کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے۔

جہد می کن تا توانی اے فتیٰ　　در طریقِ انبیاء و اولیاء

چیست غافل؟ از خدا غافل بدن　　نے قماش و نقرہ فرزند وزن

مال را گر بہرِ دیں باشی حمول　　نعم مال صالح گفت آں رسولؐ

جہد حق است و دوا حق است و درد
منکر اندر نفی جہدش جہد کرد

گفت پیغمبرؐ بآوازِ بلند　　با توکّل زانوئے اشتر بہ بند

رمز الکاسب حبیب اللہ شنو　　از توکّل درکسب کاہل مشو

رو توکّل کن تو با کسب اے عمو　　جہد می کن' کسب می کن مو بمو!

جہد کن جدے نما تا وارہی　　ورز تو از جہدش بمانی ابلہی

گر توکّل می کنی در کار کُن!　　کسب کن پس تکیہ بر جبّار کُن

یعنی توکّل کا مطلب یہ ہے کہ کوشش میں کمی نہ کی جائے اور نتیجہ کے بارے میں اللہ پر توکّل کیا جائے۔

Marfat.com

۳۔ فیہ مافیہ

یہ کتاب مولانا کے ان خطوط و ارشادات کا مجموعہ ہے جو مولانا نے وقتاً فوقتاً وزیرِ سلطنت معین الدین پروانہ کے نام لکھے اور جن کو بعد میں مولانا کے فرزند سلطان ولدؒ نے مرتّب کیا۔

ان کے علاوہ مولانا کے ایک سو چوالیس خطوط کا مجموعہ ''خطوط رومی'' کے نام سے اور آپ کے ان اقوال و مواعظ کا مجموعہ جو آپ نے شمسؒ کی ملاقات سے پہلے وقتاً فوقتاً ارشاد فرمائے تھے ''مجالسِ سبعہ'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ مؤخّرُ الذّکر کتاب کے تین حصے ہیں۔

علم و فضل

مولانا علم و فضل کے بحرِ زخّار تھے۔ راہِ فقر اختیار کرنے سے پہلے ان کے درس و افتا اور وعظ و ارشاد کا ایک دنیا میں غلغلہ پڑا ہوا تھا۔ قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ، مناظرہ غرض کوئی علم ایسا نہ تھا جس پر ان کو عبورِ کامل حاصل نہ ہو۔ تذکرہ نگاروں نے ان کے علم و فضل کے بارے میں بے شمار واقعات لکھے ہیں۔ ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے مصداق دو تین یہاں درج کیے جاتے ہیں:

ایک دفعہ جمعۃ المبارک کے دن مولانا نے اپنے وعظ میں قرآنِ حکیم کی چند آیتوں کی تفسیر بیان کرنی شروع کی۔ ہر طرف سے واہ وا اور سبحان اللہ کی آوازیں بلند ہوئیں۔ حاضرین میں ایک فقیہ بھی تھے جن کو اپنی علمی قابلیت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ انہوں نے برسرِ عام کہا کہ چند آیتیں پہلے سے مخصوص کر لی جاتی ہیں اور انہی کی تفسیر یہاں بیان کر دی جاتی ہے۔ احسن طریقہ تو یہ ہے کہ قرآنِ کریم کا کوئی حصہ بھی پڑھا جائے اور اس کی تفسیر برجستہ بیان کی جائے۔

Marfat.com

مولانا نے فرمایا آپ کوئی سورۃ پڑھیے میں اس کی تفسیر بیان کرتا ہوں۔فقیہ نے سورۂ وَالضُّحیٰ پڑھی۔ مولانا نے اس سورۃ کے دقائق و نکات بیان کیے تو صرف وَالضُّحیٰ کی واوَ کی تفسیر بیان کرتے کرتے شام ہوگئی۔تمام حاضرین مولانا کی علمی بصیرت پر سر دُھننے لگے۔فقیہ صاحب کی یہ حالت ہوئی کہ عالَمِ بیخودی میں اپنا گریبان چاک کرڈالا اور مولانا کے قدموں پر گر پڑے۔

ایک دفعہ مولانا نے کسی مسئلہ میں فتویٰ لکھا تو قونیہ کے ایک نامور عالم مولانا شمس الدین ماروِنی نے یہ کہہ کر اس کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا کہ یہ بے سَنَد معلوم ہوتا ہے۔مولانا نے سنا تو کہلا بھیجا کہ فلاں کتاب کے فلاں صفحہ پر یہ مسئلہ درج ہے۔لوگوں نے تحقیق کی تو فی الواقع یہ مسئلہ وہاں موجود تھا۔

ایک دن ایک شخص نے سوال کیا کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم کی مٹی کو خود خمیر کیا' مٹی میں گھاس بھی ملائی یا نہیں۔فرمایا اس کا جواب مجھ سے کیا پوچھتے ہو' قرآن حکیم ہی سے پوچھو جس میں فرمایا گیا ہے خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ انسان کا خمیر محض مٹی اور پانی سے تھا۔

اخلاق و عادات

مولانا کا صحیفۂ اخلاق ایسے پاکیزہ اور دلآویز پھولوں سے مزیّن تھا کہ جن کی خوشبو سے روح تازہ ہوتی تھی۔ان کا زُہد و قناعت' انکسار' تواضع' شب بیداری' توکّل علی اللہ' حلم و تحمّل' جود و سخا' حق گوئی' اکلِ حلال' ایثار' شیریں کلامی' مخلوقِ خدا سے محبت اور دوسرے اوصافِ حمیدہ مثالی حیثیت رکھتے تھے۔تذکرہ نویسوں نے ان کے اَخلاقِ حَسَنہ اور عاداتِ پسندیدہ کے بارے میں بیسیوں واقعات لکھے ہیں۔ان میں سے کچھ یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

مولانا کی ریاضت اور مجاہدہ کی یہ کیفیت تھی کہ ساری ساری رات عبادت

Marfat.com

کرتے گزر جاتی تھی۔ ان کے خُدّام کا بیان ہے کہ انہوں نے برسوں مولانا کو کبھی شب خوابی کے لباس میں نہیں دیکھا۔ اکثر مسلسل روزے رکھتے تھے اور دو دو تین تین ہفتے کچھ نہ کھاتے تھے۔ نماز کا وقت آتا تو فوراً قبلہ رُو ہو جاتے اور خشیتِ الٰہی سے چہرے کا رنگ متغیّر ہو جاتا۔ نماز میں استغراق کا یہ عالم تھا کہ عشاء کی نیّت باندھی اور دو رکعتوں میں ساری رات بیت گئی۔ کئی دفعہ نماز میں گریہ طاری ہو جاتا اور ساری ریش مبارک اور کپڑے آنسوؤں سے بھیگ جاتے تھے۔

بادشاہ اور امراء اکثر نقدی اور تحائف بھیجتے رہتے تھے لیکن مولانا اپنے پاس کوئی چیز نہ رکھتے تھے اور سب کچھ شیخ صلاح الدین زرکوبؒ یا شیخ حسام الدین چلپیؒ کے ہاں بھجوا دیتے تھے کہ راہِ خدا میں صَرف کر دیں۔ ان کے در سے کوئی سائل کبھی محروم نہ جاتا تھا۔ اگر کوئی اور چیز پاس نہ ہوتی تو اپنی عبا یا کُرتا یا جو کپڑا بدن پر ہوتا وہی اتار کر اس کو دے دیتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک تاجر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کثیر مال اور تحائف مولانا کی خدمت میں پیش کیے کہ اپنے تصرّف میں لائیں۔ مولانا نے فرمایا' بھائی نہ تو میرے آقا و مولانا محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دنیوی سامان تھا اور نہ مجھے دنیا پسند ہے۔ مجھے کانٹوں میں کیوں گھسیٹتے ہو۔ بہتر یہ ہے کہ اس مال کو اپنے ہاتھ سے محتاجوں اور غریبوں میں تقسیم کر دو اور مجھ کو اور میرے دوستوں کو اس تکلیف سے معاف کرو۔

مولانا نے ایک دفعہ اپنے چند خادم وزیر سلطنت معین الدین پروانہ کے پاس کسی کام کے لیے بھیجے جب وہ واپس آئے تو معین الدین کے عالی شان مکانات اور پُر تکلف کھانوں کی بے حد تعریف کی۔ مولانا نے ایک آہ بھر کر فرمایا:

"اے غافلو! دنیا کی غلاظت اور فنا ہو جانے والی عمارتوں کی اس قدر تعریف کر

Marfat.com

رہے ہو تمہیں شرم نہیں آتی۔"

اے بدیدہ لوتہائے چرب خیز

فضلہ اورابہ بیں در آب ریز

خُدّام بڑے شرمندہ ہوئے اور پھر کبھی انہوں نے مولانا کے سامنے دنیاوی چیزوں کی تعریف نہیں کی۔

ایک دفعہ مولانا سماع سن رہے تھے۔ایک شخص عالَم وجد میں بار بار مولانا سے جاٹکراتا۔لوگوں نے اس کو بزور مولانا کے پاس سے اٹھا کر دور بٹھادیا۔آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا "شراب تو اس نے پی ہے اور بدمستی تم کرتے ہو۔"

ایک دن مولانا کہیں جارہے تھے کہ راستے میں دو آدمیوں کو ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے دیکھا۔ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ اولعین! اگر تو ایک کہے گا تو میں دس سناؤں گا......مولانا نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھائی جو کچھ کہنا چاہتے ہو مجھ کو کہہ لو۔مجھ کو اگر ہزار سناؤ گے تو ایک بھی نہ سنو گے۔دونوں بہت شرمندہ ہوئے اور آپس میں بغل گیر ہوگئے۔

ایک دفعہ آپ کی اہلیہ نے اپنی لونڈی کو سزا دی۔مولانا کو علم ہوا تو سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ سب آدمی ایک دوسرے کے بھائی بہن ہیں۔کوئی شخص خدا کے سوا کسی کا غلام نہیں۔آپ کی اہلیہ نے اسی وقت اس لونڈی کو آزاد کردیا۔

مولانا کو اوقاف کی مَدّ سے پندرہ دینار ماہوار وظیفہ ملتا تھا۔گو حکومت کی طرف سے آپ کو کوئی ذِمّہ داری نہیں سونپی گئی تھی لیکن آپ اس کے معاوضہ میں فتویٰ لکھا کرتے تھے۔خُدّام کو تاکید کر رکھی تھی کہ رات ہو یا دن کوئی فتویٰ پوچھنے آئے تو مجھ کو ضرور اطلاع دو۔

ایک دفعہ کسی نے کہا کہ شیخ صدر الدین قونوی کو ہزاروں روپے ماہوار وظیفہ ملتا

Marfat.com

نہ ہے اور آپ کو صرف پندرہ دینار۔ یہ انصاف سے بعید ہے۔

فرمایا کہ شیخ کے اخراجات بھی بہت ہیں اور یہ بعید از انصاف نہ ہوگا کہ میرے پندرہ دینار بھی ان کو دے دیے جائیں۔

مولانا بادشاہوں اور امراء کے درباروں اور مجلسوں میں جانے سے سخت احتراز کرتے تھے۔ البتہ وہ آپ کے آستانہ پر حاضر ہوتے تو حُسنِ خُلق کی وجہ سے مل لیتے تھے۔

نمونہ کلام

روغن اندر دوغ باشد چوں عدم　　دوغ درہستی برآوردہ علم
نیست رابنمود ہست آں محتشم　　ہست رابنمود برشکلِ عدم
دست پنہاں وقلم بین خط گذار　　اسپ درجولان و ناپید اسوار
بحر راپوشید کف کرد آشکار　　بادرا پوشید و بنمودت غبار
خاک رابینی بہ بالا اے علیل　　بادرانہ جزبہ تعریف و دلیل
تیر پیدا بین و ناپیدا کماں　　جانہا پیدا و پنہاں جانِ جاں

عاشقاں راہر نفس سوزیدنی است　　بردہٗ ویراں خراجِ عشر نیست
ور درونِ کعبہ رسم قبلہ نیست　　چہ غم ار غواص راپا چلہ نیست
ملتِ عشق از ہمہ دینہا جُداست　　عاشقاں رامذہب وملّت خداست

ہمیشہ ایں چنیں مجنوں نبودم　　زعقل و عافیت بیروں نبودم
چوتو غافل بدم من نیز روزے　　چنیں دیوانہ و مفتوں نبودم
چو چشم دلبراں صیّاد بودم　　مثالِ دل میاں خوں نبودم

Marfat.com

دریں بودم کہ دل چونست جاں چوں — چنیں حیراں آں بیچوں نبودم
تو بارے عاشقی بنگر بیندیش — کز اول چوں بدم اکنوں نبودم
ہمی جستم فزونے برہمہ کس — چومہ در کاہش اے میموں نبودم
چو گنجے از زمیں بیروں فتادم — کہ گنجے بودم و قاروں نبودم

زخاکِ من اگر گندم برآید — ازو گرنان پزی مستی فزاید
شود دیوانہ سازندہ پزندہ — تنورش بیت مستانہ سراید
میابے دف بگورم اے برادر — کہ در بزم خدا غمگیں نشاید
منم مست و مرا اصل از مے عشق — مگواز من بجز مستی چہ آید

رعد مطرب برق مشعل ابر ساقیِ آب مے
باغ مست و زاغ مست و غنچہ مست و خار مست
آسمانا چند گردی گردشِ عنصر بہ بیں!
خاک مست و آب مست و باد مست و نار مست
حالِ صورت ایں چنیں و حالِ معنیٰ خود مپرس
نفس و عقل و روح مست و دائماً اسرار مست
از تقاضا ہائے مستاں و زنفیرِ عاشقاں
در شفاعت موبموئے احمدِ مختارؐ مست
او سرست و ماچو دستار اندر و پیچیدہ ایم
از شراب ایں سرِ ہے گردو سرود. ستار مست

Marfat.com

از جلالِ قدسِ اُوشیدا ابوبکرؓ و عمرؓ
باز عثمانؓ از جمال و حیدرِؓ کرار مست
شمس تبریزیؒ درآید درد لم بزمے نہاد
از شرابِ عشقِ حق بنگر درودیوار مست
من خمش کردم چو درمن کشت مستی آشکار
باد پیائند چو گوید ہر سخن بسیار مست

باز شہدے باشکر آمیختہ — عاشقاں باہم دگر آمیختہ
روز و شب را از میاں برداشتند — آفتابے باقمر آمیختہ
رنگِ معشوقاں و رنگِ عاشقاں — جملہ ہمچو سیم و زر آمیختہ
چوں بہار سرمدے حق رسید — شاخِ خشک و شاخِ تر آمیختہ
زاں عجب تر آنکہ اندر ہردمے — ایں اماں چوں باخطر آمیختہ

رحمتہ اللہ علیہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہ بہت سے پراگندہ بالوں والے گردوغبار میں اٹے ہوئے جن کو دروازوں پر دھکے دیے جائیں (اللہ کے نزدیک ان کا یہ مرتبہ ہوتا ہے کہ) اگر اللہ پر قسم کھا جائیں تو ان کی قسم کو اللہ ضرور پورا کرے گا۔ (صحیح مسلم)

Marfat.com

سلطان الپ ارسلان سلجوقی

(1)

سلجوقیوں کا ظہور اور عروج تاریخِ اسلام کا ایک درخشاں باب ہے۔ وہ صفح
تاریخ پر اس وقت نمودار ہوئے جب خلافتِ عباسیہ کے شجرِ اقبال کو گھن لگ چکا تھا۔
سلجوقی، خلفائے عباسیہ کے پشتیبان بن گئے۔ انہوں نے نہ صرف عباسی خلافت ک
مٹنے سے بچالیا بلکہ ایک بار پھر دنیا میں مسلمانوں کی عظمت وسطوت کا سکّہ بٹھا دیا۔ و
جہاں اسلام کے بازوئے شمشیر زن ثابت ہوئے وہاں انہوں نے تہذیب وتمدّن
اور علم و ہنر کی ایسی شمعیں بھی روشن کیں کہ سارا جہان ان سے منوّر ہو گیا۔ سلجوق
فرمانرواؤں میں سلطان طغرل بیگ، سلطان الپ ارسلان اور اس کے فرزند ملک شا
کو تاریخ میں لازوال شہرت حاصل ہے۔ ان تینوں میں الپ ارسلان کو یہ خصوصیت
حاصل ہے کہ اس نے سلطان طغرل بیگ کی تاسیس کی ہوئی سلجوقی سلطنت کی
بنیادیں اتنی مضبوط کر دیں کہ دنیا میں صدیوں تک عہدِ سلاجقہ کے سیاسی اور تمدّنی
اثرات محسوس کیے جاتے رہے۔

سلطان الپ ارسلان کے خاندان کا تعلّق وسط ایشیا کے غز ترکوں کے ایک
قبیلے سے تھا جو چوتھی صدی ہجری کے وسط میں یا اس سے کچھ پہلے مشرّف بہ اسلام ہو

Marfat.com

کیا تھا۔ قبولِ اسلام سے قبل وسطِ ایشیا کے تُرک قبائل عام طور پر خانہ بدوشوں کی زندگی بسر کرتے تھے۔ قرنِ اوّل اور قرنِ دوم کے مسلمانوں کی عالمگیر فتوحات کے زمانے میں اسلامی مقبوضات کی سرحدیں ترکوں کی بود و باش کے علاقوں سے جا ملیں چنانچہ مسلمان تاجروں سے ان لوگوں کا اکثر میل جول رہنے لگا۔ انہی کے زیرِ اثر ترکوں میں آہستہ آہستہ اسلام پھیلنا شروع ہو گیا اور وہ تہذیب کے سانچے میں ڈھلنے لگے۔ ترکوں کا جو قبیلہ اسلام قبول کرتا وہ اسلامی سلطنت کی سرحدوں پر بس جاتا۔ ان لوگوں کو عام طور پر ترکمان کہا جاتا تھا۔ غز ترکوں کے ایک قبیلے نے چوتھی صدی ہجری کے وسط میں یا اس سے کچھ پہلے اپنے وطن سے ہجرت کر کے ماوراء النہر کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر نواحِ جند میں اقامت اختیار کر لی۔ یہاں کچھ عرصے کے بعد یہ قبیلہ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ اس قبیلے کا سردار سلجوق بن دقاق (یا تقاق) تھا۔ یہی سلجوق سلطان الپ ارسلان کا مُورثِ اعلیٰ تھا اور اسی کے نام کی نسبت سے اس کے خاندان اور نسل کو سلجوقی، آلِ سلجوق، سلاجقہ یا سلاجیق کہا جاتا ہے۔ سلجوق ایک مردِ مجاہد تھا۔ جب کبھی وحشی تُرک اس کے علاقے کی طرف بڑھتے وہ ان کے سامنے سینہ سپر ہو جاتا اور اپنے کافر بھائی بندوں سے لڑ بھڑ کر مسلمانوں کا مال و جان بچا لیتا۔

(۲)

سلجوق کی وفات کے بعد اس کے بیٹے اسرائیل (ارسلان) نے تیس بتیس برس تک ماوراء النہر کے سلجوقی ترکوں کی قیادت کی اور ان لڑائیوں میں نمایاں حصہ لیا جو سامانیوں، ایلک خانیوں اور غزنیوں میں ہو رہی تھیں۔ ۴۱۶ھ میں سلطان محمود غزنوی نے اسرائیل کو گرفتار کر کے قلعہ کالنجر (ہندوستان) میں قید کر دیا۔ جہاں اس نے سات سال بعد ۴۲۳ھ میں وفات پائی۔ اس کا بیٹا قتلمش غزنویوں سے بچتا بچاتا اپنے عزیزوں کے پاس بخارا پہنچ گیا۔ یہی قتلمش سلاجقۂ روم کا مُورثِ اعلیٰ ہے جو

Marfat.com

۷۰۰ھ/۱۳۰۰ء تک ایشیائے کوچک کے حکمران رہے اور پھر ترکانِ عثمانی ان کے جانشین بنے۔

سلجوق کا دوسرا بیٹا میکائیل غالباً اس کی زندگی ہی میں کسی جنگ میں مارا گیا تھا مگر اپنے پیچھے طغرل بیگ اور چغری بیگ داؤد دو نامور بیٹے چھوڑ گیا تھا۔ سلجوق کی وفات کے بعد سلجوقی دو گروہوں میں بٹ گئے تھے ایک گروہ نے اسرائیل کو اپنا سردار بنا لیا تھا اور دوسرے نے طغرل بیگ اور چغری بیگ داؤد کو۔ آئندہ تیس بتیس برس جہاں اسرائیل ماوراء النہر کی سیاست میں سرگرمی سے حصہ لیتا رہا وہاں طغرل بیگ اور چغری بیگ داؤد اپنے ساتھی قبائل کے ساتھ نواح جند میں خاموشی سے زندگی گزارتے رہے۔

جب تک سلطان محمود غزنویؒ زندہ رہا اس کی بے پناہ فوجی قوت اور تدبّر کے سامنے سلجوقیوں کے کسی گروہ کو سر اٹھانے کی ہمت نہ پڑی یہاں تک کہ انہوں نے اسرائیل کی گرفتاری اور قید کا کڑوا گھونٹ بھی طوعاً و کرہاً پی لیا لیکن جونہی سلطان محمود نے ۴۲۱ھ میں وفات پائی سلجوقیوں نے اس کے جانشین سلطان مسعود کے خلاف اپنی تگ و تاز کا آغاز کر دیا۔ مسعود اپنے عظیم باپ کی خوبیوں سے عاری تھا۔ اس لیے وہ اپنی وسیع و عریض سلطنت کو نہ سنبھال سکا۔ کئی سال تک غزنویوں اور سلجوقیوں کے مابین لڑائیاں ہوتی رہیں۔ کبھی غزنویوں کو ہزیمت ہوئی اور کبھی سلجوقیوں کو۔ بالآخر ۴۳۱ھ میں طغرل بیگ اور چغری بیگ داؤد نے سرخس اور مرو کے درمیان ایک خونریز جنگ میں مسعود غزنوی کو فیصلہ کُن شکست دی۔ اس کے نتیجہ میں غزنوی سلطنت اپنے مشرقی علاقوں (غزنین پنجاب وغیرہ) میں سمٹ کر رہ گئی اور سلجوقی خراسان کی قسمت کے مالک بن گئے۔

Marfat.com

(۴)

خراسان کی فتح کے بعد سلجوقیوں کی جہانبانی اور کشور کشائی کا دور شروع ہو گیا اور ان کے تمام گروہوں نے طغرل کو اپنا سربراہ یا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اس نے ایک طرف تو ترکستان اور ماوراء النہر کے حکمرانوں کو فتح نامے لکھے اور دوسری طرف سفیر ابو اسحاق فقاعی کے ہاتھ خلیفہ بغداد القائم بامر اللہ کی خدمت میں ایک عرضداشت بھیجی جس میں اس کو اپنی فتح کی خبر دی اور ساتھ ہی خراسان کی سَنَدِ حکومت عطا کرنے کی استدعا کی۔ خلیفہ نے یہ عرضداشت ملنے پر خوشی کا اظہار کیا اور طغرل کو نہ صرف سَنَدِ حکومت عطا کی بلکہ "رُکنُ الدّین" کا خطاب بھی مرحمت فرمایا۔ طغرل اور چغری بیگ داؤد دونوں بھائیوں میں کمال درجے کا اتحاد تھا اور دونوں ایک دوسرے کے دست و بازو تھے۔ چھوٹا بھائی چغری بیگ داؤد زندگی بھر بڑے بھائی طغرل کا مطیع اور فرمانبردار رہا۔ طغرل نے اس کو خراسان کے بالائی علاقے کا حکمران بنا دیا اور مشرق و شمال کے علاقے اس کی جنگی سرگرمیوں کے لیے مخصوص کر دیے۔ چغری بیگ داؤد نے مرو کو اپنا دارالحکومت بنایا اور دو تین سال کے اندر اندر بلخ اور خوارزم کو بھی فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس کو اپنے داخلی اور خارجی امور میں مکمل آزادی حاصل تھی تاہم وہ طغرل کو اپنا سربراہِ اعلیٰ تسلیم کرتا تھا۔ یہی چغری بیگ داؤد سلطان الپ ارسلان کا باپ تھا۔

طغرل نے دولتِ سلجوقیہ کے سربراہ کی حیثیت سے نیشاپور کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ اس نے ایک طرف تو چغری بیگ کو اس کی جنگی مہموں میں مدد دی اور دوسری طرف خود دہستان، جُرجان، طبرستان اور جبال کے صوبے فتح کر کے وہاں اپنا خطبہ جاری کر دیا۔ اس کے برادرِ مادری ابراہیم بن اینال نے رَے اور ہمدان کے علاقے فتح کر کے سلجوقی سلطنت میں شامل کر دیے۔ اس طرح ۴۳۴ھ/۱۰۴۲ء کے اخیر

Marfat.com

تک طغرل کے حدودِ سلطنت دولتِ بویہیہ کے حدود سے جا ملے۔ بویہی یا دیلمی خاندان گزشتہ ایک صدی سے فارس' عراق' اہواز' کرمان اور اصفہان وغیرہ پر حکومت کر رہا تھا' خود قلبِ اسلام بغداد پر دیالمہ کی گرفت اتنی سخت تھی کہ خلیفہ عباسی ان کے سامنے دم نہیں مار سکتا تھا اور اس کی حیثیت ایک معزّز وظیفہ خوار سے زیادہ نہ تھی۔ دیلمی حکمرانوں نے پہلے سلطان اور پھر شہنشاہ کا لقب اختیار کیا۔ خطبہ میں خلیفہ کے نام کے ساتھ ان کا نام بھی لیا جاتا تھا بلکہ سکّہ پر بھی ان کا نام ہوتا تھا چونکہ یہ لوگ شیعہ تھے اس لیے ان کے عہد میں ایران اور عراق وغیرہ میں مذہبِ اثنا عشری کو زبردست فروغ حاصل ہوا۔ خاندان بویہ کے حکمرانوں میں معزّالدولہ کے بھتیجے عضد الدولہ (متوفّی ۳۷۲ھ/۹۸۲ء) نے سب سے زیادہ ناموری حاصل کی۔ وہ ایک علم دوست اور عادل حکمران تھا اور رفاہِ عامہ کے کاموں میں بے حد دلچسپی رکھتا تھا۔ عضد الدّولہ کے پاس اس کے جانشینوں کی باہمی آویزش نے اس خاندان کو رُوبہ زوال کر دیا۔ تاہم طغرل کے عروج کے وقت ان میں اتنی طاقت ضرور تھی کہ سلجوقیوں سے نبرد آزما ہو سکیں۔ دونوں طاقتوں کی سرحدوں کے اِتّصال کے بعد ان کے مابین تصادم کا شدید امکان پیدا ہو گیا لیکن اس موقع پر خلیفہ بغداد قائم بامر اللہ نے مداخلت کی اور اپنے اثر و رسوخ کو بروئے کار لا کر دیلمی حکمرانوں اور سلطان طغرل کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم کرا دیے تاہم یہ صورتِ حال زیادہ عرصہ تک جاری نہ رہی اور سلجوقی اور دیلمی افواج کے درمیان وقتاً فوقتاً جھڑپیں ہونے لگیں' ان میں سلجوقیوں کو بالعموم غلبہ حاصل ہوتا تھا۔ دیلمی حکمران ابو کالیجار نے ۴۴۰ھ میں وفات پائی تو اس کے بیٹوں کے درمیان جنگِ اقتدار شروع ہو گئی۔ طغرل نے دیلمیوں کی خانہ جنگی سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا اور اصفہان' کردستان وغیرہ پر قبضہ کر کے فارس اور عراق پر چھاپے مارنے شروع کر دیے۔ ابو کالیجار کے دو بیٹوں ابو منصور فلاستون اور ابو علی کیخسرو نے

Marfat.com

طغرل کی اطاعت قبول کر لی البتہ تیسرے بیٹے ابو نصر خسرو فیروز نے "الملک الرّحیم" کا لقب اختیار کر کے دیلمی سلطنت کا سربراہ یا بادشاہ بننے کا اعلان کر دیا۔ گو اس کا دائرۂ اقتدار فارس، خوزستان اور عراق تک محدود تھا اور ان صوبوں میں بھی سخت بدنظمی اور انتشار کا دَور دَورہ تھا پھر بھی وہ دارالخلافت بغداد پر متصرّف ہونے کی وجہ سے دنیائے اسلام میں خاصی اہمیّت رکھتا تھا۔ ۴۴۷ھ/۱۰۵۵ء میں طغرل نے بغداد کی طرف توجہ کی اس سے پہلے ۴۴۶ھ/۱۰۵۴ء میں وہ آذربائیجان، شیراز، جنزہ، موصل، دیارِ بکر وغیرہ کو اپنے حلقۂ اطاعت میں لا چکا تھا اور آرمینیا میں داخل ہو کر ارض روم تک کے علاقے کو تاخت و تاراج کر کے واپس آیا تھا۔ ۲۵ رمضان المبارک ۴۴۷ھ/۱۰۵۵ء کو وہ ایک جرّار لشکر کے ساتھ بغداد میں داخل ہو گیا۔ خلیفہ کی طرف سے تمام عمائدِ سلطنت، قاضی القضاۃ اور اشرافِ بغداد یہاں تک کہ دیلمی امراء نے بھی اس کا شاندار استقبال کیا۔ طغرل نے باب الشماسیہ پر قیام کیا۔ قیامِ بغداد کے دوران میں بدقسمتی سے اس کی فوج کے چند سپاہی کسی غلط فہمی کی بنا پر بغداد کے شہریوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ طغرل کو شبہ ہوا کہ یہ سب کچھ ملک الرّحیم کے اشارے سے ہوا ہے چنانچہ اس نے ملک الرّحیم اور اس کے امراء کو گرفتار کر کے نظر بند کر دیا۔ دیلمی امراء کو تو اس نے بعد میں خلیفہ کی سفارش پر رہا کر دیا لیکن ملک الرّحیم کو نہ چھوڑا۔ اس طرح آلِ بویہ یا دیالمہ کا آفتابِ اقتدار ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا اور طغرل نے ان کے تمام مقبوضات (بشمول بغداد) کو اپنی سلطنت میں ضم کر لیا یا اپنے حلقۂ اثر و اقتدار میں شامل کر لیا۔

طغرل نے بغداد میں تیرہ ماہ قیام کیا اور اس دوران میں اپنی بھتیجی خدیجہ ارسلان خاتون (دختر چغری بیگ داؤد) کا نکاح خلیفہ قائم بامر اللہ سے کر دیا اس طرح سلطان اور خاندانِ خلافت میں رشتۂ مصاہرت قائم ہو گیا۔

Marfat.com

(۴)

اسی زمانے میں دیلمیوں کے ایک امیر بساسیری نے سلجوقیوں کے خلاف شورش برپا کر دی[1] طغرل کے ورود بغداد سے پہلے بھی وہ خلیفہ اور وزیر سلطنت رئیس الروسا کو سخت پریشان کر چکا تھا۔ بغداد پر طغرل کے تسلط کے بعد وہ الرحبہ (شام) چلا گیا اور فاطمی خلیفہ مصر المستنصر باللہ کی اطاعت قبول کر کے ایک زبردست فوج تیار کر لی۔ امیرانِ عرب نور الدولہ دبیس بن مزید اور قریش بن بدران بھی اس کے ساتھ مل گئے۔ انہوں نے شوال ۴۴۸ھ/۱۰۵۶ء میں طغرل کے ابنِ عم قتلمش والیِ موصل و دیار بکر کو سنجار کے مقام پر شکست دے کر اس کے مقبوضات پر قبضہ کر لیا اور بساسیری نے وہاں فاطمی خلیفہ کا خطبہ جاری کر دیا۔ طغرل کو ان واقعات کی اطلاع ملی تو وہ ۱۰ ذیقعدہ ۴۴۸ھ/۱۰۵۶ء کو بغداد سے موصل کی طرف روانہ ہوا۔ بساسیری اس کے موصل پہنچنے سے پہلے ہی بھاگ کر پھر الرحبہ چلا گیا اور نور الدّولہ اور قریش بن بدران نے طغرل کی اطاعت قبول کر لی۔ طغرل نے موصل، سنجار، دیارِ بکر اور جزیرہ ابنِ عمر فتح کر کے ان کو اپنے ماوری بھائی ابراہیم بن اینال کے سپرد کیا اور ذیقعدہ ۴۴۹ھ/۱۰۵۷ء میں دوبارہ بغداد میں داخل ہوا۔ ۲۵ ذیقعدہ کو اس نے خلیفہ سے شرف ملاقات حاصل کیا۔ بارگاہِ خلافت سے اس کو ''الملک المشرق والمغرب'' کا خطاب مرحمت ہوا اور اس نے ۵۰ ہزار دینار نقد اور بیشمار بیش قیمت تحائف خلیفہ کی نذر کیے۔ ۴۵۱ھ/۱۰۵۹ء میں طغرل کو دو عظیم سانحوں سے دوچار ہونا پڑا۔ پہلا

---

[1] بساسیری کا نام ارسلان اور کنیت ابو الحرث تھی وہ خود شہر بساء کا رہنے والا تھا یا بساء کے رہنے والے کسی سوداگر کا غلام تھا اسی نسبت سے بساسیری مشہور ہوا۔ اس کو بہاؤ الدولہ بن عضد الدولہ دیلمی نے خرید کر اپنے خاص غلاموں میں شامل کر لیا تھا اور اس کی تعلیم و تربیت نہایت اعلیٰ پیمانے پر کی تھی چنانچہ اس نے ایک اچھے جرنیل اور بلند پایہ مدبر کی شہرت حاصل کر لی تھی۔ ابو کالیجار اور ملک الرحیم کے زمانے میں اس نے بڑا عروج حاصل کیا۔ یہاں تک کہ عراق اور خوزستان کے منبروں پر خطبہ میں اس کا نام بھی لیا جاتا تھا اور خلیفہ قائم اس کو ترکوں کا سردارِ اعلیٰ بنانے پر مجبور ہو گیا تھا۔

Marfat.com

سانحہ تو اس کے برادرِ اصغر چغری بیگ داؤد کا انتقال تھا۔ وہ حقیقی معنوں میں طغرل کا دست و بازو تھا اور اس کی وفات سے سلطان کو بے پناہ دکھ ہوا۔ دوسرا سانحہ یہ تھا کہ طغرل کے مادری بھائی ابراہیم بن اینال نے ایک زبردست فوج جمع کر کے اس کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کر دیا۔ سلطان کے پاس اس وقت تھوڑی سی فوج تھی جس کی ابراہیم کے لشکرِ گراں کے سامنے کوئی حقیقت ہی نہ تھی۔ طغرل کے لیے یہ بڑی نازک گھڑی تھی لیکن اللہ نے اس کی مدد کی اور عین وقت پر اس کے بھتیجے الپ ارسلان، یاقوتی اور قاورد بیگ (پسرانِ چغری بیگ داؤد) اپنی فوجیں لے کر اس کی مدد کے لیے آ پہنچے۔ جُمادی الآخر ۴۵۱ھ میں رَے کے قریب ابراہیم اور طغرل کی فوجوں کے درمیان گھمسان کا رن پڑا جس میں ابراہیم کو شکستِ فاش ہوئی اور وہ گرفتار ہو کر طغرل کے سامنے آیا۔ ابراہیم اس سے پہلے بھی ایک دو موقعوں پر سرکشی کا مظاہرہ کر چکا تھا لیکن طغرل نے اسے معاف کر دیا تھا۔ اب کی بار وہ معافی کا مستحق نہ سمجھا گیا اور طغرل کے حکم سے اس کو پھانسی دے دی گئی۔

(۵)

جس زمانے میں طغرل، ابراہیم اینال کے قضیے میں اُلجھا ہوا تھا، بساسیری کی باسی کڑھی میں ابال آیا اور اس نے میدان خالی دیکھ کر بغداد پر حملہ کر دیا۔ خلیفہ بیچارے میں مقابلے کی سکت کہاں تھی، بساسیری نہایت آسانی سے قلبِ اسلام پر قابض ہو گیا (۶ ذیقعدہ ۴۵۰ھ) اور اپنی باقاعدہ حکومت قائم کر کے بغداد، واسط اور کوفہ وغیرہ میں فاطمی خلیفۂ مصر کا خطبہ جاری کر دیا اور اذان میں کلمہ "حَيَّ عَلٰی خَيْرِ الْعَمَلْ" کا اضافہ کر دیا۔ اس کے فوجیوں اور بنو عقیل کے بدویوں نے قصرِ خلافت کو جی بھر کے لوٹا۔ عباسی خلیفہ کو بساسیری نے معزول کر کے حدیثہ عانہ بھیج دیا جہاں وہ پورے ایک سال تک نظر بندی کے مصائب جھیلتا رہا۔ عید الاضحیٰ کے دن

Marfat.com

بساسیری بغداد کی عیدگاہ میں گیا تو چشمِ فلک کو یہ نظارہ بھی دیکھنا پڑا کہ عین عباسی خلافت کے مرکز میں مصری خلافتِ فاطمیہ کے جھنڈے لہرا رہے ہیں۔

خلافتِ عباسی کا وزیر السلطنت رئیس الرؤسا ایک راسخ العقیدہ سُنّی تھا۔ بساسیری نے ذی الحجہ ۴۵۰ھ کے آخر میں اس کو عمیدِ عراق سمیت قتل کرا دیا۔ خلیفہ نے حدیثہ عانہ پہنچ کر سلطان طغرل کو اپنی مصیبت اور بغداد پر بساسیری کے استیلا سے مطلع کر دیا تھا اور اس سے درخواست کی تھی کہ اگر اسلام کو بربادی سے بچانا ہے تو فوراً بغداد پہنچو۔ طغرل اس وقت اپنے جھگڑوں میں مبتلا تھا وہ فوراً تو خلیفہ کی مدد کے لیے نہ پہنچ سکا تاہم اس نے جواب میں خلیفہ کی تسلی کے لیے یہ آیت لکھ بھیجی:

اِرْجِعْ اِلَیْهِمْ فَلَنَاْتِیَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (سورۂ نمل:۳۷)

ترجمہ: ”(اے قاصد جنہوں نے تجھے بھیجا ہے) ان کے پاس واپس جا، ہم ان پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کا وہ مقابلہ نہ کر سکیں گے اور (ہم) ان کو وہاں سے ذلیل و خوار کر کے نکال دیں گے۔“

اس جواب کو سن کر خلیفہ بہت خوش ہوا اور کہا کہ اِنْ شَاءَ اللہ ایسا ہی ہوگا۔

(۶)

ابراہیم اینال کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد طغرل ایک جرّار لشکر لے کر بغداد کی طرف روانہ ہوا۔ اس کی آمد آمد کی خبر سن کر بساسیری پر ہیبت طاری ہو گئی اور وہ اپنے بغداد میں داخل ہونے کے ٹھیک ایک سال بعد ۶ ذیقعدہ ۴۵۱ھ کو وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ سلطان نے فوراً خلیفہ کو فتح کا بشارت نامہ بھیجا اور اس سے بغداد واپس تشریف لانے کی درخواست کی۔ خلیفہ اس سے پہلے ہی حدیثہ عانہ سے روانہ ہو چکا تھا۔ راستے میں طغرل کی طرف سے وزیر السلطنت عمید الملک کُندری نے اس

Marfat.com

کا شاندار استقبال کیا اور اسے بڑی شان سے لے کر بغداد کی طرف چلا۔ نہروان پر طغرل نے خود سات مرتبہ زمین بوس ہو کر اس کا استقبال کیا اور معذرت کی کہ وہ ابراہیم کی بغاوت کے سبب بروقت اس کی امداد کے لیے نہیں پہنچ سکا۔ ۲۵ ذیقعدہ ۴۵۱ھ کو خلیفہ بغداد میں داخل ہوا اور سلجوقیوں کی بے پناہ قوت کے بل بوتے پر عباسی خلافت کا کاروبار پھر بحال ہو گیا۔

طغرل کے حکم سے فوج کے ایک مضبوط دستے نے بساسیری کا تعاقب کیا اور اس کو شام کی طرف بھاگتے ہوئے ایک جگہ جا لیا۔ اس نے کچھ مزاحمت کی لیکن بہت جلد مغلوب ہو گیا اور موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس کا سر ایک نیزے پر رکھ کر بغداد میں پھرایا گیا اور پھر لوگوں کو عبرت دلانے کے لیے اس کو باب النوبی پر لٹکا دیا گیا۔

۴۵۴ھ میں طغرل کی اہلیہ نے وفات پائی۔ اس سے اگلے سال اس نے خلیفہ کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دے۔ خلیفہ نے یہ پیغام قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن طغرل نے اس شدت سے اصرار کیا کہ بالآخر خلیفہ کو اس کی بات ماننی پڑی۔ چنانچہ شعبان ۴۵۴ھ میں طغرل کا نکاح دخترِ خلیفہ سے ہو گیا۔ دلہن کی رخصتی محرم ۴۵۵ھ میں ہوئی۔ اس رشتہ کے قائم ہونے پر طغرل نے غیر معمولی مسرّت اور شادمانی کا اظہار کیا اور خلیفہ اور دلہن کو بیش بہا ہدایا پیش کیے۔ لیکن اس واقعہ کے بعد طغرل زیادہ عرصہ نہ جیا اور چند ماہ بعد ۱۸ رمضان المبارک ۴۵۵ھ/ ۱۰۶۳ء کو ستّر سال کی عمر میں بعارضہ نکسیر وفات پائی۔

(۷)

سلطان طغرل بیگ نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ چار سال پہلے اس کے بھائی چغری بیگ داؤد نے وفات پائی تھی تو سلطان نے اس کے بڑے فرزند

Marfat.com

ابوشجاع محمد ملقب بہ الپ ارسلان (یعنی دلاور شیر) کو باپ کی جگہ صوبہ مرو کا گورنر بنا دیا تھا۔ سلطان اپنے اس بھتیجے کو اس کے اعلیٰ ذاتی اوصاف و خصائل کی وجہ سے نہایت عزیز جانتا تھا اور لوگوں کو اس نے یہی تاثّر دے رکھا تھا کہ الپ ارسلان ہی اس کا ولی عہد ہے۔ حق بھی یہی تھا کہ وہی ہر لحاظ سے اس کی جانشینی کا اہل تھا لیکن حالات کی ستم ظریفی دیکھیے کہ سلطان نے وفات سے پہلے اپنی جانشینی کے لیے اپنے دوسرے بھتیجے (الپ ارسلان کے سوتیلے بھائی) سلیمان کو نامزد کر دیا۔ یہ وصیّت اس نے سلیمان کی والدہ کے اصرار سے مجبور ہو کر کی جس سے اس نے چغری بیگ کی وفات کے بعد نکاح کر لیا تھا اور جو اس کے مزاج میں بہت دخیل ہو گئی تھی چنانچہ طغرل کی وصیت کے مطابق وزیر السلطنت عمید الملک کندری نے سلیمان کو تخت و تاج دلانے کی سر توڑ کوشش کی اور رے میں اس کا خطبہ بھی جاری کر دیا لیکن اکثر بااثر سلجوقی امراء الپ ارسلان کے پُرزور حامی تھے۔ انہوں نے قزوین جا کر الپ ارسلان کا خطبہ جاری کر دیا۔

عمید الملک نے سلجوقی سرداروں کی اکثریت کو الپ ارسلان کی طرف مائل پایا تو اس نے بھی خطبے میں سلیمان کے نام سے پہلے الپ ارسلان کا نام داخل کر دیا۔ ادھر طغرل کی وفات کی خبر سن کر صغانیان اور ختلان کے امراء نے سرکشی پر کمر باندھی اس پر مستزاد یہ کہ سلجوقی خاندان کے دو سرکردہ افراد موسیٰ بیغو اور قتلمش بن اسرائیل نے بھی اپنی اپنی بادشاہت کا عَلَم بلند کر دیا۔ یہ بڑا نازک وقت تھا لیکن الپ ارسلان بھی بڑا باہمت اور صاحبِ تدبیر فرمانروا تھا اس نے صغانیان اور ختلان پر ایسا طوفانی حملہ کیا کہ باغی امیروں کو دم لینے کی مہلت بھی نہ ملی اور وہ اپنے حامیوں سمیت موت کے گھاٹ اتر گئے۔ اسی طرح اس نے موسیٰ بیغو والیِ ہرات کو بھی شکست فاش دی تاہم اس نے اظہارِ ندامت کیا تو اس کو ہرات کی ولایت پر برقرار رکھا۔ اس کے بعد

Marfat.com

وہ قتلمش کی طرف متوجہ ہوا جو ترکمانوں کے ایک جرّار لشکر کے ساتھ رَے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دامغان پہنچ کر الپ ارسلان نے اس کو پیغام پر پیغام بھیجے کہ وہ فتنہ انگیزی سے باز آ جائے اور جو صوبہ یا علاقہ اس کو پسند ہو اس کی حکومت سنبھال لے لیکن قتلمش نے اس کے پیغام کو رَدّ کر دیا اور بادشاہی سے کم کسی چیز کے قبول کرنے پر تیار نہ ہوا ناچار الپ ارسلان نے اس پر پوری قوت سے حملہ کیا اور اس کی فوج کو کچل کر رکھ دیا۔ قتلمش لڑائی میں مارا گیا۔ وہ الپ ارسلان کے والد کا چچا زاد بھائی تھا۔ سلطان کو اس کی موت کا بہت رنج ہوا اور وہ بہت رویا۔ اس کے بعد الپ ارسلان فاتحانہ رَے میں داخل ہوا اور سلیمان کو معزول کر کے محرّم ۴۵۶ھ/۱۰۶۴ء میں تمام سلجوقی سلطنت کا بلاشرکتِ غیرے فرمانروا بن گیا۔ وزیر السلطنت عمید الملک کندری نے اس کی اطاعت پہلے ہی قبول کر لی تھی لیکن سلیمان کو تخت نشین کرنے میں اس نے جو کردار ادا کیا تھا، الپ ارسلان اس کو نہ بھولا تھا اس نے چند دن بعد عمید الملک کو گرفتار کر کے مروالرود میں نظر بند کر دیا اور پھر ذی الحجہ ۴۵۶ھ/۱۰۶۴ء میں اُسے قتل کرا دیا۔

اسی سال جُمادی الاولیٰ ۴۵۶ھ/۱۰۶۴ء میں الپ ارسلان نے خلیفہ قائم بامر اللہ کی بیٹی کو (جس سے سلطان طغرل نے نکاح کیا تھا) نہایت عزت و احترام کے ساتھ واپس بغداد بھیج دیا اور دربارِ خلافت میں سفارت بھیج کر خلیفہ سے پروانۂ سلطنت حاصل کر لیا۔[1] خلیفہ کی طرف سے اس کو ضیاء الدین، عضد الدّولہ اور اَلْوَلَدُ الْمُوَیّد کے خطابات اور قیمتی خلعت عطا کیے گئے اور ایک فرمان کے ذریعے بغداد میں بھی الپ ارسلان کا خطبہ جاری کر دیا گیا۔

---

[1] بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ اس موقع پر سلطان نے خلیفہ کو پیغام بھیجا کہ اس نے عمید الملک کو اس وجہ سے گرفتار کیا ہے کہ وہ سیدہ کو خلیفہ کی اجازت کے بغیر بغداد سے رَے لے آیا تھا۔ خلیفہ نے سلطان کے اس اقدام پر بڑی خوشنودی کا اظہار کیا۔

Marfat.com

(۸)

ربیع الاول ۴۵۶ھ/۱۰۶۴ء میں سلطان نے مسیحی ارمینیا اور گرجستان پر زبردست یلغار کی۔ اس مہم میں شہزادہ ملک شاہ اور وزیر السلطنت نظام الملک طوسی بھی اس کے ہمراہ تھے۔

دریائے ارس (Araxes) کو عبور کر کے سلطان نے نخچوان کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا اور وہاں سے شہزادہ ملک شاہ اور وزیر نظام الملک طوسی کو انجاز (جارجیا) کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ انہوں نے چند دن کے اندر اندر یکے بعد دیگرے کئی قلعے فتح کر لیے۔ انجاز کے حکمران بقراط میں سلجوقی افواج کے طوفانی حملے کو روکنے کی سکت نہ تھی اس نے بہت جلد ہتھیار ڈال دیے اور ایک خطیر رقم سالانہ خراج ادا کرنے کا وعدہ کر کے سلطان کے حلقۂ اطاعت میں آ گیا۔ اس کے بعد سلطان نے شہزادہ ملک شاہ اور نظام الملک کو واپس بلا لیا اور پوری فوج کے ساتھ مسیحی ارمینیا پر ہلّہ بول دیا۔ تھوڑی ہی مدت میں عیسائیوں کے بہت سے شہر اور قلعے سطوتِ سلطانی کے سامنے سرنگوں ہو گئے اور سلطان تیزی سے پیش قدمی کرتا ہوا آعال لال تک پہنچ گیا جو مسیحی ارمینیا کا ایک اہم شہر تھا۔ اس کے اردگرد نہ صرف دوہری فصیل تھی بلکہ وہ دو جانب دریا سے اور دو جانب پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا اور اسے ایک ناقابلِ تسخیر مقام متصوّر کیا جاتا تھا۔ سلطان نے دریا عبور کر کے شہر کا محاصرہ کر لیا اور محصورین کو رسد پہنچنے کے تمام راستے مسدود کر دیے۔ اہلِ شہر نے تنگ آ کر ایک عجیب چال چلی۔ انہوں نے سلطان کے پاس دو سفیر بھیج کر درخواست کی کہ اپنی فوج ان کے ساتھ بھیجے تا کہ شہر اس کے حوالے کر دیا جائے۔ سلطان نے ان پر یقین کر لیا اور فوج کا ایک دستہ ان کے ساتھ بھیج دیا۔ جونہی یہ دستہ شہر کی بیرونی فصیل کے اندر داخل ہوا اہلِ شہر نے اس کو گھیر کر شہید کر دیا اور دوسری طرف سے سلطان پر اچانک

Marfat.com

حملہ کر کے سلطانی فوج کو ایک خوفناک اضطراب میں ڈال دیا۔

اس وقت جب محصور فوج حملہ کے لیے آئی سلطان نماز کے لیے کھڑا تھا اس کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ دشمن یوں دغا دے گا۔ طبلِ جنگ بجا' حملہ شروع ہوا اور اس اچانک حملہ سے گھبرا کر سلطانی فوج کی صفیں منتشر ہو گئیں لیکن سلطان نے نماز ترک نہ کی اور بڑے سکون اور خشوع وخضوع سے نماز ادا کرتا رہا۔ نماز سے فارغ ہو کر اس نے صورتِ حال کا جائزہ لیا' گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنی سپاہِ خاص کو جلو میں لیے دشمن کی صفوں پر اس طرح گرا کہ ان کے اوسان خطا ہو گئے اور بھاگنے کے سوا انہیں کوئی راستہ نہ سوجھا۔ سلطانی فوج اہلِ شہر کی غداری سے سخت غضب ناک ہو گئی تھی اس نے شہر میں داخل ہو کر اسے آگ لگا دی اور غدّار شہریوں کو حوالۂ تیغ کر دیا۔

آعال لال کی فتح کے بعد سلطان نے ناحیہ فرس' ڈسلِ وردہ اور نورہ کو مسخّر کیا اور پھر مسیحی آرمینیا کے دارالحکومت آنی کی طرف پیشقدمی کی۔ یہ شہر دریائے ارس کے کنارے پر واقع تھا اور چاروں طرف سے پانی میں گھرا ہوا تھا۔ بیرونی دنیا سے اس کا رابطہ صرف ایک پُل کے ذریعے قائم تھا اور اس کا دفاعی نظام نہایت مستحکم تھا۔ اس شہر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اس میں پانچ سَو سے زیادہ گرجے تھے اور ارمینیا کا کوئی دوسرا شہر تموّل اور آبادی کے لحاظ سے اس کا ہمسر نہ تھا۔ سلطان نے شہر کا محاصرہ کر لیا لیکن اس کے جلد فتح ہو جانے کی صورت نظر نہ آتی تھی۔ مُورخین نے بیان کیا ہے کہ سلطان نے اس موقع پر ایک شاندار جنگی تدبیر سے کام لیا۔ اس نے لکڑی (اور ایک دوسری روایت کے مطابق اینٹوں) کا ایک بہت بلند اور مضبوط برج بنوایا اور اس پر ایک دیو ہیکل منجنیق نصب کر کے شہر کی فصیل پر ایسی شدید سنگباری کی کہ اس میں سوراخ ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی تائیدِ غیبی سے قلعہ کی

Marfat.com

ایک دیوار اچانک گر گئی[1] اور سلجوقی فوجیں آناً فاناً شہر میں داخل ہو گئیں۔ کثیر التعداد عیسائی مزاحمت کرتے ہوئے مارے گئے یا مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ اس شہر کی تسخیر سے آرمینیا کی قدیم مسیحی ریاست (Bagartids) کا خاتمہ ہو گیا۔ سلطان نے فوراً خلیفہ بغداد کو فتح کی خوشخبری بھیجی۔ اس نے جواب میں سلطان کی تعریف کی اور اس کے حق میں دعائے خیر کی۔ اس کے بعد سلطان نے اصفہان کو مراجعت کی۔

(۹)

۴۵۷ھ/۱۰۶۵ء میں سلطان نے ماوراء النہر اور ترکستان کا دورہ کیا اور جند جا کر اپنے پردادا سلجوق کی قبر پر فاتحہ پڑھی۔ اس نے جند کے فرمانروا کا بیحد اعزاز و اکرام کیا اور اس کی حکومت کو برقرار رکھا۔

۴۵۹ھ/۱۰۶۷ء میں کرمان اور فارس کے والیوں نے سلطان کے خلاف بغاوت کر دی لیکن سلطان نے نہایت قلیل مدت میں باغیوں کو پیس کر رکھ دیا۔ اس کے بعد سلطان یمن، حجاز، شام اور فلسطین کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ ملک مصر کی فاطمی خلافت کے حلقۂ اقتدار میں شامل تھے لیکن ۴۶۲ھ/۱۰۶۹ء تک سلطان نے وہاں سے فاطمی خلافت کے اقتدار کا جنازہ نکال کر عباسی خلیفہ کا خطبہ جاری کر دیا۔ البتہ دمشق پر بعض نامساعد حالات کی بنا پر اس کا قبضہ نہ ہو سکا۔

علامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ اس زمانے میں حلب پر محمود بن صالح بن مرداس کی حکومت تھی۔ اس نے سلطان الپ ارسلان کی حمایت حاصل کرنے کے لیے فاطمی خلیفہ کا خطبہ موقوف کر کے عباسی خلیفہ اور الپ ارسلان کا خطبہ جاری کر دیا

---

[1] بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ فصیل کے محافظین نے سنگباری سے گھبرا کر اپنے مورچے چھوڑ دیے اور سلطانی فوج کے نقب زنوں نے فصیل کے نیچے پہنچ کر اس کی جڑوں میں شگاف کر دیا۔

Marfat.com

لیکن سلطان اس سے مطمئن نہ ہوا کیونکہ اسے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ محمود نے اذان میں حَيَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلْ (جو فاطمیوں کا شعار تھا) کہنا موقوف نہیں کیا چنانچہ وہ ایک طاقتور فوج کے ساتھ دیارِ بکر سے ہوتا ہوا حلب پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ محمود نے کچھ مدت مقابلہ کیا لیکن پھر اس کی ہمت جواب دے گئی اور ایک رات وہ اپنی ماں منیعہ بنت وثاب نمیری کو ساتھ لے کر سلطان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ بوڑھی خاتون نے اپنے بیٹے کا ہاتھ سلطان کے ہاتھ میں دے کر کہا ''یہ میرا لختِ جگر ہے جو سلوک اس سے چاہو کرو'' سلطان کا دبدبہ اور جلال اس عرب خاتون کے سامنے سپر انداز ہو گیا۔ اس نے محمود کو عزت کے ساتھ بٹھایا' اسے خلعت عطا کیا اور حلب کی حکومت اسی کے پاس رہنے دی۔

(۱۰)

۴۶۳ھ/۱۰۷۱ء میں رومیوں نے مسلمانوں سے اگلے پچھلے بدلے چکانے کی ٹھانی اور قیصر روم رومانوس دیوجانس (Romanus Diogenes)[۱] بقول علامہ ابنِ جوزیؒ ''مشرق میں مسلمانوں کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ کے لیے قسطنطنیہ سے اس شان سے نکلا کہ اس کے جھنڈے تلے ایک جرّار لشکر کے علاوہ جنگل کاٹنے والوں' راستوں کو ہموار کرنے والوں اور فصیلوں میں نقب لگانے والوں کی تعداد بھی ایک لاکھ سے کم نہ تھی۔''[۲]

اس لشکر میں نہ صرف یورپ کے کئی ملکوں کی بہترین فوجیں شامل تھیں بلکہ

۱۔ رومانوس دیوجانس پہلے رومی فوج میں جنرل (General) تھا۔ قیصرہ یوڈوسیا (Eudocia) نے اس سے شادی کر کے اس کو قیصر روم بنا دیا۔ عربی تاریخوں میں وہ ''ارمانوس'' کے نام سے مشہور ہے۔

۲۔ رومی فوج کی تعداد کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے۔ مغربی مؤرخین نے بالعموم اس فوج کی تعداد ایک لاکھ بتائی ہے لیکن اکثر مسلم مؤرخین کا بیان ہے کہ یہ فوج دو سے تین لاکھ جنگجوؤں پر مشتمل تھی اور ایک مسلم مؤرخ ابن الراوندی نے تو اس فوج کی تعداد چھ لاکھ لکھی ہے۔

Marfat.com

ہزار ہا ارمنی، روسی، گرجی، قفچاقی، غزی اور چرکسی جنگجو بھی مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے جذبے سے سرشار اس میں موجود تھے۔ قیصر کے آزمودہ کار فوجیوں کے پاس نہایت اعلیٰ درجے کا اسلحہ تھا اور بیسوں اتنی بڑی بڑی منجنیقیں تھیں کہ ایک ایک کو کھینچنے کے لیے ایک ایک سو بیلوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ ہر منجنیق میں آٹھ آٹھ درجے تھے اور ہر درجے میں ایک سو پچاس آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ قیصرِ روم اور اس کے جرنیلوں کو اپنی کامیابی کا اتنا یقین تھا کہ وہ کھلم کھلا یہ کہتے تھے کہ ''آیندہ موسم سرما ہم رَے (سلجوقیوں کے پایۂ تخت) میں گزاریں گے اور گرما کا موسم عراق میں اور پھر واپسی میں شامی علاقوں کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنے گھر لوٹیں گے۔''

قیصرِ روم نے تو سارے اسلامی علاقوں کو عیسائی سرداروں میں تقسیم بھی کر دیا تھا۔ اس نے اسی خیالی تقسیم کی بنیاد پر اس سردار کو جس کے حصے میں عراق آیا تھا یہ ہدایت کی تھی کہ ''بغداد کے اس بڈھے آدمی کا خیال رکھنا وہ بیچارہ نیک آدمی ہے اور ہمارا دوست ہے'' یہ اشارہ خلیفۂ بغداد کی طرف تھا۔

قیصر کے اس لشکر کو مسلمانوں کے خون کی چاٹ بھی لگ چکی تھی کیونکہ ایک سال پہلے (۴۶۲ھ/ ۱۰۶۹ء) میں وہ شہر منبج (Hicrapolis) کو فتح کر کے ہزار ہا مسلمانوں کو تہ تیغ کر چکے تھے...... محمود بن صالح والی حلب اور حسان طائی دو عرب سرداروں نے قیصر کا مقابلہ کیا لیکن وہ اس سے منبج واپس نہ لے سکے۔ تاہم کچھ عرصہ بعد موسم گرما کی شدت اور رسد کی قلت سے مجبور ہو کر قیصر خود ہی شہر سے اپنا قبضہ اٹھا کر واپس چلا گیا تھا۔ اب کی بار اس نے بڑے اہتمام سے لشکر کشی کی تھی اور ہر امکانی رکاوٹ سے نپٹنے کا پختہ انتظام کر لیا تھا۔ وہ اپنے عظیم الشان لشکر کے ساتھ صوبہ خلاط میں داخل ہوا اور ملازگرد کے مقام پر خیمہ زن ہو گیا۔

Marfat.com

(۱۱)

اس زمانے میں سلطان الپ ارسلان، آذربائیجان کے شہر خوی میں فروکش تھا۔ جہاں اس کے پاس صرف پندرہ ہزار سواروں کا لشکر تھا جب اس کو قیصر کی پُرخروش یلغار کی خبر ملی تو سراسیمہ ہونے کے بجائے اس کا جوشِ شجاعت بھڑک اٹھا۔ اس کی جمعیت نہایت قلیل تھی اور اس وقت کسی طرف سے اس کو کمک بھی نہیں پہنچ سکتی تھی لیکن بلامقابلہ پیچھے ہٹ جانے کو وہ آئینِ جوانمردی کے خلاف سمجھتا تھا چنانچہ اس نے اپنے اہل و عیال کو خواجہ نظام الملک کے ہمراہ تبریز (یا بروایتِ دیگر ہمدان) بھیج دیا اور خود توکّل علی اللہ، قیصرِ روم سے مقابلہ کے لیے تیار ہو گیا۔ اس موقع پر اس نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور ان سے مخاطب ہو کر کہا:

"اے مجاہدینِ اسلام! بلاشبہ ہماری تعداد دشمن کے مقابلے میں بہت کم ہے لیکن ہمیں صبر اور ہمت سے کام لینا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت پر بھروسا کر کے دشمن سے نبرد آزما ہونا ہے اگر فتح یاب ہوئے تو خداوندِ کریم کا عظیم احسان ہے ورنہ درجۂ شہادت پر تو ضرور فائز ہوں گے اور میرے بعد میرا بیٹا ملک شاہ تاج و تخت کا مالک ہو گا۔"

تمام لشکر نے آخری دم تک اس کا ساتھ دینے کے عزم کا اظہار کیا اور سلطان انہی پندرہ ہزار جانبازوں کے ساتھ نہایت تیزی سے دشمن کی طرف بڑھا۔[۱]

۴ ذیقعدہ ۴۶۳ھ/۱۰۷۰ء کو صنداق ترکی کے زیرِ قیادت سلطانی فوج کے

---

[۱] سلطان کی فوج کے بارے میں بھی مؤرخین میں اختلاف ہے۔ اسلامی مؤرخین اس فوج کی تعداد دس ہزار سے پندرہ ہزار تک بتاتے ہیں۔ بعض مغربی مؤرخین بھی یہی تعداد بتاتے ہیں البتہ گبن اور کچھ دوسرے یورپین مصنفین نے سلطانی فوج کی تعداد تیس ہزار سے چالیس ہزار تک لکھی ہے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطانی فوج کی تعداد پندرہ بیس ہزار سے زیادہ نہیں ہو گی کیونکہ وہ کسی خاص مہم پر آذربائیجان نہیں گیا تھا بلکہ یہ اس کا معمولی دورہ تھا اور اس کے اہل و عیال بھی ساتھ تھے۔

Marfat.com

مقدمتہ الجیش کی مڈبھیڑ رومی لشکر کے ہراول سے خلاط کے قریب ہوئی۔ گو رومیوں کے ہراول میں باختلاف روایت دس سے بیس ہزار آزمودہ کار رومی جنگجو تھے لیکن قلیل التعداد اسلامی ہراول دستے نے ایک ہی حملے میں اس کے پرخچے اڑا دیے اور اس کے قائد کو گرفتار کر کے سلطان کے سامنے پیش کیا۔ سلطان نے فرط غضب میں اس کے کان اور ناک کٹوا کر مالِ غنیمت کے ہمراہ نظام الملک کے پاس ''نیک شگونی'' کے طور پر بھیج دیے۔ اس دوران میں قیصر نے ملاذگرد کو فتح کر کے خلاط کا محاصرہ کر رکھا تھا (بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ اس نے خلاط پر بھی قبضہ کر لیا تھا) جب اسے اپنے ہراول دستے کی شکست کی خبر ملی تو اس نے اپنی ساری فوج کو جمع کر کے الزہرہ کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ جگہ ملاذگرد اور خلاط کے درمیان واقع تھی۔ ادھر سلطان بھی پیش قدمی کر کے ۶ ذیقعدہ ۴۶۳ھ/۱۰۷۱ء کو ملاذگرد کے قریب پہنچ گیا اور رومی لشکر سے دو فرسنگ کے فاصلے پر خیمہ زن ہو گیا۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے سلطان نے قیصر کو صلح کا پیغام بدیں الفاظ بھیجا کہ لڑائی میں ہزارہا بندگانِ خدا کی جانیں ناحق ضائع ہوں گی بہتر یہی ہے کہ تم اپنے ملک کو واپس چلے جاؤ۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ممالکِ مقبوضہ روم میں کسی قسم کی دست اندازی نہیں کریں گے۔

قیصر کو یہ پیغام ملا تو اس نے اسے سلطان کی کمزوری پر محمول کیا اور نہایت متکبّرانہ انداز میں اس کو کہلا بھیجا کہ اے وحشی! اگر تم ایسے ہی امن پسند ہو اور بندگانِ خدا کا خون بہانا پسند نہیں کرتے تو چپکے سے اس جگہ سے چلے جاؤ اور اپنا دارالحکومت رَے ہمارے حوالے کر دو تاکہ تمہارے قول کا ثبوت تمہارے فعل سے مل جائے۔

سلطان کو قیصر کی نخوت اور بے ہودہ گوئی پر سخت غصہ آیا اور وہ اسی وقت جنگ کے لیے تیار ہو گیا لیکن امام ابونصر محمد بن عبدالملک بخاری حنفیؒ نے جو لشکر کے ہمراہ تھے،

Marfat.com

سلطان کو مشورہ دیا کہ آج توقّف کریں کل جمعہ کے دن تمام عالَمِ اسلام نمازِ جمعہ کے بعد آپ کی فتح ونصرت کے لیے دعا کرے گا اس کے بعد آپ میدانِ جنگ کو روانہ ہوں اس وقت مجاہدین کے علاوہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی دعائیں بھی آپ کے ساتھ ہوں گی۔ سلطان نے یہ مشورہ قبول کرلیا اور جنگ اگلے دن تک ملتوی کردی۔

دوسرے دن سلطان نے تمام مجاہدین کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھی اور بارگاہِ رَبّ العزّت میں دعا کر کے خوب رویا۔ چہرے پر خاک ملی اور پھر مجاہدین سے اس طرح مخاطب ہوا:

"اے بہادرو! مجھے علم ہے کہ شجاعت جو تمہارا ذاتی جوہر ہے اور جس کے اظہار کا موقع تم خدا سے چاہتے ہو تمہیں میری آخری وصیّت پر عمل کرنے سے روکے گی لیکن اے ایمان والو! میں تمہاری زندگی کو تمہاری موت پر ترجیح دیتا ہوں اور میری خوشی اسی میں ہے کہ تم میرے بعد زندہ رہو۔ واللہ تمہاری وفاداری اور جاں نثاری شک وشبہ سے بالاتر ہے لیکن میں خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ تم میں سے جو شخص کسی وجہ سے واپس جانا چاہتا ہے وہ بلاتکلّف جا سکتا ہے اور خدا کی قسم میں کبھی اس سے زیادہ خوش نہیں ہوسکتا اگر تم میری اس آخری وصیت پر عمل کرو۔ بادشاہی اور افسری ختم ہو چکی میری حیثیت اب اسلام کے ایک ادنیٰ سپاہی سے زیادہ نہیں رہی۔"

سلطان کی تقریر سن کر تمام مجاہدین پر رِقّت طاری ہوگیا اور سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا "ہم ہرگز آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ اے سلطان خدا کی قسم ہم ہرگز واپس نہیں جائیں گے وہ شخص ملعون ہے جو لڑائی سے جان چُرائے اور وہ رُوسیاہ ہے جو میدانِ جنگ میں پیٹھ دکھائے۔"

فوج کا جواب سن کر سلطان نے ترکش پھینک دیا اور نیام سے تلوار نکال کر نیام کو بھی پھینک دیا' اپنے ہاتھ سے گھوڑے کی دُم باندھی اور لباسِ شاہی اتار کر

Marfat.com

ایک سفید قبا پہنی اور حنوط مل کر کہا کہ ''اگر میں شہید ہوا تو یہی میرا کفن ہے اور یہی میدانِ جنگ میرا مدفن ہو گا'' ان باتوں سے مجاہدین کے دل میں شوقِ شہادت کے شعلے بھڑک اٹھے اور وہ اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے لگاتے ہوئے دشمن کی طرف بڑھے۔ سلطان نے مجاہدین کو رکنے کا اشارہ کیا اور معاً گھوڑے سے اتر پڑا' دستار سر سے اتاری اور فرشِ خاک پر سربسجود ہو گیا۔ اس وقت ساری فوج پر رِقّت طاری ہو گئی اور سلطان سمیت سب نے ایک بار پھر نہایت خشوع و خضوع سے حق تعالیٰ سے توفیق و نصرت طلب کی۔ اس کے بعد سلطان اٹھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر برقِ بے اماں کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ رومی بھی جنگ کے لیے سخت بیتاب ہو رہے تھے۔ دونوں پُر جوش فریقوں میں اس زور کا رَن پڑا کہ زمین کانپ اٹھی۔ ایڈورڈ گبن کا بیان ہے کہ اس موقع پر سلطان نے اپنے تُرک تیر اندازوں سے زبردست کام لیا۔ وہ ہلال کی شکل میں اپنی جگہ قائم تھے اور رومیوں پر ایسی سرعت اور چابکدستی سے تیر برسا رہے تھے کہ ان کی پچھلی صفیں آگے بڑھنے کا موقع ہی نہیں پاتی تھیں۔ ان کی اگلی صفوں کو جو آزمودہ کار جنگجوؤں پر مشتمل تھیں مسلمانوں کے پے بہ پے طوفانی حملوں نے بہت جلد درہم برہم کر دیا اور ان کے نامی جرنیل باسلاسیوس (Basilacius) کو پیچھے ہٹنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس موقع پر قیصر سے ایک فاش غلطی سرزد ہوئی۔ وقت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنی پسپا ہوتی ہوئی فوج کو سنبھالنے کے لیے آگے بڑھتا لیکن اس کے بجائے اس نے ستانے کے لیے اپنے خیمے کا رُخ کیا۔ مغربی مُؤرّخین لکھتے ہیں کہ تمازتِ آفتاب نے اس کو بوکھلا دیا تھا اور وہ وقت کی نزاکت کا احساس نہ کر سکا۔ جب اس کی فوج نے شاہی عَلَم کو پیچھے ہٹتے دیکھا تو اس کی ہمت پست ہو گئی اور اکثر رومی سپاہی بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ قیصر نے اپنی فوج کی یہ کیفیت دیکھی تو وہ

Marfat.com

اپنی غلطی پر متنبہ ہوا اور اپنے قلبِ لشکر کے منتخب دستوں کو ساتھ لے کر پھر میدان جنگ کی طرف پلٹا لیکن اب لڑائی کا نقشہ بدل چکا تھا۔ مسلمانوں کے حوصلے دو چند ہو گئے تھے اور وہ رومیوں پر زبردست دباؤ ڈال رہے تھے۔ قیصر ایک بہادر آدمی تھا اور تاجِ شاہی سر پر رکھنے سے پہلے سالہا سال ایک فوجی جرنیل کی زندگی گزار چکا تھا۔ وہ بڑی جوانمردی اور ثابت قدمی سے لڑا لیکن جلد ہی اس کے اردگرد کی فوج مسلمان شہسواروں سے مغلوب ہو گئی اور قیصر کو زخمی حالت میں گرفتار کر لیا گیا۔ اس طرح پندرہ ہزار مسلمانوں نے دو لاکھ جنگجو رومیوں کے ٹڈی دل پر عظیم الشان فتح حاصل کی۔ مؤرخین نے اس لڑائی کو ''جنگِ ملاذگرد'' کا نام دیا ہے اور اسے دنیا کی عظیم جنگوں میں شمار کیا ہے کیونکہ اس نے عظیم الشان رومی سلطنت کی ہیبت اور دبدبے کو ملیامیٹ کر دیا اور ایشیائے کوچک کا دروازہ مسلمانوں پر کھول دیا۔ اس لڑائی میں اس قدر رومی مقتول اور گرفتار ہوئے کہ مورخین نے ان کی تعداد بتانے سے عجز کا اظہار کیا ہے۔

دوسرے دن قیصر کو سلطان کے سامنے پیش کیا گیا۔ گبن کا بیان ہے کہ اس وقت اس مسلمان ہیرو (الپ ارسلان) نے جو عمدہ سلوک شہنشاہِ قسطنطنیہ سے کیا اس کی تعریف و توصیف میں اس کے سخت متعصب دشمن بھی رطب اللسان ہیں اور فی الحقیقت ایک فاتح کا اپنے مفتوح سے ایسا سلوک مہذّب دنیا کے لیے ایک عمدہ مثال ہے۔ سلطان اپنی نشستگاہ سے اٹھا' چند قدم آگے بڑھا اور نہایت تپاک کے ساتھ شہنشاہ سے مصافحہ (Shake Hand) کیا اور عزت و احترام سے اسے اپنے ساتھ بٹھایا۔ پھر اس کی دلجوئی کی اور اسے یقین دلایا کہ ایک بادشاہ کی حیثیت سے اس کی عزّت برقرار رکھی جائے گی۔[1]

۱- بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ اس موقع پر قیصر سے کہا گیا کہ وہ بساطِ سلطانی کو بوسہ دے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

سات دن تک میدان جنگ میں سلطانی لشکر نے جشن فتح منایا۔ اس دوران میں سلطان نے اپنی قیام گاہ کے قریب ایک عظیم الشان خیمہ میں قیصر کو اعزاز کے ساتھ اپنا مہمان رکھا اور اس کی فوج کے کئی جرنیلوں کو بھی اس کے ساتھ رہنے کی اجازت دی' وہ ہر روز دو وقت قیصر کے پاس آتا اور اس کو اپنے ساتھ کھانا کھلاتا۔ آٹھویں دن سلطان نے جنگ کا ذکر چھیڑا اور قیصر سے پوچھا کہ تم اب مجھ سے کس سلوک کی امید رکھتے ہو۔

قیصر نے جواب دیا "اگر ظالم ہو تو مجھے قتل کر ڈالو گے' اگر متکبر ہو تو ملک میں میری تشہیر کرو گے یا عمر بھر کے لیے حوالۂ زندان کر دو گے اور اگر شاہانہ فیاضی سے کام لینا چاہو تو تاوان جنگ لے کر معاف بھی کر سکتے ہو۔"

سلطان اس کے جواب پر متبسّم ہو گیا اور پوچھا کہ "اگر میں اس حالت میں تمہارے پاس لایا جاتا تو تم میرے ساتھ کیا سلوک کرتے؟"

قیصر نے بے ساختہ جواب دیا "بدترین سلوک...... جو میرے بس میں ہوتا۔"
مؤرخ گبن کے بیان کے مطابق قیصر کا جواب یہ تھا کہ میں تیرے لیے سزائے تازیانہ تجویز کرتا (یعنی تجھے کوڑے لگواتا)

سلطان نے کہا کہ اب مجھے تیری ذہنیت کا علم ہو گیا ہے کیوں نہ میں بھی تیرے ساتھ یہی سلوک کروں؟

قیصر نے جواب دیا کہ میں نے اپنی ذہنیت اور فسادنیت کا پھل بھی تو پا لیا ہے۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ سے)
اس نے بلا تامل اس حکم کی تعمیل کی۔ اس کے بعد سلطان نے اپنا ایک پاؤں قیصر کے کندھے (یا گردن) پر رکھا۔ کچھ دوسرے مؤرخین لکھتے ہیں کہ سلطان نے اپنے ہاتھ سے قیصر کو تین کوڑے مارے اور کہا "میں نے تجھے صلح کا پیغام بھیجا تھا لیکن تو نے اسے رد کر دیا اب اس کا نتیجہ دیکھ لیا" قیصر نے ندامت کا اظہار کیا اور کہا کہ "اب سرزنش بیکار ہے خدا تمہاری مدد کر چکا اب جو فیصلہ میرے بارے میں کرو گے میں اسی پر راضی ہوں۔" مؤرخ گبن ان روایات کو مشکوک ٹھہراتا ہے۔

Marfat.com

سلطان اس کا جواب سن کر ہنس پڑا اور کہا کہ ''میں دین حق اسلام کا پیرو ہوں اور اسلام سلامتی اور امن کا پیامبر ہے' جو سلوک تم میرے ساتھ کرنا چاہتے تھے میں وہ تمہارے ساتھ نہ کروں گا۔''

اس کے بعد دونوں میں دیر تک دوستانہ گفتگو ہوتی رہی۔ سلطان نے قیصر کو بہت سی نصیحتیں کیں اور جو غلطیاں جنگ میں قیصر اور اس کے جرنیلوں سے ہوئی تھیں ان سے اس کو آگاہ کیا۔[1] پھر دونوں میں پچاس سال کے لیے ان شرائط پر معاہدہ صلح ہو گیا۔

۱- قیصر دس لاکھ (اور بروایت دیگر پندرہ لاکھ) دینار فدیہ ادا کرے گا اور اس کے بعد ہر سال تین لاکھ ساٹھ ہزار دینار سرخ خراج ادا کیا کرے گا۔

۲- تمام مسلمان اسیرانِ جنگ رہا کر دیے جائیں گے۔

۳- ضرورت کے وقت قیصر سلطان کو فوجی مدد دے گا۔

تکمیلِ معاہدہ کے بعد سلطان نے قیصر اور اس کے جرنیلوں کو قیمتی خلعت دیے۔ قیصر نے سلطان سے معانقہ کیا اور رخصت ہوتے وقت بغداد کی سمت جھک کر تین سلام کیے گویا خلافت بغداد کی اطاعت کا اظہار کیا۔ سلطان نے تین میل تک اس کی مشایعت کی۔

(۱۲)

ادھر قیصر رومانوس کی شکست کی خبر سن کر رومی پادریوں نے مشہور کر دیا کہ خداوند یسوع مسیح رومانوس سے ناراض ہیں اس لیے یہ شخص بادشاہت کے لائق نہیں ہے چنانچہ سلطنت میں انقلاب برپا ہو گیا اور قسطنطنیہ کے تاج و تخت پر میکائل

---

[1] بعض مورخین کا بیان ہے کہ سلطان اور قیصر کے مابین یہ گفتگو اس وقت ہوئی جب وہ پہلی بار اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ قیصر کی مہمانداری اور جشن فتح کا انعقاد اس کے بعد ہوا۔ بہر صورت تقدیم و تاخیر کے فرق کے باوجود سبھی مورخین نے اس گفتگو کو قریب قریب یکساں الفاظ میں قلم بند کیا ہے۔

Marfat.com

(میخائیل ہفتم) نے قبضہ کر لیا۔ جب رومانوس سلطان سے رخصت ہو کر اپنے سرحدی قلعہ دقیہ میں وارد ہوا تو اس کو انقلاب سلطنت کا حال معلوم ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ دل شکستہ رومانوس نے اس حالت میں بھی وہاں سے دو لاکھ دینار اور ایک سونے کا طبق جس میں نوے ہزار دینار کی مالیت کے جواہر تھے' سلطان الپ ارسلان کی خدمت میں روانہ کیے اس کے ساتھ ہی انقلابِ سلطنت کا حال لکھا اور بحلف تحریر کیا کہ اس سے زیادہ کچھ ادا کرنے کی اس میں مقدرت نہیں ہے۔

سلطان' رومانوس کی راست بازی اور ایفائے عہد سے بہت خوش ہوا اور اس نے ارادہ کر لیا کہ وہ رومانوس کے دشمنوں کی سرکوبی کر کے تختِ حکومت پھر اس کو دلا دے گا لیکن چند دن بعد اسے خبر ملی کہ بدقسمت رومانوس کو باغیوں نے گرفتار کر کے اندھا کر دیا اور پھر قتل کر ڈالا۔

علامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ رومانوس نے اپنی معزولی کی خبر سن کر رہبانیت اختیار کر لی تاہم جن شرائط پر اس نے سلطان الپ ارسلان سے صلح کی تھی اس کے جانشین میکائیل نے بھی انہیں قبول کر لیا۔

۴۶۴ھ/۱۰۷۲ء میں خلیفہ بغداد القائم بامر اللہ نے اپنے فرزند المقتدی بامر اللہ کے لیے سلطان سے اس کی بیٹی صفری خاتون کا رشتہ مانگا۔ سلطان نے یہ پیغام قبول کر لیا اور صفری خاتون کا نکاح المقتدی بامر اللہ سے کر دیا۔

اسی سال فارس کے والی فضلویہ شبانکارہ نے سلطان کے خلاف بغاوت کر دی۔ سلطان نے خواجہ نظام الملک اور شہزادہ ملک شاہ کو اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ انہوں نے اسے شکست دے کر گرفتار کر لیا مگر اس کے اظہارِ ندامت پر سلطان نے اسے رہا کر دیا۔

Marfat.com

(۱۴)

سلطان کا مدت سے ارادہ تھا کہ تمام بلادِ ترکستان کو اپنے زیرِ نگین لائے اور پھر چین کی طرف پیشقدمی کرے لیکن اس کی دوسری مصروفیات اس ارادے کی تکمیل میں مانع ہوتی رہیں۔ جنگ ملاذگرد کے بعد اس نے مہمِ ترکستان کے لیے زور شور سے تیاریاں شروع کر دیں اور ۴۶۵ھ/۷۳-۱۰۷۲ء میں ایک زبردست فوج کے ساتھ اس مہم پر روانہ ہوا۔ یہ فوج باختلاف روایت دو یا ڈھائی لاکھ جنگجوؤں پر مشتمل تھی۔ ان میں پچاس ہزار کے قریب سوار تھے اور باقی پیادہ۔ سلطان نے دریائے جیحوں (Oxus) پر کشتیوں کا پُل بندھوایا اور بیس پچیس دن کے اندر اپنی عظیم الشان فوج اور دوسرے سامان سمیت دریا کے پار اتر گیا اور فربر (یا قربر) کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔

یہاں سلطان کے سامنے ایک سرحدی قلعے کے محافظ (یا قلعہ دار) یوسف خوارزمی کو گرفتار کر کے پیش کیا گیا۔[1] سلطان نے اس سے کچھ استفسار کیا۔ یوسف نے بھرے دربار میں نہایت گستاخانہ جواب دیا۔ اس پر سلطان کو غصہ آ گیا اور اس نے حکم دیا کہ اسے چومیخہ کر کے قتل کر دو۔[2]

یہ سن کر یوسف کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور اس نے چلّا کر کہا: "او نامرد! (یا بروایتِ دیگر او مخنث) کیا میرے جیسا بہادر اس ذلیل طریقہ سے قتل کیا جائے گا۔"

۱۔ یوسف خوارزمی کون تھا اور سلطان کے سامنے کیسے لایا گیا' اس کے بارے میں مؤرخین کے بیانات میں اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ فرمانروائے ترکستان و ماوراء النہر کی طرف سے سرحدی قلعے برزم (یا بوزم) کا قلعہ دار تھا' اس نے سلطانی لشکر کی بڑی سختی سے مزاحمت کی۔ کئی دن تک مقابلہ پر اڑا رہا آخر شکست کھائی اور گرفتار ہو کر سلطان کے سامنے آیا۔

دوسری روایت کے مطابق یہ قلعہ سلطان کی مملکت میں شامل تھا اور یوسف نے قلعہ کے معاملات میں کوئی جرم کیا تھا اس لئے اس کو گرفتار کر کے سلطان کے سامنے پیش کیا گیا۔ مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ شخص خوارزم کا رہنے والا ایک ترک تھا اور بڑا نڈر' غصیلا اور جنگجو تھا۔

۲۔ یعنی چار میخیں گاڑ کر اس کے ہاتھ پاؤں ان سے باندھ دو اور پھر قتل کر دو۔

Marfat.com

سلطان جوشِ غضب سے تھرا اٹھا اور اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے چھوڑ دو' پھر کمان پر سہ چوبہ تیر جوڑ کر یوسف پر چلایا۔ سلطان کو تیر اندازی میں کمال درجے کی مہارت تھی اور اس کا نشانہ کبھی خطا نہ کرتا تھا لیکن بدقسمتی سے اس موقع پر اس کا تیر نشانہ پر نہ لگا۔ سلطان اب فرط غیظ میں اپنے تخت سے اُتر کر یوسف کی طرف جھپٹا لیکن اس کا دامن تخت کے پایہ سے الجھ گیا (یا اپنے پاؤں کے نیچے آ گیا) اور وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ اسی اثناء میں یوسف نے اپنی بغل سے چُھری نکال لی اور آناً فاناً آگے بڑھ کر سلطان کو بھونک دی اور پھر پلٹ کر امیر سعد الدّولہ گوہر آئین کو زخمی کر دیا جو قریب ہی کھڑا تھا' یہ حادثہ اتنی سرعت سے وقوع پذیر ہوا کہ سارا دربار ششدر رہ گیا۔ اس موقع پر جامع نامی ایک ارمنی فراش نے آگے بڑھ کر ایک میخ کوب' یوسف کے سر پر مارا جس سے وہ چکرا کر گر پڑا۔ درباریوں نے اسی وقت اس پر تلواروں کا مینہ برسا دیا اور ایک ثانیہ میں اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ یہ واقعہ ۶ ربیع الاول ۴۶۵ھ کو پیش آیا۔ زخمی سلطان کو اٹھا کر دوسرے خیمے میں لے گئے۔ طبیبوں اور جراحوں نے علاج میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن زخم کاری تھا کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور دس ربیع الاول ۴۶۵ھ (بمطابق ۲۴ نومبر ۱۰۷۲ء) کو اسلام کے اس مایۂ ناز فرزند نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اس وقت اس کی عمر چالیس برس کے قریب تھی۔ میت مرو لے جائی گئی اور وہاں کے شاہی قبرستان میں اس کی آخری آرام گاہ بنائی گئی۔ سات سال پہلے ۴۵۸ھ/۱۰۶۶ء میں وہ ملک شاہ کو اپنا ولی عہد نامزد کر چکا تھا' وفات سے پہلے اس نے عمائد سلطنت کو بلا کر دوبارہ ملک شاہ کے حق میں وصیت کی۔ کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر اس نے ایک عبرتناک تقریر کی جس میں حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا کہ:

''مجھ پر جو کچھ گزرا وہ میری خام خیالی کا نتیجہ تھا۔ جب میں نوجوان تھا تو

Marfat.com

دریائے دجلہ کے کنارے ایک بزرگ نے مجھے نصیحت کی تھی کہ زورِ بازو پر کبھی ناز نہ کرنا اور دشمن کو کبھی حقیر نہ سمجھنا لیکن افسوس کہ اس بزرگ کے ارشادات میں بھول گیا۔ یہاں آ کر جب میں نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر اپنی عظیم الشّان فوج پر نظر ڈالی تو میرے دل میں خیال گزرا کہ آج روئے زمین پر مجھ سے بڑا کوئی بادشاہ نہیں ہے اور کسی کو میرا مقابل ہونے کا یارا نہیں ہے پھر جب یوسف کو میرے سامنے پیش کیا گیا تو میں نے اپنے زورِ بازو پر بھروسا کیا اور اسے حقیر جانا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہزار مسلح غلامانِ خاصہ کی موجودگی میں خدا نے مجھے ایک معمولی قیدی کے ہاتھ سے مروا دیا۔ میں حق تعالیٰ سے اپنی خام خیالی پر مغفرت طلب کرتا ہوں اور تمہیں بھی وصیّت کرتا ہوں کہ ہمیشہ خود بینی سے بچنا اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنا۔"

(۱۴)

تمام مؤرّخین نے سلطان الپ ارسلان کی سیرت اور کردار کی بے حد تعریف کی ہے۔ وہ بڑا شجاع، فیّاض، خدا ترس اور عادل حکمران تھا۔ اس کے باورچی خانہ میں روزانہ پچاس بکریاں فقراء اور مساکین کے لیے ذبح ہوتی تھیں اور سلطنت کے تمام محتاجوں کو گھر بیٹھے وظیفہ دیا جاتا تھا۔ مقررہ مالگزاری کے علاوہ اس نے رعایا سے اور کسی قسم کا ٹیکس یا محصول کبھی وصول نہ کیا۔ اس کے عدل اور فریاد رسی کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ اس کے ایک غلام خاص نے کسی دیہاتی کی پگڑی چھین لی۔ جب اس نے سلطان کے پاس فریاد کی تو سلطان نے مجرم کو پکڑ کر قتل کرا دیا اور پھر اس کی لاش کو سرِعام سولی پر لٹکا دیا تاکہ اس کے خاص ملازموں کو عبرت حاصل ہو اور وہ رعایا کے ساتھ مطلق کسی قسم کی زیادتی نہ کریں۔ وسعتِ سلطنت اور قوت و شوکت کے لحاظ سے وہ اپنے ہمعصر فرمانرواؤں میں سب سے بڑا فرمانروا تھا اور اس کو سلطانِ عالم کہا جاتا تھا۔ علّامہ ابنِ اثیر کہتے ہیں:

Marfat.com

وَدَانَ لَهُ الْعَالَمُ وَبِحَقٍ قِيلَ لَهُ سُلْطَانُ الْعَالَمِ
(عالم سلطان کا مطیع تھا اور اس کو بجا طور پر سلطان عالم کہا جاتا تھا)

سلطان ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھا اور حضرت امام ابو حنیفہؒ سے بے حد عقیدت رکھتا تھا۔ ۴۵۹ھ/ ۱۰۵۷ء کو اسے اطلاع ملی کہ امام صاحبؒ کا مزار کسمپرسی کی حالت میں ہے تو اس نے ابو سعد محمد بن منصور شرف الملک مستوفی کو حکم دیا کہ امام صاحبؒ کی قبر پر ایک عظیم الشان قبہ تعمیر کیا جائے اور اس کے ساتھ ایک مدرسہ بھی تیار کیا جائے۔ اس کے حکم کی تعمیل ہوئی اور تھوڑی ہی مدت میں ایک شاندار قبہ اور مدرسہ تعمیر ہو گیا۔ اس مدرسہ کی رسم افتتاح بڑی شان سے ادا کی گئی اور یہ صدیوں تک تشنگان علم کی پیاس بجھاتا رہا۔

سلطان کی علم دوستی اور معارف پروری کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اسی کے عہد میں اور اسی کے ایما پر وزیر السلطنت خواجہ نظام الملک طوسی نے ۴۵۷ھ/ ۱۰۶۵ء میں اس عظیم الشان نظام تعلیم کی بنیاد رکھی جو تاریخ عالم میں ''نظامیہ'' کے نام سے مشہور ہوا اور مدارس نظامیہ سے صدیوں تک علوم و معارف کے چشمے ابلتے رہے۔

سلطان الپ ارسلان نے اپنے پیچھے کثیر اولاد چھوڑی۔ بیٹوں میں ملک شاہ، تتش، تکش، ایاز، ارسلان شاہ، ارسلان ارغون اور بوری برس نے تاریخ میں بڑی شہرت پائی۔ بیٹیوں میں صرف صفری خاتون، عائشہ اور سارہ کے نام معلوم ہیں۔ سلطان ملک شاہ بن الپ ارسلان کے عہد میں سلجوقی سلطنت اپنے انتہائی عروج پر پہنچ گئی، یہاں تک کہ دنیا کی کوئی سلطنت اس سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی۔

ؒ رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

خواجہ نظام الملک طوسی

وزیر کبیر خواجہ نظام الملک حسن بن علی بن اسحاق طوسی تاریخِ اسلام کی ایک مہتم بالشان شخصیت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہارون الرشید عباسی کے وزیر یحییٰ بن خالد برمکی[1] کے بعد ایشیا بھر میں اتنا بڑا مُدبّر، زیرک اور علم دوست وزیر پیدا نہیں ہوا۔ دولت سلجوقیہ کی عظمت وشوکت کے نقطۂ عروج تک پہنچانے میں اس کی مساعی کو بڑا دخل تھا اسی لیے مؤرخین اس کو بجا طور پر دولت سلجوقیہ کی پیشانی کا نور کہتے ہیں۔

نام حسن بن علی بن اسحاق بن عباس کنیت ابو علی، القاب نظام الملک، قوام الدین، خواجۂ بزرگ، وزیرِ کبیر، تاج الحضر تین، اتا بک، رضی امیر المومنین...... ان میں سے نظام الملک کا لقب، نام، کنیت اور دوسرے تمام القاب پر غالب آیا۔

ا۔ ابو الفضل یحییٰ بن خالد بن جعفر بن جاماسب برمکی وزیر کبیر خلیفہ ہارون الرشید عباسی علو قدر، نفاذ امر، قدر و عزت اور جلالت و منزلت کی اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ آج تک نظام الملک کے سوا شاید ہی کسی دوسرے وزیر کو یہ درجہ حاصل ہوا ہو۔
۱۱۹ھ/۷۳۷ء یا ۱۲۰ھ/۷۳۸ء میں ایک مجوسی النسل خاندان میں پیدا ہوا۔ اول اول اس کے دادا جعفر نے اسلام قبول کیا اور پھر اس کے تمام خاندان نے اسلام قبول کر لیا۔ جعفر کا بیٹا خالد نہایت قابل اور منتظم شخص تھا۔ اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت خلیفہ عبداللہ سفاح اور ابو جعفر منصور کا وزیر بن گیا۔ یحییٰ اسی نامور باپ کا فرزند تھا۔ خلیفہ مہدی نے اس کو ہارون الرشید کا اتالیق بنا دیا تھا۔ ہارون الرشید ۱۷۰ھ/۷۸۶ء

(باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

نظام الملک ' ایران کے مشہور تاریخی شہر طوس[1] کے ایک محلہ یا نواحی گاؤں نوقان میں ۲۱ ذیقعد ۴۰۸ھ/ ۱۰۱۷ء کو پیدا ہوا۔ باپ کا نام علی اور ماں کا نام زمرد خاتون تھا۔ آباؤ اجداد کا پیشہ باغبانی تھا۔[2] (بعض مؤرخین نے اس کو دہقان زادہ لکھا ہے) خواجہ نے ابتدائی تعلیم گھر پر اور مقامی مکتب میں حاصل کی۔ گیارہ برس کی عمر تک اس نے نہ صرف فقہ و حدیث کے ابتدائی مسائل پر عبور حاصل کرلیا بلکہ قرآن مجید بھی حفظ کرلیا اس کے بعد وہ نیشاپور جا کر امام موفقؒ کی مشہور زمانہ درسگاہ میں داخل ہوگیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ سے)

میں مسند خلافت پر بیٹھا تو اس نے یحییٰ کو وزیر کبیر اور مدار المہام بنا کر سلطنت کا تمام نظم و نسق اس کے سپرد کردیا۔ ہارون اس کو بمنزلہ باپ کے سمجھتا تھا اور باوا جان کہہ کر مخاطب کیا کرتا تھا۔ یحییٰ جود و سخا' علم و فضل' فصاحت و بلاغت' تہور و شجاعت اور تدبیر و سیاست میں اپنی مثال آپ تھا۔ اس کی معارف پروری اور فیاضی کی داستانوں سے تاریخ اور ادب کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ یحییٰ نے اپنی حیات ہی میں اپنے فرزند فضل اور اس کے بعد دوسرے بیٹے جعفر کو ہارون کا وزیر بنوادیا وہ بھی تمام صفات میں اپنے باپ کی مثیل تھے لیکن افسوس کہ آخر میں یہ خاندان ہارون کے عتاب کا شکار ہوگیا۔ جعفر کو قتل کیا گیا اور خاندان) کے دوسرے افراد کو قید میں ڈال دیا گیا۔ یحییٰ نے حالت قید میں ربیع الآخر ۱۹۰ھ/ ۸۰۶ء میں وفات پائی۔

[1] طوس کا موجودہ نام "مشہد مقدس" ہے۔ اس شہر کو سیدنا حضرت علی رضاؒ کی آخری آرام گاہ ہونے کی وجہ سے ابدی شہرت حاصل ہوگئی۔ فی الحقیقت مشہد کا موجودہ شہر پرانے شہر طوس سے پندرہ میل دور شمال مشرق میں واقع ہے۔ طوس کی تاریخ ہزاروں سال پر حاوی ہے۔ دور اسلام میں یہ بڑا مردم خیز شہر رہا ہے۔ خواجہ نظام الملک کے علاوہ حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ امام احمد غزالیؒ ابونصر سراج صوفیؒ شیخ ابوعلی فارمذیؒ شیخ ابوبکر نساجؒ بابامحمودؒ فردوسی اور خواجہ نصیر الدین طوسی جیسی یگانہ روزگار شخصیتیں طوس ہی کی خاک سے اٹھیں۔

[2] نظام الملک کے والد علی کو اس کے پیشہ زراعت یا باغبانی کی نسبت سے جاہل نہ سمجھنا چاہیے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ علی ایک عالم و فاضل شخص تھا اور چغری بیگ داؤد سلجوقی کی طرف سے طوس میں صاحب الخراج (تحصیل دار) تھا۔ اس کا بھائی عبداللہ بھی ایک متبحر عالم تھا اس لئے نظام الملک نے ایک علمی ماحول میں آنکھ کھولی...... اُن زمانے میں معمولی دیہات کے مدرسوں میں بھی فیض کے چشمے جاری تھے اور بڑے بڑے صاحب کمال لوگ ان مدرسوں میں درس دیتے تھے۔ نظام الملک کا پہلا استاد اور اتالیق فقیہ عبدالصمد قندوجی تھا جو ایک نامور عالم اور مرد صالح تھا اور نوقان (طوس) کے مقامی مکتب میں درس دیتا تھا۔

Marfat.com

اور چار برس میں جملہ دینی علوم میں درجہ تبحر حاصل کرلیا۔ امام موفقؒ سے سندِ فضیلت حاصل کرنے کے بعد خواجہ نے بخارا کا رخ کیا۔ یہ شہر بھی اس زمانے میں علم کا مرکز تھا خواجہ نے بخارا کے دارالعلوم سے بھی مختلف علوم وفنون کی تکمیل کی۔ پھر وہاں سے مرو اور ماوراء النہر ہوتا ہوا غزنین پہنچا اور وہاں کسی دفتر میں ملازم ہوکر دفتر کا کام سیکھا اور حساب اور انشاء میں مہارت حاصل کی چند سال بعد وہاں سے خراسان گیا۔ کچھ عرصہ وہاں گزارا اور پھر وہاں سے بلخ پہنچا۔

اس زمانہ میں چغری بیگ داؤد سلجوقی (والد الپ ارسلان) کی طرف سے ابوعلی احمد بن شاذان، بلخ کا گورنر تھا۔ اس نے خواجہ کو جوہر قابل دیکھ کر میر منشی (کاتب) کے عہدے پر فائز کر دیا۔ یہی عہدہ خواجہ کی آیندہ ترقیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ ابوعلی احمد بڑا قابل اور صاحب تدبیر شخص تھا لیکن مزاج میں کسی قدر خست اور تندی تھی اس لیے خواجہ کچھ مدت بعد اس کی ملازمت سے دلبرداشتہ ہوگیا اور استعفا دے کر مرو چلا گیا اور وہاں چغری بیگ داؤد سلجوقی فرمانروائے خراسان کی ملازمت اختیار کرلی۔ چغری بیگ جلد ہی خواجہ کی خداداد صلاحیتوں کو بھانپ گیا اور اس پر حد سے زیادہ مہربان ہوگیا۔ یہاں تک کہ اس کو اپنے فرزند الپ ارسلان کا اتالیق بنا دیا۔ چغری بیگ نے ۴۵۱ھ/۱۰۵۹ء میں وفات پائی اس کے بعد سلطان طغرل بیگ نے الپ ارسلان کو بلخ کا گورنر بنا دیا۔ سلطان طغرل نے چغری بیگ کی وفات کے بعد اس کی بیوہ سے نکاح کرلیا تھا۔ اسی کے ایما پر اس نے اپنے دوسرے بھتیجے سلیمان کو (جو الپ ارسلان کا سوتیلا بھائی تھا) اپنا ولی عہد قرار دیا حالانکہ وہ الپ ارسلان سے چھوٹا تھا۔ ۴۵۵ھ/۱۰۶۳ء میں سلطان طغرل نے وفات پائی تو اس کی جانشینی کا جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک گروہ نے سلیمان کی حمایت کی اور دوسرے نے الپ ارسلان کی۔ خواجہ نظام الملک کا تعلق موخرالذکر گروہ سے تھا۔ اس جھگڑے

Marfat.com

میں الپ ارسلان کو کامیابی ہوئی اور محرم ۴۵۶ھ میں وہ بلاشرکت غیرے سلجوقی تاج و تخت کا مالک بن گیا۔ سلطان نے امور وزارت کو عمید الملک کندری اور نظام الملک کے سپرد کر دیا لیکن یہ مشترکہ وزارت چند ماہ سے زیادہ نہ چل سکی۔ ذی الحجہ ۴۵۶ھ میں سلطان نے عمید الملک کندری کو بوجوہ قتل کرادیا[1] اور نظام الملک کو مستقل وزیر سلطنت مقرر کر دیا۔ اسی زمانے میں وہ شہزادہ ملک شاہ کی اتالیقی کے فرائض بھی انجام دیتا رہا۔ ۴۶۵ھ میں سلطان الپ ارسلان نے شہادت پائی تو خواجہ نے ملک شاہ کو تخت نشین کرنے اور اس کی حکومت کی بنیادیں مستحکم کرنے کے لیے زبردست جدوجہد کی چنانچہ ملک شاہ نے اس کو وزیر السلطنت ہی نہیں بلکہ تمام سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک دیا۔

---

[1] ابونصر محمد بن منصور ملقب بہ عمید الملک کندری آٹھ سال تک سلطان طغرل بیگ سلجوقی کا وزیر رہا۔ عالم و فاضل آدمی تھا اور عربی و فارسی ادب وانشاء پر مشاقانہ قدرت رکھتا تھا۔ محض اپنی ذاتی قابلیت اور محنت کی بدولت معمولی حیثیت سے درجہ وزارت تک پہنچا۔ مورخین نے اس کی جود وسخا اور فضل و کمال کی بڑی تعریف کی ہے لیکن ساتھ ہی یہ لکھا ہے کہ مذہبی معاملات میں تنگ نظر اور متعصب تھا۔ پہلے طغرل بیگ سے اہل تشیع پر خطبوں میں لعنت بھیجنے کا حکم جاری کرایا پھر اشعریوں پر لعن بھیجنے کا فرمان حاصل کیا۔ اس کے اس رویے کے خلاف لوگوں میں بے چینی پھیل گئی اور امام ابوالقاسم قشیریؒ اور امام الحرمین جوینیؒ جیسے فضلائے زمانہ دوسرے بیسیوں علماء کے ساتھ نیشاپور سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے۔ سلطان طغرل کے انتقال کے بعد عمید الملک نے درپردہ الپ ارسلان کے مقابلے میں سلیمان کی حمایت کی۔ اس سے الپ ارسلان کے دل میں اس کے خلاف کھٹک پیدا ہوگئی چنانچہ تخت نشین ہونے کے کچھ عرصہ بعد الپ ارسلان نے اس کو وزارت سے معزول کر کے قید کر دیا اور ایک سال بعد (۱۶ ذی الحجہ ۴۵۶ھ کو) قتل کرادیا۔ قتل کے وقت اس کی عمر چالیس برس کے لگ بھگ تھی۔ کہا جاتا ہے کہ جب جلاد تلوار لے کر اس کے سر پر کھڑا ہوا تو اس نے الپ ارسلان کو پیغام بھیجا کہ تیرے چچا نے مجھے وزیر بنایا تھا اور تو شہادت کے رتبے پر فائز کر رہا ہے اس کا مجھے آخرت میں اجر ملے گا۔ نظام الملک کو پیغام بھیجا کہ تو نے بہت برا کیا کہ ان ترک بادشاہوں کو وزیر کشی کی چاٹ لگا دی۔ وہ دن دور نہیں کہ تو اور تیری اولاد بھی ایسے انجام سے دوچار ہوگی۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اس کے قتل میں فی الواقع نظام الملک کا ہاتھ بھی تھا۔

Marfat.com

خواجہ نظام الملک نے تقریباً انتیس برس وزارت کی۔ اس طویل مدت میں وہ نو برس سلطان الپ ارسلان سے وابستہ رہا اور بیس برس سلطان ملک شاہ کی خدمت کرتا رہا۔ ملک شاہ کے عہد میں اس کی وزارت بادشاہی سے کم نہیں تھی۔ رفاہِ عامہ نشرِ علوم و معارف، ملکی نظم و نسق، تعمیرات، زراعت، تجارت، جنگی مہمات غرض کوئی صیغہ ایسا نہیں تھا جس پر خواجہ کے حُسنِ تدبیر کی چھاپ نہ ہو۔

خواجہ نظام الملک کا سب سے بڑا کارنامہ جس نے اسے شہرتِ عام اور بقائے دوام کے دربار میں نہایت ارفع اور اعلیٰ مقام عطا کیا' نظامیہ بغداد کی تاسیس ہے۔ یہ ایک عظیم الشان اسلامی جامعۂ علوم (یونیورسٹی) تھی جس نے تمام ملک میں علوم و معارف کے دریا بہا دیے۔ اس کے ماتحت نیشاپور' طوس' اصفہان' موصل' مرو' بصرہ' ہرات' بلخ وغیرہ میں بھی عظیم الشان مدارس قائم ہوئے اور صدیوں تک اسلامی علوم کا مرکز بنے رہے۔ بدقسمتی سے اخیر میں خواجہ نظام الملک اور سلطان ملک شاہ کے مابین کشیدگی پیدا ہو گئی جو شعبان ۴۸۵ھ میں خواجہ کی وزارت سے معزولی پر منتج ہوئی تاہم سلطان نے اس کے ذاتی اعزاز میں کوئی کمی نہ کی۔ معزولی کے ایک ماہ بعد وہ سلطان کے ہمراہ بغداد جاتے ہوئے ۱۰ رمضان المبارک ۴۸۵ھ کو نہاوند کے مقام پر ایک باطنی فدائی کی چھری کا شکار ہو گیا۔ لاش اصفہان لا کر دفن کی گئی۔ تمام عالم اسلام میں اس کی موت کا پرزور ماتم کیا گیا اور شعراء نے دلگداز مرثیے لکھے۔ ابوالہیجا مقاتل بن عطیہ (شبل الدولہ) کے مرثیے کا یہ قطعہ تو زبان زد خواص و عوام ہو گیا۔

كَانَ الْوَزِيْرُ نِظَامُ الْمُلْكِ لُؤْلُؤَةً　　نَفِيْسَةً صَاغَهَا الرَّحْمٰنُ مِنْ شَرَفٍ

عَزَّتْ فَلَمْ تَعْرِفِ الْاَيَّامُ قِيْمَتَهَا　　فَرَدَّهَا غَيْرَةً مِّنْهُ اِلَى الصَّدَفِ

یعنی نظام الملک ایک دریکتا تھا جسے حق تعالیٰ نے دریائے شرف سے نکالا تھا۔ اس نے دنیا کو اپنی آب و تاب دکھائی مگر دنیا نے اس کی قدر و قیمت نہ پہچانی اس

Marfat.com

لیے غیرت الٰہیہ نے اس کو پھر صدف میں رکھ دیا۔[1]

تمام مؤرخین نے خواجہ نظام الملک کے ذاتی اوصاف و خصائل کی بے حد تعریف کی ہے۔ وہ اربابِ علم و ہنر کا صرف قدردان ہی نہیں تھا بلکہ خود بھی ایک بلند پایہ عالم اور ادیب تھا اور قرآن' حدیث' تفسیر' فقہ' حکمت' انشاء' شعر و ادب وغیرہ تمام علوم میں درجۂ تبحّر رکھتا تھا۔ علامہ ابن خلکان اور بعض دوسرے مؤرخین نے تو اس کو ''مُحدِّث'' کا درجہ دیا ہے اور اس سے ایک حدیث بھی روایت کی ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم مسجد کے اندر جاؤ تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرو۔''

دینی مسلک میں وہ فقۂ شافعی کا پیرو تھا لیکن نہایت فراخ حوصلہ اور بے تعصب تھا۔ چنانچہ سلطان الپ ارسلان کے عہدِ وزارت میں عہدۂ وزارت سنبھالتے ہی اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ خطبوں میں اہل تشیع اور اشاعرہ پر لعنت بھیجنا موقوف کرا دیا۔

خواجہ کو اربابِ فضل و کمال کی صحبت میں بیٹھ کر دلی راحت حاصل ہوتی تھی اس کے دربار میں ہمیشہ علماء و فضلا کا مجمع رہتا تھا۔ مغرب کی نماز کے بعد وہ دیر تک علماء سے علمی گفتگو میں مصروف رہا کرتا تھا اور یہ اس کا روز کا معمول بن گیا تھا۔

علّامہ ابنِ خلّکانؒ نے لکھا ہے کہ وَكَانَ مَجْلِسُهٗ عَامِرًا بِالْفُقَهَاءِ یعنی اس کی مجلس فقہا سے بھری رہتی تھی۔ خواجہ اہل علم کی تعظیم و تکریم بھی حد سے زیادہ کرتا تھا اور ہمیشہ ان کی خدمت کرنے کا کوئی نہ کوئی موقع ڈھونڈتا رہتا تھا۔ علّامہ عماد الدین اصفہانی کا بیان ہے کہ نظام الملک کو جہاں کسی شہر میں کوئی ممتاز عالم مل جاتا تھا وہ وہیں فوراً ایک مدرسہ اور کتب خانہ قائم کر دیتا تھا اور اس عالم کو اس مدرسہ میں درس

۱- صدف میں رکھنے کا کنایہ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ سے ہے

Marfat.com

وتدریس اور کتب خانے کی نگرانی کا کام سونپ دیتا تھا۔ ایسے ہر مدرسہ کے لیے جائداد وقف کی جاتی اور کتابیں وغیرہ مہیا کی جاتی تھیں۔ خواجہ نظام الملک نے ان مدارس کے مُعلّمین اور طلبہ کے معقول وظیفے بھی مقرر کر رکھے تھے اور یہ سارا خرچ وہ صرف شاہی خزانے سے نہیں کرتا تھا بلکہ اس نے اپنی ذاتی جاگیر کی آمدنی کا دسواں حصہ بھی ان اخراجات کے لیے وقف کر دیا تھا۔ بعض مؤرّخین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ صیغۂ تعلیم میں جتنی رقم شاہی خزانے سے لی جاتی تھی اس کے برابر رقم خواجہ نظام الملک اپنی ذاتی جاگیر سے دیتا تھا۔ اہم مدرسوں کے ساتھ ملحق کتب خانوں کے لیے (بالخصوص نظامیہ بغداد کے کتب خانے کے لیے) خواجہ نے اپنے ذاتی کتب خانہ سے ہزاروں کتابیں فراہم کیں۔ ان میں بعض کتابیں نادر و نایاب تھیں[1]۔

خواجہ کو عبادت اور ذکرِ الٰہی سے کمال درجے کا شغف تھا۔ نماز باجماعت کی سختی سے پابندی کرتا تھا اور اذان کی آواز سنتے ہی سب کام چھوڑ کر نماز کے لیے لپکتا تھا۔ ہمیشہ باوضو رہنے کی کوشش کرتا اور تلاوتِ قرآنِ پاک میں کبھی ناغہ نہ ہونے دیتا۔ ہر سوموار اور جمعرات کو روزہ رکھتا تھا۔ رمضان المبارک کے مہینے میں اس کی طبیعت ہر وقت خشیتِ الٰہی سے معمور رہتی تھی اور اس کا بیشتر وقت روزہ، نماز اور علماء کی مجلس میں بیٹھنے میں صرف ہوتا تھا۔ وہ طبعاً نہایت نیک مزاج، بُردبار، انصاف پسند، رحمدل، حلیم الطبع، رقیق القلب، صابر و شاکر اور فیاض آدمی تھا۔ مؤرّخین نے اس کی جود وسخا اور داد و دہش کے متعدد واقعات لکھے ہیں۔ نہ صرف وزیر السّلطنت ہونے کی حیثیت سے صبح سے شام تک حاجت مندوں کی حاجتیں پوری کرتا رہتا تھا بلکہ اپنی ذاتی حیثیت میں بھی (اپنی ذاتی آمدنی سے) فقراء و مساکین کو ہزاروں درہم و دینار تقسیم

---

[1] علامہ ابن خلدون کا بیان ہے کہ نظامیہ بغداد کے کتب خانے کو نظام الملک نے جو کتابیں دیں ان میں ابراہیم الحربی کی تصنیف "غریب الحدیث" کی دس جلدیں بھی تھیں جو ابوعمرو بن جیادیہ کی لکھی ہوئی تھیں۔ اس وقت تمام عالم اسلام میں یہ ایک بے مثل اور نادر کتاب تھی۔

Marfat.com

کرتا رہتا تھا۔

یہ خیرات اس رقم کے علاوہ تھی جو وہ اشاعتِ علم اور دوسرے رفاہی کاموں کے لیے اپنی جاگیر کی آمدنی سے صَرف کرتا تھا۔ روزانہ صبح اٹھتے ہی ایک سو دینار خیرات کرنا تو اس کی عادت بن گئی تھی اور پھر جب گھر سے نکلتا تو درہم و دینار سے بھری ہوئی کئی تھیلیاں اپنے ساتھ لے لیتا تھا۔ راستے میں جو محتاج نظر آتا اس کو کچھ نہ کچھ ضرور دیتا تھا یہاں تک کہ دربار یا دفتر تک پہنچتے پہنچتے سب تھیلیاں تقسیم ہو جاتی تھیں۔ ایک دفعہ اس کی سواری ایک بوڑھے سبزی فروش کی دکان کے سامنے سے گزری۔ اس نے اُٹھ کر سلام کیا اور عرض کیا کہ کثیر العیال ہوں دکان کی آمدنی اس قدر قلیل ہے کہ فاقوں تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ خواجہ نے روپوں کی ایک تھیلی اس کی طرف پھینک دی۔ سبزی فروش نے دکان سے اٹھ کر اپاج کا بھیس بدل لیا اور دوسرے راستے پر جا بیٹھا۔ خواجہ کی سواری گزری تو آواز بدل کر کہا کہ مفلوج ہوں اور بال بچے سخت مصیبت میں ہیں خواجہ نے ایک تھیلی اور اس کی طرف پھینک دی۔ سبزی فروش نے اب کوئی اور روپ دھارا اور چکر کاٹ کر پھر خواجہ کو سلام کر کے کہا کہ جوان لڑکیاں گھر میں ہیں اور تنگدستی کی وجہ سے ان کے ہاتھ پیلے نہیں کر سکتا۔ خواجہ نے پھر ایک تھیلی اس کو دے دی۔ سبزی روش بھی ایک ہی حریص آدمی تھا‘ چوتھی بار پھر بھیس بدل کر خواجہ کے راستے میں جا بیٹھا اور جب اس کی سواری قریب آئی تو عرض کیا کہ اسپیجاب (ماوراء النہر کا ایک شہر) کا رہنے والا ہوں‘ جہاد کے لیے نکلا تھا‘ بدقسمتی سے ہمارے لشکر کو شکست ہوئی اور میں بڑی مشکل سے جان بچا کر یہاں تک پہنچا ہوں اب پیسے پیسے کو محتاج ہوں۔ خواجہ نے اس کو پھر ایک تھیلی دینے کا حکم دیا اور ساتھ ہی مسکرا کر کہا ”اے بوڑھے سبزی فروش‘ اپاج‘ جوان‘ لڑکیوں کے باپ‘

Marfat.com

اسپیجاب کے مجاہد ایک تھیلی اور لے۔"

اس طرح وہ چوتھی تھیلی لے کر رخصت ہوا لیکن خواجہ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا حالانکہ اس نے ہر مرتبہ اس حریص بوڑھے کو پہچان لیا تھا۔

سیاست، تدبر، دیانت امانت اور انشاء پردازی میں تو خواجہ اپنی مثال آپ ہی تھا اور وہ محض اپنے حسن لیاقت کی بدولت ہی اتنے بلند مرتبے تک پہنچا تھا۔ مؤرخین نے خواجہ کی سخن فہمی کی بھی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ وہ خود بھی کبھی کبھار فارسی اور عربی میں شعر کہہ لیتا تھا۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

فارسی

این سربنہ این نخوت کاوسی را | بگزار بجبرئیل طاوسی را
یعنی ہمہ صوفہائے قیروسی را | پیش آر دگرگاو مگو طوسی را

عربی

بَعدَ الثَّمَانِینَ لَیسَ قُوَّةً | قَدْ ذَهَبَتْ شِرَّةُ الصَّبْوَةِ
کَاَنَّنِیْ وَالْعَصَاءِ بِکَفِّیْ | مُوسیٰ وَلٰکِنْ بِلَا نُبُوَّةٍ

یعنی ہشتاد سالہ عمر کے بعد قوت نہیں رہتی اور لڑکپن کی امنگوں کا تو نشان بھی نہیں ملتا۔

جب میرے ہاتھ میں عصا موجود ہے تو گویا میں بھی موسیٰ (کی طرح صاحبِ عصا) ہوں لیکن بغیر نبوت کے۔

خواجہ نے فارسی نثر کا ایک بڑا ذخیرہ اپنی یادگار چھوڑا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک بےمثل انشا پرواز تھا۔ ان خطوط کے علاوہ جو اس نے وقتاً فوقتاً اپنے فرزندوں کو لکھے مندرجہ ذیل تصانیف بھی اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں:

Marfat.com

وصایا نظام الملک یا دستور الوزراء

سیاست نامہ

سفر نامہ (حالات سفر از خراسان تا کابل براہ ماوراء النہر) یہ کتاب نایاب ہے۔

مؤرخین نے خواجہ کی خانگی زندگی کے بارے میں بہت کم لکھا ہے اس لیے حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے اپنی زندگی میں کتنی شادیاں کیں، مختلف روایات کو ملا کر پڑھنے سے اتنا پتا ضرور چلتا ہے کہ جب وہ سلطان چغری بیگ داؤد کے دربار میں پہلی بار وارد ہوا تو شادی شدہ تھا اور دو لڑکوں عبید اللہ اور مظفر کا باپ تھا۔ اس کے علاوہ خواجہ کے ایک دوسرے عقد کا ذکر بعض مؤرخین نے صراحت کے ساتھ کیا ہے۔ یہ عقد خواجہ نے ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء میں انجاز (گرجستان یا جارجیا) کے حکمران بقراط کی بیٹی سے کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب سلطان الپ ارسلان نے انجاز فتح کیا تو بقراط نے اپنی بیٹی کا عقد سلطان سے کر دیا تھا۔ سلطان نے کچھ عرصہ بعد اس بیگم کو طلاق دے دی اور خواجہ کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا۔ اس گرجستانی بیوی سے بھی خواجہ کے کئی بیٹے پیدا ہوئے۔

خواجہ کی اولاد میں متعدد بیٹے اور بیٹیاں تھیں۔ ان میں سے دس بیٹوں اور ایک بیٹی کے نام تاریخوں میں ملتے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) فخر الملک ابو الفتح مظفر
(۲) مؤید الملک ظہیر الدولہ ابو بکر عبید اللہ
(۳) جمال الملک ابو منصور
(۴) ضیاء الملک ابو نصر احمد
(۵) شمس الملک عثمان
(۶) عز الملک ابو عبد اللہ الحسین
(۷) عماد الملک ابو القاسم
(۸) ابو البرکات عماد الدین
(۹) عبد الرحیم
(۱۰) علی
(۱۱) صفیہ (بیٹی)

Marfat.com

اکثر روایتوں میں ہے کہ خواجہ کے کل بارہ بیٹے تھے لیکن دو بیٹوں کے نام معلوم نہیں ہیں۔اسی طرح اس کی کئی بیٹیاں تھیں لیکن ایک بیٹی کے سوا کسی کا نام معلوم نہیں۔صفیہ کا نکاح خلیفہ مقتدی کے وزیر عمید الدولہ ابو منصور محمد بن فخر الدّولہ بن جہیر سے ۴۶۲ھ میں ہوا تھا۔اس نے ۴۷۰ھ میں خواجہ کے سامنے ہی وفات پائی۔

حدیثِ نبوی ﷺ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں زنا کرتا کوئی زناکار جس وقت وہ زنا کرتا ہے اور وہ اس وقت مومن ہو اور نہیں چوری کرتا کوئی چور جبکہ وہ چوری کرتا ہے اور وہ اس وقت مومن ہو اور نہیں شراب پیتا کوئی شرابی جبکہ وہ شراب پیتا ہے اور وہ اس وقت مومن ہو اور نہیں لوٹتا لوٹ کا کوئی مال کہ لوگ اس کی طرف آنکھیں اٹھا اٹھا کر اس کی لوٹ مار کو دیکھتے ہوں جبکہ وہ لوٹتا ہے اور وہ اس وقت مومن ہو اور نہیں خیانت کرتا خیانت کرنے والا جبکہ وہ خیانت کرتا ہے اور وہ اس وقت مومن ہو۔پس (ان خلاف ایمان باتوں سے) اپنے کو بچاؤ بچاؤ۔ (عن ابو ہریرہ) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

Marfat.com

شہیدِ ملت حسین سفاقسیؒ

بحرِ روم کی متموّج اور نیلگوں سطحِ آب زمانہ قدیم سے یورپ، ایشیا اور افریقہ کی مختلف قوموں کا رابطۂ اتّصال رہی ہے۔ اس بحرِ زخّار میں بے شمار جزائر ہیں جن میں سے بعض خاص اہمیّت کے حامل ہیں لیکن تاریخِ عالم پر ایک غائر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ بحرِ روم کے جزیرے سسلی (Sicily) کو (جسے عربوں نے صقلیہ کا نام دیا) تاریخی اور جغرافیائی اعتبار سے جو اہمیّت حاصل ہے اس سمندر کا کوئی دوسرا جزیرہ اس کی ہمسری نہیں کرسکتا۔ ماہرینِ طبقات الارض کی تحقیق کے مطابق تقریباً سولہ ہزار مربّع کلومیٹر پر محیط یہ جزیرہ بحرِ روم میں اس وقت سے موجود ہے جبکہ یہ عالم ہست و بود بنی نوعِ انسان کے وجود سے یکسر خالی تھی۔ یہ جزیرہ اٹلی کے جنوبی گوشے سے ایک چھوٹی سی دو میل عریض آبنائے سینا کے ذریعہ جدا ہوتا ہے۔ آج کل یہ اٹلی کا ایک حصہ ہے لیکن ماضی قدیم میں اس نے ایک آزاد اور خودمختار ملک کی حیثیت سے یورپ، ایشیا اور شمالی افریقہ کی تاریخ پر بڑے گہرے اثرات مترتب کیے۔ سسلی کی سیاسی تاریخ کا آغاز ۵۲۳ ق م سے ہوتا ہے جب یونانیوں نے وہاں ایک خودمختار ریاست کی داغ بیل ڈالی۔ ۴۰۹ ق م میں اہلِ قرطاجنہ (کارتھیج) نے شمالی افریقہ سے یلغار کرکے سسلی کے ایک وسیع رقبے پر قبضہ کرلیا اور وہاں اپنی متوازی حکومت

Marfat.com

قائم کر لی۔ اس کے نتیجے میں یونانیوں اور قرطاجنیوں کے درمیان معرکہ آرائیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان دونوں قوموں کی باہمی آویزش کا فائدہ اٹھا کر اٹلی کی جمہوری حکومت روما نے پہلے سسلی میں اہلِ قرطاجنہ کی حکومت ختم کی اور پھر وہاں کی یونانی حکومت کا خاتمہ کر کے پورے سسلی پر اپنا تسلّط قائم کر لیا۔ یہ واقعات ۲۱۲ ق م کے ہیں۔

۳۵ ق م میں جمہوریتِ روما کے خاتمہ کے بعد اگسٹس سیزر کی قیادت میں رومن ایمپائر قائم ہوئی تو جزیرہ سسلی اس کا ایک صوبہ بن گیا۔ ۳۷۹ عیسوی میں رومن ایمپائر دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک مملکتِ غربیہ جس کا دارالسّلطنت روم تھا اور دوسری مملکتِ شرقیہ جس کا پایۂ تخت قسطنطنیہ تھا۔ روما کی اسی مملکتِ شرقیہ نے تاریخ میں بیزنطی یا بیزنطینی سلطنت کے نام سے شہرت پائی۔ سسلی پر پہلے مملکتِ غربیہ کا تسلّط رہا لیکن اس کے زوال کے بعد اس پر بیزنطی سلطنت کا استیلا ہو گیا۔ یہ ۵۵۱ء کا واقعہ ہے۔ بیزنطیوں ہی کے دورِ حکومت میں مسلمانوں کا آفتابِ اقبال طلوع ہوا اور ساتویں صدی عیسوی میں سسلی پر عربوں کے حملے شروع ہو گئے۔ نویں صدی کے آغاز میں جزیرے کے خاصے بڑے حصے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ رفتہ رفتہ اسلامی حکومت کا دائرہ تمام جزیرے پر محیط ہو گیا اور سسلی میں بیزنطیوں کا عَلَم اقتدار ہمیشہ کے لیے سرنگوں ہو گیا۔ مسلمانوں کا پرچمِ اقبال سسلی پر ۸۰۰ء سے ۱۰۹۱ء تک لہراتا رہا۔ اس دوران میں انہوں نے جس مہتم بالشّان تہذیب و تمدن اور علوم و آداب کی بنا ڈالی، جدید یورپ نے اسی پر اپنی تہذیب و تمدّن اور جدید علوم و فنون کا عظیم الشان قصر تعمیر کیا۔ بدقسمتی سے اپنے اقتدار کی تیسری صدی میں مسلمانانِ سسلی باہمی تشتت و افتراق کے اس ہولناک مرض میں مبتلا ہو گیا جو قوموں کو فنا کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ ان کی خانہ جنگی نے یورپ کی ایک درندہ صفت قوم کو سسلی پر حملے کے لیے اکسایا۔ یہ

Marfat.com

نارمن قوم تھی جو بربریت اور اسلام دشمنی میں اپنی مثال آپ تھی۔ نارمن اصل میں ناروے کے باشندے تھے۔ وہاں سے لوٹ مار کے لیے نکلے اور فرانس میں جا ڈیرا جمایا۔ اپنے اتحاد اور سخت کوشی کی بدولت وہ دسویں صدی عیسوی کے آغاز میں یورپ میں ایک سیاسی قوت بن گئے۔ پہلے انہوں نے فرانس میں ایک ریاست نارمن یا نارمنڈی قائم کی۔ اس کے بعد ان کے ایک گروہ نے ولیم فاتح کی سرکردگی میں انگلستان کو تسخیر کر کے وہاں ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی۔ ایک دوسرے گروہ نے بحرِ روم کے ممالک اور جزائر پر حملے شروع کر دیے۔ اسی گروہ نے ۱۰۵۲ء میں مسلمانوں کے افتراق کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سسلی کے شمالی علاقے پر قبضہ کر لیا اور اپنے ظلم وستم اور بربریت سے ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ اسی زمانے میں سسلی کے ایک غیرت مند مسلمان سردار ابن البعباع نے نارمنوں کو اپنے ملک سے نکالنے کے لیے جدوجہد کا آغاز کیا لیکن عین اس موقع پر "اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے" مصر کی فاطمی حکومت نے محض اس بنا پر کہ ابن البعباع نے اسے خراج دینا منظور نہیں کیا تھا' نارمنوں کو ابن البعباع کا قلع قمع کرنے پر ابھارا۔ نارمن تو دل سے یہی چاہتے تھے۔ انہوں نے ایک زبردست لشکر کے ساتھ مسلم سسلی کے دارالحکومت بلرم پر یلغار کر دی۔ مسلمانوں نے طویل عرصے تک محصور رہ کر پرزور مقابلہ کیا لیکن آخر خوراک کی قلت اور بعض دوسرے اسباب کی بنا پر جنوری ۱۰۷۱ء میں چند شرائط پر شہر نارمنوں کے حوالے کر دیا۔ سقوطِ بلرم کے نتیجے میں سسلی کے دوسرے مسلم علاقوں کی قوتِ مدافعت بھی آہستہ آہستہ جواب دینے لگی۔ یہاں تک کہ ۱۰۹۱ء میں سسلی کے چپے چپے پر نارمنوں کا استیلا ہو گیا۔

سسلی پر نارمنوں کا قبضہ صرف مسلمانانِ سسلی ہی کے لیے ایک خونچکاں المیہ ثابت نہ ہوا بلکہ اس نے دوسری اسلامی سلطنتوں کو بھی سخت مصیبت میں مبتلا کر دیا۔

Marfat.com

نارمنوں کے تعصّب کا یہ عالَم تھا کہ سِسلی کے پہلے نارمن فرمانروا راجر اوّل نے اپنا لقب "محافظِ مذہبِ عیسائیت" رکھا۔ عام طور پر مشہور ہے کہ یورپ میں صلیبی جنگوں (Crusades) کا صُور پھونکنے والا ایک فرانسیسی راہب پیٹر دی ہرمٹ (پطرس) تھا لیکن مُورّخ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ اہل یورپ کو ارضِ مقدّس فلسطین پر حملہ کرنے کے لیے سب سے پہلے راجر اوّل شاہِ سِسلی نے ابھارا اور اسی کی تحریک پر سارے یورپ نے مُتّحد ہو کر بیت المقدس پر یلغار کر دی جو اس وقت مصر کی فاطمی حکومت کے دائرۂ اقتدار میں تھا۔ فاطمی حکومت بیت المقدس کا دفاع نہ کر سکی اور ۱۰۹۸ء میں صلیبیوں نے اس پر قبضہ کر لیا اور انہوں نے مسلمانوں پر ایسے ہولناک مظالم ڈھائے کہ انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی۔ خود مغربی مورّخ بھی ان مظالم کا ذکر کرتے ہوئے ندامت کا اظہار کرتے ہیں۔ صلیب کے جھنڈے تلے ان لوگوں نے بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور بیماروں کا بے دریغ قتل عام کیا۔ ملز (Mills) اور وان سبل (Vonsybel) عیسائی مُؤرخین تو یہاں تک اعتراف کرتے ہیں کہ صلیبی افواج کے کیمپوں میں مسلمانوں کا گوشت دن دہاڑے بکتا تھا اور یہ سب کچھ نارمنوں کا کیا دھرا تھا یا مسلمانوں کے باہمی افتراق کا نتیجہ تھا۔

دوسری اسلامی سلطنت جو براہِ راست نارمنوں کی ترکتازیوں کا ہدف بنی وہ شمالی افریقہ کی دولتِ صنہاجیہ تھی۔ بدقسمتی سے شمالی افریقہ کے مسلمان بھی باہمی خانہ جنگیوں میں مبتلا ہو چکے تھے۔ انہوں نے نہ سِسلی میں اسلامی حکومت کے خاتمہ سے سبق حاصل کیا تھا اور نہ بیت المقدس کے سقوط سے عبرت حاصل کی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صنہاجی حکومت، جو بنو امیّہ، بنو عباس اور بنو فاطمہ کے بعد شمالی افریقہ میں اسلام کا چراغ روشن کیے ہوئے تھی، سخت کمزور ہو گئی اور اس کے کئی صوبے خودمختار یا نیم خودمختار ہو گئے۔ راجر دوم شاہِ سِسلی نے اس صورتِ حال کو بھانپ لیا اور اس نے

Marfat.com

یکے بعد دیگرے نہ صرف ان خودمختار صوبوں (بجایہ' برشک' قابس' طرابلس الغرب وغیرہ اپنا اقتدار قائم کر لیا بلکہ ۱۱۴۸ء میں دارالحکومت مہدیہ پر قبضہ کر کے صنہاجی حکومت کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل کر دیا۔ شمالی افریقہ کی ایک آزاد مسلم ریاست جس کو سخت نامساعد حالات میں نارمنوں کی باجگزار بننا پڑا' سفاقس تھی۔ وہاں کا والی ایک غیور مسلمان عمر بن حسین تھا۔ مصلحت وقت نے اسے عارضی طور پر نارمنوں نے باجگزاری پر مجبور کر دیا تھا لیکن نارمنوں نے مسلمانوں پر جو خوفناک مظالم ڈھائے انہوں نے عمر کے دل میں گہرا گھاؤ ڈال دیا اور وہ ہر وقت اپنے ملک کو ظالم نارمنوں کے پنجۂ ستم سے آزاد کرانے کے لیے بیتاب رہنے لگا' لیکن مصیبت یہ تھی کہ عمر کا باپ حسین نارمنوں کے پاس بطور یرغمال سسلی میں نظر بند تھا اس لیے وہ نارمنوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے سے ہچکچا رہا تھا۔ عمر کا باپ حسین ایک سچا مسلمان تھا اور مسلمانوں کی مظلومی اور محکومی پر ہمیشہ کڑھتا رہتا تھا۔

۱۱۵۱ء میں راجر دوم اپنے بیٹے ولیم کے حق میں حکومت سے دستبردار ہو گیا۔ ولیم اوّل نے برسرِ اقتدار آ کر مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ اس کے نزدیک دنیا سے اسلام کو بیخ و بُن سے اکھاڑ دینا مسیحیت کی عین خدمت تھی اسی لیے عرب مُورّخین نے اسے غلیالم یا بدنفس کا خطاب دیا ہے۔ ولیم بدنفس کی ستم رانیوں کو دیکھ کر حسین کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔ اس کے سینے میں جذبۂ شہادت نے انگڑائی لی اور اس نے اپنے بیٹے عمر والئی سفاقس کو خفیہ پیغام بھیجا کہ "میں لب گور بیٹھا ہوں' آج نہیں تو کل مر جاؤں گا' میری خوشی اسی میں ہے کہ خدا کے دشمن نارمنوں سے برسرِ پیکار ہو جاؤ اور میری جان کی مطلق پروانہ کرو' مسلمانانِ سفاقس کی آزادی کے لیے میں ایک جان تو کیا ہزار جانیں ہوں تو قربان کر سکتا ہوں۔"

عمر نے باپ کا پیغام ملتے ہی نارمنوں کے خلاف عَلَم بغاوت بلند کر دیا' ان کا

Marfat.com

جھنڈا سفاقس کے قلعہ سے اتار پھینکا اور اس پر پرچم اسلام لہرا دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے سفاقس کے ان تمام نام نہاد عیسائیوں کو جن کے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگین تھے چُن چُن کر قتل کیا۔ نارمن فرمانروا کو ان واقعات کی خبر پہنچی تو اس نے ایک نہایت تہدید آمیز خط اپنے قاصد کے ہاتھ عمر کے پاس بھیجا۔ عمر نے نارمن قاصد کو اپنے پاس ٹھہرا لیا اور تین چار دن بعد اس کے سامنے ایک جنازہ نہایت تزک واحتشام سے اٹھانے کا اہتمام کیا۔ جنازہ میں سفاقس کے تمام مسلمان شریک تھے۔ یہ جلوس شہر سے گزر کر قبرستان پہنچا اور وہاں نارمن ایلچی کے سامنے اس جنازے کو نہایت احترام سے سپردِ خاک کر دیا۔ دوسرے دن عمر نے نارمن قاصد کو دربار میں طلب کیا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا:

"کل جو کچھ تم نے دیکھا یہ تمہارے بادشاہ کے خط کا جواب ہے۔ اس سے جا کر کہہ دو کہ سفاقس کی آزادی میں نے اپنے باپ کی جان کے عوض خریدی ہے' میرے باپ نے پیکِ اجل کو لبیک کہا ہے اور میرے ساتھ تمام مسلمانانِ سفاقس نے اس کا جنازہ دفن کر دیا ہے۔ اب ہم لوگ اس کا سوگ کرنے بیٹھے ہیں۔"

نارمن ایلچی نے سسلی واپس جا کر تمام واقعات شاہِ سسلی کے گوش گزار کیے تو اس کے غیظ وغضب کی انتہا نہ رہی اور اس نے حکم دیا کہ حسین سفاقسی کو پھانسی دے دی جائے۔ حسین نے پہلے ہی اپنی جان راہِ حق میں وقف کر رکھی تھی اس نے بادشاہ کا حکم سنا تو شکرِ خداوندی بجا لایا اور نہایت مسرّت واطمینان کے ساتھ تختۂ دار پر چڑھ گیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حسین سفاقسیؒ کا خونِ شہادت رایگاں نہ گیا۔ اسلام اور وطن کی خاطر اس کی قربانی کی خبر سارے شمالی افریقہ میں بجلی کی طرح پھیل گئی۔ اس نے نارمنوں کے

Marfat.com

پنجۂ ستم میں گرفتار افریقی مسلمانوں کو ولولہ تازہ عطا کیا اور انہوں نے جگہ جگہ نارمنوں کے خلاف ہتھیار اٹھا لیے' سفاقس میں عمر بن حسین نے نارمنوں کا آخری نشان تک مٹا دیا۔ ابو یحییٰ مطروح نے طرابلس الغرب میں آزادی اور خودمختاری کا اعلان کر دیا' قابس میں محمد بن رشید نے اپنے وطن کے پاؤں سے غلامی کی زنجیریں کاٹ ڈالیں اور مراکش کے مُوَحّد فرمانروا عبدالمؤمن نے بونہ سے نارمنوں کے شجرِ اقتدار کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ جب شمالی افریقہ کے متعدد مقامات یکے بعد دیگرے نارمنوں سے چھن گئے تو زویلہ کے مسلمانوں میں بھی جوش پیدا ہوا اور انہوں نے نارمنوں کے خلاف لڑائی چھیڑ دی۔ بدقسمتی سے حالات نے ان کا ساتھ نہ دیا اور وہ نارمنوں سے شکست کھا گئے۔ نارمنوں نے زویلہ کے مسلمانوں سے ان کی جدّوجہدِ آزادی کا خوفناک انتقام لیا اور ان کے ہزاروں مردوں' عورتوں اور بچوں کو نہایت سفّاکی سے ذبح کر ڈالا۔ چند مسلمان بڑی مشکل سے اپنی جانیں بچا کر عبدالمؤمن کے پاس مراکش پہنچے۔ انہوں نے اس کے سامنے زویلہ کے مسلمانوں کی مظلومی اور بے کسی کی داستان بیان کی اور اس سے التجا کی کہ وہ زویلہ' سوسہ اور مہدیہ کو نارمن غاصبوں کے پنجۂ ستم سے چھڑائے اور نارمنوں کے مظالم کا بدلہ لے۔ عبدالمؤمن ایک پُرجوش اور غیرت مند فرمانروا تھا وہ سانحۂ زویلہ کا حال سن کر آبدیدہ ہو گیا اور شمالی افریقہ کے چپہ چپہ کو نارمنوں کے وجودِ نامسعود سے پاک کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس وقت شمالی افریقہ میں مہدیہ نارمنوں کی قوت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ ۱۱۵۹ء میں عبدالمؤمن نے ایک لاکھ مجاہدین کے ساتھ مہدیہ کا رخ کیا' پہلے زویلہ کو مسخر کیا اس کے بعد آگے بڑھ کر سمندر اور خشکی دونوں طرف سے مہدیہ کا محاصرہ کر لیا۔ سسلی سے ۱۵۰ جنگی جہازوں کا ایک بیڑا نارمن محصورین کی مدد کے لیے پہنچا لیکن عبدالمؤمن کے بحری بیڑے نے اس کو شکستِ فاش دے کر بھگا دیا' اس پر نارمن محصورین نے

Marfat.com

نا اُمید ہو کر ہتھیار ڈال دیے اور عبدالمؤمن نے مہدیہ میں فاتحانہ داخل ہو کر اس پر پرچمِ اسلام بلند کر دیا۔ مہدیہ کی فتح کے ساتھ ہی دوسرے تمام مقامات سے بھی نارمنوں نے راہِ فرار اختیار کی۔ یوں پانچ سال پہلے حسین سفاقسیؒ نے اپنی جان دے کر آزادی کی جو شمع روشن کی تھی اس کی روشنی تمام شمالی افریقہ میں پھیل گئی اور اس سرزمین کا گوشہ گوشہ نارمن غاصبوں کے قبضہ واستیلا سے پاک ہو گیا۔

ہمارے دَور کے ایک مُورِّخ مولانا سید ریاست علی ندوی نے "تاریخِ صقلیہ" میں حسین سفاقسیؒ کے بارے میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ:

"پہلی صدی (ہجری) میں حُسینؓ بن علیؓ کی شہادت نے اسلام کو نئی زندگی عطا کی تھی، یہ کچھ نام کی برکت ہے کہ چھٹی صدی (ہجری) کے اس حُسین نے اسی کا ایک ادنیٰ نمونہ پیش کیا، خود قربان ہو گیا اور اپنی قربانی سے سارے افریقہ میں اسلام کو زندہ کر دیا۔"

رحمتہ اللہ علیہ

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی ستر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں۔ ان میں سب سے اعلیٰ اور افضل لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا قائل ہونا یعنی توحید کی شہادت دینا ہے اور ان میں سے ادنیٰ درجے کی شاخ اذیت اور تکلیف دینے والی چیزوں کا راستے سے ہٹانا ہے اور حیا ایمان کی ایک اہم شاخ ہے۔ (عن ابو ہریرہؓ) (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

Marfat.com

امامِ ربّانی مجدّدِ الفِ ثانی
حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

دسویں صدی ہجری کے آخر میں بَرِّکوچک پاک و ہند میں دینِ حق پر عجب وقت آ پڑا تھا۔ کہنے کو تو ملک پر مسلمانوں کی حکومت تھی لیکن مسلمانوں کی فکری اور عملی زندگی میں جو گوناگوں خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں، انہوں نے اسلام کی خالص تعلیمات کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ ایک طرف علماءِ سوء نے زور باندھ رکھا تھا اور وہ قرآن و سُنّت کو یکسر نظر انداز کر کے ایسے فتوے صادر کر رہے تھے جن سے صرف بادشاہ وقت کو خوش کرنا مقصود تھا۔ دوسری طرف اثر و رسوخ رکھنے والے دنیادار اور دنیا پرست امیروں کا ایک بڑا گروہ پیدا ہو گیا تھا جو جاہ و منصب کے حصول اور دنیوی منفعت کی خاطر دینی اور اخلاقی تعلیمات و اصول کو بالائے طاق رکھ کر ہر طرح کی بدعنوانی اور بے راہ روی اختیار کرنے لگا تھا۔ ہر طرف شرک و بدعت اور جاہلانہ رسوم کا دَور دَورہ تھا۔ فرمانروائے وقت اکبر نے ۹۹۰ ہجری میں اپنے خود ساختہ دینِ الٰہی کی بنیاد رکھ دی تھی۔ اس نئے دین کو دینِ حق اسلام سے کوئی نسبت نہ تھی بلکہ اس کے برعکس یہ چوں چوں کا مربّا تھا جس پر سراسر کفر و الحاد کا غلبہ تھا۔ زندگی کا سارا نظام ہندوانہ سانچے میں ڈھلنے لگا تھا۔ آتش پرستی اور آفتاب پرستی کو عبادت قرار دیا گیا تھا۔ معروف اور منکر کا امتیاز جاتا رہا تھا۔ بادشاہ کو سجدہ کرنا لازم قرار دیا گیا تھا۔ گاؤکشی کی

Marfat.com

ممانعت کر دی گئی تھی۔ جاہلانہ اور نام نہاد تصوف نے شریعت اور طریقت کے درمیان تفریق پیدا کر دی تھی۔ نبوّتِ محمدیؐ کی ابدیت کے بارے میں شکوک پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ مسلمان قرآن و سُنّت سے بہت دور جا چکے تھے اور انہوں نے اپنی غیر شرعی رسوم کے جواز میں بدعتِ حَسَنہ کی اصطلاح گھڑ لی تھی۔ ان فتنہ سامانیوں نے مسلمانوں کی اندرونی زندگی کھوکھلی کر دی تھی اور دینِ خالص قصّۂ پارینہ بن چکا تھا۔ غرض ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا۔ اگر یہ اندھیرا اسی طرح مسلّط رہتا تو آج شاید ہی دینِ خالص کا کوئی پیرو یہاں نظر آتا لیکن الحمدللہ کہ خدائے رحیم و کریم کو ایسا منظور نہ تھا۔ جب زمین حد سے زیادہ تپنے لگتی ہے اور لُو کے جانسوز تھپیڑے انسانی زندگی کو اجیرن بنا دیتے ہیں تو ایک دن دیکھتے ہی دیکھتے بارانِ رحمت کا نزول ہو جاتا ہے اور جب مصیبت حد سے گزر جاتی ہے تو اللہ کی رحمت جوش میں آ جاتی ہے اور مصیبت دور ہونے کے ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔

برِصغیر پاک و ہند میں بھی یہی ہوا۔ یکا یک اس پر مسلّط گھٹا ٹوپ اندھیرے میں روشنی کی ایک کرن پھوٹی جس نے بڑھتے بڑھتے سیلِ نور کی صورت اختیار کر لی۔ روشنی کی یہ کرن ایک مردِ حق کا ظہور تھا جس کی مسیحا نفسی نے مُردہ دلوں کو حیاتِ تازہ عطا کی جس نے طاقت کے نشے میں چُور حاکموں کے خلاف آوازۂ حق بلند کیا' اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر گم کردہ راہ مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کی' کفر و شرک کے اندھیروں کو دور کیا' دینِ حق کو بت پرستی کی آلودگیوں سے پاک کیا۔ ہندوانہ یا جوگیانہ تصوف کی جگہ خالص اسلامی تصوف یا طریقت اور توحید کا بول بالا کیا۔ قید و بند کی مصیبتیں جھیل کر سُنّتِ یوسفی ادا کی اور بالآخر قوم کی متاعِ ایمان کو بچا لیا۔ اسی مردِ حق کی عظمتِ کردار کو حکیم الاُمّت علاّمہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے ۔۔۔ جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار

Marfat.com

وہ ہند میں سرمایۂ مِلّت کا نگہبان   اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

یہ مردِ حق تھے حضرت شیخ احمد سرہندی مُجدّدِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ۔ اپنی مہتم بالشان دینی خدمات کی بناپر اسلامی ہند کی تاریخ میں انہیں جو بلند وعظیم مقام حاصل ہے' اسے کوئی مؤرّخ نظر انداز نہیں کرسکتا۔ حق یہ ہے کہ احیائے دین کا جو کارنامہ انہوں نے سرانجام دیا' وہ ان کو بجاطور پر مُجدّدِ الف ثانی کہلانے کا حق دار ٹھہراتا ہے۔ حضرت شیخ احمدؒ نسباً فاروقی تھے۔ سرہند کے مقام پر ۱۴ شوّال ۹۷۱ ہجری مطابق ۲۶ مئی ۱۵۶۴ء کو پیدا ہوئے۔ والدگرامی شیخ عبدالاحدؒ کا شمار اپنے وقت کے نامور مشائخ میں ہوتا تھا۔ شیخ احمدؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی۔ چھوٹی عمر ہی میں قرآن حفظ کرلیا پھر سیالکوٹ تشریف لے گئے جہاں مولانا کمال الدین کشمیری مولانا محمد یعقوب کشمیریؒ اور قاضی بہلول بدخشانی جیسے اربابِ فضل وکمال موجود تھے۔ حضرت شیخ احمدؒ نے کئی سال تک ان سے تفسیر' حدیث' فقہ' منطق' فلسفہ اور کلام کی تعلیم حاصل کی۔ سترہ برس کی عمر میں سَندِ تکمیل حاصل کرکے سرہند واپس آئے اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کردیا۔ کچھ عرصہ اکبرآباد (یعنی آگرہ) تشریف لے گئے جہاں ان دنوں الحاد وزندقہ کا فتنہ پورے عروج پر تھا۔ وہاں ان کی ابوالفضل فیضی اور اکبری دربار کے کئی دوسرے امراء سے ملاقاتیں ہوئیں جن میں مختلف دینی امور پر بحثیں ہوئیں۔ کچھ مدت بعد وہاں سے پھر وطن سرہند تشریف لائے اور سلوک ومعرفت کی راہ میں گامزن ہوئے چشتیہ سہروردیہ اور قادریہ طریقے اپنے والدِ بزرگوار سے حاصل کیے۔

۱۰۰۷ء ہجری میں والدِ گرامی نے وفات پائی۔ اگلے سال ۱۰۰۸ھ میں آپ نے حج کا عزم کیا۔ اس سفر کے دوران میں دِلّی ٹھہرے اور نقشبندیہ سلسلے میں حضرت خواجہ باقی بِاللہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی۔ حج سے فارغ ہوکر واپس آئے اور دعوت واصلاح کا کام زور شور سے شروع کردیا۔ اکبر کے بعد جہانگیر کے دورِ حکومت میں بھی یہ کام آپ

Marfat.com

نے برابر جاری رکھا۔ جہانگیری دَور کے ابتدائی تیرہ چودہ سالوں ۱۰۱۴ھ تا ۱۰۲۷ھ ۱۶۰۵ء تا ۱۶۱۸ء) کے دوران میں آپ منکرات کے مٹانے اور بدعات کا قلع قمع کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہو گئے۔ بے شمار راہ گُم کردہ لوگ راہِ راست پر آ گئے اور دور دور سے لوگ آ کر آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے لگے۔ حضرت نے بڑے بڑے امراء کو بھی مکتوبات لکھ کر حق کی طرف بلایا۔ حضرت کی ہر دلعزیزی سے خائف ہو کر بعض درباری امراء نے جہانگیر کو آپ کے خلاف بھڑکایا۔ اس نے ان کے بہکاوے میں آ کر حضرتؒ کو دربار میں طلب کیا۔

حضرت اس شان سے دربار میں داخل ہوئے کہ بادشاہ کو صرف مسنون سلام کیا اور سجدہ نہ کیا۔ بادشاہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اس نے حضرت سے کچھ سوال کیے جن کے آپ نے شافی جواب دیے۔ جہانگیر اس وقت تو خاموش ہو گیا لیکن بعد میں بدبخت حاسدوں کے اکسانے پر اس نے حضرت کو گرفتار کر کے گوالیار کے قلعے میں قید کرنے کا حکم دیا۔ حضرت ہنسی خوشی قید خانے میں چلے گئے اور وہاں سُنّتِ یُوسُفی تازہ کر دی۔ وعظ و ہدایت کا سلسلہ شروع ہو گیا اور چند ہی دنوں میں قید خانے کی کایا پلٹ گئی۔ حیوان نما گمراہ انسان تائب ہو کر سچے مسلمان بن گئے۔ بادشاہ کو خبر ہوئی تو اپنے کیے پر پشیمان ہوا۔ حضرت کی رہائی کا حکم دیا اور اپنے پاس بلا بھیجا آپ آگرہ تشریف لے گئے تو شہزادہ خُرّم نے استقبال کیا۔ خود بادشاہ نے خوش آمدید کہا اور معذرت کی لیکن آپ نے اس کے سامنے متعدد مطالبے رکھے۔ ان میں سب سے اہم مطالبے یہ تھے۔

بادشاہ کے سامنے سجدۂ تعظیمی کی موقوفی، گائے ذبح کرنے کی اجازت، عہدۂ قضا اور محکمۂ احتساب کا دوبارہ قیام، تمام بدعات اور شرعی منکرات کا قلع قمع، غیر شرعی قوانین کی منسوخی، شکستہ اور شہید کی گئی مسجدوں کی دوبارہ تعمیر۔

جہانگیر نے یہ تمام مطالبات مان لیے اور اس سلسلے میں شاہی فرمان جاری کر دیا۔

Marfat.com

یوں نصف صدی کے گھٹاٹوپ اندھیرے کے بعد ایک مرتبہ پھر اسلام کو اس ملک میں سربلندی حاصل ہوگئی۔ یکم صفر ۱۰۳۴ ہجری مطابق ۱۴ نومبر ۱۶۲۴ء کو وہ وقت آ گیا جو ہر ذی روح کا مقدر ہے۔ اس دن حضرت مجددؒ نے اس دارِ فانی کو خیر باد کہا۔ اس وقت ان کا لگایا ہوا دعوت و اصلاح کا پودا ایک ایسے تناور درخت کی صورت اختیار کر چکا تھا جس کی شاخیں برِّ کوچک کے گوشے گوشے بلکہ دنیا کے متعدد دوسرے ملکوں تک بھی پھیل چکی تھیں۔ آج جب ہم حضرت مُجدّدِؒ کی عظیم الشان دینی خدمات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارے سر بے اختیار ان کی عظمت کردار کے سامنے جُھک جاتے ہیں۔ انہوں نے نہ صرف حکومتِ وقت کو گمراہی کی دلدل سے نکالا بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں دین کا صحیح تصور پیش کیا۔ ان کے اس عظیم کارنامہ کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک ایسے وقت میں جب ایک طرف بدعات نے اکثر کھلے انداز سے اور بعض مرتبہ بدعتِ حَسَنہ کے نام اور نقاب سے پورے معاشرہ اور مسلمانوں کی عملی زندگی پر غلبہ حاصل کر لیا تھا اور کوئی اس کے خلاف آواز اٹھانے کی جرأت نہیں کرتا تھا اور دوسری طرف مسلم معاشرہ کا رخ چند ذاتی رجحانات، شخصی اغراض اور خارجی اثرات کی بنا پر دین خالص سے وابستگی، قرآن و سُنّت کی پیروی اور اسلامی تہذیب کی نمائندگی سے بدل کر ہندی فلسفہ، ہندی تہذیب اور وحدتِ ادیان کے نظریہ کی طرف موڑا جا رہا تھا اور اس کوشش اور سازش میں اس عہد کے بعض ذہین ترین اور لائق ترین افراد شامل تھے، حضرت مُجدّدِ الفِ ثانیؒ آگے بڑھے اور اس صورتِ حال کو بدلنے کے لیے دن رات ایک کر دیے نہ کسی خطرے کی پروا کی اور نہ کسی مشکل کو خاطر میں لائے۔ اس کے نتیجے میں نہ صرف برِّ کوچک میں صورتِ حال تبدیل ہوئی بلکہ ان کی دعوت کے اثرات افغانستان، ترکی، عراق اور حجاز وغیرہ تک پھیل گئے اور دینِ حق پر مسلمانوں کا ایمان و اعتماد پوری طرح بحال ہوگیا۔ بلاشبہ حضرت مجدّدِ الفِ ثانی نے مِلّتِ اسلامیہ (پاک و ہند) پر جو احسان کیا وہ قیامت تک اس سے سبکدوش نہیں ہوسکتی۔

Marfat.com

عَلّامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ

(۱)

عَلّامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار گیارھویں صدی ہجری کے اُن ارباب علم و فضل میں ہوتا ہے جو عمومی طور پر ساری مِلّتِ اسلامیہ کے لیے مایۂ ناز اور خصوصی طور پر اپنے ملک اور اپنی قوم کے لیے باعثِ فخر و مباہات تھے۔

علّامہ موصوف کی جلالتِ علمی کے نہ صرف ان کے معاصرین معترف اور مداح تھے بلکہ ان کے بعد آنے والے تذکرہ نگاروں اور اصحابِ فضل و کمال نے بھی ان کے تبحّرِ علم کو شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

"شاہجہان نامہ" کے فاضل مصنّف محمد صالح کنبوہ نے ان کو

"حبرِ محقّق، سرآمدِ دانشورانِ واجب التّعظیم"

کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ (شاہجہاں نامہ ج ۳ ص ۳۷۶)

میر غلام علی آزاد بلگرامی نے ان کو ایک جگہ "عَلّامۂ زمان و افتخارِ زمانیاں" لکھا ہے اور دوسری جگہ ان کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

"الحق در جمیع فنونِ درسی مثلِ او از زمینِ ہند برنخاست"

(مآثر الکرام ص: ۲۰۴)

Marfat.com

مولوی فقیر محمد جہلمی ثم لاہوری نے ان کی جلالتِ علمی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔

''یگانۂ آفاق، محسود علمائے معقول ہندوستان'' (حدائق الحنفیہ: ۳۱۴)

مفتی غلام سرور چشتیؒ نے ان کے فضل و کمال کے سامنے اپنا سرِ عقیدت بدیں الفاظ خم کیا ہے:

''در علوم ظاہری فرید الدہر و در رموزِ باطنی وحید العصر و در حدیث و فقہ و تفسیر یکتا۔''

(خزینۃ الاصفیا)

''تذکرۂ علمائے ہند'' میں منشی رحمٰن علی نے ان کو علامۂ زمان، سر آمدِ اقران'' کے القاب سے یاد کیا ہے۔ (تذکرہ علمائے ہند ص: ۱۱)

مولانا عبدالحی حسنی لکھنویؒ نے ان کی عظمت و فضیلت کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

''الشیخ الامام العلّامۃ الکبیر الفاضل، صاحِبُ التّصانیفُ الفائقہ وَ التّالیف الرائقۃ، احد مشاہیر الہند'' (نزہۃ الخواطر جزء خامس ص ۲۱۰)

حضرت شیخ احمد سرہندی مجددِ الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدِ خاص مولانا محمد ہاشمؒ نے اپنی تالیف ''زبدۃ المقامات'' میں لکھا ہے کہ حضرت مجددؒ فرمایا کرتے تھے: ''مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی علوم عقلیہ و نقلیہ میں تصانیفِ عالیہ رکھتے ہیں اور اس وقت دیارِ ہند میں ان کی کوئی نظیر نہیں۔ (اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، ج: ۱۲، ص ۸۳۶)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت مجددِ الفِ ثانی علامہ عبدالحکیمؒ کا بہت ادب و احترام کرتے تھے۔

(۲)

علامہ عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ کے سالِ ولادت کے بارے میں تذکرہ نگاروں میں اختلاف ہے۔ کسی نے ان کا سالِ ولادت ۹۶۸ ہجری/ ۱۵۶۱ء عیسوی اور کسی

Marfat.com

نے ۹۸۸ ہجری/۱۵۸۰ عیسوی میں بیان کیا ہے۔ وثوق کے ساتھ یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اکبر بادشاہ کے عہدِ حکومت ۹۶۳ ہجری تا ۱۰۱۴ ہجری (۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء) کے درمیان کسی سال پیدا ہوئے اور اسی کے دورِ حکومت میں تمام علوم متداولہ (تفسیر، اصولِ فقہ، علمِ فرائض، صَرف، نحو، علم کلام، منطق، فلسفہ) وغیرہ کی تحصیل و تکمیل کے بعد مَسندِ علم و فضل پر مُتمکّن ہو گئے تھے۔

ولادت پنجاب کے مشہور شہر سیالکوٹ میں ہوئی۔ والد کا نام شمس الدین تھا۔ شمس الدین کے آباؤ اجداد اور حسب و نسب کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ یہ بات باعث حیرت ہے کہ علامہ عبدالحکیم جیسی عظیم شخصیت کے خاندان اور حسب و نسب کے بارے میں نہ ان کے کسی معاصر نے کچھ بیان کیا ہے اور نہ ان کے بعد آنے والے کسی تذکرہ نگار نے کچھ لکھا ہے۔ بہر حال وہ اپنے خاندان کے پہلے فرد ہیں جنہوں نے اپنے علم و فضل کی بنا پر ملک گیر بلکہ عَالَم گیر شہرت حاصل کی اور زندۂ جاوید ہستیوں میں شامل ہو گئے۔ علامہ عبدالحکیم نے ہوش سنبھالنے پر اپنے شہر کے یگانۂ روزگار عَالِم دین اور صاحبِ طریقت بزرگ عَلاّمہ کمال الدین کشمیری کے سامنے زانوئے تلمّذ تہ کیا۔[1]

---

[1] علامہ کمال الدینؒ اصلاً کشمیر کے رہنے والے تھے۔ وہ ۹۷۱ ہجری میں حسین گورنر کشمیر سے بوجوہ ناراض ہو گئے اور کشمیر سے ہجرت کر کے سیالکوٹ میں متوطن ہوئے۔ علم و عمل اور زہد و تقوٰی کے اعتبار سے وہ نادرۂ روزگار شخصیت کے مالک تھے اور تمام دینی و دنیوی علوم کے مجمع البحرین تھے۔ عالم اجل ہونے کے ساتھ وہ دریائے طریقت کے بھی شناور تھے اور لوگوں میں ان کے علم و فضل کے علاوہ کرامتوں کا بھی بڑا چرچا تھا۔ وہ سیالکوٹ اور لاہور دونوں شہروں میں طویل عرصے تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔ بے شمار طالبان علم نے ان سے علم حاصل کیا اور پھر اپنے زمانے کے بلند مرتبہ فقہا اور اہل فضل و کمال میں شمار ہوئے۔ ان میں حضرت مجددِ الفِ ثانیؒ علاّمہ عبدالحکیمؒ اور نواب سعد اللہ خانؒ (جو بعد میں شاہجہاں کے وزیر اعظم ہوئے) جیسی عظیم ہستیاں بھی شامل تھیں۔ علاّمہ کمال الدینؒ نے ۱۰۱۷ھ/۱۶۰۸ء میں لاہور میں وفات پائی۔ اس زمانے میں اربابِ علم و فضل کو مُلاّ کے نہایت قابلِ عزت و احترام لقب سے پکارا جاتا تھا۔ دورِ حاضر میں مُلاّ کے لفظ کو لوگ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اس لیے ہم نے ان کے لیے علاّمہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔

Marfat.com

کئی سال تک علامہ کمال الدینؒ سے تعلیم پانے کے بعد وہ خود تمام علومِ معقول (عقلیہ) ومنقول (نقلیہ) کے جامع اور اپنے عہد کے علاّمۃ الکبیر بن گئے۔ تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ (مجدّدِ الفِ ثانی) اور نواب سعداللہ خان (جو بعد میں شاہجہان کے وزیرِاعظم بنے) بھی علامہ عبدالحکیم کے ہم سبق تھے (یعنی تینوں علاّمہ کمال الدینؒ کے شاگرد تھے۔) ان تینوں کے درمیان عمر بھر خلوص ومحبت کے تعلّقات قائم رہے۔ علاّمہ عبدالحکیمؒ نے علاّمہ کمال الدّینؒ کے علاوہ بعض دوسرے اساتذہ سے بھی کسبِ فیض کیا۔ ان میں شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کا اسمِ گرامی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے۔

(۳)

فارغ التّحصیل ہونے کے بعد علاّمہ عبدالحکیمؒ نے مَسنَدِ درس وتدریس کو زینت بخشی۔ جلد ہی ان کے علم وفضل کی شہرت سارے ملک میں پھیل گئی اور دور دور سے طلبہ تحصیلِ علم کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ عَلاّمہ موصوف ان کو ایسی توجہ اور شفقت سے تعلیم دیتے کہ چند سال کے بعد وہ عالم فاضل بن کر مدرسہ سے رخصت ہوتے۔ عَلاّمہ عبدالحکیم کے علم وفضل کی شہرت اکبری دربار تک پہنچی تو حکومت کی طرف سے ان کو لاہور میں قائم سرکاری مدرسہ کا مُعلّم مقرر کیا گیا۔ وہ کافی مُدّت تک لاہور میں مقیم رہ کر اس مدرسہ کے سینکڑوں طلبہ میں علم کی دولت لٹاتے رہے۔ اسی زمانے میں وہ فاضل لاہوری کے لقب سے مشہور ہوگئے غالبًا اکبری دَورِ حکومت کے اواخر میں عَلاّمہ عبدالحکیم واپس سیالکوٹ چلے گئے۔

جہانگیر کے دَورِ حکومت (۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء تا ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۸ء) میں ان کا قیام سیالکوٹ ہی میں رہا۔ عبدالحمید لاہوری کا بیان ہے کہ انہوں نے یہ زمانہ قناعت کے ساتھ عزلت گزینی میں گزارا۔ (بادشاہ نامہ ج: ا حصہ دوم ص ۳۴۱)

Marfat.com

مگر ایک اور روایت کے مطابق جہانگیر نے انہیں ایک معقول جاگیر عطا کی۔

(اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ ج ۱۲ ص ۸۳۵)

دائرہ معارف اسلامیہ (اردو) میں بیان کیا گیا ہے کہ ۱۰۲۱ھ/۱۶۱۳ء میں علامہ عبدالحکیمؒ نے اپنے کسی شاگرد کے توسط سے حضرت مُجَدِّدِ الفِ ثانیؒ کا ایک مقالہ پڑھا تو وہ اس کے معارف و حقائق سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے مُجَدِّد صاحب کی خدمت میں ایک ارادت مندانہ عریضہ ارسال کیا جس میں حضرت مجدد کو امامِ ربّانی، محبوبِ سبحانی، مُجَدِّدِ الفِ ثانی کے الفاظ سے مخاطب کیا۔ مُجَدِّدِ الفِ ثانی کا خطاب اس قدر مقبول ہوا کہ اس نے حضرت کے دیگر خطابات سے بہت زیادہ شہرت پائی۔ علامہ عبدالحکیم حضرت مُجَدِّد کے ایسے معتقد ہوئے کہ ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ عیسوی) میں سیالکوٹ سے سرہند پہنچ کر حضرت مُجَدِّدِ الفِ ثانی سے شرفِ بیعت حاصل کیا اور حضرت کے مُجَدِّدِ الفِ ثانی ہونے کے اثبات میں ایک رسالہ ''دلائل التجدید'' کے نام سے لکھا..... حضرت مُجَدِّد نے انہیں ''آفتابِ پنجاب'' کے لقب سے نوازا۔

(جلد ۱۲ ص ۸۳۵)

(۴)

۱۰۳۷ھ (۱۶۲۸ء) میں شاہجہان تخت نشین ہوا تو اس نے علّامہ عبدالحکیمؒ کی قدردانی اور خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس نے پہلے تو علّامہ صاحبؒ کو آگرے (اکبر آباد) کے شاہی مدرسے کا پرنسپل (مُدَرِّسِ اعلیٰ) مقرر کیا۔ اسی مدرسے میں فارسی کے مشہور شاعر محمد جان قُدسی بھی درس دیتے تھے۔ پھر کچھ عرصہ بعد ان کو دربارِ شاہی میں دِلّی بلا لیا۔ دربار میں کئی اسلامی ملکوں کے علماء و فضلاء موجود تھے۔ ان سب میں علّامہ عبدالحکیم کو امتیازی مقام و مرتبہ حاصل تھا۔ شاہجہان نے ان کو ملک العلماء کا خطاب عطا کیا اور کچھ مدت تک ان کو شہزادوں کے اتالیق کا منصب

Marfat.com

بھی سپرد کیے رکھا۔ اُن کے علم و فضل کے اعتراف میں بادشاہ نے ان کو دو مرتبہ چاندی سے تلوایا۔ ہر مرتبہ ان کا وزن چھ ہزار روپے کے برابر نکلا۔ بادشاہ نے یہ ساری رقم علاّمہ کو انعام میں دے دی۔ شاہجہان نے ان کو پرگنہ سیالکوٹ میں کئی دیہات بھی بطور جاگیر دیے تھے۔ ایک روایت کے مطابق اس جاگیر کی مالیت سَوا لاکھ روپیہ سالانہ تھی (یہ جاگیر ان کے خاندان میں کئی پشتوں تک رہی۔ بعد میں کم ہوتے ہوتے انگریزوں کے زمانے میں بالکل ختم ہوگئی۔) مولانا عبدالحیؒ لکھنویؒ نے ''نزہۃ الخواطر'' میں لکھا ہے کہ بادشاہ کی طرف سے ہر سال علاّمہ کو ایک لاکھ روپیہ ملتا تھا جبکہ مولوی رحمٰن علی نے ''تذکرہ علمائے ہند'' میں یہ رقم سالانہ کے بجائے ماہوار بتائی ہے۔ واللہ اعلم بالصّواب۔ ان روایتوں کے اختلاف سے قطع نظر یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ شاہجہان نے اپنے دَورِ حکومت میں متعدّد موقعوں پر علاّمہ کو نہ صرف گرانقدر عطیّوں سے نوازا بلکہ وہ سالانہ یا ماہانہ بھی ان کی مالی خدمت کرتا رہا۔ اس قدر شناسی کے نتیجے میں علاّمہ نہایت فراغت اور آسودگی سے زندگی بسر کرتے رہے۔ انہوں نے سیالکوٹ میں ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا اور ایک مسجد بھی تعمیر کی۔ اس مدرسے میں نہ صرف برِّصغیر کے کونے کونے سے بلکہ دوسرے ممالک سے بھی طالبانِ علم آ کر تعلیم پاتے تھے۔

تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ اس مدرسے میں طَلَبہ کی کثیر تعداد ہر وقت موجود رہتی تھی۔ ان کو نہ صرف مفت تعلیم دی جاتی تھی بلکہ ان کے خورونوش اور دوسری ضروریات بھی علاّمہ عبدالحکیم اپنے پاس سے پوری کرتے تھے۔

اس مدرسے اور مسجد کے علاوہ علاّمہؒ نے سیالکوٹ میں کئی اور عمارتیں (مثلاً ایک کاروان سرائے' ایک حمام' ایک وسیع و عریض تالاب اور ایک شاندار عیدگاہ) بھی تعمیر کرائیں۔ گویا وہ اپنی دولت رفاہِ عامہ کے کاموں میں بے دریغ صرف کرتے رہے۔

Marfat.com

علاّمہ نے باختلافِ روایت ۱۲ یا ۱۸ ربیع الاول ۱۰۶۷ ہجری (۱۶۵۶ عیسوی) کو سیالکوٹ میں وفات پائی اور وہیں اپنے باغ میں مدفون ہوئے۔ ایک اور روایت میں ان کا سالِ وفات ۱۰۶۸ ہجری (۱۶۵۷ عیسوی) بیان کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصّواب۔ علاّمہ نے اپنے پیچھے ایک فرزند اور بیسیوں شاگرد اپنی یادگار چھوڑے۔ مختلف علومِ عقلیہ ونقلیہ میں کثیر التّعداد تصانیف ان کے علاوہ ہیں۔

علاّمہ کے فرزند کا اسمِ گرامی عبداللہ اور لقب لبیب تھا۔ وہ علم وفضل میں اپنے عظیم المرتبت والد کے صحیح جانشین ثابت ہوئے۔ عالم و فاضل ہونے کے ساتھ وہ صاحبِ عرفان بھی تھے اور اپنے اوصافِ حمیدہ اور اَخلاقِ حَسنہ کی بنا پر ''امامِ وقت'' کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ انہوں نے ۱۰۹۴ھ (۱۶۸۳ء) میں وفات پائی۔

علاّمہ کے بیسیوں شاگردوں میں سے صرف تیرہ کے نام معلوم ہوسکے ہیں۔ وہ یہ ہیں:
مُلاّ عبدالرحیم سنبھلی، مُلاّ عبدالسلام، مُلاّ عبدالوہاب پسروری، مُلاّ محمد افضل جونپوری، شیخ عبدالعزیز عزّت مرادآبادی، میاں رحمت اللہ، شاہ محمد ہاشم دریا دل، مُلاّ عصمت اللہ سہارنپوری، مولوی محمد معظم ساکن پٹنہ، چندر بھان برہمن، مُلاّ محمد کشمیری، عبدالرّسول بدایونی، سید فیض اللہ نوری گجراتی۔

(۵)

علاّمہ عبدالحکیمؒ نے جو بلند پایہ کثیر تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں، ان میں بیشتر تصانیفِ علاّمہ کے اُن محقّقانہ اور فاضلانہ شروح اور حواشی پر مشتمل ہیں جو انہوں نے بعض مُتقدّمین علما کی (علومِ عقلیہ ونقلیہ میں) مشہور تصانیف پر لکھے۔ ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں:
حواشی علیٰ تفسیر بیضاوی، حاشیہ علیٰ الخیالی، حاشیہ علیٰ شرح المواقف،

Marfat.com

حاشیہ علی الحسامی، حاشیۃ علی قطبی، حاشیۃ علی میبذی، حاشیۃ علی المطول، حاشیۃ علی حاشیۃ عبدالغفور الرسالۃ الخاقانیۃ حاشیۃ شرح حکمت العین، حاشیۃ شرح تہذیب، زبدۃ الافکار، ترجمہ فارسی غنیۃ الطالبین (از شیخ عبدالقادر جیلانی)

تکملہ عبدالحکیم شرح جامی، شرح العقائد الجلالی، القول المحیط، دلائل التجدید، کتاب مشہور درۃ ثمینہ در سیاست واجب الوجود۔

ان میں سے کچھ کتابیں چھپ چکی ہیں۔ کچھ نایاب ہیں اور کچھ مخطوطوں کی شکل میں بعض کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ علامہ عبدالحکیم کی مستقل تصانیف اور شروح وحواشی کو نہ صرف ان کے اپنے دور میں بلکہ مابعد میں بھی بڑی قدر و قیمت کا حامل سمجھا گیا اور علمی و تحقیقی اعتبار سے ان کو یہ مقام حاصل ہوا کہ وہ عربی مدارس و مکاتب کے اعلیٰ درجوں میں شاملِ نصاب رہے۔ ان کو نہ صرف برِصغیر میں بلکہ برِصغیر سے باہر کے متعدّد اسلامی ملکوں میں بھی بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ مشہور سیّاح حافظ عبدالرحمٰن امرتسری مرحوم نے اپنی تالیف ''سیاحتِ ہند'' میں لکھا ہے کہ میں ممالکِ اسلامیہ کی سیاحت کے دوران میں شام عراق اور استنبول گیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں کی متعدد درسگاہوں میں علاّمہ عبدالحکیم کی تصانیف داخلِ درس ہیں۔

(سیاحتِ ہند ص ۵۹-۶۰)

علاّمہ عبدالحکیم جُملہ عُلومِ عقلیہ ونقلیہ کے بحرِ زخّار ہونے کے ساتھ خود اعتمادی کی صفت سے بھی آراستہ تھے۔ شاہجہان کی معارف پروری اور فیاضی کا شہرہ سن کر برِصغیر اور بعض اسلامی ممالک کے جو اجل علماء دِلی آ کر دربارِ شاہی سے وابستہ ہو گئے تھے، ان سے مختلف مسائل میں علاّمہ عبدالحکیم کے مناظرے رہے۔ ان علماء میں مُلاّ شفیعائی یزدی، مرزا زاہد تلمیذ مُلاّ فاضل بدخشانی، مولانا عوض وجیہ مُلاّ ابوالحسن

Marfat.com

(بشا ہم بابا) ملا باقر اور کئی دوسرے چوٹی کے اربابِ فضل و کمال شامل تھے۔ ان کے ساتھ مناظروں میں ہمیشہ علّامہ عبدالحکیم غالب آئے البتہ بعض تذکرہ نگاروں کے بیان کے مطابق وہ ملا شفیعائی یزدی کے ساتھ مناظرے میں ان کے برابر رہے۔ یہ مناظرہ آیۂ کریمہ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡن میں واوِ عطف سے متعلق تھا۔

حضرت مُجدّدِ الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے علّامہ عبدالحکیم کے گہرے تعلقات کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے ہمعصر صوفیۂ کرام سے بھی علامہؒ کے مخلصانہ تعلقات تھے اور وہ وقتاً فوقتاً ان سے ملاقات کرتے رہتے تھے۔ ان بزرگوں میں حضرت میاں میرؒ حضرت شیخ بلاول قادریؒ اور شیخ علم اللہ نقشبندیؒ جیسے خاصانِ خدا شامل تھے۔ مختصر یہ کہ علّامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی زندگی کے جس پہلو پر نظر ڈالیں وہ نُورٌ علیٰ نُور دکھائی دیتا ہے۔

رحمتہ اللہ علیہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی دعا کرے تو اس طرح نہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے اور تو چاہے تو مجھ پر رحمت فرما اور تو چاہے تو مجھے روزی دے بلکہ اپنی طرف سے عزم اور قطعیت کے ساتھ اللہ کے حضور میں اپنی مانگ رکھے۔ بیشک وہ کرے گا وہی جو چاہے گا، کوئی ایسا نہیں جو زور ڈال کر اس سے کرا سکے۔ (صحیح بخاری)

Marfat.com

شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ

برِکوچک پاک و ہند کے خِطّہ سندھ کو باب الاسلام کہا جاتا ہے اس کا پس منظر یہ ہے کہ برِصغیر کے اس خطّے پر اسلام کا پرچم سب سے پہلے بلند ہوا اور کئی صدیوں تک بڑی شان و شوکت سے لہراتا رہا۔ اس عرصے میں اس سرزمین پر دنیائے اسلام کے بہت سے بے بدل محدِّث، مفسّر، مبلّغ، مدبّر، عالم اور صوفی پیدا ہوئے۔ اللہ کے ان پاکباز بندوں کی پاکیزگی، سیرت و کردار، شیریں زبانی، اعلیٰ اخلاق اور تبلیغی مساعی نے یہاں کے باشندوں کے دلوں کو موہ لیا اور وہ گروہ در گروہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے گئے یہاں تک کہ یہ علاقہ اسلام کا قلعہ بن گیا لیکن افسوس کہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں فرمانروائے ہند اورنگ زیب عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ (بقول علاّمہ اقبال ''ترکش مارا خدنگِ آخریں'') کے اس عالمِ فانی سے رخصت ہوتے ہی برصغیر کے مسلمانوں کا دَورِ زوال شروع ہو گیا جو آخرکار انگریز کے غلبہ و اقتدار پر منتج ہوا۔ اللہ کی شان دیکھیے کہ مسلمانوں کے سیاسی زوال کے اس دَور میں خِطّہ سندھ میں بعض ایسی باکمال شخصیات پیدا ہوئیں جن کے علم و فضل اور فکرِ رسا نے اہلِ سندھ کی اسلامی، تہذیبی اور ثقافتی اقدار کو بڑی حد تک محفوظ کر دیا۔ ان باکمال ہستیوں میں شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ، مخدوم معین الدین ٹھٹویؒ، سچل سرمستؒ اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹویؒ کے اسماءِ گرامی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ اوّل الذکر یعنی شاہ عبداللطیف

Marfat.com

بھٹائیؒ ایک خدامست درویش، بلند پایہ مفکرؒ اور سندھی زبان کے سب سے بڑے اور سب سے مقبول شاعر ہوئے ہیں۔ انؒ کے کلام کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ سندھ کے کونے کونے میں لوگ اسے جھوم جھوم کر پڑھتے ہیں اور ایک عام دیہاتی سے لے کر ایک جیّد عالم تک اس پر سر دُھنتے ہیں۔ نامور محقّق ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کے بقول

"شاہ لطیف بھٹائیؒ نہ تو عام اصطلاح میں عالم تھے اور نہ روایتی مفہوم میں صوفی' انہوں نے اپنی زندگی بے تکلفی سے عام مسلمانوں کی طرح بسر کی اور ہر طبقے کے لوگوں سے قریب تر ہو کر میل ملاپ رکھا۔ وہ خود اعلیٰ اسلامی اخلاق و کردار کے پیکر تھے اور اپنے کلام میں بھی انہوں نے ان اعلیٰ اقدار کو پروان چڑھایا۔"

شاہ لطیف رحمتہ اللہ علیہ ۱۶۸۹ء (سولہ سَو نَواسی عیسوی) میں سندھ کے ایک گاؤں ہالا (بالا) حویلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید حبیب ولد سید عبدالقدوس کا شمار اپنے دور کے نہایت معزز اور ذی علم بزرگوں میں ہوتا تھا۔ ان کا تعلّق ہرات کے ایک باعزّت خاندانِ سادات سے تھا جو مدتوں پہلے سندھ میں آ کر آباد ہو گیا تھا۔ سلسلۂ نسب سیدنا حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما پر منتہی ہوتا ہے۔

شاہ عبداللطیفؒ نے لڑکپن کا زمانہ اپنے والدِ ماجد کے پاس ہالا (بالا) حویلی میں گزارا اور انہی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ وہ فطرتاً بڑے نیک طبیعت اور سادہ مزاج تھے۔ والدین کی عمدہ تربیت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ دین سے محبت' عیش و آرام سے گریز' انسان دوستی' عجز و انکسار اور نرم دلی جیسی صفات ان کی شخصیت کا لازمی حصہ بن گئیں۔ شاہ صاحبؒ کی جوانی کا زمانہ کوٹری میں گزرا جہاں ان کے والد اپنے گاؤں کی سکونت ترک کر کے آ بسے تھے۔

شاہ صاحبؒ انیسویں برس کے پیٹے میں تھے کہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کا انتقال ہو گیا اور باہمی خانہ جنگیوں اور جگہ جگہ بغاوتیں پھوٹنے کی وجہ سے مسلمانوں کے

Marfat.com

زوال کا آغاز ہو گیا۔ سندھ میں بھی کلہوڑا خاندان نے ۱۷۱۱ء عیسوی میں مرکز سے قطعِ تعلق کر کے خود مختار حکومت قائم کر لی۔

اسی پُر آشوب دور میں شاہ لطیف ؒ سیاحت کے لیے نکل کھڑے ہوئے اور لسبیلہ، مکران، کچھ، کاٹھیاوار اور جیسلمیر سے ہوتے ہوئے ملتان پہنچے اور اُس دَور کے متعدد علماء و صوفیہ کرام سے مستفیض ہوئے۔ ان کے اساتذہ میں ایک بزرگ اخوند نور محمدؒ کا نام خصوصیّت سے لیا جاتا ہے۔ شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ہمہ گیر مشاہدات نے ان کے خیالات اور افکار میں بے پناہ وسعت اور گہرائی پیدا کر دی اور تبلیغ و اصلاح کو انہوں نے اپنی زندگی کا مشن بنا لیا۔ پختہ عمر کو پہنچنے پر شاہ صاحبؒ نے کوٹری کو بھی چھوڑ دیا اور حیدر آباد (سندھ) سے چوبیس میل دور جنگل میں سکونت کے لیے ایک ایسی جگہ منتخب کی جو ایک ٹیلے کی شکل میں تھی۔ اس کے چاروں طرف خاردار جھاڑیاں تھیں اور نشیب میں بارش کا پانی جھیل کی صورت میں جمع رہتا تھا۔ سندھی زبان میں ٹیلے کو بھٹ کہا جاتا ہے۔ اسی نسبت سے شاہ صاحب بھٹائی مشہور ہو گئے۔ انہوں نے گھاس پھونس کے جھونپڑے بنا کر اپنی قیام گاہ کا انتظام کیا۔ کچھ درویش اور فقراء بھی ان کے ساتھ رہنے لگے۔ آہستہ آہستہ ان جھونپڑوں کے گرد اور بہت سے لوگ بھی آ بسے۔ ٹیلے پر ایک خانقاہ اور مسجد بھی تعمیر ہو گئی اور پھر وہ وقت آیا کہ یہ جگہ ایک بڑے قصبے کی شکل اختیار کر گئی۔ شاہ صاحبؒ اپنا زیادہ وقت عبادت و ریاضت یا تبلیغ میں گزارتے تھے۔ ان کے کمالات اور اخلاقِ عالیہ نے بہت جلد ایک دنیا کو مسخّر کر لیا۔ انہوں نے لوگوں کی اصلاح کے لیے سندھی زبان میں شعر و شاعری کا طریقہ اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرتِ سلیم اور طبعِ موزوں سے نوازا تھا اور پھر ان کی روح میں حق پرستی اور انسان دوستی کا چراغ روشن تھا۔ جہاں ان کے اشعار کی زبان بہت شستہ اور دلآویز ہوتی تھی وہاں اُن کے خیالات بھی بڑے پاکیزہ اور اثر انگیز

Marfat.com

ہوتے تھے جو لوگوں کے دلوں میں اتر جاتے تھے اور ان کو بآسانی یاد ہو جاتے تھے۔ تبلیغ کے سلسلے میں وہ مدت تک سندھ کے قریہ قریہ میں جا کر لوگوں کو نہ صرف دین کا پیغام پہنچاتے رہے بلکہ مسلمانوں کی مردہ روحوں میں ایمان کی حرارت بھی پیدا کرتے رہے۔ ۱۷۵۲ء میں جب شاہ صاحب عمر کی تریسٹھ منزلیں طے کر چکے وہ وقت آ پہنچا جو ہر ذی روح کا مقدر ہے۔ انہوں نے بھٹ ہی میں مختصر علالت کے بعد پیکِ اجل کو لبیک کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ان کی وفات کی خبر جونہی پھیلی لوگوں میں کہرام مچ گیا اور ان کے کئی مرید اس صدمہ کی تاب نہ لا کر جاں بحق ہو گئے۔ غم سے نڈھال ہزاروں لوگوں نے بھٹ ہی میں اس آفتابِ عالمتاب کو سپردِ خاک کر دیا۔ بعد میں ان کے نام پر یہ قصبہ ''بھٹ شاہ'' ہی مشہور ہو گیا۔ سندھ کے کلہوڑا حکمران بھی شاہ صاحبؒ کے عقیدتمند تھے۔ اس خاندان کے چوتھے فرمانروا میاں غلام شاہ کلہوڑا نے شاہ صاحب کی قبر پر ایک عالیشان مقبرہ تعمیر کرا دیا جو مرجعِ خواص وعوام ہے۔ ہر سال صفر کے مہینے میں شاہ صاحبؒ کا عرس بڑے اہتمام سے منایا جاتا ہے۔ سندھ کے بہت سے لوگ شاہ صاحب کو ازراہِ محبت لال لطیف کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان کا کلام اہلِ سندھ میں اس قدر مقبول ہے کہ بے شمار لوگوں کو ان کے بیسیوں اشعار زبانی یاد ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان کے سینکڑوں اشعار اور مصرعے سندھی زبان کے محاوروں اور ضرب الامثال کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ شاہ صاحبؒ کے مجموعۂ کلام کا نام ''شاہ جو رسالو'' یعنی ''شاہ کا رسالہ'' ہے۔ رسالہ کا مطلب ہے کتاب، مراسلہ یا پیغام۔ ان کے کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید و رسالت اس کے دو بنیادی ستون ہیں۔ اپنے کلام میں شاہ صاحب جہاں نیّت کی صفائی، عمل کی سچائی اور اللہ کے بندوں سے محبت پر بڑا زور دیتے ہیں وہاں ریاکاری اور رنگ ونسل کی بنیاد پر انسانوں کے درمیان فرق کرنے کی سخت

Marfat.com

مذمت کرتے ہیں ان کے کلام میں جو پیغام مضمر ہے وہ حقیقی معنوں میں اسلامی بھی ہےاور آفاقی بھی۔

شاہ صاحبؒ کو مولانا رومؒ سے بے حد عقیدت تھی۔ وہ ان کو حق اور حقیقت کا رازدان جانتے تھے اور ان کی مثنوی کو اکثر زیرِ مطالعہ رکھتے تھے چنانچہ ان کے متعدّد اشعار میں مولانا رومؒ کے افکار کی جھلک پائی جاتی ہے۔ یہاں ہم شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمتہ اللہ علیہ کے چند شعروں کا اردو ترجمہ پیش کرتے ہیں اس سے اندازہ کیا جاسکے گا کہ پاکستان کے اس بزرگ شاعر کا کلام کس قدر بلند پایہ اور باعظمت ہے۔

"یا اللہ جتنا تیرا اسم ہے اتنا ہی مجھے تیرا آسرا ہے۔ اے میرے خالق تیری رحمت کی کوئی حد نہیں میری روح میں فقط ربّ کا نام ہی رہ گیا ہے۔

اگر وَحدَہٗ لَا شَرِیکَ لَہٗ پر تیرا پختہ ایمان ہے تو پھر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو تو اپنے دماغ کی گہری سوچ اور دل کی سچائی سے وسیلہ کر کے مان۔ یہ کیا ہے کہ تو دوسروں کے سامنے سر جھکاتا ہے۔

تو ہی حبیب ہے تو ہی طبیب ہے تو ہی ہر درد کا درمان ہے، میرے دل کی دوا تیرے ہی ذکر میں ہے میں تیرے ہی سامنے گڑگڑا رہا ہوں کیونکہ دوسروں سے علاج ہو ہی نہیں سکتا۔

خدا کے پیارے رات ٹھہرے، صبح سویرے چلے جائیں گے، لطیف کہتا ہے کہ ان سے خلوصِ دل سے فیض حاصل کر۔ یہ پیاری جماعت دوسری مرتبہ قسمت والوں کو ملے۔

جو لوگ لقموں کے دیوانے ہیں وہ ولی نہیں بلکہ دھوکے باز ہیں۔

نفس کے اونٹ کو باندھ کر رکھو تا کہ یہ آوارہ نہ ہو جائے۔ محض کھلاتے پلاتے رہنا اس کو خراب کر دے گا۔

Marfat.com

حقیقی طالب کبھی جیتے جی ہمت نہیں ہارتا وہ تو منزل تلاش کرتے کرتے جان پر کھیل جاتا ہے۔

تذبذب' شک اور نیم دلی کو اپنے نزدیک نہ پھٹکنے دو' یہ منزل سے دُور کر دیتے ہیں اور کامیابی قریب ہو تو بھی انسان کو ناکام بنا دیتے ہیں۔

یہ تو کوئی ایمان نہیں کہ تو اپنے آپ کو کلمہ گو کہلاتا پھرتا ہے حالانکہ تیرے دل میں دغا' شرک اور شیطان بسے ہوئے ہیں' تُو تو محض دکھاوے کا مسلمان ہے باقی اندر سے تو بتوں کا پجاری آذر ہی ہے۔"

رحمتہ اللہ علیہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا' یا رسول اللہ! کس صدقہ کا ثواب زیادہ ہے؟ آپ نے فرمایا' زیادہ ثواب کی صورت یہ ہے کہ تم ایسی حالت میں صدقہ کرو جبکہ تمہاری تندرستی قائم ہو اور تمہارے دل میں دولت کی چاہت اور اس کو اپنے پاس رکھنے کی حرص ہو' اس حالت میں (راہ خدا میں مال خرچ کرنے سے) تمہیں محتاجی کا خطرہ ہو اور دولت مندی کی دل میں آرزو ہو' (ایسے وقت میں اللہ کی رضا کے لیے اپنا مال خرچ کرنے یا صدقہ کرنے کا بڑا ثواب ہے) اور ایسا نہ ہونا چاہیے کہ جب موت کا وقت آجائے اور جان کھنچ کر حلق میں آجائے تو تم مال کے بارے میں وصیت کرنے لگو کہ اتنا فلاں کو اور اتنا فلاں کو حالانکہ اب تو مال فلاں فلاں کا (یعنی وارثوں کا) ہو ہی جائے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت شاہ ولی اللہ مُحَدِّث دہلویؒ

حضرت شاہ ولی اللہ مُحَدِّث دہلویؒ کا شمار اُن بزرگوں میں ہوتا ہے جن کے علم و فضل، جلالتِ قدر اور دینی خدمات پر جمہور مسلمانانِ برِصغیر کے قریب قریب سبھی مکاتبِ فکر کا کامل اتفاق ہے بلکہ بعض کے نزدیک تو وہ بارھویں صدی ہجری کے مُجدِّد ہیں۔ اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے ۱۱۱۸ ہجری (مطابق سترہ سَو سات عیسوی) میں وفات پانے کی دیر تھی کہ برِّ کوچک ہند کو ہولناک سیاسی انتشار نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس نے دِلّی کی مرکزی مسلم حکومت کی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔ اسی زمانے میں نام نہاد صوفیوں اور جھگڑالو فقیہوں نے اسلام کو بدنام کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ہر طرف بدعات، فسق و فجور اور غیر اسلامی معتقدات کا دوردورہ ہوگیا۔ غیر مسلم اقوام بالخصوص مرہٹے اس صورتِ حال کا پورا فائدہ اٹھا رہے تھے اور وہ مسلمانوں کو اختیار و اقتدار سے یکسر محروم کرنے اور ان پر غلبہ حاصل کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ یکا یک رحمتِ خداوندی جوش میں آئی اور اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں شاہ ولی اللہ جیسے مردِ کامل کا ظہور ہوا جن کی مسیحا نفسی نے ہندوستان میں مسلمانوں کے اکھڑتے ہوئے قدم ایک مرتبہ پھر جما دیے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو مہتم بِالشّان کارنامے سرانجام دیے ان کا خلاصہ یہ ہے:

پہلا: مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح کرنا بدعات کا رَدّ کرنا اور مسلمانوں کو قرآنِ حکیم کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دینا۔

Marfat.com

دوسرا: حدیث وسنت کی اشاعت وترویج

تیسرا: فقہ اور حدیث میں تطبیق کی مساعی

چوتھا: شریعت اسلامی کی مدلل ومربوط ترجمانی

پانچواں: فقہی اور اجتہادی اختلافات میں اعتدال کی تلقین

چھٹا: حقیقی اسلامی تصوف کا تعارف

ساتواں: اسلام کا بطور ایک مکمل نظامِ حیات کے عقلی اور استدلالی تعارف

آٹھواں: اسلام میں خلافت کے منصب کی تشریح اور خلافتِ راشدہ کے خصائص اور اس کا اثبات

نواں: سیاسی انتشار اور حکومتِ مغلیہ کے دورِ زوال میں مجاہدانہ وقائدانہ کردار

دسواں: اُمّت کے مختلف طبقوں کا احتساب اور ان کو دعوتِ اصلاح وانقلاب

گیارھواں: علماءِ حق اور مردانِ کار کی تعلیم وتربیت جو ان کے بعد اصلاحِ اُمّت اور اشاعتِ دین کا کام جاری رکھیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے کارناموں کی اس فہرست سے ان کی جدوجہد سے بھرپور ولولہ انگیز زندگی کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اب ہم ان کے سوانحِ حیات پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

شاہ صاحب کی ولادت چہار شنبہ کے دن ۴ شوال ۱۱۱۴ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۷۰۳ عیسوی کو اپنے ننھیال قصبہ پھلت (حال ضلع مظفر نگر یوپی بھارت) میں ہوئی۔ تاریخ ولادت ''عظیم الدین'' سے نکلتی ہے۔ والدِ گرامی دِلّی کے مدرسہ رحیمیہ کے ناظم شاہ عبدالرحیمؒ تھے۔ وہ نہایت عالم وفاضل اور خدارسیدہ بزرگ تھے۔ انہوں نے خواب میں خواجہ قطب الدّین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے اس فرزند کی ولادت کی بشارت پہلے ہی پالی تھی۔ خواجہ صاحبؒ نے اس کا نام بھی اپنے نام پر

Marfat.com

قطب الدّین احمد تجویز کر دیا تھا لیکن والدِ گرامی کے ذہن سے یہ نام محو ہو گیا اور انہوں نے ولی اللہ نام رکھا۔ کچھ مدت کے بعد یاد آیا تو دوسرا نام قطب الدّین احمد رکھا لیکن فرزندِ گرامی نے ولی اللہ ہی کے نام سے شہرت پائی۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ شاہ صاحبؒ کی والدہ کا نام فخر النّساء تھا۔ وہ ان کے ماموں کی صاحبزادی تھیں اور تفسیر' حدیث اور فقہ میں مہارتِ تامہ رکھتی تھیں۔ شاہ صاحب کے اجداد میں سب سے پہلے شیخ شمس الدین اس برِّصغیر میں وارد ہوئے اور رہتک میں آباد ہوئے۔ وہ ایک مُتبحّر عالمِ دین تھے۔ رہتک میں انہوں نے ایک عظیم الشان دینی مدرسے کی بنیاد رکھی جس کی شہرت سن کر دور دور سے طالبان علم اس سے مستفیض ہونے کے لیے آتے تھے۔ حاکمانِ وقت نے شیخ صالحب کو مفتی کا لقب دیا جو کئی پشتوں تک اس خاندان میں قائم رہا۔

مفتی صاحب کی نسل سے شاہ وجیہ الدین شاہ ولی اللہؒ کے دادا تھے۔ وہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کی فوج میں ایک بڑے عہدے پر فائز تھے اور نہایت بلند ہمت شجاع اور مُتّقی بزرگ تھے۔ ایک مہم پر دکن جاتے ہوئے قزاقوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ ان کے فرزند شاہ عبدالرّحیم بڑے جیّد عالم تھے اور فتاویٰ عالمگیری مرتّب کرنے والے علما میں شامل تھے۔ وہ اپنے استاد خواجہ ابوالقاسم اکبرآبادی کے اشارے پر اس کام سے دستبردار ہو کر دلی چلے آئے اور یہاں مدرسہ رحیمیہ قائم کیا جس نے عالمگیر شہرت حاصل کی۔ ان کے فرزند شاہ ولی اللہ کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو انہوں نے بڑے اہتمام سے ان کو تعلیم دلانا شروع کی۔ ساتویں سال کے آخر تک شاہ صاحب نے قرآن مجید حفظ کر لیا۔ اس کے بعد پندرہ سال کی عمر تک ہندوستان میں رائج تمام عُلومِ متداولہ سے فارغ ہو گئے۔ اِن میں قرآن' تفسیر' حدیث' فقہ اور دوسرے تمام علوم شامل تھے۔ انہوں نے چودہ سال کی عمر میں والد صاحب کی بیعت

Marfat.com

کی اور نقشبندی سلسلۂ طریقت کے اشغال میں مشغول ہوئے۔ والد صاحب نے انہیں اپنا خلیفہ بنایا اور خرقہ پہنایا۔ اسی سال والد صاحب نے اپنے خاندان ہی کی ایک لڑکی سے ان کی شادی کر دی۔ شاہ صاحب سترہ سال کے ہوئے تو والدِ گرامی نے وفات پائی۔ ان کے بعد شاہ ولی اللہ کو ان کی غیر معمولی صلاحیتوں کی بناء پر لوگوں نے مجبور کیا کہ وہ اپنے والدِ ماجد کی گدی سنبھالیں اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھیں چنانچہ دستار بندی کے بعد سترہ سالہ نوجوان شاہ ولی اللہ نے مدرسہ رحیمیہ کا اہتمام اپنے ہاتھ میں لیا اور لوگوں کو روحانی اور دینی تعلیم دینے کا آغاز کر دیا۔ اس کام میں شاہ عبدالرحیمؒ کے دوسرے شاگردوں نے بھی ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ بارہ سال کے بعد ۱۱۴۳ھ مطابق ۱۷۳۱ء میں مدرسے کا کام اپنے قابلِ اعتماد شاگردوں کے سپرد کر کے شاہ صاحب حجِ بیت اللہ کے لیے حجاز روانہ ہوئے۔ حجاز میں ان کا قیام چودہ ماہ رہا۔ اس عرصے میں حج کی سعادت حاصل کرنے کے علاوہ انہوں نے وہاں کے سر آمدِ روزگار محدّث شیخ ابوطاہر کردیؒ سے تمام صحاح کا دورہ کیا اور تصوّف میں تمام سلسلوں کے شیوخ سے خرقہ حاصل کیا۔ ان کا بیان ہے کہ سب سے بڑی نعمت جو مجھے قیام حرمین کے دوران میں حاصل ہوئی' وہ اللہ کے فضل و کرم سے (خواب میں) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات تھی اور وہ بھی ایسے کہ گویا عین بیداری کی حالت میں مل رہے ہیں۔ ایک اور مشاہدے میں میری ملاقات سیدنا حضرت حسن اور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہما سے ہوئی۔ اس میں سیّدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے مجھے ایک قلم عطا فرمایا اور ساتھ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ردائے مبارک بھی۔ اس طرح میری روحانی تعلیم کی تکمیل ہوگئی۔ دِلّی سے دو سال غیر حاضری کے بعد رجب ۱۱۴۵ھ مطابق ۱۷۳۲ عیسوی میں آپ واپس تشریف لائے۔ اس کے بعد وہ پورے تیس سال تک ان عظیم کارناموں کی انجام دہی میں

Marfat.com

مصروف رہے جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ ان کے سینکڑوں شاگرد اور مرید ملک کے طول و عرض میں پھیل گئے اور جگہ جگہ علم و حکمت کے چراغ روشن کر دیے لیکن اس دوران میں دِلّی کی مغل حکومت زوال کی آخری حد تک پہنچ گئی اور مرہٹوں نے وہ زور باندھا اور ملک میں ایسا اودھم مچایا کہ لوگ عاجز آ گئے۔ مرہٹوں نے یہاں تک اعلان کر دیا کہ ہندوستان میں ہم ہندو راج قائم کریں گے اور دِلّی کی جامع مسجد میں مورتیاں رکھ کر ان کی پُوجا کریں گے۔

مسلمانوں کی بے بسی دیکھ کر شاہ ولی اللہ نے ایک طرف تو مسلمان نوابوں اور امیروں کو غیرت دلائی کہ ظالم مرہٹوں کا مقابلہ کرنے کے لیے آپس کے جھگڑے ختم کرو اور دوسری طرف افغانستان کے بادشاہ احمد شاہ ابدالی کو مرہٹوں کے فتنے کے مقابلے کے لیے مسلمانوں کی مدد کے لیے خط بھیجا۔ احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پہنچ کر پانی پت کے میدان میں بتاریخ ۶ جُمادِی اُلاُخریٰ ۱۱۷۴ھ مطابق ۱۳ جنوری ۱۷۶۱ء مرہٹوں کو تباہ کُن شکست دی اور پھر واپس چلا گیا۔ کوئی ڈیڑھ سال بعد ۲۹ محرّم ۱۱۷۶ھ مطابق ۲۰ اگست ۱۷۶۲ء کو شاہ ولی اللہ نے بھی اس جہانِ فانی کو خیر باد کہا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

دِلّی میں اپنے والد حضرت شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں سپردِ خاک کیے گئے۔ مزار کی لوح پر یہ عبارت رقم ہے۔

مرقد

حجۃ الاسلام حضرت مولانا امام شاہ ولی اللہ مُحدّث دہلویؒ

ابنِ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم مُحدّث دہلویؒ

تاریخِ پیدائش ۴ شوال المکرم ۱۱۱۴ھ بروز بدھ

Marfat.com

تاریخ وفات ۲۹ مُحَرَّمُ الحرام ۱۱۷۶ھ بروز ہفتہ مطابق ۲۰ اگست ۱۷۶۲ء

(بوقت ظہر بعمر ۶۲ سال رحلت نمود (بزمانۂ شاہ عالم ثانی)

تاریخ سالِ وفات: سالِ وفات کی متعدد تاریخیں کہی گئیں ان میں سے دو یہ ہیں۔

۱- اوبود امام اعظم دین ۱۱۷۶ھ

۲- ہائے ولی روزگار رفت ۱۱۷۶ھ (ملفوظاتِ شاہ عبد العزیز مُحدِّث دہلویؒ)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کی بعض وصیتیں اور نصیحتیں

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ بہت سے دینی مسائل و معاملات میں عامۃ المسلمین کے لیے جو وصیتیں اور نصیحتیں معرضِ تحریر میں لائے ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

۱- عقائد میں قدما اہلِ سُنّت کی راہ اختیار کی جائے۔

۲- کتاب وسُنّت پر پختہ اعتقاد رکھا جائے اور اس کے مطابق عمل کیا جائے۔

۳- سلف نے جس بات کی کرید نہیں کی اس کے پیچھے نہ پڑا جائے (اس کے بارے میں خواہ مخواہ قیاس آرائی نہ کی جائے۔)

۴- فروع میں ان علماء مُحدِّثین کی پیروی کی جائے جو فقہ وحدیث کے جامع ہوں۔

۵- خام معقولی جو شبہات پیدا کرتے ہیں ان سے صرف نظر کیا جائے۔

۶- اجتہاداتِ فقہا کو کتاب وسُنّت کی روشنی میں جانچا جائے۔

۷- اسلامی معاشرے کی بنیادیں اوامر کی پابندی اور نواہی سے اجتناب پر قائم ہیں۔ ان سے بے اعتنائی برتنا مِلّت دشمنی کے مترادف ہے۔

۸- قوم کے انحطاط اور زوال کے زمانے میں ہر شخص (اہل اور نااہل) اجتہاد کرنے کے لیے آمادہ نظر آتا ہے۔ کسی ایک مسئلہ میں مختلف اجتہاداتِ مِلّت میں انتشار کا سبب بن جاتے ہیں۔ ان حالات میں تقلید ہی مِلّت میں اتحاد اور

Marfat.com

نظم و ربط قائم کر سکتی ہے۔ بالخصوص یہ دیکھتے ہوئے کہ لوگ کم ہمت بھی ہیں اور خواہش پرست بھی اور ہر شخص اپنی اپنی رائے پر مغرور ہو رہا ہے۔ (مطلب یہ کہ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے کے بجائے دینی معاملات میں سلف صالحین کی تحقیق اور طریقے پر اعتماد اور عمل کیا جائے۔

تصانیف و تالیفات

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کثیر التّعداد (پچاس سے زائد چھوٹی بڑی) تصنیفات و تالیفات اپنی یادگار چھوڑیں۔ بعض اربابِ علم و فضل نے ان کو چھ طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ ان میں شامل اہم یا خاص کتابوں کی تفصیل یہ ہے کہ

طبقۂ اوّل: قرآنِ حکیم سے متعلّق کتابیں:

۱۔ فتح الرحمٰن، یہ قرآن حکیم کا فارسی زبان میں ترجمہ ہے۔

۲۔ مقدمہ فی ترجمہ القرآن (فارسی)

۳۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (فارسی)

۴۔ الفتح الخبیر (عربی)

طبقۂ دوم: علمِ حدیث سے متعلق کتابیں

۱۔ المسوّٰی من احادیث المؤطا (عربی)

۲۔ المصفی شرح المؤطا (فارسی)

۳۔ تاول الاحادیث فی امور قصص الانبیاء (فارسی)

۴۔ شرح تراجم ابوابِ صحیح البخاری (عربی)

۵۔ چہل حدیث (عربی)

۶۔ النوادر من الحدیث (عربی فارسی)

Marfat.com

طبقۂ سوم: فقہ اور اس کے متعلقات کے بارے میں کتابیں

۱- عقد الجید فی بیان احکام الاجتہاد والتقلید (عربی)

۲- الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (عربی)

طبقۂ چہارم: اسرارِ دین سے متعلق کتابیں:

۱- حجۃ اللہ البالغہ (عربی)

۲- البدور البازغہ (عربی)

طبقۂ پنجم: تصوّف اور طریقت سے متعلق کتابیں (فارسی)

۱- ہمعات (فارسی)

۲- تفہیمات الٰہیہ (فارسی)

۳- انفاس العارفین (عربی)

۴- القول الجمیل (عربی)

۵- فیوض الحرمین (عربی)

۶- الطاف القدس (فارسی)

۷- لمعات (فارسی)

۸- سطعات (فارسی)

۹- الخیر الکثیر (عربی)

۱۰- الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ (عربی)

طبقۂ ششم: متفرّق موضوعات پر کتابیں

۱- ازالۃ الخفا من خلافۃ الخلفاء فارسی

۲- البلاغ المبین (فارسی)

Marfat.com

۳- فتح الودود (عربی)

۴- اطیب النغم (نعتیہ کلام کا مجموعہ)

۵- الدر الثمین (عربی)

۶- سرور المحزون (فارسی)

۷- الجزء اللطیف فی ترجمۃ لعبد الضعیف (فارسی)

۸- اعراب القرآن (عربی فارسی)

۱۰- رسالہ دانشمندی (فارسی)

ان کے علاوہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عربی اور فارسی میں اور بھی متعدد تصانیف تھیں۔ ان میں سے کچھ امتدادِ زمانہ کے باعث ضائع ہو چکی ہیں اور کچھ ایسی ہیں جو عام لوگوں تک نہیں پہنچیں لیکن پاکستان اور بھارت کے بعض کتب خانوں میں موجود ہیں۔ شاہ صاحبؒ کی کچھ کتابوں کا اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔

دوسری تصانیف کے ساتھ شاہ صاحبؒ کے سیاسی مکتوبات کا مجموعہ (مع اردو ترجمہ) بھی چھپ چکا ہے۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے نزدیک اسلامی معاشرے کا قیام اسلامی حکومت کے بغیر امرِ محال ہے۔ اسی لیے انہوں نے مرہٹہ گردی کے خلاف اپنے عہد کی اسلامی طاقتوں سے رابطہ قائم کیا۔ پہلے نجیب الدولہ اور پھر احمد شاہ ابدالی کو خطوط لکھے جن میں انہیں ان ذمہ داریوں کا احساس دلایا جو اپنے دین (اسلام) کی طرف سے ان پر عائد ہوتی تھیں۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک دوسرے ملک کے فرمانروا کو اپنے ملک پر حملہ کرنے کی دعوت دینا کہاں تک روا تھا۔ مؤرخین نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے دور میں مرہٹوں کے مظالم اور سیاسی بدنظمی کی یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ کوئی شخص اپنی جان، مال اور آبرو کو محفوظ نہیں سمجھتا تھا۔ یہی سبب تھا کہ شاہ صاحبؒ

Marfat.com

کے علاوہ ہندوستان کے کئی دوسرے نوابوں' امیروں اور راجوں مہاراجوں نے بھی احمد شاہ ابدالیؒ کی خدمت میں عرائض بھیجے کہ وہ ہندوستان پہنچ کران کی مدد کریں اور ان کو مرہٹہ گردی سے نجات دلائیں۔ان سب کی تگ ودو معرکہ' پانی پت پر منتج ہوئی۔

شاہ ولی اللہؒ بحیثیت ادیب وشاعر

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فضل وکمال کے اعتبار سے یکتائے روزگار تھے اور علم وعمل کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جس میں ان کی بے پناہ (خداداد) صلاحیتوں نے اپنے جھنڈے نہ گاڑے ہوں۔ارباب فکر ونظر کے نزدیک ان پر اس شعر کا اطلاق ہوتا تھا۔

یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پرتوِ آں
کجامی نگری' انجمنے ساختہ اند

اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحبؒ کو کمال درجے کے فضل وکمال کے ساتھ ادب اور شعر وسخن کے میدان کا بھی شہسوار بنایا تھا۔وہ عربی اور فارسی کے نہ صرف بلند پایہ نثر نگار تھے بلکہ ان زبانوں کے نغز گو شاعر بھی تھے۔دارالمصنفین اعظم گڈھ (بھارت) کے ایک فاضل رفیق جناب محمد نعیم ندوی صدیقی نے شاہ صاحبؒ کی عربی اور فارسی تحریروں کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"شاہ صاحب نے اپنے عہد کی مروجہ زبانوں (عربی اور فارسی) میں بکثرت کتابیں تصنیف کیں لیکن ان پر ظہوری اور بیدل کے طرزِ تحریر کی چھاؤں بھی نہیں پڑسکی بلکہ اس (شاہ صاحب کے طرزِ تحریر) میں ایجاز کے ساتھ وسعتِ نظر' سلامتیِ فہم' سلاستِ زبان' قوتِ انشاء' رفعتِ خیال اور دقتِ نظر کی کارفرمائی پورے عروج پر ملتی ہیں جو ایک اعلیٰ نثر کی خصوصیات ہیں۔"
(ماہنامہ فاران کراچی نومبر ۶۸ء)

Marfat.com

بلاشبہ عربی اور فارسی میں شاہ صاحبؒ کی تحریریں ادیبانہ رفعتِ شان کی مظہر ہیں۔
شاہ صاحبؒ اگرچہ فطری شاعر نہ تھے لیکن قدرت کی طرف سے ان کو ذوقِ شعر وسخن کا بہرہ وافر عطا ہوا تھا۔ انہوں نے عربی اور فارسی میں خاصا کلام اپنی یادگار چھوڑا۔ عربی میں ان کا زیادہ تر کلام نعتیہ قصیدوں پر مشتمل ہے۔ ان کے مجموعے کا نام ''اطیب النغم'' ہے۔ فارسی میں شاہ صاحبؒ امین تخلص کرتے تھے۔ ان کا فارسی کلام بہت سی غزلوں، رباعیوں اور قطعات پر مشتمل ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

رباعی

در صحبتِ اہلِ دل رسیدم بسے — بس دریوزہ کناں زما کسے یک نفسے
از چشمۂ آب زندگانی قدحے — وز آتش وادیِ مقدس قبسے

رباعی

دائم دلِ پیشِ تو حاضر باشد — چشم برخ خوب تو ناظر باشد
در مذہبِ ما شرکِ جلی ہست وصریح — گر روئے دگر خطرۂ خاطر باشد

ایک غزل کے تین شعر

من ندانم بادہ ام یا بادہ را پیمانہ ام — عاشقِ شوریدہ ام یا عشقِ باجانانہ ام
مبتلائے حیرتم جاں گویمت یا جانِ جاں — اصطلاحِ شوق بسیارست ومن دیوانہ ام
باجمالِ ذاتیش حسن دگر در کار شد — چشمِ او را سرمہ ام یا زلف او را شانہ ام

کچھ اور اشعار

توئی اوّل توئی آخر توئی ظاہر توئی باطن — توئی مقصودِ اہلِ دل توئی مشتاق وہمدم ہم
تا بکے محنت و مہجوری و دوری بکشم — نازنیں وطنم سوئے عدن باز روم
تا بکے ہمدمئے سنگ بود شیوۂ من — گوہرے از عدنم سوئے عدن باز روم

Marfat.com

تا بکے بستۂ زنجیر تعلّق باشم آ ہوئے از ختنم سوئے ختن باز روم
گر بگلشن بگزری گل بر رُخت مفتوں شود ورنمائی قامتِ خود سرورا موزوں شود
کارِ با معنی ست دانا رانہ بانام ونشاں جذبۂ لیلیٰ ندارد بید اگر مجنوں شود
مردِ مفلس راجہاں یکسر محلِ آفت ست شیشہ خالی ست گر بارش زسدو اژن شود

شعراء کے بعض تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ اردو میں بھی اشتیاق تخلص کے ساتھ طبع آزمائی کیا کرتے تھے۔ ان تذکروں میں شاہ صاحبؒ کی کچھ اُردو غزلیں بھی ملتی ہیں۔ ان میں سے ایک غزل بطور نمونہ کلام یہاں درج کی جاتی ہے۔

خیال دل کو ہے اس گُل سے آشنائی کا نہیں صبا کو ہے دعوٰی جہاں رسائی کا
کہیں وہ کثرتِ عشاق سے گھمنڈ میں آ ڈروں ہوں کہ نہ دعوٰی کرے خدائی کا
مجھے تو ڈھوکے تھا زاہد پر اک نگاہ سے آج غرور کیا ہوا وہ تیری پارسائی کا
جہاں میں نہ دل لگانے کا لیوے پھر کوئی نام بیان کروں میں اگر تیری بے وفائی کا
نہ چھوڑا مار بھی کھا کر گزر گلی کا تری رقیب کو مرے دعوٰی ہے بے حیائی کا
نہیں خیال میں لاتے وہ سلطنت جم کی غرور ہے جنہیں در کی تری گدائی کا

جفائے یار سے مت اشتیاق پھیر کے منہ
خیال کیجو کہیں اور جبّہ سائی کا

(ماہنامہ فاران کراچی جنوری ۵۲ء بحوالہ تذکرہ گلزارِ ابراہیم مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین زور)

اولاد امجاد

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے صاحبزادوں کی تعداد عموماً چار بتائی جاتی ہے جبکہ یہ تعداد فی الحقیقت پانچ ہے۔ ان صاحبزادوں کے اسماءِ گرامی یہ ہیں۔

۱۔ شاہ محمد مُحدِّث دہلویؒ

Marfat.com

۲- شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

۳- شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ

۴- شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ

۵- شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ

یہ پانچوں صاحبزادے آسمانِ علم و فضل پر آفتاب بن کر چمکے (بالخصوص بڑے چار صاحبزادے) ان کے حالاتِ زندگی بیان کرنے کے لیے ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔ یہاں ہم ان بزرگوں کا تذکرہ نہایت اختصار کے ساتھ ہی کر سکتے ہیں۔

۱- شاہ محمد محدث دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہؒ کی پہلی شادی ۱۱۲۸ھ میں پھلت (پہلت) میں اپنے ماموں کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ انہی کے بطن سے شیخ محمدؒ پیدا ہوئے۔ شاہ ولی اللہؒ کی کنیت اپنے ان (سب سے بڑے) صاحبزادے کے نام پر ابو محمد تھی۔ شیخ محمدؒ کی تعلیم و تربیت شاہ صاحبؒ ہی کی نگرانی میں ہوئی اور وہ علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد مسندِ درس و تدریس پر رونق افروز ہوئے۔ صاحب "نزہتہ الخواطر" مولانا عبدالحیؒ کا بیان ہے کہ شاہ عبدالعزیزؒ نے شمائلِ ترمذی اپنے ان بڑے بھائی (شیخ محمدؒ) کی قراءت ہی سے پڑھی تھی۔ ایک روایت کے مطابق شیخ محمد نے شاہ ولی اللہ کی دوسری شادی کے بعد پہلت (پھلت) میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔

(دہلی اور اس کے اطراف ۶۸، از سید ظہیر الدین احمد)

لیکن مولانا عبدالحیؒ کا بیان ہے کہ:

"شیخ محمد اپنے والد کی وفات کے بعد بڈھانہ منتقل ہو گئے تھے اور بڈھانہ کی جامع مسجد کے متصل دفن کیے گئے۔

(بڈھانہ اور پہلت ضلع مظفر نگر (یوپی بھارت) کے دو گاؤں ہیں۔)

(ماہنامہ فاران کراچی جون ۱۹۹۵ء مقالہ سید محمود احمد برکاتی)

Marfat.com

تذکرہ نگاروں نے یہ وضاحت نہیں کی کہ شیخ محمدؒ گمنام کیوں رہے وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر شیخ محمدؒ نے والدِ گرامی سے علیحدگی اختیار کی اور دِلّی کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا۔

شاہ ولی اللہؒ کی وفات کے وقت دوسری اہلیہ سے ان کے چاروں صاحبزادے دِلّی میں موجود تھے۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ شاہ صاحبؒ نے وفات سے پہلے ان چاروں میں سے بڑے شاہ عبدالعزیزؒ کو اپنا جانشین (خلیفہ) بنایا لیکن خود شاہ عبدالعزیزؒ کا بیان ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے وفات سے تھوڑی دیر پہلے چاروں فرزندوں کے سروں پر دستار مبارک رکھ دی تھی یا باندھ دی تھی۔"

گویا انہوں نے چاروں فرزندوں کو اپنا خلیفہ یا جانشین قرار دیا تھا۔ ان چاروں بھائیوں کے باہمی تعلقات ہمیشہ نہایت خوشگوار رہے۔

(تذکرہ شاہ ولی اللہ از سید مناظر احسن گیلانیؒ)

ان چاروں بھائیوں کے مختصر حالات یہ ہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدثؒ

۱۱۵۹ ہجری مطابق ۱۷۴۶ عیسوی میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام غلام حلیم تھا۔ والدِ گرامی نے ان کی تعلیم و تربیت بڑے اہتمام سے کی اور انہوں نے پندرہ سال کی عمر میں تمام علومِ دینی تفسیر حدیث فقہ ہیئت' ریاضی' اصول' عقائد' منطق' تاریخ وغیرہ میں مہارت تامہ حاصل کر لی۔ سترہ سال کی عمر میں والدِ گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور انہوں نے والدِ گرامی کے شروع کیے ہوئے کام کو آگے بڑھایا۔ تاحیات درس و تدریس اور وعظ و خطابت کا سلسلہ جاری رکھا۔ علم حدیث کو فروغ دیا' قرآنِ حکیم کی تفسیر فارسی زبان میں "فتح العزیز" کے نام سے لکھی۔ علاوہ ازیں مختلف دینی موضوعات پر متعدد بلند پایہ کتابیں تصنیف کیں۔ ۱۲۳۹ ہجری مطابق ۱۸۲۴ عیسوی

Marfat.com

میں وفات پائی۔

شاہ رفیع الدین محدثؒ

ان کی ولادت ۱۱۶۳ ہجری مطابق ۱۷۵۰ء میں ہوئی۔ بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا پھر تمام علوم متداولہ اپنے والدِ گرامی اور بڑے بھائی شاہ عبدالعزیزؒ سے حاصل کیے۔ پھر درس و تدریس اور وعظ و نصیحت کے ولی اللٰہی چشمۂ فیض کو جاری رکھنے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ سب سے پہلے قرآنِ پاک کا ترجمہ ملکی زبان اردو میں کیا۔ بقول سید سلیمان ندویؒ "اس شہرہ فاق ترجمہ نے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کو دین و ایمان کی راہ بتائی۔" ترجمۂ قرآن کے علاوہ انہوں نے کئی اور کتابیں (قیامت نامہ، دفع باطل، العروض و القافیہ، اسرار المحبۃ وغیرہ) بھی تصنیف کیں۔ ۱۲۳۳ ہجری مطابق ۱۸۱۸ عیسوی میں انتقال کیا۔

شاہ عبدالقادر محدثؒ

۱۱۶۷ھ مطابق ۱۷۵۳ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والدِ گرامی سے اور پھر شاہ عبدالعزیزؒ سے تمام دینی علوم حاصل کیے۔ روحانی فیض بھی کئی بزرگوں سے حاصل کیا۔ نہایت عابد و زاہد، متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ زندگی کا بیشتر حصہ دِلّی کی اکبر آبادی مسجد میں گزارا۔ اسی میں بیٹھ کر درس و تدریس اور عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ انہوں نے قرآنِ حکیم کا بامحاورہ اور سلیس اردو میں ترجمہ کیا۔ ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۱۵ء میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔

شاہ عبدالغنی محدثؒ

۱۱۷۱ھ مطابق ۵۸-۱۷۵۷ء میں پیدا ہوئے۔ شاہ ولی اللہؒ کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ خُرد سالی میں کچھ تعلیم والدِ گرامی سے حاصل کی پھر دوسرے تمام

Marfat.com

علومِ متداولہ شاہ عبدالعزیزؒ اور دوسرے بھائیوں سے حاصل کیے کیونکہ پانچ سال کی عمر ہی میں سایۂ پدری سے محروم ہو گئے تھے۔ نہایت ذہین و فطین، صابر، قانع، عابد و زاہد اور متبع سنّت تھے۔

چہرے مہرے اور وضع قطع میں اپنے والدِ گرامی شاہ ولی اللہؒ سے کمال درجے کی مشابہت رکھتے تھے۔ وقت کا بیشتر حصہ درس و تدریس دعوت وارشاد اور طلبہ کی تربیت میں صرف کرتے تھے۔ محدّث، مفسّر، فقیہ اور معلّم ہونے کے ساتھ روحانی شیخ بھی تھے۔ افسوس کہ انہوں نے بہت تھوڑی عمر پائی اور ۱۶ رجب ۱۲۰۳ ہجری مطابق ۱۲ اپریل ۱۷۸۹ء کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ اولاد میں دو صاحبزادیاں اور ایک فرزند شاہ محمد اسماعیل اپنی یادگار چھوڑے۔

اللہ کی قدرت کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا چاروں بھائیوں کی وفات عجیب ترتیب سے ہوئی۔ پہلے سب سے چھوٹے پھر ان سے بڑے، پھر ان سے بڑے اور آخر میں سب سے بڑے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ شاہ رفیع الدینؒ کی وفات کے بعد شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا: ''ترتیب معکوس در رحلتِ برادران واقع شد یعنی اول مولوی عبدالغنی کہ خُردترین ہمہ بودند بعد از اں مولوی عبدالقادر از اوشاں بعد مولوی رفیع الدین کلاں سال از اوشاں اکنوں باری ماست یعنی الٹی ترتیب بھائیوں کی رحلت میں ہوئی۔ اول مولوی عبدالغنی کہ سب سے چھوٹے تھے، اس کے بعد مولوی عبدالقادر اور ان کے بعد مولوی رفیع الدین سب سے بڑا میں ہوں اب میری باری ہے۔

(تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہؒ)

رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

سید غوث علی شاہ قلندر پانی پتیؒ

بّرِ کوچک پاک و ہند میں سید غوث علی شاہ قلندر قادری پانی پتیؒ کا شمار انیسویں صدی عیسوی کی نادرہ روزگار شخصیتوں میں ہوتا ہے۔ وہ زُمرۂ صوفیہ کے ایک باکمال، ذہین و فطین، زندہ دل، خوش مذاق، آزاد منش، جہانیاں جہاں گشت اور صاحبِ نظر بزرگ تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ سیر و سیاحت میں گزارا۔ اثنائے سیاحت میں ہر نوع اور ہر طبقے کے افراد سے ان کی ملاقاتیں ہوئیں اور ان کو عجیب و غریب تجربات حاصل ہوئے۔ عمر کے آخری اٹھارہ سال انہوں نے پانی پت (بھارت) میں گزارے۔ اُن کے اخلاقِ حَسَنہ اور روحانی کمالات نے انہیں تھوڑے ہی عرصہ میں بے شمار لوگوں کا مرجعِ عقیدت بنا دیا اور ان کے مریدانِ باصفا کا ایک وسیع حلقہ قائم ہو گیا مگر ان کو ملک گیر شہرت اس وقت حاصل ہوئی جب ان کی وفات کے بعد ان کے اقوال و ارشادات اور حالاتِ زندگی پر مشتمل ایک کتاب ''تذکرۂ غوثیہ'' کے نام سے منصّۂ شہود پر آئی۔ اپنی بعض خصوصیات کی بدولت اس کتاب کو نہ صرف بے پناہ مقبولیّت اور شہرت حاصل ہوئی بلکہ اُردو ادب میں بھی

Marfat.com

اسے ایک نمایاں مقام حاصل ہو گیا ہے۔ ''تلامذہ غالب'' کے فاضل مؤلف آنجہانی مالک رام کی رائے میں اس کتاب کی دلکشی کی کما حقہٗ تعریف نہیں ہو سکتی۔ زبان کے لحاظ سے ایسی پُر خلوص کتابیں اردو میں بہت کم تصنیف ہوئی ہیں [1]

اسی طرح صاحبِ ''حیاتِ غالب'' شیخ محمد اکرم مرحوم کی یہ رائے بھی بالکل درست ہے کہ ''ہندوستانی صوفیہ کے تذکروں میں شاید ہی کوئی کتاب ''تذکرہ غوثیہ'' سے زیادہ دلچسپ ہوگی [2]

''تذکرہ غوثیہ'' پر سب سے جامع تبصرہ اس کی طبع ہفتم کے آغاز میں مولانا محمد رضی عثمانی نے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''تذکرہ غوثیہ ایک مشہور و مقبول کتاب ہے جس میں حضرت مولانا غوث علی شاہ قلندری قادری کے حالات و بابرکات اور ملفوظات و مقالاتِ طیّبات کو ایسے دلنشین انداز میں لکھا گیا ہے کہ کتاب شروع کرنے کے بعد ختم کیے بغیر ہاتھ سے رکھنے کو دل نہیں چاہتا۔ حضرت کے سفرنامے' بزرگوں' علماء و مشائخ' مجازیب' اولیاء اللہ کی دلچسپ حکایتیں اور مقالاتِ حکمت' اپنے زمانے کے مشاہیر سے ملاقاتوں اور تصوّف و اخلاق کی چاشنی کے علاوہ لطفِ زبان و ندرتِ بیان' زبان کی سادگی اور حکایت کی دلفریبی نے ایک ایسا ادبی گلدستہ تیار کیا ہے جس سے پڑھنے والا دوگونہ لطف اندوز ہوتا ہے اور بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اردو زبان میں اس شان کی اور کوئی کتاب نہیں لکھی گئی اور یہ کتاب اردو زبان کے ادبِ عالیہ میں شمار ہونے کے لائق ہے۔''

شاہ غوث علیؒ کے مفصّل حالاتِ زندگی ایک اور کتاب ''ریاض الفقرا'' میں بھی ملتے ہیں۔ یہ ضخیم کتاب شاہ صاحبؒ موصوف کے ایک دوسرے مریدِ خاص

---

[1] تلامذہ غالب

[2] حیاتِ غالب

Marfat.com

حافظ محمد امداد حسین ظہور و عرفانی نے ۱۳۰۲ھ ۸۵-۱۸۸۴ء میں تالیف کی۔ حضرت ظہور و عرفانی میرٹھ میں مدرّس تھے۔ بڑے سادہ مزاج اور صوفی منش بزرگ تھے۔ فارسی زبان کے جیّد عالم اور اردو کے نعت گو شاعر تھے۔ میرٹھ کے اہلِ علم میں انہیں نمایاں درجہ حاصل تھا۔ ان کا سالِ پیدائش ۱۸۴۳ء اور سال وفات ۱۹۲۳ء ہے۔ ''ریاض الفقراء'' آج کل کمیاب بلکہ نایاب ہے اس لیے شاہ غوث علیؒ کے بارے میں ہماری اکثر معلومات کا ماخذ ''تذکرہ غوثیہ'' ہی ہے۔

اس تذکرہ کے مطابق شاہ صاحبؒ موصوف مونگیر ضلع بہار کے قصبہ استھاواں میں بروز جمعہ ۴ رمضان المبارک ۱۲۱۹ھ مطابق ۷ دسمبر ۱۸۰۴ء کو سادات کے ایک معزز خاندان میں پیدا ہوئے۔ جدِّ امجد نے خورشید علی نام رکھا۔ والدِ بزرگوار نے ابوالحسن اور والدہ نے غوث علی۔ سلسلہ نسب ۱۷ واسطوں سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تک پہنچتا ہے۔ ان کے اجداد میں سب سے پہلے مخدوم سید محمد غوث الحسنی الجیلانی ہندوستان میں وارد ہوئے۔ وہ روم سے براہِ خراسان ملتان آئے وہاں سے اوچھ (اوچ) تشریف لے گئے اور وہیں وفات پائی۔

مخدوم سید محمد غوثؒ کی ساتویں پشت سے سید ظہوالحسن نے استھاواں (بہار) میں مستقل سکونت اختیار کی۔ یہی شاہ غوث علیؒ کے جدِّ امجد تھے۔ ان کے دو فرزند تھے۔ سید احمد حسن اور سید محمد حسن' سید احمد حسن شاہ غوث علی کے والدِ بزرگوار تھے۔ وہ انگریزی فوج میں رسالدار تھے اور بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے۔ شاہ غوث علیؒ کی والدہ ماجدہ کو جنون کی قسم کا ایک عارضہ تھا اس لیے جدِّ امجد سید ظہوالحسن نے ان کو ماں کا دودھ پلانا مناسب نہ سمجھا اور انہیں اپنے ایک شریف پڑوسی پنڈت رام سینی کی نیک خصال بیوی کے سپرد کر دیا جو اس مسلمان بچے کو بخوشی دودھ پلانے پر آمادہ ہو گئی۔ اس نے پیار سے ان کا نام گنگا بشن رکھ دیا۔

Marfat.com

شاہ صاحب موصوف دس برس تک گھر پر تعلیم پاتے رہے۔ اس دوران میں انہوں نے نصف قرآن شریف حفظ کرلیا اور نصف ناظرہ پڑھا۔ فارسی کی تعلیم سکندر نامہ تک اپنی سوتیلی والدہ سے اور عربی صرف ونحو کی تعلیم اپنے سوتیلے نانا مولوی محمد حیات سے حاصل کی۔ اس کے ساتھ ہی وہ ہندی اور سنسکرت کی تعلیم بھی اپنے رضاعی والد پنڈت رام سیہنی سے حاصل کرتے رہے، غرض چھوٹی عمر ہی میں انہیں عربی فارسی ہندی اور سنسکرت پر خاصا عبور حاصل ہوگیا۔ اس کے بعد ان کے والدِ بزرگوار نے انہیں اپنے پاس دہلی بلالیا جہاں وہ بسلسلۂ ملازمت مقیم تھے۔ ان دنوں شہر دہلی شاہ عبدالعزیز محدثؒ شاہ اسماعیل شہیدؒ شاہ اسحاقؒ اور مولانا فضلِ امام خیرآبادیؒ جیسے سرآمدِ روزگار بزرگوں کے انوارِ فیوض سے جگمگا رہا تھا۔ ایسے اکابر علماء کی محض آنکھیں دیکھنا ہی بہت بڑی سعادت تھی لیکن شاہ غوث علی کی خوش بختی کہ انہیں ان بزرگوں کا حلقۂ درس میسر آ گیا چنانچہ انہوں نے علم حدیث شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ اسحاقؒ سے حاصل کیا۔ ایک سبق کافیہ کا شاہ اسماعیلؒ سے پڑھا اور دوسرے علوم کی کتابیں مولانا فضل امامؒ سے پڑھیں۔ ان کے صاحبزادے مولانا فضلِ حق خیرآبادی شاہ صاحب موصوف کے ہم سبق تھے۔ مولانا فضل امام، شاہ غوث علیؒ کے حال پر نہایت شفقت فرماتے تھے اس تعلق خاطر کا اندازہ شاہ صاحب کے اس بیان سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

"یہ مبرور و مغفور (یعنی مولانا فضل امام) ہمارے حال پر نہایت شفقت فرماتے تھے اور ان کی اہلیہ کو بھی مثال مادرِ مشفقہ کے محبت تھی۔ حتیٰ کہ بغیر ہمارے کھانا تناول نہ فرمایا کرتی تھیں۔ ہم ان کے ساتھ پٹیالہ بھی گئے اور ضروری کتُب دینیہ و منطق پڑھتے رہے، جب وہ عالم قدس کو رحلت فرما ہوئے تو ہم کو نہایت رنج والم ہوا۔ اس دن سے کتابیں بالائے طاق رکھ دیں کہ نہ اس شفقت سے کوئی پڑھائے گا نہ ہم

Marfat.com

پڑھیں گے۔

اسی زمانے میں شاہ صاحبؒ نے دہلی کے مشہور خوشنویس میر پنجہ کش دہلوی سے فنِ خوشنویسی بھی سیکھا۔ تحصیل و تکمیلِ علوم کے بعد شاہ صاحب نے اپنے خاندان کے رواج کے مطابق اپنے والدِ بزرگوار کی بیعت کی اور ان سے علومِ باطنی حاصل کیے۔ کچھ عرصہ بعد ان کے والد انہیں بابری لے گئے اور وہاں کے ایک قادری بزرگ میر اعظم علی شاہ سے بیعت کرایا۔ شاہ صاحبؒ مدتوں ان کا فیضِ صحبت اٹھاتے رہے پھر انہی کے ارشاد کے مطابق میرٹھ گئے اور وہاں کے ایک نامور بزرگ مولوی حبیب اللہ شاہ صاحب سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے اور ایک برس ان کی خدمت میں رہ کر راہِ سلوک طے کرتے رہے۔ ظاہری و باطنی علوم کی تحصیل کے بعد انہوں نے سیر و سیاحت اختیار کی اور سالہا سال تک برِّکوچک پاک و ہند کے ایک ایک شہر اور گاؤں کی قلندرانہ شان سے خاک چھانتے رہے۔ اسی دوران میں دو بار حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے۔ ساٹھ برس کی عمر میں پانی پت آ کر مستقل قیام فرمایا اور یہیں شبِ دوشنبہ ۲۶ ربیع الاول ۱۲۹۷ھ مطابق مارچ ۱۸۸۰ء کو راہگرائے عالمِ جاوداں ہوئے۔ کل ۷۸ سال چھ مہینے اور کچھ دن عمر پائی۔ اس میں سے ۱۸ سال سات مہینے اور چھ دن بلدۂ پانی پت میں گزارے۔ چونکہ ساری عمر متاہلانہ زندگی کی بندشوں سے آزاد رہے اس لیے صُلبی اولاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا البتہ اولادِ معنوی انہوں نے ہزاروں مریدوں اور عقیدت مندوں کی صورت میں اپنی یادگار چھوڑی۔

شاہ غوث علیؒ کی وفات کے بعد ان کے مریدِ خاص سید گل حسن شاہ نے اپنے مرشد کے حالاتِ زندگی اور افکار و اقوال کو بڑی محنت اور سلیقے سے "تذکرۂ غوثیہ" کی صورت میں مرتّب کیا۔ اس کی تکمیل میں ان کا ایک برس صرف ہوا۔ خاتمہ میں تحریر کرتے ہیں۔ "اے قلم...... وہ کتاب جس کی تحریر میں تو نے سال بھر تک جبہ فرسائی

Marfat.com

کی ہے' آج اس کا آخری صفحہ بھی چھپ چکا۔ اب وہ تجھ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہوتی ہے' اے قلم آج ہمارا مشغلہ اور تیری سعی ختم ہوئی' آ رخصت ہو اور الوداعی معانقہ کر۔ یہ چند روزہ لطفِ ملاقات حُسنِ اتفاق سے تھا پھر ہم کہاں تو کہاں اور یہ کتاب کہاں الحمدللہ کہ آج وہ کام پورا ہوا جس کا آغاز موہوم اور انجام نامعلوم تھا۔ بارخدایا تیری توفیق شاملِ حال نہ ہوتی تو یہ مضامین و الفاظ جو دل و دماغ کے اندر وجودِ مثالی بھی نہ رکھتے تھے' آج ایک کتاب کی صورت میں کس طرح جلوہ گر ہوتے۔ جب حضرت قبلہ و کعبہ کے اندوہ و فراق نے طبیعت کو ملفوظاتِ گرامی کی تحریر پر مائل کیا تو اس امرِ اہم کی مشکلات نے ڈرایا کہ نہ تو منشی ہے نہ مولوی نہ صوفی نہ مشائخ یہ کارِ سترگ تجھ سے کس طرح سرانجام ہوگا لیکن ''الھِمَّۃُ اِسْمُ الْاَعْظَمِ'' کا خیال کر کے ہمت کو چست کیا اور قلم اٹھایا...... دوسرے روز ایک جُز کتاب کا لکھ کر منشی فضلِ رسول کو سنایا۔ نہایت پسند کیا اور باصرارِ تمام فرمایا کہ ضرور اس کو پورا کرو تمام برادرانِ طریقت پر تمہارا احسان ہوگا اور یہ کام تمہارے سوا کوئی اور نہیں کر سکتا کیونکہ جناب قبلہ و کعبہ کی خدمت میں عرصہ دراز تک شرفِ صحبت و تربیت اس قدر کسی کو میسر نہیں ہوا غرضیکہ ہمیشہ اس کام کی ترغیب و تاکید اور اس کے انجام دینے کی نسبت تقاضائے شدید فرماتے رہے یہاں تک کہ ایک سال کے عرصہ میں کتاب تیار ہوگئی۔''

گو اس اقتباس سے کتاب کے مؤلف کے بارے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی لیکن بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ کتاب مولانا اسماعیل میرٹھی کی تالیف ہے چنانچہ مولانا اسماعیل کے صاحبزادے خان بہادر محمد اسلم سیفی اپنی کتاب ''حیات و کلیاتِ اسماعیل'' کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

''تذکرہ غوثیہ کی ترتیب تو مولانا گل حسن نے کی ہے مگر زبان مولانا اسماعیل میرٹھی کی ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ مولانا اسماعیل میرٹھی کے قلم کا لکھا ہوا ان کے....

Marfat.com

کتب خانے میں موجود ہے۔"

اسی طرح "تلامذۂ غالب" کے لائق مصنف جناب مالک رام کا ارشاد ہے کہ "عام لوگ اس کتاب "تذکرۂ غوثیہ" کو سید گل حسن شاہ صاحب کی تصنیف خیال کرتے ہیں کیونکہ ان ہی کا نام اس کے مصنف کی حیثیت سے سرورق پر ملتا ہے۔ قطعِ نظر اس سے کہ سید گُل حسن شاہؒ جس خِطّۂ ملک کے رہنے والے تھے وہاں کی زبان کا اس سے کیا تعلق جو اس کتاب میں استعمال ہوئی ہے۔ میں نے کتاب کا اصلی مسوّدہ خود مولانا اسماعیل مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ان کے صاحبزادے جناب سیفی صاحب کے پاس دیکھا ہے جس کے بعد کوئی شبہ ہی نہیں رہ سکتا کہ کتاب مولانا اسماعیل کی لکھی ہوئی ہے۔ (تلامذۂ غالب)

ہمیں ان دونوں بزرگوں کی رائے سے اتفاق نہیں ہے۔ "تذکرۂ غوثیہ بلاشک وشبہ شاہ گُل حسن کی تالیف ہے اور اس کی ترتیب وتالیف میں مولانا اسماعیل میرٹھی کا قطعاً کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس ضمن میں ہمارے دلائل یہ ہیں۔

۱- یہ کتاب مولانا اسماعیل کی زندگی ہی میں چھپ گئی تھی اور بڑے وسیع پیمانہ پر اس کی اشاعت بھی ہوئی لیکن مولانا موصوف نے کبھی اشارۃً کنایۃً بھی اس کتاب کی ترتیب تالیف یا تصحیح سے اپنا تعلق ظاہر نہیں کیا۔ کیا خوب ہوتا اگر مولانا اسلم سیفی اپنے والد بزرگوار سے ان کی زندگی میں اپنی رائے کی تصدیق کرا لیتے' ان کی وفات کے بعد اس رائے کو "مدعی سست گواہ چست" کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

۲- کتاب کا خاتمہ پکار پکار کر شہادت دے رہا ہے کہ اس کا مؤلف شاہ گل حسن کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

۳- تذکرۂ غوثیہ کے اندازِ تحریر اور مولانا اسماعیل کے طرزِ تحریر میں نمایاں فرق ہے۔

Marfat.com

تذکرۂ غوثیہ کی عبارت میں جو بے ساختہ پن، والہانہ کیفیت اور تصوّف کی سرمستی وسرشاری ہے، مولانا اسماعیل کے سلیس اور محتاط اندازِ تحریر سے اسے دُور کا واسطہ بھی نہیں۔

۴۔ تذکرۂ غوثیہ کے بعد شاہ گل حسن نے ایک اور ضخیم کتاب ''تعلیمِ غوثیہ'' لکھی۔ ان دونوں کتابوں کی تحریر میں بدرجۂ اَتم مشابہت اور مماثلت ہے اور ان دونوں کتابوں کا اندازِ تحریر دیکھ کر ایک مبتدی بھی اندازہ کرسکتا ہے کہ یہ ایک ہی شخص کے قلم سے نکلی ہیں۔

۵۔ تعلیمِ غوثیہ کی تالیف کا ''سبب'' شاہ گل حسن نے اس طرح بیان کیا ہے،

''جب یہ فقیر ''تذکرۂ غوثیہ'' کی تالیف سے فارغ ہو اور نسخہ ہائے مطبوعہ کو اخوان طریقت واصحاب مُوَدّت وارباب عقیدت کی خدمت میں نذر کرچکا تو بے شغلی سے طبیعت کسمائی اور دل نے پھر یہ دھوم مچائی کہ اگر یوں ہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہو گے تو عمر کے دن کاٹنے پہاڑ ہو جائیں گے.........

ادھر ملہمِ غیب نے درِ دل کھٹکھٹایا کہ خبردار گھبراؤ نہیں ابھی تو تعلیمِ غوثیہ کی تدوین وتالیف باقی ہے

اربابِ علم بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ اس اقتباس سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

۶۔ شاہ گل حسن نے ''تذکرۂ غوثیہ'' کی ترتیب وتدوین کا آغاز کیا تو خیال آیا کہ کسی سے مشورہ بھی کیا جائے چنانچہ اپنے ایک پیر بھائی اور مخلص دوست منشی فضل رسول سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا۔ انہوں نے کیا مشورہ دیا؟ اس کا ذکر مؤلّف نے ''خاتمۃ الطبع'' میں اس طرح کیا ہے۔

''دوسرے روز ایک جُز کتاب کا لکھ کر منشی فضلِ رسول صاحب کو سنایا۔ نہایت پسند کیا اور بہ اصرار فرمایا کہ اس کو پورا کرو۔ تمام برادرانِ طریقت پر یہ احسان

Marfat.com

ہوگا اور یہ کام تمہارے سوا کوئی اور نہیں کر سکتا۔“

۷- مولانا محمد اسماعیل میرٹھی نے خود ”تذکرہ غوثیہ“ کی تقریظ و تاریخ لکھی جس میں صراحت کے ساتھ شاہ گل حسن کو کتاب کا مؤلف قرار دیا۔ کتاب ان کی زندگی ہی میں چھپ گئی تھی لیکن انہوں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس کی تالیف یا تصحیح میں انہوں نے کوئی حصہ لیا۔ البتہ یہ بات تسلیم کی جا سکتی ہے کہ ”تذکرہ غوثیہ“ میں سید غوث علی شاہ کے کچھ ایسے ارشادات بھی شامل ہیں جو ان سے شاہ گل حسن کے علاوہ کسی دوسرے مرید، عقیدت مند نے روایت کیے۔ مولانا محمد اسماعیل بھی ہو سکتے ہیں اور کوئی دوسرے صاحب بھی ایسے ارشادات کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

۸- تذکرہ غوثیہ میں مولانا اسماعیل کی صیغہ غائبانہ میں نہایت تعریف و توصیف کی گئی ہے اور انہیں ”فرشتہ“ کہا گیا ہے، اگر مولانا اسماعیل اس کتاب کے مؤلف ہوتے تو وہ اس انداز میں اپنا ذکر نہ کرتے۔

۹- شاہ گل حسن بڑے نیک طینت خوددار اور حق گو بزرگ تھے اور یہاں یہ ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ حکیم الامت علامہ اقبالؒ جن صوفیہ کا غایت درجہ احترام کرتے تھے اور ان سے دلی عقیدت رکھتے تھے ان میں سے ایک شاہ گل حسنؒ بھی تھے، تذکرہ غوثیہ کی ترتیب و طباعت میں جن لوگوں سے ان کو مدد ملی انہوں نے نہایت خلوص اور بے ساختگی سے اس کا ذکر تذکرہ میں کیا ہے اگر اس سلسلہ میں انہوں نے مولانا اسماعیل سے بھی استفادہ کیا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ اس کا ذکر نہ کرتے۔

۱۰- جناب مالک رام کی یہ دلیل بڑی عجیب ہے کہ ”سید گل حسن شاہ جس خطہ ملک کے رہنے والے تھے وہاں کی زبان کا اس سے کیا تعلق جو اس کتاب میں

Marfat.com

استعمال ہوئی ہے کل کو اگر کوئی یہ کہہ دے کہ مالک رام صاحب جس خِطّہ ملک کے رہنے والے ہیں وہاں کی زبان کا اس سے کیا تعلق جو ''ذکرِ غالب'' اور ''تلامذہ غالب'' وغیرہ میں استعمال ہوئی ہے تو وہ کیا جواب دیں گے؟ اگر مالک رام صاحب ''تذکرہ غوثیہ'' کے آخر میں شاہ گل حسن کے خودنوشت حالات زندگی بغور پڑھ لیتے تو شاید انہیں اس اشکال کا حل مل جاتا۔ شاہ صاحب موصوف نے علومِ مروّجہ کی تحصیل و تکمیل راولپنڈی میں کی۔ اس وقت وہ تیرہ برس کے تھے۔ سات برس سرکاری ملازمت میں گزارے اور پھر ہمیشہ کے لیے ترک وطن کر کے پانی پت کی سکونت اختیار کر لی۔ وہ سالہا سال تک شاہ غوث علیؒ کے معتمد خصوصی رہے اور اس طویل عرصہ میں بیسیوں ایسے اصحاب سے ان کی صحبتیں رہیں بلکہ مخلصانہ تعلّقات استوار ہوئے جو ان کے پیر بھائی بھی تھے اور اہلِ زبان بھی۔ ہر وقت انہی کی ''زبان'' میں بات چیت ہوتی اور علمی تذکرے رہتے اگر ایک بے علم آدمی کسی غیر ملک میں جا بسے تو وہ بھی وہاں کے باشندوں سے میل جول کی بدولت ان کی زبان پر عبور حاصل کر لیتا ہے۔ مولانا گل حسن شاہؒ تو خاصے پڑھے لکھے بزرگ تھے اور اسی ملک کے ایک خطّے کے رہنے والے تھے جس کی زبان اردو ہے پھر یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ایک طویل مدت تک شاہ غوث علیؒ اور ان کے اہلِ زبان مریدوں اور عقیدت مندوں سے ہمہ وقتی صحبتیں ان میں اتنی استعداد بھی پیدا نہ کر سکیں کہ وہ تذکرہ غوثیہ جیسی کتاب لکھ سکتے۔

۱۱۔ اب رہی یہ بات کہ ''تذکرہ غوثیہ'' کا مسوّدہ مولانا اسماعیل میرٹھی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے تو اس سے قطعی طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس کتاب کے مؤلّف ہی مولانا اسماعیل تھے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ شاہ گُل حسن کے لکھے ہوئے اصل

Marfat.com

مسوّدے کی نقل ہو جو مولانا اسماعیل نے کاتب (خوشنویس) کی سہولت کے لیے کی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے محض ازراہِ عقیدت اسے اپنے قلم سے نقل کیا ہو۔ پرانے خیال کے بزرگ اپنی محبوب کتابوں کو اپنے قلم سے لکھنا اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھتے تھے۔ عربی فارسی اور اردو کی متعدد کتابوں کے بیسوں قلمی نسخے آج بھی محفوظ ہیں جو آج سے ستّر اسّی سال پہلے لکھے گئے حالانکہ یہ کتابیں اس وقت چھپ چکی تھیں۔ مولانا اسماعیل کو اپنے مرشد سے غایت درجہ عقیدت تھی۔ قرینِ قیاس یہی ہے کہ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ''تذکرہ غوثیہ'' کا مسودہ اسی عقیدت کا اظہار ہے ورنہ ''تذکرہ غوثیہ'' کی زبان اور مولانا اسماعیل کی زبان میں بڑا فرق ہے۔ ''تذکرہ غوثیہ کی زبان میں بعض ایسے اسقام بھی ہیں جن سے مولانا اسماعیل کی تحریریں پاک ہیں اس لیے اس کتاب کو ان سے منسوب کرنا ان کے ادبی درجے کو گھٹانے کے مترادف ہے۔

تذکرہ غوثیہ میں جگہ جگہ بہت ہی دلچسپ حکایات اور علمی و ادبی لطائف ملتے ہیں۔ ان میں اُس دَور کی کئی مشہور شخصیتوں کا ذکر بھی آتا ہے اور کئی فقیروں اور ہندو جوگیوں کے خرقِ عادات کے عجیب وغریب واقعات بھی پڑھنے میں آتے ہیں۔ ان لطائف اور حکایات کو تین حصوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک تو وہ جو شاہ غوث علیؒ نے بطور واقعہ بیان کی ہیں دوسرے وہ جو انہوں نے دوسروں کی زبان سے سن کر نقل کی ہیں تیسرے عام روایتیں جن کا نمونہ مثنوی مولانا رومؒ گلستانِ سعدیؒ انوار سہیلیؒ وغیرہ میں ملتا ہے۔ ان میں سے چند روایات ایسی ہیں جو پایۂ ثقاہت سے گری ہوئی ہیں اور تہذیب ان کے نقل کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اگر تذکرہ غوثیہ مرتّب کرتے وقت انہیں ترک کر دیا جاتا تو کتاب کی علمی حیثیت اور افادیت میں اضافہ ہو جاتا۔ اسی طرح کچھ ایسے واقعات جو شاہ غوث علیؒ نے بطور آپ بیتی بیان کیے ہیں یا خود کو ان کا

Marfat.com

عینی شاہد بتایا ہے بعض اہل علم کے نزدیک سندی لحاظ سے مشکوک ہیں لیکن یہ اپنے اپنے عقیدہ کی بات ہے۔ عقیدت مندوں کے نزدیک ان کا ایک ایک حرف سچ ہے۔

''تذکرۂ غوثیہ'' سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''شاہ غوث علیؒ کو عام صوفیہ کی طرح ''وحدت الوجود'' کے علمبردار ہیں لیکن ان کے خیالات میں نہ صرف بڑی وسعت اور اجتہاد کی شان ہے بلکہ روایات کی اندھادھند پابندی سے بغاوت کا جذبہ بھی نمایاں ہے۔ یہاں اس کتاب کی چند دلچسپ روایات اور لطائف کا تذکرہ لطف سے خالی نہ ہوگا۔

ان کے راوی شاہ غوث علیؒ ہیں اور مؤلف نے ان کے شروع میں اپنی طرف سے محض ''ایک روز ارشاد ہوا'' یا ''ایک روز فرمایا'' کے الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ ''شاہ غوث علیؒ نے عموماً ہر جگہ اپنے لیے صیغہ جمع متکلم ''ہم'' استعمال کیا ہے۔

۱- ایک روز ارشاد ہوا کہ جب ہم دوبارہ رام پور میں گئے تو سرائے میں ٹھہرے۔ اتفاقاً مولوی فضلِ حق[1] سے ملاقات ہوئی نہایت محبت اور عنایت سے پیش آئے اپنے نوکر سے کہا کہ جاؤ آپ کا اسباب اٹھا لاؤ میں نے کہا کہ حضرت برائے خدا مجھے وہیں رہنے دیجیے کہ بہت آرام سے ہوں کہا اچھا جہاں آپ خوش رہیں لیکن بھٹیاری کو کہلا بھیجا کہ ان کے خرچ کا حساب ہمارے ذِمّہ ہے

۱- مولانا فضل امام خیر آبادی شاہ غوث علیؒ کے استاد تھے اور مولانا فضل حق خیر آبادی شاہ صاحب کے ہم سبق یہ دونوں باپ بیٹے علمی دنیا میں آفتابِ فضل و کمال بن کر چمکے۔ مولانا فضل امام دہلی میں عرصہ دراز تک صدرالصدور رہے۔ سرکاری ملازمت کے باوجود درس و تدریس کا شغل بھی جاری رکھا۔ اپنے زمانہ میں معقولات کے امام تھے۔ دہلی کے مشہور جامعِ کمالات بزرگ مفتی صدرالدین خان آزردہ نے معقولات کی تعلیم مولانا فضل امام ہی سے حاصل کی۔ مولانا نے ۵ ذی قعدہ ۱۲۴۴ھ کو وفات پائی۔ ان کی بیسیوں تصانیف کے غیر مطبوعہ قلمی نسخے ہندوستان کے مشہور کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ منطق کی مشہور کتاب ''مرقات'' انہی کی تصنیف ہے۔ دوسری تصانیف میں آمدنامہ تلخیص الشفا اور نخبتہ السراء مشہور ہیں۔ رسالہ میر زاہد ملا جلال اور افق المبین پر ان کے حواشی بہت مقبول ہوئے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

اگر پانچ روپیہ روز بھی اٹھیں تو کچھ مضائقہ نہیں ہم دیں گے لیکن یہ شرط ہے کہ میاں صاحب بلا اجازت ہمارے کہیں چلے نہ جائیں۔ ایک روز پچھلی باتوں کا ذکر آ گیا۔ اپنے والدِ بزرگوار کو یاد کر کے روتے رہے ہم نے کہا کہ مولوی صاحب آپ کو وہ دن بھی یاد ہے کہ مولوی صاحب نے تھپڑ مارا تھا اور آپ کی دستارِ فضیلت دُور جا پڑی تھی۔ ہنسنے لگے اور فرمایا کہ خوب یاد ہے کہ وہ عجب زمانہ تھا اور وہ قصہ اس طرح تھا کہ مولوی فضل امام صاحب نے ایک طالب علم کو فرمایا کہ جاؤ فضل حق سے سبق پڑھ لو۔ وہ آیا غریب آدمی' بدصورت' عمر زیادہ' علم کم' ذہن کند' یہ نازک طبع ناز پروردہ جمالِ صورت و معنی سے آراستہ چودہ برس کا سن و سال نئی فضیلت ذہن میں جودت بھلا میل ملے تو کیسے ملے اور صحبت راس آئے تو کیونکر آئے۔ تھوڑا سبق پڑھایا تھا کہ بگڑ گئے۔ جھٹ اس کی کتاب پھینک دی اور برا بھلا کہہ کر نکال دیا وہ روتا ہوا مولانا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا حال بیان کیا فرمایا کہ بلاؤ اس خبیث کو۔ مولوی فضل حق آئے اور دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ مولانا صاحب نے ایک تھپڑ مار

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ سے)
اسی نامور باپ کے بیٹے مولانا فضلِ حق تھے وہ بھی معقولات کے امام تھے اور اپنے دور کے سرآمدِ روزگار علماء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے۔ معقولات کی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی اور علم حدیث شاہ عبدالقادر محدث دہلوی سے حاصل کیا۔ تیرہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے اور قرآنِ کریم بھی حفظ کر لیا۔ عرصہ تک دہلی میں سررشتہ دار رہے پھر استعفا دے دیا اور اس کے بعد ریاست جھجر' الور' رام پور اور اودھ میں مناصب جلیلہ پر مامور رہے۔ بعض دینی مسائل میں شاہ اسماعیل شہید سے ان کے معرکے رہے۔ ۱۸۵۷ء میں انہوں نے فتوی جہاد کی تصدیق کی۔ انگریزوں نے باغی قرار دے کر عبود دریائے شور کی سزا دی۔ ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ کو بحالت اسیری جزائر انڈیمان ہی میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ مولانا فضلِ حق نہ صرف عالمِ متبحر تھے بلکہ بڑے ادیب شاعر اور انشا پرداز بھی تھے۔ چودہ تصانیف انہوں نے اپنی یادگار چھوڑیں جن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ امتناع النظیر' رسالہ تحقیق الاسلام ہدیہ سعیدیہ در حکمتِ طبعی' رسالہ تشکیک' ماہیات' تاریخ غدر ہندوستان' رسالہ تحقیق العلم و العلوم' مولانا فضلِ حق کے صاحبزادے شمس العلماء مولانا عبدالحق نے بھی علمی دنیا میں بڑی شہرت پائی۔

Marfat.com

دیا ایسے زور سے کہ ان کی دستارِ فضیلت دُور جا پڑی اور فرمانے لگے کہ "تو تمام عمر بسم اللہ کے گنبد میں رہا، ناز و نعمت میں پرورش پائی، جس کے سامنے کتاب رکھی اس نے خاطر داری سے پڑھایا، طالب علموں کی قدر و منزلت تو کیا جانے، اگر مسافرت کرتا بھیک مانگتا اور طالب علم بنتا تو حقیقت معلوم ہوتی ارے طالب علمی کی قدر ہم سے پوچھ۔

درازیِ شب از مژگانِ من پرس
کہ یکدم خواب در چشم نگشت است

خبردار تم جانو گے اگر آیندہ ہمارے طالب علموں کو کچھ کہا۔" یہ چپ کھڑے روتے رہے کچھ دم نہ مارا۔ خیر قصہ رفع دفع ہوا لیکن پھر کبھی کسی طالب علم کو کچھ نہیں کہا

۲۔ مرزا غالبؔ سے شاہ غوث علیؒ کے دوستانہ تعلقات تھے۔ اس سلسلہ میں شاہ صاحب کے ارشادات "غالبیات" کا ایک اہم حصہ ہیں، فرماتے ہیں:

"ایک روز ہم مرزا نوشہ کے مکان پر گئے۔ نہایت حُسنِ اَخلاق سے ملے، لبِ فرش تک آ کر لے گئے اور ہمارا حال دریافت کیا، ہم نے کہا کہ مرزا صاحب ہم کو آپ کی ایک غزل بہت ہی پسند ہے علی الخصوص یہ شعر

تو نہ قاتل ہو کوئی اور ہی ہو!
تیرے کوچہ کی شہادت ہی سہی

کہا صاحب یہ شعر تو میرا نہیں کسی استاد کا ہے، فی الحقیقت نہایت ہی اچھا ہے

یہاں مرزا غالبؔ کی پوری غزل نقل کی گئی ہے جس کا مطلع ہے:

عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی
میری وحشت تیری شہرت ہی سہی

اس دن سے مرزا صاحب نے یہ دستور کر لیا کہ تیسرے دن زینت المساجد

Marfat.com

میں ہم سے ملنے کو آتے اور ایک خوان کھانے کا ساتھ لاتے۔ ہر چند ہم نے عذر کیا کہ یہ تکلیف نہ کیجیے مگر وہ کب مانتے تھے ہم نے ساتھ کھانے کے لیے کہا تو کہنے لگے کہ میں اس قابل نہیں ہوں، مے خوار رُوسیہ گنہ گار مجھ کو آپ کے ساتھ کھاتے ہوئے شرم آتی ہے، البتہ اولش کا مضائقہ نہیں۔ ہم نے بہت اصرار کیا تو الگ طشتری میں لے کر کھایا۔ ان کے مزاج میں کمال کسرِ نفسی اور فروتنی تھی۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ مرزا رجب علی بیگ سرّور مصنّف فسانۂ عجائب لکھنؤ سے آئے۔ مرزا نوشہ سے ملے۔

اثنائے گفتگو میں پوچھا کہ مرزا صاحب اردو زبان کس کتاب کی عمدہ ہے، کہا چہار درویش کی۔ میاں رجب علی بولے اور فسانۂ عجائب کیسی ہے؟ مرزا بے ساختہ کہہ اٹھے کہ اجی لَاحَولَ وَلَاقُوَّۃَ اس میں لطفِ زبان کہاں۔ ایک تک بندی اور بھٹیار خانہ جمع ہے۔ اس وقت تک مرزا نوشہ کو یہ خبر نہ تھی کہ یہی میاں سرور ہیں۔ جب چلے گئے تو حال معلوم ہوا بہت افسوس کیا اور کہا کہ ظالمو پہلے سے کیوں نہ کہا۔ دوسرے دن مرزا نوشہ ہمارے پاس آئے۔ یہ قصہ سنایا اور کہا کہ حضرت یہ امر مجھ سے نادانستگی میں ہوگیا، آیئے ان کے مکان پر چلیں اور کل کی مکافات کر آئیں۔ ہم ان کے ہمراہ ہوئے اور میاں سرّور کی فرودگاہ پر پہنچے۔ مزاج پرسی کے بعد مرزا نے عبارت آرائی کا ذکر چھیڑا اور ہماری طرف مخاطب ہو کر بولے کہ جناب مولوی صاحب رات میں نے ''فسانۂ عجائب'' کو جو بغور دیکھا تو اس کی خوبیٔ عبارت اور رنگینی کیا بیان کروں۔ نہایت ہی فصیح و بلیغ عبارت ہے، میرے قیاس میں تو ایسی عمدہ نثر نہ پہلے ہوئی نہ آگے ہوگی اور کیوں کر ہو اس کا مصنف اپنا جواب نہیں رکھتا۔ غرض اس قسم کی بہت سی باتیں بنائیں، اپنی خاکساری اور ان کی تعریف کر کے میاں سرّور کو نہایت مسرور کیا۔ دوسرے دن ان کی دعوت بھی کی اور ہم کو بھی بلایا۔ اس وقت بھی

Marfat.com

میاں سرور کی بہت تعریف کی۔ مرزا صاحب کا مذہب یہ تھا کہ دل آزاری بڑا گناہ ہے اور درحقیقت یہ خیال بہت درست تھا۔ ''اَلْمُؤْمِنُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ یَدِہٖ وَلِسَانِہٖ''

مباش درپئے آزار و ہرچہ خواہی کن
کہ درطریقتِ ما غیرازیں گناہے نیست

ایک دن ہم نے مرزا غالب سے پوچھا کہ تم کو کسی سے محبت بھی ہے؟ کہا کہ ہاں حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے' پھر ہم سے پوچھا کہ آپ کو' ہم نے کہا کہ واہ صاحب آپ تو مغل بچہ ہو کر علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی محبت کا دم بھریں اور ہم ان کی اولاد کہلائیں اور محبت نہ رکھیں۔ کیا یہ بات آپ کے قیاس میں آسکتی ہے۔

مرزا غالب سے شاہ غوث علیؒ کو جو تعلقِ خاطر تھا اس کا اظہار انہوں نے مرزا کے انتقال پر بھی کیا شاہ گل حسن لکھتے ہیں کہ ایک روز راقم خدمت میں حاضر تھا کسی شخص نے مرزا نوشہ صاحب کے انتقال کی خبر سنائی آپ نے فرمایا:

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

کھال دھونتی رہ گیو اور زبجہ بجھے انگار
امرن کو ٹھمکو مٹو اور اٹھ گئے میت لوہار
سدا نہ پھولیں توریاں اور سدا نہ ساون ہوئے
سدا نہ جوبن تھر رہے اور سدا نہ جیوے کوئے

شنیدم کہ در روزگارِ کہن — شدہ عنصری شاہ صاحب سخن
چو اورنگ از عنصری شد تہی — بفردوسی آمد کلاہِ مہی
چو فردوسی از دورِ فانی گزشت — نظامی بملکِ سخن شاہ گشت
نظامی چو جامِ اجل درکشید — بسرِ چترِ اشعارِ سعدی رسید

Marfat.com

چو اورنگ سعدی فروشد زکار　　سخن گشت بر فرقِ خسرو نثار
وزاں پس چو نوبت بجامی رسید　　جہانِ سخن را تمامی رسید

عدم ہے یا کوئی کوئے صنم ہے
چلی جاتی ہے واں خلقت خدا کی

نہایت خوب آدمی تھے۔ عجز وانکسار بہت تھا۔ فقیر دوست بدرجۂ غایت اور خلیق از حد تھے۔ ایک روز ہم ان کے پاس گئے تو انہوں نے یہ اپنے دو قطعے پڑھے تھے۔

فرصت اگرت دست دہد مغتنم انگار　　ساقی و مغنی و شرابے و سرودے
زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند　　حق راسجودے و نبی رابدرُودے
بروز حشر الٰہی چوں نامۂ عملم　　کنند باز کہ آں روز باز خواہ من است
بکن مقابلہ آں رازِ سرنوشتِ ازل　　اگر زیادہ وکم باشد آں گناہِ من است

رندِ مشرب، بے شر، رحم دل آدمی تھے اور فنِ شاعری میں تو اپنا جواب نہ رکھتے تھے لیکن افسوس یہ ہمارے مُحِب بھی چل دیے۔

ندی ناوٗ کا بیٹھنا پلک ایک کی پریت
پل میں بچھڑے جات ہیں یہی جگت کی ریت
ہم دیکھیں جگ جات ہے جگ دیکھے ہم جائیں
ہم تو بیٹھے راہ پر کس کس کو پچھتائیں

۴۔ ایک روز ارشاد ہوا۔ میرٹھ میں حافظ جلال الدین صاحب گیارھویں کیا کرتے تھے۔ ایک بار ہم پانچ آدمیوں کی دعوت کی۔ جب فاتحہ شروع کی تو گھنٹہ بھر تک بزرگوں کے نام پڑھتے رہے بر روح پاک فلاں فلاں آخر ہم نے تھک کر ان سے عرض کیا کہ حضرت سب کے نام تو شمار ہو گئے ان پانچ صورتوں کے نام بھی پکار دیجیے جو اصل کھانے والے ہیں، بزرگوں کو ثواب جب پہنچے گا

Marfat.com

جب ان کا شکم سیر ہوگا۔ اس بات پر بعض لوگ تو ہنس پڑے اور بعض ناراض ہوئے لیکن عبارت فاتحہ جلد ختم ہوگئی۔

۴- ایک روز ارشاد ہوا کہ بیت اللہ شریف میں ہمارے والد ماجد کا ایک مرید شب برات کے دن تھوڑا سا حلوا پکا کر لایا اور کہا کہ بزرگوں کی فاتحہ دے دیجیے۔ ہم نے کہا کہ بھلے مانس دیکھ تو کیسی مصیبت اٹھا کر ہم یہاں پہنچے ہیں۔ بھلا اس ذرا سے حلوے کے لیے کیوں بزرگوں کو تکلیف دیتا ہے' اتنی دُور دراز مسافت بیچ میں سمندر حائل اور بالفرض وہ آ بھی گئے تو اتنے سے حلوے میں کیا بھلا ہوگا' کیا تم ان کو آپس میں لڑانا چاہتے ہو؟ ہنس کر کہنے لگا کہ میاں صاحب آپ کو تو ہمیشہ ہنسی کی بات سوجھتی ہے اپنے بزرگوں سے بھی نہیں چوکتے۔

۵- ایک روز ارشاد ہوا کہ سید اعظم شاہ صاحب قبلہ کے ہمراہ ''راجو پور'' جانے کا اتفاق ہوا' کلو کپتان کے مکان پر ٹھہرے۔ ان کو افیون کی دھت تھی۔ ہر دم پینک میں رہتے اور رات کے بارہ بجے کھانا کھاتے پھر آم چُوستے چُوستے دو بجے سونا ملتا۔ صبح کی نماز قضا ہو جاتی' ہماری طبیعت گھبراتی ناچار ہم نے یہ تدبیر کی کہ جس وقت مؤذّن عشاء کی اذان دینے کھڑا ہوا تو ہم نے سکھا دیا کہ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم بھی کہہ دے اس نے ایسا ہی کیا۔ کپتان صاحب پینک سے چونکے ارے میاں جلد کھانا لاؤ آج تو صبح ہی ہوگئی۔ کھانا آ گیا جب کھا پی چکے تو ٹن ٹن دس بجے۔ کپتان صاحب بولے ہیں یہ کیا نو بجے صبح کی اذان کس نے کہہ دی؟ مؤذّن بلایا گیا۔ اس نے کہہ دیا کہ مجھ سے تو مولوی غوث علی صاحب نے فرمایا کہ تو اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم اسی وقت پڑھ دے' میں نے ان کے کہنے کے موافق کیا ہے۔ کپتان صاحب ہماری طرف مخاطب ہوئے ہم نے کہا کہ صاحب بارہ بجے تک بھوک کے مارے

Marfat.com

آ نتیں قل ہو اللہ پڑھتی ہیں پھر دو بجے سوتے ہیں تو صبح کو آنکھ نہیں کھلتی بجز اس بات کے کوئی چارہ نہ دیکھا۔ کپتان صاحب نے اسی وقت اپنے آدمیوں کو بلا کر حکم دیا کہ ان کو آٹھ بجے کھانا کھلا دیا کرو۔

۶- ایک روز ارشاد ہوا کہ جب ہم کوٹ پوتلی سے چلے تو راستہ میں ایک مندر ملا وہاں ایک سادھو نہایت دلآویز الحان سے بھجن گا رہا تھا۔ ہم بھی اس کے پاس جا بیٹھے۔ بھجن سنتے رہے پھر ان سے باتیں ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ نماز کا وقت آیا ہم نے مُصَلّٰی بچھا کر نماز پڑھ لی۔ بعد نماز وہ سادھو جی مخاطب ہوئے کہ میاں صاحب آپ کی طبیعت میں تو بڑی آزادی معلوم ہوتی ہے پھر یہ عِلّت کیوں لگا رکھی ہے۔ ہم نے کہا کہ بابا جی عِلّت سے تو نہ تم خالی نہ ہم خالی تم کو اس پتھر کے پوجنے کی علت لگی ہوئی ہے' ہم کو نماز کی' تم گھنٹہ بجاتے ہو ہم تسبیح ہلاتے ہیں' بس بے قید ہے تو خدا کی ذات ورنہ سب اپنی اپنی قید میں مبتلا ہیں۔

۷- ایک روز ارشاد ہوا مقام سونی پت اخوند عبدالغفور صاحب ہمارے پاس بیٹھے تھے کہ ثناء اللہ دہریہ آیا اور ایک پتہ درخت سے توڑ کر اخوند صاحب کے روبرو پیش کیا اور کہا کہ بھلا کوئی ایسا ہے جو اسے پھر جوڑ دے۔ وہ بولے کہ خدا تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے اس نے کہا کہ یہ تو خدا کے باپ سے بھی نہیں لگ سکتا۔ اخوند صاحب اس کو گالیاں دینے لگے۔ میں نے کہا کہ صاحب آپ کیوں خفا ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ تو لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ہے نہ خدا کے باپ ہوگا نہ پتہ لگائے گا اس کو بکنے دیجیے۔

۸- ایک روز ارشاد ہوا کہ باری میں ایک شخص آیا جو اپنے تئیں خدا کہتا تھا۔ اُن دنوں جناب قبلہ میر اعظم علی شاہ صاحب بھی وہیں تھے۔ وہ یہ بات سن کر خفا

Marfat.com

ہونے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں ان کو سمجھا دوں گا جب ان سے ملاقات ہوئی حال پوچھا' کہا کہ میں خدا ہوں ہم نے کہا واہ حضرت ہم تو مدت سے آپ کی تلاش میں تھے' گھر چھوڑا وطن چھوڑا آپ ہی کی جستجو میں جا بجا پھرتے رہے' آپ خود ہی تشریف لے آئے بڑی مہربانی اور احسان فرمایا۔ پھر ہم نے ان کے لیے کھانا منگایا' اتفاقاً اس روز روکھی روٹیاں چنے کی تھیں۔ ان سے اچھی طرح نہ کھائی گئیں لقمہ گلے سے اترنا دشوار تھا کچھ ناراض سے ہونے لگے ہم نے کہا کہ ناراضی کی کیا وجہ ہے خود ہی انصاف کیجیے کہ خدا تو آپ ٹھہرے جیسا ہم کو آپ نے دیا وہ سامنے لا رکھا' اگر آپ پلاؤ دیتے تو وہی نذر کیا جاتا۔ بعد اس کے ہم نے قرآن کی ایک آیت پڑھی اور ان سے معنی دریافت کیے۔ کہا کہ میں تو ناخواندہ ہوں۔ ہم نے کہا سبحان اللہ! آپ بھی عجیب خدا ہیں کہ خود ہی قرآن نازل کیا' اس کے معنی نہیں سمجھتے۔ تب وہ نادم ہوئے اور اپنے اس قول سے توبہ کی۔

۹- ایک روز ارشاد ہوا کہ ایک فقیر رندِ مشرب مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ مولوی بابا ہم کو شراب پلوا۔ شاہ صاحبؒ نے ایک روپیہ اس کی نذر کیا اور فرمایا کہ جو چاہو سو کھاؤ پیو تم کو اختیار ہے وہ بولا کہ ہم نے تو آپ کا بڑا نام سنا تھا لیکن آپ تو قید میں ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ کیا شاہ صاحب آپ قید میں نہیں ہیں۔ کہا نہیں آپ نے فرمایا کہ اگر کسی روش کے مقید نہیں ہو تو آج غسل کرو اور جبہ وعمامہ باندھ کر مسجد میں چلو اور نماز پڑھو ورنہ جیسے تم رندی کی قید میں مبتلا ہو اسی طرح ہم شریعتِ غرا کی قید میں پابند ہیں' تمہاری آزادی ایک خیال خام ہے۔ یہ بات سن کر نہایت چپ ہوا اور شاہ صاحب کے قدم پکڑے کہ درحقیقت ہمارا خیال غلط تھا جو ہم آزادی کا دم بھرتے تھے۔

Marfat.com

۱۰- ایک روز ارشاد ہوا کہ کسی نے اپنے گھر کے جھگڑے قصے بیان کرنے کے بعد انفصال و درستی معاملات میں ہم سے رائے طلب کی۔ ہم نے کہا کہ ہم کو ایک نقل یاد آئی ہے، کسی زمانہ میں ایک شخص نے دعویٰ پیغمبری کا کیا تھا۔ بادشاہِ وقت کو خبر ہوئی اس کو بلایا اور کہا کہ اگر تیرا دعویٰ سچا ہے اور تو پیغمبر برحق ہے تو اس قفل کو کھول دے۔

اس شخص نے جواب دیا کہ: دعویٰ پیغمبری کردہ ام نہ آہنگری

یعنی میں نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے نہ کہ لوہار ہونے کا سو ہمارے تو نہ جورو نہ بچے، ان معاملات کے نشیب و فراز کی ہم کو کیا خبر ہے وہ جانیں اور ان کا کام۔

۱۱- ایک روز کسی شخص نے کشائشِ رزق کیلئے وظیفہ پوچھا۔ اس وقت سے ارشاد ہوا کہ اگر درود وظائف پر روزی موقوف ہوتی تو دنیا میں ملانوں کے برابر کوئی دولت مند نہ ہوتا بلکہ وظیفہ تو اس معاملہ میں اور الٹا اثر کرتا ہے کیونکہ دنیا ایک میل کچیل ہے اور نام خدا صابون، بھلا صابون سے میل کیونکر بڑھ سکتا ہے تو نے کسی وظیفہ خوان کے گھر ہاتھی گھوڑے بندھے نہ دیکھے ہوں گے۔........

خدا کا نام تو صرف اس لیے ہے کہ اس کی برکت سے دنیا کی محبت دل سے دور ہو جائے نہ اس لیے کہ آدمی دنیا میں زیادہ آلودہ ہو۔

۱۲- ایک روز ارشاد ہوا کہ اس (گوالیار کے ایک) گاؤں سے چل کر ہم راج گڈھ کو روانہ ہوئے جنگل میں راہ بھول گئے اور ایک ندی کے کنارے بھٹکتے ہوئے پھرا کیے وہاں یہ تماشا دیکھا کہ ایک موٹی تازی گائے کی تھوتھنی مگرمچھ نے پکڑ رکھی ہے اور دونوں میں کشتی ہو رہی ہے۔ اتنے میں شیر جنگل سے نکل کر پانی پینے کو آیا۔ جھٹ گائے کا پیچھا پکڑ لیا۔ اس بے چاری کا تو کام تمام ہو گیا۔ مگر مچھ اور شیر دونوں میں زور آزمائی ہونے لگی۔ آخر دونوں تھک گئے اور

Marfat.com

گائے کو کسی نے نہ چھوڑا پھر شیر نے ذرا دم لے کر ایک جست لگائی اور مگرمچھ کی کمر پر جا سوار ہوا' پنجہ جما کر اس کو مع گائے کے اٹھا کر پھینکا کہ دونوں کنارے سے دس گز دور جا پڑے پھر مگرمچھ کو مارے طمانچوں کے ہلاک کر دیا اور جدھر سے آیا تھا غُرّاتا ہوا اسی طرف کو چلا گیا۔ ہم نے دور بیٹھ کر یہ تماشا دیکھا جب شیر چلا گیا تو وضو کر کے ظہر کی نماز پڑھی اور بمشکل راج گڈھ پہنچے۔

۱۳- شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے نواسوں شاہ اسحٰق اور شاہ یعقوبؒ کا شمار تیرھویں صدی ہجری کے سر برآوردہ علمائے ہند میں ہوتا ہے۔ یہ دونوں بھائی ۱۲۵۶ھ میں ترک وطن کر کے حجاز میں جا بسے تھے۔ شاہ غوث علیؒ حج کے لیے مکہ معظمہ گئے تو ان دونوں بزرگوں سے خوب صحبتیں رہیں۔ شاہ اسحٰقؒ حدیث میں شاہ غوث علیؒ کے استاد تھے اس لیے شاہ صاحب موصوف فرطِ ادب سے ان کے سامنے زیادہ گفتگو نہیں کرتے تھے البتہ شاہ یعقوب سے بے تکلفی تھی ان سے اپنی دو تین ملاقاتوں کا حال اس طرح بیان کیا ہے۔ ایک دن ہم نے مولوی محمد یعقوب صاحب سے دریافت کیا کہ ذات باری کا ظہور کیا عرب و ہندوستان میں کچھ جُدا جُدا ہے؟ کہا ''نہیں'' ....ہم نے کہا کہ پھر آپ ہندوستان سے کیوں بھاگے؟ فرمایا کہ بھائی ہم محمدی بھی تو ہیں۔''

''ایک دن بامِ کعبہ کی مرمّت ہو رہی تھی۔ ہم بھی مزدوروں میں شامل ہو گئے اور چونہ کی ٹوکری سر پر رکھ اوپر پہنچے اور دوگانہ ادا کیا۔ دوسرے دن یہ حال مولوی محمد یعقوب صاحب سے بیان کیا۔ وہ بولے' ارے میاں کعبہ کی چھت پر تو شیطان نماز پڑھا کرتا ہے ہم نے کہا کہ الحمدللہ یہ منزل بھی طے ہوئی اور ایک عقدہ حل ہوا کہ شیطان بھی نماز پڑھتا ہے۔

دوسرے حج کے موقع پر حرم پاک میں مولانا یعقوب صاحب سے ملاقات

Marfat.com

ہوئی فرمانے لگے۔ ''میاں تم تو ابھی گئے تھے پھر چلے آئے ہم نے کہا کہ صاحب گناہِ عظیم ہوا معاف فرمایئے۔ ان شاء اللہ پھر ایسا قصور سرزد نہ ہوگا ہنس پڑے کہ میاں تم تو ہر بات میں قائل کر دیتے ہو اچھا ہندوستان کا حال بیان کرو جو کچھ ہم کو معلوم تھا کہہ سنایا۔

۱۴- ایک روز ارشاد ہوا کہ جب کسی قدر غدر فرو ہوا تو مجرموں کو انگریزوں نے پھانسی دینی شروع کی ہم کو بھی ایک انگریز نے جو تحقیقات کرتا تھا۔ بمقام شاملی طلب کیا اور پوچھا کہ جب یہاں لڑائی ہوئی اور تحصیل و تھانہ پر لوگوں نے یورش کی تو تم کہاں تھے؟ ہم نے کہا کہ صاحب ہم تو بابری میں تھے اور ان دنوں میں ہم کو بخار آتا تھا۔ بولا کہ تم گھبرائے ہوئے کیوں ہو ہم نے کہا کہ صاحب گھبرانے کی بات یہ ہے کہ آپ حاکم ہیں' آپ نے بلایا ہم فوراً دوڑے چلے آئے' اب تک کھانا بھی نہیں کھایا' دوسرے یہ اندیشہ ہے کہ دیکھیے آپ کیا حکم دیں۔ بولا کہ سنو صاحب ہم ظلم نہیں کرتا اور خواہ مخواہ کسی کو نہیں ستاتا جس کی نسبت تمہارے بھائی بند قسم کھا کر گواہی دیتے ہیں کہ یہ مجرم ہے اسی کو ہم سزا دیتے ہیں۔ اس میں ہمارا کچھ قصور نہیں' اگر جھوٹ بولا تو یہ عذاب ان کے سر پر ہوگا۔ پھر اپنے خانساماں کو بلا کر کہا کہ ان کو کھانا کھلاؤ وہ ہم کو اپنے پاس لے گیا۔ اتفاق سے اس دن صاحب کا بچہ نہایت بے چین ہو رہا تھا' برابر روتا تھا' زبان تالو سے نہیں لگتی تھی۔ کسی شخص نے صاحب سے کہہ دیا کہ جس کو آپ نے بابری سے بلایا ہے وہ بہت بزرگ آدمی ہے اس بچہ پر دعا پڑھ دے گا تو یقین ہے اس کو جلد آرام ہو جائے گا۔ اس نے آیا کے ہاتھ بچے کو ہمارے پاس بھیجا ہم نے کچھ پڑھ کر دم کر دیا۔ خدا کی قدرت بچہ اسی دم چپ ہو گیا۔ صاحب اور میم دونوں اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے پھر ہم کو بلا

Marfat.com

کر کہا کہ آپ کو اختیار ہے جہاں چاہو چلے جاؤ کوئی مزاحم نہیں ہوگا۔

۱۵- ایک روز ارشاد ہوا کہ جس زمانہ میں مولوی فضل حق سرشتہ دار تھے تو ہر جمعہ کو خضاب کیا کرتے تھے۔ مولوی نورالحسن کاندھلوی نے‘ جو مولوی صاحب سے پڑھتے تھے‘ عرض کیا جناب یہ خضاب کرنا آپ کو زیبا نہیں کیونکہ آپ عالم ہیں۔ مولوی صاحب سن کر چپ ہو رہے جب مولوی نورالحسن صاحب! کئی مرتبہ زبان پر لائے تو ایک دن مولوی صاحب نے جواب دیا کہ سنو صاحب کسی نے وعظ کہہ کر دنیا کمائی‘ کسی نے درس و تدریس کر کے کسی نے تعویذ گنڈا کر کے کسی نے پیری مریدی کی آڑ میں ہم نے منہ کالا کر کے دنیا حاصل کی غرض سب کی دنیا ہے اس سے نجات تو جب ممکن ہے کہ ایسا مرد خدا مل جائے جو ایک نظر میں بیڑا پار کر دے۔

۱۶- ایک روز ایک نواب کا معتمد جناب وقبلہ (شاہ غوث علی) کی خدمت میں حاضر ہوا اور نواب کی طرف سے عرض کیا کہ اس عاجز کے لیے وقتِ خاص میں دعا فرمایئے تاکہ اپنے مقصد کو پہنچوں۔ حضرت نے اس کے جواب میں ایک نقل بیان فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا کہ خان صاحب کسی فقیر کی تلاش کیجیے شاید کوئی خدا کا بندہ ایسا بھی نکل آوے اور ہمارے نزدیک تو خاص وقت میں اگر نواب صاحب یاد آئیں تو اس خاص وقت پر بھی تین حرف ہیں۔

۱۷- ایک روز غلامی شاہ (خادم) نے چائے تیار کر کے پیش کی۔ حضرت نے تو کسی سبب سے نہ پی مگر اور لوگوں نے پی تو دست آنے لگے۔ دوسرے دن یہ حال معلوم ہوا تو آپ نے غلامی شاہ سے پوچھا کہ چائے کا نسخہ تو خوب ایجاد کیا‘ بھلا اس میں کیا کیا چیزیں ڈالیں۔ شاہ جی نے خوش ہو کر عرض کیا کہ حضرت اس میں کچھ سونف‘ کچھ گاؤزبان اور کچھ سناء اور اڑھائی پتی نیم کی تھی۔ آپ

Marfat.com

نے فرمایا: سبحان اللہ نسخہ تو بہت عمدہ ہے البتہ جمال گوٹہ کی کسر باقی رہ گئی۔ پھر آپ نے سب لوگوں کو منع فرمایا کہ خبرداران کی بنائی ہوئی چائے کوئی نہ پینا۔

۱۸- ایک روز ارشاد ہوا کہ زینت المساجد میں ایک روز کمبل پوش (شاہ صاحب کے ایک صاحب طریقت رفیق) سے مولوی محبوب علی صاحب کی گفتگو ہونے لگی۔ اس آیت کے معنی میں فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِیْ مولوی صاحب تو کہتے تھے کہ بیت سے مراد کعبہ اور کمبل پوش کا قول تھا کہ بیت سے عبارت قلب انسانی ہے یہاں تک بحث ہوئی کہ نوبت بجدال پہنچی اتنے میں مولوی فضل حق صاحب تشریف لائے۔ دونوں صاحبوں کی تقریر سنی اور میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ آپ خاموش بیٹھے سنتے ہیں فیصلہ کیوں نہیں کر دیتے۔ میں نے کہا کہ مولوی صاحب مجھ کو ایک نقل یاد آئی ہے' میرٹھ میں لالہ بانکے رائے (میرٹھ کے ایک وکیل جو فقراء سے عقیدت رکھتے تھے) کے مکان میں مقیم تھا جہاں ایک چھوٹا سا پیپل کا درخت لگا ہوا تھا۔ اتفاقاً ایک روز گائے نے اس درخت پر منہ ڈالا میں نے کہا کہ اسے ہٹا کیوں نہیں دیتے تو لالہ بانکے رائے بولے کہ میاں چپکے رہو' یہ دونوں ہمارے دیوتا ہیں آپس میں خود ہی سمجھ لیں گے۔ دونوں کے درمیان ہم کیوں دخل دیں۔ سو جناب عالی یہ دونوں صاحب ہمارے دیوتا ہیں اور ان کا معاملہ خضر و موسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ شریعت و طریقت کی جنگ ہے۔ ابھی هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ کہہ اٹھیں گے بھلا میں ان کو کیا سمجھاؤں۔

من ز قرآں مغز را برداشتم ۔۔ استخواں پیش سگاں انداختم

آپ تشریف رکھیے اور ان دونوں صاحبوں کو لڑنے دیجیے۔ یہ بات سن کر دونوں صاحب ہنس پڑے اور کہا کہ واہ صاحب آپ نے ہم دونوں کو کتا بنا دیا۔

Marfat.com

۱۹- ایک روز ارشاد ہوا کہ "جب ہم دوبارہ پیرانِ کلیر میں گئے تو وہاں ایک بزرگ میاںؒ غلام فرید صاحب جو بابا فرید شکر گنجؒ کی اولاد میں سے تھے' مع چند مریدوں کے تشریف لائے ان کے ہر ایک مرید کو ایک ایک خدمت سپرد تھی۔ اتفاق سے جس مرید کو گھوڑے کی گھاس لانے کا کام تھا' اس کو بخار اس شدت سے آیا کہ بیچارہ گھاس نہ لا سکا اس پر پیر جی کا غضب نازل ہوا' فرمایا کہ جا ہم نے تجھے مردود کیا اور چودہ خانوادوں سے باہر نکال دیا۔ یہ سن کر اس بیچارہ کا دم نکل گیا بہت رویا پیٹا توبہ استغفار کی مگر پیر جی نے ایک نہ مانی آخر وہ روتا ہوا ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا کہ حضرت آج بڑا غضب ہوا میرا کہیں ٹھکانا نہیں رہا' دونوں جہاں سے راندہ گیا۔ ہم نے کہا کہ ابھی اس جہان میں تو موجود معلوم ہوتا ہے' بات تو کہہ۔ اس نے رو رو کر اپنا تمام قصّہ بیان کیا ہم نے کہا کہ ارے بے وقوف روتا کیوں ہے تیرے پیر جی کو صرف چودہ خاندان یاد تھے ہم کو چھتیس یاد ہیں' آ تجھ کو پندرھویں خانوادے میں بھرتی کر لیں تو گھبرا مت لیکن تُو جا اور اپنے پیر جی سے پہلے یہ بات دریافت فرما کہ حضرت جب آپ نے مجھ کو چودہ خانوادوں میں داخل کیا تھا تو میں کہاں کا بادشاہ یا وزیر یا ولی کامل ہو گیا تھا' اب جو آپ نے نکال دیا تو میرے پاس سے کیا چھن گیا میں تو جیسا جب تھا ویسا ہی اب ہوں البتہ آپ کے نکالنے سے ایک فائدہ ہوا کہ گھاس کے بوجھ سے سبکدوش ہو گیا۔ اگر تجھ سے پوچھیں کہ یہ بات تجھ کو کہاں سے سوجھی تو کہنا' میں پندرھویں خانوادے میں داخل ہو گیا ہوں' یہ اس کی بسم اللہ ہے۔ غرض اس نے جا کر اسی طرح سے بیان کیا یہ سن کر ان کے مریدوں کے کان کھڑے ہوئے اور پیر جی سے کہنے لگے کہ حضرت یہ خاندان بہت ہی اچھا معلوم ہوتا ہے' اول تو گھوڑے کی گھاس سے چھوٹنا دوسرے ہم

Marfat.com

سے ایک خاندان آگے بڑھ گیا' اگر آپ کو آگے کے خاندان میں دسترس ہوتی تو ہم بھی پندرھویں خاندان میں داخل ہو جاتے۔ پھر تو پیر جی کے چھکے چھوٹے اور گھبرا کر بولے کہ یہ کہیں میاں غوث علی شاہ کے پاس تو نہیں جا پہنچا' یہ سارا فساد ان کا ہی معلوم ہوتا ہے ورنہ اور کسی کو یہ باتیں کیا سوجھتیں الحاصل وہ ہمارے پاس دوڑے آئے اور گلہ کرنے لگے کہ واہ صاحب تم نے ہمارے سارے مرید فرنٹ کر دیے میں نے کہا کہ میاں صاحب ذرا غور کرو وہ بیچارے گھر بار جورو بچے چھوڑ کر آپ کے پاس خدا کا نام سیکھنے آئے ہیں یا گھوڑے کی گھاس کھودنے۔ اگر تم کو نام خدا آتا ہو تو بتلا کر رخصت کرو ورنہ جواب صاف دے دو' وہ بیچارے تو تمہاری خدمت گزاری کریں اور تم کسی طرح ان پر شفقت نہ کرو یہ کیا آدمیت ہے.........''

۲۰۔ ایک روز ارشاد ہوا کہ جب ہم کرت پور میں گئے تو دیکھا کہ یکدم آ کر سجّادہ نشین صاحب نے حضرت احمد شاہ کے مزار کا طواف وسجدہ کیا ہم نے کہا کہ صاحب طواف وسجدہ تو یہاں ادا ہوا اگر حضرت غوث الاعظم کے مزار پر آپ ہوں تو وہاں کیا کیجیے گا اور حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے کیا باقی رکھا اور خدا سے تو کچھ مطلب ہی نہیں جس کے لیے کچھ ادب و تعظیم درکار ہو۔ وہ خفا ہو گئے اور بولے کہ میاں طالب علم حجتی ہوتے ہیں اسی واسطے ان کو فیض نہیں ہوتا ہم نے کہا کہ صاحب ایسے فیض کو ہمارا اسلام ہے کہ جس کے لیے خدا کو چھوڑ کر دوسرے کے سامنے سر جھکائیں اور توحید سے نکل کر شرک میں مبتلا ہوں۔

۲۱۔ ایک روز کسی شخص کا خط آیا جس میں قدم بوسی کا اشتیاق' ارادت کا اظہار اور بیعت کی درخواست تھی۔ اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ ان کو لکھ دو کہ پہلے ہم کو اپنے گھر کے کاروبار کی ایک فہرست بنا کر بھیج دیں یعنی بعد مرید ہونے

Marfat.com

کے جو جو کام ہم سے لینے ہوں ابھی سے ان کے لیے تیار ہو رہیں کیونکہ دنیاداروں کے پیر تو اسی مُصَرف کے ہوتے ہیں کہ ان کی نوکری چاکری کے لیے بال بچوں کے لیے صحت وتندرستی کے لیے دعا کریں۔

۲۲- ایک روز ارشاد ہوا کہ ایک دن ایک مولوی صاحب اپنے بیٹے کو مارتے ہوئے ہمارے پاس لائے اور کہنے لگے کہ حضرت اس اُلّو کے بیٹے کو آپ سمجھائیں' یہ پڑھتا نہیں۔ ہم نے کہا' مولوی صاحب آپ تشریف رکھیں' الو پٹھے دونوں کو ہم سمجھائے دیتے ہیں۔ حاضرین ہنسنے لگے مگر مولوی صاحب غصہ کی حالت میں کچھ نہ سمجھے۔

۲۳- ایک روز ارشاد ہوا کہ اگر درود وظائف پر روزی موقوف ہوتی تو دنیا میں مُلّاؤں کے برابر کوئی دولت مند نہ ہوتا بلکہ وظیفہ تو اس معاملے میں اور الٹا اثر کرتا ہے کیونکہ دنیا ایک میل کچیل ہے اور نامِ خدا صابون بھلا صابون سے میل کیونکر بڑھ سکتا ہے۔ تم نے کسی وظیفہ خواں کے ہاں ہاتھی گھوڑے بندھے نہ دیکھے ہوں گے بلکہ وظیفہ پڑھنے والے تو اکثر محتاج نظر آتے ہیں۔ خدا کا نام تو صرف اس لیے ہے کہ اس کی برکت سے دنیا کی محبت دور ہو جائے نہ اس لیے کہ آدمی دنیا میں زیادہ آلودہ ہو۔

۲۴- ایک روز ارشاد ہوا کہ سرونج میں ایک بڑھیا ہمارے پاس آئی اور اپنی بیٹی کے لیے تعویذ مانگا ہم نے فوراً لکھ دیا۔ بولی اس پر شہید صاحبہ آتے ہیں بہت تعویذ گنڈے کر چکی ہوں مگر کسی سے فائدہ نہیں ہوا۔ ہم نے تعویذ واپس لے لیا اور کہا کہ اری نیک بخت اچھا ہوا جو تو نے بتا دیا ورنہ رات کو شہید صاحب سے ہماری لڑائی ہوتی۔ وہ نہایت مِنّت سماجت کرنے لگی۔ ہم نے کہا کہ پہلے شہید کی نیاز کا سوا روپیہ' سوا سیر گھی' سوا سیر شکّر ایک تھان کپڑے کا لا پھر تعویذ ملے گا'

Marfat.com

چنانچہ وہ سب چیزیں لائی اور تعویذ لے گئی۔ دوسرے دن آ کر خبر دی کہ میاں صاحب خدا تمہارا بھلا کرے آج کی رات میری لڑکی نہایت آرام سے سوئی۔ ہم نے کہا کہ آرام کیوں نہ ہوتا' شہید کو تو ہم نے جانے نہیں دیا' تمام رات یہاں بیٹھا رہا۔ غرض اس نقد و جنس کا حلوا پکا کر یاران ہمسفر کو کھلایا اور تھان کے کپڑے بنوا دیے۔ سچ ہے اَلدُّنْیَا زُوْرٌ وَلَا یَحْصِلُ اِلَّا بِالزُّوْرِ اور جب تک کچھ لیا نہیں جاتا دنیاداروں کو یقین نہیں آتا ورنہ کون شہید اور کیسا تعویذ۔ یہ بھی اپنا خیال و وہم ہے کسی انگریز کے سر پر کبھی جنّ بھوت نہیں دیکھا حالانکہ ہندوستانیوں سے زیادہ وہ خوبصورت ہیں۔

اوپر کے اقتباسات سے شاہ غوث علی کے رجحان طبع' شگفتہ مزاجی اور ذہانت کا کسی قدر اندازہ کیا جا سکتا ہے لیکن اردو ادب میں تذکرۂ غوثیہ کا صحیح مقام متعیّن کرنے کے لیے اصل کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ شاہ غوث علی کے افکار و نظریات سے کسی کو لاکھ اختلاف ہو' اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ انیسویں صدی عیسوی کے ہندوستان کی ایک نہایت دلچسپ اور قدآور شخصیت تھے اور تذکرۂ غوثیہ میں ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور خیالات کی بڑی بے ساختگی سے عکاسی کی گئی ہے (کتاب کے آخر میں شاہ گل حسن نے اپنے حالات زندگی بھی قلمبند کر دیے ہیں۔) [1]

---

[1] سید گل حسن شاہؒ شمال مغربی صوبہ سرحد کے ضلع بنوں کے رہنے والے تھے۔ صحیح النسب سیدؒ تھے۔ ۱۲۶۰ھ مطابق ۱۸۴۴ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے اپنے بیان کے مطابق تیرہ برس کی عمر تک لہو و لعب کے سوا کوئی مشغلہ نہ تھا۔" والد ماجد نے یہ حال دیکھ کر مولوی عبدالغنی صدر مدرس اور مولوی احمد حسن نائب مدرس نارمل سکول کے پاس راولپنڈی بھیج دیا وہاں ایک سال کے بعد نارمل سکول کا امتحان پاس کر لیا اور بحیثیت مدرس ملازمت اختیار کر لی۔ دو سال بعد سوات جا کر اخوند عبدالغفورؒ کے مرید ہوئے پھر مزید پانچ سال ملازمت کرنے کے بعد استعفا دے دیا مگر یہ منظور نہ ہوا' دوبارہ سہ بارہ دیا مگر ہر بار نامنظور ہوا۔ ناچار چپ چاپ علم دین کے حصول کے لیے دشت نوردی کرتے ہوئے جھنگ پہنچے۔ چند دن کے بعد وہاں سے ملتان پاک پٹن حصار رہتک اور دہلی ہوتے ہوئے پانی پت پہنچے اور مولوی فتح محمد صدیقی سے عربی پڑھنے لگے۔ چھ سال تک کسب علم میں مصروف رہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

شاہ صاحبؒ کی خدمت میں غریب' امیر' عالم' جاہل ہر طبقے کے لوگ حاضر ہوتے رہتے۔کوئی زیارت اور ملاقات کے لیے' کوئی حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کے لیے' کوئی دعا کی خاطر یا تعویذ لینے کے لیے' کوئی وظیفہ پوچھنے کے لیے غرض ہر قسم کے غرض مندوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔شاہ صاحب کسی کو مایوس نہیں لوٹاتے تھے۔بہت کم ایسے لوگ ایسے ہوتے تھے جو ان کی مجلس سے مطمئن ہو کر نہ اٹھتے ہوں اگر کوئی پریشان حال شخص کسی سبب سے اپنی کیفیت یا اپنا حال دل بیان نہ کر سکتا تو اس کو بھی کوئی ایسا عمل بتا دیتے جس پر عمل کرنے سے اللہ کے فضل و کرم سے اس کی مصیبت دور ہونے کی صورت پیدا ہو سکتی تھی۔ایک دفعہ ایک مصیبت زدہ شخص شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔شاہ صاحبؒ نے اس سے پوچھا:

''بھائی کیا بات ہے' آپ کچھ پریشان نظر آتے ہیں؟

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہدایہ' تفسیر جلالین' بیضاوی' اصول شاشی' نورالانوار' مشکوٰۃ' شرح وقایہ' ملا حسن وغیرہ پڑھنے کے علاوہ کچھ حصہ بخاری شریف کا بھی پڑھا۔اس دوران میں سید غوث علی شاہؒ کی صحبت میسر آ گئی ان سے تربیت باطنی حاصل کرتے رہے۔۱۲۸۵ھ/۶۹-۱۸۶۸ء) میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔اس کے بعد ایک حج اور کیا۔دونوں بار مدینہ منورہ بھی گئے اور روضۂ نبوی پر حاضری دی۔چوتھے سال پانی پت واپس آ کر سید غوث علی شاہؒ سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہوئے۔دو سال کے بعد کابل چلے گئے اور دو سال اس ملک کی سیر و سیاحت میں مشغول رہے۔۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ء) میں پانی پت کو مراجعت کی اور سید غوث علی شاہ کے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے اور مرشد گرامی کی نگرانی میں ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے۔ان کو مرشد گرامی سے بے حد عقیدت اور محبت تھی۔ان کی خدمت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔یہی سبب تھا کہ ان کو مرشد گرامی کے معتمد خاص' خلیفہ اور دوسرے سجادہ نشین بننے کا مرتبہ حاصل ہوا۔ان کا حلقہ ارادت بھی بہت وسیع تھا۔۱۴ صفر ۱۳۳۸ھ (مطابق ۸ نومبر ۱۹۱۹ء) کو پانی پت میں ۸۰ سال کی عمر میں وفات پائی اور اپنے مرشد کے مزار سے متصل احاطہ میں مدفون ہوئے۔''تذکرۂ غوثیہ'' کے علاوہ ایک اور کتاب ''تعلیم غوثیہ'' بھی ان کی تالیف ہے۔

Marfat.com

اس نے کہا ''جی ہاں میں بہت پریشان ہوں مگر افسوس کہ اس کا سبب نہیں بتا سکتا۔''

شاہ صاحبؒ نے فرمایا: اچھا یہ بتایئے کہ میں آپ کے حق میں کیا دعا کروں؟

اس نے جواب دیا: ''جناب میں اسے بھی بیان نہیں کر سکتا۔''

شاہ صاحبؒ کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا:

''میں آپ کو ایک عمل بتاتا ہوں۔ یہ عمل کیجیے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو آپ کی ہر مصیبت دور ہو جائے گی۔ آپ ہر روز عشاء کی نماز کے بعد گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھیں۔ اس کے بعد اکیاون بار یہ آیت پڑھیں۔

لَا اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

اس کے بعد گیارہ مرتبہ پھر درود شریف پڑھیں اور جس مصیبت میں آپ مبتلا ہیں، اس سے نجات حاصل کرنے کی دعا مانگیں، اس عمل کو چند دن جاری رکھیں، اللہ نے چاہا تو آپ کی مصیبت دور ہو جائے گی۔ وہ شخص چلا گیا۔ چند دن کے بعد وہ خوش خوش دوبارہ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور بتایا کہ آپ نے جو کچھ فرمایا تھا، میں نے اسی کے مطابق عمل کیا، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے میری مصیبت دور کر دی اور میری پریشانی جاتی رہی۔

رحمتہ اللہ علیہ

Marfat.com

شیخ محمد بن عبداللہ الحسنؒ

ملائے سومالی لینڈ

(۱)

یہ داستانِ جہاد ہے مُلّائے سومالی لینڈ کی...... جو ایک مردِ غیور تھا۔

تہذیب حاضر کی لعنتوں سے دور افتادہ...... افریقہ کے تپتے ہوئے صحرا بے شمار ایسے مردانِ غیور کی پُر عظمت اور جرأت آموز داستانوں کے حامل ہیں جن کے کارناموں پر تاریخ صدیوں تک سر دھنتی رہے گی۔

ہاں وہ تپتے ہوئے صحرا جہاں میلوں تک جھلستی ہوئی ریت ہے اور کہیں آب و گیاہ کا نام ونشان تک نہیں' انہی صحراؤں میں خدائے حیؒ و قیوم نے ایسے مردان اولوالعزم پیدا کیے جنہوں نے صرف اپنے اللہ پر بھروسا کیا' اسی کے آگے سر جھکایا اور اسی کی مدد سے بڑی بڑی مہیب طاغوتی طاقتوں کو سرنگوں کر دیا' ہاں! طرابلس کے شیخ سنوسی' سوڈان کے مہدی' الجزائر کے عبدالقادر' ریف کے عبدالکریم اور اسی طرح کے بے شمار مردانِ غیور کی داستانیں ایسی نہیں کہ آسانی سے بھلائی جاسکیں' ان صحراؤں کا چپہ چپہ بظاہر خشک لیکن بباطن آسمانی خون کا سمندر جذب کیے ہوئے ہے' یہ خون ان علمبردارانِ حق کا ہے' جنہوں نے استبداد اور طاغوت کی طاقتوں کو شکست دینے اور

Marfat.com

عَلَمِ اسلام کو بلند رکھنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی' یہ خون ان علمبرداران باطل کا بھی ہے جو اپنے شیطانی منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی خاطر سرورِ کونین ؐ کے نام لیواؤں کے منہ آئے اور انہی کے ہاتھوں جہنم واصل ہوئے' انہی تپتے ہوئے صحراؤں میں ایک ایسے مردِ مجاہد کی داستان جہاد بھی پوشیدہ ہے' جس سے پاکستان کے بہت کم مسلمان آگاہ ہیں۔

ہماری مراد سومالی لینڈ کے مجاہد اعظم حضرت سید محمد بن عبداللہ الحسن ؒ سے ہے۔ قلم کو یارا نہیں کہ اس مردِ مجاہد کی داستانِ جہاد کا پورا خاکہ کھینچ سکے۔ وہ عالم باعمل' وہ پیکر حریت' وہ علمبردار حکومت الٰہیہ...... افسوس کہ دنیا اس کے بعد بھی اس کے کارناموں سے آشنا نہیں ہوئی' وہ جس کے کارناموں کا پایہ قرون اولیٰ کے مجاہدین کی تگ وتاز سے لگا کھاتا ہے...... وہ جس کی مجاہدانہ للکار نے استعمار فرنگ کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں وہ جس نے اپنی ساری متاع حیات حکومت الٰہیہ کے قیام پر صرف کر دی...... وہ جس نے مسلسل بیس سال محض اللہ کے بھروسے پر اتنی خوفناک طاقتوں سے ٹکر لی' جن کے سامنے بڑی بڑی باجبروت سلطنتیں سرنگوں تھیں اور جن کے جھنڈوں کے ابلیسی پھریرے بڑی شان سے دنیا کے ایک وسیع ترین حصے پر لہرا رہے تھے...... افسوس کہ آج اس کے نام کو بھی یہاں جاننے والے خال خال نظر آتے ہیں۔ یہاں ہم قارئین کرام کو اس غیر معروف میدانِ جہاد کا حال بتائیں گے جو چند بے سروسامان غازیوں کے نعرہ ہائے جہاد سے مسلسل بیس سال تک گونجتا رہا' ان غازیوں کے...... جن کے پاس ٹوٹی پھوٹی تلواروں' برچھیوں' اپنی گاڑھے پسینے کی کمائی سے خریدی ہوئی' یا دشمن سے اپنی قوتِ بازو کے بل پر چھینی ہوئی بندوقوں اور قوتِ ایمان کے سوا کچھ نہ تھا۔

Marfat.com

(۲)

سومالی لینڈ

سومالی لینڈ برِاعظم افریقہ کے شمال مشرقی گوشہ میں تین لاکھ بیس ہزار مربع میل پر پھیلا ہوا ایک وسیع قطعۂ زمین ہے' اسے افریقہ کا سینگ کہا جاتا ہے' دوسری جنگِ عظیم سے پہلے اٹلی' فرانس اور برطانیہ نے اس پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا۔ اس جنگ نے جہاں کئی قوموں کی قسمتیں بدل ڈالیں وہاں سومالی لینڈ بھی منزلِ آزادی کی طرف گامزن ہوگیا۔ آج سے کوئی سو سال قبل جس زمانہ سے مُلّائے سومالی لینڈ کی داستانِ جہاد وابستہ ہے' سومالی لینڈ کو چار طاقتوں یعنی اٹلی' برطانیہ' فرانس اور حبش نے تقسیم کر رکھا تھا اور اس تقسیم کی صورت یہ تھی:

مشرقی ساحل سے لے کر اندرونِ ملک تک	اٹلی
شمالی حصہ	برطانیہ
مغربی حصہ	فرانس
جنوب مغربی حصہ	حبش

سومالی لینڈ کے ساحلی علاقے ریگستانی اور بالکل بنجر ہیں' اس کے بعد پہاڑی علاقہ ہے جہاں شدید گرمی پڑتی ہے' وسطی علاقہ میں البتہ نخلستان' چراگاہیں اور کنوئیں وغیرہ پائے جاتے ہیں' لوگوں کا پیشہ بھیڑ' بکریاں اور اونٹ پالنا ہے' لوگ بے حد غریب ہیں اور بڑی تنگدستی کے ساتھ گزر اوقات کرتے ہیں۔ یہ لوگ خالص عربی النسل ہیں۔ ان کی شکل وشباہت اور رنگ اپنے پڑوسی حبشیوں سے بالکل جدا ہے۔ یہ لوگ محنتی اور جفاکش ہوتے ہیں' بڑی سے بڑی مصیبت اور بھوک پیاس کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں۔ اپنے مذہب (اسلام) کے بڑے پابند

Marfat.com

ہوتے ہیں' عام طور پر ان لوگوں کا قیام کسی ایک جگہ نہیں ہوتا' خانہ بدوشوں کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ لوگ انفرادی اور اجتماعی طور پر مالِ طیّب اور قوتِ لایموت کے حصول کی خاطر دُور دراز کے سفر بھی کر لیتے ہیں۔

سومالی لینڈ کی ابتدائی تاریخ

افریقہ کے اس سینگ کے متعلق ساتویں صدی عیسوی سے پہلے کے حالات پر تاریخ کچھ روشنی نہیں ڈالتی۔ ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں عربوں کی نظریں اس قطعۂ زمین پر پڑیں۔ انہوں نے اس پر مسلسل حملے کر کے اپنے زیر نگیں کر لیا' اور ان کے کئی قبائل یہاں ہی آباد ہو گئے۔ موجودہ سومالی لینڈ کے باشندوں کی رگوں میں انہی فاتح عربوں کا خون دوڑ رہا ہے۔ ۱۵۰۰ء میں ترکوں نے سومالی لینڈ پر یورش کی اور یہاں کی ایک بندرگاہ زیلغ پر قبضہ کر لیا لیکن چند سال کے بعد پرتگیزوں کے زبردست بحری بیڑے نے اس بندرگاہ کو تباہ کر دیا۔ اس کے بعد کافی مدت تک سومالی لینڈ ...... والیِ یمن اور شریفِ مکّہ کے زیرِ اقتدار رہا' اس کے بعد سومالی لینڈ ایک حد تک خودمختار ہو گیا ہر ایک قبیلہ یا دو تین قبیلے مل کر اپنا ایک امیر منتخب کر لیتے تھے۔ ۱۸۳۹ء میں برطانیہ عدن پر قابض ہوا تو اس وقت سومالی لینڈ خودمختار ہی تھا۔ عدن کی بندرگاہ کے ساتھ سومالی لینڈ کا بڑا تعلق تھا' کیونکہ سومالی لوگ اپنا تمام تجارتی کاروبار اسی بندرگاہ کے ذریعے کرتے تھے' چنانچہ برطانیہ کو عدن پر اپنا پنجہ مضبوط کرنے اور اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لیے سومالی لینڈ کی طرف رجوع کرنا پڑا اور اس نے یہاں کے لوگوں سے ان کے بااثر شیوخ قبیلہ کی معرفت چند تجارتی معاہدے کر لیے۔

۱۸۷۴ء میں سومالی لینڈ کے ساحلی علاقے پر خدیوِ مصر اسمٰعیل اوّل نے سلطانِ ترکی سے اجازت لے کر قبضہ کر لیا لیکن ۱۸۸۴ء میں جب مہدی سوڈانی کا ظہور ہوا

Marfat.com

تو حکومتِ مصر اپنی تمام تر توجہ اسی کی طرف منعطف کرنے پر مجبور ہوئی اور اس نے سومالی لینڈ کے ساحلی علاقے سے اپنا قبضہ اٹھالیا۔ حکومتِ مصر کے قبضہ اٹھاتے ہی برطانیہ نے میدان بالکل صاف پایا اور سومالی لینڈ کی مشہور بندرگاہ بربرہ پر قبضہ کرلیا اور اپنے دندانِ آز اس غریب ملک پر تیز کرنے شروع کر دیے۔ سومالی لینڈ کے ایک خاص حصے پر برطانیہ کا اثر ورسوخ تو پہلے ہی کافی تھا لیکن ۱۸۹۸ء میں برطانیہ کے اربابِ حل وعقد نے فیصلہ کیا کہ سمالی لینڈ کو مکمل طور پر اپنے زیرِ اقتدار کیا جائے۔ عین اسی وقت جب برطانیہ ایک آزاد اور غیور قوم کے گلے میں غلامی کا پھندا ڈالنے کے لیے اسے طلسمِ سامری سے مسحور کرنے کی کوشش کر رہا تھا' سومالی لینڈ کے تپتے ہوئے صحراؤں سے ایک مردِ غیور اٹھا اور للکارا کہ خبردار ہم آزاد ہیں اور آزاد رہیں گے۔ ہماری آزادی میں مت دخل دو ورنہ ہم کٹ مریں گے۔ خدا اور رسول کے دشمنوں کی اطاعت ہم کبھی قبول نہیں کریں گے۔ اس مردِ مجاہد نے جو نعرہ بلند کیا' زندگی کے آخری سانس تک اس کے ساتھ نباہ کیا...... جو علم بلند کیا...... دمِ واپسیں تک اسے سرنگوں نہ ہونے دیا۔

(۳)

مردِ مجاہد

یہ مجاہد سید محمد بن عبداللہ الحسنؒ تھے۔ ان کی ابتدائی زندگی کے حالات کوشش کے باوجود نہیں مل سکے' البتہ ان کے بعد کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے' انہوں نے بچپن میں اچھی خاصی دینی تعلیم حاصل کی اور ان کی پرورش بڑے آزادانہ اور اسلامی ماحول میں ہوئی۔ بہرحال انیسویں صدی کے آخر میں سید محمد (جو ملائے سومالی لینڈ کے نام سے مشہور ہیں) منظرِ عام پر آچکے تھے۔ سومالی لینڈ کے اکثر قبیلے ان کے سلسلۂ طریقت میں

Marfat.com

منسلک ہو چکے تھے اور جو نہیں ہوئے تھے' وہ بھی ان کے زہد و تقویٰ اور دوسری بے شمار خوبیوں کی وجہ سے ان کا بیحد احترام کرتے تھے۔ مُلّا صاحب شب و روز سومالی لینڈ کے لوگوں کو ارکانِ اسلام کی پابندی کی تلقین کرتے رہتے تھے اور تمام خلافِ شریعت کاموں سے انہیں منع فرماتے تھے' ان کے حلقۂ ارادت میں جو لوگ شامل تھے وہ شرعی احکام پر سختی سے عمل کرتے تھے اور منشّیات کے نزدیک تک نہیں پھٹکتے تھے' مُلّا صاحب کے ارشادات کی بدولت ہر طرف قَالَ اللّٰہُ وَقَالَ الرَّسُوْل کا سلسلہ جاری ہو گیا اور قبائل کی باہمی خانہ جنگیاں یکسر موقوف ہو گئیں' غرض مُلّا صاحب اس وقت سومالی لینڈ میں ایک مقتدر حیثیت رکھتے تھے۔

ابلیس کی انگڑائیاں

عین اس وقت جب یہ پاکباز شخصیت خاموشی اور امن کے ساتھ سومالی لینڈ کو رُشد و ہدایت کے نور سے منور کر رہی تھی' برطانوی شہنشاہیت کے دل میں ابلیسی ولولے پیدا ہونے شروع ہوئے۔ سید محمدؒ کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ نے اسے چوکنا کر دیا اور اس نے ان کے اثر و رسوخ کو زائل کرنے اور سومالی لینڈ پر اپنا مکمل تسلّط جمانے کے لیے تگ و دو شروع کر دی۔ اس کا آغاز یوں ہوا کہ بہت سے پادریوں پر مشتمل ایک برطانوی مشن سومالی لینڈ بھیجا گیا جس نے وہاں کے بعض جاہل باشندوں کو ترغیب و تحریص اور دوسرے ناجائز طریقوں سے عیسائی بنانا شروع کر دیا۔ جب سید محمدؒ کو اس کی اطلاع ہوئی تو ان کا خون کھول اٹھا' عیسائیت کے سیلاب کو روکنے کے لیے انہوں نے اپنی تبلیغی سرگرمیاں بے حد تیز کر دیں' نتیجتاً اس عیسائی مشن کے خلاف سارے سومالی لینڈ میں حقارت اور نفرت کی آگ بھڑک اٹھی۔ برطانیہ سارے حالات پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھا۔ اس کے دل میں سومالی لینڈ پر مکمل قبضہ جما لینے کی خواہش رہ رہ کر چٹکیاں لے رہی تھی۔ برطانیہ کے مکّار مُدبّرین

Marfat.com

عیسائی مشن کی ناکامی اور نامرادی سے اپنے ناکام عزائم کو مخفی نہ رکھ سکے' انہوں نے سومالی لینڈ کے امن پسند باشندوں کو بزورِ شمشیر غلام بنانے کی ٹھان لی۔ چنانچہ ۱۸۹۹ء میں برطانوی ملوکیت کا بھوت ننگا ہو کر ناچ اٹھا۔ سب سے پہلے برطانوی قونصل نے مُلّا صاحب کو ایک دو خطوط روانہ کیے جن میں ان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اور ان کے پیرو قبائل اپنے ہتھیار برطانوی حکام کے حوالے کر دیں' اس کے ساتھ ہی انہیں مرعوب کرنے کے لیے بربرہ کی بندرگاہ پر دو جنگی جہاز بھیج دیے' لیکن مُلّا صاحب پر ان اقدامات کا ذرّہ برابر بھی اثر نہ ہوا' ان کے آدمیوں کے پاس ٹوٹے پھوٹے معمولی ہتھیار تو ضرور تھے مگر ان کی حق پرست اور غیور طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ وہ فرنگی استعمار کے سامنے سربسجود ہو جائیں' انہوں نے ہتھیار دینے سے صاف انکار کر دیا۔

آغازِ جنگ

مُلّا صاحب کے ساتھ خط و کتابت تو محض ایک بہانہ تھی' برطانیہ کے مکار مدبرین دراصل اپنی ہولناک فوجی قوت کے استعمال کے لیے کوئی حیلہ تلاش کر رہے تھے چنانچہ انہوں نے مُلّا صاحب کے باغی ہونے کا اعلان کر دیا اور ان سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی' سب سے پہلے انہوں نے حکومتِ حبش کو اکسایا کہ وہ مُلّا صاحب اور ان کے حامیوں کا قلع قمع کر دے۔ حکومتِ حبش نے ''تعمیلِ ارشاد'' کرتے ہوئے مُلّا صاحب کے مریدوں کی پُرامن جمعیتوں پر حملے شروع کر دیے اور انہیں کافی مالی و جانی نقصان پہنچایا' مُلّا صاحب اور ان کے حامی پہلے تو حبش کی فوجوں کو ڈھیل دیتے رہے لیکن آخر حبش کے ظلم و بربریت کا استیصال کرنے کے لیے انہوں نے ہتھیار اٹھا ہی لیے...... جیفہ کے مقام پر مُلّا صاحب کے مجاہد درویشوں اور حبشہ کی فوجوں میں ایک خونریز جنگ ہوئی جس میں حبشہ کو شکستِ فاش ہوئی اور اس کی فوجیں شدید

Marfat.com

نقصان اٹھا کر تتر بتر ہو گئیں...... حبش کی شکست نے برطانیہ کے اندازے غلط ثابت کر دیے اور برطانوی حکومت کے ناخدا جھلّا اٹھے انہوں نے مُلّا صاحب پر پوری قوت سے حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔

(۴)

برطانیہ کی پہلی جنگی مہم

۱۹۰۰ء کے آخر میں لیفٹیننٹ کرنل سوین کی سرکردگی میں ایک لشکرِ جرّار نے بربرہ کی بندرگاہ کے رستے سومالی لینڈ کے بے سروسامان مجاہد پر یلغار کر دی۔ اس لشکر میں پنجاب کی کئی سکھ پلٹنیں، گورا فوجیں اور سومالی لینڈ کے کئی "وفادار" قبائل (جو سید محمدؒ صاحب کے حلقۂ ارادت سے باہر تھے) شامل تھے۔ اس لشکر کے ساتھ بڑا بھاری توپ خانہ اور ہر قسم کے جدید آلاتِ حرب وضرب تھے...... ادھر مُلّا صاحب یہ سب کچھ دیکھتے تھے، اور اپنے مولائے کریم سے کُفّار کے شرّ سے بچانے کی دعا مانگتے تھے، ان کے پائے استقلال ذرّہ برابر بھی نہ لڑکھڑائے۔ وہ اپنے درویشوں کو اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔ ان مجاہد درویشوں نے بھی (جن کی تعداد محض چند ہزار تھی) اپنی جانیں اللہ کی راہ میں وقف کر دی تھیں، انہوں نے تہیّہ کر لیا تھا کہ بچہ بچہ کٹا دیں گے لیکن کفار کی غلامی قبول نہیں کریں گے۔ وہ جوشِ جہاد میں اس قدر بے قرار ہو گئے کہ نتائج وعواقب سے بے پروا ہو کر انہوں نے خود برطانوی لشکر پر حملہ کرنے کی ٹھان لی چنانچہ دو تین ہزار درویشوں کا ایک لشکر (جن میں اکثریت محض برچھیوں سے مسلح تھی) اللہ اکبر کے نعرے لگاتی سامالہ کے مقام پر برطانوی فوجوں پر ٹوٹ پڑی اور توپوں کے منہ میں مردانہ وار گھس گئی۔ برطانوی لشکر کو اگرچہ یہاں کافی نقصان اٹھانا پڑا لیکن ان کی زبردست آتش باری نے انہیں شکست سے بچا لیا۔

Marfat.com

درویشوں کا لشکر یہاں سے ہٹ کر مختلف مقامات میں پھیل گیا اور ان کے منتشر جتھوں کی برطانوی لشکر سے گاہے گاہے جھڑپیں ہوتی رہیں۔ آخر کار فردالدین کے مقام پر مُلّا صاحب نے اپنی قوت مجتمع کر کے برطانوی افواج سے ایک خونریز جنگ لڑی۔ اس جنگ میں درویش اس جرأت اور جذبہ کے ساتھ لڑے کہ برطانیہ کی قاہر فوج نے باوجود اپنے تمام اعلیٰ ہتھیاروں اور توپخانہ کے بری طرح شکست کھائی اور یہاں سے پسپا ہو کر پیچھے لوٹ آئی۔ اس جنگ کے ساتھ ہی برطانیہ کی پہلی جنگی مہم کا خاتمہ ہو گیا۔

مجاہدینِ سومالی لینڈ پر برطانیہ کا دوسرا حملہ

جب انگلستان میں بے سروسامان اور فاقہ منش درویشوں کے ہاتھوں برطانوی افواج کی ہزیمت کی خبریں پہنچیں، تو برطانیہ کے طول وعرض میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی اور برطانوی حکومت نے سومالی لینڈ کو دوسری جنگ مہم بھیجنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

۱۹۰۲ء کے موسم گرما میں کرنل سوین ہی کے زیرِ کمان ایک زبردست برطانوی فوج مُلّا صاحب اور ان کے درویشوں کو صفحۂ ہستی سے نابود کرنے کے لیے سومالی لینڈ پر حملہ آور ہوئی۔ مُلّا صاحب بھی اب چوکنے ہو گئے تھے۔ انہوں نے سومالی لینڈ کے تمام فدائیانِ اسلام کو جمع کیا اور ان کے سامنے ایک پُرجوش خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

> "ہم نے انگلستان کا کچھ نہیں بگاڑا، لیکن یہ لوگ پہلے تو بلاوجہ ہمارے مذہب میں دخل اندازی کرتے رہے اور اس کے بعد نہایت ظالمانہ انداز میں ہمارے ملک پر حملہ کر دیا، اے اسلام کے فرزندو! اگر تم نے اس بدباطن قوم کی غلامی کا پھندا اپنی گردن میں ڈال لیا، تو ہمیشہ

Marfat.com

کے لیے مٹ جاؤ گے۔ اٹھو اور میدانِ جہاد میں سرگرم وغا ہو جاؤ' ذاتِ باری تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔''

فقر اور ایمان کی دولت سے بہرہ ور درویشوں کے دلوں میں اس خطبہ سے آگ بھڑک اٹھی اور انہوں نے تہیہ کر لیا کہ ہر قیمت پر پرچمِ حریّت کو بلند رکھیں گے۔ ان کی تعداد کا اندازہ تقریباً دس ہزار تھا' جن میں صرف ڈیڑھ دو ہزار جوان بندوقوں سے مسلّح تھے' ملّا صاحب کے زیرِ ہدایت اس لشکر نے اس طرح نقل و حرکت شروع کی کہ برطانوی فوجیں ان پر حملہ آور ہونے کا کوئی موقع نہ پاتی تھیں' چار مہینے تک درویش برطانوی فوجوں کو طرح دیتے رہے۔ آخر ۱۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو اریفو کے مقام پر درویشوں اور انگریزی افواج میں مڈبھیڑ ہو گئی اور دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کا رَن پڑا۔ برطانوی توپخانے اور دوسرے آٹومیٹک ہتھیاروں کے مقابلے میں درویش بڑی بے جگری سے لڑے' سارا دن اریفو کا میدان توپوں کی گرج اور بندوقوں کی آواز سے گونجتا رہا۔ درویش اللہ اکبر کے نعرے لگاتے اور اپنے نیزے ہوا میں ہلاتے بیباکانہ توپوں کے منہ میں گھس جاتے تھے' اس طرح یا تو وہ رتبہ شہادت حاصل کر لیتے تھے یا توپچیوں کو جہنّم واصل کر کے توپیں بیکار کر دیتے تھے' زخمیوں کی چیخ۔ پکار' گھوڑوں کے ہنہنانے اور اونٹوں کے بلبلانے سے ہر طرف شورِ محشر برپا تھا' شام تک انگریزی لشکر کے دانت کھٹے ہو گئے اور اس نے ان بے سروسامان درویشوں کے مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے رات کی تاریکی میں راہِ فرار اختیار کی۔ انگریزی لشکر کے بیسیوں افسر اور سینکڑوں سپاہی اس معرکہ میں کام آئے۔ ہزیمت خوردہ برطانوی لشکر ایسا حواس باختہ ہوا کہ وہ اپنی پچھلی چوکیوں کا راستہ بھی بھول گیا۔ کئی دن تک جنگلوں کی خاک چھاننے کے بعد نہایت خستہ حالت میں وہ بھوال

Marfat.com

پہنچا' جو ایک انگریزی چوکی تھی۔

سومالی لینڈ کی سرزمین پر صلیب وہلال کی تیسری آویزش

اریگو میں برطانوی فوجوں کی شکست کی خبرِ وحشت اثر انگلستان پر بجلی بن کر گری۔ مُلّا صاحب کو آج تک وہ بہت کم اہمیت دیتے تھے' لیکن اب ان کی آنکھیں کھلیں کہ یہ سادہ اور غریب سی شخصیت ایک کوہِ گراں ہے۔ "شیرِ برطانیہ" نے انگڑائی لی...... اپنی قاہر طاقت کو جانچا...... اور تیسری مرتبہ پوری تندی و تیزی کے ساتھ سومالی لینڈ پر جھپٹ پڑا۔ اب برطانوی افواج کی کمان کرنل سوین سے لے کر جنرل فینگ کے سپرد کی گئی' جو ایک آزمودہ کار ماہرِ جنگ تھا۔ یہ یلغار بڑے اہتمام سے کی گئی' اٹلی اور حبش کی حکومتوں نے بھی اس "کارِ خیر" میں برطانیہ کا ہاتھ بٹانے کا وعدہ کیا۔ برطانوی افواج میں سکھوں' بیکانیریوں اور دوسرے ہندوستانی سپاہیوں کی کئی کمپنیاں بھی شامل تھیں۔ یہ لشکر طوفان کی طرح سومالی لینڈ پر شمال' جنوب مشرق اور جنوب مغرب تین اطراف سے حملہ آور ہوا۔ مُلّا صاحب اور ان کے درویش سومالی لینڈ کے جنوبی حصے میں گھر گئے لیکن ان کی نقل و حرکت اور مرکز کا پتہ لگانے میں برطانوی فوج کے تینوں حصے ناکام رہے' کبھی خبر ملتی تھی کہ مُلّا صاحب غلاوی کے مقام پر ہیں' کبھی پتا چلتا تھا کہ وہ دلوال کے مقام پر ہیں۔ غرض کبھی کچھ اور کبھی کچھ اطلاع ملتی تھی' لیکن صحیح مقام کا تعین نہ ہوتا تھا۔ سب سے بڑی مشکل راستوں کی خرابی اور گھنی جھاڑیوں کی موجودگی تھی۔

بالآخر کرنل کوبے کے زیرِ کمان ایک لشکر نے جنوبی سومالی لینڈ میں درویشوں کے مرکز کا سراغ لگانے کے لیے پیشقدمی شروع کر دی۔ یہ لشکر ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء کو

Marfat.com

جب غجرو کے مقام پر پہنچا تو یکا یک اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے سینکڑوں درویش جھاڑیوں کے پیچھے سے نکل کر اس پر ٹوٹ پڑے۔ کرنل کوبے نے مرکز سے فوراً کمک طلب کی لیکن پیشتر اس کے کہ یہ مدد پہنچے درویش سارے لشکر کی تکا بوٹی کر چکے تھے' جب امدادی فوج پہنچی تو سرفروش درویش اس پر بھی پل پڑے اور یہ تمام فوج بھی باوجود اپنی اعلیٰ تربیت اور اسلحہ کے موت کے گھاٹ اتر گئی۔ دونوں برطانوی فوجوں کا سارا سامان درویشوں کے ہاتھ لگا اور ان کی طاقت پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی۔ جب اس شکست کی خبریں برطانوی ہیڈ کوارٹر میں پہنچیں تو شمالی فوج کو درویشوں کی طرف پیشقدمی کرنے کا حکم ملا۔ ۲۳ اپریل ۱۹۰۳ء کو دارِ طلحہ کے مقام پر درویشوں اور برطانوی فوج میں ایک خونریز جنگ ہوئی' جس میں درویشوں کی جانبازی اور سرفروشی کی بدولت برطانوی لشکر کو پھر ناکامی اور نامرادی کا منہ دیکھنا پڑا اور وہ رات کو پیچھے ہٹ آیا' ان شکستوں نے برطانوی فوجوں کی کمر توڑ دی اور انہیں مُلّا صاحب کے درویشوں سے خوف محسوس ہونے لگا' لیکن حکومتِ برطانیہ بے سروسامان درویشوں سے کب ہار مانتی تھی۔ اب اس نے ایک اور جرار لشکر میجر جنرل ایجرٹن کی زیرِ سرکردگی درویشوں کا قلع قمع کرنے کے لیے سومالی لینڈ روانہ کیا۔

درویشوں اور برطانیہ کی چوتھی ٹکر

میجر جنرل ایجرٹن نے اب درویشوں سے نپٹنے کے لیے غیر معمولی انتظامات کیے' اطالوی سومالی لینڈ کی بندرگاہ ادبیہ اور برطانوی بندرگاہ بربرہ پر کثیر التعداد فوجیں اتاری گئیں اور جنگی سامان' رسد اور اونٹوں وغیرہ کا خوب اہتمام کیا گیا۔ اس لشکر کو جگہ جگہ بے سروسامان درویشوں کی بکھری ہوئی ٹولیوں سے لڑنا پڑا جس سے اسے بے حد جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا لیکن آخر ایک بڑی جنگ میں انگریزی توپ خانہ کی بے پناہ آتش باری کی وجہ سے درویش اطالوی سومالی لینڈ کی مشرقی بندرگاہ

Marfat.com

ایلغ کی طرف پسپا ہو گئے۔ انگریزوں نے حکومتِ اٹلی سے اجازت لے کر جنگی جہازوں کے ذریعے ایلغ کے قریب اپنی فوجیں اتار دیں۔ اب مُلّا صاحب اور ان کے درویش سومالی لینڈ کے اندرونی حصے میں چلے گئے۔ انگریزی فوجیں بھی اب جنگ سے تنگ آ چکی تھیں' ان کے کئی بڑے بڑے افسر مارے جا چکے تھے اور لاکھوں روپیہ روزانہ صرف ہو رہا تھا۔ انہوں نے مُلّا صاحب سے مزید چھیڑ چھاڑ مناسب نہ سمجھی اور یوں برطانیہ کی اس چوتھی مہم کا خاتمہ ہو گیا۔ ۱۹۰۶ء کے آخر میں اطالوی سومالی لینڈ کی ایک دوسر کردہ شخصیتوں کی وساطت سے سید محمد بن عبداللہؒ اور انگریزوں کے درمیان ایک معاہدہ ہو گیا جس کی رُو سے اندرون ملک کے قبائل کو آزاد اور خودمختار تسلیم کر لیا گیا اور سومالی لینڈ کے باشندوں کو اسلحہ اور غلاموں کی تجارت کے سوا ہر قسم کی تجارت کی آزادی دے دی گئی اور اندرون ملک کے تمام قبائل پر مُلّا صاحب کا اقتدار تسلیم کر لیا گیا۔

(۵)

برطانیہ کی عہد شکنی اور دوبارہ جنگ کا آغاز

یہ عارضی صلح تین سال تک رہی۔ اس دوران میں مُلّا صاحب کا اثر و رسوخ بے حد ترقی کر گیا اور کئی قبائل جو پہلے برطانیہ کے وفادار تھے مُلّا صاحب کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ یہ تمام قبائل اطالوی اور برطانوی بندرگاہوں پر تجارت کرنے میں آزاد تھے۔ تجارت کی بدولت ان کی دنیاوی حالت میں تبدیلی ہونے لگی اور وہ نسبتاً خوشحال نظر آنے لگے۔ برطانیہ کے کان پھر کھڑے ہوئے۔ وہ مُلّا صاحب اور ان کے قبائل کا درپردہ سخت دشمن تھا اور پچھلی لڑائیوں کے انتقام کی آگ اس کے دل میں سلگ رہی تھی' وہ انہیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتے کب دیکھ سکتا تھا۔ چنانچہ ۱۹۰۸ء میں اس نے پھر مُلّا صاحب سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ پہلے تو ان کے چند ساتھی بلا وجہ

Marfat.com

گرفتار کر لیے' پھر ان کی ایک تجارتی کشتی گرفتار کر لی۔ مُلّا صاحب کو برطانیہ کی اس عہد شکنی پر سخت غصہ آیا تاہم انہوں نے پہلے تو برطانوی کمشنر کے پاس پُرامن طریق پر ان امور کے خلاف احتجاج کیا لیکن جب فرعون مزاج کمشنر نے احتجاج کا جواب تک نہ دیا تو سومالی لینڈ کے اس مجاہدِ اعظم کی شمشیرِ خارا شگاف پھر میان سے نکل آئی۔ درویشوں کے جتھوں نے جگہ جگہ برطانوی چوکیوں پر حملہ شروع کر دیے۔ اب برطانیہ کی آنکھیں کھلیں اور اس نے سومالی لینڈ کو ایک مصالحتی کمیشن روانہ کیا۔ اس کمیشن نے سومالی لینڈ پہنچتے ہی مُلّا صاحب کو ایک طویل خط لکھا جس میں ان سے درخواست کی کہ متنازع فیہ امور کا فیصلہ گفت و شنید کے ذریعے کر لیا جائے۔ مُلّا صاحب جیسے سیدھے سادھے مردِ مومن کو اس میں کیا عذر تھا' وہ جھٹ مان گئے اور اپنے نمائندے گفت و شنید کے لیے انگریزی کمیشن کے پاس بھیج دیے لیکن بڑی کوششوں کے باوجود یہ گفتگوئے مصالحت کامیاب نہ ہو سکی۔ اب برطانیہ نے درویشوں کے خوف سے سومالی لینڈ کی تمام برطانوی چوکیوں کو بڑی تیزی سے خالی کرنا شروع کر دیا۔ یہ ساری فوج بربرہ کی بندرگاہ میں جمع ہو گئی اور سارا اندرونِ سومالی لینڈ برطانوی لشکر سے خالی ہو گیا۔ برطانیہ نے اب اپنی پالیسی میں تبدیلی پیدا کر لی۔ اس نے اپنی مشہور چال ''پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو'' پر عمل کرنے کی ٹھانی' اس نے محض ساحلی علاقے پر اپنا اقتدار قائم رکھا اور اس کے ساتھ ساتھ جتنے قبائل تھے انہیں اپنا حلیف بنا لیا۔ برطانوی حکام کے اشارے سے یہ قبائل وقتاً فوقتاً مُلّا صاحب کے علاقے پر چھاپے مارتے تھے۔ مُلّا صاحب اپنے گمراہ بھائیوں سے الجھنا تو نہیں چاہتے تھے لیکن جب انہوں نے حد سے زیادہ پریشان کیا تو (۱۹۱۳ء میں) انہوں نے اپنے درویشوں کو ان کی گوشمالی کرنے کی اجازت دے دی۔ مجاہد درویشوں نے برطانیہ کے تمام حلیف قبائل کو براؤ کے مقام پر شکستِ فاش دی اور ان

Marfat.com

کے بہت سے مویشی چھین لیے۔ ان قبائل نے اب برطانیہ سے مدد مانگی۔ برطانیہ نے ایک طاقتور شتر سوار پلٹن درویشوں کے مقابلے کے لیے بھیجی۔ جانباز درویشوں نے ایک خونریز جنگ کے بعد اس پلٹن کو بری طرح شکست دی۔ وہ اپنا بے شمار مال و اسباب اور لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ اس فتح سے درویشوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے اور انہوں نے برطانوی ہیڈ کوارٹر بربرہ تک چھاپے مارنے شروع کر دیے۔ اب برطانیہ نے سومالی لینڈ پر ایک بہت بڑی عسکری یلغار کی تیاریاں شروع کر دیں لیکن یکا یک ۱۹۱۴ء میں جنگِ عظیم شروع ہو گئی اور اس نے اپنا تمام لشکر سوائے چند حفاظتی دستوں کے سومالی لینڈ سے واپس بلا لیا۔

(۶)

جنگِ عظیم کے بعد

جنگِ عظیم کے دوران میں مُلّا صاحب اور برطانوی فوجوں میں کوئی بڑا تصادم نہ ہوا لیکن جنگِ عظیم کے بعد برطانیہ نے کئی بمبار طیاروں اور دوسرے جدید ترین آلاتِ حرب و ضرب سے مسلّح ہو کر ایک زبردست لشکر کے ساتھ سومالی لینڈ کے مجاہد درویشوں پر چڑھائی کر دی۔ ۱۹۲۰ء کے آغاز میں برطانوی طیاروں نے نہتّے اور پُرامن درویشوں پر ہولناک بمباری شروع کر دی۔ ان سیدھے سادھے فقیر منش لوگوں نے کبھی ہوائی جہاز کی شکل نہ دیکھی تھی وہ اس ناگہانی افتاد سے سخت پریشان ہوئے لیکن ہمت نہ ہاری اور اللہ کے بھروسے پر انہوں نے ہر جگہ بڑی پامردی کے ساتھ برطانوی فوجوں کا مقابلہ کیا...... برطانیہ جنگِ عظیم میں لڑی ہوئی آزمودہ کار فوجیں استعمال کر رہا تھا اور پھر جنگِ عظیم میں جو جو خوفناک آلاتِ حرب و ضرب ایجاد ہوئے تھے ان سب سے کام لے رہا تھا لیکن ان ساری چیزوں کے باوجود حق پرست درویش جس بے جگری سے لڑے اس کی داد دشمنوں نے بھی دی۔ ان کے

Marfat.com

بیسیوں گاؤں اور قلعے برطانوی طیاروں کی بمباری سے منہدم ہو گئے اور سینکڑوں بچے' بوڑھے' عورتیں اور بیمار برطانوی استعمار کی بھینٹ چڑھ گئے۔ بالآخر بے سروسامان درویش حبش کے سومالی لینڈ کی طرف پسپا ہو گئے۔

مجاہد مُلّا کا عزمِ جہاد

اتنی مصیبتیں سہنے اور اتنی مہیب طاقت کا سامنا کرنے کے باوجود مُلّا صاحب نے اپنے پائے استقلال میں ذرہ بھر جنبش نہ آنے دی...... یہ مردِ مومن صحیح معنوں میں قرنِ اوّل کے مسلمانوں کی یادگار تھا۔ مُلّا صاحب نے حبش کے سومالی لینڈ میں پہنچ کر پھر درویشوں کا تازہ دم لشکر جمع کرنا شروع کر دیا۔ برطانوی حکومت بھی اب باوجود اپنی بے پناہ قوت کے درویشوں کے جذبۂ جہاد سے (جو جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا) خم کھاتی تھی۔ انہوں نے مُلّا صاحب کو امان کا پیغام بھیجا کہ اگر وہ اپنی سرگرمیاں ترک کر دیں تو برطانوی حکومت ان سے ہرگز کسی قسم کا تعرض نہیں کرے گی لیکن سومالی لینڈ کے مجاہدِ اعظم نے اس پیغام کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا اور بدستور اپنی فوجیں جمع کرنے میں مصروف رہے۔

غروبِ آفتاب

لیکن تدبیر کُنَد بندہ تقدیر زَنَد خندہ...... خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا' یکا یک مُلّا صاحب پر انفلوانزا کا ایک شدید حملہ ہوا اور چند دن کی علالت کے بعد ۲۲ نومبر ۱۹۲۰ء کو یہ آفتابِ حُرّیت ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ سومالی لینڈ کے گھر گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی اور دشمنوں کے گھروں میں گھی کے چراغ جلائے گئے۔ اس مردِ مجاہد کی رحلت کے ساتھ ہی اُس جہادِ بالسّیف کا خاتمہ ہو گیا' جو متواتر بیس سال سے سامراجی طاقتوں کے خلاف جاری تھا لیکن سید محمد بن عبداللہ الحسنؒ نے

Marfat.com

آزادی کی جو شمع روشن کی تھی وہ سومالی لینڈ کے بہادر عوام کے سینوں میں پوری آب و تاب سے فروزاں رہی اور وہ آزادی کے لیے مردانہ وار جدوجہد کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی جدوجہد کو سید محمدؒ کی رحلت کے چالیس سال بعد کامیابی سے ہمکنار کر دیا۔ سومالی لینڈ اب سومالیہ کے نام سے ایک آزاد اسلامی ملک ہے اور عالم اسلام کے اتحاد کا علمبردار ہے۔

رحمتہ اللہ علیہ

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے ہر اچھے عمل کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ روزہ اس عام قانون سے مستثنیٰ ہے وہ بندہ کی طرف سے میرے لیے ایک تحفہ ہے اور میں ہی اس کا (جس طرح چاہوں گا) اجر دوں گا۔ میرا بندہ میری رضا کے واسطے اپنی خواہش نفس اور اپنا کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے (پس میں ہی اس کا صلہ دوں گا) روزہ دار کے لیے دو مسرتیں ہیں، ایک افطار کے وقت اور دوسری اپنے رب کی بارگاہ میں حضوری کی اور قسم ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی بہتر ہے اور روزہ (دنیا میں شیطان کے حملوں سے بچاؤ اور آخرت میں آتش دوزخ سے حفاظت کے لیے) ڈھال ہے اور جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو چاہیے کہ وہ بے ہودہ اور فحش باتیں نہ بکے اور شور و غل نہ مچائے اور اگر کوئی دوسرا اس سے جھگڑا کرے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

Marfat.com

حکیم حبیب الرحمٰن خان اخونزادہ

یادش بخیر (شفاء الملک) حکیم حبیب الرحمٰن خان اخونزادہ مرحوم' اُن نابغۂ روزگار ہستیوں میں سے تھے جن کا وجود اپنی قوم کے لیے فخر اور خوش بختی کا باعث ہوتا ہے۔ حکیم صاحب اپنی ذات میں ایک انجمن اور ایک ادارہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت سے کمالات کا جامع اور غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک بنایا تھا۔ وہ ایک نادرۂ روزگار طبیبِ حاذق' ایک جادو نگار ادیب' ایک مُتبحّر عالمِ دین' ایک بلند پایہ صحافی' ایک مستند مؤرّخ' ایک وسیع المطالعہ محقّق' ایک خوشگو شاعر' اردو زبان کے ایک اَن تھک خادم' ایک کھرے سیاستدان' ایک بہترین مُعلّم اور تحریکِ پاکستان کے ایک پُرجوش مجاہد تھے۔ افسوس کہ یہ عظیم شخصیّت قیامِ پاکستان سے چھ ماہ پہلے اس دارِ فانی سے عالَمِ بقا کو سدھار گئی۔ گویا جب منزل چند گام کے فاصلے پر رہ گئی تو ان کو خالقِ حقیقی کی طرف سے بلاوا آ گیا۔ اس میں کیا راز مضمر تھا؟ اس کا عِلم اُس عالِمُ الغیب ہی کو ہے جس نے ہر ذی روح کی موت کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔

حکیم صاحب موصوف کا سلسلۂ نسب سیدنا حضرت عُمَرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے یوں وہ نسباً فاروقی تھے۔ خاندان کے مُورثِ اعلیٰ مدتوں پہلے عرب کی

Marfat.com

سکونت ترک کر کے اِس بَرِّ کوچک میں وارد ہوئے اور مغربی افغانستان کی سرحد سے مُتَّصِل ایک گاؤں تنائی (جنوبی وزیرستان) میں قیام پذیر ہوئے بعدازاں وہ وہاں سے نقل مکانی کر کے یاغستانی علاقہ یوسف زئی کے ایک گاؤں جنگئی خدد خیل (حال ضلع بونیر) میں آباد ہو گئے۔ خاندان کے بزرگوں کا شمار علماء اور صوفیہ (اہل اللہ) کے طبقے میں ہوتا تھا اس طبقے سے تعلّق رکھنے والے اصحاب کو اس علاقے میں اخوند (اخون) کہا جاتا تھا اور وہ بڑی عزت و احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ حکیم صاحب کے والدِ ماجد کا نام اخوند محمد شاہ عرف بادشاہ میاں تھا۔ اپنے عُنفوانِ شباب میں وہ کئی سال تک دیوبند اور لکھنؤ میں دینی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ایک روایت کے مطابق دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہ تلاشِ معاش میں ڈھاکہ پہنچے جو اس زمانے میں نواب احسن اللہ (متوفی ۱۳۱۹/۱۹۰۲ء) کے تصرّف میں تھا۔ وہ اہلِ علم کے بڑے قدردان تھے اور ان کی معارف پروری سے ڈھاکہ آباد تھا۔ اخوند محمد شاہ بھی ان کی مہربانیوں کے اسیر ہوئے اور وہیں بس گئے۔

(ثلاثۂ غسالہ ایڈیشن ۱۹۹۵ء تقدیم از جناب عارف نوشاہی)

مولانا سید سلیمان ندویؒ کا بیان ہے کہ اخوند محمد شاہ مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ [1] کے

---

[1]- مولانا حافظ عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ (ولادت ۱۲۶۴ھ/ ۱۸۴۸ء وفات ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۶ء) کا شمار اپنے دَور کے سرآمدِ روزگار علماء میں ہوتا ہے۔ انہوں نے صرف ۳۹ سال کی عمر پائی مگر اپنے مختصر عرصۂ حیات میں انہوں نے تصنیف و تالیف کے میدان میں اتنا عظیم الشان کام کیا کہ بڑے بڑے علمی ادارے نہیں کر پاتے۔ مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم نے ''حکمائے اسلام (حصہ دوم)'' میں لکھا ہے کہ مولوی عبدالحی صاحب سے زیادہ جامع معقول و منقول کوئی شخص فرنگی محل میں پیدا نہیں ہوا۔ انہوں نے تقریباً ہر فن میں کتابیں لکھی ہیں جن کی فہرست طویل ہے...... ہم صرف معقولات کی کتابوں کی فہرست پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے انیس کتابوں کی فہرست دی ہے...... اس سے ان کی دوسری تصانیف کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ وہ درس و تدریس میں بھی مشغول رہے۔ سخت محنت کی وجہ سے صحت خراب ہوگئی اور مرگی (صرع) کے دورے پڑنے لگے اسی مرض میں وفات پائی۔ (حکمائے اسلام ترجمہ: مولوی عبدالحی فرنگی محلی)

Marfat.com

شاگردوں میں تھے۔ لکھنؤ سے ڈھاکہ اپنے ماموں محمد نعمان مرحوم کے یہاں آئے اور یہیں شادی کر کے بس گئے اور اس تقریب سے سرحد...... کی یہ دولت بنگال کی قسمت میں آئی۔ (یادِ رفتگاں طبع ۱۹۵۵ مکتبہ الشرق کراچی...... ص ۳۸۷، ۳۸۸)

ان دونوں روایتوں میں اسی طرح تطبیق دی جا سکتی ہے کہ اخوند محمد شاہ نے دیوبند اور لکھنؤ دونوں جگہ تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد وہ ڈھاکہ جا کر بالاستقلال وہیں آباد ہو گئے۔ ان کے ماموں محمد نعمان پہلے سے وہیں مقیم تھے۔

حکیم حبیب الرحمٰن خان ۲۰ ربیع الثانی ۱۲۹۸ ہجری مطابق ۲۳ مارچ ۱۸۸۱ء کو ڈھاکہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر والدِ ماجد سے حاصل کی پھر کچھ عرصہ سرکاری مدارس میں پڑھتے رہے۔ اس کے بعد کئی سال تک کانپور آگرہ اور لکھنؤ میں دینی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے مولانا ظفر احمد تھانوی مرحوم کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ "ان کی تعلیم کا بڑا زمانہ کانپور میں گزرا" کچھ درسیات اپنے والد سے حاصل کیے' ابتدائی صرف ونحو کے کچھ اسباق حضرت حکیم الامت (مولانا اشرف علی تھانوی) رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھے جب حضرتِ والا رحمہ اللہ کانپور میں درس دے رہے تھے اور زیادہ تر تعلیم مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی سے حاصل کی' معقول مولانا احمد حسن صاحب کانپوری اور مولانا عبدالوہاب صاحب بہاری سے پڑھی جب وہ کانپور میں مدرّس تھے۔ حدیث مولانا مفتی لطف اللہ صاحب علی گڑھی اور حضرت رشید احمد صاحب گنگوہی کے ایک شاگرد سے حاصل کی۔ طب حکیم عبدالمجید خان صاحب دہلوی (المتوفی ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) سے پڑھی اور اس میں کمال کا درجہ حاصل کیا۔ (یادِ رفتگاں ص ۲۸۸)

ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی صاحب کا بیان ہے کہ حکیم صاحب موصوف نے بہار میں بھی تعلیم حاصل کی لیکن انہوں نے یہ تصریح نہیں کی کہ صوبہ بہار (بھارت) کے

Marfat.com

کس شہر میں انہوں نے تعلیم حاصل کی اور ان کے استاد کون تھے۔

(ماہنامہ فکر و نظر جولائی ۱۹۷۱ء)

حکیم صاحب تعلیم سے فارغ ہو کر ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں ڈھاکہ واپس آئے اور ایک طبیب کی حیثیت سے اپنی زندگی شروع کی۔ جلد ہی وہ اپنی حذاقت کے لیے دُور دُور تک مشہور ہو گئے اور ڈھاکہ کے عمائد میں شمار ہونے لگے۔

حکیم صاحب نے جہاں ایک باکمال طبیب کی حیثیت سے خواص و عوام سبھی طبقوں سے اپنی قابلیت کا لوہا منوایا وہاں تاریخ و ادب، شعر و انشاء، صحافت و سیاست، تحقیق و تنقید اور تصنیف و تالیف کے میدانوں میں بھی اپنی غیر معمولی قابلیّت اور صلاحیّت کا جھنڈے گاڑ دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے پناہ ذہانت اور زرخیز و لطیف دماغ سے نوازا تھا۔ تاریخ و ادب اور تحقیق و تجسّس سے فطری لگاؤ تھا اس لیے وسعتِ مطالعہ کی کوئی حد و نہایت نہیں تھی۔ اردو زبان سے ان کی محبت عشق کے درجے تک پہنچی ہوئی تھی۔ اپنے دَور کے بے شمار اربابِ صحافت و سیاست اور اصحاب فضل و کمال سے ان کے ذاتی تعلّقات تھے اور وہ سب ان کے اوصاف و کمالات کے معترف و مدّاح تھے۔ ان میں مولانا شبلی نعمانیؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا ظفر احمد عثمانی تھانویؒ، نواب سلیم اللہ خان مرحوم، شفاء الملک حکیم اجمل خان دہلویؒ، ڈاکٹر عندلیب شادانی مرحوم، منشی محمد الدین فوق کاشمیری مرحوم، خواجہ ناظم الدین مرحوم، خواجہ شہاب الدین مرحوم اور خواجہ محمد اعظم مرحوم وغیرہم جیسے نامور اصحاب شامل تھے۔

حکیم صاحب نے اپنے مَطَب کا آغاز کیا تو ان کی عمر صرف ۲۴ سال کی تھی لیکن قدرت نے انہیں دستِ شفا بخشا تھا۔ بہت سے ایسے پرانے مریض بھی ان کے علاج سے صحت یاب ہو گئے جن کو بڑے بڑے تجربہ کار معالج جواب دے چکے

Marfat.com

تھے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا وہ بہت جلد ایک باکمال طبیب کی حیثیت سے عوام و خواص میں مشہور ہو گئے۔ ڈھاکے کی سرکردہ سیاسی شخصیت نواب سر سلیم اللہ خان کو ان کی حذاقت کا علم ہوا تو انہوں نے ۱۹۰۵ء میں حکیم صاحب کو اپنا ذاتی طبیب مقرر کیا۔ ان کی ذہانت اور غیر معمولی صلاحیتوں کو دیکھ کر نواب صاحب ان سے بے حد محبت کرنے لگے یہاں تک کہ ان کو اپنا دایاں بازو سمجھنے لگے۔ حکیم صاحب پر ان کے اعتماد کی یہ کیفیت تھی کہ تمام سیاسی اور سماجی معاملات میں ان کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھاتے تھے یہاں تک کہ وہ اپنے خالص ذاتی مسائل میں بھی ان سے مشورہ کرتے اور بسا اوقات ان کی رائے پر عمل کرتے تھے۔

حکیم صاحب کی زندگی میں ۱۹۰۶ء کا سال بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اسی سال انہوں نے طبی مشاغل کے علاوہ اپنی سیاسی، علمی اور صحافیانہ زندگی کا آغاز بھی کیا۔

سیاسی یوں کہ اس سال آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد شاہ باغ ڈھاکہ میں رکھی گئی تو نواب وقار الملک کو اس کا پہلا صدر، نواب سر سلیم اللہ خان کو اس کا پہلا سیکرٹری اور حکیم صاحب کو اس کا پہلا جائنٹ سیکرٹری منتخب کیا گیا۔

علمی یوں کہ اپریل ۱۹۰۶ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس ڈھاکہ میں منعقد ہوا۔ اس کانفرنس کے انعقاد میں نواب سر سلیم اللہ خاں اور حکیم صاحب کی مساعی کا بڑا دخل تھا۔ حکیم صاحب نے اس کو کامیاب بنانے کے لیے دن رات ایک کر دیے۔ اس کانفرنس کے اغراض و مقاصد یہ تھے کہ مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی اور دوسری مشکلات پر غور کیا جائے اور انہیں دور کرنے کی تدابیر اختیار کی جائیں۔ اس اجلاس میں مولانا شبلی نعمانیؒ بھی شریک ہوئے جب تک ان کا ڈھاکہ میں قیام رہا، حکیم صاحب ان سے برابر ملتے رہے۔ یہ ملاقاتیں بڑی گرمجوشی کے ماحول میں ہوئیں۔ ان میں جہاں بہت سے دوسرے علمی مسائل پر گفتگو ہوئی وہاں

Marfat.com

حکیم صاحب کی یہ تجویز بھی زیرِ غور آئی کہ حاجی خلیفہ[1] کی ''کشف الظنون'' کی طرح ہندوستان کے ہر صوبہ کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ (عربی، فارسی، اردو) تصنیفات پر ایک محققانہ کتاب مرتّب کی جائے۔ مولانا شبلیؒ نے حکیم صاحب کی اس تجویز کو بہت سراہا اور بنگال کا حصہ ان کے سپرد کیا۔ خود حکیم صاحب نے اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

''سن ۱۹۰۶ء میں یہاں (ڈھاکہ) ایجوکیشنل کانفرنس کی تقریب سے متکلّم اسلام علاّمہ شبلی مغفور تشریف لائے تو میں نے ان کی خدمت میں یہ خیال پیش کیا کہ حاجی خلیفہ کی کشف الظنون کی طرح صوبہ وار کتابوں کے حالات مع مصنّفین کے مختصر ترجمہ کوئی لکھ دے تو ہندوستان کی یہ ایک بڑی علمی خدمت ہو۔ علاّمہ نے تحسین فرمانے کے ساتھ حکم دیا کہ بنگال کا حصہ تو پورا کر۔'' (آسودگانِ ڈھاکہ ص ۲)

یہ بڑا مشکل کام تھا اور جانکاہ محنت کا تقاضا کرتا تھا مگر حکیم صاحب نے بلا تامّل اس کی ہامی بھر لی۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ ''وہ اس سلسلے میں چالیس برس تک کچھ نہ کچھ کرتے رہے (اگرچہ دوسری مصروفیات کے سبب مسلسل کام نہ ہوسکا) یہ انتہائی محنت طلب تحقیقی کام کہیں ۱۹۴۶ء میں جا کر مکمّل ہوا۔ حکیم صاحب نے اس کا نام

---

[1] حاجی خلیفہ مصطفیٰ بن عبداللہ (کاتب چلپی) ولادت ۱۰۱۷ھ/۱۶۰۸ء وفات ۱۰۶۷ھ/۱۶۵۷ء مشہور ترکی النسل مؤرّخ اور تذکرہ نگار تھے۔ اگرچہ وہ ایک فوجی آدمی تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں نہایت اعلیٰ علمی ذوق سے نوازا تھا۔ فوجی خدمات کے ساتھ تصنیف و تالیف کا کام بھی کرتے رہے تھے۔ فوج میں اسلحدار کی حیثیت سے ملازم تھے۔ کئی جنگوں میں بھی شریک ہوئے۔ صرف پچاس برس کی عمر میں قسطنطنیہ (استنبول) میں وفات پائی۔ بہت سی بلند پایہ تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں ''کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون'' ان میں سے ایک ہے۔ حاجی خلیفہ کی دوسری اہم تصانیف کے نام یہ ہیں۔
تحفۃ الاخیار فی الحکم والامثال، تحفۃ الکبار، میزان الحق، سلم الوصول الیٰ طبقات الفحول (تاریخ اکابر) دستور الاعمال (مالیات) تقویم التواریخ، جہاں نما (ہیئت) فذلکہ، حاشیہ محمدیہ (ہیئت) لوامع النور، حاشیہ بیضاوی، رونق السلطنت (تاریخ قسطنطنیہ) (نگار لکھنؤ سالنامہ ۱۹۵۵ء بحوالہ دائرۃ المعارف اسلامیہ)

Marfat.com

''ثلاثہ غسالہ'' رکھا لیکن افسوس کہ وہ اپنی زندگی میں اس کتاب کو زیورِ طباعت سے آراستہ ہوتے نہ دیکھ سکے۔ یہ ان کی وفات کے اڑتالیس سال بعد لاہور میں چھپی (اس کی تفصیل آگے آئے گی)

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا یہ اجلاس علامہ شبلی نعمانیؒ اور حکیم صاحب کے درمیان پُرخلوص دوستانہ تعلقات قائم کرنے کا سبب بن گیا۔ دوستی اور محبت کا یہ سلسلہ علاّمہ شبلیؒ کی وفات (۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء) تک برابر قائم رہا اور اس کے بعد مولانا سید سلیمان ندویؒ کی طرف منتقل ہو گیا۔ تقریباً بیس برس تک دونوں بزرگ باہمی خط کتابت ہی کے ذریعے دوستی نباہتے رہے۔ بقول مولانا سید سلیمان ندویؒ ''ملاقاتِ جسمانی کی نوبت ۱۹۳۰ء کے آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے موقع پر پٹنہ میں آئی۔ اس کے بعد وہ بار بار ڈھاکہ بلاتے اور اس کے لیے ڈھاکہ یونیورسٹی کے تعلق سے نئی نئی تقریبیں پیدا کرتے رہے مگر جانا اور ملنا نصیب نہ ہوا۔''

(یادِ رفتگاں ص ۳۸۷ مکتبہ الشرق کراچی)

اسی سال (۱۹۰۶ء) میں حکیم صاحب نے ڈھاکہ سے ''المشرق'' کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار نکالا۔ یہ گویا ان کی صحافیانہ زندگی کا آغاز تھا۔ طباعت کی دشواریوں کی وجہ سے یہ اخبار زیادہ عرصہ جاری نہ رہ سکا تاہم حکیم صاحب کسی نہ کسی صورت میں ہمیشہ اردو زبان کی خدمت میں سرگرم رہے۔ وقتاً فوقتاً مشاعروں میں بھی شریک ہوتے تھے اور اردو کے بعض وقیع پرچوں کے لیے مضامین بھی لکھتے تھے ان میں ماہنامہ معارف اعظم گڈھ کا نام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے۔ ڈھاکہ میں جن اصحاب کی کوششوں سے انجمن ترقیِ اردو کی بنیاد رکھی گئی، حکیم صاحب بھی ان میں شامل تھے۔ فی الحقیقت ان کوششوں میں ان کا سب سے زیادہ حصہ تھا۔

Marfat.com

سیاسی طور پر حکیم صاحب شروع (۱۹۰۶ء) سے لے کر اخیر (۱۹۴۷ء) تک مسلم لیگ کے سرگرم رُکن رہے۔ بقول خواجہ ناظم الدین مرحوم (سابق گورنر جنرل پاکستان) ''حکیم صاحب مسلمانوں کے جائز حقوق کی تحصیل کے لیے ہر طرح کی جانفشانی اور قربانی کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔ وہ ان مخصوص لوگوں میں سے تھے جو نواب سلیم اللہ خان کی پالیسی کے مطابق مسلمانوں کی سیاسی جنگ میں سینہ سپر کیے ہوئے تھے اور اپنے نقصان اور تکلیف کا شمہ بھر بھی خیال نہ کرتے تھے۔''

(ڈھاکہ پچاس برس پہلے' دیباچہ)

مسلم لیگ کی تاسیس کے کچھ عرصہ بعد نواب سر سلیم اللہ خان نے ڈھاکہ میں پنچایت سسٹم رائج کرنے کی کوششوں کا آغاز کیا تو حکیم صاحب نے ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ آگے چل کر یہ سسٹم ''برادری سسٹم'' کے نام سے مشہور ہوا اور اس ادارے نے ڈھاکے کے مسلمانوں کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔

نواب سر سلیم اللہ خان کی وفات (۱۹۱۵ء) کے بعد بنگال کی سیاست میں جو خلا پیدا ہوا' اس کو نواب موصوف کے ہم زُلف خان بہادر خواجہ محمد اعظم نے پُر کیا۔ انہوں نے بھی حکیم صاحب کو اپنا مشیرِ خاص بنایا اور ان کے بھرپور تعاون کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق کے تحفّظ کی جنگ جاری رکھی۔ خواجہ صاحب کی وفات کے بعد بنگال کی سیاست میں طرح طرح کے اتار چڑھاؤ آئے لیکن حکیم صاحب نے جس سیاسی طرزِ عمل کو اپنایا تھا اس پر برابر قائم رہے اور آخری دم تک مسلم لیگ کے ایک سرگرم رُکن کی حیثیت سے قوم کی خدمت کرتے رہے۔

۱۹۲۳ء میں حکیم صاحب نے مرحوم خواجہ محمد اعظم کے صاحبزادے خواجہ محمد عادل کے ساتھ مل کر ایک ادبی ماہنامہ ''جادو'' نکالنا شروع کیا۔ شروع میں یہ رسالہ لیتھو میں چھپتا رہا پھر ٹائپ میں چھپنے لگا۔ اس میں چھپنے والے مضامین اونچے معیار کے

Marfat.com

ہوتے تھے۔ اکثر و بیشتر مضمون نگار صوبہ بنگال سے تعلق رکھتے تھے۔ مختلف علمی، ادبی اور تاریخی موضوعات پر ان کی تحریریں بہت خوبصورت ہوتی تھیں۔ نثری مضامین کے علاوہ اس پرچے میں معیاری نظمیں اور غزلیں بھی چھپتی تھیں۔ شستگی اور صحت زبان کے اعتبار سے یہ پرچہ دہلی، لکھنؤ اور لاہور سے شائع ہونے والے کسی علمی اور ادبی مجلّے سے کم نہ تھا۔ یہ رسالہ سَوا دو برس جاری رہنے کے بعد ۱۹۲۵ء میں بند ہو گیا۔ اس کا سبب آمدنی کے مقابلے میں خرچ کا زیادہ ہونا تھا۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ کا بیان ہے کہ ''ہم حکیم حبیب الرحمٰن صاحب کو بنگال اور جادو کی مناسبت اور اردو کے انشاپرداز ہونے کے لحاظ سے ''ساحرِ بنگالہ'' کہا کرتے تھے۔''

(ماہنامہ معارف اعظم گڑھ فروری ۱۹۳۴ء)

حکیم صاحب کی پختہ رائے تھی کہ یونانی طریقہء علاج اہلِ بنگال کے لیے بے حد مفید ہے لیکن کثیر آبادی کے اس صوبے میں مستند اطباء کی شدید کمی تھی۔ انہوں نے حکومت کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ ڈھاکہ اور کلکتہ میں طبیہ کالج قائم کیے جائیں تاکہ ان کالجوں سے فارغ التحصیل ہونے والے مستند اطباء صوبے میں معالجین کی بڑھتی ہوئی ضرورت کو پورا کر سکیں۔ پہلے تو حکومت نے اس تجویز پر کوئی کارروائی نہ کی لیکن جب حکیم صاحب نے اس پر بار بار زور دیا تو اس نے ۲۳ء میں ایک کمیٹی بنادی جس کو یونانی طریقہء علاج پر غور کرنے کے بعد یہ رپورٹ پیش کرنی تھی کہ ڈھاکہ اور کلکتہ میں طبیہ کالجوں کا قیام سودمند ہوگا یا نہیں۔ اس کمیٹی کے سیکرٹری کرنل حسان سہروردی مرحوم تھے اور حکیم صاحب اس کے سرگرم رُکن تھے۔ اس کمیٹی نے طبیہ کالجوں کے قیام کی پُرزور سفارش کی لیکن حکومت نے بوجوہ اسے منظور نہ کیا۔ غالباً وہ ایلوپیتھک طریقہء علاج کے مقابلے میں دیسی (یونانی) طریقہء علاج کی حوصلہ افزائی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ حکومت کے رَوِیّہ سے حکیم صاحب بددل نہ ہوئے وہ بلند ہمت

Marfat.com

اور حوصلہ مند آدمی تھے۔ ان کا مقصد جہاں یہ تھا کہ یونانی طریقۂ علاج کو مقبولِ عام کیا جائے وہاں ان کے پیشِ نظر ان نوجوانوں کا مستقبل بھی تھا جو مدارسِ عربیہ کے فارغ التحصیل تھے اور جن کے لیے سرکاری ملازمتوں کا حصول ناممکن تھا۔ وہ مستند طبیب بن کر اپنی روزی بآسانی کما سکتے تھے۔ ۱۹۳۰ء میں انہوں نے حکومت سے بے نیاز ہو کر خود حبیبیہ طبیہ کالج کے نام سے ڈھاکہ میں ایک طبی کالج قائم کر دیا۔ اس کالج کے لیے حکیم صاحب نے بے مثالی مالی قربانی دی۔ کالج کے قیام اور پھر اس کا نظام قائم کرنے پر جو اخراجات اٹھے نہ صرف یہ سب بلکہ تمام طلبہ اور اساتذہ کے قیام وطعام کا سارا خرچ بھی حکیم صاحب نے کئی برس تک اپنے ذمہ لیے رکھا۔ یہ کالج اب تک حکیم صاحب مرحوم کے صاحبزادوں کی سرپرستی میں کامیابی سے چل رہا ہے اور ہزارہا نوجوان اس سے فارغ التحصیل ہو کر دکھی انسانیت کی خدمت کر رہے ہیں۔ مرحوم خواجہ ناظم الدین سابق گورنر جنرل پاکستان نے اس کالج کے بارے میں یوں خامہ فرسائی کی ہے:۔

"انہوں (حکیم حبیب الرحمٰن) نے بصد سعی اور جانفشانی کالج قائم کیا جس میں سارے بنگال سے طلباء بغرضِ تحصیلِ علم آتے اور تقریباً مفت تعلیم پاتے تھے۔ حکیم صاحب کا خیال تھا کہ طبیب کو جسم انسانی کے اندرونی اور بیرونی حالات سے کماحقہٗ واقفیت ہونی چاہیے۔ اس لیے انہوں نے موجودہ سائنس فزیالوجی کو بھی اپنے کالج کے درس میں شامل کیا تھا اور اس کی باقاعدہ تعلیم ایک ڈاکٹر کے ذریعے دی جاتی تھی۔ ہر سال کالج کا کانووکیشن منعقد ہوتا جس میں اسناد کی تقسیم ہوتی اور حکیم صاحب کی پُرمغز عالمانہ تقریر ہوتی جس میں ایک دو جملے مزاحیہ ہوتے اور کچھ اشعار۔"

(دیباچہ ڈھاکہ پچاس برس پہلے ص ۳)

طبیہ کالج سے حکیم صاحب کے خصوصی تعلق کی بنا پر اس کو بڑا وقیع مقام حاصل

Marfat.com

ہو گیا تھا اور اس کے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد میں ملک کی سر برآوردہ شخصیتیں شریک ہوا کرتی تھیں۔ ان میں اے کے فضل الحق مرحوم' خواجہ حبیب اللہ بہادر مرحوم' خواجہ ناظم الدین مرحوم' خواجہ شہاب الدین مرحوم اور حسین شہید سہروردی مرحوم قابل ذکر ہیں۔

اردو ادب سے حکیم صاحب کے گہرے شغف نے طبیہ کالج کی عمارت کو طبی سرگرمیوں کے علاوہ ادبی سرگرمیوں کا بھی مرکز بنا دیا تھا اور اس میں ماہ بماہ اردو مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ ان کا تمام تر انتظام حکیم صاحب ہی کی نگرانی میں ہوتا تھا۔ کبھی کبھی مشاعروں میں پڑھی ہوئی غزلوں اور نظموں کا گلدستہ بھی حکیم صاحب کے اہتمام سے شائع ہوتا تھا۔

(ماہنامہ فکر ونظر اسلام آباد جولائی ۱۹۷۱ء مقالہ ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی)

خواجہ ناظم الدین مرحوم کا بیان ہے کہ ہر مہینے ایک مشاعرہ ان (حکیم صاحب) کے مکان پر ہوتا۔ وہ حاضرین کو چائے وغیرہ خود پلاتے' خود غزل نہیں پڑھتے تھے لیکن کبھی کبھار چند اشعار لکھ کر کسی نوجوان سے پڑھوا دیتے' اردو کے بہت حامی تھے اور ہمیشہ یہی کوشش تھی کہ اردو کی ترویج میں روز افزوں ترقی ہو۔

(دیباچہ' ڈھاکہ پچاس برس پہلے)

ماہنامہ ''جادو'' کے بند ہونے کے کوئی اٹھارہ سال بعد حکیم صاحب نے ارادہ کیا کہ یہ پرچہ دوبارہ جاری کیا جائے چنانچہ انہوں نے ۱۹۴۳ء میں خواجہ محمد اعظم مرحوم کے صاحبزادے خواجہ محمد عادل کے ساتھ مل کر ''جادو'' دوبارہ شائع کرنا شروع کیا۔ اب کی بار یہ پرچہ تقریباً تین سال تک شائع ہوتا رہا۔ پھر بعض مشکلات کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔

حکیم صاحب کو علم طِبّ میں کمال حاصل تھا۔ یہ کمال انہیں خداداد صلاحیتوں

Marfat.com

کے علاوہ جانکاہ محنت کی بدولت حاصل ہوا۔ انہوں نے یونانی طریقۂ علاج میں نئی جان ڈال دی تھی۔ اس وجہ سے ان کی شہرت سارے ملک میں پھیل گئی تھی اور ان کی ذات مرجعِ خلائق بن گئی تھی۔ ہزاروں مریض دور دور سے ان کے پاس آتے اور شفایاب ہو کر واپس جاتے۔ حکیم صاحب کبھی تو قارورہ دیکھ کر فوراً مرض کی تشخیص کر لیتے اور نبض پر ہاتھ رکھ کر نسخہ لکھ دیتے اور کبھی مریض کی صورت دیکھ کر یا صرف اس کی آواز سن کر ان کو اس کے مرض کا حال معلوم ہو جاتا تھا۔ مسیح الملک حکیم محمد اجمل خانؒ جیسی عظیم طبی شخصیت کو بھی حکیم حبیب الرحمٰن خان کی فنی مہارت کا اعتراف تھا۔ ایک دفعہ حکیم حبیب الرحمٰن کے ایک مریض کو ان کے تجویز کردہ نسخے سے اطمینان نہ ہوا۔ وہ دہلی گیا اور مسیح الملکؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے علاج کرانا چاہا۔ مسیح الملکؒ نے اُن سے پوچھا' آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ اس نے کہا' ڈھاکہ سے۔ مسیح الملکؒ نے فرمایا' کیا حکیم حبیب الرحمٰن صاحب وہاں موجود نہیں ہیں؟ اس نے کچھ گول مول سا جواب دیا۔ بہر صورت مسیح الملکؒ نے اس کے مرض کی تشخیص کر کے نسخہ لکھ دیا۔ اب جو اس نے اس نسخے کا حکیم حبیب الرحمٰن کے نسخے سے مقابلہ کیا تو دونوں نسخوں میں بال برابر فرق نہ نکلا۔ یہاں تک دونوں نسخوں میں تجویز کردہ دواؤں کے اوزان بھی یکساں تھے۔

علاّمہ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے فنِ طب میں حکیم صاحب کی مہارت اور حذاقت کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا:

"(حکیم حبیب الرحمٰن) طبیب اور حاذق طبیب تھے' قیافہ اور نباضی میں کمال رکھتے تھے۔ صورت دیکھ کر اور صرف حال سن کر مرض بتا دیتے تھے۔ حضرت حکیم الاُمّت (مولانا اشرف علی تھانویؒ) کی علالت کا حال مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے سن کر مرض کی تشخیص کی اور دوا تجویز کی۔ جب تھانہ بھون سے خطرناک حالت کی

Marfat.com

اطلاع آئی تو کہا کہ اب دوا بیکار ہے معلوم ہوتا ہے کہ وقتِ آخر آپہنچا اور آخر جیسا انہوں نے کہا ویسا ہی ہوا۔ ان کی حذاقت کا ایک واقعہ مجھ سے متعلق ہے۔ کئی سال کی بات ہے' میں نے ریڈیو پر ایک تقریر کی حکیم صاحب نے ڈھاکہ سے لکھا' میں نے ریڈیو پر آپ کی آواز سنی جو آپ کے ضعفِ قلب کا اعلان کر رہی تھی۔ اس کی جلد خبر لیں چنانچہ چند ہی روز کے بعد مجھے اسی قسم کے ایک سخت مرض کا سانحہ پیش آیا جس سے اللہ تعالیٰ نے جانبری فرمائی۔ (معارف اعظم گڈھ اپریل ۱۹۴۷ء)

حکیم صاحب امیر غریب محتاج سبھی قسم کے مریضوں کا علاج یکساں توجہ اور تندہی سے کرتے تھے البتہ غریبوں اور محتاجوں سے دواؤں کی قیمت نہیں لیتے تھے۔ طلبہ پر بھی خاص شفقت فرماتے تھے۔ ڈھاکہ کے محلّہ چھوٹا کٹرہ میں ان کا رہائشی مکان تھا اس سے تھوڑے فاصلہ پر ان کا دو منزلہ مَطَّب تھا۔ نیچے کی منزل میں دواخانہ تھا جس میں خالص اجزاء سے بڑی احتیاط اور صفائی سے ہر قسم کی دوائیں تیار ہوتی رہتی تھیں۔ غریبوں اور محتاجوں کی دوا مفت ملتی تھی۔ اوپر کی منزل میں حکیم صاحب کے بیٹھنے کا کمرہ تھا جس کی ایک جانب چھوٹی سی آرام کرسی تھی جس پر ہرن کی کھال بچھی تھی چونکہ یہ کرسی حکیم صاحب کے بیٹھنے کے واسطے مخصوص تھی اس لیے چند بذلہ سنج احباب کہتے تھے کہ حکیم صاحب جوگی ہیں اور مرگ چھالے پر آسن جمائے بیٹھے ہیں۔ کرسی کے سرہانے مگدر کی بھاری جوڑی رکھی رہتی تھی جس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ حکیم صاحب کو ورزش کا بہت شوق ہے۔ چاروں طرف الماریوں میں پرانی کتابیں اور بیش بہا قلمی نسخے بھرے رہتے تھے۔ (دیباچہ ڈھاکہ پچاس برس پہلے)

حکیم صاحب نے ''انجمن اطباء مشرقی بنگال و آسام'' کے نام سے اطباء کی ایک تنظیم قائم کی تھی۔ وہ اس کے تاحیات صدر رہے اور اطبا کے حقوق اور مفادات کے لیے ہمیشہ سینہ سپر رہے۔

Marfat.com

حکیم صاحب مختلف اقسام کی جڑی بوٹیوں کی شناخت میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے۔ وہ کسی بھی بوٹی کو دیکھ کر اور اس کی بُو سونگھ کر اس کے خواص کا پتا چلا لیا کرتے تھے۔ وہ بنگالی زبانی میں ایک جریدہ ''شفا'' شائع کرتے تھے۔ یہ ایک طبی رسالہ تھا اس میں دوسری طبی معلومات کے علاوہ مختلف جڑی بوٹیوں کے خواص اور افعال بھی تفصیل کے ساتھ درج ہوتے تھے۔

حکیم صاحب نے سالہا سال تک طبِ یونانی کی جو شاندار خدمت کی اور طریقۂ علاج میں اصلاح کے علاوہ اس کو عوام النّاس میں مقبول بنانے کے لیے جو کام کیا' اس کے اعتراف اور صلے میں حکومتِ ہند نے ۱۹۳۹ء میں ان کو ''شفاء الملک'' کا خطاب دیا ان کی اس عزت افزائی پر جس کے وہ بجا طور پر مستحق تھے' اہل ڈھاکہ نے بے حد مسّرت اور شادمانی کا اظہار کیا لیکن حکیم صاحب مسلم لیگ کے ایک سرگرم رُکن اور تحریکِ پاکستان کے ایک پُرجوش مجاہد تھے' چند سال بعد مسلم لیگ کی ہدایت کے مطابق یہ خطاب حکومت کو واپس کر دیا۔ قیامِ پاکستان سے کچھ عرصہ پہلے حکومتِ بنگال نے ایک کمیٹی بنائی جس کا نام ''اسٹیٹ فیکلٹی آف یونانی میڈیسن گورنمنٹ آف بنگال'' تھا۔ حکیم صاحب بھی اس کمیٹی کے ممبر تھے۔ ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ اور کانگرس کی مخلوط (عارضی) حکومتِ ہند نے طبِ یونانی کے فروغ کے لیے ایک سہ رکنی کمیٹی کی تشکیل کی۔ ان تین ممبروں میں ایک ممبر حکیم صاحب تھے جنہیں حکومتِ ہند نے بطورِ خاص نامزد کیا تھا۔

حکیم صاحب کو بنگال کے مسلمان حکمرانوں کے حالات اور ان کے زمانے کی سیاسی' معاشرتی اور ادبی تاریخ سے بہت دلچسپی تھی۔ انہوں نے اُس دور کا بہت گہرا مطالعہ کیا تھا اور تاریخ کے تعلق سے اس زمانے کی کتابوں' قلمی نسخوں' قدیم سکّوں' فرمانوں اور کتبوں کا بیش بہا ذخیرہ ان کے پاس موجود تھا۔ یہ سب کچھ انہوں نے

Marfat.com

زرِ کثیر صرف کر کے بڑی تگ و دو کے بعد جمع کیا تھا۔ کشمیر کی پرانی شالوں کے نہایت عمدہ نمونے بھی انہوں نے اپنے پاس حفاظت کے ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ قدیم سکّوں کی ایک معقول تعداد انہوں نے ڈھاکہ میوزیم کو دے دی۔ یہ تمام سکّے ڈھاکے کے عجائب خانہ آثار قدیمہ میں موجود ہیں۔ ان کی تاریخ وار کیٹالاگ بھی چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ اس سے تاریخ پر حکیم صاحب کی گہری نظر اور وسعتِ علم کا ثبوت ملتا ہے۔ قدیم سکّوں کے علاوہ حکیم صاحب نے ڈھاکہ میوزیم کو اور بہت سے تاریخی نوادر بھی بطور عطیہ دیے ان میں کچھ وصلیاں اور نہایت قیمتی مخطوطات (قلمی نسخے) بھی شامل تھے۔

حکیم صاحب کا شمار بنگال کے نہایت قابل اور معتبر مؤرّخین میں ہوتا تھا۔ کالجوں اور سکولوں کے اساتذہ کے علاوہ ریسرچ سکالر اور اکثر دوسرے اہلِ علم بھی تاریخی معاملات میں ان سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ ہونہار طلبہ کے وہ دامے دِرمے قدمے سخنے ہر طریقے سے مدد اور حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے۔ تحقیقی کام کرنے والے کئی طلبہ نے ان کے مشوروں اور ان کی رہنمائی کی بدولت ڈھاکہ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ (پی ایچ ڈی) کی ڈگری حاصل کی۔ ڈھاکہ یونیورسٹی نے بنگال کی تاریخ شائع کرنے کا ارادہ کیا تو حکیم حبیب الرحمٰن بھی اس کے ایڈیٹوریل بورڈ کے ایک ممبر منتخب ہوئے۔ انہوں نے یہ تاریخ مرتّب کرنے میں سب سے بڑھ کر مدد دی۔

قیامِ پاکستان سے دو سال پہلے حکیم صاحب نے آل انڈیا ریڈیو (ڈھاکہ اسٹیشن) سے تقریروں کا ایک سلسلہ نشر کیا جس کا عنوان تھا ''ڈھاکہ پچاس برس پہلے'' ان تقریروں میں حکیم صاحب ڈھاکے کی تاریخ اور اہلِ ڈھاکہ کی معاشرتی اور ثقافتی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ایسے شستہ اور دلآویز پیرائے میں روشنی ڈالتے تھے

Marfat.com

کہ سامعین عش عش کر اٹھتے تھے اور یہ تقریریں بڑے ذوق وشوق سے سنتے تھے۔

حکیم صاحب نے یہ تمام تقریریں ڈھاکہ ریڈیو اسٹیشن کی فرمائش پر اس شرط کے ساتھ لکھیں اور نشر کیں کہ ریڈیو ڈھاکہ ان کو طبع کرا دے گا۔ یہ تقریریں کتابی شکل میں زیورِ طبع سے آراستہ تو ہوئیں لیکن افسوس کہ اس وقت حکیم صاحب اس دنیا میں موجود نہیں تھے۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

حکیم صاحب میانہ قامت اور گندمی رنگ کے باوقار اور وجیہ انسان تھے۔ وہ پرانی اسلامی تہذیب وتمدّن کے دلدادہ تھے اور ان کی وضع قطع پر قدامت پسندی اور سادگی کا رنگ غالب تھا۔ ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی صاحب کا بیان ہے کہ حکیم صاحب کی زندگی نہایت سادہ تھی مگر سادگی کے ساتھ ان میں وقار تھا۔ اپنی وضع کے آخر دم تک پابند رہے۔ شیروانی اور چوڑی دار پاجامہ پہن کر لوگوں سے ملنے باہر تشریف لے جاتے۔ رام پوری ٹوپی آپ ہمیشہ ترچھی پہنتے تھے۔ جاڑے کے موسم میں احباب کی تواضع پائے کے شوربے اور باقر خانی روٹی سے ایک بار ضرور کرتے۔ شوقین حضرات کو ان کے شوربے کا انتظار رہتا تھا جو اپنی خصوصیت کے لیے مشہور تھا۔

(ماہنامہ فکر ونظر جولائی ۱۹۷۱ء)

حکیم صاحب کی وضع قطع اور مجلسی زندگی کے بارے میں خواجہ ناظم الدین مرحوم نے یوں خامہ فرسائی کی ہے:

''حکیم صاحب کی قطع وضع مخصوص اور قدامت پسند تھی۔ جلسوں اور دعوتوں میں پرانی وضع کا انگرکھا یا ڈھاکے کی نفیس اور قیمتی جامدانی کی اچکن زیبِ بدن کرتے۔ سر پر کبھی پٹھانی طرز کی لیکن ڈھیلی پگڑی یا کامدانی کشتی نما ٹوپی ترچھی کر کے پہنتے' جاڑوں میں کاندھوں پر کشمیری جامہ دار رومال ڈال لیتے تھے اور ہاتھ میں مرزاپوری بانس کا چھوٹا سا ڈنڈا جس کے اوپر چاندی کی شام لگی تھی۔ اردو نہایت

Marfat.com

شستہ اور سلیس بولتے' بنگلہ بھی سمجھتے اور بولتے لیکن تلفظ اور لہجے میں اجنبیت تھی۔ بلا کے صاف گو تھے اور بلاغل وغش اپنی رائے ظاہر کرتے اور اگر مسلمانوں کے حقوق اوران کے تحفظ کا مسئلہ ہوتا تو کبھی تو بہت ہی جوش میں آجاتے اور ڈنڈے کو ہلا ہلا کر بحث کرتے۔ اپنے مخالفوں کے سامنے تو شیر کی طرح گرجتے لیکن دوستوں کے ساتھ بہت ہی ملائم اور نیاز مندانہ طریقے سے ملتے۔ حکیم صاحب بہت ہی دوست نواز تھے (خواجہ صاحب نے دوست پرست لکھا ہے) اور اپنے دوستوں کی دامے درمے قدمے اور ہر طرح کی مدد کرنے کو تیار تھے۔ ان کے گھر میں انواع واقسام کے کھانے اکثر پکتے تھے اور ان کو اس کا از حد شوق تھا کہ ان کے دوست احباب آئیں اور ان کے ساتھ کھانا کھائیں۔ جاڑوں میں نہاری بہت تکلّف اور اہتمام کے ساتھ پکتی اور اگر میں ڈھاکے میں ہوتا تو دو ایک مرتبہ سال میں مجھے نہاری کھانے ضرور جانا پڑتا۔ بڑی پُرلطف صحبت ہوتی تھی۔ صبح کے وقت دستر خوان پر دس بارہ احباب ہوتے اور حکیم صاحب ہر شخص کو بصد اصرار نہاری اور دیگر کھانے کھلاتے۔ پرانے بلور کی صراحیوں میں خاص قسم کا پھلوں کا شربت پانی کی جگہ پلایا جاتا جس سے مرچوں کی تیزی کچھ دب جاتی۔ نہاری کے ساتھ پشاوری نان گرما گرم ہوتے جن کو حکیم صاحب خاص اہتمام سے پکواتے تھے۔ دورانِ طعام اور اس کے بعد بہت پُرلطف دوستانہ باتیں ہوتیں۔ حکیم صاحب خود بہت کم بولتے۔ ان کی یہ کوشش رہتی کہ ہر شخص دل کھول کر گفتگو کرے اور تبادلۂ خیالات سے لطف اندوز ہو۔ ان موقعوں پر حکیم صاحب خود کھانا نہیں کھاتے تھے کیونکہ تقاضائے سن کے باعث وہ کھانے پینے میں بہت محتاط تھے۔ (دیباچہ ڈھاکہ پچاس برس پہلے)

حکیم صاحب کے وسیع دستر خوان پر بسا اوقات ان کے احباب کا مجمع لگا رہتا تھا۔ نہاری' شب دیگ' مرغ پلاؤ' مرغ کباب' زعفرانی' حلیم' قبولی' کشمیری سالن'

Marfat.com

شکار کا سالن، ہلسہ، کباب وغیرہ جیسے پُرتکلف کھانے ان کے دسترخوان کی زینت ہوتے تھے جنہیں وہ بڑے اہتمام سے پکواتے تھے اور احباب کو کھلا کر خوش ہوتے تھے۔ ان کا اپنا کھانا بہت سادہ اور پرہیزی ہوتا تھا۔ ان کے احباب میں علماء، فضلاء، ادباء، شعراء، سیاستدان اور سرکاری افسر، ہر طبقے کے اصحاب شامل تھے۔

علمیت کے اعتبار سے حکیم صاحب بڑی متنوّع شخصیت کے مالک تھے۔ علمِ طب میں تو وہ درجۂ کمال پر فائز تھے اور سارے ملک میں ان کی حذاقت کی شہرت تھی۔ جملہ دینی علوم کی تعلیم انہوں نے باقاعدہ دینی مدارس میں بڑے اونچے درجے کے علماءِ کرام سے حاصل کی تھی۔ اس طرح خود ان کو بھی ایک بلند پایہ عالمِ دین کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ شعر و ادب اور تاریخ سے ان کو فطری لگاؤ تھا اور کثرتِ مطالعہ نے اس کو جِلا بخشی تھی۔ یوں وہ بیک وقت ایک طبیب بھی تھے اور ایک عالمِ دین بھی، ایک ادیب بھی تھے اور ایک شاعر بھی، ایک مؤرّخ بھی تھے اور ایک محقّق بھی، ایک صحافی بھی تھے اور ایک انشاء پرداز بھی، ایک مصنّف بھی تھے اور ایک مترجم بھی۔

ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی صاحب نے ان کی علمی صلاحیتوں کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی ہے:۔

''حکیم صاحب کو عربی اور فارسی میں بڑی اچھی دستگاہ تھی۔ اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد بطورِ خود کتابوں کے مطالعہ میں ہمیشہ مشغول رہے۔ علومِ معقول و منقول سے وابستگی کا یہ عالم تھا کہ علماء سے باتیں کرتے تو مسائل پر ناقدانہ رائے زنی بھی فرماتے جاتے تھے۔ مردم شناس ایسے تھے کہ دو چار جملوں میں مخاطب کے علمی مبلغ کا اندازہ لگا لیتے تھے اور ہر ایک سے اس کے علم و فہم کی مناسبت سے گفتگو فرماتے۔ اردو زبان میں آپ ایک خاص طرزِ تحریر کے مالک تھے اور ڈھاکہ میں اردو زبان کی خدمت تادمِ حیات کرتے رہے۔ (ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد، جولائی ۱۹۷۱ء)

Marfat.com

علاّمہ سیّد سلیمان ندوی رحمتہ اللہ علیہ نے ان کی انشاء پردازی کے بارے میں اس رائے کا اظہار کیا ہے:۔

''حکیم صاحب کے قلم میں بڑی لطافت تھی۔ محمد حسین آزاد کی نقالی کسی سے نہ ہوسکی لیکن تھوڑی بہت اگر کسی سے ہوئی تو عجیب بات ہے کہ وہ بنگال ہی کے جادوگرانِ ادب سے ہوسکی۔ ان میں پہلا نام نصیر حسین خیاؔل (کلکتہ) کا اور دوسرا حکیم حبیب الرحمٰن (ڈھاکہ) کا ہے۔ افسوس ہے کہ ان کی طبی مصروفیتوں نے ان کے ادبی کارناموں کو ابھرنے کا موقع نہیں دیا اور ان کی یہ قوّتِ انشاء پردازی پوری طرح ظاہر نہ ہوسکی۔

(یادِ رفتگاں ص ۳۹۰ مکتبہ الشرق کراچی)

حکیم صاحب کے علمی مقام و مرتبہ کا کسی قدر اندازہ ان کے علمی آثار (تصانیف و تالیفات اور مقالات وغیرہ) سے کیا جا سکتا ہے۔ ان کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

سفرِ آخرت

۱۹۴۶ء کی تیسری سہ ماہی میں حکیم صاحب کی صحت میں کچھ ایسا بگاڑ پیدا ہوا کہ موت ان کو اپنے بہت قریب محسوس ہوئی۔ اس کا اظہار انہوں نے اکتوبر ۱۹۴۶ء میں شائع ہونے والی اپنی تصنیف ''آسودگانِ ڈھاکہ'' کے دیباچے میں یوں کیا:

''اب کہ داہنی آنکھ میں پانی اتر رہا ہے' قویٰ مضمحل ہوچکے ہیں' کتب خانہ جو ساری زندگی کا اندوختہ ہے' بے ترتیب پڑا ہے۔ کام بہت اور زندگی ختم ہورہی ہے۔ ساتھ والے جاچکے ہیں' جو ہیں چلنے پر طیار (کذا) بیٹھے ہیں اگر اس عمر میں اپنے رسائل و کتب کی اشاعت ہی کراسکا تو سمجھوں گا کہ میں نے زندگی بیکار نہیں کھوئی''۔

جنوری ۱۹۴۷ء میں انہوں نے اپنے بعض احباب کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے

Marfat.com

پیشگوئی کی کہ میری موت اچانک واقع ہوگی۔ یہ پیشگوئی انہوں نے غالباً اس بنا پر کی تھی کہ ان کے بلڈ پریشر اور بعض دوسرے عوارض میں شدت پیدا ہوگئی تھی۔

۲۳ فروری ۱۹۴۷ء کو معمول کے مطابق متعدّد مریضوں کو جا کر دیکھا۔ مغرب کے بعد نشست گاہ میں بیٹھ کر دیر تک احباب سے پُرلطف گفتگو میں مصروف رہے تاہم بلڈ پریشر بڑھ جانے کی وجہ سے وہ محسوس کر رہے تھے کہ وقت آخر قریب آ پہنچا ہے۔ اثنائے گفتگو میں فرمایا' آج مولانا ظفر احمد عثمانی ڈھاکہ میں نہیں ہیں اس کی فکر ہے۔ اس سے پہلے وہ اس خواہش کا اظہار کر چکے تھے کہ میرے مرنے کے بعد نمازِ جنازہ مولانا ظفر احمد عثمانی (تھانوی) پڑھائیں گے اور اگر وہ نہ ہوں تو مدرسہ اشرف العلوم کے مہتمم پیر جی عبدالوہاب پڑھائیں۔ اتفاق دیکھیے کہ اس دن مولانا ظفر احمد عثمانی ڈھاکے سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ رات کے تین بجے دل کا شدید دورہ پڑا۔ ڈاکٹر کے لیے آدمی گیا لیکن جونہی ڈاکٹر نے گھر کے اندر قدم رکھا' حکیم صاحب کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ان کی رحلت کی خبر آناً فاناً سارے شہر میں پھیل گئی اور ہر طرف کہرام مچ گیا۔ مرحوم بڑی ہر دلعزیز شخصیت تھے۔ صبح کو ہر طرف سے غمزدہ لوگ جوق در جوق جنازے کے لیے پہنچنے لگے۔ جنازہ اٹھا تو اس کے ساتھ حدِ نظر تک پھیلا ہوا غم سے نڈھال انسانوں کا اِزدحام تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس سے پہلے چشمِ فلک نے ڈھاکے میں شاید ہی کبھی کسی جنازے میں اتنا بڑا مجمع دیکھا ہو۔ مرحوم کی وصیّت کے مطابق نمازِ جنازہ پیر جی عبدالوہاب نے پڑھائی۔ تدفین والدِ مرحوم کی پائنتی کی جانب "عظیم پور دائرہ شریف" کے قبرستان میں انجام پائی۔ ان کے سوگ میں ڈھاکہ کے تمام بازار بند رہے۔ اخبارات اور رسائل نے دردناک تعزیتی کالم لکھے اور حکیم صاحب کی رحلت کو بہت بڑا قومی نقصان قرار دیا۔ اسی طرح بہت سے ادباء اور شعراء ان کی یاد میں اپنے اپنے طور پر عرصہ تک قطعات

Marfat.com

تاریخ، نظمیں اور مرثیے کہتے رہے۔ اس نوع کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

فروری آئی ہے پھر یاد حبیب آنے لگی
چشمِ پُرنم رنج و غم سے اشک برسانے لگی
خدمتِ انسانیت کا اِک سراپا تھے حبیب
بات جیسی تھی زبانِ خلق پہ آنے لگی
کارِ ہمدردی شفاء الملک کا تھا مشغلہ
روحِ اہلِ خیر دیکھو وجد میں آنے لگی
ہے فنِ طِب پر جو احسان آپ کا بنگال میں
کیا بتاؤں غم سے ہچکی پے بہ پے آنے لگی

علامہ سیّد سلیمان ندویؒ نے اپریل ۴۷ء کے ''معارف (اعظم گڑھ) میں حکیم حبیب الرحمٰن مرحوم کے زیرِ عنوان ایک طویل تعزیتی مقالہ لکھا جس کو ان الفاظ پر ختم کیا:۔

''حبیبی! دوستوں نے تمہارے لیے مرثیے لکھے' احباب نے تمہارے فراق میں آہِ جگر سوز کھینچی' جاننے والوں نے تمہارے اوصاف گنائے' ماننے والوں نے تمہارے احسانات یاد کیے' مگر تم اس دنیا میں ہو جہاں اس دنیا کی مدح و ستائش کی حکایتیں نہیں پہنچتیں' مغفرت کی دعائیں تمہارے لیے ہیں۔ غفور و رحیم ان کو قبول فرمائے۔''

پسماندگان

حکیم صاحبؒ نے اپنے پیچھے دو صاحبزادیاں اور چار صاحبزادے چھوڑے۔ ان کے علاوہ سوگواروں کا ایک بہت وسیع حلقہ' صاحبزادوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ الحاج حکیم اوتضاء الرحمٰن خان اخونزادہ' حبیبیہ طبیہ کالج کے پرنسپل بنے۔

۲۔ حکیم حسام الرحمٰن خان' کچھ عرصہ حبیبیہ طبیہ کالج کے پرنسپل رہے' پھر نیو مارکیٹ

Marfat.com

ڈھاکہ میں ''بڑا دواخانہ'' کے نام سے اپنا مطب قائم کیا۔

۳- اجتباء الرحمٰن خان' ایل آئی سی میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔

۴- اصطفاء الرحمٰن خان

علمی آثار

علمی آثار سے ہماری مراد حکیم صاحب کی چھوڑی ہوئی ان نشانیوں سے ہے جن کا تعلق ''علم'' کے کسی بھی شعبہ سے تھا۔ ان کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱- حکیم صاحب کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف اور تالیفات

۲- وہ کتابیں جن کا حکیم صاحب نے کسی دوسری زبان سے اردو میں ترجمہ کیا۔

۳- حکیم صاحب کے مقالات جو مختلف جرائد میں شائع ہوئے۔

۴- مخطوطات' فرامین' قدیم سکوں' کشمیری شالوں اور نایاب کتابوں کی صورت میں حکیم صاحب کے جمع کیے ہوئے نوادر (ان کا تعلق علم کے شعبۂ تاریخ و ثقافت سے ہے)

۵- مکتوبات جو حکیم صاحب نے وقتاً فوقتاً مختلف علمی شخصیتوں کو لکھے۔

اب ہم ان آثار کا اسی ترتیب سے جائزہ لیتے ہیں۔

۱- مطبوعہ کتابیں

نعت ہی نعت حصہ سوم' نعتیہ قصائد اور غزلوں کا مجموعہ' حکیم صاحب نے اسے اپنی پہلی تالیفی کوشش قرار دیا ہے۔ اس میں شعرائے ڈھاکہ کا کچھ نایاب اور نادر کلام بھی موجود ہے۔ ۱۹۰۰ء میں چھپی' ۴۴ صفحات پر مشتمل تھی۔ حکیم صاحب خود بھی شعر کہتے تھے اور احسن تخلص کرتے تھے۔ پہلی غزل دس سال کی عمر میں کہی۔

۲- الفارق

یہ دینی کتاب حکیم صاحب نے اپنے تعلیمی دور ۱۹۰۱ء میں لکھی۔ اس میں ایسے

Marfat.com

طبی الفاظ اور اصطلاحات کی تشریح کی گئی ہے جو مترادف ہم شکل اور ہم معنی ہیں۔ حکیم محمد اجمل خان دہلوی نے ۸۰ صفحات کے اس رسالے کو دیکھ کر بہت پسند کیا اور اس کے پچاس نسخے خریدے۔ مقصد نوجوان (طالبِ علم) مصنف کی حوصلہ افزائی کرنا تھا۔ کتاب میں طبِ نظری اور طبِ علمی کے زیرِ عنوان دو مقالے ہیں ان میں ۱۲۸۵ امراض کا ذکر ہے اور بعض اِطباء کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

۳۔ حیاتِ سقراط

اس میں یونان کے نامور حکیم سقراط کے حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں۔ یہ بھی حکیم صاحب کے طالب علمی کے زمانے کی تصنیف ہے۔

۴۔ ترکِ موالات پر مستند علماء ہند کی رائے

۱۹۴۰ء میں مہاتما گاندھی کے ایماء پر تحریک ترکِ موالات (نان کوا پریشن) چلی تھی۔ مسلمانانِ بنگال کے نزدیک اس تحریک کی تعلیمی مقاطعہ کی شق ان کے لیے سخت نقصان دِہ تھی۔ اس لیے انہوں نے "حفاظتِ تعلیمِ مسلمانان" کے نام سے ایک کمیٹی بنائی۔ حکیم صاحب نے اس مسئلہ پر مستند علماءِ ہند کی آراء حاصل کیں اور انہیں ایک رسالے کی صورت میں مرتب کیا۔ مذکورہ کمیٹی نے اس رسالے کو کثیر تعداد میں چھپوا کر تقسیم کیا بعد میں اس کا بنگالی میں بھی ترجمہ چھپوا کر تقسیم کیا گیا۔ یہ رسالہ ۴۲ صفحات پر مشتمل تھا۔

۵۔ آسودگانِ ڈھاکہ

۱۵۸ صفحات کی یہ کتاب اکتوبر ۴۶ء میں (حکیم صاحب کی وفات سے چار ماہ پہلے) چھپی۔ اس میں ڈھاکہ کے تمام مزارات اور ان میں مدفون بزرگوں کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔

Marfat.com

۶۔ ڈھاکہ پچاس برس پہلے

یہ کتاب حکیم صاحب کی ان تقریروں کا مجموعہ ہے جو انہوں نے ۱۹۴۵ء میں ڈھاکہ ریڈیو سٹیشن سے نشر کی تھیں۔ افسوس کہ حکیم صاحب اس کتاب کو اپنی زندگی میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوتے نہ دیکھ سکے۔ ریڈیو پاکستان ڈھاکہ نے اسے حکیم صاحب کی وفات کے بعد شائع کیا پھر ۱۹۴۹ء میں اسے شیخ نیاز احمد صاحب نے کتاب منزل لاہور کی طرف سے شائع کیا۔ اس کا دیباچہ اس وقت کے گورنر جنرل پاکستان خواجہ ناظم الدین نے لکھا۔ اس ایڈیشن میں سولہ تقریریں شامل کی گئی ہیں جن کے عنوانات یہ ہیں۔

(۱) ڈھاکہ تاریخ کی نظر میں (۲) ڈھاکے کی صنعت (ململ) (۳) ٹوپیوں کی کہانی (۴) رمضان کی آمد (۵) ڈھاکے کی روئی (۶) پیشے (۷) طعام داریاں (۸) ڈھاکے کے مخصوص کھانے (۹) مشہور کھانے (۱۰) کشتی اور ورزش (۱۱) مٹھائیاں (۱۲) کھیلیں (۱۳) مشاغلِ موسیقانہ (۱۴) میلے ٹھیلے (۱۵) طبلہ اور گانے (۱۶) حقہ پان چائے

۷۔ ثلاثۂ غسالہ

حکیم صاحب کی یہ معرکہ آراء تالیف ان کی وفات کے اڑتالیس سال بعد مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور کی طرف سے باہتمام ڈاکٹر عبدالوحید قریشی صاحب شائع ہوئی۔

اس کتاب کا مسودہ سالہا سال تک دستیاب نہ ہو سکا۔ حکیم صاحب کی وفات کے کوئی چالیس سال بعد یہ لعلِ گمشدہ دستیاب ہوا۔ جناب ڈاکٹر عارف نوشاہی صاحب (اسلام آباد) نے محترمہ ڈاکٹر کلثوم ابوالبشر سابق صدر نشین شعبۂ اردو و

Marfat.com

فارسی ڈھاکہ یونیورسٹی (بنگلہ دیش) سے مسوّدے کے تینوں (اردو' عربی' فارسی) حصوں کی نقول حاصل کر کے اس کو موجودہ صورت میں مرتّب کیا' ساتھ ہی ۹۰ صفحات پر محیط نہایت مفید تعلیقات بھی لکھیں اور ۳۷ صفحات پر محیط اشاریہ بھی تیار کیا۔ کتاب کا اصل متن ۲۱۸ صفحات پر محیط ہے۔ یہ محقّقانہ کتاب بنگال میں اردو' عربی اور فارسی زبانوں میں تصنیف شدہ کتب کی ''کتابیات'' ہے۔ اس میں بنگالی مصنفین کے علاوہ ان غیر بنگالی مصنفین کی کتابیں بھی شامل ہیں جو انہوں نے بنگال میں قیام یا سفرِ بنگال کے دوران میں لکھیں۔ یہ کتاب جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے' حکیم صاحب نے علاّمہ شبلی نعمانی مرحوم کی فرمائش پر لکھنی شروع کی اور چالیس سال کے طویل عرصے میں اسے مکمل کیا۔ اس میں زیادہ تر تیرہویں' چودھویں صدی ہجری/ انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی کے دوران لکھی جانے والی کتابوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ مصنّف کا اندازِ تحریر بہت دلچسپ ہے۔ اس سے بنگال کی تہذیب و ثقافت کے بارے میں گرانقدر معلومات ملتی ہیں۔ کتاب کا نام ''ثلاثۂ غسالہ'' حافظ شیرازی کی اس غزل کے مطلع سے لیا گیا ہے جو انہوں نے سلطان بنگال کو لکھ کر بھیجی تھی۔ مطلع یہ ہے۔

ساقی حدیثِ سرو وگل ولالہ می رود — ویں بحث با ثلاثۂ غسالہ می رود

اسی غزل کا ایک شعر یہ ہے۔

شکر شکن شوند ہمہ طوطیانِ ہند — زیں قندِ پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

(ب) غیر مطبوعہ تصانیف

۱۔ مساجدِ ڈھاکہ

۲۔ شعرائے ڈھاکہ

انؔ دونوں تصانیف کی نشاندہی حکیم صاحب نے ''آسودگانِ ڈھاکہ'' کے

Marfat.com

شروع میں ''معذرت و شکریہ'' کے عنوان کے تحت کی ہے۔ مگر ان دونوں کتابوں کے مسودوں کا کچھ اتا پتا نہیں چلا۔

۳- ایک بیاض

ڈھاکہ یونیورسٹی کے ذخیرۂ کتب میں حکیم صاحب کی ایک بیاض محفوظ ہے جس میں کچھ لطائف اور اسمائے مذکر و مؤنث کی بحث درج ہے۔ یہ بیاض ۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

۴- بیداری

جناب عارف نوشاہی نے ''ثلاثۂ غسالہ'' کی تقدیم میں سہ ماہی اردو شمارہ ۱، ۱۹۸۸ ص ۲۱ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حکیم صاحب کا لکھا ہوا یہ ڈرامہ ۱۹۲۰ء، ۱۹۲۴ء کے دوران میں ڈھاکہ میں کھیلا گیا۔ انہوں نے یہ تصریح نہیں کی کہ یہ زیورِ طبع سے آراستہ ہوا یا نہیں نیز اس کا مسودہ محفوظ ہے یا نہیں۔

۵- حکیم صاحب نے فوق کاشمیری کے نام اپنے ایک خط میں اپنی ایک کتاب ''بنگال کی ادبی تاریخ'' کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کتاب کو انجمن ترقیِ اردو دکن چھاپنے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کتاب چھپی یا نہیں۔ بہرحال اب یہ نایاب ہے۔

۲- مقدماتِ دیوانی کا دستور العمل

اصل کتاب انگریزی میں ہے یہ ولیم میکفرسن سپریم کورٹ کلکتہ کی لکھی ہوئی ہے۔ حکیم صاحب نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا جو ۵۸۷ صفحات پر محیط ہے۔

۳- مقالات

حکیم صاحب نے دو جریدے ''المشرق'' اور ''جادو'' تو خود اپنی ادارت میں

Marfat.com

نکالے۔ ان میں ان کی کافی تحریریں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ ان کے مضامین ملک کے کئی دوسرے بلند پایہ رسائل میں بھی شائع ہوتے رہتے تھے مثلاً ماہنامہ ادیب الہ آباد' ماہنامہ معارف اعظم گڈھ وغیرہ اگر یہ تمام مضامین جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔

۴۔ حکیم صاحب کے جمع کیے ہوئے نوادر

حکیم صاحب کو تاریخی نوادر جمع کرنے کا بہت شوق تھا چنانچہ مخطوطات' شاہی فرامین' قدیم سکّوں' کشمیری شالوں اور نایاب کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ ان کے پاس موجود تھا۔ ان کی وصیّت کے مطابق ۹۰ مخطوطات ڈھاکہ یونیورسٹی کی لائبریری کو دے دیے گئے اور ان کے جمع کردہ سکّے ڈھاکہ کے میوزیم کو منتقل کردیے گئے۔ باقی نوادر کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ حکیم صاحب کی اولاد کے پاس رہے یا وہ بھی کسی ادارے کو دے دیے گئے۔

۵۔ مکتوبات

حکیم صاحب کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا اور قریب قریب سارے ملک میں پھیلا ہوا تھا۔ اس حلقے میں اطبا' علما' ادبا' شعرا' سیاستدان اور صحافی وغیرہ سبھی طبقوں کے اصحاب شامل تھے۔ ان میں سے اکثر اصحاب کے ساتھ حکیم صاحب کی خط و کتابت ہوتی رہتی تھی اور یہ بالعموم وہی اصحاب ہوتے تھے جن کا دنیائے علم وادب یا اپنے فن میں کچھ مقام تھا۔ اپنے بعض خطوط میں حکیم صاحب ذاتی معاملات کے علاوہ اہم علمی اور ادبی موضوعات پر بھی اظہارِ خیال کیا کرتے تھے۔ افسوس کہ ان مکتوبات کو جمع کرنے کا کسی کو خیال نہ آیا اگر حکیم صاحب کے کچھ ایسے خطوط مل جاتے جو انہوں نے وقتاً فوقتاً علامہ شبلی نعمانیؒ' علامہ سیّد سلیمان ندویؒ اور بعض

Marfat.com

دوسرے مشاہیرِ علم وادب کو لکھے تو علمی دنیا کو گویا ایک گنجِ گرانمایہ ہاتھ آ جاتا۔

اس وقت ہمارے پاس حکیم صاحب کے چند خطوط موجود ہیں جو انہوں نے اپنے عزیز دوست منشی محمد الدین فوق کاشمیری مرحوم کو لکھے۔ منشی صاحب موصوف لاہور کے نامور صحافی، مورّخ، شاعر اور مصنّف تھے۔ کشمیری میگزین کے علاوہ کئی اور پرچے بھی ان کی زیرِ ادارت شائع ہوتے رہے۔ تاریخ اور تذکرہ نگاری سے ان کو خاص شغف تھا۔ انہوں نے اپنے پیچھے تصانیف کی ایک کثیر تعداد چھوڑی۔ کشمیر کے بارے میں تو ان کی گرانقدر تصانیف کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ علاّمہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے فوق مرحوم کو مجدِّدِ کشامرہ کا خطاب دیا تھا۔ ان کے نام حکیم صاحب کے تین خطوط کی نقل ہم یہاں درج کرتے ہیں۔ ان خطوط کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب کا اندازِ تحریر بہت سادہ اور بے تکلّفانہ ہوتا تھا۔ یہ تمام خطوط معمولی قسم کے سادہ کاغذ پر تحریر کیے گئے ہیں شاید حکیم صاحب نے اپنا رائٹنگ پیڈ نہیں چھپوایا تھا۔

(پہلا خط)

چھوٹا کٹرہ ڈھاکہ

۱۳-۱۱-۱۹

مکرمی، تسلیم! یاد آوری کا شکریہ قبول فرمایئے۔

"کشمیری کے نوٹ پر دلی شکریہ" ہاں پنجاب بھر میں آپ ہی میں جو بوئے وفا پاتا ہوں وہ اور کسی میں نہیں بہتر ہے اپریل میں قومی مجمع میں شریک ہو جیے۔ انصرام کار فرمایئے اور مئی میں پونچھ پہونچکر (کذا) دور افتادہ بھائیوں کی ڈھارس بندھایئے۔ امید دلایئے لیکن اس کے بعد جون کے وسط تک ڈھاکہ پہنچ

Marfat.com

جائیے۔ وادی کشمیر کی فضا مرغزار گلستان یہاں کہاں لیکن سبزہ تہ آب دل کے بدلے جل تھل نظارہ سبزۂ فراواں اور جون میں چونکہ طوفانی موسم بھی نہیں رہتا ہے اس لیے فصل عجیب خوش گوار ہو جاتی ہے۔ آپ نے گزشتہ سفر میں مضافات بالکل نہیں دیکھا ہے۔ اب کی میری ذمہ داری ہے کہ میں آپ کو مضافات اور قابلِ دید سیر گاہوں کی سیر کراؤں۔ طریقت کیا آپ نے بند کر دیا ہے نظام میں نے بھی دیکھا اچھا نکلا ہے مکرمی میں وسعتِ مضامین کا ہمیشہ سے (تجربۃً) مخالف ہوں' میں دیکھتا ہوں کہ ادب و تاریخ کے علاوہ بھی بہت کچھ ہوتا ہے اگر محدود مضامین ہوں تو بہت اچھی بات ہے۔ ''فرشتہ'' پر آپ جو لکھ رہے ہیں بڑی محنت اور کاوش سے لکھ رہے ہیں بس مجھ کو تو اسی قسم کے مضامین پسند ہیں۔ الف دین نے یہ کیا لکھا کہ عبدالرحیم خانخاناں کا ہندی کلام گھر گھر پہنچا ہوا ہے۔ ایسی مسامحت نہ چاہیے۔

مرزا صاحب سے مضمون لکھوانا المشرق مرحوم کے لیے تو ممکن ہی نہ ہوا (کذا) تا بہ دیگرے چہ رسد' محسن شاہ سے آخر آپ نے لکھوا چھوڑا۔ ان کو تاریخی شغف بھی ہے اس کی مجھے خبر نہ تھی۔

آپ کے والدِ ماجد کے لیے دست بدعا ہوں کہ خداوندِ پاک ان کو جلد صحت عطا فرمائیں اور آپ کے سر پر ان کا سایہ تا دیر قائم رکھے۔

اے صاحب مجھے فرصت ہے۔ شاید ہو لیکن مضمون نویسی کے لیے دماغی فرصت کی ضرورت ہے اور وہ مجھے کہاں نصیب۔

طریقت اور کشمیری میں جس قدر مضامین ڈھاکہ اور بنگال کے متعلق نکلے ہیں سب فوراً مجھے بھیج دیں' کچھ فروگذاشت ہو گئی ہے۔ میں درست کر کے ایک مختصر دیباچہ لکھ دیتا ہوں۔ آپ فوراً طبع کرائیے اور خان بہادر کے نام معنون

Marfat.com

کر دیجیے۔ آنے سے پہلے کم از کم اجرتِ طبع تو وصول ہو جائے۔ اس میں غفلت نہ کیجیے۔

والسلام

آپ کا

حبیب الرحمٰن

دوسرا خط

۲۹۔۵۔۱۰

مکرم ومحترم جناب منشی صاحب

السلام علیکم' مجھے اس خبر کے سننے سے سخت قلق پہنچا کہ آپ کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہوگیا۔ اِنّا لِلّٰہِ واِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن خدا مرحومہ کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ آخر عمر میں ایک پرانے رفیق کا گزر جانا خانہ بربادی کا باعث ہوتا ہے مگر کیا کیا جائے اللہ میاں کے کاموں میں کسی کو دخل نہیں۔ انسان مجبور ہے۔

نیازمند حبیب الرحمٰن

تیسرا خط

محترمی مکرمی' تسلیم جب خط کا جواب نہیں آیا تو میں نے سمجھا کہ آپ گرمی سے گھبرا کر کشمیر گئے ہیں۔ ابھی معلوم ہوا کہ نصیبِ اعدا مزاج خراب تھا۔ بھائی اب ہم آپ چراغِ سحری ہیں۔ ہندوستان کی اوسط عمر ۲۳ ہے۔ اس حساب سے دوگنے سے زیادہ بچے اور یہ باعث شکر ہے۔

آپ نے میرے بارے میں نیا کچھ نہیں لکھا۔ میرے آپ کے تعلقات کو بھی

Marfat.com

برسوں گزر گئے۔ لاہور سے متعلق ہمیشہ آپ کو تکلیف دیا کرتا ہوں اور جب تک زندہ ہوں اور زندہ ہیں دوں گا۔

یہ سن کر آپ ضرور خوش ہوں گے کہ بنگال کی ادبی تاریخ یعنی میری کتاب بلا میری تحریک کے انجمن ترقی اردو دکن چھاپنے پر آمادہ ہوگئی ہے۔

زیادہ عبارت کی ضرورت نہیں۔ ۲ سطر ابتداء کی کافی ہے حجم سنہ طباعت ضرور رہے۔ اب آپ اچھے ہیں یہ پڑھ کر خوش ہوا۔ خدا کرے آپ جب تک زندہ ہیں اچھے رہیں۔ پنجاب نے بہت لکھنے والا پیدا کیا ہے لیکن آپ کا رنگ جدا ہے مذاق الگ ہے' راستہ علیحدہ ہے' لاہور اور پنجاب کے لیے بتلایئے تو کس نے کیا کیا ہے؟

کشمیر کا سوال تو علیحدہ چیز ہے اور اس میں تو آپ منفرد ہیں۔

یہاں تو جمود طاری ہے' سرناظم بڑھ رہے ہیں' میں نے کئی بار متوجہ کیا لیکن متوجہ نہیں ہوئے۔ یہ لوگ اردو کی دنیا سے نابلد محض ہیں اس لیے مسلمانوں کی خالص تحریکوں سے ناواقف اور یہی وجہ ہے کہ اثر نہیں ہوتا۔ سر سلیم اللہ بھی اردو کم جانتے تھے مگر ان پر اردو دانوں کا کچھ نہ کچھ اثر تھا۔

کتاب ضرور بھیجئے کہ میرے پاس آپ کی ساری یادگاریں محفوظ ہیں۔

والسلام

آپ کا حبیب الرحمٰن

۲۲۔۶۔۳۵

رحمتہ اللہ علیہ

Marfat.com

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

بیسویں صدی میں بعض ہمہ گیر اور ولولہ انگیز تحریکوں کے نتیجے میں جہاں یورپ ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ملکوں نے غیروں کے پنجۂ استبداد سے آزادی حاصل کی وہاں کچھ نئے ملک بھی معرضِ وجود میں آئے۔ ان تحریکوں میں بعض وجوہ کی بنا پر تحریکِ پاکستان کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس تحریک میں علماء کرام کا کردار ایک ایسا موضوع ہے جس پر بڑی تفصیل سے گفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔ سرِدست ہم اتنا ہی کہنے پر اکتفا کریں گے کہ جہاں برّکوچک کے علماءِ کرام کے ایک گروہ نے اس تحریک کی زبردست مخالفت کی وہاں مختلف مکاتبِ فکر کے بہت سے علماء کرام نے اس تحریک کی حمایت میں اپنی جانیں لڑا دیں اور یوں اپنے آپ کو قائدِ اعظمؒ محمد علی جناحؒ کے دست و بازو ثابت کر دیا۔

یہ انہی علماءِ کرام کی شبانہ روز مساعی کا نتیجہ تھا کہ مسلم لیگ کا مطالبہ پاکستان جمہور مسلمانانِ ہند کا مطالبہ بن گیا جس کے لئے انہوں نے سردھڑ کی بازی لگا دی۔ یہاں تک کہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو "لے کے رہیں گے پاکستان بن کے رہے گا پاکستان" کے نعرے حقیقت کے قالب میں ڈھل گئے اور مملکتِ خداداد پاکستان کا قیام عمل میں آ گیا۔ جن علماءِ کرام نے تحریکِ پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا 'قائدِ اعظم کو ان کی خدمات کا اعتراف تھا اور وہ ان کی بے حد عزت کرتے تھے۔ ان

Marfat.com

علماءِ کرام میں سب سے فعّال، نمایاں اور موثر کردار علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ علامہ موصوف علم و عمل زہد و تقویٰ انکسار و تواضع، تبحر اور جامعیت کے پیکرِ جمیل تھے۔ و دینی علوم میں ایک بحرِ ناپیدا کنار تھے۔ تفسیر، حدیث اور فقہ پر مکمل عبور تھا۔ اسی طرح فروعی اور فقہی مسائل میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ تمام علماء دیوبند میں ان کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ ان کو مولانا محمد قاسمؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے علوم و معارف پر پورا احتوا تھا حالانکہ موصوف کے مضامین نہایت غامض، دقیق اور مشکل ہوتے تھے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے بقول علامہ شبیر احمدؒ ان مضامین کی تعبیر و تفہیم ایسے آسان پیرائے میں کرتے تھے کہ وہ دل نشین ہو جاتے تھے۔

(یادِ رفتگاں ترجمہ: مولانا شبیر احمد عثمانیؒ)

دوسرے کمالاتِ علمی کے علاوہ علامہ شبیر احمد تقریر و خطابت میں بھی غیر معمولی ملکہ رکھتے تھے۔ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ:

"مولانا شبیر احمد صاحب بڑے خطیب و مقرر تھے۔ عالمانہ استدلال کے ساتھ بڑے دلچسپ قصے اور لطیفے بھی بیان کرتے تھے جس سے اہلِ محفل کو بڑی دلچسپی ہوتی تھی اور ظریفانہ فقرے اس طرح ادا کرتے تھے کہ خود نہیں ہنستے تھے مگر دوسروں کو ہنسا دیتے تھے۔ ان کی تقریروں میں کافی دلائل بھی ہوتے تھے اور سیاسی، علمی، تبلیغی اور واعظانہ ہر قسم کے بیان پر ان کو قدرت حاصل تھی۔ ذہانت و طبّاعی اور بدیہہ گوئی ان کی تقریروں سے نمایاں ہوتی تھی۔ اکبر کے ظریفانہ اور فلسفیانہ شعر ان کو بہت یاد تھے اور وہ ان کو اپنی تقریروں میں عمدگی سے کھپاتے تھے۔"

مولانا ماہر القادری مرحوم نے علامہ موصوفؒ کی وفات پر اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے ان کی تقریر و خطابت کے بارے میں یوں اظہارِ خیال کیا:

Marfat.com

"علامہ شبیر احمد عثمانی کا اندازِ تقریر بے حد دل نشین اور اثر انگیز تھا۔ "از دل خیزد بردل ریزد" کی کیفیت ان کی تقریر میں ہر سننے والے کو محسوس ہوتی۔ سادہ سادہ باتیں، بناوٹ تکلف اور آورد سے دور، داد و ستائش حاصل کرنے کے لیے سامعین کے جذبات سے وہ نہ کھیلتے بلکہ شروع سے اخیر تک تقریر میں وقار و متانت کا سلسلہ قائم رہتا۔ اکبر الہ آبادی کے اشعار نہایت سلیقہ کے ساتھ استعمال فرماتے اور ان کی باریکیوں اور حکیمانہ نکتوں کی شرح بھی کرتے جاتے۔ علامہ کی تقریریں اگر منضبط کرلی جاتیں تو علم و ادب کا یہ بہت بڑا سرمایہ ہوتا۔"

مختصر یہ کہ علامہ شبیر احمدؒ کو اللہ تعالیٰ نے تقریر و خطابت کی جو غیر معمولی صلاحیتیں عطا کی تھیں۔ انہوں نے وہ سب تحریک پاکستان کی کامیابی کے لیے وقف کردیں۔ ان کے نزدیک حصولِ پاکستان کا مقصد صرف یہ تھا کہ اس خطۂ ارض میں اسلام سربلند اور زندگی کے ہر شعبے میں کارفرما ہو۔ یوں مسلمان دنیا پر ثابت کرسکیں کہ اسلام اور حاملینِ اسلام کا غلبہ و اقتدار عالَمِ انسانی کے لیے کن کن فیوض و برکات اور کیسی کیسی کامرانیوں اور خوشحالیوں کا باعث ہوتا ہے۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ علامہ موصوف اور ان کے ہم خیال علماء کا یہی مقصد 'نظریۂ پاکستان' کے نام سے مشہور ہوا۔ یہی نظریہ جمہور اسلامیانِ ہند نے اپنایا اور اسی کی بنیاد پر پاکستان کا ملک دنیا کے نقشے پر ابھرا۔ اگر کوئی برخود غلط لیڈر قیامِ پاکستان کا مقصد کچھ اور بیان کرتا ہے تو وہ شرمناک کذب بیانی کا ارتکاب کرتا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء میں بھارت کے صوبہ یوپی کے مشہور شہر) بجنور میں ایک خوشحال دینی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والدِ گرامی کا نام مولانا فضل الرحمٰن عثمانی تھا۔ وہ محکمہ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے پر فائز تھے اور ایک جیّد عالمِ دین ہونے کے علاوہ فارسی و اردو کے بلند پایہ شاعر تھے۔ انہوں نے

Marfat.com

دہلی کالج کے نامور عالمِ دین استاذ العلماء مولانا مملوک علیؒ (متوفی ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۱ء) سے تعلیم پائی تھی۔ اس دور کے متعدد دوسرے سرآمد روزگار علماء بھی مولانا مملوک علیؒ کے شاگرد تھے۔ ان میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ اور مولانا محمد مظہر صدر المدرسین مظاہر العلوم کے اسماء گرامی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ساتھ مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ وہ دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے آخر تک رُکن رہے۔ مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ نے ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں وفات پائی۔ انہوں نے اپنے پیچھے تین سعادت مند فرزند چھوڑے۔ (مفتی) عزیز الرحمٰنؒ (مولانا) حبیب الرحمٰن اور (علامہ) شبیر احمدؒ یہ تینوں فرزند چند سال بعد آسمانِ علم و فضل پر آفتاب بن کر چمکے اور برِّ کوچک کے یگانہ روزگار علماء میں شمار ہوئے۔

علامہ شبیر احمدؒ نے دینی تعلیم کی تحصیل کا آغاز سات سال کی عمر میں کیا۔ ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں وہ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوگئے۔ اس وقت ان کی عمر بیس سال کی تھی۔ دارالعلوم میں ان کا شمار شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ارشد تلامذہ میں ہوتا تھا۔ شیخ الہندؒ کے دستِ حق پرست پر انہوں نے بیعت بھی کرلی تھی۔ تکمیلِ علوم کے بعد وہ دہلی کے مشہور مدرسہ فتح پوری میں صدر مدرّس مقرر ہوئے لیکن تین سال کے بعد ہی انہیں وہاں سے دارالعلوم دیوبند میں بلالیا گیا یہاں وہ عرصے تک درجۂ علیا کی مختلف کتابیں پڑھاتے رہے۔ اس زمانے میں ان کے درسِ صحیح مسلم کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ اس کے علاوہ ان کو مولانا قاسم نانوتویؒ کے علوم کے شارح کی حیثیت سے منفرد مقام حاصل ہوا۔ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد اکابرِ دیوبند کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہوگئے۔ ان کے نتیجے میں ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۰ء میں علامہ شبیر احمدؒ مولانا انور شاہ کشمیریؒ

Marfat.com

مفتی عزیز الرحمٰنؒ مولانا سراج احمدؒ اور کچھ دوسرے علماء دارالعلوم دیوبند کو چھوڑ کر ڈابھیل (ضلع سورت، گجرات کاٹھیاواڑ) تشریف لے گئے۔ وہاں پہلے سے ایک مدرسہ جامعہ اسلامیہ کے نام سے قائم تھا۔ یہ مدرسہ تو معمولی سا تھا البتہ اس کی عمارت اچھی خاصی تھی۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ کا بیان ہے کہ مولانا انور شاہؒ مولانا شبّیر احمدؒ اور مولانا سراج احمدؒ وغیرہ نے یہاں دوسرا دیوبند قائم کیا۔ بہت سے سرحدی، ولایتی، بنگالی اور ہندوستانی طالب علم بھی ان کے ساتھ آئے اور چند سال تک زور وشور سے ان صاحبوں کا درس وہاں جاری رہا۔ (یادرفتگاں)

مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی وفات کے بعد ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء) میں علامہ شبّیر احمدؒ جامعۂ اسلامیہ ڈابھیل کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء میں وہ اپنی مادرِ علمی درسگاہ دیوبند میں واپس تشریف لے آئے۔ ان کو واپس لانے میں مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے اکابرِ دیوبند کی مساعی کا بڑا دخل تھا۔ وہ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند کی حیثیت سے ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء تک کام کرتے رہے۔ اس دوران میں جامعۂ اسلامیہ ڈابھیل سے بھی تعلّق قائم رہا۔

۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء میں دارالعلوم دیوبند کے اکابر کے درمیان متحدہ قومیت کے مسئلہ پر شدید سیاسی اختلاف پیدا ہو گئے۔ بالفاظِ دیگر کانگرسی اور مسلم لیگی نظریات میں ٹکراؤ ہو گیا۔ اس سلسلے میں دارالعلوم میں بعض ناخوشگوار واقعات بھی پیش آئے۔ ان کے نتیجے میں علامہ شبّیر احمدؒ اپنے منصب سے مستعفی ہو گئے۔ اس کے بعد وہ پوری قوّت کے ساتھ مسلم لیگ اور تحریکِ پاکستان کی حمایت میں سرگرمِ عمل ہو گئے اس سے پہلے بھی وہ میدانِ سیاست میں مختلف حیثیتوں میں اہم کردار ادا کر چکے تھے۔ کوئی پچیس تیس سال پہلے وہ خلافت کمیٹی کے اہم رُکن رہ چکے تھے اور جنگِ بلقان کے زمانے میں انہوں نے ترکوں کی مدد کے لیے چندہ جمع کرنے میں بڑی تگ و دو کی

Marfat.com

تھی۔ اس کے بعد وہ سالہا سال تک جمعیۃ العلماء ہند کی مجلسِ عاملہ کے رُکن رہے۔ ان کا شمار جمعیت کے چوٹی کے رہنماؤں میں ہوتا تھا۔ ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء میں سلطان ابنِ سعود (مرحوم) والیِ حجاز نے مکہ معظمہ میں ایک عالمگیر اسلامی کانفرنس بلائی تھی۔ اس کانفرنس میں جمعیۃ العلماء ہند کی طرف سے جو وفد شریک ہوا' اس میں علامہ شبیر احمدؒ بھی شامل تھے۔ انہوں نے اپنے وفد کی سلطان سے ملاقات کے موقع پر عربی زبان میں نہایت مؤثر اور شستہ تقریر کی جس میں اکابرِ دیوبند کے عقائد اور فقہی مسلک کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا۔ سلطان بڑی حد تک یہ تقریر توجّہ کے ساتھ سنتے رہے۔

دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد علاّمہ موصوف نظریاتی اختلاف کی بنا پر جمعیۃ العلماء ہند سے بھی الگ ہوگئے اور تحریکِ پاکستان اور مسلم لیگ کی حامی جمعیۃ العلماء اسلام میں شامل ہوگئے۔ اس جمعیت میں تحریکِ پاکستان کے حامی علماء و مشائخ کی بہت بڑی تعداد شامل تھی۔ ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء میں علامہ شبیر احمدؒ جمعیۃ العلماءِ اسلام کے صدر منتخب ہوئے۔

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ جمعیۃ العلماءِ اسلام نے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی قیادت میں تحریکِ پاکستان کو کامیاب بنانے کے لیے جو بے مثال جدوجہد کی' اس نے قائدِ اعظمؒ کے مشن کو بے حد تقویت پہنچائی اور اس تحریک کو ایک سیاسی مسئلہ ہی نہیں بلکہ اس کی حمایت کو جمہور اسلامیانِ ہند کے لیے ایک ملّی اور دینی فریضہ بنا دیا۔ قائدِ اعظمؒ نے اپنی ذاتی حیثیت میں بھی اور مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے بھی علامہ شبیر احمدؒ کے کردار کو بے حد سراہا اور تادمِ آخر اُن کی ملّی خدمات کے معترف اور مدّاح رہے۔

۱۹۴۶ء میں ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی کا انتخاب ہوا تو علاّمہ شبیر احمد عثمانیؒ

Marfat.com

بنگال کی طرف سے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر اس کے رکن منتخب ہوئے۔ تقسیمِ ہند کے بعد ان کو مشرقی پاکستان کے نمائندے کی حیثیت سے پاکستان کی مجلسِ دستور ساز کا رکن منتخب کیا گیا اور پھر شرعی دستور کمیٹی کا صدر مقرر کیا گیا۔

علامہ موصوف قیامِ پاکستان سے چند دن پہلے رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء میں بھارت سے ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے آئے اور کراچی میں مقیم ہوئے۔ قائدِاعظم کو ان کا اس قدر احترام ملحوظ تھا کہ ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو مملکتِ خداداد پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو ان کے ایما پر پاکستانی کا قومی پرچم سب سے پہلے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لہرایا۔

این سعادت بزورِ بازو نیست

تانہ بخشد خدائے بخشندہ

فی الحقیقت اس سعادت میں کوئی اور علامہ شبیر احمدؒ کا شریک و سہیم نہیں۔

علامہ موصوف نے کراچی پہنچ کر کوئی سرکاری عہدہ حاصل نہیں کیا حالانکہ وہ بڑے سے بڑا عہدہ آسانی کے ساتھ حاصل کر سکتے تھے تاہم دینی معاملات میں اربابِ اقتدار کے نزدیک ان کی حیثیت مشیرِ خاص کی تھی۔ اسی لیے وہ عوام النّاس میں ''شیخ الاسلام'' کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے جو اسلامی حکومتوں میں بالعموم قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا لقب رہا ہے۔

علامہ شبیر احمد حقیقی معنوں میں ایک درویش صفت انسان تھے۔ لباس بے حد سادہ اور معمولی ہوتا تھا۔ رہنے سہنے کا انداز بھی نہایت سادہ اور تکلفات سے پاک تھا۔ پاکستان آ کر انہوں نے اپنا کوئی گھر بنایا نہ کسی کی ذاتی کوٹھی پر قبضہ کیا اور نہ کوئی بنگلہ اپنے نام الاٹ کرایا بلکہ ایک مخلص عقیدت مند کے مکان میں رہے یہاں تک کہ سوا دو سال بعد خالقِ حقیقی کے حضور پہنچ گئے۔ ۲۸ ماہ کی اس مختصر مدت میں علامہ

Marfat.com

موصوف کی تمام سرگرمیوں کا محور (پاکستان میں نظامِ اسلام کا نفاذ) تھا۔ فی الحقیقت پاکستان کی حکومت کو قرآن وسُنّت کی بنیاد اور منہاج پر ''اسلامی حکومت'' بنانا ان کا مقصدِ حیات تھا۔ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کو قراردادِ مقاصد منظور کرنے کی جو سعادت نصیب ہوئی اس میں بعض دینی جماعتوں کی جدوجہد کے ساتھ علامہ موصوف کی مساعی کا بھی بہت کچھ عمل دخل تھا۔ وہ حکومت کے غلط کاموں پر اربابِ حکومت کو برابر ٹوکتے رہتے تھے اور اس معاملے میں کسی مصلحت یا مداہنت سے کبھی کام نہیں لیتے تھے۔ انہوں نے ۱۴ اگست ۴۸ء کو ریڈیو پاکستان سے جو تقریر نشر کی وہ ان کے مقصدِ حیات اور احساسات کی آئینہ دار تھی۔ یہ تقریر جس کا ایک ایک لفظ نظریۂ پاکستان کی عکاسی کرتا ہے' اس کا پورا متن ملاحظہ کیجیے۔

''اللہ پاک کی اس کرم گستری اور نعمت بخشی کا کس زبان سے شکر ادا کیا جائے کہ اس نے ہمیں صدیوں کی محکومی سے نجات دی اور طرح طرح کی خامیوں اور کوتاہیوں سے صرفِ نظر فرما کر محض اپنے فضل و رحمت سے ہمیں ایک خطّۂ زمین پر اقتدار بخشا اور موقع دیا کہ ہم اپنی وہ دیرینہ آرزوئیں پوری کر سکیں جو اسلام کو سربلند اور زندگی کے ہر شعبہ میں کارفرما دیکھنے اور دنیا پر یہ ثابت کرنے کے لیے ہمارے دلوں میں موجزن رہی ہیں کہ اسلام اور حاملینِ اسلام کا غلبہ و اقتدار عالم انسانی کے لیے کن کن فیوض و برکات اور کیسی کیسی کامرانیوں اور خوش حالیوں کا حامل ہوتا ہے۔

شمسی نظامِ ماہ و سال کے اعتبار سے آج پورے بارہ مہینے ہوئے کہ ہم اغیار کے تسلط سے آزاد ہو گئے اور دنیا کی سب سے بڑی مملکت کے مختار و کارفرما قرار پائے۔ اس حصولِ آزادی نے وہ تمام بیرونی رکاوٹیں دُور کر دیں جو زندگی کے کم از کم اجتماعی شعبوں میں ہماری اس راہ میں حائل تھیں جس پر چل کر ہم نے نہ صرف

Marfat.com

دنیائے اسلام کے سامنے بلکہ سارے عالم کے سامنے ایک ایسے معاشرہ اور ایسی مثالی مملکت کا نمونہ پیش کر سکتے ہیں جس میں دجل و فریب کی جگہ صدق و صفا' بدعہدی و خیانت کی جگہ پاسِ عہد و امانت' ہوا پرستی کی جگہ حق کوشی' ظنّ و تخمین کی جگہ ایمان و ایقان کی کارفرمائی ہو' جہاں اخلاقی انتشار و ہوس رانی کی جگہ ضبط نفس و پاکیزگی کا دَور دَورہ ہو' جہاں اقتصادی چیرہ دستیوں کی جگہ معاشی توازن ہو جہاں زیردست بالادستوں کے ظلم و عدوان کے خوف سے مامون ہو' جہاں مخلوق کی گردنیں مخلوق کی غلامی سے آزاد ہوں جہاں نیکی کی قوتوں کو ابھرنے' پنپنے اور فروغ پانے کے لیے سازگار فضا میسّر آ سکے' جہاں بدی کے سرچشمے بے آب ہو کر خشک ہو جائیں جہاں کا ہر وفادار باشندہ بلالحاظ مذہب و ملّت اور بلاتفریق نسل و رنگ یہ محسوس کرے کہ امن و آشتی' عدل و انصاف' آزادیِ ضمیر' احترامِ انسانیت' تحفظِ جان و مال اور بقائے ننگ و ناموس کے لیے صفحۂ ہستی پر اس سے بہتر خطّہ میسّر نہیں۔ غرضیکہ پاکستان کی شکل میں ہمیں ایک خطّۂ زمین اس جنّتِ ارضی کی تعمیر و تشکیل اور ان فرائضِ منصبی کی انجام دہی کے لیے مل گیا ہے جو ہم پر خیرالامم ہونے کی حیثیت سے عائد ہوتے ہیں کہ ہم اچھائیوں کا حکم کریں اور برائیوں سے روکیں۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ اگر اس نعمت کی سچی قدرشناسی اور اس عطا پر سچی شکرگزاری میں ہم کوتاہی کریں تو یہ ایسا کفرانِ نعمت ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے وبال سے محفوظ رکھے اور اگر ہم نے اس کے بقا و استحکام یا اس کے صحیح استعمال سے غفلت برتی تو یہ ہماری کھلی ہوئی بدبختی ہوگی۔ بارگاہِ صمدیت میں جہاں سے ہمیں نعمت ملی ہے شکرگزاری کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ جس مالکُ الملک اور حاکمِ حقیقی نے ہمیں اپنے نائب امین کی حیثیت سے یہ امانت سپرد کی ہے اسی کی

Marfat.com

منشاء و مرضی کے مطابق ہم اس پر تصرّف کریں اور اس کے پیش کیے ہوئے معیار پر پورے اترنے کی جدوجہد میں مصروف ہو جائیں۔

(تقریر شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیّر احمد صاحب عثمانی رحمتہ اللہ علیہ از ریڈیو پاکستان کراچی بموقع عیدِ استقلال ۱۴ اگست ۱۹۴۸ء)

علامہ شبیّر احمدؒ کی اس تقریر کو پڑھ کر کوئی بدبخت ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ قیام پاکستان کا مقصد نظام اسلام کے نفاذ کے سوا کچھ اور تھا۔ علاّمہ کی حق گوئی کی یہ شان تھی کہ ایک دفعہ آرام باغ کراچی میں منعقد ہونے والے ایک بہت بڑے جلسے میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"اگر حکومت مجھ پر زروجواہر کی بارش کر دے تو بھی میں کسی خلاف اسلام فعل میں اس کی ذرہ برابر تائید نہ کروں گا اور اگر پبلک میرا منہ کالا کرے اور گدھے پر چڑھا کر شہر کی گلیوں میں میری تشہیر کرے تو اس وقت بھی حق و صداقت کی راہ سے نہ ہٹوں گا۔"

(ماہنامہ فاران کراچی جنوری ۱۹۵۰ء)

قائدِ اعظمؒ کے نزدیک علاّمہ شبیّر احمدؒ کا جو مقام و مرتبہ تھا اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے تحریری وصیّت کی کہ ان کی وفات کے بعد ان کا جنازہ علامہ شبیّر احمد عثمانیؒ پڑھائیں گے چنانچہ جب ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو قائدِ اعظم نے وفات پائی تو دوسرے دن علاّمہ موصوف ہی نے کئی لاکھ کے مجمع کی امامت کرتے ہوئے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اسی زمانے میں علاّمہ پر فالج کا حملہ ہوا اگرچہ یہ حملہ شدید نہیں تھا پھر بھی اس نے ان کے جسمانی قویٰ پر بڑا اثر ڈالا۔

اسی علالت کے سبب وہ خیر سگالی کے اس وفد میں شامل نہ ہو سکے جو ۱۹۴۹ء میں حجازِ مقدس جا رہا تھا۔ ان کی جگہ حکومت نے مجبوراً مولانا ظفر احمد تھانویؒ کو وفد

Marfat.com

میں شامل کیا تاہم علامہ نے اپنے مقامی (یا اندرونِ ملک) معمولات اور ملّی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوئی خلل نہ آنے دیا۔ حالات کی ستم ظریفی کہیے یا تقدیر کا کھیل کہ دسمبر ۱۹۴۹ء میں جب سارے ملک کو سخت سردی نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا' علامہؒ کو بہاولپور جانا پڑا۔ بہاولپور جانے کی تقریب یہ ہوئی کہ وہاں کی قدیم دینی درسگاہ جامعہ عباسیہ کے تعلیمی نظام میں سخت بگاڑ پیدا ہو گیا تھا۔ اسی کی اصلاح و ترقی اور مشورے کے لیے بہاولپور کی وزارت تعلیم نے علامہ کو بہاولپور آنے کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی۔

علامہ ۸ دسمبر ۴۹ء کو کراچی سے بہاولپور تشریف لے گئے۔ ۱۳ دسمبر ۴۹ء کی صبح تک طبیعت بظاہر ٹھیک معلوم ہوتی تھی لیکن انہوں نے خلافِ معمول ایک کے بجائے دو پیالیاں چائے پی اور فرمایا کہ رات کو کچھ حرارت رہی۔ اسی وقت ڈاکٹر کو طلب کیا گیا جس نے بہت خفیف حرارت بتائی اور دوا دے دی۔ دس بجے کے قریب سینہ میں غیر معمولی گھبراہٹ محسوس ہوئی۔ دوبارہ ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ نبض کی رفتار اس وقت طبعی رفتار سے قدرے سست تھی۔ اب ایک طبیب اور دوسرے ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ چار پانچ انجکشن دیے مگر نبض ڈوبتی ہی چلی گئی' آخر گیارہ بج کر ۵۰ منٹ پر یہ آفتابِ علم و فضل غروب ہو گیا۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن

میت اسی روز شام کو ٹرین کے ذریعے بہاولپور سے کراچی روانہ کر دی گئی۔ ڈیرہ نواب صاحب' احمد پور شرقیہ کے اسٹیشن پر صادق محمد خان نواب صاحب نے میت کی زیارت کی اور انتہائی دکھ اور صدمے کا اظہار کیا۔ کراچی کے اسٹیشن پر ہزاروں کے سوگوار مجمع نے میت کو گاڑی سے اتارا اور پہلے مرحوم کی قیام گاہ واقع محمد علی روڈ پر لائے۔ اس کے سامنے ہی عامل کالونی میں قبر تیار ہوئی۔ جنازے میں

Marfat.com

لاکھوں لوگ اشکبار آنکھوں کے ساتھ شریک تھے اور تابوت کو کاندھا دینے کی سعادت حاصل کرنے کے لیے ٹوٹے پڑتے تھے۔ بقول مولانا ماہر القادریؒ اللہ تعالیٰ نے شیخ الاسلام کی وفات کے بعد ان کے قبول عام' ان سے عقیدت اور وابستگی اور ان کی ہر دلعزیزی کو اور بڑھا دیا۔ اسی نسبت سے آخرت میں بھی درجات میں ترقی اور بلندی نصیب ہوگی۔''

علامہ مرحوم نے اپنے پیچھے کوئی صلبی اولاد نہیں چھوڑی البتہ شاگردوں کی صورت میں باطنی اولاد سینکڑوں کی تعداد میں چھوڑی۔ ان میں سے بیشتر کو دیوبند اور ڈابھیل میں ان سے شرف تلمّذ حاصل ہوا۔ ان میں سے بعض اپنے وقت کے نابغۂ روزگار علماء میں شمار ہوئے کچھ کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مولانا مفتی محمد شفیعؒ' مولانا محمد یوسف بنوریؒ' مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ' مولانا احسن گیلانی' مولانا ابوالماثر' محمد حبیب الرحمٰن اعظمی'

کثیر التّعداد شاگردوں کے علاوہ علّامہ شبّیر احمدؒ نے چند عظیم علمی یادگاریں بھی اپنے پیچھے چھوڑیں ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں:

علم الکلام' العقل والنقل' اعجاز القرآن' حجاب شرعی' الشہاب لرجم الخاطب المرتاب' شیخ الہندؒ کے ترجمۂ قرآن پر تفسیری حواشی اور فوائد' فتح الملہم (شرح صحیح مسلم متعدد جلدوں میں) ان کے علاوہ بھی متعدّد چھوٹے چھوٹے رسائل اور مضامین ان کی تصنیفی اور علمی یادگاروں میں شامل ہیں۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے شیخ الہندؒ کے ترجمۂ قرآن پر علّامہ کے حواشی کی بے حد تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ:

''ان کے حواشی سے مرحوم کی قرآن فہمی اور تفسیروں پر عبور اور عوام کے دلِ نشین کرنے کے لیے ان کی قوتِ تفہیم حدِ بیان سے بالا ہے۔ ان حواشی کی افادیت کا

Marfat.com

اندازہ اس سے ہوگا کہ حکومتِ افغانستان نے اپنے سرکاری مطبع سے قرآنی متن کے ساتھ حضرت شیخ الہند کے ترجمہ اور مولانا شبیّر احمد صاحب کے حواشی کو افغانی مسلمانوں کے فائدہ کے لیے فارسی میں ترجمہ کر کے چھاپا ہے۔" (یادِ رفتگاں)

ادیبِ شہیر مولانا ماہر القادریؒ نے علامہ شبیّر احمد کے علم و فضل کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"شیخ الاسلام" علم و فضیلت کے اس بلند مقام پر فائز تھے جہاں امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کی عباؤں کی پرچھائیاں نظر آتی ہیں۔ انہوں نے کم و بیش چالیس سال بوریے پر بیٹھ کر علم دین کا درس دیا اور سینکڑوں تشنگانِ علم و ادب کو نہ صرف سیراب کیا بلکہ اس قابل بنا دیا کہ وہ خود دوسروں کی پیاس بجھا سکیں۔ قرآنِ مقدّس کے ترجمہ پر شیخ الاسلام قدس سرّہ کے حواشی اور فوائد پڑھ کر علامہ ابنِ کثیر کی قرآنی بصیرت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ صحیح مسلم شریف کی شرح (عربی) میں امام ابن تیمیہؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے فہمِ حدیث کی جھلکیاں نظر آتی ہیں اور "العقل والنقل" سے امام غزالیؒ کی اسلامی فلسفیانہ فکر کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔ مرحوم نے نہایت قوی حافظہ پایا تھا۔ اس پیرانہ سالی میں بھی تمام علوم مستحضر تھے۔ کوئی علمی تذکرہ چھڑ جاتا تو گفتگو میں کتابوں کے حوالے دیتے جاتے۔" (ماہنامہ فاران کراچی جنوری ۵۰ء)

فتح الملہم (شرح صحیح مسلم) کی اہمیّت کے پیشِ نظر نظام حیدر آباد (دکن) نے علامہؒ کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا لیکن افسوس کہ یہ شرح چند جلدوں تک محدود رہی اور پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکی تاہم اتنی جلدوں کو بھی علامہ کا زندۂ جاوید کارنامہ قرار دیا جاتا ہے کیونکہ حنفی نقطۂ نگاہ سے صحیح مسلم کی یہ پہلی شرح تھی جو عربی زبان میں لکھی گئی چنانچہ مصر، شام اور کئی دوسرے ملکوں کے حنفی علماء نے یہ شرح لکھنے پر علامہ کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔

Marfat.com

محاسنِ اَخلاق کے اعتبار سے علامہ شبّیر احمد عثمانیؒ ایک فرشتہ سیرت انسان تھے۔ ان کی سادگی، درویشانہ معاشرت اور استغنا کا ذکر پیچھے آ چکا ہے۔ ذاتی معاملات اور ضرورتوں کے لیے وہ بے حد محتاط، انتہائی غیور اور خود دار تھے مگر دوسروں کی امداد و اعانت کے لیے بے حد کشادہ دست تھے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ رقمطراز ہیں کہ:

''مرحوم (علامہ شبیر احمدؒ) مروّت کے آدمی تھے اور اہلِ حاجت کی سعی و سفارش بدِل و جان کرتے تھے چنانچہ پاکستان کے اہلِ حاجت اور اہلِ غرض دونوں ان سے فائدہ اٹھاتے رہے اور وہ اپنی جاہ و منزلت کا ذرا خیال کیے بغیر ہر ایک کے کام آتے رہے اور حُکّام کے پاس جا جا کر بے تکلّف ان کی سفارشیں کرتے رہے۔'' (یادِ رفتگاں)

مولانا ماہر القادریؒ کا مشاہدہ علامہؒ کے بارے میں یہ تھا۔

''طبیعت متواضع تھی، جلسوں کی صدارت کرتے ہوئے ممتاز جگہ پر بیٹھتے تو فرطِ تواضع سے گردن جھکا لیتے تھے، فراستِ مومن بھی اللہ نے ان کو بخشی تھی اور ساتھ ہی حرمِ کعبہ کے کبوتر کی طرح بھولے بھالے بھی تھے۔ اس بھولے پن سے بعض اہلِ غرض جا و بے جا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے۔ ان کی ذات سے لوگوں کو دین ہی کا نہیں دنیا کا فائدہ بھی پہنچتا رہا۔ کوئی اپنی پریشانی ظاہر کرتا تو اس کی داستانِ غم سن کر ہر ممکن امداد کے لیے تیار ہو جاتے۔ (فاران جنوری ۵۰ء)

علّامہ صاحب کا ارادہ تھا کہ وہ پاکستان میں ایک عظیم الشان عربی درسگاہ قائم کریں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے مخلصین کی ایک جماعت بھی تیار کی تھی لیکن افسوس کہ موت نے انہیں یہ ارادہ پورا کرنے کی مہلت نہ دی۔

علّامہ موصوف فضل و کمالات، اصابتِ رائے، فہم و فراست، تقریر و تحریر اور ادب و انشاء ہر اعتبار سے بّرِکوچک کے سرآمد روزگار علماء میں شمار ہوتے تھے۔ اس

Marfat.com

مختصر مضمون میں ان کے ذاتی، علمی اور سیاسی کمالات کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ ہم اس کو مولانا ماہر القادریؒ کے ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں جو انہوں نے علامہؒ کی وفات پر اپنے تعزیتی مقالے میں لکھے:

"شبیر احمد گوشت پوست کے ایک مجسّمہ، ایک پیکر کا نہیں ایک اصولِ حیات، ایک زاویہ فکر اور ایک پیامِ زندگی کا نام تھا۔ جسدِ خاکی ہمارے درمیان سے اٹھا لیا گیا کہ یہ قانونِ فطرت ہے مگر جانے والے کا پیام زندہ اور پائندہ ہے۔ زندگی کی شاہراہ میں اس کے نقشِ پا صاف نظر آ رہے ہیں۔ اس کے فکر و عمل کی شمع بدستور روشن ہے۔ یہ پیام، یہ شاہراہ، یہ شمع کیا تھی اسلام اور یہ وہ شمع ہے جسے افراد کیا قوموں کی موت کے سانحے بھی گُل نہیں کر سکتے۔ یہ چراغ جو صبحِ ازل میں روشن ہوا تھا شامِ ابد تک جلتا رہے گا۔"

رحمۃ اللہ علیہ

حدیثِ نبوی ﷺ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ بندے جو میری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے آپس میں الفت اور محبت رکھتے تھے؟ آج جب کہ میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہے میں اپنے بندوں کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا۔ (عن ابو ہریرہ) (صحیح مسلم)

Marfat.com

کتابیات

اس کتاب کی ترتیب وتدوین میں جن کتابوں سے براہِ راست یا بالواسطہ استفادہ کیا گیا ہے' ان کے نام یہ ہیں۔

۱- صحیح بخاری امام بخاریؒ
۲- صحیح مسلم امام مسلمؒ
۳- موطا امام مالکؒ
۴- مُسندِ احمد بن حنبلؒ
۵- مُسندِ ابی داوٗدؒ امام ابوداوٗد طیالسیؒ
۶- جامع ترمذیؒ امام ابوعیسٰی ترمذیؒ
۷- المُستدرکِ حاکمؒ امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوریؒ
۸- المغازی------ علاّمہ ابوعبداللہ محمد بن عمر واقدیؒ
۹- فتوحُ الشّام----- علاّمہ ابوعبداللہ محمد بن عمر واقدیؒ
۱۰- الطبقات الکُبریٰ------ علامہ ابنِ سعدؒ کاتب الواقدی
۱۱- تاریخ الامم والملوک------ امام ابنِ جریر طبریؒ
۱۲- الکامل فی التّاریخ------ علاّمہ ابنِ اثیرؒ جزری
۱۳- السیرۃُ النّبویہ------ علاّمہ ابنِ ہشامؒ
۱۴- اُسدُ الغابہ------ علاّمہ ابنِ اثیرؒ جزری
۱۵- البدایہ والنّہایہ------ حافظ ابنِ کثیرؒ
۱۶ فتوحُ البُلدان------ علاّمہ بلاذُریؒ

Marfat.com

۱۷- انساب الاشراف----- علامہ بلاذریؒ

۱۸- تذکرۃ الحفاظ----- حافظ ذہبیؒ

۱۹- الاستیعاب فی معرفتہ الاصحاب----- حافظ ابنِ عبدالبرؒ

۲۰- الاصابہ فی تمیز الصحابہ----- حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ

۲۱- تہذیب التہذیب----- حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ

۲۲- الاخبار الطوال----- ابوحنیفہ دینوری

۲۳- المشاہد----- حکیم رحمان علی خان مرحوم

۲۴- حیاۃ الصحابہؓ----- مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ

۲۵- سِیَرُ الصحابہؓ (جلد اول، دوم و ہفتم)----- شاہ معین الدین ندویؒ

۲۶- سِیَرِ انصار (جلد اول، دوم)----- مولانا سعید انصاری مرحوم

۲۷- اہلِ کتاب صحابہؓ تابعینؒ----- حافظ مجیب اللہ ندوی

۲۸- تابعین----- شاہ معین الدین احمد ندویؒ

۲۹- تبعِ تابعین----- حافظ مجیب اللہ ندوی

۳۰- اصحابِ بدر----- قاضی محمد سلمان منصور پوریؒ

۳۱- تاریخِ اسلام----- شاہ معین الدین احمد ندویؒ

۳۲- تاریخِ ملّت----- قاضی زین العابدین میرٹھی

۳۳- دائرہ معارفِ اسلامیہ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام) پنجاب یونیورسٹی (مختلف جلدیں)

۳۴- تاریخِ صقلیہ----- مولانا ریاست علی ندویؒ

۳۵- عمرِ فاروق اعظمؓ----- محمد حسین ہیکل مصری

۳۶- البیان المغرب----- ابن العذاریؒ

اردو ترجمہ ''تاریخِ مغرب''----- محمد جمیل الرحمٰن)

Marfat.com

۳۷- المعجم فی تلخیص اخبار المغرب----- عبدالواحد مراکشیؒ
(اردو ترجمہ خلافتِ مُوَحِّدین----- محمد نعیم الرحمٰن)
۳۸- تاریخِ مراکش----- کرنل اسمٰعیل بیگ
۳۹- سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ----- مولانا عبدالسلام ندویؒ
۴۰- سلاجقہ----- مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
۴۱- نظام الملک طوسی----- مولانا عبدالرزاق کانپوریؒ
۴۲- تاریخِ بخارا----- پروفیسر ویمبرے ترجمہ عبدالمجید سالک مرحوم
۴۳- سوانح مولانا رومؒ----- شبلی نعمانیؒ
۴۵- خالدؓ سیف اللہ----- ابوزید شلبی
۴۶- حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط----- خورشید احمد فارق
۴۷- تذکرہ شاہ ولی اللہ مُحَدِّث دہلویؒ----- مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ
۴۸- الواح الصنادید حصہ اول----- عطاء الرحمٰن قاسمی
۴۹- حکمائے اسلام جلد اول----- مولانا عبدالسلام ندویؒ
۵۰- مشاہیرِ اسلام----- مرتبہ ملک محمد الدین مرحوم
۵۱- ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد----- شمارہ جولائی ۱۹۷۱ء
۵۲- ماہنامہ ثقافت لاہور----- شمارہ اپریل ۱۹۶۷ء
۵۳- ماہنامہ الرحیم حیدرآباد----- شمارہ فروری ۱۹۶۷ء
۵۴- ماہنامہ فاران کراچی----- شمارہ جنوری ۱۹۵۲ء
۵۵- ماہنامہ فاران کراچی----- شمارہ ستمبر ۱۹۵۲ء

ان کے علاوہ بھی چند متفرق کتب و رسائل سے استفادہ کیا گیا ہے۔

☆☆

Marfat.com

کتابیں دُنیا پر حکمرانی کرتی ہیں

نبی کریم ﷺ کے عزیز و اقارب
محمد اشرف شریف ۔ ڈاکٹر اشتیاق احمد

سرکارِ مدینہ ﷺ
اور آپ کے
خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم
مولانا چراغ حسن حسرت

خُلقِ خیر الخلائق ﷺ
طالب الہاشمی

خیر البشر ﷺ کے
"بارہ خادمانِ خاص رضی اللہ عنہم"
طالب الہاشمی

سیرت
حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ
طالب الہاشمی

سیرت
حضرت سعد بن ابی وقاص
طالب الہاشمی

سیرت
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
طالب الہاشمی

سیرت
میزبانِ رسول حضرت ابو ایوب انصاری
طالب الہاشمی

سُلطان نور الدین محمود زنگی
طالب الہاشمی

تذکارِ صحابہ
طالب الہاشمی

صحابہ رسول ﷺ
ہندوستان میں
اکبر علی خان قادری

خونیں تحریکیں
اظہر امرتسری

شرح اسماء الحسنیٰ
مولانا اصغر علی روحی

چاندی کی ہتھکڑی
اور دوسری کہانیاں
طالب الہاشمی

یمن کا سورما اور
دوسری کہانیاں
طالب الہاشمی

روحانی بیماریاں
اور ان کا علاج
حافظ ابن قیم

قسمت کا سکندر اور
دوسری کہانیاں
طالب الہاشمی

علم بڑی دولت ہے
اور دوسری کہانیاں
طالب الہاشمی

ISBN 969-8810-03-X

طٰہٰ پبلی کیشنز
اُردو بازار لاہور فون: 0333-4470509